ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری
DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR
NEW DELHI
Rare.
CALL NO. 811.09 / 168 Ho.4
Accession No. 15618

Kar
811.09
168 Ho.4

Call No. 811.09
1684O.4

Acc. No. c 15618

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

جس میں حالات و نمونہ کلام کہنہ مشقان سخن کہ زبان اردو کے شہرہ آفاق شاعر ہیں کا مکمل تذکرہ

موسوم بہ

تذکرہ ہزار داستان

معروف بہ

۱۳۴۵

خمخانۂ جاوید

جلد چہارم

لالہ سری رام ایم اے مصنف دہلوی خلف الصدق عالیجناب جنت مکانی لالہ

مدن گوپال صاحب بیرسٹر رئیس دہلی کی لگاتار ۲۰ برس کی محنت اور کوشش کا نتیجہ

سنہ ۱۹۲۶ء

کتاب ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس ... الیکٹرک پریس ... میں چھپا

(۱۳۰۰)

تذکرۂ ہزار داستان

المعروف

۱۳۲۵ھ

خمخانۂ جاوید

مؤلفہ

جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔اے۔

سابق منصف دہلی۔ خلف الصدق

عالیجناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب

تذکرۂ ہندوستان

تذکرۂ معروف بہ

خمخانۂ جاوید

جلد چہارم

سابق

سابق - قاضی غلام احمد عرف امدو میاں۔ آپ بیگن پلی علاقہ مدراس میں پیدا ہوئے قوم نوابط سے ہیں۔ آپکے مورث اعلیٰ علی محمد مخدوم نابطی اودگیری علاقہ نظام کے مشاہیر سے تھے۔ مولوی غلام رسول جو آپکے والد ہیں علاقہ کرنول کنتلہ دکن میں قاضی ہیں۔ اردو فارسی انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ شاعری میں جناب نیساں کے شاگرد ہیں۔ کلام سے خوش مشقی کا اظہار ہوتا ہے۔ دو تین شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

حرم میں نہاں ہے شان تیری بتوں میں ظاہر کمال تیرا
ہر ایک شے میں میں دیکھتا ہوں شہود تیرا جمال تیرا

خواہش دید کا ہے یہ حاصل
غیب سے شور لن ترانی ہے

چھوڑ کر جاؤنگا کہاں سابق
میرا سر اُن کا آستانہ ہے

ساجد

ساجد - مولوی حافظ ساجد علی صاحب وکیل اورنگ آباد قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے رہنے والے

اور حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آپکا مجموعہ رباعیات شایع ہو چکا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قدیم الفاظ میں جدید خیالات کو نہایت حسن و خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ بیان کی سادگی زبان کی سلاست آپ کی اخلاقی شاعری میں جان ڈالدیتی ہے رباعیات میں اسلام کے زوال و تنزل اور مد و جزر کی تصویریں آپنے کھینچی ہیں وہ عبرت آموز ہیں۔ دل میں قوم کا درد ہونا ظاہر ہے۔ یہ درد ہی تو ہے جو ایسے پُر تاثیر شعر لکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے

قطعہ

اب ہم میں کوئی صاحب ایماں نہ رہا — اب وہ عمل حدیث و قرآں نہ رہا
گو نام کے ہیں بہت مگر مثل سراب — حق یہ ہے کہ اب کوئی مسلماں نہ رہا
جب بڑھ کے چلے گئے شجر کی مانند — اونچے جو بڑے گرے ثمر کی مانند
سایہ کی طرح رہا عروج اور زوال — دنیا میں گھٹے بڑھے قمر کی مانند

بس گیا جب سے بتِ مہوش رہا تو دل میں — دل نہ قابو میں رہا اور نہ قابو دل میں
ٹوٹتا ہے مری الفت کو مرا تیر فگن — ناوکِ ناز ہی ہو آکے ترا زو دل میں

افسوس چلے وقتِ سفر سے پہلے — خاموش بڑے شمع سحر سے پہلے
آغازِ شباب ہی نے مارا ہم کو — دن ڈھل گیا ہائے دوپہر سے پہلے

گرمی میں بسانِ شمع بے وقت جلے — سردی میں بسانِ برف ذرات گلے
نیرنگِ فلک کے شعبدوں سے ساجد — افسوس کہ ہم کبھی نہ پھولے نہ پھلے

انسان کو تواضع سے شرف ہوتا ہے — جب یہ ہو تو اوج ہر طرف ہوتا ہے
گرتا ہے سحاب سے جو قطرہ نیچے — آخر کو وہی دُرِ صدف ہوتا ہے

آوازِ اذاں میں ہائے حسن گن تیری — ناقوسِ برہمن میں بھی ہے دھن تیری
اک آن میں ہو گیا قیامت کا ظہور — واللہ قیامت کی ہے اک کن تیری

تعلیم سے کچھ نہ تربیت کوشی سے — خوابِ غفلت ہی خود فراموشی ہے

کیسی تہذیب صرف نقالی ہے ۔۔۔ سب لیے پے ہمت ہیں یہ موشی ہے
افسانۂ عجب سر بسر اُن کا ہے ۔۔۔ جو عیب ہے دنیا میں ہنر انکا ہے
کیا حال بیان کروں مسلمانوں کا ۔۔۔ اعلی سے اب اسفل میں گذر انکا ہے
افسوس کہ وہ دور دستی نہ گئی ۔۔۔ وہ شوق وہ ولولہ وہ مستی نہ گئی
وہ عمر رہی نہ وہ زمانہ ساحر ۔۔۔ پر دل سے تری ہوس پرستی نہ گئی

ساحر۔ قاضی محمد مقصود عالم سلیمان صاحب ۱۹۱۰ء میں زندہ تھے قصبہ سہسرام صوبہ بہار انکا وطن ہے۔ ابتدا میں منشی سلیمان تجمل جاود سے اصلاح لی پھر مولنا تمنا لکھنوی کے شاگرد ہوے آپکی طبیعت صفائی زبان اور معاملہ نگاری کیطرف مائل تھی۔ دو چار شعر جو دستیاب ہوے ہیں نذر ناظرین ہیں ؎

کوئی گاہک نہیں ملتا ہی کہ لے مول اسے ۔۔۔ بیچتے پھرتے ہیں بازار میں ہم دل اپنا
کچھ تسلی دل بیتاب کی شاید ہو وہاں ۔۔۔ لیجل اب کوچۂ جاناں میں تو لے دل مجھکو
دل زار کو ہم سنبھالینگے کیونکر ۔۔۔ جو بن غضب کے وہ روز آیا کرینگے
دیئے ہیں رنج حسینوں نے انتہا کے مجھے ۔۔۔ یہ پاتینگے نہیں معلوم کیا ستا کے مجھے
یہ کھو رہا ہے کسی سے ابھار جوبن کا ۔۔۔ حضور دیکھیں گے کنتک چھپا چھپا کے مجھے
نہ آئیگی مری آنکھوں میں تا قیامت نیند ۔۔۔ گئے ہیں خواب میں شکل اپنی وہ دکھا کے مجھے

ساحر۔ سخنور سحر زبان ناظم جادو بیان۔ صوفی روشن خیال۔ موجد عدیم المثال پنڈت امرناتھ صاحب مدن آپ رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن رئیس دہلی کے خلف اکبر ہیں آپکی ولادت باسعادت ۲۹ مارچ ۱۸۶۳ء کو بمقام بانسی دہلی ہوئی۔ اُس زمانہ میں آپکے والد ماجد وہاں محکمہ جنگلی کے ملازم تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب اور انکے جانشینوں کے مشہور دیوان راجہ دینا ناتھ صاحب آپ ہی کے خاندان کے ایک معزز رکن ہوے ہیں۔ رائے بہادر موصوف کے برادر کلاں زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں سرکار انگلشیہ کی فوج میں صوبیدار

تھی۔ آپنے ایسے نازک وقت میں اپنے فرائض منصبی کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور متعدد حکام بالادست نے اپنی رپورٹ میں آپکے وفادارانہ رویہ کا اعتراف کیا ہے۔ پنڈت صاحب موصوف انہیں ایام پرآشوب میں نشانۂ تفنگ اجل ہوئے۔ گو رائے صاحب بہادر کی عمر اُس زمانہ میں ۷ ہی سال کی تھی لیکن سرکاری افسران فوج کی قدردانی سے انکو صغر سنی ہی میں اپنے مرحوم بھائی کا عہدہ عطا ہوا۔ ساحر صاحب بارہ برس کی عمر میں علامۂ عصر پنڈت پرشاد رام رازداں کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ انکے فیض تعلیم سے تین چار ہی سال میں اُردو و فارسی زبان کے ماہر ہو گئے۔ لڑکپن ہی میں آپکو اساتذۂ اُردو اور شعرائے فارسی کے ہزاروں اشعار یاد تھے جنہوں نے معنی بابِ طبیعت میں شاعری کی استعداد اور قابلیت و ذوق پیدا کر دیا۔ آپ کئی برس تک اکبرآباد میں مقیم رہے۔ میرزا مہر، آغا صوفی، ماہ، صفی جیسے سخنورانِ باکمال کے مشاعروں میں شرکت فرمائی اور میدانِ سخن میں کوسِ لمن الملک بجایا۔

آپنے شعرائے متقدمین کے نقش قدم پر چل کر سب سے پہلے فارسی زبان میں شعر کہا۔ مولانا عبدالحلیم عاصم کاشانی جو دیگر مشرقی و مغربی زبانیں جاننے کے سوا فارسی زبان کے ادیب اور زبردست شاعر تھے اُن سے فارسی میں تلمذ اختیار کیا۔ شفیق اُستاد کی توجہ سے چند ہی روز میں علم عروض و قوافی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا ہو گئی اور عمدہ شعر کہنے لگے۔ ۲۲ سال کی عمر میں آپ اجمیر شریف تشریف لیگئے۔ اور وہاں احباب کی ترغیب سے ریختۂ اُردو پر توجہ فرمائی۔ پھر دہلی آکر پنڈت جواہر ناتھ ساقی اور منشی رام رچھپال سنگھ شیدا سے گرمیِ صحبت رہی اور شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا۔ آپ دہلی کے گذشتہ مشاعروں میں دادِ سخن لے چکے ہیں۔ میر شاہ ستان کابلی، منشی بہاری لال مشتاق، میر شاہجہاں کامل آپسے محبت رکھتے تھے۔ آپنے سرکاری ملازمت کی اہم ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ دنوں تک شاعری کو خیرباد کہدی تھی۔ ۱۹۵۵ء میں شملہ جیسے پُرفضا مقام پر قدرت کے رنگا رنگ نظاروں نے آپکے شاعرانہ

جذبات کو ابھارا۔ شوق رفتہ میں نئی روح پھونکنی چاہی مگر کار سرکاری کا ہجوم مانع سخن ہوا۔ عرصہ دراز تک عہدۂ تحصیلداری پر ممتاز رہے۔ لیکن شاعری کا شغلہ قایم رہا۔

اب آپ اپنے وطن دہلی میں رونق افروز ہیں اور ہر مہینہ کے اخیر ہفتہ کو مشاعرہ آپکے دولتخانہ پر منعقد ہوتا ہے۔ جسطرح آپ میدان نظم کے علمبردار ہیں اسی طرح نثر میں بھی آپ کا پایہ نہایت بلند ہے۔ سفیر کشمیر۔ کشمیر پرکاش۔ ورنہمر تھ وغیرہ میں آپکے اخلاقی مضامین نکلتے رہے ہیں۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں جو پرچہ "سحر ساحر" کے نام سے شایع ہوا تھا وہ آپکی جادو نگاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ آپ متعدد کتب کے مترجم۔ مولف۔ مصنف ہیں۔ جہاں آپنے اردو میں بھگوت گیتا کے خلاصہ کو نظم فرمایا ہے وہاں قرآن کا ترجمہ کیا ہے وہاں شعرائے انگلستان کے زرین خیالات کو بھی اپنی زبان کے سانچے میں ڈھالدیا ہے۔ آپ قصیدہ رباعی قطعہ مخمس مسدس غرض جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں۔ ابتدائی وسطی آخری کلام کا وغیرہ۔ باریک بین معنی سنج اشخاص کے سامنے ہر زمانہ کے جذبات پیش کرتا ہے۔ ظریفانہ کلام بھی قابل ستایش ہے۔ بندش کی خوبی مضامین کی خوش اسلوبی قابل داد ہے۔ زبان نہایت صاف ہے۔ آپ خط و خال شاہد و ساغر کے پیرایہ میں جو عارفانہ خیالات ادا کرتے ہیں وہ صاحبان ذوق پر وجد کا عالم طاری کر دیتے ہیں۔ مقام فنا۔ بقا۔ تجلی وغیرہ کے مضامین سے آپ اردو زبان کو پاکیزہ بنا رہے ہیں بازاری جذبات اور عامیانہ مذاق سے آپکی شاعری کو کوئی تعلق نہیں۔ آپ نہایت متین مہذب با اخلاق۔ ملنسار منکسر المزاج شخص ہیں۔ اب دہلی میں شاعری کا چرچا آپکے دم سے ہی ہے بیشتر اپنا وقت شعر و سخن کی خدمت میں صرف کر رہے ہیں اور سالانہ ذاتی صرف کثیر سے ایک بڑا مشاعرہ دہلی میں کرتے ہیں جسمیں بیرونجات کے مشہور شعرا بلائے جاتے ہیں۔ آپ مولف تذکرہ کے عنایت فرما ہیں راقم نے یکم جولائی سنہ ۱۹۱۲ء میں اپنی کوٹھی پر ایک جلسہ کا انعقاد کیا تھا جسمیں حاذق الملک حکیم اجمل خاں۔ سر علی امام۔ نواب سید امداد امام اثر۔ راجہ سر علی محمد خاں والی محمود آباد جیسے مشاہیر موجود تھے۔ اس موقعہ پر ساحر صاحب نے اپنا ایک قطعہ سنا کر داد سخن لی تھی جو انتخاب کلام کے ساتھ درج کیا جاتا ہے ؎

حوصلہ وجہ تپش ہائے دل و جاں نہوا
شعلۂ شمع تری بزم میں رقصاں نہوا

حسن تھا مست ازل جام انا لیلیٰ سے
تن کی عریانی سے مجنوں کوئی عریاں نہوا

لب منصور سے دی کس نے انا الحق کی صدا
تو اگر پردۂ پندار میں پنہاں نہوا

دل ہٹا پر نہ ہٹا حرف محبت دل سے
کفر اسلام ہوا امر کہ ایماں نہوا

مرکز عشق ہی ہے دائرۂ ہستی میں
یہ ہے سیارہ سے ثابت ہے کہ دوراں نہوا

شب کو سیر انفس گرم ہے خورشید فلک
ورنہ خورشید کبھی شب کو نمایاں نہوا

سہم ہے چشم عنایت سے ہمیشہ محروم
دل نشیں تیر نظر کا کوئی پیکاں نہوا

تم ہو ہاں جان جہاں دل ہے جہان ارماں
تم رہے دل میں تو مجموعۂ پریشاں نہوا

چشم جاناں ہیں سماتے ہیں سمانے والے
موت سے آنکھ لڑانا کوئی آساں نہوا

دیدۂ بینا ہی نے نقش جہت آئینہ حسن
جلوۂ یار سے پیدا ہے کہ پنہاں نہوا

ہے کرشمہ مرے ساقی کا عجب ہوش ربا
کہئے صاف سے غارت گر ایماں نہوا

دل ہے بتخانہ اصنام خیالی ساحر
تو وہ کافر ہے کہ بھولے سے مسلماں نہوا

ساقی بزم ازل کب سے ہے پیمانہ بدست
کوئی اس عہد میں دردی کش میخانہ ہوا

دل کی تسکین کو کافی ہے پریشاں ہونا
ہے توکل بخدا بے سروساماں ہونا

کور دیدہ ہے جسے دعوئے بینائی ہے
شرط اول ہے یہاں دیدۂ حیراں ہونا

اے پری رو ترے دیوانہ کا ایماں کیا ہے
ایک نگاہ غلط انداز پہ قرباں ہونا

دور جب دل سے حجاب شب عصیاں ہوگا
چہرۂ شاہد مقصود نمایاں ہوگا

درد عشق اور ہر اک شخص کا حصہ ہیہات
وہی پائے گا جو اس گنج کا شایاں ہوگا

وہ سمجھتے ہیں کہ ہے میری تمنا اس کو
سمجھوں ارماں سے ہمیں کوئی بھی ارماں ہوگا

یوں تو ہر زخم جگر ہے مزا لذت کش درد
ہر ادا میں تری ایک ایک نمکداں ہوگا

جلا ہی کسقدر دل ذوق کاوش ہائے مژگاں پر
کہ سو سو نشتروں کی نوک ہے ہر ہر رگ جاں پر

پڑا ہوگا مگر عکسِ عذارِ لالہ گوں ورنہ
یہ گستاخی ہمارا خون در قاتل کے داماں پر

طریقِ عشق میں ہے رنج پہلے اور خوشی پیچھے
مدارِ صبحِ روزِ وصل ہے اک شامِ ہجراں پر

مری دیوانگی روزِ قیامت سر سے کام آئی
قلم رحمت کا کھینچا اُسنے آخر میرے عصیاں پر

اگر اُنکے تغافل کو ہے دعویٰ اپنی تمکیں کا
ہماری خود فراموشی کو ہے ناز اپنے نسیاں پر

عشاق کا ضمیر ہے جامِ جہاں نما
مجھسے کہاں چھپینگے وہ ایسے کہاں کے ہیں

کوئی دیتا ہے تمہیں سنگدلی کا طعنہ
سخت جانی کی ندامت سے مگر رہنے دو

دوستو تمکو مبارک رہے یہ شربتِ ام
ہمکو لذت کشِ خونابِ جگر رہنے دو

زاہد دیا رہے نارِ جہنم کا عذاب
خیر جا ہو تو مرا دامنِ تر رہنے دو

ساحر اب ترکِ وفا شیوۂ عشاق نہیں
سرِ چہ آید کے لئے سینہ سپر رہنے دو

سرِ عرشِ بریں ہے زیرِ پائے پیرِ میخانہ
کمالِ اوج پر ہے حسنِ عالمگیرِ میخانہ

زیارت کو چلے ہیں شیخ و زاہد فی امان اللہ
خدا کی شان ہے کچھ پھر گئی تقدیرِ میخانہ

پری شیشہ میں ہے ساغر میں ہے خورشید نور افگن
یہ ہے تسخیرِ میخانہ وہ ہے تنویرِ میخانہ

جو پہنچا میکدہ میں چھوڑ کر دیر و حرم ساحر
جھکا سر ذوقِ مستی میں یہ ہے تاثیرِ میخانہ

آنکھیں تصور وار ہیں دل شرمسار ہے
در پردہ در ہیں راز کے اک پردہ دار ہے

خلوت میں انجمن ہے تو جلوت میں انجمن
آئینہ سے نگاہ کسی کی دوچار ہے

قطعہ

آئی جو مجھکو نیند تصور میں ایکبار
کیا دیکھتا ہوں سامنے تصویرِ یار ہے

میں نے بصد سماجت و منت کہا کہ یار
کیوں میرے پاس آنے سے بوجہ عار ہے

سامانِ جملہ عیش مہیا ہیں تو نہیں
تیرے بغیر سینہ میں دل بیقرار ہے

آبِ رواں ہے کشتیِ مے اور جامِ زر
سبزہ ہے گل ہے ابر ہے بادِ بہار ہے

موجِ طرب ہے جوششِ طبعی ہے رنگِ شوق
سب کچھ ہی ایک صرف ترا انتظار ہے

یوں درفشاں ہوئے لبِ نازک کہ اے حریص
سن میرے قول کا تجھے گر اعتبار ہے

آساں نہیں ہے دولتِ دیدار کا حصول | نامحرموں پہ راز یہ کب آشکار ہے
تو معتقد ہے دیدہ و دل کی نشاط کا | بزمِ طرب میں یاد وہ بے روئے نگار ہے
یاس و امید و بیم و رجا ہے نفس نفس | دل اک قمار خانۂ لیل و نہار ہے
الفت بتوں کی جب کے بسی آب و گل میں ہو | ایسے صنم پرست کا کیا اعتبار ہے
فرصت نہیں جنہیں غیروں سے مجھکو تو یہ بتا | کیا واسطہ ہے مجھسے کہ یہ انتظار ہے
میں نے کہا یہ رنگ رچا تھا ترے لئے | رنگینیوں سے تجھکو مگر ننگ و عار ہے
غیروں سے آج ہے ترا خلوت کدہ تہی | اب تو ہے میں ہوں اور دلِ امیدوار ہے
یہ سنکے مسکرا کے وہ بولا کہ واہ واہ | مطلب کا اپنے یار بڑا ہوشیار ہے
غیروں سے کب ہوا ترا خلوت کدہ تہی | پہلو میں تیرے ایک دلِ امیدوار ہے
دیکھا جو غور سے میں خود منفعل ہوا | بولا کہ لے یہ تیرے قدم پر نثار ہے
آئی صدا کہ حیف ہے تیرے شعور پر | تیری انانیت سے مجھے ننگ و عار ہے
آئی ندا جو چاہے کہ بے پردہ دید ہو | کر شوق سے کنارہ کہ پھر ہم کنار ہے
یہ سنکے ہوش و عقل بھی رخصت طلب ہوئے | حیرت کدہ میں شوق سے اب تو بکار ہے
بے جام بادۂ ہستی ہے بے واسطہ وصال | بے شوقِ دید جلوۂ دیدار یار ہے

ساحرؔ ترا یہ خواب ہے رویائے صادقہ
بیداری ایسے خواب کے اوپر نثار ہے

گر تصور نہ ہو تصدیق تو ہے نقص کمال | خود چلے آئیں پہ کھنچے خدنگِ دل ہے وہی
رسوائے عشق ہے ترا شیدا کہیں جسے | عشاق میں مثال ہے رسوا کہیں جسے
ہے منزلِ فنا میں مرا ہم سفر وداع | روشن چراغ گنبدِ مینا کہیں جسے
سینۂ چمن ہے غنچۂ دل ہی شگفتہ دل | تیری نگاہ ہے چمن آرا کہیں جسے
غم پروریدہ ہے دلِ شوریدگانِ عشق | فرقت کی ایک رات ہی دنیا کہیں جسے

منسوب کفر و دیر سے ایماں حرم سے ہے　　　اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں سے ہے
وہ تیرہ بخت ہوں میں مرے ظلمت کدہ کا نور　　　ہے روشنائی شب یلدا کہیں جسے
ہم غیر معتبر سہی اور غیر معتبر　　　کہنا بجا ہے آپ کا جیسا کہیں جسے
ساحر نفس وہ دام ہے جس میں کہ ہے اسیر　　　موج رم خیال کہ عنقا کہیں جسے
تو ہے اور بوئے بیوفائی ہے　　　میں ہوں اور رنگ آشنائی ہے
آئینہ سے نگاہ جو دو چار ہو گئی　　　شبنم لطافت گل رخسار ہو گئی
عالم مٹا ہوا ترے نقش قدم سے ہے　　　نقش قضا مگر تری رفتار ہو گئی
غلط کہتے ہیں لوگ یک جان دو قالب　　　میں تن ہوں وہ جان ہے میں جان ہوں وہ تن ہے
اسی کا تم کو دھوکا تھا اسی کا مجھکو رونا تھا　　　کہ وہ دشمن تمہارے تھے جنہیں تم یار سمجھے تھے
ہماری بت پرستی شیخ عین حق پرستی تھی　　　وہ مشرک تھے جو فرق سبحہ و زنار سمجھے تھے

ساحر

ساحر ــ مطلع خورشید سخن وری آفتاب سپہر بلاغت گستری عالیجناب معلی القاب سر مہاراجہ علی محمد خانصاحب خلف عالیجناب ممتاز الملک راجہ سر امیر حسن خانصاحب والئی محمود آباد۔ آپ صوبہ اودھ کے ان امرائے جلیل القدر سے ہیں جو اس زمانہ میں اپنی گذشتہ شان و شوکت اور خاندانی عزت کو برقرار رکھتے ہیں۔

صوبہ جات متحدہ کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کا سہرا راجہ صاحب موصوف ہی کے سر ہے۔ ہندوستان کی نئی زندگی کا آفتاب تو بنگال یا پنجاب سے درخشاں ہوا مگر اسکی شعاعیں اودھ میں پھیلیں۔ آپ صوبہ مذکورہ میں سب سے پہلے لیڈر تھے جنہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ میں اتحاد عمل پیدا کرکے سیاسی خیالات کو ایک ہی مرکز پر جمع کر دیا تھا۔ اور نیشنل کانگریس میں ایسی زبردست تقریر کی تھی کہ تمام لیڈر دنگ رہ گئے تھے۔

اگر حاکمان ملک اور قوم کے درمیان باہمی اختلاف نہ ہوتا تو راجہ صاحب اپنی سیاسی

زندگی کو خیرباد کہکر کبھی وزارت کو ہرگز قبول نکرتے۔ مگر افسوس ہے کہ باد مخالف نے آپکو قومی کشتی کا ناخدا نہ بننے دیا۔ اور بہت جلد ملکی خدمات سے علیحدہ ہونا پڑا۔

آپ روشن خیال صائب الرائے رئیس ہیں علیگڑہ کالج کے علاوہ مختلف اسلامی سکولوں اور انجمنوں کی امداد کرتے رہتے ہیں ہندوستان کے مشہور اخبارات آپکے شاندار کارناموں پہ عمدہ رائے دے چکے ہیں۔ آپ کونسل واضع آئین و قوانین کے ممبر اور صوبہ جات متحدہ کے وزیر رہیں کسی زمانہ میں مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ کانگریس کی کرسئی صدارت پر بھی رونق افروز رہے۔ راجہ صاحب موصوف فن سخن کے موروثی دلدادہ ہیں۔ آپ کے پدر بزرگوار اور جد امجد نواب علی خاں مرحوم بھی شعر کہتے تھے اور صاحب دیوان تھے اور شعرا کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ملک کے مشہور انشاپرداز علی سجاد صاحب جن کے مضامین آج تک ناظرین مخزن کے دلوں میں چٹکیاں لے رہے ہیں۔ آپکے پرائیویٹ سکرٹری رہ چکے ہیں حضرت ریاض خیرآبادی حضرت ثاقب لکھنوی کو قدردانی سخن کے سلسلہ میں ماہانہ دیا جاتا ہے۔ گورکھپور سے لکھنؤ آنے پر ریاض نے شعر کہا ؎

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشت شباب　　جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

اس شعر کو سنکر آپ نے بیساختہ فرمایا ؎

ہمیں حسینوں کے انداز دلبری سکھلا　　جسے عزیز ہو دل وہ لکھنؤ آئے

غزل گوئی کے سوا مرثیہ گوئی میں بھی مشاق ہیں۔ آپکے ہاں عشرہ محرم کی مجالس نہایت تزک و احتشام سے ہوتی ہیں اور ہر سال ایک مجلس میں اپنا تصنیف کردہ نیا مرثیہ پڑہتے ہیں لکھنؤ اور قرب و جوار کے سیکڑوں سامعین مجلس میں شریک ہوتے ہیں اور ان سب کی مہمانداری میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی جاتی بعض اوقات آپنے مرثیہ خوانی کے وقت ممبر پر رونق افروز ہوکر سامعین کا دل ہلا دیا ہے اور ماہرین سخن نے آپکی سحربیانی کو تسلیم کیا ہے۔ ایک سال آپنے اپنی مجلس میں اپنا ایک تصنیف مرثیہ پڑہا تھا جسمیں گھوڑے

کی تعریف میں یہ ٹیپ لکھی تھی ؎

باغ میں جاتا تھا معشوق پری رو کیطرح / کوئی چٹکی جو کلی اُڑگیا خوشبو کیطرح

اس فقرہ کا سامعین میں عرصہ تک چرچا رہا۔ آپ انداز سخن میں اپنے والد کی پیروی کرتے ہیں۔ غزل میں حضرت یاس سے مشورۂ سخن رکھتے ہیں۔ اور مرثیہ گوئی میں جناب علی محمد صاحب عارف لکھنوی سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ مراثی کی جلد تیار ہے۔ دیوان غزلیات بھی قریب الاختتام ہے۔ آپ باوجود ایک معزز رئیس ہونیکے خلیق اور منکسر المزاج زیادہ ہیں۔ آپکا کلام ہر اعتبار سے اچھا ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اساتذۂ لکھنؤ کی اصلاح سے مزین ہوتا ہے۔ آپکی طبیعت صفائی زبان کیطرف راغب ہے۔ عاشقانہ سوز و گداز کا مرقع موثر الفاظ میں کھینچنے میں [illegible] اگرچہ غزل بہت کم فرماتے ہیں۔ مگر جب لکھتے ہیں تو خوب لکھتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو خدمت والا میں ہنگام قیام دہلی نیاز حاصل ہوا۔ از بس عنایت فرماتے ہیں۔ ابھی سنہ ۲۵ء میں بتقریب جشن ولادت شاہ جہاہ خطاب مہاراجگی سے مفتخر ہوئے ہیں۔ نمونۂ کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

وہ بات جو حضور کو مجھ سے خفا کرے / دل میں تمام عمر نہ آئے خدا کرے
اتنا تو ہے کہ تھام لیا آپنے ہی دل / اللہ میرے درد جگر کو سوا کرے
سچ تو یہ ہے کہ درد محبت ہے لاعلاج / یہ وہ مرض نہیں کہ مسیحا دوا کرے
آجائیں کل وہ خود مرے خط کے جواب میں / قاصد جو کہہ رہا ہے یہی ہو خدا کرے
ہو جسکو بوسۂ لب جاں بخش کا نصیب / وہ کیوں تلاش چشمۂ آب بقا کرے
کس کام کی بھلا شب فرقت میں چاندنی / اوڑھے بچھائے کوئی اسے کہئے کیا کرے
برسات میں پینے کا مزا اور ہی کچھ ہے / جو وقت پہ اُٹھے وہ گھٹا اور ہی کچھ ہے
وہ بات کہاں لاکھ سر بزم خفا ہوں / خلوت میں بگڑنے کی ادا اور ہی کچھ ہے
محدود خیالوں میں کہاں وسعت تشبیہ / اس عالم بالا کی فضا اور ہی کچھ ہے
قند و شکر و شہد بہت خوب ہیں لیکن / اُنکے لب شیریں کا مزا اور ہی کچھ ہے

قصور ہے یہ تری جستجو کا اے منکر / وہ دل تک آئے نہ جو تار رگ گلو آئے
جو پی ہے شیخ تو مستانہ ہو کے خانقاہ میں جا / کہیں وہاں نہ اسی طرح مے کی بو آئے
علاجِ زخمِ دل لانے چارہ گر جو ہو منظور / کسی کی سوزنِ مژگاں سیئے رفو کئے
تجھے میں سمجھوں ترا خوش نصیب ہے لے دل / جو اسکی بزم سے بے لاگ بچکے تو آئے
جھوٹے سچے لطف کا اظہار رہنے دیجئے / جائیے بس جائیے سرکار رہنے دیجئے
حکم ہو جلاد کو مجھ سخت جاں کے قتل کا / دستِ نازک کیوں تھکیں بیکار رہنے دیجئے
سبزۂ خط کو نہ کیجئے دور روئے صاف سے / لوحِ سیمیں یوں ہی میناکار رہنے دیجئے
اب نہیں دل میں سمائی اب نہ دیجئے رنج و غم / میں نے بھر پایا بس اے سرکار رہنے دیجئے
غیر کے گھر جا رہے ہیں آپ کیا ہو گیا ہو / دیکھئے زیب کمر تلوار رہنے دیجئے
ایک کا غذ پر صفاتِ چشمِ نرگس کیا ضرور / ایک بستر پر نہ دو بیمار رہنے دیجئے
غیر کے ہمراہ آؤں تو نہ روکیں پاسباں / مجھکو یہ عزت نہیں درکار رہنے دیجئے
کوئی اتنی ہی سفارش آنسے کر دینا مری / بسترِ ساحر پس دیوار رہنے دیجئے

ساحر

ساحر مفتی افہام اللہ گوپاموی خلف مفتی انعام اللہ خاں۔ آپ جس خاندان کے چشم و چراغ ہیں اس میں اکابر علما گذرے ہیں۔ آپکے مورث اعلیٰ شیخ روم اول والئی ملتان کے وزیر مقرر ہوئے۔ پھر وزارت سے علیحدہ ہو کر سنہ [illegible]ھ میں وارد گوپامؤ ہوئے سنہ ۹۳۰ھ میں شہنشاہ بابر نے شیخ روم کو گوپامؤ کا مفتی مقرر کیا۔ نسلاً بعد نسلاً کئی پشت تک یہ عہدہ قایم رہا۔ مفتی عبداللہ شارح کافیہ بھی اسی خان سے تھے جنہوں نے دارا شکوہ کے حکم سے تجدید افتا کی اسی طرح علاء ابو سعید کے برادر خورد شیخ عشق ثانی اورنگ زیب کے عہد میں محتسب رہے۔ انگریزی حکومت کے زمانہ میں بھی یہ خاندان ممتاز رہا۔ جناب ساحر کے والد کو مسٹر گلبرگ ریذیڈنٹ دہلی نے اپنے سررشتہ نظامت کا ناظم مقرر کیا اور خدمات کے صلہ میں خان کا خطاب مرحمت فرمایا وہ محکمہ قضا میں مفتی بھی رہے ہیں۔ جب یہ محکمہ شکست ہوا تو صدر نظامت الہ آباد

میں وکالت شروع کردی۔ آگرہ کو صدر مقام قرار دئے جانیکے بعد آپ وہیں تشریف لے گئے اور اقامت اختیار کی۔

حضرت ساحر آگرہ میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی مولوی اکرام اللہ سے علوم رسمیہ کی تحصیل فرمائی۔ فارسی میں کافی استعداد بہم پہنچا نیکے بعد ڈاکٹری کے مدرسہ میں داخل ہوئے جہاں انہیں کامیابی نہوئی۔ اسی دوران میں شعر و سخن کیطرف طبیعت مائل ہوئی اور اپنے بہنوئی مولوی غلام غوث صاحب بیخبر کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے اور "افہام مجلس" تمہارے شعر میں انتقال ہوا۔ مقام شاہ نور الزمان میں دفن ہوئے چند شعر تذکرہ شعرائے اکبر آباد اور تاریخ گویاموسے نقل کئے جاتے ہیں ؎

جو تاثیر دعا پر اس طرف تقدیر ہنستی ہے
یہ ہر برگشتگی دونوں ہیں برگشتہ سے برگشتہ
شب ہجراں جو اپنے بخت برگشتہ پہ روتا ہوں
سراپا معصیت دنیا میں کوئی ہے تو ساحر ہے
قاتل نہ رکھنے پائے گلے پر مرے ذرا

دعاؤں کی رسائی پر ادھر تاثیر ہنستی ہے
ادھر تقدیر ہنستی ہے اُدھر تدبیر ہنستی ہے
تو اسکو دیکھکر یادبت بے پیر ہنستی ہے
وہ عاصی ہے کہ خود دیرانی ہی تقصیر ہنستی ہے
تیزی تو دیکھوں میں ترے خنجر کے دار کی

نہ برآنے دی ایک امید جی کی
نہ اٹھنے ہی دیا پہلو سے ہم نے
نقاب یار کو بھی پھاڑ ڈالا
مریض ہجر کا ابتر ہے نقشہ
انہیں چھیڑا تو ہے ساحر مگر اب

فلک نے ہائے ہم سے دشمنی کی
بہت کچھ یار نے پہلو تہی کی
غضب کی اے جنوں پردہ دری کی
کوئی صورت نہیں بہبودگی کی
کہیں شامت نہ آجائے کسی کی

ساحر

ساحر۔ خواجہ عبدالوحید ولد خواجہ عبدالستار امرتسر کے باشندے ہیں ۱۲۹۰ھ میں بمقام صاحب گنج پیدا ہوئے۔ فارسی و انگریزی زبان میں اچھی مہارت ہے پہلے وہیں کے اسکول میں ہیڈ مولوی تھے اب وہاں مختار کاری کرتے ہیں شاعری کا مذاق اچھا ہے

ساحر

ساحر مفتی سید اقتدار احمد صاحب ابن مولوی سید آل محمد شاہ صاحب۔ آپ سہسوان ضلع بدایوں کے سادات کرام سے ہیں ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام منظور علی ہے۔ عرصہ دراز تک دہلی۔ لکھنؤ۔ رامپور وغیرہ میں طالب علمی کرتے رہے ہیں علم حدیث فقہ منطق۔ ادب میں بخوبی مہارت ہے۔ عروض و قوافی۔ معانی بیان میں کافی دستگاہ ہے بعض کتابیں ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے بھی پڑھی ہیں آپ اپنے بھائی ابوالکمال سید اعجاز احمد معجز سے تلمذ رکھتے ہیں۔ فن تاریخ گوئی میں آپ کو خاص ملکہ ہے "ہائے ضامن علی جلال" بمرد جلال لکھنوی کی تاریخ وفات کہی۔ کتب خانہ حمیدیہ ریاست بھوپال میں ملازم رہ چکے ہیں آج کل اپنے وطن میں ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے "ملہم تاریخ" طبع ہو چکی ہے۔ بتخانہ ساحر عاشقانہ دیوان تیار ہے۔ اچھی طبیعت پائی ہے۔ خوش فکر اور خوشگو ہیں ؎

موج سے ہوگئی دم بھر میں حبابوں کو شکست
طرفہ ہستی کا تماشا لب ساحل دیکھا

صیاد کے ہاتھوں یہ تباہی کا ہے نقشہ
ایک شاخ پہ دو دن بھی نشیمن نہیں رہتا

دل جلانے کا نتیجہ دیکھ لو
شمع سے باد سحر نے کیا کیا

بے چین نہ کیوں ہو دل کسی کا
ہے وصل میں عذر نازکی کا

ہے جلوہ گہ یار بھی کیا آئینہ خانہ
ششدر ہے نظر دیدۂ حیراں سے نکل کر

کیسے ستم پیشہ ہیں نام وفا ڈبوتے ہیں
غیر سے مل کے روتے ہیں میرا مزار دیکھ کر

اک میں کہ خامشی میری شکوہ سے کم نہیں
اک وہ کہ سو ستم کریں اور پھر ستم نہیں

یہ ٹکڑے ہجر سے وہ غم سے پاش پاش
قصہ جگر کا دل کی حکایت سے کم نہیں

کیا انکو خیال آیا یہ کیسا خواب میں دیکھا
وہ صبح کو جاگے ہیں تو شرمائے ہوئے ہیں

یہ ہنسنا بولنا غیروں سے کیسا میرے پھولوں میں
جو دو آنسو بہا لو مرنے والے کی ہنسی کیوں ہو

لحد میں ہوگی روشن آتش سوز نہاں میری
برنگ شمع کافوری جلینگی ہڈیاں میری

بھلا اب بھی نہ سمجھوگا عزیز ہے انکو جاں میری
عدو سے وعدۂ وصل اور قسم ہے درمیاں میری

کہا منہ پھیر کر سو جاؤ حوریں یاد کرتی ہیں
پس مردن رہا مرقد پہ میلہ گل عذاروں کا

دم آخر جو دیکھیں بدگماں نے ہچکیاں میری
رہی چڑھتی ہوئی فصلِ بہاری سے خزاں میری

زردیٔ رخ خشکیٔ لب بیخودی
کیا یہی ساحر ہے پاسِ عاشقی

ہو نہ ہو یہ عشق کا آزار ہے
غیر کی منت سرِ بازار ہے

سیہ آنکھوں میں سرمہ کی اگر تحریر ہو جائے
جو چاہو قتل عاشق تم تو یہ تدبیر ہو جائے
دلِ پر داغ کو دیکھو یہاں اک دن چلے آؤ
کیا ہزاروں کو دیوانہ اُٹھتے جوبن نے
جو مصیبت ہو کے تیر آئی ہے
ذکرِ دشمن پر جو کچھ باتوں میں ان بن ہو گئی
پہلو نکالا ہم نے یہ تسکین کا ہجر میں
مجھ پہ کیا ہے دل تو غیر کے بھی ہیں لوٹے ہوئے
تصور میں ہوئی ہے دستِ وحشت سے یہ گستاخی
وہ جاتے رہے جاتے غیر کے گھر مجھ سے کہہ گئے
جو لکھا ہے کوئی نامہ تو دم سو بار توڑا ہے

نگاہِ فتنہ زا چلتی ہوئی شمشیر ہو جائے
بھویں خنجر پلک نیزے نگہ شمشیر ہو جائے
تمہیں گھر بیٹھے سیرِ گلشنِ کشمیر ہو جائے
عجب ادائے جنوں خیز اس شباب میں ہے
آنکھ سے بن بن کے پانی جائیگی
کچھ پشیمانی انہیں ہے کچھ پشیمانی مجھے
تصویر انکی سینہ سے لپٹا کے سو رہے
ہائے کس کس سے نہ وعدے آپکے جھوٹے ہوئے
کئے ہیں ٹکڑے دامانِ ستم ایجاد کے ٹکڑے
گر رشک ہو کسیکو تو کچھ کھا کے سو رہے
ہوئی ہیں ناتوانی سے مری فریاد کے ٹکڑے

بڑھی تو قبر ٹھوکر سے کسی کی
شکایہ جنوں کا تھا جب لب میں جام آیا
ذکرِ دشمن پردہ برہم ہو گئے

سحر کرتی ہے باتیں آسماں سے
ہر موجِ مے احمر زنجیر نظر آئی
باتوں باتوں میں لڑائی ہو گئی

ساحل — **ساحل** ۔ میرزا اکبر علی صاحب شاگرد میر علی اوسط رشک لکھنوی تشبیہ اور استعارہ کے وسیع میدان میں پرواز خیال کو مدنظر رکھتے تھے اور خال و خط کے مضامین ۔ الفاظ کی طلسم بندی میں خداداد ملکہ تھا۔ اپنے رنگ میں نہایت پختہ اور صنائع بدائع کو اچھی طرح

زندہ رہتے تھے۔ عہد امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ کے شعرا کے ہمعصر اور لکھنؤ میں رہتے تھے
تذکرہ سراپا سخن اور کارنامہ سے کلام منتخب ہوا

زینت بڑھی تو گھٹ گیا اوجِ کمالِ لب
مسّی سے آگیا ہے گہن میں ہلالِ لب

پتھر عقیق و لعل ہیں تہ ہے برگ و گل
حیرت ہے کس سے دیجئے یار مثالِ لب

دل میں خیال لائے ہنسنے کا یار کے
شیشے میں بند کیجئے برقِ جمالِ لب

موسیٰ سے چل کے کیجئے طولِ کلامِ زلف
ہو جائے آج وادیِ ایمن میں شامِ زلف

رات دن رہنے لگیں محوِ تماشا آنکھیں
کہیں آفت نہ کریں پھر کہیں برپا آنکھیں

ہمسری یار سے گلشن میں کیا کرتی ہے
کور ہو جائیں تری نرگسِ شہلا آنکھیں

ہر گھڑی یار پہ پڑتی ہے نظر خوف یہ ہے
کہیں ایسا نہ ہو کر دیں مجھے رسوا آنکھیں

ساحل

ساحل۔ عبدالرحمٰن بن ابراہیم صاحب ساکن بمبئی۔ حضرت شاغل رئیس بمبئی کے شاگرد ہیں متوسط درجہ کے شاعر ہیں۔ کلام نہ برا ہے نہ بہت اچھا۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں

دل کو ہمارے لیکر افسوس وہ ستمگر
جاتا ہے انجمن سے اپنی نگہ بدل کے

یہ دیکھ آرہے ہیں وہ دیکھ آرہے ہیں
آنکھوں سے کھو رہا ہے یہ دل مچل مچل کے

وہ قتل کرکے مجکو پچھتا رہے ہیں کیا کیا
زانو پہ رکھ کے سر کو روتے ہیں ہاتھ مل کے

افشائے رازِ الفت کرتے ہیں وائے حسرت
آنکھوں سے میری ساحل آنسو نکل نکل کے

ساطع

ساطع۔ مرزا مظفر بیگ ٹھیکیدار و سوداگر ضلع ایبٹ آباد ہزارہ خلف میرزا منور بیگ آپکے آبا و اجداد امیر دوست محمد خاں کے ہمراہ افغانستان سے ہندوستان میں آئے اور کشمیر۔ راولپنڈی میں رہنے کے بعد ایبٹ آباد میں قیام کیا۔ ساطع صاحب انگریزی۔ فارسی بقدرِ ضرورت جانتے ہیں شعر گوئی کا شوق ہے۔ اور اس فن میں خواجہ عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ کلام میں کوئی خاص بات نہیں۔ ہنگام ترتیب تذکرہ چند غزلیں موصول ہوئیں انکا انتخاب درج ذیل ہے۔

ابر ہے معشوق ہے ہے گل گلزار ہو
آج تو ساطع کوئی موقعہ نہیں انکار کا

مٹا ہیں عشق میں برباد ہو کر
نثار خنجر بیداد ہو کر

مرا خون ناحق اثر کر رہا ہے
کہ ہاتھوں میں شامل حنا ہو رہی ہے

جوانی چاہتی تھی بے حجابی
مگر رو کا اُسے پاس حیا نے

بتوں کے حسن کو پوچھو نہ واعظ
یہاں جلوہ دکھایا ہے خدا نے

ساطع۔ سید ولایت علی زیدی الواسطی۔ تلمیذ جناب ضیا بدایونی۔ آپ ولایت تخلص بھی کرتے تھے۔ آنولہ ضلع بریلی کے ساکن۔ نہایت خوش فکر بزرگ تھے مشق جاری نہ رکھنے پر بھی اچھے شعر کہہ جاتے تھے۔ مزاج میں آزادی اور بے پرواہی زیادہ تھی۔ کلام کبھی جمع نہ کیا۔ بہت سا حصہ ضائع ہو گیا۔ انتقال کے بعد چند غزلیں اور قطعات انکے اسباب برآمد ہوئے ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۱۸ء کو بمقام رامپور انتقال کیا۔ ۶۵ سال کی عمر پائی۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

بجلی سی جس طرف کو گری کام کر گئی
تم نے نظر کو برق تجلی بنا دیا

رہتی ہے بیکلی کسی گلرو کی یاد میں
جسکو تپ فراق نے کانٹا بنا دیا

تضمین بر اشعار مستغرق

نہ وہ دولت نہ وہ ثروت نہ وہ چہرہ کی ضیا
دیکھکر ہوتا ہے نیرنگ جہاں سکتا سا

جام جم کا ہے نشاں اور نہ حشم دارا کا
کہیں ملتا نہیں تصویر سکندر کا پتا

سب کا منہ دیکھتا ہے آئینہ حیراں ہو کر

نہ کھلے غنچہ صفت آہ کبھی ہم دلگیر
آ کے اس گلشن ہستی میں ہوئے جب سے اسیر

شوئے بخت سے بنتی نہیں کوئی تدبیر
پھینک دو کاٹ کے جڑ نخل تمنا کی امیر

پھول کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

عدم کو قافلے جاتے ہیں روز بے وسواس
گدا کو جانے کوئی واں نہ شہ کا رتبہ شناس

نہ سر پہ تاج ہے شاہوں کے نہ بدن میں لباس
لحد بیابانکی ہے سامان حسرت و غم و یاس

ہمیشہ رہتے تھے جو شادیاں رچائے ہوئے

نہ مونس ہے نہ ہمدم ہی نہ کوئی آشنا باقی	نہ اب جوشِ جوانی ہے نہ طفلی کا مزا باقی
ہزار افسوس پیری میں کہاں وہ حوصلہ باقی	سوائے داغِ حسرت اب ہے سینہ میں کیا باقی

کبھی تھے ہم بھی دل والے کبھی ایسے بھی رکھتے تھے

نگہِ یار غضب تھی کہ سنبھالی نہ گئی	تیرِ مژگاں کی انی دل سے نکالی نہ گئی
نزع کے وقت عیادت کو وہ آئے مرے پاس	شکر ہے آئینۂ دید تو خالی نہ گئی

ساغر

ساغر ۔ منشی کشن سروپ صاحب ۔ آپ عدالت سہارنپور میں مختارکاری کرتے ہیں معمولی فکر کے شاعر ہیں ۔ کئی بار حالات دریافت کئے جب خطوط کا جواب نہ ملا تو مجبور ہو کر یہ اشعار درج کئے گئے ۔

شوخ چشموں کے تصور نہیں سونے دیتے	آنکھ لگتی بھی کبھی ہے تو جگا دیتے ہیں
لینا دینا بھی نہیں انکا ستم سے خالی	جس کا دل لیتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں
مے پرستوں کی کرامات نہ پوچھو ساغر	خاکِ میخانہ سے اکسیر بنا دیتے ہیں

ساغر

ساغر ۔ جناب محمد سعید خانصاحب ۔ آپ قوم کے پٹھان اور داناپور کے رہنے والے تھے ۔ فنِ سخن میں مولوی عبدالغفور خاں نساخ کے شاگرد تھے ۔ شعر خوب کہتے تھے ۔ عین عالمِ شباب میں انتقال کیا ایک غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

یاد ہر دم تری اے جانِ جہاں رکھتے ہیں	نام ہر وقت ترا وردِ زباں رکھتے ہیں
ضعف سے اب نہیں اٹھتے ترے غمزے ہم سے	وہ ستم جھیلیں جو کچھ تاب و تواں رکھتے ہیں
کوچۂ عشق کے کھوئے ہوئے ملتے ہیں کہیں	نہ پتہ رکھتے ہیں کچھ اور نہ نشاں رکھتے ہیں
نہیں ملتا ہے پتا ساغرِ گم گشتہ کا	بے نشاں لوگ کہاں نام و نشاں رکھتے ہیں

ساغر

ساغر ۔ جناب منشی صدیار خانصاحب چشتی نظامی ۔ متوطن قدیم باندہ ۔ نوجوان شیریں طبع مرصع خیال شاعر ہیں ۔ آپکا مسکن و مولد علیگڑھ ہے ۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء تاریخ ولادت ہے

آپکے والد جناب ڈاکٹر احمد یار خانصاحب ۲ارتی علیگڑھ کے مشہور لوگوں میں ہیں جن کی حکیمانہ قابلیت کا شہرہ تمام علیگڑھ میں ہے۔ انکا سارا خاندان ڈاکٹر کے نام سے مشہور ہے ساغر صاحب کو زمانہ طالب علمی میں شعر گوئی کا ذوق پیدا ہوا ۱۹۱۸ء میں حضرت سیماب اکبرآبادی کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے استاد کی توجہ اور اپنی ذہنی۔ دماغی۔ خداداد قابلیت سے بہت جلد ترقی کر گئے۔ دور حاضرہ کی ادبیات اور انشا پردازی کے مطالعہ نے انکو جدید شاعری کے رموز سے آگاہ کر دیا چنانچہ انکے اشعار میں جہاں شرق کی پروازِ خیال ہے وہاں مغرب کی جدت پسندی کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ قدر دانانِ سخن کی جانب سے آپ کو "نسیم الکلام" کا خطاب مل چکا ہے۔ اور تمغے بھی ملے ہیں۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلکش ہے۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی کے عقیدتمند مرید ہیں۔ "بزم ساغر" آپ کی پہلی تصنیف ہے جو مذاق جدید کے حلقۂ ادب میں پسند کی گئی ہے۔ کسی زمانہ میں علم طب پڑھتے تھے۔ اب آگرہ میں رسالہ پیمانہ جاری کیا ہے۔ آپکا دیوان موسومہ "میخانہ" تیار ہے۔ جو عنقریب شائع ہونیوالا ہے۔ اگر آپ نامانوس الفاظ اور مغلق فلسفیانہ ترکیبوں سے غزل گوئی کو بچاتے رہے تو آیندہ اعلی درجہ کے نازک خیال شعرا میں ممتاز جگہ پائینگے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

وہم و خیال سے برگوں وہم و خیال میں بھی آ
عالم حال سے بلند عالم حال میں بھی آ

تیرے بغیر ناتمام تکملۂ حیات ہے
حد کمال سے فزوں۔ حد کمال میں بھی آ

اول و آخر ظہور تیری ضیا سراپائے نور
پیکر بدر میں چمک۔ شانِ ہلال میں بھی آ

شعلۂ برق کیطرح۔ دور سے شوخیاں نہ کر
صورت دامن مراد۔ دست سوال میں بھی آ

زینت دورِ سادگی آبروئے شباب بن
رونق عہد کمسنی ان خط و خال میں بھی آ

دل کو مرے شہید کر آنکھ کو محو دید کر
بزم جلال بھی دکھا۔ بزم جمال میں بھی آ

شب غم ہے یہ سبب نیند اچٹ جانے کا
تا دم صبح بھروسہ ہے ترے آنے کا

سر میکش میں کبھی گنبد گردوں میں کبھی
خود بھی گردش میں ہو چکر مرے پیمانے کا

جان کا کام یہ ہے تا دمِ آخر دے ساتھ
جانِ عاشق ہو تو اب نام نہ لو جانے کا

اہلِ عالم نے جسے چاند سمجھ رکھا ہے
ہے یہ ٹکڑا مرے ٹوٹے ہوئے پیمانے کا

حسن برچھی بنکے جھوما جھوم کر قاتل ہوا
عشق بجلی بنکے تڑپا اور تڑپ کر دل ہوا

قیس کی آہوں سے لیلیٰ پر پڑے لاکھوں حجاب
جو وہاں دل سے اٹھا اک پردۂ محمل ہوا

شوق ہنگامہ فروش و حسن ہنگامہ نواز
رنگِ محفل مانعِ نظارۂ محفل ہوا

سامنے آتے ہی اُن کے آنکھ پرنم ہو گئی
جانے کیا دیکھا کہ ضبطِ آرزو مشکل ہوا

ساغر نواز! میکدہ مے فروش تھا
دل میں سرورِ کیف بانداز جوش تھا

الزام بیخودی یہ مری کس نے رکھ دیا
خود رعبِ حسن پردۂ نظارہ پوش تھا

شورِ صد آرزو مری رگ رگ میں تھا نہاں
میں نغمہ زارِ عشق میں سازِ خموش تھا

مستِ شباب یہ تری آنکھوں کی مستیاں
پڑتے ہی اِک نگاہ نہ میں تھا نہ ہوش تھا

تنہائیِ فراق کی بیتابیاں نہ پوچھ
گویا کسی کے سوگ میں عالم خموش تھا

حد سے سوا نہ پی نہ ہوا سرگراں کبھی
کیا وضعدار ساغرِ پیمانہ نوش تھا

صبحِ وصل ان کی آنکھ ترجمانِ کیف تھی
کچھ سرورِ وصل تھا کچھ خمارِ خواب تھا

ہجر میں ملالِ وصل - وصل میں خیالِ ہجر
اب بھی اضطراب ہے جب بھی اضطراب تھا

ساغر ان کی ہر ادا کیوں نہ ہوتی کیف زا
مستیٔ شراب تھی نشۂ شراب تھا

دل کا حال یاس میں یوں خراب ہو گیا
جو خیال آگیا اضطراب ہو گیا

سادگی کی لذتیں کیوں وداع ہو گئیں
ہائے! عہدِ کمسنی کیوں شباب ہو گیا

انکی جلوہ گستری برقِ کوہ طور تھی
پھر نظر سے چھپ گئی پھر حجاب ہو گیا

ہوں سبب کمال کا اہلِ حسن کیلئے
جو نظر پہ چڑھ گیا آفتاب ہو گیا

جل جلا کے بہ گیا ساغر اپنا لختِ دل
کچھ کباب ہو گیا کچھ شراب ہو گیا

ہاتھ آتا ہی نہیں اے شوق دامانِ بہار
آرزو کے ساتھ بڑھ جاتا ہے میدانِ بہار

ایک چمن تھا خوابگاہ عندلیب زار پر
تجھ کو بوندوں کی قسم اے ابر بارانِ بہار

سر برہنہ گل بداماں۔ ہاتھ میں جامِ شراب
جھومتا آتا ہے وہ کوئی پریشانِ بہار

کہیں بھی میرا ٹھکانا نہیں زمانے میں
نہ آشیانے کے باہر نہ آشیانے میں

پروں میں گل بھی ہیں کانٹے بھی ہیں شگوفے بھی
میں ہوں تو ایک گلستاں ہے آشیانے میں

بنی وہ بھیک کے ساغر زمینِ میخانہ
ہوئی تھی صرف جو مٹی مرے بنانے میں

وہ کرم جس میں ترا لطفِ ستم شامل نہیں
کیوں گوارا ہو کہ ہم رنگِ مذاقِ دل نہیں

تجھ کو کیا معلوم انجامِ شکستِ آرزو
تو خدا رکھے ابھی فطرت شناسِ دل نہیں

اب غیر حشر کے دن کب حالِ دل کہینگے
میں نے تو شام کر دی اپنی ہی داستاں میں

آہوں کی بجلیاں بھی صیاد پر نہ ٹوٹیں
ان کو بھی کوندنا تھا میرے ہی آشیاں میں

سوفار چھوڑ بیٹھے ناوک نکال لائے
تم نے زباں لگا دی ہر زخم کی زباں میں

میں ساغرِ جواں ہوں مستِ مئے مغاں ہوں
ساغر نہ ہوگا مجھ سا ساقی تری دکاں میں

دین و دنیا ہے زمین و آسمانِ آرزو
دو جہانوں سے نہاں ہے اک جہانِ آرزو

نالۂ بلبل سے کیسی وجد میں ہے شاخِ گل
پھول پتے سب سمجھتے ہیں زبانِ آرزو

آرزو کہ چار حرف اور وہ بھی زیبِ زندگی
زندگی کے چار دن اور وہ بھی جانِ آرزو

وسعتِ جوشِ تمنا کی کوئی حد ہی نہیں
میری ہر اک آرزو ہے اک جہانِ آرزو

نمک افشانیاں دیکھو تم اپنے زخمِ خنداں کی
جگر پر زخم ہیں یا چند تصویریں نمکداں کی

کیونکر نہ قدر ہو مجھے روزِ وصال کی
یہ زندگی کا ایک ہی دن عمر بھر میں ہے

صہبا کفِ ساقی میں اکسیر نظر آئی
شیشے میں جوانی کی تصویر نظر آئی

جب تک طپش دل میں تاخیر نظر آئی
شرمائی ہوئی چتون دلگیر نظر آئی

اے حسنِ نظر تیری تاثیر نظر آئی
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

مایوسیوں نے دعوت دی موت کو فرقت میں
جب کوئی نہ جینے کی تدبیر نظر آئی

طاری ہوئے وحشت کے آثار نشیمن پر
بل کھائی ہوئی ڈالی زنجیر نظر آئی

عالم ترے جلووں سے معمور اثر نکلا
دنیا تیری محفل میں دلگیر نظر آئی

ساغر مرے ہاتھوں سے چھلکی نہ مئے عشرت
ٹوٹا ہوا پیمانہ تقدیر نظر آئی

بجلی مرے نصیب کی ہے یا کوئی پھوار
کیا چیز دامنوں میں ہے بادل لئے ہوئے

وحشت کے ایک خار سبک میں یہ بار ہے
گویا ہوں سر پہ سینکڑوں جنگل لئے ہوئے

اب کر حساب بادہ کشی تو ہی محتسب
لمحہ ہوا ہے دوسری بوتل لئے ہوئے

اٹھتی ہے کچھ امنگ سی دل کے جنوں میں
جاتے ہیں کچھ بہار کے بادل لئے ہوئے

قاتل تری جفاؤں پہ تا حشر روئے گا
بسمل کو اپنی گود میں مقتل لئے ہوئے

جاتا ہوں میں اُنکے آستاں تک
چھپ چھپ کے نگاہ آسماں سے

رگ رگ میں بھری ہوئی خلش ہے
کانٹے نکلیں کہاں کہاں سے

ساغر **ساغر**۔ ڈاکٹر بجے نراین صاحب کایستھ۔ آپ اکبرآباد کے رہنے والے ہیں۔ عمر ۲۴ سال کی ہے۔ فارسی کی قابلیت بھی اچھی ہے۔ علم طب میں قانون شیخ۔ عروض و علم معانی میں حدایق البلاغت۔ معیار الاشعار مصنفہ طوسی پڑھ چکے ہیں۔ فن شعر میں جناب حکیم قتیل بھرسری کے شاگرد ہیں۔ مگر ابھی نو مشق ہیں۔ آجکل شفاخانہ کیکڑی ضلع اجمیر میں متعین ہیں۔ سادہ گو اور سلاست پسند ہیں۔ مشق سخن جاری رہی تو کلام میں لطف پیدا ہو جائے گا۔ کلام یہ ہے۔

صحت ہو گیا دوا سے تری چارہ گر مجھے
عاجز مرے علاج سے لقمان ہو گیا

مئے فی المثل ہے مفت کی قاضی کو بھی حلال
میں پی گیا تو کیا مرا نقصان ہو گیا

ایک آدھ جام اور بھی ساغر کے ہاتھ سے
انکار کیوں ابھی سے مری جان ہو گیا

چڑھتے نہیں ہیں آج کسی کی نگاہ پر
کیا جانے گر کے آئے ہیں کسکی نظر سے آپ

زمانہ میں زمانہ آسماں جس کو سمجھتا ہے
ہمیں تو کوئے جاناں کی زمیں معلوم ہوتی ہے

جدھر جاتے ہو برپا اک قیامت کر کے آتے ہو
تمہاری چال محشر آفریں معلوم ہوتی ہے

چمک اُٹھتے ہیں ایسے اسکی تابِ حسن کے ذرّے
زمیں گویا ستاروں کی زمین معلوم ہوتی ہے

حجابِ آئینہ میں دیکھتے ہیں ہم اسے ہر دم
تری تصویر بھی پردہ نشین معلوم ہوتی ہے

ساغر

ساغر - مولوی مبارک حسین عظیم آباد کے رہنے والے ہیں - کلام صاف اور سادہ ہے سلاست کیطرف رجحان ہے - یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فن سخن میں کسکے شاگرد ہیں - دو چار شعر جو ہاتھ آئے ہیں ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں -

غیر سے بد تر یگانہ ہوگیا
ہائے یہ کیسا زمانہ ہوگیا

بچ رہا تھا تیرِ مژگاں سے جگر
لیجئے وہ بھی نشانہ ہوگیا

خوب قاصد کو ملا خط کا جواب
کہتے ہیں پوچھیں تو کہنا کچھ نہیں

ان حسینوں کیلئے اِک کھیل ہے
عاشقوں کا مرنا جینا کچھ نہیں

کسکو کہتے ہیں بے مروت آپ
بیوفائی میں نام کس کا ہے

ساغر

ساغر - مولوی اصغر علی صاحب خیر آبادی - شاگرد حضرت وسیم - نوجوان شاعر ہیں اشعار طبیعت کی تیزی - ذہن کی رسائی کا پتہ دیتے ہیں - نمونہ کلام یہ ہے -

سنتا ہوں بزمِ غیر میں وہ بھی تڑپ گئے
سنکر فسانہ میرے دلِ بیقرار کا

اللہ رے دشمنی کہ صبا نے پس فنا
گل کر دیا چراغ ہمارے مزار کا

ٹھکرا کے میری قبر کو تونے مٹا دیا
اب تک خیال ہے ترے دل کے غبار کا

چوری گیا ہے جام مرا میکدہ میں آج
ساغر یہ کام ہے تو کسی ہوشیار کا

ساغر

ساغر - جناب میرزا محمد تقی - آپ مراد آباد کے ساکن ہیں - جناب محشر لکھنوی سے تلمذ ہے - ابھی مبتدی ہیں - شعر کی بندشیں نو مشقی کی دلیل ہیں - طبیعت موزوں واقع ہوئی ہے کلام کا نمونہ یہ ہے -

صفحۂ حیرت پہ قطعے دیکے کاغذ رکھ دیا
کھنچ سکا بہزاد سے آخر نہ خال روئے دوست

میرے مرنیکی خوشی کیجے حضور
دشمنوں کو آپکے یہ غم رہے

درد فرقت میں یہ حالت ہوگئی بیمار کی	ہو کے سب مایوس قرآں کی ہوا دینے لگے

ساقی

ساقی - منشی محمد محسن علیصاحب - آپ نگینہ کے باشندے تھے - فن سخن میں حضرت ناسخ لکھنوی سے تلمذ تھا - بیان میں سادگی زبان میں سلاست کا جزو اعظم تھا - الفاظ کی مینا کاری سے قطع نظر کرتے ہوئے معنی پرستی کو اپنی شاعری کی روح رواں جانتے تھے - کلام یہ ہے:-

کبھی جنت کبھی دوزخ کبھی گلشن کبھی دشت	ایسے نقشے ہوس خام نے دکھلائے بہت
کس مرتبہ ہے طول شب انتظار آج	شاید لیا ہے شب میں ہے روز شمار آج
اب تو خوشی کا نام ہے ہمکو خیال وخواب	وہ دن بھی تھا نہ تھا ہمیں خواب خیال رنج
لائی تھی کھینچ یاں ہمیں صیاد کی ہوس	تھی ورنہ کس کو گلشن ایجاد کی ہوس
وہ ناتواں ہوں قتل سے پہلے ہی مرگیا	افسوس ہے کہ نکلی نہ جلاد کی ہوس
یوں روح کو ہے اس بت گلرو سے ارتباط	جسطرح گل کو رنگ سے اور بو سے ارتباط

ساقی

ساقی - منشی شنکر لال صاحب خلف منشی خوبچند صاحب تحصیلدار ساکن سکندر آباد - آپ ۱۸۶۳ء میں کلکٹری سہارنپور کے پیشکار تھے اور ملازمت کی وجہ سے وہیں اقامت اختیار کر لی تھی - رندانہ مزاج - صلح کل مشرب بزرگ تھے - ہر وقت بادۂ سخن سے سرشار تھے - اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - منشی بالمکند بے صبر شاگرد میرزا غالب آپکے زمانۂ قیام سہارنپور میں سررشتہ دار بندوبست تھے - آپ انہیں سے اُردو زبان میں اصلاح لیتے - اور فارسی کلام منشی ہرگوپال تفتہ مرحوم کو دکھاتے تھے - بھاشا میں بھی آپکا کلام موجود ہے - آخر عمر میں رعشہ کا عارضہ ہوگیا تھا - چلنے پھرنے سے معذور تھے - آپنے ۱۸۹۷ء میں انتقال کیا ۶۴ سال کی عمر پائی -

تینوں زبانوں میں کلام جمع ہوگیا تھا مگر اشاعت کی نوبت نہ آئی - کلام سے شوخ مزاجی اور زندہ دلی نمایاں ہے - زور بیان سے مشکل زمینوں میں شعر نکالتے - ادائے بندش سے معمولی مضامین کو بھی آسمان پر پہونچا دیتے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے:-

دباتے ہم نہ دل اپنا جو چرخ پیر چٹکی میں
تو پھر ہمکو اڑاتے نالۂ شبگیر چٹکی میں

عجب چشم فسوں گر کی ہے یہ تاثیر چٹکی میں
نشانہ اڑ گیا اور ہے نظر کا تیر چٹکی میں

جنہیں آنکھیں ملاتے بات کرتے شرم آتی تھی
وہ اب ہمکو اڑاتے ہیں دم تقریر چٹکی میں

دل عاشق میں ہو تو ہو وگرنہ حضرت ساقی
خدا کا نام لو تسخیر ہے اب کس کی چٹکی میں

بتا دیں۔ تھا یہ چھلا کل تمہارا کسکی انگلی میں
خفا ہوگئے جو اسکا نام لیں تھا جسکی انگلی میں

اڑا لائے مسیحا بنکے شاید حضرت ساقی
انگوٹھی لی یہ گرجا گھر میں تھی اک مس کی انگلی میں

دعویٰ کیا تھا کاکل مشکین یار سے
آنے لگی ہے مشک ختن سے خطا کی بو

ساقی

ساقی۔ سرشار بادۂ سخن دودمان رنگ سخن پنڈت جواہر ناتھ دہلوی المخاطب "بلبل کشمیر" آپ کول فرقہ کے کشمیری پنڈتوں میں ادبی قابلیت کے اعتبار سے طرۂ امتیاز رکھتے تھے

آپکے مورث اعلیٰ راجہ پنڈت سدانند کول عہد اکبر شاہی میں وارد آگرہ ہوئے۔ ان کی بزرگی اور کمالات باطنی کے باعث شاہی دربار میں بڑی قدر و منزلت کیگئی اور پنج ہزاری امرا کے زمرہ میں جگہ دی گئی "غمخوار برادران" کے لقب سے سرفراز کئے گئے۔ انکی اولاد میں راجہ صاحب رام نواب شجاع الدولہ کے مصاحب ہوکر اودھ چلے گئے۔ اور انکے برادر خورد راے بھولا ناتھ جو حضرت ساقی کے پردادا تھے گورنر جنرل کے میر منشی مقرر ہوئے پنڈت بدری ناتھ کول میر منشی صاحب کی قابل یادگار تھے جنکو راجہ صاحب ریواڑی نے اپنے ہاں دیوان مقرر فرمایا تھا۔ ساقی صاحب کے والد پنڈت برج ناتھ صاحب کول موضع بیاس ضلع بلب گڑھ کے لبوہ دار تھے آپ کچھ دنوں تک سرکاری ملازم رہنے کے بعد راجہ جنگ بہادر اسلئے نان پارہ کی مصاحبت میں داخل ہوئے اور وہاں نہایت اعزاز و احترام سے رہے۔ ساقی صاحب کے نانا پنڈت رام کشن صاحب دہلوی بھی شاعر تھے جو بسمل تخلص کرتے تھے۔ اور پرانے دہلی کالج میں ایک لائق اور قابل مدرس تھے۔

جناب ساقی کو پندرہ برس کی عمر میں شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ حکیم لطیف حسین صاحب

سے فارسی پڑہی۔ اور شاعری میں پنڈت امرناتھ آشفتہ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا فارسی سخنوری میں میر شاہجہاں کامل سے اصلاح لیتے رہے جب آشفتہ مرحوم پنجاب چلے گئے تو نواب سید محمد ذکریا خانصاحب زکی ارشد تلامذہ حضرت غالب سے سلسلۂ تلمذ مضبوط کیا۔ زمانہ کی بےمہری نے حضرت زکی مرحوم کو بھی دلّی میں نہ رہنے دیا۔ وہ صوبہ جات متحدہ کے مدراس میں ڈپٹی انسپکٹر ہوکر وہاں چلے گئے تو انہوں نے اپنے احباب سے مشورۂ سخن رکھا۔ پنڈت امرناتھ صاحب ساحر منشی رام رچپال سنگھ شیدا سے عرصہ تک شاعرانہ صحبتیں گرم رہیں تھوڑے دنوں کے بعد مولوی محمد حسین صاحب شہید الہ آبادی کے انتقال نے انکو شاعری کیطرف سے برداشتہ خاطر کردیا مگر دہلی کے مشاعروں نے پھر ابھارا اور اس میدان میں لاکھڑا کیا۔ آپ مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں اچھے شعر نکال لیتے۔ تصوف معرفت۔ ویدانت سے دل کو لگاؤ تھا۔ خیالات نازک اور لطیف تھے۔ باطنی جذبات کو ظاہری الفاظ میں ادا کرنا انکا حصہ تھا۔ آپکے کلام بلاغت نظام میں بعض ایسے اشعار موجود ہیں جو قدما کی نازک خیالی کو یاد دلاتے ہیں۔ نرالی بندشوں اور نئی ترکیبوں کے برتنے میں مشاق تھے۔ وحدۃ الوجود اور مشاہدۂ حق کے مضامین شاعرانہ تخئیل میں رنگا رنگ کیفیت پیدا کردیتے۔ نہایت پرہیزگار متقی۔ فقیر دوست۔ ملنسار۔ خوش مزاج شخص تھے۔ سادھوؤں۔ جوگیوں اور صوفیوں کو دل سے عزیز رکھتے۔ ساقی صاحب مولف تذکرہ کے مہربان تھے سنہ ۱۴ میں چالیس پچاس غزلوں کا خود انتخاب کرکے مجھے دیا تھا۔ اس کے دو برس بعد ۵۲ برس کی عمر میں سنہ ۱۶ میں خفیف علالت کے بعد انتقال کیا مسودات ضخیم یادگار چھوڑے جنہیں آجکل پنڈت امرناتھ ساحر انکے رفیق دیرینہ مرتب کرکے دیوان شایع کرنے کا ارادہ کررہے ہیں۔ ساقی صاحب لاولد فوت ہوئے۔ کلام یہ ہے۔

ذوقِ نظارہ میرا دیدۂ حیراں نہ ہوا	پردۂ رنج اثرِ چشمِ نگہباں نہ ہوا
میں جو مجذوبِ ازل تھا نہ گئی محویت	صبحِ محشر سے مرا چاک گریباں نہ ہوا

ابنِ مریم کی صفت اُسمیں ہو کیونکر مانوں
ہم بھی گر پڑ کے گدایانہ بسر کرتے ہیں
ہو کے یک جان دو قالب بھی ہی وضع رہی
مجھکو خاموش جو دیکھا گلِ رعنا نے کہا
کبھی تو جلنے والوں کی بھی خبر لینا
یہ ساغرِ سرشار چھلک جائے نہ ساقی
رازِ درونِ پردہ کہوں تجھسے کیا ندیم
جو آج مدِ نظر ہے وہ ہم نے جان لیا
ہماری وسعتِ مشرب جنوں خیز تماشا ہے
شراب خانے میں اب معتکف ہو ساقی
نہاں سے عیاں ہو عیاں سے نہاں ہو
کثرت سے ہے عین وحدت اہلِ مشاہدہ کو
ہے رہگذر کو آج گماں اوجِ عرش کا
دشمن کو دوست. دوست کو دشمن بنالیا
دوئی کا نقش تھا دل سے اے کاش
اٹھ گیا پردہ نظر کا جب قریب و دور کا
نردبانِ عشقِ حقیقی کا ہے یہ عشقِ مجاز
گر تجھے حسنِ عقیدت ہی تو ہو ہمت خواہ
رنگ شکست کیوں نہ ہو حالِ امیدوارِ شب
دردِ شکیب سوز ہے. کرب وہی ہنوز ہے
دن کو خیالِ وصل کا رات کو دردِ ہجر کا

جس مسیحا سے مرے درد کا درماں نہ ہوا
نہ سہی سر بفلک گنبدِ ایواں نہ ہوا
تم بھی ہندو نہوے میں بھی مسلماں نہ ہوا
آج کیوں بلبلِ کشمیر غزل خواں نہ ہوا
تم اپنے بھولے ہوؤں کو بھی یاد کر لینا
بہوش نہ ہو شغلِ مے آشام کئے جا
اپنا فسانہ ذکر کے قابل نہیں رہا
ہمارا آپ نے سو طرح امتحان لیا
نہاں دل میں یہ کیا دامنِ صحرا نکل آیا
وہی یہ رند ہے مسجد میں جو امام ہوا
یہ جادہ ملا ہے سفر در وطن کا
ہے شاہدِ حقیقت آئینہ اس سخن کا
یہ کون جلوہ ریز لبِ بام ہو گیا
شیوہ ترا یہ کیا بتِ عیار ہو گیا
مئے وحدت سے میں سرشار ہوتا
ہو گیا آنکھوں میں گھر اس شاہدِ مستور کا
دار پر چڑھنا بھی اک معراج تھا منصور کا
جلوہ گر ہوتے ہیں خاصانِ خدا آخرِ شب
تو ہی تو عشوہ گر ہوا باعثِ انتشارِ شب
دیکھ نہ ہو وہ بیوفا آج کہیں نثارِ شب
شغل دہ روز کا ہوا مدیہ کا مدارِ شب

اب نہیں وقفِ انتظار رات کو لگیا نگار
میر اکرم کارساز ہو گیا پردہ دارِ شب

اسکا شعار کیوں نہ ہو پاسِ حجابِ عاشقاں
شب ہے ہماری رازداں ہم جو ہیں رازدارِ شب

چھپ نہ سکا حجاب میں عشوۂ حسنِ خودنما
آیا جو ماہ اوڑھکر چادرِ زرنگارِ شب

پیرِ مغاں نے سرمست کو سبے ہوش کیا
کیوں دیا جامِ مے ہوش رُبا آخرِ شب

ہے دیدۂ یعقوب ہمارا دلِ نالاں
ہو جلوہ نما یوسفِ بازارِ محبت

دکھاویں ہیں تمہیں یوں دن کیکیے پھرتے ہیں
کبھی تم آکے رہو میرے پاس ساری رات

اس ناز کی پہ کیونکہ ہو امیر اعزم قتل
تیغِ جفا کو باندھینگے کس کی کمر سے آپ

آستانِ پیرِ مغاں کا ہے جہاں میں ممتاز
رندِ سرمست جو ہیں انکا ہے سرمایۂ ناز

حیرتِ خامشی فزا کب تک
عشوہ ہائے ستم فزا کب تک
کششِ آہِ نارسا کب تک
رنجشِ آشتی نما کب تک

آئی جو رُت بسنت کی پھبنی ہے چمپئی قبا
ہو گئے محوِ دلبری لالہ رخانِ سبزہ رنگ

بنگاہ شاہد سرمست محوِ گل بازی
سرور خندۂ گل ہے شرابِ خندۂ گل

فروغِ رنگِ شفق ہے حنائی پائے نگار
فدائے نقشِ کفِ پا شبابِ خندۂ گل

ہوا ہے اسکا دل تنگ مثلِ گلِ خنداں
پڑھے ہے وہ شوق سے حسن کتابِ خندۂ گل

بتائیں کیا تمہیں ہم حال اپنا حضرتِ ساقی
عجب حالت ہماری ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

من و تو کا جھگڑا مٹائے ہوئے ہیں
جو اس شوخ سے دل لگائے ہوئے ہیں

ہمارے کئے کی سزا و جزا ہے
بگاڑے ہوئے ہیں بنائے ہوئے ہیں

تیرے پیار کی آسان یہ مشکل ہو جائے
بیوفا چل کہ یہاں کام ہیں اٹکے لاکھوں

آج کیا پیرِ مغاں کیف کا حلقہ ہو گا
مست میخانہ جو بیٹھے ہیں نشے کے لاکھوں

آج میخانہ ہیں وہ ساقی دریا دل سے
جام مے لینے لگے چھین جھپٹ کے لاکھوں

تیرا دلِ بلبلِ کشمیر شگفتہ نہ ہوا
باغ میں پھول کھلے غنچے بھی چٹکے لاکھوں

ساقی نے مست کو اک ساغر سرشار دیے
رندمے نوش یہاں پی گئے شیشے لاکھوں

ہجر کی اب کہاں ہے تاب ہمیں
زندگی ہو گئی عذاب ہمیں

تو نے دونوں جہاں سے کھویا
اے دل خانماں خراب ہمیں

جسکی صورت دیکھکر جاتی ہے اک عالم کی جان
ہم بھی اس رعنا جواں کو دیکھنے والوں میں ہیں

اضطراب مرض عشق کی دیکھو تشخیص
مجھکو وحشت ہے اطبا خفقاں کہتے ہیں

جما ہے اعتبار نالہ ان کے دل پہ کچھ ایسا
خموشی پر بھی میری ہاتھ وہ کانوں پہ دھرتے ہیں

کیف و سرور عشق ہے رنگ فور عشق سے
جلوۂ نور عشق سے ہے آج میان میکدہ

وہ جو یہاں ہے خوش ادا کیوں نہ ہو خوش نما فضا
روضۂ دلکشا ہوا جس میں مکان میکدہ

جو ہے یہاں وہ مست ہے ساغر مے بدست ہے
ساقی مے پرست ہے روح روان میکدہ

بڑے زور دل سے کی گو واعظ نے تکفیر مینخانہ
رہی تائید غیبی سے دہی توقیر مینخانہ

آتے جاتے آپ ہی اک روز وہ کھل جائینگے
رفتہ رفتہ ان کو میرا اعتبار آنے کو ہو

کیا ہے وعدۂ صبر آزما نے وارفتہ
قرار دل کو ہو کیا اب وداع تمکیں ہے

تمہارا جلوۂ رعنا ہوا بہار نشاط
نگاہ حسن تماشا نگاہ گلچیں ہے

لب جاناں کا اثر حسن کشش عشق کا دم
کیوں نہ ہو ہم نفسو ہوش ربا نا ہمنے

دلکشائی کا سبب جانتے ہیں اہل سماع
فتح باب رہ دلدار ہوا نالہ نے

شیفتہ اسکے ہیں صاحب نظران معنی
محرم دل میں یہ کرلیا ہے ضیا نالہ نے

تماشا کر رہا ہے رنگ نیرنگ فسوں گر
اشارہ غیر سے ہوتا ہے ایا ہم سے ہوتا ہے

چاندنی میں سیر کر اے مہ لقا برسات کی
رات بن جائیگی صبح دلکشا برسات کی

کیوں نہ ہو نخل تمنا ابر کا اس سے ہرا
سال بھر رہتی ہے یہ نشو و نما برسات کی

خلش ناوک مژہ ہے ہنوز
تیر مارے ہیں بے خطا تم نے

لو خاک میں ہی مل گئے دل کے غبار سے
ابتو تمہارے دل میں کدورت نہیں رہی

پتہ ملتا نہ ہو جس کا کسی کو ہماری بیخودی کا وہ نشاں ہے
جسے کہتے ہیں سب گردوں گرداں ہماری آہِ سوزاں کا دھواں ہے

کیا بتاؤں تمہیں کہتے ہیں کسے فتنۂ حشر دو قدم دیکھو لو چل کر کہ قیامت کیا ہے
ہم تو یاں ہجر کے معنی بھی سمجھتے ہیں وصال اور ہوں گے جو ترے وصل کے خواہاں ہونگے
شکوہ ایفا کا کبھی ان سے نہ کرنا ساقی پھر وہی قول وہی وعدہ و پیماں ہونگے
طالب ہیں ہم بھی اک نگہ التفات کے تیری نظر سے ایک جہاں کامیاب ہے
بھرے ہیں یا ورئے بخت سے شہیدِ وفا مراد آج ترے تیر بے خطا نے دی
ہولے کچھ اثر قلب عاشقاں پیدا خبر یہ ہمکو دلِ دردآشنا نے دی
وہ آئینگے یہ نوید ایک آشنا نے دی زہے نصیب کہ توفیق تو خدا نے دی

تماشا ہے نظر ہیں تماشا ہماری آنکھ بھی کس سے لڑی ہے

ساقی ۔ منشی حامد علی خلف حکیم عابد علی کوثر خیرآبادی ۔ آپ جناب وسیم برادر حضرت ریاض سے اصلاح لیتے ہیں ۔ ابھی نومشقی کا عالم ہے ۔ زبان سے کہنے کی کوشش کرتے ہیں نتائج فکر کا نمونہ یہ ہے ؎

ہجومِ عاشقاں دیکھا تو بولے یہ سب کمبخت مرتے ہیں ہمیں پر
ہوا اونچا جو دودِ آہِ سوزاں فلک سے آگ برسے گی زمیں پر
چھوا افشاں جو تم اپنی جبیں پر ستارے رشک سے ٹوٹیں زمیں پر
نہ کیوں قسمت پہ میں نازاں ہوں اے تیغ مرا خوں اور اس کی آستیں پر

نہ اس نے بدنگاہی کی نہ اس نے بدزبانی کی بگڑتے کیوں ہو نرگس سے لب جھگتے کیوں ہو سوسن سے
طلائی طوق ہو یا نقرئی زنجیر یا گیسو نہ لپٹے وصل میں کوئی بھی انکی گوری گردن سے
بہت کی منت و خوشامد حضرت نے اپنے اے ساقی مگر چھوٹا نہ ہے کا داغ انکے پاک دامن سے
وہ ہنستے آئیں تو مری لحد تک رہیگی شمع گور انکو رولا کے

ہوئی توبہ مری آب آب ساقی	یہ رکھدی کون سی شئے ساقی نے لا کے

ساقی

ساقی - منشی ولی محمد خاں صاحب - رئیس قصبہ بھٹہ ضلع فتحپور - آپ حضرت وسیم خیرآبادی کے شاگرد ہیں - خوشگو شاعر ہیں گو زبان اور سادگی کے ساتھ ہی ساتھ تشبیہ و استعارہ کی میدان میں بھی گامزن ہوتے ہیں - کچھ شعر درج ذیل ہیں -

ملا نہ خاک میں اے خنجر خوں شدہ دل کو	کہ اسکا خون ہے پانی نگار کے قابل
تو ایسی عمر میں اس کو نہ منہ لگا اے شیخ	نہیں ہے دختر رز تیرے پیار کے قابل
ہے نہ دل میں کدورت کسی کی جانب سے	یہ آئینہ نہیں گرد و غبار کے قابل
گل سرشک نہ ٹپکا عدو کی تربت پر	اسے یہ پھول ہیں میرے مزار کے قابل

ساقی

ساقی - سید شاہ نظام الدین احمد خلف الصدق سید شاہ قطب الدین احمد متخلص بہ باقی آپ داناپور عظیم آباد کے رہنے والے تھے سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں پیدا ہوئے - فارسی عربی اور علم طب میں ماہر تھے - طبیعت دار اور ملنسار شخص تھے - سرکار انگریزی میں قانون گوئی سے تحصیلداری کے رتبہ پر پہونچے - سنہ ۱۳۰۹ھ میں اپنے والد کے بعد سرکاری ملازمت کو خیرباد کہکر کسب باطن کیطرف متوجہ ہوئے - سنہ ۱۳۱۱ھ میں سجادہ نشین خانقاہ مقرر ہوئے - اور اس منصب کو خوبی سے انجام دیا - فن شعر میں اپنے والد ماجد ہی سے تلمذ تھا - شاعری میں کچھ زیادہ دستگاہ نہ تھی صرف موزوں طبع تھے - سنہ ۱۳۲۶ھ میں یکم ربیع الثانی کو ۶۴ سال کے سن میں رحلت کی اور داناپور میں دفن ہوئے - سید شاہ حسین احمد صاحب انکی یادگار ہیں - کلام یہ ہے -

تبدیل ہوں کچھ تمہیں مری شکل ضرور ہے	پہلو سے میرے صورت دل تم جدا نہو
... میں اپنے سایہ سے وقت خرام ناز	پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دوسرا نہو
... شب وصال ہے اس چشم ناز میں	شوخی سمائے اتنی کہ دخل حیا نہو
... ہم اپنے دل کی خبر پوچھتے ہو گیا	دیکھو تو جا کے اس کی گلی میں پڑا نہو

جب نقاب رخ پر نور اٹھا جھپکی آنکھ — تابش برق تپاں جلوۂ رخسار میں ہے

ساقی — **ساقی** ۔ محمد اسد علی صاحب کاکوری کے رہنے والے ہیں متقدمین کا انداز پسند کرتے ہیں شعر میں تشبیہات اور تلمیحات کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

وصل میں حسن رخ یار دوبالا ہوتا — گرد اُس چاند کے رخسار کا ہالا ہوتا
کھتا ہے دیکھ کے آئینہ میں آنکھیں شوخ — ہرن آنا تو نہیں دھوپ میں کالا ہوتا
پھوڑتے دل کے پھپھولے میں دبا کر اسکو — آسمان کاش مرے پاؤں کا چھالا ہوتا
بال کھولے ہوئے بیٹھے ہو۔ جو ہنس دیتے تم — رات اندھیری تھی ذرا اس میں اُجالا ہوتا

ساقی — **ساقی** ۔ کوئی صاحب آرہ کے رہنے والے ہیں۔ بزم سخن گیا میں کلام شایع ہوتا رہتا ہے موزوں طبع سادہ گو ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

دل پریشاں ہوگیا زلف پریشاں دیکھکر — رو دئے ہم اپنی بربادی کے ساماں دیکھکر
پھر ہوا سر میں سمائی پھر ہوا جوش جنوں — پھر بڑھی وحشت مری چاک گریباں دیکھکر
کہہ گئے ہم ڈرتے ڈرتے حرف مطلب کو مگر — خود پشیماں ہوگئے اُن کو پشیماں دیکھکر
شادی و غم کا سماں آنکھوں میں میری پھر گیا — گل کو خنداں دیکھکر شبنم کو گریاں دیکھکر

ساقی — **ساقی** ۔ محمد جعفر صاحب گوپامئو کے باشندے تھے۔ فارسی اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے۔ فن شاعری میں جناب صہبائی دہلوی سے تلمذ تھا سنہ ۱۸۵۵ء ... تھے۔ اُسی زمانہ کا یہ کلام ہے ۔

سو تیر لگے دل پہ مرے طرفہ فسوں ہے — سینے میں کوئی جسم نمایاں ...
آب دم خنجر کو سمجھتا ہے مے ناب — ساقی دل مخمور ستم دیدہ ...

ساکت — **ساکت** ۔ ماہر رموز سخن دانی۔ واقف اسرار نکتہ دانی مولوی ابوالحسن صاحب امروہہ ضلع مراد آباد۔ آپکے والد حکیم عبد الصمد صاحب۔ امروہہ کے قدیم شرفا ...

آپ عربی۔ فارسی دونوں زبانوں میں دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی اساتذۂ رامپور اور عربی اپنے عم محترم سید محمد حسین مرحوم سے حاصل کی تھی۔ معانی بیان عروض وقوافی میں کامل تھے حافظہ کی یہ حالت تھی کہ کوئی مضمون ہو عرصہ تک سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے تھے اور ہر مسئلہ کے متعلق بیسوں مثالیں نوک زبان تھیں۔ انکی پھڑکتی ہوئی تقریر زندہ دلی اور ظرافت کی جان ہوتی تھی دوست نواز اور وضع داری میں فرد تھے۔

آپ اسی رنگ میں بلند تھے غزل، قصیدہ، خمس ۔۔ کے سوا رکنی بھی لکھے تھے۔ مگر ایسا کلام ہمیشہ دوسروں کو دیدیتے تھے۔ نہایت زود گو شاعر تھے ہمیشہ معاصرین سے معرکہ آرائیاں رہیں۔ مگر پالا انہیں کے ہاتھ رہا۔ ۔۔ قانع اور متوکل شخص تھے شاگردوں سے اصلاح کا معاوضہ نہ لیتے تھے۔ آپ نے والیان اودھ پور کی شان میں قصائد لکھ بھیجے تھے لیکن جب وہاں سے طلبی ہوئی نوابوں کے دربار میں قصیدہ گوئی کی حیثیت سے جانے کو عارض کمال پر بدنما داغ خیال کیا اور اپنی رہی سہی جائداد پر قناعت کئے ہوئے بیٹھے رہے۔ اپنے ساتھ اپنی جائداد کا بھی خاتمہ کر گئے۔ دیگر فنون کے علاوہ آپکو مرغ بازی سے دلچسپی تھی اور اس شوق میں ہر سال امروہہ سے بدایوں جاتے تھے۔

آپ فن سخن میں حضرت نظام رامپوری کے ارشد تلامذہ سے تھے اور اُستاد کا انداز اختیار کرنے میں انکو کامیابی حاصل تھی مگر افسوس ہے کہ زمانہ کے انقلاب سے ۔۔ ۔۔ تے ہے اور کلام کی شہرت نہوئی مرحوم ۔۔ گوئی میں یکتا تھے حسن ۔۔ ۔۔ بہت خوبی سے نظم کرتے ۔۔ دائے بیان بے تکلفانہ تھی۔ دلی ۔۔ ۔۔ نبھاسے ہوئے مضمون کو بھی ہاتھ سے نہ کھوتے۔ میر کرامت علی خلش اجمیری ۔۔ آپ ہی کے شاگرد تھے میر جواد حسین تسنیم امروہوی کو بھی آپ ۔۔ ۱۹۰۹ء میں وفات پائی جو کلام مولوی حکیم منظر الہادی صاحب سہیل ۔۔ نے روانہ کیا ہے وہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

وہ یہ کہتے ہیں کہ تو کیا اور تری تقصیر کیا
میں کس منہ سے کہوں کرنے دو تقریر کیا

دل پہ دزدیدہ نظر کی چوٹ کیا کاری لگے
ہائے میرے ناوک فگن ٹوٹی کمان کا تیر کیا

رنگِ شوخی کے سبب کوئی ٹھہرتا ہی نہیں
صفحۂ قرطاس پر کھینچوں تری تصویر کیا

نہ مر جاؤں تو لاؤں لیسے صدمہ کو جگر کس کا
رکھا ہے غیر کے زانو پہ دیکھیں آپ سر کس کا

یہاں ہے تذکرہ انکا وہاں ذکر عدو ہر دم
بندھا ہے درمیان دونوں کو ادھر کس کا ادھر کس کا

جنھیں اپنا سمجھتا ہوں وہی اپنے نہیں ساکت
دل و جاں گر نہیں اپنے تو پھر ہوگا جگر کس کا

شفق نے رنگ اڑایا ہے ترے دستِ حنائی کا
شعاع مہر نے پرتو لیا گوری کلائی کا

رکاوٹ ہے تری جانب سے میرے دل میں اے قاتل
کہ تیری تیغ بھی دم بھر رہی ہے کج ادائی کا

طریقِ عشق میں دونوں کے دعوے ہیں برابر کے
ہمیں ہے آشنائی کا انہیں ناآشنائی کا

غیر جب بزم میں مختار بنے بیٹھے ہیں
آپ کس بات پہ سرکار بنے بیٹھے ہیں

کاٹ دیتے ہیں ہر اک بات مری جھنجلا کر
آج غصہ میں وہ تلوار بنے بیٹھے ہیں

جس قدر ہم پہ ترے جور و جفا ہوتے ہیں
حوصلے ہمکو محبت کے سوا ہوتے ہیں

دم میں ہنس دیتے ہیں دم بھر میں خفا ہوتے ہیں
کبھی کیا ہوتے ہیں وہ اور کبھی کیا ہوتے ہیں

بھول جاتے ہیں خدا کو بھی بتوں سے مل کر
بت نہیں ملتے تو ہم یاد خدا کرتے ہیں

چھپ کے وہ مری نگاہوں سے جو مل جاتے ہیں
بچ کے آغوشِ تصور سے نکل جاتے ہیں

سر کشا کر میں تقاضہ سے اجل کے چھوٹا
خوب اب اپنی بسر ہوگی سبک دوشی میں

"ایک چپ سو کو ہراتی ہے" مثل ہے ساکت
فائدہ ہم نے بھی سوچا ہے یہ خاموشی میں

ہوا بیباک کھلتے کھلتے یار آہستہ آہستہ
اتارے وصل میں پھولوں کے ہار آہستہ آہستہ

دبے پاؤں وہ آئے فاتحہ خوانی کو مرقد پر
چھوا پھر ناز سے میرا مزار آہستہ آہستہ

گیا ہے ہلکے ہلکے اس طرح عالم جوانی کا
نشہ کا جیسے ہوتا ہے اتار آہستہ آہستہ

وہ اس انداز سے آئے شب وعدہ میرے گھر پر
چمن میں جیسے آتی ہے بہار آہستہ آہستہ

خانۂ دل میں نہ ارمان ہیں نہ حسرت کا ہجوم | ایک جانے سے جوانی کے یہ ویرانی ہوئی
نیا انداز دیکھو آئینہ رکھکر مقابل میں | اشاروں میں وہ باتیں کر رہے ہیں اپنی صورت سے
تمہارے حسن کا پھولوں بھرا سنگار رہے | لئے ہے جو ہاتھ میں گجرا گلے میں ہار رہے
کہا یہ گریۂ چشم پر آب سے میری | جدا جدا مرے اشکوں کا تار تار رہے
واہ کیا بات تری لغزش گفتار کی ہے | بات اقرار میں ملتی ہوئی انکار کی ہے
مرا دل لیکے مٹھی میں وہ بولے | ہمارے ہاتھ میں بتلاؤ کیا ہے

سالک

سالک۔ نواب سید احمد حسین خاں مرحوم خلف صغر نواب سید علی حسین عرف نواب دولہ صاحب تھا۔ جو نواب معتمد الدولہ وزیر شاہ اودھ کے داماد تھے ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے معاملہ فہم اور عالی ہمت رئیس تھے۔ معتمد الدولہ کے نواسے ہونے کے رشتہ سے وثیقہ میں گرانقدر رقم ملتی تھی۔ کانپور میں امیرانہ ٹھاٹ سے زندگی بسر کرتے تھے خلیق بامروت۔ ذی استعداد۔ علم دوست تھے۔ کتاب بوقلمون۔ بطور کشکول۔ رسالہ تحقیق اللغات ہمہ ہفت بند کاشی۔ زبدۃ المورخین۔ اسلوب الانشا۔ کلیات نظم فارسی آپکی تصنیف و تالیف سے ہیں۔ آپ نواب سید بنیاد حسین خاں جاہ رئیس اعظم مرحوم کے والد تھے ۹۴ برس کی عمر پائی۔ بعارضہ دق ۲۰ محرم الحرام ۱۲۹۹ھ کو انتقال ہوا۔ آپکی نعش کانپور سے نجف اشرف روانہ کیگئی وہیں مدفون ہوئے۔ دو شعر جو دستیاب ہوئے ہیں درج ذیل ہیں

یارب شب وصال مری مختصر نہ ہو | اتنی بڑھے کہ تا بہ قیامت سحر نہ ہو
چبھو کر پاؤں میں کانٹوں کو سالک آبلے ڈالو | کہ تم ہو بادشاہ ملک غم طبل و علم لے لو

سالک

سالک۔ ناظم نامی سخنور گرامی۔ یکتائے اقالیم وممالک۔ میرزا قربان علی بیگ سالک خلف نواب میرزا عالم بیگ خاں۔ آپ حیدرآباد میں پیدا ہوئے مگر آپ کی شاعری کا وطن دہلی ہے۔ زندگی کا بڑا حصہ یہیں صرف ہوا۔ چھ برس کی عمر سے اسی شہر میں تعلیم و تربیت پائی۔ مہاراجہ شیودان سنگھ والئی الور کی سرکار میں عزت افزائے عہدۂ وکالت

تھے۔ انکے بھائی بھی شاعر تھے۔ رضوان تخلص تھا۔ انکا مرثیہ سالک نے بڑے زور کا لکھا ہے۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت مومن کو اپنا کلام دکھایا پھر مرزا غالب کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے اور آپ نے مدت العمر ان کی شاگردی پر فخر کیا اور انھیں اپنا استاد سمجھتے رہے۔ استاد کی دلی توجہ کے باعث چند روز میں شاعر یگانہ اور معاصرین میں ممتاز ہو گئے۔ نازک خیالی میں فرد مضمون آفرینی میں بے نظیر تھے۔ فصاحت بلاغت۔ کلام کا قابل واد جوہر ہے۔ بندش کی نفاست اور صفائی اپنے ساتھ سوز و گداز کو لئے ہوئے ہے۔ آپ حسن و عشق کے رموز بیان کرنے میں انسانی فطرت پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے معاملہ بندی میں [illegible] سے [illegible] اپنے عاشقانہ زندگی کے [illegible] اپنی جدت پسند طبیعت کے سانچے میں ڈھال کر یوں بیان کیا ہے ؎

تم غیر کے ہوئے تو رہا کیا جہان میں	گویا ہمارے واسطے کچھ بھی بنا نہ تھا

حضرت سالک مبالغہ کے دشوار گذار میدان میں بھی تنوع بیانی کو مدنظر رکھتے تھے۔ طرز ادا سے شعر مزیدار ہو جاتا تھا۔ اپنے اپنے گھر کو "مایۂ آفات" قرار دیتے ہوئے اس مضمون کو عجیب طریقے سے بیان کیا ہے کہ جس فتنہ کو میرے گھر کی راہ نہ ملی وہ شورش کدۂ قیامت میں داخل ہو گیا۔ فرماتے ہیں ؎

ناچار ہوا وہ سوئے محشر کو روانہ	جس فتنہ نے پایا نہیں رستہ میرے گھر کا

اپنی پریشانی کو دنیا بھر کے آلام سے ترجیح دے کر انتہائے بلاغت پیدا کر دی ہے۔

ایک میری ہی پریشانی نے قسمت لکھکر	تہ کیا کاتب تقدیر نے دفتر اپنا

مضمون "بے ثباتی" پر ہر ایک مصور خیال نے اپنے نگار خانہ میں ہنگامۂ ہستی کو ناپائدار ٹھہرایا ہے۔ مگر آپ نے عاشقانہ رنگ میں ناپائداری کے ثبوت میں جو دلیل قایم کی ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی تخیل ہے ؎

ذرا سی ہمت اے فریاد گیتی سوز لازم ہے	عدو قائل نہیں ہے دہر کی ناپائداری کا

سچ تو یوں ہے کہ آپکا کلام دلی کی شاعری کا قابل قدر نمونہ ہے۔ نغز گوئی۔ سلاست

بلاغت کی جان ہے۔ آپ جملہ اصناف سخن پر قادر تھے اور معنی بندی میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ بیسوں شعر آپکے ایسے ہیں کہ جتنا غور کیجئے اتنا ہی مزا آتا ہے۔ زکی۔ انور۔ مجروح حالی کے ہم مشاعرہ تھے۔ بالخصوص چھوٹی بحروں میں نہایت بیغ درد مضمون پر شعر کہتے تھے۔ مرزا غالب کو انسے بڑی محبت تھی اور عزیز داری کا برتاؤ کرتے تھے۔

حضرت سالک کا قیام دکن میں بہت زیادہ رہا کیونکہ آپکے چچا رن بہادر خاں خانگی قضیوں سے مجبور ہوکر دہلی سے حیدرآباد چلے گئے اور وہاں نواب ناصر جنگ کی ملازمت کرنیکے بعد خانہ داماد ہوگئے۔ سالک بھی اپنے چچا کے پاس رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ حیدرآباد دکن میں آپکے تلامذہ کی تعداد کافی ہے۔ تلامذہ دہلی میں حکیم اسد علیخاں مضطر اس زمانہ کے شعرا میں اچھا کہنے والے ہیں۔ جناب سالک نے آخر ۱۸۸۰ء میں بمقام حیدرآباد دکن اس جہان فانی سے رحلت کی۔ حضرت قدر بلگرامی نے تاریخ لکھی "نواب قربان علی سالک ہزار افسوس مرد" ۱۲۹۲ دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ عابد فرزند کلاں کو انتقال کئے ہوئے پانچوں برس ہو۔ دیوان مےخانۂ سالک انہوں نے ترتیب دیکر شایع کیا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہو۔

واں دخل وہم کا نہ گذر ہے خیال کا — اچھی جگہ ہے واں کو ہوس وصال کا

جتنی کہ ماسوا کی نمایش نظر میں ہے — پتلا بنا ہوا ہے یہ وہم و خیال کا

مشتاق اسکے رہتے ہیں دنیا سے بےخبر — آرام ایک نام ہے اُس کے ملال کا

وقفہ ہے ایک دم کا ولادت سے مرگ تک — گر سو برس بھی ہوں تو زمانہ ہے حال کا

اُس در پہ جبہ سا ہوں کہ آکر مری طرح — ذرّوں میں امتیاز نہ ہو مہر و ماہ کا

• سمجھا ہوا ہے کنگرۂ عرش تو جسے — غافل یہ ایک گوشہ ہے اسکی کلاہ کا

جنوں میں اسقدر قایل ہیں میں تو حید یزداں کا — کہ نقطہ لا کی صورت چاک ہے میرے گریباں کا

نئی یہ چھیڑ ہے صیاد کو حسرت بڑھانے کی — کہ پر توڑے مرے اور دکھا کچھ چھیڑ گلستاں کا

ترے غم میں جنوں نے ظاہر و باطن کئے یکساں — دل صد چاک سے بدتر ہے عالم جیب و داماں کا

نالہ جو دل سے نکلا شرر افشاں نکلا
گرہ نار مرے سینہ میں پنہاں نکلا

میں نکلتا تری محفل سے اکیلا ای کاش
غم یہ ہے ساتھ مرے غیر کا ارماں نکلا

یہ رہا مانع فریاد جہاں برہم کن
ضعف کا میرے زمانہ پہ عیاں نکلا

ہیں دو جہاں فریب تو رشک ہے مجکو رشک
تڑپا ہے اک جہان کو ناچار دیکھنا

ہمسائے میں وہ آئے ہیں لگ رہی ہے آگ
کچھ روشنی سی ہے سرِ دیوار دیکھنا

قصۂ قیس ہے اک حرفِ فسانہ کا مرے
میں یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی کوئی دفتر ہوگا

ہوں راہرو اُس وادیٔ پرخوف و خطر کا
جس میں نہ ملا نقشِ قدم تک بھی خضر کا

دم بھر میں بگاڑا مجھے دشمن کو بنایا
اک شعبدہ ہے یہ فلکِ شعبدہ گر کا

پڑتا ہے تیر جس طرف اُس کی نگاہ کا
اٹھتا ہے شور اُدھر سے خدا کی پناہ کا

سالک صنم کدہ سے نکالے گئے کہیں
حضرت ارادہ رکھتے ہو کیوں خانقاہ کا

مجھ سے ستم رسیدہ کا ہوگا کوئی شریک
قطرہ کا نام مفت میں طوفاں نکل گیا

ہے ان دنوں میں گردشِ چشمِ بتاں کا دور
تیرا زمانہ گردشِ دوراں نکل گیا

جو کچھ ہے اُس کی بزم میں سب بے نقش ہو
الفت نے کر دیا اُسے عالمِ مثال کا

آج اے آہِ جہاں سوز نہ رکھ کچھ باقی
غیر قائل نہیں اللہ کی یکتائی کا

میں بھی خود آپ میں آتا نہیں پھر دل ظالم
پوچھنا کیا ہے مرے گوشۂ تنہائی کا

آشیانہ میں خس و خار کی رہتی تھی خلش
اک تنکے کا قفس میں سے مجھے کھٹکا نہ ہوا

وہ نالہ آج ضعف میں لب تک نہ آسکا
جو لاکھ بار داغِ دلِ آسماں ہوا

ہجومِ بلا ہائے ہجراں نہ پوچھ
تجھے کیا جو کچھ ہو گیا ہو گیا

ہزار نالے زباں پہ لاتا ہزار محشر ابھی دکھاتا
شبِ جدائی اگر نہ آتا خیال اُس چشمِ سرگیں کا

نہ لامکاں سے گرے نخلِ سدرہ پہ بجلی
مجھے خیال ہے واں آشیاں بنانے کا

یہ بھی عہدِ وفا سے پھر جانا
دل ہمارا تری زباں نہ ہوا

ہے خود شکست عہد سے نفرت انہیں مگر
دل توڑنا پسند ہے امیدوار کا

جذبۂ دل کا اثر دیکھ کہ کھائے سو تیر
پر کوئی توڑ کے سینہ سے نہ پیکاں نکلا

قاصد میں آکے مول لیں کتنا ہوں سنئے
یاد رہنس دل کے خریدار دیکھنا

وہ سرد مہریاں تری نظروں میں ہیں بھری
پانی بھی مانگتا نہیں ارانگاہ کا

دکان مے فروش پہ سالک پڑا رہا
اچھا گذر گیا رمضان بادہ خوار کا

دیکھنا اور مجھ دیوانے سے ای حضرت ناصح
پھرا سپر بانے بسیرے ہی دعوی ہشیاری کا

اُن سے کمان کھینچ نہ سکی جذبۂ شوق دیکھ
کھنچکی ہے تیر۔ تیرے پیکاں نکل گیا

کس کا جلوہ نظر سے گذرا ہے
کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا

پھیر دیتی چھری تو آتی ہے
لطف صہبا داگر نہیں آتا

نالہ اُس کا شرر افشاں مژہ اُسکی خونبار
تو نے چھیڑا تو ہے سالک کو پر اچھا نہ ہوا

دل وہ کافر ہے کہ مجھکو نہ دیا چین کبھی
بیوفا تو بھی اسے لیکے پشیماں ہوگا

یہ اور کون تھا جو ترا خستہ جاں نہ تھا
اک نعش بے کفن تھی کوئی نوحہ خواں نہ تھا

افسوس مرگ سالک انصاف خواہ پر
دل میں ہزار زخم تھے تن پر نشاں نہ تھا

وہ دلکش ہے صورت کہ اس ظلم پر
زمانہ ترا مبتلا ہو گیا

انسان ہوس پیشہ سے کیا ہو نہیں سکتا
مجبور ہے اس سے کہ خدا ہو نہیں سکتا

یہ درد ہے تیرا ہی کہ ہے جان سے شیریں
ہر درد بن ظالم یہ مزا ہو نہیں سکتا

غیرت ہے جو مجھ میں تو وہ کہتے ہیں سر بزم
پروانہ سے جو کام ہوا ہو نہیں سکتا

نہ شوق مجکو ہے حور عین کا نہ پاس واعظ ہے اپنے دین کا
جو ذکر کرتا ہی کہیں کا شانہ جھگڑا کہیں کہیں کا

میرے آزاد دینے کو وہ شوخ
دوسرا آسماں ہے گویا

تیری تصویر کیوں نہ بول اٹھی
اس میں عاشق کی جان ہے گویا

ترا جیب چپ یہ بیٹھا سالک
اک طرح کا بیان ہے گویا

پسند اللہ کو کیا جانے کیا آ جائے اے زاہد
بہت دور ہو چلیں نگاہیں وصلے

تیغ کھنچتی ہے واں نزاکت سے
کہتے ہیں ہر کمال کو ہے زوال
شہدا کے لئے ہے عمر ابد

خوشی ہی انکو میں جتا ہوں مگر میں نے کہنے کو بات اپنی
لبوں پہ بنا کر جتبک اسکی امید آمد ہے مجکو باقی

عاشق ہیں آپ بخنک ہی کہتے ہیں تو نہ مل
خلقت کو یہ گماں ہی کہ خلوت عدو سی ہی

اے کاش بھولتا کہ یہی ہی نبانے غم
کیا محتسب کو رند لگا لاٹے راہ پر
فرہاد مر کے عشق کو دھبہ لگا گیا
ہم حشر میں چلے گئے بخوف اسطرح

اودھر چلبجا کے ہر رہ رو سے کے سالک پانوں پڑتا ہوں
خلق خدا پہ رحم بھی کرنا ضرور ہے

کہتے ہو ہم ستائینگے تمکو تمام عمر
ہمیں ہے حشر بپا روز یہ سالک دیکھیں
چڑھ جائے چاندنی سر دیوار قصر یوں
وعدے پر اسکو دیر ہوا کدم کی اور یوں

عمر بھر تیری گلی سے نہیں باہر ہونا
کہیں ہر بات پہ ہے فتنۂ محشر ہونا

مجھے شرم گنہ تجھکو تکبر ہے عبادت کا
وہ پردہ میں اب بھی نہاں رہ گیا

دم یہاں کھینچ رہا ہے بسمل کا
مجکو رونا ہے سعئ باطل کا
دم شمشیر دم ہے بسمل کا

کہونگا اُن سے کہ بعد مردن تم آکے ماتم مرا کرنا
کرے یہ عدہ وفا اگر وہ تو مجھسے ایجان وفا کرنا

معلوم ناصحوں کا مجھے مدعا ہوا
پردہ کو تم اٹھاؤ کہ یہ پردہ در ہوا
جو لطف بزم یار مجھے یاد رہ گیا

یوں میکدہ کبھی رمضان میں کھلا نہ تھا
کچھ خودکشی طریقۂ اہل وفا نہ تھا
گویا یہ فتنہ آسکا اٹھایا ہوا نہ تھا

بتا دے گا مگر کوئی تو رستہ کوئے جاناں کا
مت دیکھنا کسیکو خبردار دیکھنا

بارے خیال رکھتے ہو تم بھی نباہ کا
کون سے حشر میں دیدار تمہارا ہوگا
افسوس کوئے یار میں بیل پسپاں نہ تھا
ایجان تو لبوں پہ رہے یہ گماں نہ تھا

خاک ہونا مگر اس خاک میں ملکر ہونا
اور ابھی چاہتے ہیں آپ ستمگر ہونا

توبھی گر لب سے خموشی میں نہ نکلے گا ہے
حسرت عقدہ کو دم بھر میں جلا لیتا ہوں
کیوں نہ سالک مری حیرت پہ جہاں ہو حیراں
بے مروت ہیں یہ بت جھوٹ ہے کہنا انکا
آدمی آپ تماشائے جہاں بنتا ہے
دل کو کیا جانے کیا ہوا سالک
نا کہ لب سے مہر خموشی اٹھائیں ہم
وہ عقدہ مرے کام میں تقدیر نے ڈالا
کھلنے پہ جسے دل کے عبث یہ بھی چاہا
سالک نکل کے میکدہ سے آگئے کدہر
عجب ہے سالک بھی ندشہر کے جھوڑ بیٹھا ہے ملتیں سب
جسکو کہتے ہیں قضا ہے نگۂ ناز ان کی
یہ تقوی جوانی میں سالک مگر
واہ کس شان سے سالک کو نکالا تم نے
غبار ناتواں عاشق دل خستہ سو انکو
نہج کی بات سے آتی ہے کدورت دلبر
ملے گا اجر جسدن شیخ کو طاعت گذاری کا
نکالے جا چکے ہیں سینکڑوں ارباب یہ سالک
کافر ہو گر سنا ہو کہ واعظ نے کیا کہا
ظلم کا شوق ہے مرنے نہیں دیتے مجکو
سالک اور توبہ سے کیا ہے جو گھر سے اپنے

مجھپہ اے آہ نہ اطلاق ہو گویائی کا
آپ کیا مجھکو بھی دعویٰ ہے مسیحائی کا
محو حیرت ہوں میں کس محو خود آرائی کا
دے قیامت کی خبر وعدۂ فردا انکا
بھول کر دیکھنے جائے جو تماشا اُن کا
چین کیوں رات بھر نہیں آتا
دیگا جواب کون ہمارے سوال کا
جو ناخن تدبیر سے وا ہو نہیں سکتا
گمراہ کبھی راہ نما ہو نہیں سکتا
ساغر کو پھینکو ہاتھ سے بازار آگیا
نہ مانتا ہے کسیکا مذہب نہ ہے یہ پابند اپنے دیں کا
ملک الموت سے وابستہ ہے ایمان کا
بڑے وقت میں پارسا ہو گیا
خوش رہو ہم بھی سلئے جاتے ہیں بستر اپنا
نزاکت نے جھگڑا کر دیا دشوار داماں کا
آئینہ بھاپ سے ہوتا ہے مکدر اپنا
تو یارب پاس رکھنا کچھ ہماری شرمساری کا
نہ لینا نام اسکے کوچہ میں مطلب برآری کا
یاں دے لیے بزم وعظ میں تھی گفتگوئے دوست
طول آزار کو دیتے ہو مسیحا ہو کر
توڑ کر پھینکدے ہے شیشہ و ساغر باہر

کیوں پیلا آتا ہے ہر بات پہ رونا سالک
وصل کی رات ہے اور بیم سحر ہو دل میں
کسکو دل دیتے ہو کیا کرتے ہو دیکھو سالک
تیری رفتار سے کیا جانے رہے کیا ہو کر

مجھ ناتواں پہ حشر میں وہم وفغاں غلط
تم بھی وہی کہو تو کہیں سب بجا درست
گرمی سے اسکے حسن کی کسکا جگر جلا
کہئے اسیر خواہش سنبل کوئی ہوا
سچ ہو کہ آدمی کو غرض آدمی سے ہو
لکھکر تمام سالک غمگیں کا ماجرا

کھویا برہنگی کو مری سر سے پاؤں تک

یہی طول شب غم ہے تو سالک
سینہ میں اک کھٹک تو ہو گو اور کچھ نہیں
کھو دیا کرتے ہیں عشاق اسی طور سے جاں
کام سالک نکل آتا ہو وہ ناوانوں سے

ہو جائے گر وصال بتاں کی دعا قبول
چپ چپ پڑے ہوئے تھے ابھی خانقاہ میں
یہاں بھی زمیں پر نہ ٹکے پاؤں ایک جا
مایوس و ناامید میں کیا مدعا سے ہم
کاش اے سپہر تجھسے بھی رکھتے توسل تھیں
تم آ گئے تو ہوش کہاں میزباں ہو کون

آج اس کوچہ سے آیا ہے مگر تو ہو کر
عیش بھی ہمکو ملا ہے غم فردا ہو کر
ہائے ناداں بنے جاتے ہو دانا ہو کر
کچھ قیامت نہیں رہ جائے جو برپا ہو کر

میں گفتگو کی تاب رکھوں یہ گماں غلط
میں بھی وہی کہوں تو کہے اک جہاں غلط
تشبیہ مہر روئے نکو سے بتاں غلط
دینی مثال کاکل عنبر فشاں غلط
واعظ بیان دلکش حور جناں غلط
میں نے کہا غلط ہو تو بولے کہ ہاں غلط

کیا ٹھیک آ گئی مرے تن پر قبائے داغ

قیامت ہے یہ گذرے گی سحر تک
اے چشم وجہ یار کہیں یہ نہ جائے دل
تم نے پروانہ کے جلنے کو سمجھا مشکل
جان لیتے ہیں بجسے مردم دانا مشکل

ساری خدائی مانگ لیں سالک خدا سے ہم
کچھ کچھ کھلے ہیں بیعت پیر مغاں سے ہم
گردش میں کم رہے نہ کبھی آسماں سے ہم
کہتے ہیں اور کہتے میں کس التجا سے ہم
وہ خواہشیں جو رکھتے ہیں اس بے وفا سے ہم
آج آپ اپنے گھر میں ہیں کچھ میہماں سے ہم

دل جہان سے اٹھائے بیٹھے ہیں
چاک دامن پکڑ رہا ہے کہ ہم

یہ بھی ہوگا اے ستم ایجاد سمجھا ہی کبھی
دیدۂ طوفاں فشاں اتنی تو فرصت دے کہ میں
ماجرائے اشکِ خونیں کب لکھا سالک قلم

کب دیکھئے قفس سے رہائی نصیب ہو
یاں شاخِ گل تباہ ہی کیونکر رہ لئے نسیم

جنونِ عشق ہی مجکو خجل کیا ہوں ندامت سے
تری صورت نہ تھی گر نقش ای عالم فریب اس میں
سرشک افشانیوں نے جوشِ وحشت کا مزا کھویا
بنائیں آدمی اس خاک سے تو حال ظاہر ہو
سر لگا ہے انکے قدموں سے مرا حیران ہوں
وسعت آبادِ دل مشتاق - وصل یار - کو
خشکا فٹ ڈالے ہیں سیلاب گریہ نے یہاں تک
اڑائی خاک یہاں تک جنونِ الفت میں

اب اجل کیونکر آئیگی دیکھوں
کرتے ہیں یوں دعا کہ ہم گویا
تم بھی کرجاؤ پائمال کہ ہم

یوں پوچھتے ہیں حال کہ سمجھے نہیں گویا
جب تھک کے تری راہ میں بیٹھے تو کھلا حال
زانو پہ ہے سر بیٹھے ہیں دروازہ پہ سالک

سبکو دیکھے دکھائے بیٹھے ہیں
دل کے ٹکڑے اڑائے بیٹھے ہیں

شوخیاں ابتک جوانی کی ہیں چرخِ پیر میں
خشک کرلوں سوزشِ داغِ جگر سے آستیں
باندھ دی بازوئے مرغِ نامہ بر سے آستیں

کیا آمدِ بہار کی ہم آرزو کریں
باغِ جہاں میں کیا ہوسِ رنگ و بو کریں

گریباں ہی نہیں ناصح کہ منہ ڈالوں گریباں میں
تو کیا نقشا بھر نگینِ خاتمِ دستِ سلیماں میں
کسی جا خاک اڑانے کو نہیں ملتی بیاباں میں
کہ کیا کیا حسرتیں مٹی ہوئی ہیں کوئے جاناں میں
لئے سجدہ کا نشاں یا انکا نقشِ پا کہوں
"آرزو کا یک جہاں" "امید کی دنیا" کہوں
کہ فرق اب رہے دیوار و در میں خاک نہیں
کہ لوگ کہتے ہیں سالک کے گھر میں خاک نہیں

وہ عیادت کو آئے بیٹھے ہیں
ہاتھ اثر سے اٹھائے بیٹھے ہیں
نقشِ ہستی مٹائے بیٹھے ہیں

ہم خوب سمجھتے ہیں کہ سمجھائے ہوئے ہیں
جو کھوئے گئے ہیں وہی کچھ پائے ہوئے ہیں
کیا محفلِ جاناں سے نکلوائے ہوئے ہیں

زہد میرا ہی تو ریائی ہے
سچ ہے زاہد گناہ گار ہوں میں

فرقت میں ہوا ہوں زندہ درگور
عیسیٰ سے کہو مجھے جلائیں

آجائے گا فرق نازکی میں
محفل سے مجھے نہ وہ اٹھائیں

رکھی تھی ایک چھیڑ "سی" دل میں جو اس کے
تیشہ کے زخم میں یہ مزا کوہکن کہاں

قیمت دل چاہئے بوسہ کئی
آ گئے جو آ سے تیرے ایمان میں

پوچھتا کیا ہے ہماری زندگی
جیتے ہیں پر موت کا ارمان ہیں

اعتبار نگۂ ناز سے ہے کیا کیا انکو
قتل کو آتے ہیں پر ہاتھ میں شمشیر نہیں

رخصت اک دم کی اسیران قفس کو صیاد
کہ اب آ جاتے ہیں اتنا تو چمن دور نہیں

بدگماں مرگ سے ہے چارہ حرماں مطلب
ہوس خلد نہیں آرزوئے حور نہیں

کیا کہوں حالت بیتابیٔ امید جواب
کوئے جاناں میں چلا جاؤں یہ مقدور نہیں

کبھی کہتا ہوں کہ قاصد کو کیا قتل اس نے
کبھی کہتا ہوں کہ ایسا کہیں دستور نہیں

دل کے دو حرف ہیں اور وہ بھی جدا آپس میں
چاہتی مجمع احباب کو تقدیر نہیں

پوچھتے ہیں کہ مجھے غیر کے گھر دیکھا تھا
جانکے خوف سے کہدیتی ہیں۔ "مجبور نہیں"

پائے جاتے ہیں بڑے داغ جگر کے اطوار
گرچہ اب تک یہی کہتے ہیں کہ ناسور نہیں

ہوں وہ خود رفتہ خدا جانے کہاں دل کھویا
یاد آتا ہے تو اتنا کہ مجھے یاد نہیں

سو گئے پاؤں بھی کیا تیری طرح سے اے بخت
یہ وہ بیمار ہے اور طاقت رفتار نہیں

ظلمت بقدر سایہ بڑھی اور بخت میں
ہوتی ہے یاں سعادت ظل ہما کہیں

کاردانان قضا دیکھئے کیا کرتے ہیں
روز ہم "روز جزا - روز جزا" کرتے ہیں

کٹ گئی عمر یوں ہی حضرت ناصح افسوس
ہم سنا کرتے ہیں اور آپ کہا کرتے ہیں

یاں وہ آزار پسندی ہے کہ اس قسمت پر
چرخ سے ہم گلۂ بخت رسا کرتے ہیں

جنکو تقدیر نے دی روشنئ نیر بخت
شمع کو وقف رہ باد صبا کرتے ہیں

یہ وفا اپنی وہ ظلم آپکے سب جان گئے
جسکو ہم راز سمجھتے ہیں وہ اب راز نہیں

شب غم زمزمہ سنجان سحر کیوں ہیں خموش
گرم الحنت سینۂ سرمۂ آواز نہیں

جو نہ مانی سے کھنچے ہے وہ نظر میں اپنی
تیری تصویر کو کچھ حاجت پرواز نہیں

گر [illegible] نالہ [illegible] نہیں
ایسے عالم میں ہوں جو عالم امکاں میں نہیں

صبح محشر بھی دکھائی نہیں دیتی یارب
روز بد بھی تو نصیب شب ہجراں میں نہیں

وحشت عشق کو ثابت قدمی بھی ہے ضرور
قیس کا نقش قدم تک بھی بیاباں میں نہیں

ہو گیا ذوق فزائے خلش پیرِ فرہ
کون کہتا ہے کہ لذت ترے پیکاں میں نہیں

دشت وحشت میں اٹھائے پھرتے ہیں آرام سے ہم
جو صفت ضعف میں ہے تخت سلیماں میں نہیں

دیکھنا شوق شہادت میں اور انسے یہ کہوں
آپ سے لاکھوں لئے پھرتے ہیں خنجر ہاتھ میں

چاہئے اتنا تو چشم مست ساقی کا اثر
ہاتھ سے اس کے لیا جائے نہ ساغر ہاتھ میں

ہوتی ہے رحم و نزاکت میں لڑائی کیا کیا
سر بیمار جو زانو پہ وہ دھر لیتے ہیں

پھرتے ہیں داد خواہ ترے حشر میں خراب
تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں

اسکے کوچہ میں جو سالک نے کئے کچھ نالے
ہنسکے بولا کہ یہ میں ہوں فلک پیر نہیں

کٹنے کا غیر کے تو کسی کو یقیں نہیں
پر تیری آنکھ راز کی تیرے امیں نہیں

تو ہمارے ساتھ ہے ہر حال میں
ہمکو خلوت میں بھی تنہائی نہیں

بند تھیں آنکھیں تو کچھ پروا نہ تھی
کھل گئیں آنکھیں تو بینائی نہیں

یار سمجھے ہیں ہم اسے کہ جسے
چاہیے عمر یار ہونے کو

رگ رگ میں نیش عشق ہے اے چارہ گر مری
یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو

اپنے ہاتھوں سے اگر قتل کرو تم مجھکو
نہ سنوں حضرت عیسٰی جو کہیں تم مجھکو

دیکھلو اسکو کہ ہے مجھسے سوا گردش میں
آسماں ہو کے ستانا نہ کہیں تم مجھکو

آپ ہی سوچ کے برسوں میں نکالوں تدبیر
اور پھر آپ ہی پھر دوں ہو تبسم مجھکو

میرے سینہ میں جگہ پانی بہت دشوار تھی
خط پیشانی نہیں مٹتا مٹائیں لاکھ ہم

سالک جو صبح تک نہ کئے جاؤں پر نغاں
ٹوٹے اگر فلک تو نہ ہو سر نگوں کبھی

کہوں احوال یا دیکھوں کروں کیا
شام ہی سے مجھکو مرنا تھا کہ سالک آگئی

جب سے یہ سن چکے ہیں کہ ہم خاک میں ملے
شرمندہ بتاں نہ ہوئے لاکھ لاکھ شکر

نہ ڈریں خلد میں جو جاتے ہوئے رضواں سے
محشر غدر سے بھی مٹ نہ سکا اسکا وجود

مٹ گئے پر بھی تو ملتا نہیں دلی کا جواب
غالب و شیفتہ و ثاقب سے بنا ہے گویا

کیا شے ہے عشق بھی کہ گیا دل گرہ سے اور
سالک اگر ہے سانس تو باقی ہے آس بھی

کنج مزار میں بھی رہی اضطراب سے ہے
بے پردہ میرے سامنے آتے ہیں اسطرح

لے نالہ پردہ ہائے فلک بھی نکمدے تمام
لاغر یہ ہوں کہ شب ترے در پر پڑا رہا

جتنی آہیں لب سے نکلیں اسقدر مطلب نہ تھے
اس ضعف میں اٹھ کر ترے کوچہ سے چلا ہوں

دیکھوں گا تیرے نقشہ رفتار کا عالم

تیرے مژگاں کی نہ صورت گر بناتی تیر کو
ل گئی تھی کیا سیاہی کاتب تقدیر کو

بیدار شب کو زاہد خلوت گزیں نہ ہو
جنکی نظر میں جلوہ بالائے بام ہو

قیامت سامنے ہے تم کہاں ہو
نیند اسکی شیون اہل عزا سے رات کو

نیچی نگاہ بھی نہیں کرتے حیا کے ساتھ
سالک خدا نے ہم کو اٹھایا وفا کے ساتھ

اسکے دروازے پہ رک جائیں خبردار کیا تھا
ہے الگ عالم فانی سے جہان دہلی

کوئی ڈھونڈے تو اسی پر ہو گمان دہلی
بلّی ماروں کا محلہ صفاہان دہلی

بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے شرمسار سے
مایوس ہو نہ رحمت پروردگار سے

دل ہے کہ اک فرشتۂ قہر و عذاب ہے
گویا انکے دیکھنے کی مجھ میں تاب ہے

کچھ تو ادھر کا حال بھی ہوتے عیاں مجھے
ڈھونڈا کیا چراغ لئے پاسباں مجھے

میں نے کیا اظہار درد ہجر میں تقریر کی
شاید مرے مرنیکی بھی واں تک نہ خبر جائے

ہر چند قیامت ہی مرے سر پہ گذر جائے

اس علوِ شان کی کیسا انتہا
وہ کبھی اُترے نہ میری یاد سے

اب بھی زباں نہ بند ہو ناصح ہزار حیف
ٹکڑے ہزار میرے گریباں کے ہو چکے

آجاؤ اب بھی لب پہ نہ آجائے اور کچھ
شکوے تمام گردشِ دوراں کے ہو چکے

اب تو اٹھیں گے حشر اٹھا کر ہم
کیوں نظر سے گرادیا تو نے

یوں وفا کی کہ خود وہ بول اٹھے
کس ستمگر سے کی وفا تو نے

پہونچے عدو کے گھر میں تو دامن جھٹک دیا
ہم خاک بھی ہوئے ہیں تو مٹی خراب ہے

نہ پوچھو مجھسے نالہ کو کہ کیا ہے
شکستِ شیشۂ دل کی صدا ہے

بنے اور بگڑے جو با تو نہیں تیری
وہ اپنے خانۂ دل کی بنا ہے

دوست کے نامہ میں دشمن کی بدی تحریر کی
جان سے بیزار تھا مرنے کی یوں تدبیر کی

مرگِ عاشق کی سنکے سب روداد
پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا آگے

ہنسو بولو کھلے خوبی زباں کی
خموشی بات کھوتی ہے دہاں کی

گویا کہ بنا ہی نہیں کچھ اور جہاں میں
آتا ہے نظر وہی جہاں تک کہ نظر جائے

پروانے جلکے خاک ہوئے شمع رو چکی
تاثیرِ حُسن و عشق جو ہونا تھی ہو چکی

کہتا ہوں اپنا حال بہت اختصار سے
آگاہ ہوں ، راز ئ روزِ شمار سے

دستِ کلیم سوزِ درونِ دل کا گواہ ہے
ممکن نہیں کہ رازِ محبت نہاں رہے

ہو چکی تعظیم دشمن کی کہیں
اے زیارت گاہ محشر و بیٹھئے

بار ور تک بھی نہیں اور شوق یہ
بزم میں اُنکی برابر بیٹھئے

سالک

سالک ۔ منشی عبدالحمید خاں ۔ آپ بٹالہ ضلع امرتسر کے باشندے ہیں۔ فنِ سخن میں منشی حیات بخش رسا مرحوم کے شاگرد ہیں۔ طبیعت شوخ پائی ہے ۔ اگر مشقِ سخن قایم رہی تو آئندہ اچھا کہنے لگیں گے ۔ ابھی محض مبتدی ہیں ۔ کلام یہ ہے۔

زباں کو کاٹ دو قلبِ حزیں کو کیوں جلاتے ہو
بھلا تقصیر کیا ہے اے بتو اس بے زباں کی

چمن ہے یار ہے ساقی ہے اور ابر بہاری ہے — تمنا آج پوری کر دے اے پیر مغاں دل کی

سالک - منشی سالک رام - آپ قصبہ گرو اضلع بلیا کے رہنے والے ہیں منشی بھیکھ لال صاحب سری واستو کایستھ کے صاحبزادہ ہیں اور خود تحصیل غازی پور میں بسیر و رائزرو قانون گو ہیں سنہ ۱۸۶۱ء سال پیدایش ہے مدرسۂ رحمت میں تعلیم پاکر سنہ ۱۸۸۰ء میں کچھ انگریزی بھی پڑھی فن شعر میں حضرت شمشاد لکھنوی سے تلمذ ہے اور انکے ارشد تلامذہ سمجھے جاتے ہیں - زبان میں متانت ہے خیالات میں حسن و عشق کیساتھ اخلاق کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے - بلند مضامین کو سادہ بندشوں میں ادا کرتے ہیں -

آپکی تصنیفات سے دیوان ریختہ اور کلام نعت شایع ہو چکا ہے - تاریخ میں بھی اچھی مہارت ہے - منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کی وفات کا مادہ تاریخ یہ نکالا ہے ؎ ازجہاں رفت بلبل شیراز - آپ مضمون آفریں - نازک طبع شاعر ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اثر اعجاز دکھلائے اگر بیتابی دل کا — بتوں کی بیوفائی میں ہو عالم مرغ بسمل کا
چرا کر لیگئی کس کی نگاہ ناز سینہ سے — خدا جانے ہوا کیا کچھ پتا ملتا نہیں دل کا
مدد جبتک نہ دے گا صبر ہم راحت نہ پائینگے — تمنا حشر تک پیچھا نہ چھوڑیگی مرے دل کا

طائر دل تیر مژگاں کا نشانہ ہو گیا — خوں رونے کیلئے مجھکو بہانہ ہو گیا

نہیں شل زبان شمع یارا جنکو کہنے کا — وہ دل ہی دل میں گھٹا کرتے ہیں ہر شب اپنے رہنے کا
یہ عقدہ ہو گیا حل جب کھلا یہ راز ہستی کا — کہ عالم اک مرقع ہے بلندی اور پستی کا
تصدق کر دئے منعم نعمت الوان غریبوں پر — اگر چکھ لے مزا اک روز خوان فاقہ مستی کا
پڑے ہیں لاکھوں اہل تاج جسکی ایک کونے میں — میں سالک رہنے والا ہوں اُسی آبادبستی کا

ملوں گا خاک میں بھی تو رہوں گا رہنما ہو کر — بتاؤں گا میں سب کو راہ سالک نقش پا ہو کر
دوست تو دوست ہے دشمن سے بھی ہے ربط مجھے — دل میں ہر شخص کے رہتا ہوں تمنا ہو کر
جی میں ہے مر مٹوں لیکن نہ جگہ سے اٹھوں — تیرے کوچہ میں رہوں نقش کف پا ہو کر

ہر گز نہ تڑپ اے دل مضطر تہ خنجر
جی بھر کے تجھے دیکھ تو لوں میں دم آخر

لگاتے ہیں گلے عاشق کو محشر میں خوشامد سے
نگاہ ناز اوپر اٹھتی نہیں فرط تکبر سے

جوانی کی امنگوں پر عبث الزام ہو سالک

دم ہی تک سب کچھ ہو سالک دم نہیں تو کچھ نہیں
ساری دنیا کی مسرت بھی جو حاصل ہو تو کیا

انصاف کی کسی سے توقع نہیں اگر
ناز و ادا سے پوچھ لو کر ترچھی نگاہ سے

نہ کرو وہ کام ہرگز جو تری طاقت سے باہر ہو

آتا ہے ہر کمال مصیبت اٹھا کے ہاتھ

کیا حال پوچھتے ہو بتوں کے غرور کا

بہ رنگ بدر گو کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو کوئی
یہ سب طرح گھٹ کر رہتے ہیں اک عالم کی آنکھوں میں

مرے ہیں ہائے ہم کن کے لیے
دل لگایا نوجوانی میں تو کیا
ایک بوسہ جو نہ دیتے تھے کبھی
خلق میں بدنام ہمکو کر گئی

لگا کر دل پشیمانی نہ ہوتی

فلک پر دیکھ کر تارے شب فرقت یہ ہم سمجھے
بنے پرنور کی رونق بڑی ہی جیسی بالوں سی

یہ شہر لطافت نہ ملے سر تہ خنجر
دم لینے دے قاتل مجھے دم بھر تہ خنجر

لہو کا جب وہ دھبا دیکھتے ہیں اپنے دامن پہ
ادھر چشم کرم سے التجائیں ہوتی باقی ہیں

ضعیفی میں بھی جب ہم سے خطائیں ہوتی جاتی ہیں

ساری دنیا ہو تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں
آدمی سنے دل تیرا غم نہیں تو کچھ نہیں

لب آشنائے شکوۂ بیداد بھی نہیں
دل کون لے گیا ہے مجھے یاد بھی نہیں

وہیں تک پاؤں پھیلانا ہے لازم جتنی چادر ہو

پایا کلیم نے ید بیضا جلا کے ہاتھ
لیتے نہیں سلام کسی کا اٹھا کے ہاتھ

لگا دیں داغ کچھ اس میں جو پوچھو عیب بینوں کو
کسی دن وقت تو پوچھا چاہئے پردہ نشینوں سے

جان لینا کھیل ہے جن کے لئے
جو کریں زیبا ہے اس سن کے لئے
رات بوسے انکے گن گن کے لئے
نوجوانی آکے دو دن کے لئے

سمجھ لیتے تو نادانی نہ ہوتی

کہ چلتے چلتے پائے چرخ میں چھالے پڑے ہونگے
نہ اس خوبی سے گرد مہر و مہ چھالے پڑے ہونگے

ہنر سے تو خالی ہیں دنیا میں لاکھوں	اگر عیب سے کوئی خالی نہیں ہے

سالک

سالک ۔ ارشاد علی صاحب۔ آپ بھوپال کے باشندے تھے۔ غدر سے پہلے لکھنؤ میں عرصہ تک رہے اور وہیں میر ہادی علی صاحب بیخود مرحوم سے تلمذ اختیار کیا۔ تذکرہ [redacted] سے کلام منتخب ہوا۔

کس طرح آئے اُس بت چیں کی نظر کمر	چینی کے بال سے بھی ہے باریک تر کمر
یادِ میانِ یار میں روؤں جو ایک پل	بھر جائے صحن خانہ میں پانی کمر کمر
سالک کوئی خطا میری ثابت نہیں ہوئی	باندھی ہے ترک چشم نے کیوں قتل پر کمر
نہ ہوں کبھی نظروں میں حسینوں کی ذلیل	چھوڑ دیں حسن پرستی کا جو لپکا آنکھیں
محو خوباں کبھی کرتی ہیں رولاتی ہیں کبھی	آفتیں لاتی ہیں انساں پہ کیا کیا آنکھیں
چند روزہ ہے بہار چمنستان جہاں	کھول نرگس کی طرح بھر تماشا آنکھیں
ابر کی طرح جو منہ آنسوؤں کا برسا دیں	پاٹ دریا کا کریں دامن صحرا آنکھیں
اب کھلا حال پریشان نظری اے سالک	رکھتی ہیں گیسوئے پر پیچ کا سودا آنکھیں

سالم

سالم ۔ عالیجناب معلیٰ القاب نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر تعلقہ دار و نواب شیش محل فرزند اعظم لکھنؤ۔ آپ بڑے عالی خاندان رئیس ہیں۔ آپکے والد ماجد شرف الدولہ نواب میرزا محمد امجد علی خاں بہادر کے دربار شاہی میں جرنل فوج تھے اور جد اعلیٰ منتظم الدولہ حکیم مہدی محمد علی شاہ و امجد علیشاہ شاہان اودھ کے زمانہ سلطنت میں وزیر اعظم تھے۔ آپ حسین آباد سے پانچسو روپیہ ماہوار کا وظیفہ پاتے ہیں۔ نواب باقر علیخاں جو آپکے بھائی ہیں انکی ریاست میں دس مواضعات کے قریب شامل ہیں اور آمدنی دو لاکھ سے متجاوز ہے۔ لکھنؤ میں اس خاندان کا تمول ضرب المثل ہے۔

نواب صاحب موصوف بڑے مخیر آدمی ہیں۔ کئی بار حج اور زیارت کربلا و نجف سے مشرف ہو چکے ہیں۔ آپکے خاندان کا جو اعزاز و وقار گورنمنٹ کی نگاہ میں ہے وہ اظہر من الشمس

ہے۔ آپ آرام ایکٹ سے مستثنے ہیں۔ ۶۶ - ۷۰ برس کی عمر ہے۔

آپ خلیق و ملنسار ہیں۔ علم دوست ہیں۔ عربی فارسی کے سوا انگریزی۔ ناگری میں دخل ہے شعر گوئی کا از حد شوق ہے۔ ستار کے دلدادہ ہیں۔ اکثر فنون سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ کلام میں گرمیٔ تاثیر۔ لطف زبان مضمون آفرینی۔ متانت۔ سلاست۔ سب کچھ موجود ہے۔ سخن آفرینی کی جدت اشعار ذیل سے ظاہر ہوتی ہے۔

زبان نے پرسش اعمال میں کیا محجوب ۔ خدا کے سامنے نام بتاں نکل آیا
جو یاد آ گئے احباب تخت غربت میں ۔ جگر سے آہ تو منہ سے دھواں نکل آیا
پلائی ساقیٔ مہوش نے تند مے ایسی ۔ گری بھی بوند جو منہ سے دھواں نکل آیا

تاریخ انتقال پر ملال شہزادہ سلیمان قدر بہادر مرحوم و مغفور

خسرو عالی ہمم رشک سلیمان زمن ۔ قدر سے جسکی فزوں تھی عز و شان سلطنت
چھوڑ کر اسنے جہان خلد بریں کی راہ لی ۔ زینت تخت شہی تھا وہ نشان سلطنت
فکر جو سالم نے کی آئی صدا یہ غیب سے ۔ لو یہ تن بے رحلت جان جہان سلطنت
صاف آیا مادہ خرکا کیا یوں تحسر حیہ ۔ آج اودھ سے مٹ گیا نام نشان سلطنت

کسکے گیسوئے شب رنگ جب ہم یاد کرتے ہیں ۔ دھواں منہ سے نکل جاتا ہے یوں فریاد کرتے ہیں
شگفتہ جو رہا باد خزاں میں بھی میں وہ گل ہوں ۔ وہ بلبل ہوں کہ جسکی پرورش صیاد کرتے ہیں
جو ہچکی موت کی غربت میں کچھ بیمار کو آئی ۔ تو یہ سمجھا کہ یاران وطن اب یاد کرتے ہیں
تن سے سد باری جان حزیں دل اداس ہے ۔ وہ کارواں لٹتا ہے کہ منزل اداس ہے
کیونکر کہوں کہ یار کی محفل اداس ہے ۔ کوئی نہیں اداس مرا دل اداس ہے
غصہ میں آ کے اسنے مجھے قتل تو کیا ۔ پر دیکھ لو کہ چہرۂ قاتل اداس ہے
دل سوز گر ہماری لحد پر نہیں کوئی ۔ اے کاش اک چراغ ہی شب بھر جلا کرے
مری آہوں پہ بولے منہ بنا کے ۔ یہ کیسے گرم جھونکے ہیں ہوا کے

قیامت کے اگر قائل نہیں ہو
مری تربت کو ٹھکرا دو تو آکے

کیا تو اُس نے جھنجلا کر مجھے قتل
مگر تا دیر رو یا سر جھکا کے

کسی نے سوز ہجراں کو جو پوچھا
تو میں نے شمع دکھلا دی جلا کے

کیا یوں کشتہ اک تیر نظر نے
قضا چلائی قرباں اس ادا کے

ڈبویا نام عشق اے سخت جانی
گیا قاتل پسینہ میں نہا کے

جو سیر کو مرے دل میں وہ لالہ رو آئے
وفا کی ہر گلِ داغ جگر سے بو آئے

یہ ڈر مزاج سے اُس تند خو کے ہی یارب
کہ وصل میں نہ جدائی کی گفتگو آئے

جو آپ آئیں تماشہ کو میری فصد کیوقت
تو سب رگوں سے مرے جنبش لہو آئے

وہ بدنصیب ہوں کشتہ نہالِ نہ ہو سر سبز
جلائے برق اُسے جب موسم نمو آئے

بگڑ نہ جائے شب وصل میرا کام کہیں
تجھے خدا کی قسم اے حیا جو تو آئے

سنا ہے خلد میں حوریں ملینگی انساں کو
خدا کرے مرے حصہ میں یار تو آئے

سالم

سالم ۔ نواب میرزا مبارک حسین خاں خلف نواب بندہ علیخاں زیبا مرحوم لکھنوی۔ آپ خاندانی شاعر ہیں قدیم مذاق پر لوٹ ہیں۔ تخیل خاصی اور نشست الفاظ پاکیزہ ہے۔ غالبًا اپنے والد سے تلمذ ہے۔ کلام یہ ہے۔

کیوں تھم گیا ہے دردِ جگر ہجر یار میں
قسمت میں میری لذت آزار بھی نہیں

دل سے مذاقِ عشق میں رہتی ہے دل لگی
گر کام کا نہیں ہے تو بیکار بھی نہیں

قتل کے سامان نظر آتے ہیں یارب خیر ہو
غیظ میں بل کھا رہے ہیں دوش پر گیسوئے دوست

غش کے عالم سے نہ پھر تا دیتا ہوں ہوش میں
زیر سر قسمت سے ملجائے اگر زانوئے دوست

سامان

سامان ۔ میر محمد ناصر نام آپ کا اصلی وطن جونپور تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں وارد شاہجہاں آباد ہوئے تھے۔ تذکرہ شعرائے ہند شوق میں انکے دو شعر درج ہیں جو یہ ہیں۔

اٹھیں کیونکر نہ اس دل میں بھبو کے
کبھو ہی آشنا تھے ہم کسو کے

618

رقیب اسطرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ ۔۔۔ گویا رشتہ میں ہیں آپس شمع رو کے

سائل

سائل۔ جلیل شاہ خلف شاہ پیارے لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شاہ بدیع الدینؒ کی درگاہ کے خدام سے تھے۔ میر سوز کی طرز میں شعر کہنے کا شوق تھا طبیعت اس فن کے مناسب اور درد انگیز پائی تھی۔ کلام میں محاورے زیادہ کھٹکتے تھے بعض بعض مصرعوں میں پوری ضرب المثل نقل کردیتے تھے۔ شوق کے تذکرہ میں کچھ شعر نظر سے گذرے ہیں جنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

برنگ آب گوہر تنگ میں فنا ہوجا ۔۔۔ اگرچہ عیب بھی ہوئے تو آشنا ہوجا
نہ پاوے آپکو اپنی ہی ڈھونڈنے سے آپ ۔۔۔ حباب وار یہاں جسکی آنکھ وا ہو جا
جب سے بیٹھا گوشۂ خاطر میں پھر نکلا نہ اُف ۔۔۔ کس کماں ابرو کا ایسا جانش یہ تیر تھا
ناز نکیا کہ مر نہ دیکھا ۔۔۔ کیا تھا جو ہم نے کر نہ دیکھا
ادہر ہوئے جب خوشی سے اپنی ۔۔۔ پھر آپ نے کچھ ادہر نہ دیکھا
چشم ساقی سے کبھی پھر کے اشارہ نہ ہوا ۔۔۔ دور اس جام کا افسوس دوبارہ نہ ہوا
نہ ہوگی جوانی نہ یہ سوز فردا ۔۔۔ کوئی دم میں ہو ویگا امروز فردا
کہاں تک کروں صبر وعدوں پہ تیرے ۔۔۔ وہ ہو ویگا امروز کس روز فردا
ترے بیقراروں کو بن دید ہرگز ۔۔۔ نہ امروز شادی نہ امروز فردا
غنیمت ہے سائل کوئی دم کی فرصت ۔۔۔ خدا جانے کیا ہوئے امروز فردا
اک عمر ہوئی صرف ہمیں سیر میں لیکن ۔۔۔ جوں موج وطن سے کہیں آئے نہ گئے ہم
کس فکر سے جنگل میں پھرتا ہے تو آوارہ ۔۔۔ جو دم ہے سو لے ناداں ہے کو تج کا تقاضا
کیا پوچھے ہے تو مجھسے جو چاہے سو کر ظالم ۔۔۔ ناچاروں کی کیا قدرت بیچاروں کا کیا چارہ
بسانِ نقشِ قدم یہ قدم نہ چھوڑینگے ۔۔۔ چلے چلو مرے صاحب جدہر کو جی چاہے
شغلو نظر آئیں بت گلفام کے ہوتے ۔۔۔ اے کاش اگر ہم بھی کسی کام کے ہوتے

کس کی الفت نے یہ اپنا ہمیں پابند کیا ۔۔۔ یاں سے سو بار اٹھے اٹھ کے چلے بیٹھ گئے

جس گھڑی بام پہ دیکھا تجھے رشک خورشید ۔۔۔ سایہ ساں ہم وہیں دیوار تلے بیٹھ گئے

کوئی دم اور نہ آتے تو نہ پاتے ہم کو ۔۔۔ ہم تو گھر آکے چلے تھے پہ بھلے بیٹھ گئے

پھرا خدا ہی سے جب وہ تو پھر کیا ہوں میں ۔۔۔ قرار تھا کہ جو تجھ سے پھرے خدا سے پھرے

ملول آئے ہیں کس طرح حضرت سائل ۔۔۔ کہاں گئے تھے خدا جانے کچھ خفا سے پھرے

رباعی

کیا فرقت اسیران بلا ہوتی ہے ۔۔۔ آرام و قرار و صبر سب کھوتی ہے

سائل نہیں جنبش مژہ یہ دالتہ ۔۔۔ ملتے ہی یہ آنکھ ہاتھ بھر روتی ہے

دیگر

یہ مہر تباں سے ہے خوب ہر چند ولے ۔۔۔ ہے ہجر میں کس کو تاب جو ہاتھ ملے

کیا دیدتیاں کو جلنے سائل کوئی ۔۔۔ رونے کو گئے نماز پڑتی ہے گلے

اسکو غیروں ساتھ صحبت گرم دن اور رات ہے ۔۔۔ ہم سے اب صاحب سلامت لگنے کی بات ہے

تجھ سوا ہم بیکسوں کا کون ہے اے بیکسی ۔۔۔ آشنا یا دوست جو کچھ ہو سو تیری ذات ہے

تنہا چمن میں کیا کریں ہم رہ کے اے صبا ۔۔۔ شفق گئے شفیق گئے آشنا گئے

میاں خوش رہو کیوں عبث ہو خفا سے ۔۔۔ جو کچھ تم سے ہوگا سو ہوگا خدا سے

امید وفا محض بے دانشی ہے ۔۔۔ کسی دوست سے یار سے آشنا سے

نہ پوچھا کبھی تونے احوال سائل ۔۔۔ مر دیا جیو کوئی تیری بلا سے

باطن کی تو حق جانے ہے ظاہر اسباب ۔۔۔ اس دم تو ہماری روح تازی کر دی

معلوم ہوا بقول شخصے۔ لیکن ۔۔۔ "اے دوست بن زمانہ سازی کر دی"

لٹے کر کے رخصت بہت روتے آئے ۔۔۔ سرشکوں سے تخم وفا بوتے آئے

نہ تھا آج کوچہ میں اس بت کے کوئی ۔۔۔ ہیں اور سائل۔ ابھی ہوتے آئے

واقف نہ تھے ہم یاں کے غم و رنج و الم سے ۔۔۔ ہستی ہیں پھسلا کے لے آئی ہے عدم سے

افسوس کہ یک چند بھی تونے نہ نباہی ۔۔۔ سائل کو تو کیا کیا نہ گماں تھے ترے دم سے

معلوم حال حضرت سائل نہیں ہمیں
کیا جانے یہاں ہیں کہ تشریف لے گئے

سائل

سائل ۔ منشی کنہیالال صاحب ۔ آپکا وطن بلند شہر ہے ۔ سیدھا سادہ کلام ہے مگر زبان میں تاثیر کی جھلک پائی جاتی ہے ۔ یہ اشعار آپ کی فکر کا نتیجہ ہیں ۔

کیا سبب کیوں مری تقدیر نہ جاگی اب تک
میرے نالوں نے تو سوتوں کو جگا رکھا ہے

ساغرِ مے کی تمنا نہیں مجھکو ساقی
انکھڑیوں نے تری بے ہوش بنا رکھا ہے

بہر تسکینِ دلِ زار شبِ غم ہم نے
انکی تصویر کو چھاتی سے لگا رکھا ہے

اسلئے نالہ کناں ہوں کہ قیامت ہو جائے
وصل کو حشر پہ اُس بت نے اٹھا رکھا ہے

مجھکو اس رشک کے صدمے نے گھلایا سائل
ان کو دشمن کی محبت نے ستا رکھا ہے

سائل

سائل ۔ حکیم عبدالحق صاحب خلف شاہ ابوالحسن قادری ۔ آپ موضع بچھنیہ ضلع مونگیر کے ساکن اور خواجہ وزیر و حضرت امیر مینائی لکھنوی کے شاگرد تھے عرصہ ہوا کہ آپکا انتقال ہو گیا چند شعر ہدیۂ ناظرین ہیں جن سے آپکی کہنہ مشقی ظاہر ہوتی ہے ۔

شوق سے اپنے گنہگاروں کو چورنگ کریں
تیغے یار کے ابرو میں تو خنجر پلکیں

کھیں مرغِ دلِ وحشی کا شکار اے صیاد
دونو آنکھیں تری شہباز ہیں شمشیر پلکیں

سوزشِ عشق سے جلتی ہیں یہ آنکھیں اپنی
پنج شاخے کیطرح کھلتی ہیں شب بھر پلکیں

سائل

سائل ۔ بندہ علی جناب لائق کے شاگرد ہیں ۔ نو مشق معلوم ہوتے ہیں ۔ معمولی فکر کے نتائج ہیں ۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں ۔

کب تری ابروئے خمدار نے کاٹے نہ گلے
کب ترا تیرِ نظر دل کے مرے پار نہ تھا

اثر جادو کا ہے ان کی نگہ میں
ملاتے ہی نظر جاتا رہا دل

وعدۂ وصل آگیا نزدیک
دل نکرا ضطراب کی باتیں

سائل

سائل ۔ مشہور دیار و امصار سخنور جادو نگار شفیقی مجبی نواب مرزا سراج الدین احمد خان صاحب خلف الصدق سوم نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب مغفور ۔ ابن جناب نواب ضیاء الدین احمد

خاں صاحب نیرؔ مہر ورجاگیر دار لوہارو۔

آپ ۲۰ شوال ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوے۔ چار برس کے ہوں گے کہ سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا اپنے جد بزرگوار کے سایۂ شفقت میں تعلیم و تربیت پائی اور فارسی کی درسیات خود اُن سے سبقاً سبقاً پڑہیں۔ چنانچہ فارسی کی استعداد قابل داد ہے۔ اس خاندان کی شرافت اور علم و فضل کے اوصاف غیر محسوب ہیں۔ پہلے نواب ممتاز حسین خاں مرحوم سابق ریاست پاٹودی کی حقیقی بہن حضرت سائل سے منسوب تھیں۔ پھر دوسرا نکاح نواب فصیح الملک میرزا داغ دہلوی کی بیٹی دختر سے ہوا نیرؔ رخشاں کی وفات کے بعد ۱۸۸۵ء میں ریاست لوہارو سے سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ اب عم نامدار نواب میرزا احمد سعید خانصاحب طالبؔ (جو انکی شاخ خاندان کے رئیس تھے اور لاولد فوت ہوے) وفات کے بعد لوہارو سے اڑہائی سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوگیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی بیگم صاحبہ کو سرکار نظام سے تین سو روپیہ ماہوار کا منصب ملتا ہے۔

آپ کو لڑکپن میں شاعری کا شوق ہوا تو شاہزادہ میرزا عبدالغنی ارشدؔ مرحوم کے شاگرد ہوے۔ پھر جناب داغؔ سے استفادہ حاصل کیا۔ اردو کے سوا فارسی کا کلام بھی اچھا ہوتا ہے بزم مشاعرہ کی طرز غزل سرائی قابل تحسین ہے۔ اور اُسکی تقلید اکثر شعرا کرنے لگے ہیں اور انداز غزل خوانی کی پیروی ہیں

فصاحت اور بلاغت آپکے شاہد کلام کے چہرہ کا غازہ ہے۔ اور زبان کی سلاست دہلی کے روزمرہ کا اعلیٰ نمونہ۔ ہر صنف سخن میں آپکی دشوار پسند طبیعت نے گلکاریاں کی ہیں۔ بڑے بڑے مضامین کو چھوٹے چھوٹے لفظوں میں اسطرح نظم کیا ہے کہ پڑھکر حیرت ہوتی ہے آپ نے ہندوستان کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوکر اپنی زباں دانی اور خوش بیانی کا سکہ جمایا ہے۔ اور جس مشاعرہ کی شرکت فرمائی ہے اس کو اپنا کرکے چھوڑا ہے سلسلہ کے بزم سخن یعنی شاعرہ جناب ہاشمی اس بات پر شاہد ہے کہ اُدہر تمام شعرائے لکھنؤ کی

قولی اور ادہر صرف ایک مرد میدان سخن جناب سائل تھے لیکن پالا آپ ہی کے ہاتھ رہا۔ اور جماعت بندی کے ہونے ہوئے بھی آپ ہی کی غزل پر بے اختیار ہو کر ہر مخالف اور موافق نے داد دی۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے شعر لکھکر کبھی نظر ثانی نہیں کی ہے کیونکہ میرے کلام میں نہ فلسفہ ہے۔ نہ الہیات۔ نہ استعارہ ہے نہ تشبیہات۔ میں تو صرف اپنے گھر کی زبان اور اپنے شہر کی بولی ٹھولی ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ادا کر دیتا ہوں۔ آمد کا یہ حال ہے کہ مشاعرہ کی غزل عین وقت پر لکھ لیتے ہیں۔ آپ علم عروض بیان معانی کو اچھا جانتے ہیں۔ الغرض فن سخن کے متعلق آپ کی معلومات نہایت وسیع اور مبسوط ہیں۔ شعرائے دہلی میں آپ ہر پہلو سے ممتاز اور سربرآوردہ سمجھے جاتے ہیں۔ کئی برس سے اصلاح کا سلسلہ جاری ہے۔ سوڈیڑھ سو نومشق آپ سے فیض سخن حاصل کرتے ہیں۔

آپ غیور طبع بھی واقع ہوئے ہیں جیسا ایک غزل کے مقطع میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

کلس میں معانی کا اگر کچھ پرتوا ہوتا	تو سائل آپ میں یہ شان شوکت کہاں ہوتی

ایک شعر اسی پیمانہ کا اور ملاحظہ ہو ؎

سائل کو تم نہ چشم حقارت سے دیکھنا	نواب پانچ پشت سے اُسکا خطاب ہے

حضرت داغ کی آخر زندگی میں انکے پاس قیام رہنے کے باعث تمام تلامذہ مرحوم سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور اکثر نومشق شعرا کی خدمت اصلاح آپ سے متعلق تھی۔ مشاہیر تلامذہ مثل بیخود بدایونی۔ نسیم بھرتپوری۔ رشک۔ احسن۔ رسا۔ نوح سے انکے تعلقات ہمیشہ شگفتہ رہے بعض تلامذہ نے استاد کی وفات کے بعد انہیں جانشین بنانیکی تجویز بھی کی مگر چونکہ متعدد شاگرد اس منصب کے دعویدار پیدا ہو گئے اور خود حضور نظام نے کسی کی خاص طور پر اس سلسلہ میں پرورش نہیں فرمائی۔ اسلئے یہ تجویز بارآور نہ ہوئی۔

افسوس ہے کہ اب دہلی کی سرزمین میں شعر و سخن کی نشوونما و ترقی کی صلاحیت نہیں رہی جو کچھ تھوڑا بہت مذاق باقی تھا۔ اسے مشاہیر کی تنگ خیالیوں اور آپس کی رقابتوں اور رنجشوں

نے مٹا دیا چنانچہ اُسکا نتیجہ ہے کہ بہت کم جلسے ایسے ہوتے ہیں کہ جنمیں سب مشاہیر شریک ہوسکیں۔ اسلئے ہم چند نمونے درج کئے دیتے ہیں۔

آپ وضعداری میں اپنے اسلاف کا نمونہ ہیں جس شخص سے پہلے دن جس طرح ملتے ہیں عمر بھر تک اسی طرح نباہ دیتے ہیں ایسے مقدس نفوس کہاں نظر آتے ہیں۔ مولانا شاہ ولدار علی مذاق شاگرد خاقانی ہند ذوق مرحوم سے آپ کو بیعت ہے سنہ ۹۱ء میں گلدستہ معیار الانشاد آپکے اہتمام سے نکلتا تھا۔ مگر حضرت داغ مرحوم کے انتقال ہونیکی وجہ سے بند ہوگیا۔

آپ راقم تذکرہ کے صادق الولا دوست ہیں۔ اور عرصہ دراز سے آپ سے مراسم برادرانہ ہیں۔ دہلی میں جو ایشیائی تہذیب کے دلدادہ اب چند نفوس رہ گئے ہیں۔ ان میں آپکا دم غنیمت ہے۔ آپ کے ہر ہر جملہ سے صدق و اخلاص کی بو آتی ہے۔ آپ کی تصانیف سے دو دیوان مکمل ہوچکے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تر انتخاب نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔

جوش و خروش بلبل شیریں نوا سے پھر / لب آشنائے نالہ و آہ و فغاں ہوا
صیاد کی نگاہ پڑی مرغ دل پہ پھر / برق جمال یار کی نذر آشیاں ہوا
پھر چشم تر ہے کاشفِ احوال واقعی / راز نہفتۂ دل عاشق عیاں ہوا
پھر بھی ہو کاش یوں ہی وفاء وعدۂ وصال / میں خواب میں بھی دل کے بہت شادماں ہوا
پھر ہے بہار ناز ستمگر کی آرزو / سینہ وفورِ داغ سے پھر گلستاں ہوا
پھرتے ہو ڈھونڈتے ہوئے پھر جادۂ سلوک / سائل وہ رنج راہ روی رائگاں ہوا
کل شب کو بزم مے میں عدو میہماں نہ تھا / بگڑو نہیں خفا نہ ہو جانے دو ہاں نہ تھا
موسیٰ سے کیوں کھلا وہ کیا ہم سے کیوں حجاب / ذوقِ جمال یار یہاں تھا وہاں نہ تھا
دے کر شگاف سینہ کو بولا ستم ظریف / دل میں تمہارے درد کہاں تھا کہاں نہ تھا
دسواں فلک بنا ہے مری دودِ آہ کا / ظالم بقدرِ ظرف کوئی آسمان نہ تھا
دل لیگیا چرا کے زلیخا کا خواب میں / یوسف سے پارسا پہ ہمیں یہ گماں نہ تھا

نگہ کے تیر چھلنی کر دیا کرتے ہیں سینوں کو
سودائے زلف دُکا کل جیسے ہوا ہی تیرا

خموشی میں سب ہے عرضِ حال کیا کیا
برابر ہی جفا کیا ہے وفا کیا
مجھے حیرت ہی خود لئے دادِ حشر
نمک پاشِ جراحت جب نہ ہو تم
مآلِ ہجر ہے جانکا ہِ جا لم
پھر آئی یادِ چشم سرمہ آلود

وہاں بھولے سے بھی وعدہ کا ایفا ہو نہیں سکتا
مٹا یا ہے دوئی کو اسقدر تیرے تصور نے
ادب دانِ رموزِ عشق مجھ سے پاس لیتے ہیں
لیکے دل مجھ سے کہا میرا ہے یہ یا آپ کا
بزم میں عشاق کی ساقی نے خود کر دی تمیز
جب تماشہ سنے بولی جل کے یوں خاکِ وطن
عاشقی کا پھل یہی ہے کھا رہا ہوں شوق سے
کسکا کوچہ کسکی محفل کس کا وعدہ کسکا وصل
مردم دیدہ تمہارے کیا قدر انداز ہیں
تھا تصور میں دُرِ دنداں جب آنکھیں بند تھیں

فقرے فریب دیکھے دل مبتلا لیا
آشنا کے داغ ہی کرتے پھرین حساب
دل میں ہی درد داغ کلیجہ میں لب آچکا

جدھر پڑ دیکھ لیتے ہیں اُدھر دیکھا نہیں جاتا
مجنوں لقب ہے اپنا دیوانہ نام پایا

کوئی سمجھے بہار آمد عا کیا
جو دل آیا تو پھر اچھا برا کیا
کہ مشتِ استخواں کا خوں بہا کیا
تو ایسے زخم کھانے میں مزا کیا
امیدِ وصل ہو راحت فزا کیا
سلے پھر خاک میں ارمان کیا کیا

یہاں فرطِ محبت سے تقاضا ہو نہیں سکتا
کہ میرا عکس آئینہ میں پیدا ہو نہیں سکتا
کہ اس کوچہ میں ہو سکتا ہے کیا کیا ہو نہیں سکتا
مضطربِ دل ہو کے ان سے خود یہی بولا "آپکا"
جام بھر کر رکھ دیا۔ تیرا۔ تمہارا۔ آپ کا
آپ کے جانے سے کیا سُونا وطن ہو جائیگا
تن پہ جو ناوک لگے گا جزوِ تن ہو جائیگا
سب بلائیں ٹل گئیں جب دل پہ قابو ہو گیا
دل پہ جو ناوک لگا یا وہ ترازو ہو گیا
آنکھیں کھلتے ہی آنکھوں میں آنسو ہو گیا

مجکو غریب جان کے تم نے بنا لیا
کیا جانئے فروش نے کتنا دیا لیا
سائل کو جو نصیب سے ملتا گیا لیا

کرتے ہیں وہ معاملہ میں دل لگی کی بات
مطلب اڑائے دیتی ہے سارا ہنسی کی بات

پیر مغاں کی طرزِ سخن لاجواب ہے
زاہد کی جب سنو گے وہی روکھی پھیکی بات

وعدہ کیا تھا آپ نے اور پھر مکر گئے
دم بھر کا تذکرہ ہے یہ آدھی گھڑی کی بات

مے پیکے وعظ سنتا ہوں حرمت ضرور ہے
مشرب کے گو خلاف سہی شیخ جی کی بات

ایفائے عہد چاہئے اب وہ بھی یاد ہے
جھوٹے کا قول مکر کا وعدہ گلی کی بات

سائل سوال کرکے نہ کھونا تم آبرو
دنیا میں ایک چیز ہے بس آدمی کی بات

دم میں جب تک میرا دم ہے میں ہوں اور تیری گلی
عکس بر دیوارِ شب ہوں نقش بر دیوارِ صبح

وہ آشوبِ تجلی ہنس رہا ہے گو پس پردہ
مگر عکس تبسم آپڑا ہے سارا چلمن پر

ہمیشہ خونِ دل رویا ہوں میں لیکن سلیقہ سے
نہ قطرہ آستیں پر ہے نہ دھبا جیب و دامن پر

ہوئے زمانہ میں مشہور دہر میں رسوا
نگاہِ ناز سے تم چشم اشکبار سے ہم

ہمیشہ رہتے ہیں داغِ جنوں ہرے اپنے
خزاں کی رت میں بھی رہتے کس بہار سے ہم

جو ہم ہیں شوق سے بیتاب تو وہ شوخی سے
قرار سے نہ وہی ہیں نہ ہیں قرار سے ہم

یہ اودی اودی بدلی ہے یہ بادل کالے کالے ہیں
درِ میخانہ پر سو سو برس کے پینے والے ہیں

گلے میں اپنے گریباں کہاں طفیلِ جنوں
نفس کے ہاں کوئی دو چار تار رکھتے ہیں

غلط ہیں نامۂ اعمال سب یہ اور حشر
ہم اپنی معصیتوں کا شمار رکھتے ہیں

خدا جوئی سے ہے زاہد میں خدا سازی برہمن میں
ہیں دو رشتہ تعلق کے پڑے دونوں کی گردن میں

بھلائی کیا ہے زاہد میں برائی کیا برہمن میں
جو رشتہ دوش پر اسکے ہے وہ ہے اسکی گردن میں

نہ رکھ محروم مجھکو جلوۂ دیدار سے یارب
پڑا ہوں ڈیرے ڈالے مدتوں سے دشتِ ایمن میں

نہ کہتے تھے کہ بالآخر یہ وحشت رنگ لائیگی
حمائل دستِ لیلیٰ ہو گئے مجنوں کی گردن میں

"صدا" دیتا ہوں ہر در پر کہ ہے کوئی سخی ایسا
بھرے تاثیر کے ٹکڑے مرے کچکولِ سیلون میں

ترے اقرار دل میں تاثیرِ حیاتِ جاوید
لذتِ مرگ ودیعت ترے انکار دل میں

پارہ ہائے دلِ پرسوز میں کیا خاک ہے — ڈھونڈتے پھرتے ہو تم تیر کو انگاروں میں

تیر سینہ سے نکالو تو سلیقہ سے ذرا — لختِ دل نوک سے پیکاں کی لپٹ جاتے ہیں

دردِ دل سامنے اُن کے نہوا مجھسے بیاں — حرف جو منہ سے نکلتے ہیں وہ کٹ جاتے ہیں

مجھسے بے مہر نے دشمن کے گلے ٹھیک نہیں — چاہنے والوں کے دل یوں ہی تو پھٹ جاتے ہیں

شیخ میخانہ میں ہشیار ذرا سے چلئے گا — منہ کے بل گرتے ہیں جب پیر رپٹ جاتے ہیں

اٹھتی ہی نہیں آنکھ ترے رونے نکو سے — کیا ضعف ہے واللہ رے مری پائے نظر میں

پیرِ مغاں نے تیز کیا نوح سے اگر — میخانہ لُٹ ہی جائیگا فصلِ بہار میں

غیر پر بے حد عنایت ہو ادہر کچھ بھی نہو — ایک پر اتنا لطف ایک پر کچھ بھی نہ ہو

التجا شوقِ شہادت کی ہے تیغِ یار سے — سینۂ دل دست پا یا دوسر کچھ بھی نہو

تم جدہر ہو اُس طرف پھر جائیں آنکھیں وقتِ نزع — حسرتِ دیدار اتنی ہو اگر کچھ بھی نہو

نجاؤ سیرِ گلشن کو ادہر دیکھو اُدہر دیکھو — دلِ پر داغ دیکھو صورتِ زخمِ جگر دیکھو

چمن میں گل ہو تم ہو بام پر اور شمعِ محفل میں — بلائے جانِ عاشق ہے جدہر جاؤ ادہر دیکھو

تمہارے تیر کا پیکاں نہیں نکلا مری دل سے — اسی میں چاہئے ہونا ادہر دیکھو ادہر دیکھو

بڑی مشکل پڑی آئینہ کیا ہے میں دکھا دونگا — ہے تم سا اور بھی اچھی طرح تم بن سنور دیکھو

نزاکت پر یہ دعوی ہے کہ ہم تلوار باندھینگے — تم اوچھے ہو تمہارا ہاتھ بھی لاکھوں میں اوچھا ہے

قضا کا دن معین ہے اور اُس دن کی بھی ساعت ہے — بہ استثنا محبت کے کہ جب جی چاہے مر دیکھو

وہ فرماتے ہیں ہم تمکو دکھا دینگے مسیحائی — نہیں آتا یقیں تمکو تو تھوڑی دیر مر دیکھو

سرہالیں کھڑے ہیں اپنے بیمارِ محبت کے — نظر ہے لاش پر اور ہاتھ ہے آمادہ ماتم کو

دن رات دیکھتے ہیں وہ مہندی لگا کے ہاتھ — تا زِ نظر سے باندھتے ہیں وہ حنا کے ہاتھ

تم نہ قائل ہو نہ ہوگے نالۂ شب گیر کے — تم نے راتوں کو نشانے کب لگائے تیر کے

یہ بھی کوئی رونا ہے کہ دو اشک بھر آئے — آنکھوں میں لہو ٹپکے دل آئے جگر آئے

...عجب مری بیتابیِ دل کی
اب ہو گیا ہے انکا تہیہ بناؤ کا

ادا کرکے دکھا دیجئے کہ اسپر لوگ مرتے ہیں
بڑھکر ہو کہیں حور سے بہتر ہو پری سے
ساقئ تنگ ظرف ایک ہی جام

کیا حال بیقراریِ خاطر بیاں کروں
کل ہوگی جنکو ہوگی سزا جرم عشق کی

اب امتحانِ ضبط ہے اے دل سنبھل ذرا
عرصۂ حشر میں کچھ گل نہ کھلا دے کوئی

بیکسی پوچھ نہ بیماروں کی اپنے ظالم
غم قیامت کا اگر ہے تو فقط اتنا ہے

مے گسار و مری توبہ کا بھروسا کیا ہے
ہیں اگر شوق سے مے پیتا تو بیشک تھا گناہ

مہ جبینوں کی گلی میں ہے یہ سائل کی صدا
ترکِ الفت ہم سے ہو دشوار ہے
مان جاؤ مرا کہنا تو میں اب بھی کہدوں

عیش میں کٹتی شب غم رنج میں اب کٹ گئی
بن گئے سائل تو کیا شانِ امامت مٹ گئی

اٹھی نقاب منہ سے نہ اسطرح روزِ حشر
آیا بھی رحم تجکو کسی خستہ حال پر

...ہے یہ سب جدھر آئے ادھر آئے
تجکو مری صورت تری صورت نظر آئے
یہ دیکھنا ہے تن کے وہ کس پر بنا مینگے

لگا کر یہ حنا دیجئے کہ یوں مرتے ہیں تمہارے
سیرت اگر اچھی ہو تو اچھے ہو سبھی سے
وہ بھی اترا ہوا کناروں سے

اِس نامرادوں کا سکون اضطراب ہے
سنتے ہیں آج انجمن انتخاب ہے
نظارۂ جمالِ رخ بے نقاب ہے

داورِ حشر یہ تہمت نہ لگا دے کون
انکو تسکین کوئی دے نہ دلا دے کوئی
داورِ حشر کو صورت نہ دکھا دے کوئی

ابھی پی جاؤں اگر ضد سے پلا دے کوئی
میرا کیا بس ہے اگر منہ سے لگا دے کوئی
ایک، دو، بوسہ لب بھر خدا دے کوئی

یہ نہیں تو زندگی بیکار ہے
داورِ حشر مرا دعویِ خوں باطل ہے

مدعا یہ ہے کہ ہم نے صبح کردی شام سے
دیکھنے والے نہیں کھاتے ہیں ہو نام سے

موسیٰ کی جیسے طور پہ حالت تباہ کی
تو نے کبھی سنی بھی کسی داد خواہ کی

ترے رخ نے ضیائے نور عالمگیر کم کر دی
ترے عارض نے مہ و ماہ کی توقیر کم [illegible]

کمر پر بار تھا اس کا ر بازیب کمر خنجر
بہت اچھا کیا سفاک نے تخفیف [illegible]

گلے ملنے کی جلدی میں کس دیتے ہیں یا وا کان
نمازِ عید میں یاروں نے اک تکبیر [illegible]

[illegible] تند آتی پڑی [illegible]
ذرا سا پاؤں پھیلا ہو وکڑی زنجیر کم کر دی

[illegible] سے بد [illegible]
تری تشبیہ [illegible] تری توقیر [illegible]

بابے [illegible] جوانی [illegible] کینہ
نہیں میں [illegible]

آسمان [illegible] زخموں کی کر دوں [illegible]
[illegible]

لیے مشق ستم آئندہ بھی کام آئیں سے
[illegible] کے ادھر شمشیر کے ٹکڑے

یہاں ماتم مجھے دل کا وہاں تلوار کا رونا
[illegible] نظروں کے ادھر شمشیر کے ٹکڑے

تری سفاکیوں نے تجلو عالم ہیں کیا سوا
ملا کرتے ہیں رستوں میں تری شمشیر کے ٹکڑے

چبلاتے ہیں جتنے لوہے کے سب لفت ہیں اے سائل
مگر محلوں میں تیری تو ہیں شمشیر کے ٹکڑے

ہوا پر ہوتے جس دن مری فریاد کے ٹکڑے
اڑا ڈالیں گے اس [illegible] ستم ایجاد کے ٹکڑے

تعجب ہے کہ اس کے کان تک پہنچا نہیں کوئی
ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں دلِ ناشاد کے ٹکڑے

مجھے دیوانہ جو کہتے ہیں وہ ہیں خود ہی دیوانے
تمنا کرتا ہوں تنکے یا دلِ ناشاد کے ٹکڑے

تم اپنے ابروئے پرخم کو آخر کیا سمجھتے ہو
یہ چھریاں ہیں یہ خنجر ہیں یہ ہیں فولاد کے ٹکڑے

از دیوان دوم

بچپنے کے یہ ستم ہیں تو جوانی میں کہیں
ہو نہ جائے ترا دل سیم بدن تیرہ کا

ارشاد ہوا اُن کے یہ افسانہ کسی کا
قابو میں نہیں ہے دلِ دیوانہ کسی کا

آسان نظر آئے ہر اک مشکلِ دنیا
دے ساتھ اگر ہمتِ مردانہ کسی کا

معلوم نہیں کس سے کہانی مری سن لی
بھاتا ہی نہیں اب انہیں افسانہ کسی کا

زاہد کی رہ و رسم سے ہے توبہ کا خطرہ
میخوار سے بہتر نہیں یارانہ کسی کا

حور کو بھی بت کہو تو بغضِ للّٰہی کریں — کس قدر ہیں بت وہ حرم سب اہلِ ایمان دیکھنا
عمر بھر میں ایک تو پہچان ہم کو ہو گئی — اُسکو عاشق جان لینا جسکو حیران دیکھنا
جذبۂ دل میرا انہیں کر دیگا قائل خود بخود — باندھ لو جب شست پھر ناوک میں پیکان دیکھنا
جان لینا بس انہیں کو عاشقِ خانہ خراب — بستیوں میں جنکے گھر برباد و ویران دیکھنا
حرفِ مطلب سنکے سائل کا شرارت سے کہا — اُنکی صورت اُنکی جرات اُنکا ارمان دیکھنا
ہمتو سوز و تاب و تب کی آفتوں سے بچ گئے — تم بتاؤ چھین کر دل تم کو کیا حاصل ہوا
کل نہیں معلوم کیا تہمت لگائی جائیگی — آج قائم غیر سے الزامِ جذبِ دل ہوا
عشق میں ہم بھی تمہے مرجائینگے جب گھبرائینگے — وقت سے پہلے نہ مرنا اور بھی مشکل ہوا
بزمِ خلوت میں نظر نیچی تری کیوں ہو گئی — آنکھ کے سو پردے حیا کا پردہ کیوں حائل ہوا
نامرادی کا الم سب پی گیا تن کا لہو — جونک کی صورت سے جو لپٹا ہوا دل کے قریب
تمکو میرے سوزِ دل کا کسطرح سے ہو یقیں — تمنے اپنا ہاتھ کیوں رکھا مرے دل کے قریب
سونے خنجر دیکھتا ہے مجھکو قاتل دیکھکر — آستیں گردان کر بیتابیِ دل دیکھکر
ناامیدی جلوہ ریزی کی جو تھی وہ اب نہیں — شام وعدہ آئینہ انکے مقابل دیکھکر
پہلے عاشق کش لقب تھا اب ہے عاشق سوز عرف — بڑھ گئے وہ اور جو رشمعِ محفل دیکھکر
تمکو فرصت کب ملیگی مجلسوں سے غیر کی — کیا کروگے تم کسی دلگیر کا دل دیکھکر
تسلی بخش مرہم ہے خلش گر تیر چٹکی میں — نئی دیدی ہے یا اللہ نے تاثیر چٹکی میں
بھلا وہ تیر کیا ماریگا کاٹے گا گلا کیوں کر — رکھے جو تیر مٹھی میں چھپالے شمشیر چٹکی میں
قدر اندازیاں سمجھو کہ جذبِ دل کی تاثیریں — وہی دل میں اُتر آیا ایسا جو تیر چٹکی میں
چھپیں چٹکی سے تو پوچھیں کہاں ٹھیریں کہاں نکلیں — لب سوفار کر سکتے ہیں کیا تقریر چٹکی میں
کبھی تو سے توقع آکے وہ سوتے میں لے چٹکی — کبھی تو جاگ جائے میری بھی تقدیر چٹکی میں
یہاں کیا دیر ہی دل سامنے رکھدینگے ناوک کے — کماں مٹھی میں تو لے لے اٹھا لے تیر چٹکی میں

وفا کا مدعا کیا جز جفا معلوم ہوتا ہے
بلانا اُنکا پیغامِ قضا معلوم ہوتا ہے

بتانِ سنگدل کی ہے یہ کافر کیشیاں کیسی
جسے دیکھو معاذ اللہ خدا معلوم ہوتا ہے

ہنسی اڑتی ہے رونے پر ہمارے اُنکی محفل میں
دل آزاری ہی شاید ہے بھلا معلوم ہوتا ہے

بہانے خونچکاں سے دل بہاتا ہے جفاجو کا
لہو بہتا ہوا اُس کو بھلا معلوم ہوتا ہے

مرادف موت کا فرما رہے ہیں عشق کو ناصح
ہمیں یہ زندگی کا آسرا معلوم ہوتا ہے

قدم رکھتے ہی میخانہ میں یہ کھلتا پڑا ہم کو
یہ دنیا اور عالم دوسرا معلوم ہوتا ہے

کسی کو کیا خبر ہوگی کسیکے درد کی دکھ کی
تمہیں پہچان لو نالہ پسِ دیوار کس کا ہے

یہ میخانہ میں کس کے رہن کا چرچا ہے مے نوشو
لبِ پیرِ مغاں پر قصہ دستار کس کا ہے

آخر آنے لگی پہلو سے یہ آواز مجھے
پھونکے دیتی ہے مری پردگیِ راز مجھے

اِس قدر لطفِ اسیری کا بلا ہے صیاد
یاد مطلق نہ رہا مقصدِ پرواز مجھے

دل میں آنکھوں میں جگہ آپ عدو کی ہوگی
کم نگاہی نے کیا جب نظر انداز مجھے

کیا کروں کیوں کروں پھر جرأتِ عرضِ مطلب
منع کرتی ہے جب اُنکی نگہِ ناز مجھے

کیوں یہ فرماتے ہو دل کا درد کم ہونیکو ہے
صاف کہدو تم کہ قصہ مختتم ہونیکو ہے

شام وعدہ جی کڑا کرکے یہ لکھ بھیجا انھیں
جھوٹے وعدہ کی طرح جھوٹی قسم ہونیکو ہے

جا رہے ہیں سوئے مقتل آج وہ خنجر بکف
کس کی شامت آئی کس کا سر قلم ہونیکو ہے

اُسیکا نام ذوقِ بادۂ سرجوش ہوتا ہے
کہ بیہوشی کی ذہن رہتی ہے جبتک ہوش ہوتا ہے

نظارہ کی ہوس پر جلوہ ریزی نے کیا بیخود
نہیں معلوم کتنے دن میں جاکر ہوش ہوتا ہے

دمِ رفتار کرنا ذوقِ پامالی کا اندازہ
کہ کس کس کا دل و دیدہ تہِ پاپوش ہوتا ہے

عدو کو کچھ نہیں کہتے جو سُنی بھی پڑے تم کو
اُسی کو گالیاں ملتی ہیں جو خاموش ہوتا ہے

نئی کیفیتیں دیکھی ہیں ہم نے بادہ خواروں کی
یہ آپے میں نہیں ہوتے انہیں جبتک جوش ہوتا ہے

بہار آئی ہو وحشت میں نہ ہو کسطرح افزائش
اُمنگوں کا زمانہ ہے لہو میں جوش ہوتا ہے

نیچی نظر کے ناز ملاتے ہیں خاک میں
کھنا یہ تجھسے تھا نگہ سرمہ سا مجھے

ساقی نے بادہ خوار کو دی سے نہ شیخ کو
اُس نے کہا مجھے ملے اُسنے کہا مجھے

تم شیخ زات کو تو سنے پیر میکدہ
دن کو دکھائی دینے لگے پارسا مجھے

مستی میں جاکے دل نہ ملیگا خبر نہ تھی
لوٹے گا دونوں ہاتھ سے وزدِ حنا مجھے

سر پر بٹھائے رکھتا ہو ایک ایک کو مدام
میں نقشِ پا کو تیرے ترا نقش پا مجھے

اگر ہم تمکو نذر اپنا دل بے مدعا کرتے
ہمیں سچ سچ بتا دینا کہ تم اس دل کا کیا کرتے

بنا دیں کام کیا کرتے جو تیرے پاس ہم ہوتے
وہ کرتے جو ترے تن پر ترے بند قبا کرتے

تھوا نیی لڑگئی ہے اُس ستم ایجاد سے
ایک بھی جسکی ادا خالی نہیں بیداد سے

غم غلط شب ہائے تنہائی کا ہوجاتا ہی کچھ
دل بہل جاتا ہے شغل نالہ و فریاد سے

سخت جانی کو نزاکت نے تری سمجھا ہی کیا
"بال بھی بیکا" نہو گا خنجر فولاد سے

سائل ۔ جناب شیخ نبی بخش صاحب ۔ آپ امروہہ ضلع مراد آباد کے باشندے ہیں حضرت نوی امروہوی کے شاگرد ہیں ۔ نومشق شاعر ہیں ۔ مگر کلام اچھا ہے ۔ مندرجہ ذیل اشعار آپکی جدت طبع کے شاہد ہیں ۔

مزا کیا خاک ہمکو نالۂ بلبل سے آئے گا
نہ جس میں سوز کے ٹکڑے نہ جس میں ساز کے ٹکڑے

ترے دامن کے دھونے سے چھپیگا خون کب قاتل
کہ خود بولینگے محشر میں شہید ناز کے ٹکڑے

جگر ہی پارہ پارہ اور دل ہے پاش پاش اپنا
جو ہیں یہ ناز کے ٹکڑے تو وہ انداز کے ٹکڑے

کسی کو ذبح کر ڈالا کسی کو زندگی بخشی
اثر رکھتے ہیں کیا کیا آپ کی آواز کے ٹکڑے

بہت کچھ ہیں مری کشکول میں باقی ابھی سائل
نرالی وضع کے ٹکڑے نئے انداز کے ٹکڑے

سائف ۔ ابو محمد سید اسمٰعیل خاں معروف بہ حکیم افصح الدین خلف حکیم صغیر حسین کاشف پہلے لکھنؤ میں بود و باش رکھتے تھے ۔ اب بریلی میں مطب کرتے ہیں ۔ فن سخن کے شیدائی ہیں شعر معمولی

سکتے ہیں مگر اپنے کلام کو زور دار بنانے میں کوشاں ہیں نتیجۂ فکر یہ ہے

سرمست ذوق بادۂ الفت کو چاہئے
پھر سکوت شیشۂ مینا کہیں جسے

پستی نصیب عاشق بیدل کہاں سے لائے
ایسا مکان کہ عرش معلیٰ کہیں جسے

مجھے قضا نصیب کے کام آئی جب یہ بات
معجز نما وہ لب کہ مسیحا کہیں جسے

عاشق کو ایک آبلۂ دل کے واسطے
نوک مژہ وہ چاہئے کانٹا کہیں جسے

دیکھئے تو کتنے آ کر گلے کٹوائیں گے
میان سے باہر ذرا تلوار رہنے دیجئے

سن چکا ہوں میں بھی قصۂ اتفاق و فراد کا
میرے آگے ہمت اغیار رہنے دیجئے

لذت درد آشنا قند مکرر ریز ہے
زخم کے منہ میں لب سوفار رہنے دیجئے

سبحان **سبحان** ۔ سبحان شاہ خاں ۔ جمعدار نیورگاؤں حیدرآباد دکن ۔ مولوی نادر علی برتر کے شاگردوں میں ہیں ۔ فن سخن میں کوئی خاص پایۂ امتیاز نہیں رکھتے ۔ کلام یہ ہے ۔

بنائے جاتے ہیں حلقے جو کاکل میں سیہ کیا ہے
پھنسانے کو دل بیتاب کے زلف سیاہ کم تھی

ستمگر دست نازک کو عبث تکلیف دی تو نے
ہمارے قتل کرنے کو تری تیغ ادا کم تھی

کیا بدنام غیروں میں ہمیں نیچی نگاہوں سے
بہت اچھے تھے تم جبتک ان آنکھوں میں حیا کم تھی

سبقت **سبقت** ۔ میرزا مغل خلف میرزا علی اکبر کشمیری ۔ آپ دہلی میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں پیدا ہوئے ۔ اور یہیں رہے ۔ شباب میں لکھنؤ گئے تھے ۔ شیریں گفتار ۔ خوش فکر معاملہ بند شاعر تھے ۔ حضرت جرأت سے فیض سخن حاصل تھا ۔ چنانچہ انکی جدت طرازی اور معاملہ بندی کا تصور انکے ہاں بھی اپنی جھلک دکھا رہا ہے ۔ قدرت اللہ شوق اور شرف الدین میر مٹھی کے قدیم غیر مطبوعہ تذکروں میں میرزا صاحب کا کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب سرمۂ چشم ناظرین کیا جاتا ہے ؎

خوبان رخ پر ڈالے زلفیں سانجھ سویرے پھرتے ہیں
دل کو لے ناداں چھپا رکھیاں تو لٹیرے پھرتے ہیں

دیکھ کے مجھکو کہتا ہے وہ کس کس پر میں رحم کروں
تجھسے پریشاں حال دکھاتے یاں بہتیرے پھرتے ہیں

زلف کو لیکر ہاتھ میں پیارے کھیلا مت کریں ہر ساعت
منتر پڑھتے اس ناگن پر بہت سپیرے پھرتے ہیں

غم نہیں کچھ شیشۂ دل گر بنے اور ٹوٹ جائے
ہے الم اسکا جو تنے پتھر بنے اور ٹوٹ جائے

قصد مجھ سے بے گنہ کے ذبح کا جب دل میں ہو
کیوں نہ پھر قاتل کا ہت خنجر بنے اور ٹوٹ جائے

روئے نت جوں ابر نیساں کیوں نہ پھر یہ چشم زار
اسکا ہر اک اشک جب گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

گر کرے احوالِ دل ظاہر نہ تھوڑا سا مرا
تو حباب بحر کوں اکثر بنے اور ٹوٹ جائے

دیکھکر رخ کی صفائی تیری اے آئینہ رو
کیا عجب ہے آئینہ ششدر بنے اور ٹوٹ جائے

پوچھے اس سے کوئی حالت کو ہماری دل کی آہ
ایک مدت بعد جسکا گھر بنے اور ٹوٹ جائے

سوچ میں رہتے نہ کیونکر قالب انساں کو دیکھ
خاک کے پتلے کا یوں پیکر بنے اور ٹوٹ جائے

عالم کو کیوں نہ اُس کی گفتار مار ڈالے
جنبش نے لب کی جس کی دو چار مار ڈالے

سوز پروانہ ہویدا ہے سبھوں پر سبقت
پر کسی پر نہیں ظاہر غم پنہانے شمع

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ کم کسی سے ملیں
نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

اٹھا دیتی ہے بیتابی ترے بن ہم جہاں بیٹھیں
کہیں لگتا نہیں ہے جی کدھر جاویں کہاں بیٹھیں

قیامت ہو ابھی برپا اُٹھے ہنگامۂ محشر
سر اپنا رکھ کے زانو پر جو ہم کرنے فغاں بیٹھیں

مت یاد دلاؤ وصل کی راتوں کو
پوچھو کوئی نہ اُن ملاقاتوں کو

پھروں ہی نہیں بات نکلتی منہ سے
کرتا ہوں جب اسکی یاد میں باتوں کو

سپہر

سپہر - میر محمدی - خلف سید مہدی مرحوم - آپ خواجہ وزیر لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ اور سید محسن علی مؤلف تذکرہ سراپا سخن کے خواہرزادہ تھے - طبع رواں صاف اور پاکیزہ زبان پائی تھی - فکر میں بلند پروازی تھی - صاحب فن اور خوش کلام و سخنور تھے - تحقیق کا شوق تقادی کا ذوق تھا - کلام یہ ہے ؎

وہ شمع رو جو نہ لائے سر مزار چراغ
میں دل میں داغوں سے روشن کروں ہزار چراغ

یقیں ہے کہ وہ گل آئے گا خوشی ہوئی
کہ پھول جھڑتے ہیں ہنستا ہے بار بار چراغ

بے شرم آئی کہ فانوس ہاں چھپائے وہ منہ   جو دیکھے اس رخ روشن کو ایکبار چراغ

جو رہ جفا میں دیکھئے ثابت قدم ہے کون   تم دل کو آزماؤ تمہیں آزمائے دل

لعین دکھائیں تم نے جو آکر گھڑی گھڑی   ناحق بلا میں پھنس گیا بیٹھے بٹھائے دل

اب شہر عشق میں یہ منادی ہوئے سپہر   اس ماہ رو سے کوئی نہ اپنا لگائے دل

اس کے زانو پہ جب رکھا سر کو   ہنس کے بولا اجی ذرا سر کو

سرد آہیں بھر رہا ہوں کچھ یہ آنسو ہیں رواں   انتہا جاڑے کی ہے اور ابتدا برسات کی

نہ جہاں وہم فرشتہ کسی عنوان پہونچے   فضل خالق سے وہاں حضرت انسان پہونچے

ہے سبب ہمدرد کو ہمدرد کا ہوتا ہے خیال   قیس یاد آیا جو نزدیک بیاباں پہونچے

ہم صفیرو ہوں وہ بلبل کہ قفس میں مجھ تک   بوئے گل پھاند کے دیوار گلستاں پہونچے

جو فقیری میں مزا ہے وہ کہاں شاہی میں   کب مرے بوریئے کو مسند سلطاں پہونچے

ہو سپہر جگر افگار کو جو شے درکار   وہ اسے غیب سے یا حضرت سبحاں پہونچے

سپہر

سپہر ۔ آفتاب سپہر سخن گستری ۔ نیر چرخ ہنروری منشی شہاب الدین خاں صاحب دہلوی شاگرد میرزا صابر دہلوی ۔ آپ عدالت دہلی میں سررشتہ دار تھے ۔ اور عاشقانہ رنگ کی شعر گوئی میں شہرۂ روزگار ۔ زبان میں بیساختہ پن ۔ بیان میں روانی تھی ۔ اشعار میں دل آویزی تھی اور طبیعت میں مضمون تیزی ۔ جو کہتے تھے خوب کہتے تھے ۔ کلام میں درد اور سوز و گداز ہے ۔ انکے بعض بعض شعر مطبوع الجواب ہیں اور وہ ایک ایک دیوان کا جواب ہیں مثلاً

اس بت سے لکھے کی مجکو گر خبر ہوتی تو میں   تھام لیتا ہاتھ اپنے کاتب تقدیر کا

نشست الفاظ اور بندش کی خوبی نے نازک خیالی میں چار چاند لگا دئے ہیں ۔ کلام کا انتخاب نذر شائقین ہے ۔

مے کے پینے سے خدا کا میں گنہگار رہا   محتسب تو مرے کیوں در پئے آزار رہا

خون ہو کے بہا دل تو بلا سے لیکن   سرخ رو مجھ سے تو لے دیدۂ خونبار رہا

کیا تماشا ہے کہ پہونچا ترے دل تک وہ غبار
ترے دامن تک پہنچنا جسکو اک دشوار تھا

اسکو ظالم جو کہا میں نے تو ہنسکر بولا
تجکو ظالم بھی میسر کوئی سمجھا تھا

ہو غریق رحمت حق وہ عجب انسان تھا
میکدہ کی۔ پہلے جو موجد ہوا تعمیر کا

رکھا یاد تم نے مرے بھولنے کو
عجب لطف کا ہے یہ نسیان تمہارا

بے حوصلہ سمجھ کے وہ ہنستا ہے اے سپہر
روتا ہوں جس کے سامنے کھوکر ہیں ہائے دل

کیوں نہ ہو افزائش دشمن کہ قاتل وقت قتل
ہوگئے ایک ایک کے دو. دو ٹکڑے ہر دو ہیں

غصہ کیا اترا کہ بل ابرو کے سارے مٹ گئے
عارضی جو ہر ہیں اے قاتل تری تلوار میں

اپنے زخم دل کو ہم دھولیں کبھی جی کھول کر
آب اتنی بھی نہیں قاتل تری تلوار میں

اسطرح دی مجکو گردش چشم میگوں نے سپہر
نشہ سے جس طرح گردش ہو سر میخوار میں

تکلیف نماز اور ہیں۔ زاہد سے عجب ہے
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

بیکاریوں میں نالہ کریں اور بکا کریں
یہ بھی نہ ہم کریں تو بھلا اور کیا کریں

ہوتا ہے کیوں تلاش بتاں میں خراب دل
چل اپنے گھر میں بیٹھ کے یاد خدا کریں

دل جو مل جائے تو ہے آنکھ ملانے کا مزا
اس سے کیا ہوتا ہے گر تم نے ملائیں آنکھیں

ساغر کشی سے ہاتھ اٹھاؤں میں کسطرح
زاہد نہیں ہیں شیخ نہیں پارسا نہیں

ہم لطف سے تو گذرے یہ تیرا جفا شعار
یہ بھی بڑا ستم ہے کہ ہم پہ ستم نہ ہو

لینا ہے امتحاں تو اب لے کہ پھر کہیں
تو آئے تیغ کھینچ کے اور ہم میں دم نہ ہو

بہائے اشک تو ملجائیں خاک میں افسوس
اور انکے سینہ پہ یوں موتیوں کا ہار رہے

گر انکے نام پہ مٹ کر میں خاک ہو جاؤں
مرا غبار طبیعت پہ ان کی بار رہے

سپہر کو نہ چھڑا شغل ہرزہ گردی سے
کہ جز قدح اسکے تعلق بھی کوئی کار رہے

کہو سپہر سے کہ جائے شراب خانے سے
نہ میرے سر پہ چڑھا صورت خمار رہے

سپہر

سپہر۔ منشی سید شرف الدین صاحب۔ آپ سید امیر حسن صاحب فروغ لکھنوی کے زمرہ

تلامذہ سے ہیں۔ لکھنؤ کی قدیم شاعری کی جانب رجحان ہے اور خط و خال کے مضامین پر فریفتہ ہیں۔ بعض شعرا جیسے نکال جاتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

سوتی ہوئی تقدیر مری قبر کی جاگی
صدقے ترے ٹھوکر کوئی لے ماہ جبیں اور

زخم جگر و دل کا سبب کوئی نہیں اور
ناوک ترا ڈوبا ہے تو نکلا ہے کہیں اور

عاشق کی ترے اٹھتی ہے میت ترے در کو
اب روٹھ کے جاتا ہے یہاں سے یہ کہیں اور

نگہ ہے جسکی بلا آنکھ فتنۂ عالم
چلے ہیں ملنے اس آشوب روزگار سے ہم

تیرے رخ و گیسو کا ہے سودا مرے سر میں
کٹتی ہے مری عمر اسی شام و سحر میں

ڈوبا تھا مرے دل میں نکلا ہے جگر میں
کیا سحر تھا سفاک ترے تیر نظر میں

سایۂ رحمت سے ہے سر پر روز حشر
مجرم آئے ہیں بڑے اعزاز سے

کیوں تڑپ کر رہ گئے قلب و جگر
کس نے یہ دیکھا نگاہ ناز سے

مزا الفت کا ہے معشوق کی بے اعتنائی سے
عبث نالاں ہے بلبل باغ میں گل کی جدائی سے

یہ کہتا تھا کہ میرا خون ناحق رنگ لائے گا
وہ مٹی دینے آئے ہیں مجھے دست حنائی سے

کوئی کمبخت مر جائے تو ٹھوکر بھی نہ یہ دیکھیں
کلیجہ ہو گیا چھلنی بتوں کی کج ادائی سے

سپہری

سپہری۔ مولوی محمد احمد صاحب خلف مولوی خواجہ انتظام علی ساکن سہارنپور مہتمم کوتوالی سرکار نظام دکن۔ اپنے والد کے قیام دکن کی وجہ سے اکثر وطن سے دور رہے اور حیدر آباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی۔ فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا۔ اور مولانا فضل رب عرشی سے اصلاح لینے لگے اور انہیں کی رعایت سے سپہری تخلص اختیار کیا۔ عربی فارسی کی استعداد عالمانہ پایہ کی تھی۔ دری زبان میں اچھا دخل تھا طبیعت میں شوخی۔ رنگینی بلا کی تھی اور فطرتی طور پر سخن گوئی کا مادہ تھا۔ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے۔ ہر قسم کے خطوط۔ نسخ۔ نستعلیق۔ شفیعہ۔ ریحان وغیرہ پر کامل دسترس تھی۔ دوست نوازی۔ مروت۔ زندہ دلی نے انکو مرجع احباب بنا رکھا تھا سنہ ۱۳۱۲ھ میں مالک کارخانہ فنون حیدر آباد سے کچھ بحث آپڑی تو آپ نے ایک ناٹک "قران السعدین"

کے نام سے لکھا۔ ایک اردو فسانہ موسوم بہ فسانۂ محبوب بھی لکھنا شروع کیا تھا مگر وہ ناتمام رہا ۱۸۹۵ء میں بمقام بیدر علاقہ دکن بحیات والد بزرگوار زیب خاک ہوئے ۔ ۳۸ برس کی عمر پائی ۔ اُردو کے مقابلہ میں فارسی کلام پختہ تھا۔ ریختہ اردو کا نمونہ یہ ہے ؎

تازہ ستم ہے یار کا مجھ سے خفا ہے اسلئے — ذبح کے وقت دست و پا تو نے عبث ہلا لئے

غضب یہ ہے مرا قاصد یہ مجھ سے کہتا ہے — خطا معاف عبث ہیں جناب کی باتیں

نہ ہوتی نہیں دمِ آخر — کسکا کرتی ہیں انتظار آنکھیں

نکالو تیغ ستم کو نہ امتحاں کے لئے — نگاہِ ناز ہی کافی ہے اک جہاں کیلئے

رونے سے میرے بزمِ محبت میں ہر طرف — غل ہے خموش لوٹے کلیجے نکل گئے

ستم ۔ منشی درگا پرشاد خلف اکبر لالہ ہیرالال ۔ آپ صاحب گنج کے رئیس تھے ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے ۔ فن شعر میں مولوی حکیم منیرالدین صاحب کیفی کے شاگرد تھے ۔ زبان انگریزی سے واقف اور کسی قدر طب جانتے تھے ۔ پہلے سرکاری محکمہ جات میں مختلف خدمات پر مامور رہے ۔ پھر دنیا سے دل بیزار ہو گیا سلسلہ نانک شاہی میں فقیرانہ اور آزادانہ زندگی بسر کی ۔ علما و فقرا سے ربط رہا ۔ کبھی کبھی مجلس وعظ و سماع میں بھی شریک ہو جاتے تھے ۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے تھے ۔ آپ نے ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا ۔ فقرائے اسلام کی صحبت کے باوصف تناسخ کے قائل تھے اور کلام سے تصوف اور معرفت کی بو آتی ہے ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

ہر رنگ میں تمہارے ہیں ہم صورت آشنا — دھوکا اسے دو جو تمہیں پہچانتا نہ ہو

کہتا تھا ہائے ہجر کا مارا ہوا کوئی — دشمن بھی اپنے دوست سے یارب جدا نہ ہو

ہمیشہ جا جا کے پھر پھر آنا یہی تماشے ہوا کرینگے — ہوا رہیگی خلاف جبتک تو لٹتے دریا بہا کرینگے

جو دل پھٹا ہے تو کچھ نہیں غم کہیں رفو گر کہاں جاتے ہم — تمہارا شکوں کا کچھ نہیں کم جئیں گے جبتک سیا کرینگے

ستم ۔ میرزا محمد عسکری صاحب باشندۂ لکھنؤ ۔ آپ جناب یکتا سے تلمذ رکھتے ہیں ۔ اسی قابلیت کے شاعر ہیں ۱۸۹۱ء کے گلدستۂ پیام یار میں ان کی ایک غزل شایع ہوئی تھی جس کا

انتخاب یہ ہے ؎

اے آسمان دھوئیں ہیں عاشق کی آہ کے	ٹکڑے اُڑے ہیں جگر کے جو ابر سیاہ کے
تربت ہماری سایۂ نرگس میں چاہئے	مارے ہوئے ہیں ہم کسی چشم سیاہ کے
سینے میں قتل ہوتا ہے دل۔ دل میں آرزو	جوہر غضب کے ہیں تری تیغ نگاہ کے
دل کو ستم کے لئے کے کدھر جائینگے ضرور	تیور یہ کھو رہے ہیں کسی کی نگاہ کے

سجاد ۔ جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ایک زندہ دل۔ مذاق پسند سخن سنج تھے۔ نام معلوم نہ ہوا۔ انکے بڑے بھائی حکیم ساجد علی اٹھارویں صدی کے اخیر میں اپنے معصروں میں خوش خلقی اور نیک طینتی کے باعث ممتاز تھے۔ یہ خود بھی قابل اور صاحب استعداد تھے۔ یار باش سے تھے۔ فن تاریخ اور موسیقی میں کمال حاصل تھا۔ مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ مگر طبیعت ہزل اور فحش گوئی سے مانوس تھی۔ شاعری کی تمام کائنات میں ہجووں کا انبار ہے جو فحش ہونیکی وجہ سے قابل اندراج نہیں۔ تاہم انکے کلام میں ابتدائی اردو اور اگلے وقتوں کے الفاظ موجود ہیں ۱۸۵۶ء میں زندہ وسلامت تھے۔ دو شعر تبرکاً درج ہیں ؎

جو ہلنے سر پہ گذری منہ سے کہنا ہے عبث	تیغ سے قاتل کے جا پوچھو ہماری سرگذشت
سو ہو تا کیا ہے زلف منہ پہ رکھے	اُٹھ میاں دونوں وقت ملتے ہیں

سجاد ۔ صورت آشنائے معانی۔ رمز شناس سخن دانی۔ جناب علی سجاد صاحب عظیم آبادی۔ دور جدید کے مشہور مضمون نگار اور نامور علمی طبقہ میں انکا شمار رہے۔ آپ سرکاری ملازمت کی حیثیت سے بغداد میں بھی رہ چکے ہیں۔ اردو کے مشہور رسالہ مخزن میں " یلدرم ،، کے نام سے جو مضامین نکل چکے ہیں وہ آپ ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ اب اُن مضامین کا مجموعہ خیالستان کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ کتاب محل خانہ جو آپنے مراۃ العروس کے طرز پر لکھی ہے طبقہ نسوان میں مقبول ہے۔ ۱۹۰۸ء میں دوران قیام کلکتہ میں راقم تذکرہ سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی اسوقت آپکی عمر ۲۷ برس کی ہوگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آپ واجد علیشاہ اور مٹیا برج

سے کے حالات میں ایک تاریخ لکھ رہے تھے۔ یوں تو آپ سخنور سحر مقال اور مرقع رنگین بزم خیال ہیں بندش چست اور شعر ہر پہلو سے درست ہوتا ہے۔ مگر ادبی حلقوں میں آپ کی "شاعرانہ نثر" کا پایہ نظم سے زیادہ بلند ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے مولف تذکرہ کو یہ فخر حاصل ہوا ہے جو آپ کا بہترین کلام ملک کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

آپ راجہ صاحب محمود آباد کے پرائیویٹ سکرٹری بھی رہ چکے ہیں ۱۹۰۸ء میں بمقام کلکتہ سکونت پذیر تھے۔ اب ترک سخن کر دیا ہے۔ رسائل میں مضامین بھی نظر نہیں آتے جواہر افکار یہ ہیں ؎

ساتھ غیروں کو جو آسکے سر محفل دیکھا
دل نے دیکھا مجھے میں نے طرف دل دیکھا

جواب کچھ نہ دیا سر سے پاؤں تک دیکھا
دبی زبان سے جو کل اک سوال ہم نے کیا

فراق ساقی میں ہوش میں خون پیتے ہیں
یہ وہ شراب ہے جسکو حلال ہم نے کیا

آج شور نشہ مے نے کیا افسوں کیا
کل نہ میں گستاخ تھا آنا نہ وہ بیباک تھا

آپ نے دیکھا کہ ہم بے تیغ و خنجر مر گئے
لیجئے اک جنبش مژگاں میں قصہ پاک تھا

ہوتی ہے سجاد ہر شے اصل کی جانب رجوع
خاک میں کیونکر نہ مل جاتا کہ آخر خاک تھا

حضرت دل نے مرے پایا ہے تجھ سکا مزاج
جو میسر نہ ہوا اس چیز کا مائل دیکھا

کسی کے دوش پر گیسو پریشاں ہوتے جاتے ہیں
نئے سر سے مری وحشت کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

نہیں آتے ہیں وہ انکا خیال آتا ہے رہ رہ کر
اسی صورت سے مجھپر انکے احساں ہوتے جاتے ہیں

وہی ساماں جو پہلے باعث رنج و مصیبت تھے
عزیز خاطر قیدی زنداں ہوتے جاتے ہیں

یہی نیرنگ عالم ہے تو اک دن ماند پیرا ہی
زمیں میں کیسے کیسے چاند پنہاں ہوتے جاتے ہیں

سبب کیا ہے کلی دل کی ہمارے کیوں نہیں کھلتی
بہار آئی چمن میں گل بھی خنداں ہوتے جاتے ہیں

مریض ہجر ہوں سجاد جو دم ہے غنیمت ہے
بہت مایوس مجھسے اہل درماں ہوتے جاتے ہیں

تجھ میں ہے آگ بھی تھوڑی سی جلانے اے جسم
میری تربت کی جگہ کوئے غریباں میں نہیں

کام آجائے تری راہ میں جب ہم جائیں
گل سے بدن کا رنگ نکلا ہے پھوٹ کر
کیوں آپ سر جھکاتے ہیں ذکرِ وصال پر
جو دل میں آتے آتے زباں تک قبول ہو
شاید بر آئی ہو کوئی اس دل کی آرزو
اک سانحہ عظیم ہوا آج شہر میں
انکی الفت کی نگاہیں بھی ستم پرور ہیں
میں یہ سمجھا کہ میرے حال پہ جنگل بھی روتا ہے
بہت آسان ہے عرضِ مدعا کو طول دے دینا
وہ جلسے لکھنؤ کے یاد اے سجاد آتے ہیں

بلبل نہ ہواں گلوں پہ مغرور
نہ افسردہ نہ وہ اندوہگیں ہے

شبنم نہیں ہے اشک ہیں دیکھو قریب سے
وارفتگی نے اب نہ رکھا کچھ بھی امتیاز
بت پھر گئے بلا سے خدا تو پھرا نہیں
مجھ سے نہ آپ حضرت موسیٰ چھپائیے
جاتا رہے گا سارا مزا دردِ عشق کا

خبر مرنے کی سنکر میری بولے
کسی کی شکل جب سے دیکھلی ہے
مریضِ غم سنبھل جائے تو جانیں

مرحلہ عشق کا آسان ہوا مشکل سے

یوں تو کہنے کے لئے دوش پہ سر رکھتے ہیں
پہنے ہوئے وہ شوخ گلابی قبا نہیں
میں نے تو منہ سے نام کسی کا لیا نہیں
وہ غیر کی دعا ہے ہماری دعا نہیں
مجھکو تو یاد ہے کبھی ایسا ہوا نہیں
سجاد مر گیا ارے ظالم سنا نہیں
مصلحت بیں ہیں عجب طرز نظر رکھتے ہیں
جو دیکھا دامن صحرا میں ہنستے آبشاروں کو
وہ تنہا مل گئے گر راہ میں امیدواروں کو
یہ آنکھیں ڈھونڈتی ہیں رات دن ان دوستداروں کو

رہنے کا نہیں یہ حسن ہمیشہ
مرا مرنا مگر مرنا نہیں ہے

رو دی بہار مل کے گلے عندلیب سے
کہتے ہیں اس کا حال ہم اپنے رقیب سے
ہے جائے شکر گر ہے شکایت نصیب سے
سنتا تھا میں جو ہوتی تھیں باتیں قریب سے
اچھا یہی ہے حال نہ کہنا طبیب سے

کوئی دنیا میں کیا مرتا نہیں ہے
طبیعت میری قابو میں نہیں ہے
سنا ہے کل سے حال اچھا نہیں ہے

دم نکلنے کو تو نکلا پہ ذرا مشکل سے

اپنی صد سالہ عبادت پہ نہ جا نازاہد
کیا کہوں بے اثری سے مجھے شرم آتی ہے

تیغ بھی تیز سہی ہاتھ بھی چالاک سہی
مہر و الفت کا عجب کال پڑا ہے سجاد

نہ ہوگی بعد مرے ان کو قدر آرائش
مجھے بھی آج وہ مقتل میں سرفراز کریں

وہ اپنی تیغ زنی پر کمال نازاں ہیں
چکا چوند آئینگی خورشید کو اس آتش رو سے

یہ حالت ہے کہ دشمن کا کلیجا منہ کو آتا ہے
کہاں نصیب جو اس در تلک رسائی ہو

یہ دل ہے شیشہ سے نازک ذرا خیال رہے
نہ کر صیاد اتنا ظلم طاقت ہی کہاں غم سے

یہ کیسی زندگی ہے روز جیتا اور مرتا ہوں
ہوئے واں زینت افزائے بساطِ عیش و دشمن وہ

اگر ہے دید کا طالب نگاہِ شوق پیدا کر
طلب گر نعمت اعلیٰ کی ہے کم پر قناعت کر

خدا بخشے بیابانِ جنوں میں گو اکیلا تھا
جلوۂ حسن صنم اپنی دکھائے جو کشش

ایک کے دم سے یہ سب دشت کی آبادی تھی
ختم کی ہو خبر کوئی جام ادھر اے ساقی

پڑ رہے جا کے کسی ٹوٹی ہوئی مسجد میں
اس ریاضت میں بھی ملتا ہے خدا مشکل سے

دونوں ہاتھ اُٹھتے ہیں اب بھر دعا مشکل سے
دیکھنا پھر بھی کٹے گا یہ گلا مشکل سے

آج کل ملتے ہیں اربابِ وفا مشکل سے
کروں سلام جو آئینہ روبرو ہو جائے

خدا کرے کہ شہید دل میں آبرو رہ جائے
عجب مزا ہو جو ثابت رگ گلو رہ جائے

ہلالِ عید کٹ جائیگا اب شمشیر ابرو سے
رہیگا یاد برسوں دل کا چھٹنا اپنے پہلو سے

ملے جو رستے میں گاہ سلام کر لینگے
لگی جو بٹھیں تو پھر تم سے دام کر لینگے

قفس کو لیکے کیا اڑ جائینگے بے بال و پر ہم سے
کسی کے وصل کی امید ہے اور ہجر کے غم سے

گلے مل مل کے یاں روئی تمنا رات بھر ہم سے
نہ تو باہر ہے عالم سے نہ میں باہر ہوں عالم سے

گلوں کو دیکھ پیاس اپنی بجھا لیتے ہیں شبنم سے
بڑی رونق تھی ملے سجاد پھر بھی قیس کے دم سے

بت نکل آئیں ابھی دیدکو بتخانے سے
اب وہ رونق نہ رہی قیس کے مر جانے سے

تشنہ لب آج ہمیں جاتے ہیں میخانے سے
رات کو ہم جو نکالے گئے میخانے سے

چلوؤں غم سے گھٹا خون مرے دشمن کا
سے جو دی اُس نے چھلکتے ہوئے پیمانے سے

ان حسینوں کو نہ رحم آئیگا ہرگز سجاد
سر پٹکنے سے نہ کچھ ہوگا نہ مرجانے سے

بڑے ریاض سے سینے میں دلکو پالا ہے
اندھیرے گھر کا ہمارے یہی اجالا ہے

بہار دیکھ تو تارِ نظر میں اشکوں کی
عجیب پیش بہا موتیوں کا مالا ہے

دکھائی دیتے ہیں سب ایک رنگ میں ڈوبے
ترے دیار میں گورا نہ کوئی کالا ہے

یہی تو وصف ہے سب اپنے رنگ میں ہیں ایک
تمہارے باغ میں جو پھول تو نرالا ہے

خدا زیادہ کرے داغِ سینۂ عشاق
نظر اٹھا کے جدھر دیکھئے اُجالا ہے

تمہاری یاد میں تھا زمزمہ زن خدا شاہد
خیال غیر کو کس طرح سے نکالا ہے

زبان تیغ سے بیجا نہیں ہے پرسشِ حال
وہ وار کرتے ہیں دل میں کہ آرزو نکلے

ٹھہر ادب سے ذرا قتل کر مجھے قاتل
غضب ہو گر وہ قریبِ رگِ گلو نکلے

مریضِ غم کی اجل آ چکے تو وہ آئیں
بدن سے جان نکل لے تو آرزو نکلے

نوید امن ہے سجاد دشمنی اُن کی
وہ جب کہ دوست ہوئے انکو سب عدو نکلے

بعد مدت کے جو زندان بلا سے چھوٹا
دیر تک پاؤں سے لپٹی رہی زنجیر مری

اک سہارا ترے ملنے کا تھا وہ بھی نہ رہا
آہ کہتی ہے کدھر اڑ گئی تاثیر مری

سجاد ۔ شیخ سرفراز علی ولد شیخ سجاد علی ۔ ابن شیخ مراد علی داروغہ نواب امین الدولہ بہادر تمشیر الملک قایم جنگ ۔ نادان محل لکھنؤ میں بود و باش رکھتے ہیں ۔ ۵۵ برس کی عمر ہے ۔ جیسے خوبصورت رنگین مزاج ہیں ۔ مثنوی شعلۂ عشق ۔ شگوفۂ عشق ۔ گلشن عجائب وغیرہ زمانہ شباب کے کارنامے ہیں جنمیں آپ بیتی حسن و عشق کی داستانوں کو بیان کیا ہے ۔ دیوان کے علاوہ نصیحت اطفال و قصہ عاقل وزیر کے بھی مصنف ہیں ۔ جوانی کا زمانہ فیض آباد میں کٹا ہے معلمی کے ذریعہ بسر اوقات ہوتی ہے ۔ عملیات اور نجوم کا شوق ہے ۔ تاریخ گوئی کیطرف بھی متوجہ ہیں ۔ فن سخن میں خواجہ عبدالرؤف عشرت سے تلمذ ہے ۔ غربت سے بسر ہوتی ہے

لیکن خود دار اور قانع شخص ہیں۔ مضمون آفرینی خیال آرائی کو معاملہ بندی پر مقدم سمجھتے ہیں انکا دیوان تیار ہے چند شعر درج ذیل ہیں۔

حال کھلتا ہی نہیں تقدیر کی تحریر کا
کیا قلم ٹوٹا ہوا تھا کاتب تقدیر کا

گیسو و رخ کی اگر آٹھ پہر یاد نہ ہو
دن کو یہ آہ نہ ہو رات کو فریاد نہ ہو

بس دیوار جو میں نالہ کناں جا نکلا
جسکے فرماتے ہیں دیکھو کہیں سجاد نہ ہو

باتیں نکر سکے دم مرگ آشنا کے ساتھ
آنسو کی طرح دم نکل آیا صدا کے ساتھ

سجاد

سجاد۔ میر علی سجاد صاحب۔ خلف میر حیدر علی باشندۂ موضع کھرا پرگنہ بلیہ۔ آپ الہ آباد میں محافظ دفتر کلکٹری تھے۔ میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان ان کی یادگار تھا۔ معلوم نہیں کہ شائع ہوا یا گمنامی کی نذر ہوگیا۔ طرز بیان میں اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہیں ؎

صدقہ ترے قد پہ لاکھوں خوش قد
آنکھوں پہ فدا ہزار آنکھیں

گلرنگ ہیں آستین و دامن
دکھلاتی ہیں کیا بہار آنکھیں

دو دن میں یہ گھٹ گئی محبت
کرتے نہیں مجھسے چار آنکھیں

ان آنکھوں پہ دم نکل رہا ہے
مجھپر نہ نکال یار آنکھیں

روئیں یہ لہو ستمگر کی خاطر
سجاد کی ہیں فگار آنکھیں

سجاد

سجاد۔ صاحبزادہ محمد سجاد علیخاں صاحب نبیرہ صاحبزادہ ہادی علیخاں۔ آپ نواب صاحب رامپور بہادر کے خاندان سے ہیں حضرت احسان رامپوری تلمیذ حضرت داغ کے شاگرد ہیں۔ موزوں طبع۔ قافیہ پیما ہیں اور خاصہ شعر کہہ لیتے ہیں۔ کلام یہ ہے۔

کیں منتیں بھی ہاتھ بھی جوڑے وصال میں
آئی نہ میری بات پر ان کے خیال میں

سجاد بھول کر نہ کیا اس نے مجکو یاد
آٹھوں پہر گذرتے ہیں جسکے خیال میں

صدمہ ہی دل پہ کیوں مرے لب پر فغاں نہو
[illegible]

زاہد بتائیں راہ تمہیں ہم ثواب کی	بازار میں لگاؤ سبیل اک شراب کی

سجاد - نواب میرزا محمد سجاد علیخاں عرف نواب منے صاحب خلف دوم نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر نواب شیش محل - آپ نہایت طباع اور ذہین ہیں عربی فارسی انگریزی میں دستگاہ حاصل ہے - ابتدائے سن شعور سے طبیعت شعر گوئی کیطرف مائل ہے مشاعروں میں شریک ہوکر اپنے کلام بلاغت نظام سے سامعین کو محظوظ کیا کرتے ہیں شعر گوئی میں حضرت مشتاق لکھنوی سے تلمذ ہے - نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج شخص ہیں - لکھنؤ کی ٹکسالی زبان پر قادر - روزمرہ محاورات کو برتنے میں طاق ہیں - طبیعت میں آمد زیادہ اور آورد کم ہے - معاملہ بندی کیطرف میلان خاطر ہے - اگرچہ شعر کم کہتے ہیں مگر جتنا کلام ہے خوب ہے - طبع عالی کا نمونہ یہ ہے ؎

شباب گلشن ہستی میں خواب تھا گویا
کھلی جو آنکھ تو پھر موسم بہار نہ تھا

لب تک آ آ کے شب ہجر رکا تھا نالہ
منہ سے کس طرح نکلتا کہ ترا راز بھی تھا

ترا زانو تھا مرا سر تھا چو ہنگام غشی
عشق کو حسن پہ اسوقت بڑا ناز بھی تھا

بڑھیگی تیرگی شام تربت عاشق
ہوا سے گل نہ کہیں ہو چراغ مدفن کا

شباب کھتا ہی ملکے پہ اسکی طفلی سے
بدلتا جاتا ہے اب طور تیری چتون کا

زمیں اس جا سے شق ہو جائیگی صحرائے وحشت کی
پڑیگا عکس جس جا پر مرے چاک گریباں کا

سامنے ہے آئینہ تیغ نظر ہوتی ہے صاف
کچھ خبر اسکو نہیں ہے کون بسمل ہوگیا

کوئی کہدے یہ اب لٹنے مسافر کو کر رخصت
رگوں سے کھنچکے آنکھوں میں رکا ہی آکے دم میرا

تلاش یار میں صحرا نوردی ایسی کی میں نے
کہ سر پھر جاتا ہے وحشت میں جو رکتا ہی قدم میرا

وطن چھوڑا بسایا دشت غربت اُنکی خاطر سے
اب آگے حضرت دل دیکھیں کیا ارشاد کرتے ہیں

بتوں کے ہجر سے گھبرا کے ہم خدا کو یاد کرتے ہیں
کبھی خاموش رہتے ہیں کبھی فریاد کرتے ہیں

امونس نہیں - رفیق نہیں - ہمنفس نہیں
کوئی شب فراق میں فریاد رس نہیں

جب دیکھو جشنِ حور کا ممبر پہ ذکر ہے
بلبل یہ بولی آہ شرربار کھینچ کر
مجھکو تو دل سے بھائی ہے ساقی کی چشم مست
ہو چکے ایسے بہت اقرار بنتے دیجئے
جو وہاں سال ہے باہر نہیں نکلے گھر سے
آجکی شب یہیں رہجائیے لے بندہ نواز
سجاد وصل یار مبارک ہو آپ کو
نہ ہو ذرا سا بھی غم مجھکو گر ہوں سب دشمن
اگر میں غیر سے ملتے ہوئے اُسے دیکھوں
مجھے ضرور ہے ہستی پہ اپنی رونا اس
بوتل سے یہ اُبلی نہیں بزم میں ساقی
حوادث سے ڈریں کیا وحشیِ عشق

واعظ سا بھی جہاں میں کوئی بوالہوس نہیں
اب آج یا تو ہم نہیں یا یہ قفس نہیں
وہ دیکھنے کی آنکھ ہے جس میں کہ رس نہیں
منہ نہ اب کھلوائیے اے یار رہنے دیجئے
آپ کیا جانیں ابھی درد مصیبت کیا ہے
کل پہ چلے جائے گا ایسی بھی عجلت کیا ہے
برسوں کے ایک رات میں ارماں نکل گئے
جو ایک دم کیلئے میرے پاس تو آئے
بجائے اشک مری آنکھ سے لہو آئے
کوئی حباب نظر جب کنارے جو آئے
اُڑنے کا ارادہ کیا شیشے کی پری نے
پہلے دامن میں صحرائے بلا کے

سجاد - منشی سجاد علی۔ حیدرآبادی۔ حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے تلامذہ سے ہیں۔ طبیعت رسا ہے ذہن میں جولانی ہے۔ رسالہ کمال دہلی ۱۹۱۲ء سے چند شعر منتخب کئے ہیں جو خیال کی رفعت اور شوخی طبع کی دلیل ہے۔ سجاد

اثر اب بھی ہے اتنا اضطراب جسم وحشت کا
وفا کیسی کہاں کا عشق سب کہنے کی باتیں ہیں
کچھ ایسے شوق سے رکھدیتے ہیں گردن تہ خنجر

کہ اُڑ جاتا ہے کھینچے کھینچے نقشہ میری صورت کا
بھرم دو دن میں کھلجائیگا غیروں کی محبت کا
قضا منہ چوم لیتی ہے شہیدان محبت کا

سجاد - صاحب طبع وقاد۔ نواب سید سجاد میرزا صاحب سجاد دہلوی خلف الصدق معین الدولہ صفدر الملک ذوالفقار الدین حیدر ذوالفقار جنگ بہادر المعروف نواب ناظر حسین میرزا مرحوم ابن نواب حسام الدین حیدر خاں نامی۔ آپکو اوائل عمر میں میرزا غالب سجاد

سے مشورہ رہا پھر میرزا قربان علی بیگ سالک کے شاگرد ہوئے ۱۳۰۸ھ میں جب کہ آپ صاحب کمشنر کے ہمراہ تھے۔ گھوڑے سے گر کر انتقال کیا۔ میرزا عبدالغنی ارشد و میر تاب جہان کامل نے وفات کی تاریخیں کہیں۔ میں بیٹھکے رنج و غم سے کھینچوں آہ ۱۳۰۵ہ ہے ازبسکہ آپ استادہ ۳ ان مصرعوں سے مادۂ تاریخ نکلتا ہے۔ حضرت سجاد کے والد نے لڑکپن سے عالم پیری تک غالب مرحوم کی مصاحبت میں معتدبہ علمی فوائد اٹھائے۔ اور انہیں سے فارسی پڑھتے رہے۔ گو وہ سخنور نہ تھے۔ مگر سخن فہمی میں بے نظیر تھے اور بادشاہ کے ساتھ خواصی میں بیٹھنے والے خاندانی امیر۔ آخر اپنے جوان بیٹے کے غم میں دیوانہ ہو کر مر گئے۔ انہیں مرثیہ خوانی میں بھی کمال حاصل تھا۔

میرزا سجاد نہایت پاکیزہ خیال۔ جادو مقال شاعر تھے حسن صورت بھی رکھتے تھے پیرایۂ بیان دل گداز اور تخیل کرشمہ ساز تھی اگر کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو کہنہ مشقی اور پختگی ز قلمرو سخن میں اپنے نام کے ڈنکے بجا دیتے۔ آپ کی معدن فکر کے گوہر نذر ناظرین ہیں۔

آئینہ خانہ میں ہے محو خود آرائی کیا / واہ کیا خوب ہے دعویٰ اسے یکتائی کا
غیر کا کوچہ ہے اور گرد ہے لڑکوں کا ہجوم / ہے محبت میں یہ سامان ترے سودائی کا
آپ کے پند و نصائح ہیں بجا سب واعظ / عقل اس وقت میں اک نام ہے دانائی کا
انگلیاں شہر میں اٹھتی ہیں جدھر جاتا ہوں / اور ابھی دور ہے عالم مری رسوائی کا
کچھ بھی غیرت ہے تو در سے ترے پھر جائیگا غیر / دیکھکر نقش مری ناصیہ فرسائی کا
اب تصور میں بھی مجھکو نظر آتے نہیں تم / ماجرا پوچھتے کیا ہو شب تنہائی کا
غیر کو ڈھونڈنے اس در پہ چلے جاتے ہیں / ہمنے اک نام تو ڈالا ہے شناسائی کا
یہ جو دیوانہ سا پھرتا ہے وہی ہے سجاد / شہر میں شور تھا جس شخص کی دانائی کا

یعنی غیر ہے کہ نہیں مجھکو رشک غیر / یوں نحیف و سست ہوں کہ نہیں آ رہی دوست
جیسی کچھ شکل و شمائل مری ملنے دیکھی / اُسکو وہ ہو کے نے قتل کیا میرے بعد

میرے سیاہ حال کی تقریر ہے وہ زلف
روز سیاہ نالۂ شبگیر ہے وہ زلف

سجاد

سجاد - حکیم میر سجاد اکبرآبادی ولد میر محمد اعظم۔ شعرائے قدیم میں سے ہیں۔ شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ فکر شگفتہ اور استعداد علمی معقول تھی۔ قدرت اللہ شوق اپنے تذکرہ میں رقمطراز ہیں کہ انکا کلام نہایت شیریں اور دلفریب ہوتا تھا۔ کلام میں متانت پختگی کے علاوہ غضب کی ہمواری ہوتی تھی۔ اپنے زمانہ کے اعتبار سے واقعی اچھا شعر کہتے تھے۔ مگر خیالات میں زیادہ پرواز نہ تھی۔ جسقدر کلام دستیاب ہوا اُسکا انتخاب یہ ہے۔

تجھکو اے سجاد غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

یار سے دل ملا وہ غیر سے
نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

جان و دل سب قبول ہے جانا
پر گلی میں تری سے مجھے آنا

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات نہ ہوگی سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

یہ دہواں سا فلک ستاروں ساتھ
نظر آتا ہے اک جلا کاغذ

دل کی جمعیت نہ کھو دل کھول کر
ہوئے ہے غنچہ پریشاں بول کر

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اُسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
سب مزے در کنار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک
تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہ کن پہ گذریں تھیں
ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیار سے بھری ہوئیں
آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیان
منہ سے غنچہ کے پھول جھڑتے ہیں

لب شیریں پہ اُس کی مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

عشق میں جائے گا کہیں مارا
بے طرح دل ہوا ہے آوارہ

بے تکلف ہو نبٹ سر پہ پری ہو سجاد
دختر رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

عاشقوں کا بجن لہو پی پی	دم بدم تیری تیغ اُگلے ہے
پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں	کیا بھبولوں نے سر اُٹھایا ہے
بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے	یہ کافر مرا دل خدا یا نتا ہے
رات اور زلف کا یہ افسانہ	قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

سجاد

سجاد ۔ جناب مستطاب منتظم السلطنت جنرل برادر السلطان نواب ذوالفقار الدولہ سید محمد سجاد علیخانصاحب بہادر تیغ جنگ نیس لکھنؤ۔ آپ ٹمیا برج کلکتہ میں بادشاہ کے ہمرکاب تھے۔ انکی ہمشیرہ نواب نشاط محل بادشاہ کے ممتاز محلوں میں سے تھیں۔ آپ کو شاعری کا شوق تو لڑکپن سے تھا۔ مگر بادشاہ کی صحبت نے سیف طبع پر اور بھی صیقل کر دی اور اچھے خاصے شاعر بن گئے۔ آپ ایک غزل کے مقطع میں خود ارشاد فرماتے ہیں ؎

قرب سے اختر کے اے سجاد یوں چمکا ہیں	جسطرح تاباں ستارہ ہو مہ کامل کے پاس

کلام بلاغت نظام یہ ہے ؎

پھر پرسش جب نہ ٹھیرا دہ تن بسمل کے پاس	کروٹیں لیتا ہوا لاشہ گیا قاتل کے پاس
کم سنی کہتے ہیں اسکو ذبح کر کے ڈر گیا	خوف سے آتا نہیں قاتل تن بسمل کے پاس
یہ کسکے نور سے معمور ہے تصویر مٹی کی	کہ چشمک زن ہے مہر و ماہ پر تنویر مٹی کی
بہت دشوار ہے تربت میں ٹھیری اب جابنا	ہوائے کوچۂ جاناں ہے دامن گیر مٹی کی
جنوں میں پنجۂ وحشت نے ایسا زور بخشا ہے	کہ میرے سامنے ہے آہنی زنجیر مٹی کی
محبت کا مزا ہے جان جاتی ہے حسینوں پر	کوئی ہسکا مداوا کیا کرے تاثیر مٹی کی
ہماری قبر پر وہ فاتحہ پڑھنے کو آتے ہیں	سُلا کر ہمکو جاگی ہے مگر تقدیر مٹی کی
اُڑایا ذرہ ذرہ کر کے میری خاک تربت کو	یہی لازم تھا انکو خوب کی توقیر مٹی کی

سجاد

سجاد ۔ میر سجاد حسین صاحب جاگیردار بڑودہ۔ انکے بزرگ سہوان کے رہنے والے اور سرکار بڑودہ میں اپنی سپاہیانہ کارگذاریوں کی بدولت صاحب سونج ممتاز تھے سرکار

بڑودہ سے ابتک انہیں جاگیر ملتی ہے۔ موزوں طبع ہیں بعض شعر اچھے نکال جاتے ہیں۔

رکتی ہے روکنے سے بھی اُنکی زباں کہیں
فرقت میں اسقدر ہوے ہم خوگرِ ستم
آتا ہے شوخیوں کا مزہ بھولےپن کیساتھ
لطف سے جو بات کی در پردہ وہ بیداد کی
جانِ شیریں دیتے ہی شیریں کو اپنا کرلیا

باتیں سنائیں نقرے کسے پھبتیاں کہیں
اب خوف ہے وہ ہم پہ نہوں مہرباں کہیں
ہو جائیں بچپنے میں وہ یارب جواں کہیں
مرحبا کیا بات ہے ظالم تری ایجاد کی
قسمت خسرو سے کوشش بڑھ گئی فرہاد کی

سجاد سجاد۔ منشی سجاد حسین نائب سرشتہ دار تحصیل ضلع مرزاپور۔ آپ میرزا فائز بنارسی کے شاگرد ہیں
انداز بیان سے کہنہ مشق معلوم ہوتے ہیں۔ زبان بھی سلیس ہے۔ خلاصہ افکار یہ ہے۔

تمہارا حسن ہے بس اعتبار کے قابل
ہزار تم کہو آؤں گا میں نہ مانوں گا
بُرا ہو الفت خاکِ دیارِ قاتل کا
دیے ہیں داغ فلک نے یہ سوچکر دل میں
ٹپکتے اشک جو دیکھے تو پیار سے بولے
گلے کا ہار نہ ماتم میں میرے توڑ کے پھینک
ہزار بار گلے پر لگا کے تیغ تھکے
نہ فکر تم کرو سجاد شعر گوئی کی

ہزار میں ہو تمہیں اک شمار کے قابل
یہ کوئی بات بھی ہے اعتبار کے قابل
کہ میری لاش کو رکھا نہ چار کے قابل
یہی تو باغ ہوا اس لالہ زار کے قابل
سے ایک ایک گہر اسکا ہار کے قابل
ارے یہ پھول ہیں میری مزار کے قابل
مجھے سمجھتے تھے وہ ایک وار کے قابل
یہ سختیاں ہیں کہاں جان زار کے قابل

سحاب سحاب۔ کنور گوپال سنگھ صاحب مرحوم خلف الرشید راجہ سالگرام و برادر زادہ لالہ دینی
مدار المہام وزیر اکبر شاہ ثانی دہلی کے مشاہیر عمائد اور اپنے وقت کے ممتاز وکیلوں میں شمار کئے
جاتے تھے۔ آپکے دادا راجہ جیکھ رائے اکبر شاہ ثانی کے عہد میں اور چچا اول عہد
بہادر شاہ ثانی کے زمانہ میں مقرب و مختار شاہی رہے۔ راجہ بیبی سنگھ اپنے وقت کے منشی
بےبدل اور زریں رقم متصور کئے جاتے تھے۔ تحریر شقہ جات خاص طور پر انکے زور قلم اور

جواہر نگاری کا نمونہ ہے۔ کنور صاحب نے قدیم رسم و نقطۂ خیال کے موجب گھر پر امیرانہ طریقہ کی تعلیم پائی تھی۔ لالہ رامجیداس گڑوالی صاحبزادی ان سے منسوب تھیں جو موجودہ سرپرست خاندان رائے بہادر لالہ سری کشنداس کی پھوپی تھیں۔ آشوب غدر اور قلعہ شاہی کے بگڑ جانے سے معیشت کی طرف سے وہ آسودگی اور فراغ البالی جو پشتوں سے حاصل تھی نہ رہی کئی لاکھ روپیہ جو بادشاہ سے لینا تھا وہ سب تباہی قلعہ میں کار انگریزی نے ضبط کر لیا۔ تاہم کنور صاحب نے اپنی لیاقت سے دو تین ہی برس میں وکالت کی سند حاصل کر لی اور اچھے کامیاب وکیل ہو گئے اور بزرگوں کی امارت کو ایسا چمکایا کہ "آب رفتہ بجوے آمد" کے مصداق ہو گئے اور بزرگوں کی جائداد دوبارہ خرید کر لی۔ آپکے دو صاحبزادے تھے۔ کنور منوہر لال۔ کنور سری رام۔ افسوس ہے کہ ان دونوں کا انتقال ہو گیا۔ کنور جواہر سنگھ خلف راجہ دیبی سنگھ۔ اب اس خاندان کی یادگار ہیں جو راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں۔ کنور صاحب شعر قابل تحسین فرماتے امیرانہ وضعداری زندہ دلی۔ دوست نوازی میں فرد تھے۔ انگریزی میں دستگاہ اچھی تھی۔ خلق و مروت طینت میں داخل تھا۔ مولف تذکرہ کے والد سے دوستانہ تعلقات تھے سنہ ۱۸۸۵ء میں انتقال فرمایا۔

گو کبھی کبھی شعر کہتے تھے مگر بایں ہمہ حق سخن ادا کر دیتے تھے۔ حکیم غلام مولی بخش قلق ارشد تلامذۂ حضرت مومن دہلوی سے اصلاح لیتے تھے۔ کلام میں سوز و گداز۔ درد تھا۔ یہ دو شعر ان کی طبع سلیم کا نتیجہ ہیں۔

شمع رو رو کے سر بزم یہ کہتی ہے کہ ہائے
اے دل رفتہ مگر جان پہ کچھ آن بنی ہے

خاک کرتی ہے مری گرمی بازار مجھے
چارہ گر اب نظر آنے میں عجب آزار مجھے

سحاب ۔ محمد اللہ یار خاں خلف ہارون خاں۔ آپ خیرآباد کے باشندے اور فوج میں سالدار تھے۔ فن سخن میں میرزا محمد رضا برق سے تلمذ تھا۔ ایک دیوان آپکی یادگار ہے۔ طبع رواں کے جوہر یہ ہیں ؎

آتش رنگ حنا سے کیا بھبوکا پاؤں ہے
اے پری نظروں میں اپنی صاف شعلہ پاؤں ہے

سحاب

ہر ستارہ تیری چوٹی کا ہے رشک آفتاب	نور کے سانچے میں کیا خالق نے ڈھالا پاؤں ہے
شعلے نقش پائے جاناں سے نکلتے ہیں سحاب	اس تماشا گاہ میں اس کا تماشا پاؤں سے ہے

سحاب

سحاب - منشی نصیر احمد خانصاحب خلف محمد سعید خانصاحب رامپوری - آپ حضرت منیر شکوہ آبادی کے شاگرد تھے ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے تھے - آغاز عمر سے شاعری کا شوق تھا - گوہر باری طبع کی تراوش یہ ہے ؎

گل ہے باغوں میں وہ بت شمع ہے کاشانوں میں	دن کو ہم بلبلوں میں رات کو پروانوں میں
سودا ہے کسی زلف پریشاں کا اے سحاب	پھرتے ہو ساری رات جو آشفتہ حال سے
دل بھی حاضر ہے جگر بھی آنکھ اٹھا کر دیکھ تو	دو نشانے ہیں ترے تیر نظر کے واسطے
مصیبت ناخدائے عشق سے دریائے عالم میں	اسی کشتی کا بیڑا پار ہوتا ہے تباہی سے

سحاب

سحاب - سید منور علیصاحب - آپ حضرت احسان شاہجہانپوری مرحوم سے تلمذ رکھتے ہیں معاملہ بندی مضمون آفرینی - زبان کیطرف راغب ہیں - کلام کا انتخاب یہ ہے -

گالیاں سنوائیں لیجا کر ہمیں	حضرت دل یہ سلوک اچھا کیا
ہم تو مرجانیکو آمادہ ہیں اک مدت سے	ویرانی سے ہے کوئی کوسنے والا ہوتا
درد اٹھ اٹھ کے کہتا ہے دل سے	کیوں مزہ چکھا آشنائی کا
غیر سے کہدو خوش نہ ہو شب وصل	آگے آتا ہے دن جدائی کا
دختر رز شیشے سے کیوں باہر ہوئی	آگیا دل کیا کسی سے خوار پر
جوانی آگئی کیا پھولے بیٹھے ہو لڑکپن پر	مجھے ڈر ہے کوئی قبضہ نہ کرلے اٹھتے جوبن پر
جو دل کہتا ہے ہم سے ہم وہی کرتے ہیں کچھ بھی ہو	ہمیں تو اعتبار دوستی ہے اپنے دشمن پر
اسی امید پر ہمکو خوشی ہے اپنے مرنے کی	کہا تھا ایک دن اُسنے کہ ہم آئینگے مدفن پر
ابھی تنہا سا دل ہے ڈر تھا تو مجھکو یہ ڈر ہے	اندھیرے میں اکیلے جاتے ہو دشمن کے مدفن پر
ابھی تو فیصلہ ہوتا ہے میرے مرنے جینے کا	چھری وہ رکھ بھی دیں تکبیر کہکر میری گردن پر

مجھے بیداری ہے زاہد کی ضد نے اب تلک ساقی
عذابِ آخرت کا بار ہوگا کس کی گردن پر

ہمارا چار دن بھی باغ میں رہنا نہ خوش آیا
فلک نے خوب جل کر آگ برسائی نشیمن پر

تمنا ٹھوکریں کھانے کو لائی
قیامت کو بھی آج اسکی گلی میں

ذکر دشمن مرے آگے شب وعدہ کیا خوب
دل میں جو کچھ ہے تمہارے وہ سمجھتا ہوں میں

وہ کہہ رہے ہیں جو اچھی نہ میری خو ہوتی
تو کیوں زمانے کو ملنے کی آرزو ہوتی

صدائے لن ترانی ہو چکی اب ہم نہیں سنتے
دکھا دو ہم کو بھی جو تم نے موسیٰ کو دکھایا ہے

سحاب **سحاب** ۔ میرزا کاظم حسین صاحب لکھنوی ۔ آپ حضرت فصاحت لکھنوی کے شاگرد ہیں طبیعت میں بلند پروازی اور جولانی ہے ۔ زبان بھی سیدھی سادی ہے ۔ بارش فکر کی قدرافشانی یہ ہے۔

بازارِ عشق صبح شب وصل سرد تھا
فریاد بھی نہ آہ سینہ میں درد تھا

وحشت نہ جانے قالب بیجاں میں نفخ الدی
کانٹا بھی میرے ساتھ بیاباں نورد تھا

دم آخر مرے بالیں پہ وہ آبیٹھے ہیں
سختی نزع کا مشکل ہے اب آساں ہونا

آج پروانہ ہی کل خاک اڑیگی دل میں
اس گلستاں کی ہے قسمت میں بیاباں ہونا

کسی کا شعر اچھا سنکے دل سے آہ کی جس نے
آئے محفل میں ہم نے اے سحاب اہل نظر جانا

پامال کون ہو گیا ٹھوکر کسے لگی
تنا تو جھک کے دیکھ تو کیا رہگذر میں ہے

سحر **سحر** ۔ نیر سپہر فشان معانی سر دفتر بیاض نکتہ دانی ۔ سرآمد ارباب ہنر شیخ امداد علی لکھنوی خلف شیخ محمد امین ۔ پہلے آپ خرمن ناسخ کے خوشہ چینوں میں داخل ہوئے ۔ پھر محمد رضا برق لکھنوی سے استفادہ حاصل کیا ۔ ایک موقع پر آپ اپنی عقیدت مندی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں

ہو فصاحت شعر میں اپنے نہ کیونکر اے سحر
مدتوں صحبت اٹھائی ناسخ مغفور کی

دنیا بھر کے بکھیڑوں سے کوسوں دور بھاگتے تھے ۔ پدری ورثہ سے بے حجت و تکرار دست بردار ہو جانا قانع ہونیکی دلیل تھا ۔ شاعری اور نازک خیالی نے امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ کی سرکار میں سرافراز کیا تھا ۔ اور معاصرین میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ چنداں نواب محمد حسن

خاں کی ملازمت میں رہے۔ وزیر۔ صبا۔ اسیر وغیرہ کے ہم مشق تھے۔ آپ ہمیشہ سجیلے جوانوں کیطرح نک سک سے درست رہتے تھے۔ موزوں الجھڑک لباس حسن صورت کی خوبیوں کو دونا کر دیتا تھا اور "ایک نور آدمی ہزار نور کپڑا" والی مثل انکی جامہ زیبی پر صادق ہوتی تھی۔ اکثر رنگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اپنے اُستاد کی تقلید میں کمبل کا لباس بھی زیب تن کر لیتے تھے۔ جبتک لکھنؤ رہے آٹھویں روز اپنے گھر پر مشاعرہ کرتے رہے۔ فرد مشاعرہ پر یہ شعر درج کر دیا کرتے تھے۔

کفش خانی کو جو احباب سرافراز کریں	آٹھویں روز اسیطرح کا جلسہ ہو جائے

سن ۵۷ء کے پر آشوب غدر نے جس طرح دیگر اہل کمال کو آوارہ و سرگشتہ رکھا اسی طرح آپ کو بھی طرح طرح کی مصیبتیں جھگتنی پڑیں۔ عرصہ تک پیادہ پا بیابانوں کی راہ ناپتے رہے۔ کچھ دنوں کاکوری۔ بلگرام۔ فرخ آباد میں پناہ گزین رہے۔ آخر کار شورش ختم ہو جانیکے بعد لکھنؤ کی سرزمیں پر قدم رکھنے کا قصد کیا مگر صبح وطن کی شعاعیں بھی ابھی نہ دیکھنے پائے تھے کہ اثنائے سفر میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

خوش قسمتی سے آپ کو تلامذہ لائق اور قابل دستیاب ہوئے۔ حضرت قدر بلگرامی نے انکا نام روشن کر دیا۔

آپ کی شاعری میں لکھنؤ کے گذشتہ شاعرانہ مذاق کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ رعایت لفظی۔ صنایع بدایع ضلع جگت میں حضرت امانت مرحوم سے دو چار قدم آگے ہیں تو محاورہ بندی صلاحت سادگی میں رند۔ اور صبا کے ہم قدم ہیں۔ لکھنؤ کی کوچہ گردی بے پردہ حسن بیباکانہ معاملوں کا نقشہ اور دلی واردات انکے واسوخت میں ہیں۔ بازاری سے ہفت ہزاری تک اس شعر کو مزے لے لے کر پڑھتے تھے

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے	یہ سب کچھ ہوا ہم اکیلے رہے

غزل گوئی کے سوا رباعی۔ قطعات۔ قصائد بھی کہتے تھے۔ اکثر قصیدوں کی تشبیب تہور ہے۔ دیوان جو شایع ہو چکا ہے۔ اپنے رنگ میں لا جواب ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

موسیٰ نے طور ہی پر دیکھا تھا نور تیرا
ہر شے میں دیکھتے ہیں عاشق ظہور تیرا

دی ہیں آنکھیں دیکھنے کیواسطے
دیکھیں گے جو کچھ خدا دکھلائیگا

جو کچھ ہوا سو ہوا بس "گذشتہ را صلواۃ"
کہاں تلک کوئی رویا کرے گلہ دل کا

قبر میں رہ رہ کے جی گھبرائے گا
یار کا گھر بہت یاد آئے گا

احباب کی صحبت سے دل اپنا نہ اُٹھے گا
لکڑی کا کبوتر ہے اکیلا نہ اٹھے گا

منہ سے سبب حرف نا سزا نکلا
پھر لطیفے کا لطف کیا نکلا

ہر گھڑی سودائی ہوں ہمیشہ کا
آج اس کوچہ میں بھی آ نکلا

لب رنگیں سے جو کیں نوک کی باتیں ہمنے
اے پری رو رگ یا قوت پہ نشتر مارا

صحبت مے کا مزا ساقیِ دوراں تک تھا
جام کو فرق جمشید پہ جا کر مارا

نہ گئی جوش جنوں میں بھی وہ مرزا فہمی
بات اگر سخت سنی سمجھے کہ پتھر مارا

ملے نہ دل سے ہمیشہ فراق میں رکھا
تمام عمر غرض اشتیاق میں رکھا

جام قسمت کا بہر کیف ملیگا کہیں ہوں
کون سا فرض ہے میخانہ میں ہونا اپنا

زمانہ دیکھا ہے اے خضر ابتدا سے مگر
ابھی دکھائیگی یہ عمر جاوداں کیا کیا

وہ دن کی زندگی تھی کس لطف سے گذرتی
تم مجھسے انس کرتے میں تم کو پیار کرتا

لے لیا دل تو مال اپنا تھا
زلف کی کچھ گرہ کا کھول لیا

چشم مخمور نے گردش جو دکھائی ہوتی
دست جمشید میں مٹی کا پیالا ہوتا

فائدہ رونمائی سے بت پردہ نشیں
لطف جب تھا کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا

چمک پہ ہے ستارہ آج کل اک ماہ تاباں کا
خط تقدیر کے نقطوں میں بھی عالم ہے افشاں کا

دیکھکر حال دل غمزدہ بس رو دوگے
تم سے اب اور تو لے دیدہ تر کیا ہوگا

میکدہ سے اٹھا ہے ابر بہار
میرے دل کی لگی بجھا دے گا

جب جان گئی اپنی پھر وصل ہوا تو کیا
اس جاہ سے درگذرا اس پیار سے باز آیا

منتظر کب سے ہیں صبوحی کے
ذکرِ گیسوئے یار سے بگڑی

کچھ ضرورت نہیں اُس بزم میں ہونا اپنا
آبرو خلق میں مانندِ گہر پیدا کی
مرتبہ عشق میں حاصل ہے انا لیلیٰ کا
زاہدو خیر ہے بت بھی کہیں پڑھتے ہیں نماز

دیار پہ توڑ کر پاؤں بیٹھے
اٹھتی ہے دریار پہ اب پردے کی دیوار
کس ناز سے رکھتے ہیں جنازہ پہ سحر کے

رکھتے ہیں راہِ شرع میں اس شرط سے قدم

ان بتوں کو جس نے پہچانا
گرد رہتا ہے حلقۂ احباب

وادیٔ وحشت بڑا ہے منزلوں تک بے چراغ
غصہ میں کوئی دیکھے دندان و لب کا عالم
عاشقِ کامل کی صورت اے قمر چھپتی نہیں
ایک بوتل کا نشہ ہے ایک قطرے میں سحر
اس محبت کے مزے سے جو کوئی واقف ہوا

حور ہے قبر میں وہ پاس نہیں
امتحاں اپنا ابھی ہو جائیگا جلدی کیا ہے
ساقی ہے نوجواں ابھی کم سن ہیں مغبچے
دستِ سبو سے ہاتھ ملے جاؤ مے کشو

آفتاب اب تو سا قیا نکلا
یہ لڑائی کا سلسلہ نکلا۔

دلکشا سے ہے زیادہ ہمیں کھونا اپنا
آپ منظور ہوا جسم کو ڈبونا اپنا
دل سے اُٹھتا ہے دھواں کاکل پیچاں ہوکر
ہاتھ رکھتے ہیں مرے نام سے وہ کانوں پر

نہ آنے کے قابل نہ جانیکے قابل
کس کا سرِ شوریدہ ہے ٹکرانیکے قابل
یہ سن تو نہیں تھا ابھی مرجانیکے قابل

میخانہ میں بھی جائیں گے چھپ کر ضرور ہم

سچ کہوں وہ خدا شناس نہیں
فکرِ کونین آس پاس نہیں

آدمی کیا یہاں تو غولِ صحرائی نہیں
موتی سے پس رہے ہیں یاقوت کی کھرل میں
جاہ کی جیسے محبت کی نظر چھپتی نہیں
لاکھ دولت کو چھپائیے مگر چھپتی نہیں
زندگی کی اُسکو لذت عمر بھر ملتی نہیں

بندہ اتنا تو بدحواس نہیں

ابھی تو نام خدا مشقِ جفا کرتے ہو
چلکر شراب پیجئے پیرِ مغاں کے ساتھ
جبتک کہ پائے خم کا قدم درمیاں نہ ہے

اپنی کہتے ہیں نہ سنتے ہیں کسی عاشق کی
نالہ و آہ سے فرصت انہیں کب ہوتی ہے

آج تک موت کی ہچکی نہ کبھی آئی تھی
یوں تو قاتل نے کیا یار کئی بار مجھے

دم نزع ہیں اشاروں میں باتیں
دکھا دو انہیں اب تو آنکھوں میں دم ہے

سامان عیش سب ہیں بس ایک شے نہیں ہے
کیونکر نہ دل بھر آئے شیشہ میں مے نہیں ہے

نالہ کیا ہے اس بت ترسا کے سامنے
سولی کھڑی ہوئی ہے مسیحا کے سامنے

تم کہا کرتے تھے میرا کوئی ہمسر اور ہے
دیکھو تو آئینہ میں اک ماہ پیکر اور ہے

رویا کئے کہ ہجر میں نالے کیا کئے
اپنی کہو ہماری تو یوں بھی گذر گئی

بن گئے انجان کیسے جان کے
جان کھوئی دل کا کہنا مان کے

ہے جنازہ بھی چھپر کھٹ ہجر میں
خوب سوئینگے دوشالہ تان کے

توبہ کی ہے تو شراب آپ پینے کے نہیں
منتیں کرکے پلائیں گے پلانے والے

زاہد و پیری مریدی سے نہیں ملتا بہشت
ہاتھ کیا آیا قدم سارے زمانے کے لئے

فقط نام ہی سنتے ہو حور و پری کا
نہ صورت تمہاری نہ سیرت تمہاری

رنج فرقت کو پہنچی تمہیں ایذا کوئی
دلمیں بیٹھا ہوا ملتا ہے کلیجہ کوئی

راحت کی خوشی رنج کا کچھ غم نہیں رکھتے
طالب ہو کسی شے کا وہ دل ہم نہیں رکھتے

بے بنائے ہوئے بنتے ہیں کہیں گل بوٹے
اس چمن کا ہے مقرر حسن آرا کوئی

چلے تھے تو مڑ کر ادھر دیکھ لیتے
کہ ہم اور بھی اک نظر دیکھ لیتے

رنج و غم ہجر کے گذر بھی گئے
اب تو وہ دھیان سے اتر بھی گئے

تیرے آتے ہی جی اٹھے مردے
مرنیوالے ہزاروں مر بھی گئے

وا ہوئے پیچ و تاب گیسو کے
بال بکھرے بھی اور سنور بھی گئے

آج واں یاد عاشقوں کی ہوئی
کوئی کہتا تو تھا سحر بھی گئے

واسوخت

خود آپ مر رہے ہیں کسی پر مرینگے کیا
دل تک نہیں ہے پاس محبت کرینگے کیا
بے دم ہیں آپ اور کا ہم دم بھرینگے کیا
دھڑکا تھا ہجر کا وہ ہوا اب ڈرینگے کیا
زنجیر پہنی پانوں میں کیا کیا کڑی سہی
ایسے اذیتِ شبِ فرقت بڑی سہی

ہر حال میں ہیں خوش بخدا وہ بشر ہیں ہم
لاکھوں نباہ کے چھوڑتے ہیں سحر ہیں ہم
ہر چند اہل دل ہیں مگر بے جگر ہیں ہم
ہو جائے حشر بھی تو جدھر ہیں اُدھر ہیں ہم
تعریف کر چکے ہیں بُرا کیا بھلا کہیں
صحبت کے لوگ خوب ہیں تمکو تو کیا کہیں

واقف ابھی نہیں ہو ہمارے مزاج سے
بدلیں کلاہ کو نہ سلیماں کے تاج سے
کچھ بات اور پائی گئی امتزاج سے
کافر ہو اُس گلی میں بھی آئے جو آج سے
اپنی جگہ پہ دیکھ سکیں گے نہ غیر کو
جائینگے چوک اور ہی رستہ سے سیر کو

دو پھول جس نے لا کے دیئے باغ باغ ہو
اتنا تو ہم کہیں گے کہ عالی دماغ ہو
آج سے بات نکرنا یہ کہے دیتے ہیں تو تو
بات کرتے ہوئے ڈرنا یہ کہے دیتے ہیں
دم محبت کا نہ بھرنا یہ کہے دیتے ہیں
اب نہیں لوگوں پہ مرنا یہ کہے دیتے ہیں
خوب صحبت ہے تمہیں واہ اسی قابل ہو
اپنے قابل نہیں واللہ اسی قابل ہو

قصیدۂ ظریفانہ

گردش چرخ سے ابتر ہے زمانہ کا حال
ذرۂ خاک ہیں بہ پستی سے نجوم اقبال

ہیں عطارد کی طرح اہل قلم چکر میں — صورتِ بدر ہیں گردش میں تمام اہل کمال
شادی نایاب ہی گا ناہے جہاں میں عنقا — ناچنا طائفوں کا صورتِ زہرہ ہے محال
نیستی پھیلی ہے اب شہروں گنگلوں کی طرح — لوگ واقف نہیں دینے سے بجز حرفِ سوال
دینے والا نہیں ملتا ہے کوئی دنیا میں — جمع ہیں قبر پہ حاتم کی ہزاروں کنگال
مدتوں سے نہیں دیکھی ہے روپے کی صورت — لوگ سب بھول گئے سبز تھی رنگت یا لال
لال کھاتا ہے کوئی۔ کوئی بتاتا ہے سبز — رات دن رہتی ہے آپس میں یہی قیل و قال
شرطیں بد بد کے روپے دیکھنے کو جاتے ہیں — چوک میں یوں چھنتے پھرتے ہیں کہاں سے ٹکسال
ہیں جو کچھ اہل دول انکو یہی رہتی ہے فکر — ہاتھ آجائے کسی طرح سے قاروں کا مال
کوئی مرتا ہے جوانیس سو تو خوش ہوتے ہیں سب — نعش پر رکھتے ہیں جنس جنس کے تمام اہل و عیال
آمد و رفت نفس بند ہے دیکھو دیکھو — ہے یہ ادنیٰ سا دلِ تنگ کی تنگی کا کمال
نام کیا لوں میں نہیں میں سو کوئی صاحب ہیں — بندہ تھا انکی ملاقات کا مشتاق کمال
لے گیا انکے لئے ایک قصیدہ لکھکر — ڈیوڑھی پر جاکے کیا آگے جو بڑھنے کا خیال
چوبداروں نے کہا دیکھ کے میری صورت — آپ کیوں اوڑھ کے آئے ہیں دوشالہ رومال
کیا کہیں آپکے گھر میں نہیں رکھنے کی جگہ — یہ بڑا موذی ہے قبلہ یہ بڑا ہے چنڈال
کپڑے کیسے کہ کفن تک نہیں بچتے ان سے — تم تو زندہ ہو یہ لے لیتا ہے مردوں کا مال
ڈرتا ڈرتا ہوا اندر تو گیا میں لیکن — پھر وہ پر رکھ کے گیا اپنا دوشالہ رومال
دیکھتا کیا ہوں کہ بیٹھے ہوئے ہیں در میں حضور — جیسے دوکان میں بیٹھے کوئی بنیا بقال
میں نے جاتے ہی کہا قبلہ و کعبہ مجرا — آپ کہنے لگے اچھا ہے طبیعت کا حال
مجھکو نفرت ہوئی سمجھا میں نرا الو ہے — کر چکا اسکا جواب اور چکا میرا وبال
جانے کی شرم سے میں نے وہ قصیدہ تو پڑھا — کیا کہوں میں کہ جو کچھ مجھکو ہوا رنج و ملال
سن چکے سارا قصیدہ تو یہ ارشاد ہوا — "آپنے خوب پڑھا حضرتِ سحر کا اعمال"

بے تمیزی کا امیروں کی تو یہ عالم ہے	کیا کریں اور کہاں جائیں بھلا اہل کمال
رات دن جوتے اچھلتے ہیں عجب صحبت ہے	ڈھول دبتے کے سوا اور نہیں کچھ بھی خیال
تماشا ہے، ہا کرتی ہے صحبت ہر دم	"زہے جلے زخلے" تو مصاحب ہیں کہاں اہل کمال

سحر ۔ ناظم عالی مقام سخنور شیریں کلام ۔ ہنگامہ طراز رطب اللسان معنی پرداز سحر بیان عالی جناب راجہ نواب علیخاں بہادر جنگ مرحوم سابق والی ریاست محمود آباد اودھ۔ آپ سلطان عالم واجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ کے مقربان خاص اور مشیران بالاختصاص میں سے تھے۔ اول حضرت ناسخ مرحوم سے استفادہ سخن حاصل کیا پھر کچھ دنوں تک میرزا فرخ سے مشورہ لیتے رہے۔ ۱۲۷۵ھ میں بمقام سیوتھ دار فانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ آپکا کلام سحر نظام لکھنؤ کے قدیم تمدن کا آئینہ ہے جسمیں شوکت الفاظ کے ساتھ قدرت کی حقیقی تصویریں کہیں کہیں اپنی جھلک دکھا جاتی ہیں۔ صنایع بدایع کے ساتھ ہی ساتھ سادگی اور بندش کی صفائی مضامین کو معراج کمال پر پہنچا دیتی ہے۔ رعایت لفظی تشبیہات۔ استعارات تلمیحات یہ سب سخن کی زیبایش ہیں طبیعت میں شوخی اور ظرافت حد سے زیادہ تھی۔ ذہن کی رسائی اور فکر صائب کی عرق ریزی ہر شعر سے ظاہر ہوتی ہے۔ آپنے واجد علیشاہ کے مشاعروں میں شرکت فرمائی تھی اور بارہا شرکت دربار کا شرف حاصل ہوا تھا جیسا کہ اس مطلع سے ہویدا ہے۔

جب در سلطان عالم پر گذارا ہو گیا	اوج پر اقبال کا اپنے ستارہ ہو گیا

ایک مقطع میں بادشاہ کیطرف اپنی حسن عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے۔

یارب سحر کے سر پہ سلامت رہیں حضور	فرماں روا جہاں میں رہیں تا جہاں رہے

الجھی ہوئی ترکیبوں کی خار دار جھاڑیوں سے آپکا دامن سخن محفوظ ہے۔ دقیق اور بلند خیالات کو سیدھی سادی زبان میں ادا کرنا آپ کی تیغ مقال کا جوہر ہے۔ تخیل کی پاکیزگی ملاحظہ ہو۔

جب سے بے نقاب چاند سا رخسار ہو گیا	تارا ہر ایک روزن دیوار ہو گیا

دیکھئے پرواز خیال اور واقفیت کو ملحوظ رکھا ہے ہر ایک تارکے کا لمعۂ حسن سے ماند ہوکر روزن دیوار بن جانا تیز روشنی کے سامنے ہلکی روشنی کا بے قدر ہونا۔ یہ تمام باتیں دائرہ قدرت سے الگ نہیں۔

آپ عشق مجازی کا عبرت ناک نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں ؎

جلا دل۔ تن گھلا۔ لب خشک آنکھوں گاں کو میں بیٹھا بیمار یا		بس اے عشق بتاں اپنے کئے کو خوب بھر پایا

شعر مندرجہ بالا میں "بھر پایا" نے چوٹ کھائے ہوئے دل کی دردانگیز صدا پیدا کردی ہے مصرعۂ اول نے ایک بدنصیب کی ذات میں جن باتوں کا اجتماع کیا ہے۔ وہ سب سوز و گداز کو بڑھانے والی ہیں۔

محاورہ کی صحیح کھپت۔ زبان کا لطف مضامین کی جدت۔ راجہ صاحب مرحوم کا حصہ تھا اور مبدا رفیاض سے نورانی طبیعت پائی تھی۔ اکثر غزلیات میں مطلع ایسے نادر کہے ہیں جو دیوان معنی میں خیال کی روشنی پھیلا دیتے ہیں۔ مرصع الفاظ زور بیان سے بلاغت کا مرتبہ بڑھا دیتے ہیں۔ آپ کا ضخیم کلیات ۱۲۹۳ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ بہارستان فکر کی گلچینی یہ ہے ؎

صاعقۂ حسن ہے رخسار خود آرائی کا	شعلۂ طور ہے جلوہ تری یکتائی کا
دل تری زلف مسلسل کا گرفتار ہوا	سلسلہ مل گیا زنجیر سے سودائی کا
شانہ و آئینہ اب ہاتھ سے چھٹتا ہی نہیں	خود نمائی سے بڑھا شوق خود آرائی کا
سخن تمام نہ ہو شام روز محشر تک	بیاں کروں جو شب ہجر کی درازی کا
شب جو مہتابی پہ وہ مہ بزم آرا ہو گیا	چاند کا ہیدہ ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا
حشر کرتا ہے یہ کھنا آپکا بالائے بام	لو سوا نیزے پہ سورج آشکارا ہو گیا
وائے ناکامی تب آیا ساقی پیماں شکن	جب ہماری عمر کا لبریز ساغر ہو گیا
عمر گذری انتظار وعدۂ دیدار میں	منہ دکھایا جب کہ جب وعدہ برابر ہو گیا

قتل قاصد کو کیا خط پھاڑ کر پھنکوا دیا
تھا یہی پاسخ ہماری شوق کی تحریر کا

جس مرقع میں ہو تیرے روئے روشن کی شبیہ
ہو ید بیضا سے روشن ہر ورق تصویر کا

ناز تازہ مرے دلدار نے ایجاد کیا
جسکا دل ہاتھ میں آیا اُسے برباد کیا

تو ملا جسکو زمانہ میں ہوا بیگانہ
خود فراموش ہوا جس نے تجھے یاد کیا

ہوں میں وہ صید کہ خود دام مصیبت میں پھنسا
کبھی آزردہ نہ میں نے دلِ صیاد کیا

ربط باہم ہو نہ کیوں روز ازل سے حق نے
مجھکو دیوانہ کیا تجھکو پری زاد کیا

جاتی ہے اک خلق عاشق کے جنازے کو لئے
دو قدم ساتھ آؤ گے تم بھی تو کیا ہو جائے گا

ہوں میں وہ ثابت قدم راہ وفا میں جانِ جاں
دیکھکر تلوے کو ترے منہ نہ دیکھوں حور کا

لی جو انگڑائی کھڑے ہوکر تو پیدا ہوگیا
گرد اُس کے چاند سے مکھڑے کے ہالہ نور کا

گلا ہے اک بیاض نور اُس خورشید ناطق کا
کیا گوئے گریباں کو ستارہ صبح صادق کا

سنکر سوال وصل پہ کی تم نے نہیں نہیں
انکار میں کنایۃً اقرار ہوگیا

آغوش سے جو وہ بت گلرو جدا ہوا
بدہی کا زخم حلقۂ زنار ہوگیا

مہر شرما کے سوئے شرق پھر آیا الٹا
صبح اُس ماہ نے منہ سے جو دوپٹا الٹا

اچھا ہوتا نہیں بیمار تری آنکھوں کا
یہ وہ جادو ہے کسی سے نہیں جاتا الٹا

الفت پردہ نشیں سے ہے جو چھپانی منظور
آکے لب تک مرے پھر جاتا ہے نالہ الٹا

راہ گھر کی مرے کترا کے نکل جاتے ہیں
پھیر کھاتے ہیں مگر چلتے ہیں رستا الٹا

جس طرف ہل گئے ابرو ہوئی اک خلق شہید
نیمچہ کاٹ میں یکساں ہے یہ سیدھا الٹا

شاعری کا نہیں دعویٰ ہے سحرؔ کو لیکن
نظم کر لیتا ہے مضموں کوئی سیدھا الٹا

شہپر باز اجل ہے پر خدنگ ناز کا
مرغ جاں ہے صید میرے ترک تیرانداز کا

چھیڑتی تارِ رگ جاں کو ہے مضراب ادا
دل دکھا دیتا ہے کھٹکا یار کی آواز کا

پیستا چلتا ہے دل ہر گام پر زیر قدم
حشر کرتا ہے بپا عالم خرام ناز کا

سامنے کوٹھے سے جو وہ دلبر رعنا اترا / بام کعبہ سے میں سمجھا کہ مسیحا اترا

آج کس نے رخ پر نور سے الٹی ہے نقاب / ماہ کا منہ جو نظر آتا ہے اترا اترا

تن لاغر کو مرے چاہیے باریک کفن / مجھکو دے ڈال جو ہو کوئی دوپٹا اترا

نقل کی جا لب شیریں کا مجھے بوسہ دے / ساقیا منہ کا مزا ہے مرے اترا اترا

انتظار خط قاتل میں یہ محویت ہے / تیر آیا تو کہا قاصد جاناں آیا

رخ طائر دل کا طرف کوئے صنم ہے / کعبہ سے پھرے قبلہ نما ہو نہیں سکتا

بچتا نہیں تاکا جسے قاتل کی نگہ نے / یہ تیر نشانہ سے خطا ہو نہیں سکتا

منظور شکست دل نازک ہے گر اے شوخ / کہدے سخن سخت جو پتھر نہیں ملتا

ابرو کو ترے شوق ہے کیا قتل عام کا / منہ دیکھتی نہیں یہ سرد ہی نیام کا

ہوا ہے کعبۂ دل جلوہ گاہ حسن محبوباں / قیامت ہے بتوں نے پھر خدا کے گھر میں گھر پایا

گرا قدم پہ جو میں راہ میں اسے پاکر / تو کس ادا سے وہ بت کہہ کے دور دور ہٹا

قفس میں نالوں سے مطلب ہے یہ اسیروں کا / بہار میں نہ چھٹے ساتھ ہم صفیروں کا

میں رند مست کروں گا کبھی نہ بیعت شیخ / جوان دست نگر کس طرح ہو پیروں کا

کبھی بھی تیر ہے بے یاری کماں چلتا / جوان ہے کون جو محتاج ہو نہ پیروں کا

بہار ہے ترے کوچہ کی اس قدر دلکش / کہ پاؤں اٹھ نہیں سکتا ہے راہگیروں کا

جگر جلا کیا شعلہ کوئی عیاں نہ اٹھا / چراغ عمر تو گل ہو گیا دھواں نہ اٹھا

اٹھا جو پردۂ رخ مہروش کا نور بڑھا / فروغ ماہ گھٹا اور چراغ طور بڑھا

فقط نہ شملہ کے بڑھنے سے اک غرور بڑھا / کہ عقل بھی نہ بڑھی زاہدوں کا زور بڑھا

رخ اسکا پس نقاب دیکھا / خورشید تہ سحاب دیکھا

بالوں میں چھپایا یار نے منہ / ظلمات میں آفتاب دیکھا

لطف شب وصل کیا بیاں ہو / گویا گونگے نے خواب دیکھا

چہرہ پہ گلال رنگ لایا — زیب شفق آفتاب دیکھا
تصور جو ساقی کا آیا مجھے — تہی جام آنکھیں دکھانے لگا

اللہ ری تجلی رخسار آتشیں — سنگ مزار طور کی مانند جل گیا
جب بے نقاب آیا نظر حسن شمع رو — مرغ نگاہ صورت پروانہ جل گیا

آئینہ جمال حقیقت مجاز ہے — میں فیض قرب بت سے خدا کے قریں ہوا

جوش جنوں میں سر کو جو ٹپکا ہی جا بجا — اب لالہ زار دامن کہسار ہو گیا
سینہ میں آگ سوز محبت نے دی لگا — اب شعلہ ریز دیدۂ خوں بار ہو گیا

گالیاں دے کے بھی مردوں کو جلا دیتا ہے — ہے مسیحا سے لب یار کی تقریر جدا
سنگ در پر ترے رگڑا ہی یہاں تک ماتھا — کہ ہوا لوح جبیں سے خط تقدیر جدا

جاتا ہوں سوئے وادی غربت بحال زار — اہل وطن معاف ہو میرا کہا سنا
سنتے ہو سب جہاں کے قصے کہانیاں — لیکن نہ درد دل کا مرے ماجرا سنا
تم بے سبب جو باتیں سناتے ہو بار بار — کچھ میری بھی زباں سے برا یا بھلا سنا

دیکھئے چاہتے ہو لہو کس عاشق ناکام کا — منہ کھلا ہے آج قاتل تیغ خوں آشام کا
مشتاق اس کی دید کا مثل کلیم ہوں — رتبہ بلند طور سے ہے جس کے بام کا
تو مجھ کو بات بات میں دیتا ہے گالیاں — او بد زبان یہ کیا ہے طریقہ کلام کا

دم کیا ہوائے شوق میں تن سے نکل گیا — مشت غبار صاف کفن سے نکل گیا

دیکھو فسون آہ شرر بار و چشم تر — اخگر فشاں جدا ہوں میں گوہر فشاں جدا
کیا آب و تاب ہے لب دندان یار پر — وہ لعل بے بہا ہیں وہ موتی گراں بہا
ہر دم بہا بہا کے لہو مردمان چشم — تم نے تو آپ اپنا دیا خانماں بہا

شور بہاراں ہوا جوش کا ساماں ہوا — چاک گریباں ہوا قصد بیاباں ہوا
زلف جو رخ پر کھلی شام نمایاں ہوئی — رات عیاں ہو گئی مہر جو پنہاں ہوا

ہے جہاں دیوانہ بوئے زلف عنبر بیز کا
عشق شیریں میں کیا کیوں آپکو تیشہ کشی

وہ رشک مہر جوڑے ہوکے بے حجاب شراب
جو مست الفت ساقی ہیں وہ قیامت کو

ہے شب یلدا سے طولانی اگر گیسوی دوست
سیج پر پھولوں کی سو جاتا ہے جب وہ نازنیں

چشم مردم خیرہ ہوتی ہے شعاع نور سے
جان دیتا ہوں میں ایسے ستم ایجادوں پر

طوق زنجیر کی اب خلق خریدار ہوئی
آبرو لیتی ہیں عشاق کی پر آب آنکھیں

دیکھنے چاند آیا ہے وہ ماہ پیکر بام پر
زلف چھوڑی مجھکو دکھلا کر رخ گلفام پر

وصل کا مژدہ جو پہونچا کان میں
نزع میں بھی وہ عیادت کو آئے

مل نہ مل مختار ہے آ یا نہ آ
وصل کو کہتا ہوں تو کہتا ہے یا

گر ہو تیرا شعلۂ رخ برق افگن آب میں
غرق ہو وہ بھی جو ہو ظالم کے بیڑے کا شریک

بحر دنیا میں ہیں اکثر اہل تمکیں پست قدر
آبرو ہو خاک اک ہرجائی پر دلدادہ ہوں

عشق میں ہے جان و دل کو پیچ و تاب اضطراب

صید آہوئے ختن ہے دیدۂ خوں ریز کا
کوہ کن نے سر نہ چھوڑا خسرو پرویز کا

تو موج بادہ سے بنے برق۔ آفتاب شراب
اٹھینگے حشر میں کہتے ہوئے شراب شراب

تارے ہیں افشاں کے زرتے ماہ کامل رخ دوست
صدمۂ گل برگ سے چھل جاتا ہے پہلوئے دوست

پنجۂ شعلہ بشاخ نخل طور ہیں بازوئے دوست
جنکے سایہ کو بھی ہے فوق پری زادوں پر

تیرے دیوانوں کا احسان ہے قلادوں پر
ایک ساون پہ شرف رکھتی ہے اک بھادوں پر

ہے بیاض صبح کا جلوہ سواد شام پر
یعنی وعدہ صبح کا موقوف رکھا شام پر

جان سی آئی ہماری جان میں
مر گئے عاشق اسی ارمان میں

ہم ترے ممنون ہیں ہر آن میں
تم رہو گے بس اسی ارمان میں

شور کی جا ہے یقیں پیدا ہو شیون آب میں
ڈوبتی ہے چوب بھی ہمراہ آہن آب میں

خس نہ ڈوبے تہ نشیں ہوجے کندن آب میں
اشک حسرت ہوں نگاہ خلق سے افتادہ ہوں

موئے آتش دیدہ ہوں سیماب آتش دادہ ہوں

دل سے دل توڑے میں ناحق شیشہ ہائے کیا تھا
محتسب کا خون پینے پر نہ کیوں آمادہ ہوں

میکشی کا مجھکو ہے پیر مغاں مشرب پسند
دل سے میں تیرا پیالہ پینے کو آمادہ ہوں

کیا بلا ہے برق عالم سوز رشکِ حسن گرم
آفتاب حشر کہتا ہے جسے داغ مردہ ہوں

گر دکھاوے قاتل اپنے ابروئے خمدار کو
کوڑیوں کے مول بھی کوئی نہ لے تلوار کو

گلرخوں سے بوستاں ہیں کوچہ ہائے لکھنؤ
کیوں نہ دل مانند بلبل ہو فدائے لکھنؤ

جس طرح مرغِ چمن کو ہو قفس میں اضطراب
دل ہے یوں بیتاب سینہ میں برائے لکھنؤ

بانکپن، شوخی، کرشمہ، ختم ہیں اس شہر پر
کیوں نہ ہوں سو جی سے قربان ادائے لکھنؤ

اے سحرؔ اس گلزمیں میں زمزمہ پرداز یاں
کہ چکا ہے عندلیب خوش نوائے لکھنؤ

چمن ہو بادہ ہو چھائی گھٹا ہو
بغل میں ساقی گلگوں قبا ہو

نہ کیوں دل خال و خط کا مبتلا ہو
نہیں مٹتا جو قسمت کا لکھا ہو

کیا تیغ نگہ سے دل کو مجروح
نمک چھڑکے تو اک تازہ مزا ہو

چاندنی کی سیر کر لے مہ چمن میں چلکے بیٹھ
چاندنی کے کھیت کے نیچے بچھا کر چاندنی

دن کو خاک آستاں پر جبہ سا ہے آفتاب
چومتی ہے شب کو اسکے در کا پتھر چاندنی

اپنے بیگانے سب اے رشکِ چمن بھول گئے
دشت غربت یہ خوش آیا کہ وطن بھول گئے

ٹھوکریں کھائیں تری چال کے آگے ایسی
روشِ ناز کا طاؤس چلن بھول گئے

پیالہ بخشا ہے پیر مغاں نے بھر کے صہبا سے
ارادت مجھکو ہے جامی سی بیعت شاہ مینا سے

دشت وحشت میں جنوں نے یہ بگاڑی صورت
کہ مری شکل بھی یارانِ وطن بھول گئے

ہوا ہے میکدہ روشن فروغِ حسن ساقی سے
کٹورا سونے کا خورشید مہ چاندی کی تھالی ہے

سیہ کاروں کو مانع ہو نہ زاہد زیب مسجد میں
سیہ ہے سنگ اسود کعبہ کی پوشاک کالی ہے

کھنچے ہیں سرمہ کے دنبالے اُن سفاک آنکھوں میں
سیہ مستی میں متوالوں سے بے ہو رچھی سنبھالی ہے

منظور جو اس صنم کو شر ہے
اپنی اللہ پر نظر ہے

بیٹھا ہو جو میں نقیب ہو کر — تکیہ اُسی بت کا سنگِ در ہے

قطعہ

کس مرتبہ شوخ ہے وہ عیار — آیا سرِ شب ہمارے گھر ہے
رخصت کا گھڑی گھڑی ہے طالب — ہر دم سوئے آسماں نظر ہے
کہتا ہے کہ تڑکے چھوڑا کر — جانے دو بج رہا گجر ہے
اوڑھا ہے دوپٹہ اُس نے اودا — بدلی میں چاند جلوہ گر ہے
اللہ رے بوسہ کی حلاوت — اب تک لذت زبان پر ہے
آنکھوں سے رواں ہے اشکِ حسرت — ہر دم آسماں پر نظر ہے

رخ سے پردہ جو اٹھاؤ تو قیامت ہو جائے — جلوہ گر سامنے اللہ کی قدرت ہو جائے
ذکرِ رخصت نہیں پیغامِ اجل سے کچھ کم — اٹھ کھڑے ہو تو بپا ایک قیامت ہو جائے
ہے خطِ مصحفِ عارض کا نظارہ جائز — کھولو منہ سورۂ یوسف کی تلاوت ہو جائے

کون رویا نہ شبِ ہجر مری حالت پر — دیدۂ روزنِ دیوار سے آنسو نکلے

چمن اور ساقی و جام ہے مجھے ترکِ شرب حرام ہے — کیے خشک توبہ سے کام ہے مرا زاہدوں کو سلام ہے
ہوئی میکدہ میں نماز ادا کہ ہے خشتہ سے مجھے اقتدا — مرا گرنا اٹھنا بھی نشہ کا یہ سجود ہے وہ قیام ہے
لڑیں آپ ہم سے نہ ہر گھڑی کہ جواب ہم بھی نہ دیں کوئی — ہے زبان منہ میں ہمارے بھی مری جان غصہ حرام ہے

اے بتو ظلم تمہارے نہیں کیا کیا دیکھے — سچ ہے اللہ جو دکھلائے وہ بندہ دیکھے
ذبح کرتا ہے ادا سے یہ کہے جاتا ہے — دم تہِ تیغ جو مارے وہ مزا مردا دیکھے
یار ہنستا ہے مری آہِ شرر افشاں پر — ہے غضب کوئی جلے کوئی تماشا دیکھے
تنگ جینے سے ہیں کس طرح سحر ہو ہیہات — غیر کے ہاتھ میں جو آپ کا چھلا دیکھے

غصہ ہے بہت بوسۂ ابرو جو لیا ہے — کہتے ہیں کہ مرنا تری آج قضا ہے
جاؤ نا ابھی پاس سے بیٹھو کوئی دم بھر — تھم جاؤ ذرا درد کلیجہ میں اٹھا ہے
مرتے ہی مرے یار نے سب ناتا کو چھوڑا — غمزہ ہے نہ عشوہ نہ کرشمہ نہ ادا ہے

صاف زنگار کدورت سے جو سینہ ہو جائے | دل سلیماں کی انگوٹھی کا نگینہ ہو جائے
دی جو تشبیہ پری سے تو برا مان گئے | لو مری جاں نہیں آپ سے اچھا کوئی
ہیں اختر تاباں یہ عیاں کاہکشاں سے | یا گوہر غلطاں سے تری مانگ بھری ہے
یاد آتی ہے تری یاکہ ہے رونا آتا | اور ایجان کوئی کام نہیں آتا ہے
دل کا آغاز محبت میں برا نقشہ ہے | نظر اچھا ہمیں انجام نہیں آتا ہے
ابر ہے نغمۂ مطرب ہے مے و ساقی ہے | آمری جان یہی دل میں ہوس باقی ہے
شیب میں بھی ہے وہی غفلت ایام شباب | ہو چکی صبح مگر نشۂ شب باقی ہے
چاند ہے چہرہ ترا اور چاندنی ملبوس ہے | ہر کلائی شمع ہے ہر آستیں فانوس ہے

خمسہ بر غزل حضرت ناسخ مرحوم

میں لخت دل نہ قطرۂ خون چکیدہ ہوں | خشک و تر زمانہ سے دامن کشیدہ ہوں
ہستی عذاب نزع ہے وہ آفریدہ ہوں | ہوش رمیدہ ہوں نہ حواس پریدہ ہوں
وحشت میں ہیں صدائے گلوئے بریدہ ہوں

ساقی کے ہجر میں ہے دل مضطرب تپاں | ہے دختر رز کی دید کا شوق نصیب جاں
چہرہ سے رنگ سر سے اڑے ہیں حواس یاں | کس کو خبر کہ شیشہ کہاں ہے قدح کہاں
بے یار بزم بادہ میں ہوش پریدہ ہوں

وحدت کے عالموں سے ہے مخفی نمود غیر | ہے رشتہ گسستہ یہاں تار و پود غیر
چھایا ہوں میں جہاں میں نہیں ہست و بود غیر | ہرگز مجھے نظر نہیں آتا وجود غیر
عالم تمام ایک بدن ہے میں دیدہ ہوں

لازم ہے آدمی کو اسی چال کو اٹھائے | جس سے وقار دیدۂ اہل جہاں میں پائے
استاد کی یہ بات نہ کیونکر سحر کو بھائے | گو جان جائے غم نہیں لیکن نہ بات جائے
ناسخ وہ کھینچ رہا ہے تو میں بھی کشیدہ ہوں

سحر

سحر۔ منشی اجودھیا پرشاد خلف لالہ رام دیال صاحب لکھنوی۔ آپ لکھنؤ میں نواب عمادالدولہ میر فضل علیخاں کے دیوان تھے۔ کپتان مقبول الدولہ میرزا مہدی قبول سے تلمذ تھا۔ سنہ ۱۲۶۹ھ میں زندہ تھے۔ زلف و رخ۔ خال و خط کے فرسودہ مضامین نہایت خوبی سے باندھتے تھے۔ زبان میں پختگی اور بیان میں بیساختہ پن تھا۔ ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

سمایا جب سے کہ وہ نونہال آنکھوں میں
رہا نہ سرو و چمن کا خیال آنکھوں میں

تصور کمر یار میں ہیں اشک رواں
کھٹک ہو کیوں جو نہ پڑ جائے بال آنکھوں میں

عجب ہے چشم فسوں ساز یار کی گردش
پھرا ہی کرتی ہے آہو کی چال آنکھوں میں

بسا ہے فتنہ دکھائیں جو تیرے مردم چشم
بتائیں شاطر گردوں کو چال آنکھوں میں

نظر جو آئینگی حوریں بہشت میں پس مرگ
پھرے گا آپ کا حسن و جمال آنکھوں میں

تصور آگے کسی کا بسا ہے جب سے سحر
خیال و خواب ہے خواب و خیال آنکھوں میں

سحر

سحر۔ مولوی محمد عبدالحمید خلف شیخ غلام مینا۔ آپ قصبہ کاکوری کے باشندے تھے اور سنہ ۱۳۰۲ھ میں سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ کی کچہری میں ناظر تھے۔ فکر بلند اور طبیعت موزوں تھی۔ اکثر شور زمینوں میں تخم ریزی فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے قابل یادگار مشاعرہ میں یہ طرح ہوئی کہ۔ ع۔ توبہ توبہ خدا ہیں نہ پیمبر گیسو" تو آپ نے اپنی شانہ فکر سے زلف مضامین کو اس طرح آراستہ فرمایا کہ معاصرین سخن سنج پر شیفتہ ہو گئے۔ اور آپ کا مطلع ابتک لکھنؤ میں نوک زبان ہے۔ اسی غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

دل کے ڈسنے کو بلا ہیں یہ ستمگر گیسو
اب تو ناگن کی طرح اڑتے ہیں پیکر گیسو

کجروی سخت مزاجوں سے نہیں چل سکتی
خوب سیدھے ہے ہوئے شانہ سے اکھڑ کر گیسو

روز ہجراں شب فرقت مری تقدیر میں ہے
رات بھر رخ ترا یاد آتا ہے دن بھر گیسو

دیکھ ابھی نہیں یہ نشو و نما موذی کی — بڑھتے بڑھتے کہیں ہو جائیں نہ اژدر گیسو

سحر

سحر - سید علی نواب خلف میر سلیس مرحوم لکھنوی - آپ میر انیس مرحوم کے پوتے ہیں - فن سخن میں حضرت جاوید سے استفادہ حاصل کیا ہے - اب نو مشقی کے مدارج سے گذر کر پختہ گو ہو گئے ہیں - زبان میں شیرینی - بیان میں فصاحت طبیعت میں مضامین پیدا کرنیکی استعداد ہے - نمونہ کلام یہ ہے ؎

کیا وہ دن تھے کہ تڑپتے تھے وہ دل کو تھامے — اب یہ حسرت ہے کہ نالوں میں اثر کیونکر ہو
رخ پہ زلفوں کو نہ بکھراؤ تو کس طرح ہو شام — نہ نقاب اپنی اٹھاؤ تو سحر کیونکر ہو
دل سے جاتا نہیں بکھری ہوئی زلفوں کا خیال — اے شب ہجر بتا تیری سحر کیونکر ہو
یہ سنا ہے کہ وہ تلقین پڑھیں گے آکر — بند تربت میں مرا دیدۂ تر کیونکر ہو

سحر

سحر - مولوی محمد ظہور علیخاں لکھنوی - آپ نواب میرزا اعالی جاہ شید الکھنوی کے شاگرد تھے - زبان کی سادگی - بندش کی صفائی بیاض صبح کیطرح شفاف تھی - کہیں کہیں تشبیہ اور استعارہ کا استعمال بھی کرجاتے تھے - اخبار کارنامہ میں جو پچاس برس ادہر شائع ہوتا تھا کچھ غزلیں نظر سے گذریں انکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

چلمن سے جو رخ دکھا رہے ہو — دل میں کانٹے چبھا رہے ہو
ہنس بول کے آج تو ہنسا دو — مدت سے ہمیں رلا رہے ہو
کس کے ہے خون کا ارادہ — منہدی جو تم لگا رہے ہو
خاکساری سے ملا رتبۂ اعلیٰ مجھکو — سر پہ دیتے ہیں جگہ نقش کف پا مجھکو
جو کہ صورت سی حقیقت پہ نظر کرتے ہیں — موج لکھتے ہیں کبھی اور کبھی دریا مجھکو

کر دیا بے ہوش ساقی کی نگاہ مست نے — جام مے لبریز ہے یا نرگس جادو ہے یہ
دیر میں مسجد میں کرتا ہوں میں اسکی جستجو — کوئی مسلم جانتا - کہتا کوئی ہندو ہے یہ
قیامت سے زیادہ تیرے قامت کا فسانہ ہے — اگر سکو لے پری رو شکلے سیرت میں زمانہ ہے

گلوں کی سیر جتنی ہو سکے کر لے دلِ ناداں
غضب جینوں ستم غمزہ بلا آنکھیں دکھاتا ہے

ایک موسیٰ کو ہوا تھا غش سراسر طور سے
ہے یقیں تا حشر ہمکو ہوش آنے کا نہیں

ہوش اڑ گئے اے سحر اُسکو دیکھکر موسیٰ کی طرح
واں آئینہ ہے اُس رخِ زیبا کے سامنے

ہاتھوں میں پھر رہی نہ عنان اختیار کی
ہمسایہ چار ہا ہوں جو اک رشکِ حور کے

ہوا ہے جب سے عاشق کون سی بیداد باقی ہے
جلا کر خاک کر ڈالا جفا سے باز آ اب تو

تصویر عجب صفحۂ دل پر اتر آئی
حیرت سے کہا جس نے ترے حسن کو دیکھا
حقیقت میں یہ ہستی نیستی ہے دیکھ اے غافل

گئے جب باغِ ہستی سے تو یاں پھر کس کو آنا ہے
لگانا دل کا اُس سے ہاتھ جینے سے اٹھانا ہے

جل گیا عالم کا دل برقِ رخِ پر نور سے
مست ساقی نے کیا ہے نرگسِ مخمور سے

قامتِ جاناں کو ہے تشبیہ نخلِ طور سے
حیرت کھڑی ہے عاشقِ شیدا کے سامنے

آیا جو قیس ناقۂ لیلیٰ کے سامنے
پست امکاں ہے عرشِ معلیٰ کے سامنے

ہوس اب بھی تجھے کچھ اے دلِ ناشاد باقی ہے
ستم اس سے زیادہ کیا ستم ایجاد باقی ہے

ہر شے میں ہیں صورتِ دلبر نظر آئی
فردوس سے کیا حور زمیں پر اتر آئی
سمندِ عمر کو ہر دم اجل کا تازیانہ ہے

سحر

سحر۔ منشی محمد حسین ولد مولوی عظمت علی صدیقی۔ آپ بدایوں کے رئیس ہیں آپکے والد سرکار انگریزی کی عدالت میں منصف تھے۔ عرصہ سے دفتر ریلوے میں ملازم ہیں۔ اور اسی سلسلہ سے آجکل لکھنؤ میں قیام ہے تقریباً ۴۹ سال کی عمر ہے۔ ابتدا میں آپنے اپنے برادر حقیقی مولوی محمد حسن صاحب اثر کو اپنا کلام دکھایا پھر مولانا ناسخ دہلوی سے تلمذ حاصل کیا جب حضرت ناسخ شاعری سے تائب ہو گئے تو آپ مولانا احسن بریلوی ارشد تلامذہ حضرت داغ سے اصلاح لینے لگے۔ کلام میں متانت کے ساتھ شوخی بھی ہے شعر بہت صاف کہتے ہیں تشبیہ اور استعارہ کی بھرمار سے بچتے ہیں۔ راقم تذکرہ نے بریلی کے مشاعرہ میں ان کی غزل سنی ہے۔ کلام یہ ہے۔

گھر سے بن ٹھن کر نکلنا تھا ستم ایجاد کا — ہر طرف اک شور برپا ہوگیا فریاد کا
وقت آخر آپکا یہ پوچھنا بھی ہے بہت — آج کیسا حال ہے تیرے دل ناشاد کا
صبح برگشتہ خفا وہ شمع ۔ وقت مرگ دور — سننے والا کون ہے مظلوم کی فریاد کا
بتاؤں کیا جو کانٹا سا مرے دل میں کھٹکتا ہے — نکل جائے تو نالہ ہے جو رہ جائے تمنا ہے
یہ بہت ہے تجھے دیکھا ہے نہ دل تو نے چرایا ہے — ادھر تو آ یہ مٹھی کھول دیکھوں ہاتھ میں کیا ہے

سحر ۔ منشی شام لال صاحب دہلوی ۔ ساکن بازار سیتا رام دہلی ۔ آپکے والد لالہ موہن لال مرحوم ویٹ اگرول لاہور میں بارک ماسٹری کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے ۔ آپ سنہ ۱۹۰۶ء میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے اور لاہور سے دہلی چلے آئے ۔ تنگی اور غربت میں کچھ تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری ہوا ۔ ۲۰ ۔ ۲۲ برس کی عمر میں شعر گوئی کی جانب توجہ ہوئی اور شاعروں میں شرکت کرنے لگے ۔ پہلے منشی شرافت علی کشتہ مرحوم کو اپنا کلام دکھایا تھا ۔ اب پنڈت امرناتھ صاحب ساحر سے اصلاح لیتے ہیں ۔ آپ کی عمر ۳۰ سال کی ہے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

بنائی ہیں الٰہی تو نے شکلیں خوبرو کیا کیا — ترے نیرنگ قدرت کا ہے جلوہ چارسو کیا کیا
کوئی منعم سے جا کر نزع کی حالت میں یہ پوچھے — تھا ساتھ اپنے لیکر جا رہا ہے آج تو کیا کیا
تماشا گاہ عالم ایک فانوس خیالی ہے — نظر آتی ہیں اسمیں صورتیں ہر چار سو کیا کیا
قیس ناحق میں پھرا صحرا کے جگر کاٹتا — تھا یہ لازم زندگی لیلے کے در [illegible]
شیخ صاحب میکشی سے کیوں ہے اتنا اجتناب — کس لئے ڈرتے ہو [illegible]
گر نہ ہوتا واقف اسرار الفت دل سحر — منزلیں طے کون کرتا راہ [illegible]
مژدہ بلبل کو ہو پھر فصل بہار آتی ہے — پھر ہوئی [illegible]
خواہش نام ہے دنیا میں تو کر کسب ہنر — نام ہوتا ہے زمانے [illegible]
رہرو عشق نہ کیوں راہ محبت جانے — علم ہوتا ہے زمانے [illegible]
کام آسان نہیں فن سخن دنیا میں — شعر کہتا ہے سحر خو[illegible]

بال و پرِ بلبلِ شیدا کے جلا دیتا ہے
آتشِ گل کا چمن میں شرر افشاں ہونا

یہ ادا تجھکو سکھائی تری خود بینی نے
آئینہ دیکھ کے خود حسن پہ نازاں ہونا

تیرا اے پردہ نشیں ہے یہ نرالا پردہ
دل میں گھر کر کے مگر آنکھ سے پنہاں ہونا

خرد آشوب ترا حسن ہے جب عالم میں
ہے بجا دیدۂ بیدار کا حیراں ہونا

ہے اثر نالۂ بلبل میں الٰہی کیسا
چاک کرتے ہیں گریباں [illegible] ترا اپنا

ایک ہی ہاتھ لگا تیغ کا ایسا قاتل
بار احساں سے نہ اٹھے اب بھی سر اپنا

آنکھ نشہ سے سحر بند ہی جاؤں لیکن
حشر سے پہلے سحر ہو نہ خدا آج کی رات

ضد محبت نہ ہو کیوں مجھکو بتوں سے
دیر میں آئے ہیں ترے گھر سے نکل کر

خبط ہے تری زلف کا سودا ہے [illegible]
شیدائی ترے رکھتے ہیں دل اور جگر اور

رہے گا اس طرح بیتاب آخر
کہاں تک اے دلِ مضطر کہاں تک

میں وہ شوریدہ قسمت اے سحر ہوں
کہ ہے گردش میں جسکی آسماں تک

نظر آتی ہے زمانہ کی ہر اک شے موہوم
جس طرف یاس کے عالم میں نظر کرتی ہیں

پرِ عنقا کو قلم کرتے ہیں بہرِ خامہ
ہم رقم جب صفتِ موئے کمر کرتے ہیں

نہالِ گلشنِ امکاں سمجھتے ہیں ترے قد کو
ترے رخ کو فروغِ جلوۂ محفل سمجھتے ہیں

حقیقت میں سحر ہوشیار کہنا چاہئے انکو
بظاہر جنکو بیہوشی میں ہم غافل سمجھتے ہیں

[illegible] روشن جو شمعِ حسن پروانوں کی محفل میں
لگی سینہ [illegible] اک آگ [illegible]

[illegible] یہاں کیا ہے نگاہ نقشِ نیرنگی
نئی اک جلوہ آرائی سے ہر دم پردہ دنیا

[illegible] ہی خیز عالم بہار سو مجھکو
[illegible] دیتی ہے متوالا شمیم [illegible] مجھکو

[illegible] ہوں باغ سبز جسنے سیکڑوں پتے
فریبِ دام اے صیاد کیا دیتا ہے تو مجھکو

[illegible] سے چار ہو کر رہ گئی
بیخودی کیوں اے خدا پیدا ہو گئی

دیر و کعبہ میں سحر ایک ہی منظر دیکھا
بت پرستی ہے نہیں سنگ پرستی دیکھی

کہاں سے لاؤں تاب جلوہ جام مصفا فی	نگاہ مست ساقی سے وداع ہوش ہوتا ہے
جنہیں گر جنوں افزا ہو فصل بہاری ہیں	نہو تا دھجیاں دامن نہ ٹکڑے آستیں ہوتی

سحر۔ حاجی ولی محمد صاحب۔ آپ اجمیر کے ساکن ہیں مگر بمبئی میں قیام ہے۔ حسن و عشق کی شاعری سے دور۔ مجازی جذبات سے نفور۔ مناجاتیں لکھتے ہیں نعت منقبت سلام وغیرہ کہتے ہیں۔ سلام اور ایک غزل کے چند شعر یہ ہیں۔

اس قدر ظلم نہ دنیا میں دوبارہ ہوگا	کربلا میں جو ہوا اس شہ دلگیر کے ساتھ
ڈھائے ہم شکل پیغمبر پہ قیامت کے ستم	ناریوں نے کیا کیا نور کی تصویر کے ساتھ

ہو سحر مشہد و طیبہ کی زیارت حاصل
کاش مل جائیں دعائیں مری تاثیر کیساتھ

تحریر بھیجئے کہ وہ تصویر بھیجتے	کچھ دل لگی کی شکل تو آتی نظر مجھے
غیرت سے ہائے عشق نے بیگانہ کر دیا	رکھنا پڑا رقیب کے قدموں پہ سر مجھے
ہوتا نہیں سحر شب فرقت کا خاتمہ	آتی نہیں ہے صبح کی صورت نظر مجھے

سحر۔ یوسف کنعان فصاحت۔ عزیز مصر بلاغت۔ معجز نگار جادو بیان۔ عالیجناب راجہ امیر حسن خاں بہادر تعلقہ دار محمود آباد۔ آپکے بزرگوں نے زمانۂ شاہی اودھ میں جو اعزاز و وقار حاصل کیا تھا۔ آپنے اُس کو مضاعف۔ گورنمنٹ آف انڈیا میں طغرائے گراں بہا دعزت تھے۔ انجمن تعلقہ داران نے آپ ہی کی صدارت پر ہمیشہ فخر مباہات کئے۔ انڈین ایسوسی ایشن کی پریذیڈنسی کیواسطے آپ ہی منتخب ہوئے۔ غرض جس معرکہ اور عرصہ گاہ میں آپ کا قدم گیا اُس کو سر کر کے چھوڑا۔

آپکے ملکی اور قومی کارنامے صفحۂ عالم پر آفتاب کیطرح روشن ہیں۔ سینکڑوں انجمنوں۔ مسجدوں امام باڑوں کو آپنے امداد دی مسئلہ تعلیم کی قومی دقتوں پر غور کرتے ہوئے مدارس کی ہمدردی میں حصہ لیا۔ نہایت باوضع خلیق۔ ملنسار۔ قدر دان علوم و فنون تھے۔ آپ نے کئی

میں ایک مرتبہ واجد علیشاہ کے دربار میں بھی باریابی حاصل کی تھی۔ قومی ملکی بیداری مشاغل کی موجودگی میں بھی آپ اپنی ریاست سے کنارہ نہ ہوئے۔ بحسن الوجوہ انجام دیتے رہے۔ اور بذریعہ حسن انتظام سے علاقہ کو وسیع پیمانہ پر کرکے دکھا دیا اور آمدنی میں معقول اضافہ ہوگیا۔ دیگر محاسن سے قطع نظر آپ کو فن شعر میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ تمام اساتذۂ لکھنؤ آپ کی صحبت میں حاضر باش رہتے تھے۔ اور از راہ قدردانی کسی شاعر کا دل شکستہ نہ ہونے دیتے تھے۔ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں آپکو بلند مرتبہ حاصل تھا۔ اور اس فن میں سید خورشید علی صاحب نفیس مرحوم کے شاگرد تھے۔ غزل گوئی میں جناب سید تجمل حسین صاحب تجمل ارشد تلامذۂ حضرت آتش لکھنوی سے مشورۂ سخن کرتے تھے آپ کا مجموعہ کلام ہر رنگ اور ہر مذاق کا مرقع ہے۔ شعر میں عشق کی شوریدہ سری نہیں حسن کی دلفریبی کا بیان ہے۔ کسی مقام پر دنیا کے بے ثباتی کے عبرت آموز نقشے دکھاتے ہیں کیونکہ خود آپ اہل دل بھی تھے اور اہل زبان بھی لکھنؤ کے ٹکسالی محاورے باندھتے اور لکھتے تھے۔ پھر آپکے رنگ طبیعت پر ازلی پرتو پڑا ہوا تھا جسکے واسطے صرف شاعری ہی کافی نہ تھی بلکہ علم باطن بھی حاصل کیا تھا آپ کی صحبت روحانی مذاقی بصیرت معرفت بخودی۔ جوش روحانی سے آپکے اشعار لبریز ہوتے تھے حسن کلام کے پردہ میں نازک تشبیہات اور استعارے چھپے ہیں جو آپکی حکیمانہ اور عارفانہ طبیعت کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ مضمون کی بلند پروازی کے ساتھ زبان کی شستگی قابل داد ہے تو حالات و دلی واردات میں تخیل کا اندازہ لائق صاد ہے غرض آپکے ریاض سخن میں گلچیں بہار کو مرجھایا ہوا پھول کہیں نہ ملے گا۔ ہر مقام پر تر و تازہ گل دستیاب ہونگے ارباب ذوق اس رنگ کے اشعار پڑھکر تڑپ جائینگے

جب جوانی کا مزا جاتا رہا — زندگانی کا مزا جاتا رہا
منحصر مانگے پر آنا موت کا — ناگہانی کا مزا جاتا رہا

صرف ایک لفظ میں شاعری دکھانا اور محض قافیہ سے مصرعہ کو پورا کرنا۔ آپکا کمال تھا ناسخ کی مشہور غزل جسکا مطلع یہ ہے ؎

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا	طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

[illegible] زمانہ میں مقبولیت [illegible] حاصل کر چکی تھی اور ہر شخص کی زبان پر یہ مطلع تھا۔ بڑے بڑے سامعین کا قول تھا کہ "اس مطلع کا جواب نہیں ہو سکتا۔ حضرت ناسخ خود بھی چپ ہیں تو ایسا شعر [illegible] مگر جب آپ نے یہ مطلع کہا ہے

جنوں نذر [illegible] عنواں ہو [illegible]	شگاف دامن شب حیات [illegible]

تو [illegible] میں دھوم مچ گئی جو سنتا تھا [illegible] سب کی فکر سے غائب [illegible] تھی۔ یہ [illegible] آپ کے صاحبزادہ جانشین ہیں۔ آپ کے کلیات میں [illegible] فارسی کے سوا [illegible] مخمس، رباعیات، قطعات، سلام، تاریخیں سب کچھ موجود [illegible] بعد کو اشاعت ہو [illegible] اس حدیقۂ سخن کا [illegible] پیش کیا جاتا ہے

[illegible]	[illegible]
[illegible] ہوا [illegible] دل [illegible]	[illegible]
تیرے [illegible] لکھنؤ [illegible] ہوئے [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
خزاں [illegible]	[illegible]
ہم نے ابروئے [illegible]	[illegible]
ہے [illegible] کالا [illegible]	[illegible]
آشفتگی سے ور [illegible] محفل [illegible]	[illegible]
پیری میں بھی جواں ہیں [illegible]	[illegible] خوب [illegible]
رنگ لانے میں [illegible] وہ [illegible]	[illegible]
دو حسینوں میں اکیلے ہیں [illegible] عاشق ہم	حال بیماں [illegible]

سحر پوشاک جب لینے کی طلب آئی جو
تم ... وصل نیا ... نیا ... نیا

مجھکو ان پری زادوں کا دیکھے باغ میں زاہد
کوئی ... سے پڑا ہو ... ان کا بھی جنت میں ... تھا

حال لے عیسیٰ نفس یہ ہے مرے آزار کا
دیکھکر روئی ... نہ ... گیا ... کا

مشک مل کر صاف کرے ... کا خوف ہے
... خون ... تک ... تلوار کا

حکم ہے انکا ہوا بھی مجھ تلک آنے نہ پائے
رخنہ رخنہ بند ... چاروں طرف دیوار کا

جو منہ چھپا ... کے وہ گوشۂ نقاب آیا
... آیا

شب وصال و شب ہجر خواب بندی تھی
نیند آ ... کو ... خواب آیا

... متغنم ہوتا ہے یہ دستۂ گل کا
یقیں ہے رنگ ہو کر ... بلبل کا

چلو گلگشت کو اے سحر سیر باغ کر آؤ
گل و بلبل کی چھیڑ ... سنبل کا

[illegible] گیا
غیر کا انتقال ... ہے

[illegible]
انکو اک دن ... [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
... کی بات سے ... [illegible]

[illegible]
... کو آنکھیں عشق سے تھا ... [illegible]

... ملون شعار و ... سے
زبان ... ملنے لگے ... [illegible]

... گل ... [illegible]
... بھی [illegible]

... روش کی خزاں میں ... ہے
... سیف جوش میں ... [illegible]

دم سحر جو کھلا ... قفس کا در صیاد
دعا ... نسیم شبی کا ہے ... [illegible]

خموش ہیں ... نہ تو قینچیاں دکھا کے ڈرا
زباں دراز نہیں ہے یہ ... صیاد

کمال محمد ہے احسان دانہ پانی کا
میں تیرے گھر کو سمجھتا ہوں اپنا گھر صیاد
الٰہی خیر ہو بلبل کے آشیانے کی
ٹہل رہا ہے چمن میں ادھر اُدھر صیاد

قطعہ

میں اپنی بپتی سناؤں تجھے عجیب و غریب
خدا کے واسطے اس سمت کان دھر صیاد
یہ ایک روز کا قصہ ہے جب جواں میں تھا
کسی زمانہ میں تھا میں بھی تیز پر صیاد
فلک نورد تھا سوئے زمیں نگاہ نہ تھی
ہوائے عالم بالا سے پُر تھا سر صیاد
کمال جب ہوا خستہ زمیں کا میل کیا
بس ایک باغ میں میرا ہوا گذر صیاد
وہ باغ جس سے کہ دل باغ باغ ہو جائے
وہ باغ جس سے کرے خیرگی نظر صیاد
نمونہ قدرت باری کا تھا وہ باغ نہ تھا
بہار جس میں بنائے ہوئے تھی گھر صیاد
گھنے گھنے وہ شجر اور تحتہا الانہار
وہ صاف موتی سا پانی کہ آب زر صیاد
کیاریوں میں وہ بچھی ہوئی خشخش باغ
بچھا تھا فرش مشجّر زمیں پر صیاد
وہ حوض مردمک دیدہ کا اولی الابصار
وہ نہر رشک وہ رشک چشم تر صیاد
روش میں تھی روش جادۂ بہشت بریں
حنا کی ٹٹیوں میں بند ہو نظر صیاد
کہیں وہ سرو و صنوبر کہیں کہیں شمشاد
مہک وہ جوہی کی جس سے دماغ تر صیاد
اکڑ رہے تھے وہ سرسبز نونہال چمن
کہ جن کا مثل نہ آئے کہیں نظر صیاد
مہک پری کی مہک موتیے کی باس میں تھی
درو و بیچ کہ جس پر کروں نظر صیاد
ترنج ایک طرف زنگترا ہے ایک طرف
بہار جس میں خزاں کے لئے سپر صیاد
وہ ہتابیاں خوش رنگ نازش بستاں
وہ پرتقال کہوں جس کو لعل تر صیاد
حیا نہ آکے مخل ہو جو وصل کی ٹھیرے
حنا کی ٹٹیاں وہ بھی کمر کمر صیاد
وہ ناروں وہ لجالو کہیں لجائے ہوئے
وہ نسترن وہ کہیں صندل و اگر صیاد
وہ ناز بو کی لپٹ سیوتی کی وہ خوشبو
وہ پھول کیوڑے کے جس سے مشام تر صیاد

وہ واہ بست مری تاک میں جھکی خوشے — خدا نہ جھوٹ جو بلوائے تو بھر صیاد
وہ آم نازش بستاں بہار گلشن میں — سنگھار کیے چمن کا کہ تاج سر صیاد
یہ سیر دیکھ رہا تھا کہ اک فرشتے نے — کہا پکار کے ہاں اس طرف نظر صیاد
سنا ہے تو نے محمدؐ کا مرتبہ کہ نہیں — کہا یہ میں نے کہ واللہ بشتہ صیاد
کہا پھر اس نے نبی کے غسالۂ تن کو — یہ پھول جس نے بنایا بہ از ثمر صیاد
جو سونگھ لے اسے مومن تو وجد میں آئے — ولا کا جوش نہ پھر جائے عمر بھر صیاد
وہ دیکھ صد ہیں گلشن کے کس نمود کیساتھ — مہک رہا ہے وہ پھولوں کا تاج سر صیاد
غرض یہ سنکے گیا میں بھی آ کے اس جا تب — عجیب آفت جاں سے لڑی نظر صیاد
نظر پڑی کہ خدنگ کمال عشق کہوں — ہوا وہ اس کہ حالت ہوئی دگر صیاد
پھڑک پھڑک کے پھرا گرد اپنے دلبر کے — چہک چہک کے پڑا اسطرف نگر صیاد
مجال یہ نہ ہوئی لے لوں ایک ہی بوسہ — رہی نہ تاب کہ دیکھوں بھی بھر نظر صیاد
زمیں ولیک مسلط ہوا شہنشۂ عشق — جنون ہوش ربا نے اٹھایا سر صیاد
یونہی گذر گئی اک عمر سحر عاشق کی — سمجھ کے مجھکو سمجھ وار دی خبر صیاد

نہیں مژگاں حسینوں کی اوپی چھریاں ہیں سان چڑھی — قریب ابرو کے زلفیں ہیں کہ چلے ہیں کمانوں پر
فرشتوں کا گذر جس جا نہ تھا انساں وہاں پہنچے — زمیں کے رہنے والے چل پھر آئے آسمانوں پر
نہ جانے کیا کہا تم نے ہوئی جو یاس جینے سے — یہ کیسی مردنی چھائی تمہارے ناتوانوں پر
تمہارے گھر پہ آئے ہم نہ پوچھی بات بھی تم نے — ستم کرتا ہے کوئی میزباں یوں میہمانوں پر
مسلط عشق جب ہوتا ہے ناصح کی نہیں سنتے — نہیں چلتی ہے کچھ پیروں کی بھی پیری نوجوانوں پر
نشاں اس بے نشاں کا ہم نے پایا بے نشاں ہو کر — مکان یار تک پہونچے ہیں عاشق لامکاں ہو کر
جدائی گو نہ گیر اک روز ہوگی عہد پیری میں — جھکیگا ایک دن یہ تیر سا قامت کماں ہو کر
مری تقدیر لے بھی جائے گر ظلمات تک مجھکو — تو مجھسے چشمۂ حیواں چھپے انکا دہاں ہو کر

مرے نالوں سے ڈر کر غیر کے گھر میں وہ چھپتے ہیں — پلٹ جاتی ہیں تدبیریں نصیبِ دشمناں ہوکر
دعائے زیست انکو سناتے حق میں عاشق کے — اجل دکھلاتی ہے صورت حیاتِ جاوداں ہوکر
نہ بھولے گی ہمیں ہرگز یہ ناسازی نصیبوں کی — ہماری یاد بھی آئی تو ان کو ہچکیاں ہوکر
وہ سلطانِ سخن تھا سحرؔ آتش جس نے عالم میں — لیا ملکِ معانی شاعرِ جادو بیاں ہوکر

باوفا ہیں کہ بیوفا ہیں ہم — کیا کہیں کیا تھے اور کیا ہیں ہم
دیکھ سکتے نہیں کسی کا رنج — اس قدر درد آشنا ہیں ہم
عرش پر یہ دماغ رہتا تھا — یا ترے در پہ جبہ سا ہیں ہم
بات بات آپکی سمجھتے ہیں — روشناسِ ادا ادا ہیں ہم
سحر اکثر صنم کدے میں رہے — اور دعوی کہ باخدا ہیں ہم

خدا سے شکوہ کب تیرا ستم ایجاد کرتے ہیں — جو سب کو یاد کرتا ہے اسے ہم یاد کرتے ہیں
یہاں نشوونما کانٹوں سے پکڑتا قبرِ عاشق پر — وہاں تیاریاں ہوتی رہیں پھولوں کی چادر کی
میخانہ میں گر آیا ہے زاہد تو پی بھی لے — یہ تو نہو کہ مفت میں رسوا کرے کوئی
اُسکو وفائے عہد میں انکار کچھ نہیں — یہ شوق ہے کہ روز تقاضا کرے کوئی
تڑپنے سے غش آجاتا ہے غش سے چونک پڑتے ہیں — شبِ فرقت میں ہمکو نیند کس مشکل سے آئی ہے
صدا لبیک کی دیتی ہے ہمت اہلِ بخشش کو — دعائے خیر کی جبدم صدا سائل سے آئی ہے
فراقِ یار میں لے سحر یہ صورت ہوئی آخر — کہ سینے سے لبوں تک سانس بھی مشکل سے آئی ہے
ازل سے ہے اثر اعجاز کا بیاں کے لئے — ہوئی ہے خلق فصاحت مری زباں کیلئے
بجائے جادۂ صحرا رواں ہوئے چشمے — یہ پھوٹ پھوٹ کے رویا ہوں کارواں کیلئے
مرا یہ قول تھا گھبرا کے کیوں چلے آئے — یہ فقرہ تھا فقط الفت کے امتحاں کیلئے
تمہارے وعدے میں شام فرقت بتائیں کیونکر سحر ہوئی ہے — قضائے مبرم کا سامنا تھا تڑپ تڑپ کر سحر ہوئی ہے
دل و جگر میں نہیں کی جانب ہم اپنا دشمن بنا ئیں — الٹ پلٹ شہر ہے سراسر ادھر کی دنیا ادھر ہوئی ہے

سرا دکھاتا ہے آنکا دن کہن ضد انکی بچپن کا ہے تقاضا | ملاتی ہیں ایک یک سے تو لڑائی دو دو پہر ہوئی ہے
انہیں سروہی سے بے جھکلو نہیں تو جانیں کس کس کی فکر کی ہے | پھنسے ہیں پرندے دل تو جھکتے پڑے ہوئے دام زلف پیچ ہوئی ہے

گریہ وزاری پہ جب آؤ فسر ہو جائیگی | جیتے مرتے رات فرقت کی سحر ہو جائیگی
سادگی میں حسن کیا کم تھا جو تم نے ہی دیا | چشم بد دور ایسی آنکھوں کو نظر ہو جائیگی
تعدِ محشر اِن تیوں کے سامنے ہستا ہے کون | کیا کہوں گا میں خدائی جب ادھر ہو جائیگی
زلف بکھرائی جو چہرہ پر تو ہو جائیگی شام | جب نقاب رخ الٹ دوگے سحر ہو جائیگی

چادر رخ مہروش سے سر کی | میلی ہوئی چاندنی سحر کی
غربت میں محل ہے پیڑ کی چھاؤں | کٹ جاتی ہے دھوپ دوپہر کی
رخساروں پہ جھک پڑی ہیں زلفیں | سایہ میں ہے دھوپ دوپہر کی
ان آنکھوں سے کیا ہو چشم امید | دونوں دشمن ہیں دل و جگر کی
سچے وعدوں کے واسطے غیر | جھوٹی قسمیں ہمارے سر کی
پروانہ کے سوز کا اثر تھا | جل جل کے جو شمع نے سحر کی
صبح شب وصل پھر وہی ہجر | محنت برباد رات بھر کی

سحر

سحر۔ شاعر شیوہ بیان۔ مولوی عبدالرحمن خاں ساکن بنارس۔ شاگرد میرزا قادربخش گورگانی صابر آپکے کلام میں اعلیٰ مضامین پائے جاتے ہیں مگر لطف زبان و روزمرۂ فصحا پر کماحقہ قدرت نہیں۔ بندش چست اور الفاظ کی نشست درست ہوتی ہے۔ آپنے میرزا صابر کی وفات کے بعد میرزا قیصر بخت فروغ کی ہمراہی میں سالہا سال گذارے ہیں۔ راجہ ڈمراؤں کی کچھ جائداد بھی آپکے چارج میں رہی تھی۔ چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں ؎

سبزۂ جوہر نہ اسکو جانیو سفاک تو | یہ مرا عکس لباس درج ہے شمشیر پر
زاری مظلوم ظالم پر اثر کرتی نہیں | شمع کا گریہ موثر کب ہوا گل گیر پر
بازگشتی تیر کی مانند رشک غیر سے | الٹی پھر آئی نظر جا کر تری تصویر پر

سحر یہ لیتا ہی بوسے دم بدم جو شمع کے ۔ رشک پروانوں کو ہی کیا لیا لب گلگیر پر

عمر بھر ہمنے نہ پائے کوچۂ دلدار میں ۔ ہم مثال سبزۂ بیگانہ ہیں گلزار میں

میں وہ پردہ پوش ہوں دیکھو جو پارۂ وا میں ۔ تیغ چھپ جائیگی میرے زخم دامن وا میں

جو تیری چشم کو گردش اے نگار رہے ۔ کبھی نہ رشتۂ امید پائدار رہے

جو بیقرار ہی دل کو ترسم کریں اے سحر ۔ ہمارا نامہ لفافہ میں بیقرار رہے

کیا زبان چلتی ہے ابتو تری اللہ اللہ ۔ بات منہ سے نہ نکلتی تھی حیا سے پہلے

دیکھتی راہ قیامت کی ہی مرنے سے سوا ۔ میرا انصاف تو ہو روز جزا سے پہلے

مرض عشق کا مصلح نہیں معلوم مگر ۔ درد ایجاد ہوا تھا نہ دوا سے پہلے

نہیں ہوتی سیدہی کسی طرح سے ۔ مری قسمت اُن کی نظر ہوگئی

بڑہائیں کہاں پائے نظارہ کو ۔ جہاں تک اُن کی حد نظر ہوگئی

گھبراگیا مریض محبت کو دیکھ کر ۔ سب لیگئے جو اسکو مسیحا کے سامنے

آیا عرق جبیں پہ تو دونا ہوا جمال ۔ کیا لطف چاندنی کا ہے دریا کے سامنے

میں مرگیا ہوں عشق میں اُس شوخ چشم کے ۔ ہو قبر مری نرگس شہلا کے سامنے

غیروں سے جو آنکھ اُس ستمہ خوباں نے لگائی ۔ مرنے پہ نظر عاشق بیجاں نے لگائی

زندہ کئے لاکھوں۔ پہ مری لاش پہ آکر ۔ ٹھوکر بھی نہ جس عیسیٰ دوراں نے لگائی

یہ جان لو بس جان نکل جائیگی میری ۔ گر دیر ذرا قاصد جاناں نے لگائی

سحر۔ سرو بوستان فصاحت چمن پیرائے بلاغت جواہر رقم۔ ہفت قلم۔ جناب منشی دیبی پرشاد صاحب قوم کایستھ خلف منشی بنی لال اختر۔ بزرگوں کا وطن بانگرمئو متصل قصبہ سندیلہ تھا۔ مگر آپ ۲۴ دسمبر ۱۸۴۰ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ اور تکمیل تعلیم کے بعد اپنے والد سے استفادۂ سخن فرمایا۔ مدتوں سررشتہ تعلیم میں ملازم رہے۔ ترقی پاکر ڈپٹی انسپکٹری کے فرائض انجام دینے کے بعد سرکار سے پنشن حاصل کی۔ شباب کے ہنستے کھیلتے دن دہلی اور لکھنؤ میں گذرے

کشیدہ قامت ۔ سانولا رنگ چیچک رو تھے ۔ مزاج نفیس اور عطریات کے شوقین تھے ۔ عادات ۔ اخلاق کے لحاظ سے شریف اور صاحب تصانیف تھے ۔ نظم پروین ۔ خلاصۃ المنطق معیار الاملا ۔ محیط المساحت ۔ مراۃ العلوم وغیرہ کے سوا واسوخت اور دو دیوان آپ کی یادگار ہیں جنمیں ایک کا نام "سحر سامری" ہے ۔ آپ بدایوں میں دور اول ۔ دور دوم کے شاعروں میں شرکت فرماتے رہے ۔ چودھری اصغر علی ضابط مولوی غنی رضا وحشی مرحوم کے ہم عصر تھے ۔ ۱۸۹۳ء میں آپ زندہ تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ نواب سید محمد زکریا خاں زکی مرحوم بقید حیات تھے ۔ اور حافظ عنایت احمد صاحب رئیس بدایوں کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا لالہ رام لال راحت اور منشی کندن لال گوہر بدایونی کے یاران صادق میں تھے نہایت علم دوست ۔ کلام کے حسن و قبح پر کھنے میں اپنے احباب سے گوئے سبقت لیگئے تھے ۔ خوشنویسی میں یگانہ ۔ زود گوئی میں مشہور زمانہ تھے ۔ آپنے پنشن لینے کے بعد بھی علمی زندگی اور درس و تدریس کا شغل جاری رکھا طلبا کو کتابت سکھائی اور اُن میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اسوقت صاحبان مطابع ہیں ۔ بدایوں میں بہت سے نوجوان آپکے سرچشمۂ علم سے بہرہ ور ہو کر اس وقت اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں ۔ افسوس ہے کہ آپکے انتقال کے بعد آپ کا کتبخانہ برباد ہو گیا ۔ اور نایاب قلمی کتابیں پنساریوں کی ردی میں شامل ہو کر کوڑیوں کے مول فروخت ہوئیں ۔

منشی انوار حسین تسلیم جو کامل الفن اور شعر کے نقاد تھے حضرت سحر کے کلام پر یہ رائے دیتے ہیں کہ آپ محاورہ دان اُردو و ہمزبان حضرات لکھنؤ ہیں ۔ جو مضمون ہے عالی ہے کلام حشو و زواید سے خالی ۔ بندش کی چستی الفاظ کی درستی دلوں کو لبھاتی ہے ۔

آپکے کلام معارف نظام میں تصوف اور حقایق کے نکات موجود ہیں ۔ صنایع بدایع کے برتنے میں روزمرہ اور سادگی ۔ بیساختہ پن کو زیر نگاہ رکھتے ۔ عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں جو واسوخت عالم جوانی کے لکھے ہوئے ہیں ان میں دلی واردات کو نہایت خوبی سے

بیان کیا ہے۔ جادو نگاری کے کرشمے یہ ہیں ؎

دیر میں ہے۔ وہ نہیں کعبے میں اور ہیں سب کہیں
طالب نظارہ کو گر ہے سلیقہ دید کا

جو ملا اس سے اسے کہتا ہے عالم مر گیا
نام مردہ رکھ دیا ہے زندۂ جاوید کا

رباعی

معشوق سے ہم نے دل لگانا چھوڑا
کوچہ میں پری رخوں کے جانا چھوڑا
جبتک نہ ہم اسکے نیک و بد سے واقف
کرتے تھے عشق جبکہ جانا چھوڑا

عکس افگن جب وہ گلگوں پیرہن ہو جائے گا
لالہ گل ہو جائے گا گل نسترن ہو جائے گا

ہم نے دانائی سے وہ نکتے نکالے عشق میں
عاشقی بھی کچھ دنوں میں ایک فن ہو جائیگا

بت کو یہ پوجے گا وہ کلمہ پڑھے گا حسن کا
نذرِ الفت فنِ شیخ و برہمن ہو جائیگا

دم گریہ جو خیالِ دُرِ دنداں ہو گا
قطرۂ اشک ہر اک گوہرِ غلطاں ہو گا

کچھ ہمیں سیرِ چمن کی نہ رہے گی پرواہ
خود بخود داغوں سے یاں سینہ گلستاں ہو گا

تیغ ابرو سے قتل کر ظالم
کون احسان اٹھائے خنجر کا
زخم جب اندمال پر آیا
اور جلاد نے دیا چرکا

زاہدا عشق مجازی سے ہے حقیقی کی دلیل
دیکھکر روئے صنم مجھکو خدا یاد آیا

خود فراموش رہا عشقِ بت کافر میں
کبھی بھولے سے نہ بندے کو خدا یاد آیا

زیر گیسو جو دُرِ گوش تمہارا چمکا
مجھکو ثابت ہوا بدلی میں ستارا چمکا

عجب فقرے ہیں اسکے راہ میں عدو سے کئی کیا کیا
پہونچکر اپنے گھر رستہ بتاتا ہے مجھے گھر کا

نہ تو دل اپنا ملا ہمکو نہ دلبر اپنا
ہائے قابو ہے نہ دلبر پہ نہ دل پر اپنا

چشم عالم کو دکھلائی نہیں دیتا اصلا
گھر یار کی صورت تنِ لاغر اپنا

سحر اس عارضِ گلرنگ پہ ہم مرتے ہیں
ہو کفن بعد قضا پھولوں کی چادر اپنا

مجھکو سر پھوڑنے کو منع نکر لے ناصح
تجھکو کیا اپنی ہی دیوار ہے اور سر اپنا

چل نہ وہ چال جو اپنے بھی پرائے ہو جائیں
لطف و احسان سے بیگانہ بھی ہو کر اپنا

مجھ سے رہتا ہے جو برگشتہ ہمیشہ اے بت
ہوگیا میرے لئے تو بھی مقدر اپنا

اپنے در سے مجھے یوں کہہ کے اٹھاتا ہے وہ شوخ
یوں ہی مرتا ہے تو کیا بھول گیا گھر اپنا

آج جو نکلے ہو تو دو چار گھڑی بیٹھ بھی لو
سحر کے گھر کو یہی سمجھو کہ ہے گھر اپنا

ہم کہیں کس سے حال زار اپنا
نہ کوئی دوست ہے نہ یار اپنا

چاروں جانب ہی ہمیشہ موج زن سیل سرشک
اک جزیرہ میرے رونے سے مرا گھر ہوگیا

بتکدہ ہو یا ہو مسجد کعبہ ہو یا دیر ہو
ہم جہاں پر گر پڑے جس جا اپنا بستر ہوگیا

کچھ نہیں شک ہے تصور یا وہ تصدیق کا
یاد میں موئے کمر کے میں بھی لاغر ہوگیا

کوئی معشوق وفادار نہ اصلا پایا
وہ برا نکلا بظاہر جسے اچھا پایا

وائے دل نقدی میں جاگیر میں صحرا پایا
ہم نے بھی عشق کی سرکار سے کیا کیا پایا

حضرت ناصح مجھے کہتے ہو سودا ہوگیا
مجھکو سودا ہوگیا اور آپ کو کیا ہوگیا

میرے رونے پر انہیں رحم آگیا شان خدا
آب گریہ سے ہرا نخل تمنا ہوگیا

ہاتھ میں تیغ اس نے لی سب نے اٹھایا جان سے ہاتھ
پانوں رکھا قتل گہ میں حشر برپا ہوگیا

اک پری پیکر کی الفت میں جو دیوانہ ہوں میں
لوگ کہتے ہیں اسے سایہ پری کا ہوگیا

ہے دہن برزخ وجود نیستی کے درمیاں
اب ہمیں اچھی طرح حل یہ معما ہوگیا

شام فرقت پر گماں روز قیامت کا ہوا
صور کا شور اذاں پر مجھکو دھوکا ہوگیا

سحر سا ناچیز فیض صحبت استاد سے
آج استاد نظم اردوئے معلی ہوگیا

قطعہ

میں نے ان سے یہ کہا مرتے میں اب تو ہجر میں
دشمن جاں عشق اے جانی تمہارا ہوگیا

دل تڑپتا ہے جدا سینہ جدا ہے بیقرار
چین پڑتا ہی نہیں کیا جانے کیا ہوگیا

بھرتے بھرتے آہ چھالے سب زباں میں پڑ گئے
روتے روتے خون خالی سب کلیجا ہوگیا

مجھکو یوں کہتا ہے کوئی اب پھنکا جاتا ہے یہ
کوئی کہتا ہے یہ کوئی دم میں ٹھنڈا ہوگیا

کوئی کہتا ہے اسے آسیب کا ہے کچھ خلل — کوئی کہتا ہے پری کا اسکو سایا ہوگیا
کوئی کہتا ہے کہ اس کو صرع کا ہے عارضہ — کوئی نبضیں دیکھکر کہتا ہے سکتا ہوگیا
کوئی کہتا ہے کہ ہے ہیجان صفرا کا اسے — کوئی کہتا ہے مقرر اس کو سودا ہوگیا
میر ہجاں! افسوس رحم اسپر ہی کچھ تجکو نہیں آیا! — کیسا دل لوہے کا تیعر کا کلیجا ہوگیا
مار کر وہ قہقہہ بولے ابھی روتے ہوگیا — دل لگانا آپکے نزدیک ٹھٹھا ہوگیا
اسوقت ہے سرمہ مسی دشمن مرجاں کا — یہ وصل کی شب سوانگ نکالا ہے کہاں کا
دریائے سرشک اپنا بہا لیگیا مجھکو — آنکھوں نے کفن مجھکو دیا آب رواں کا
تم بھی نہ ملے کچھ نہ ہوئی طاعت حق بھی — رکھا مجھے تم نے نہ یہاں کا نہ وہاں کا
ہے چشم پری کا سا گماں میری نظر کو — یہ روزن دیوار سے کس شوخ نے جھانکا
آفت میں رفوگر ہے میرے سینہ کو سی کر — سو جا سے کھلا زخم جو اک جا سے ہے ٹانکا
پانوں میں زنجیر ہے اور جوش پر ہے فصل گل — اب بتا تیرا ارادہ ہے دل ناشاد کیا
نالہ جو کوئی میرے دہن سے نکل گیا — مانند تیر حسرت رخ کہن سے نکل گیا
عریانی اپنی یاد جو آئی دم فنا — لاشہ تڑپ کے تحیر کفن سے نکل گیا
زخم دل سی جائیگا گر اک نظارہ ہوگیا — چشم کا تار نگہ تار رفو ہو جائے گا
گر رہا جوش جنوں یوں ہی ہمارا جوش پر — یہ دل دیوانہ رسوا کو بکو ہو جائے گا
دنیا میں ایک دن بھی رہے ہم نہ بے شراب — واعظ بہشت میں بھی یقیں ہے ملے شراب
کافر ہو پھر جو شرع کا کچھ بھی کرے خیال — جب جام بھر کے ہاتھ سے یار اپنے دے شراب
جو مست ہو معاف ہے اس شخص کو نماز — عزت خدا نے بخشی ہے کیا تجکو اے شراب
ساقی بھلا ہو میرا پیالوں سے کیا بھلا — پیتا ہوں شرط باندھ کے میں دس گھڑی شراب
جاں سے کس پہ ہے دل اپنا نثار آپ سے آپ — کس کی صورت یہ چلا آتا ہے پیار آپ سے آپ
کہا میں نے کہ اے یار گل اندام — قطعہ — دے اک بوسہ مجھے از راہ خیرات

لگا کہنے چمن جوش سے اے واہ کیا خوب
وہ بانچ کیوں چھیڑوں وہ ہوں جس سے خفا اور
کب نکلے مرے چاہنے سے وصل کی صورت
تجھکو تو بہت سحر سے ہیں عاشق جانباز
بوسۂ لب سے نہ منہ پھیرئے مر جاؤں گا
یاد مے فرقت ساقی میں جو آئی اے سحر
آئے گر میرے جنازہ پہ وہ تیر بحسیر
صبح کو بعد وصال اللہ رے اُنکا حجاب
جل نہ جائیں ہاتھ تیرے جل نہ جائیں انگلیاں
یہ آج کس کے نظارہ کا منتظر ہے باغ
کتاب رخ پہ کھنچی خط سبز کی جدول
گھر اپنا ہے نہ جھجکو بے حجابانہ سے چلے آؤ
یہ وہ ماتم کدہ ہے اسمیں شادی تو کبھی آتی ہی
ہوا ظلم فصل گل میں مرغان خوش الحاں پر
پلائے یار تو دی لے پاس شرع نہ کر
میں نے کہا کہ خانۂ دل میں کرو گذر
قطعہ
بولے لگے نہ چوری کہیں صبر و ہوش کی
دشمن جاں ہیں حسیں ان سے نہ مل مان کہا
کہیں کیا کہ کیا کیا ستم دیکھتے ہیں
ہزاروں گمان دل میں ہوتے ہیں پیدا
نظر آتے ہو سحر عاشق کسی پر تو

مثل مشہور "چھوٹا منہ بڑی بات"
جوں جوں وہ ترش ہوتے ہیں ملتا ہے مزا اور
ہاں وہ بھی اگر چاہیں تو پھر چاہئے کیا اور
یہ تیری قسم اُسکو نہیں تیرے سوا اور
آتنا بیمار سے پرہیز مسیحا بن کر
رہ گئے دیدہ و دل ساغر و مینا بن کر
ہاتھ پھیلا کے نکل آؤں کفن سے باہر
سر جھکا لیتے ہیں میری سمت ہر دم دیکھکر
زخم پر پلے چارہ گر رکھنا تو مرہم دیکھکر
کھلی ہے نرگس شہلا ہر ایک کیاری پر
چڑھایا حاشیہ یہ اور وضعداری پر
جگر میں بیٹھو دل ہوکر رہو سینہ میں جاں ہوکر
کبھی غم بھی نہ آیا میرے دل میں شادیاں ہوکر
لگائیں تیلیاں گلچیں نے دیوار گلستاں پر
بنے صنم سے اگر شوق سے خدا سے بگاڑ
حاضر ہیں بندگی کے لئے اپنی جان و جگر
ڈرتے ہیں آتے جاتے پرائے مکان سے ہم
دوستانہ ہی ہم تجھسے ولا رکھتے ہیں
لکھا ہے جو قسمت میں ہم دیکھتے ہیں
ترے ہاتھ میں جب قلم دیکھتے ہیں
تمہیں ہر گھڑی چشم نم دیکھتے ہیں

صدمہ پہونچا کہ نہیں زلف کے سلجھانے میں
درد افراط نزاکت سے ہوا شانے میں

حسن انسان سے کبھی بڑھ کے نہیں حور کا حسن
ہم نہیں آئینگے زاہد ترے بہکانے میں

ہجر میں کسکو پسند آتا ہے جام و مینا
جی میں ہے آگ لگا دوں ابھی میخانے میں

جو زندگی میں طالب کوئے صنم نہیں
بعد قضا وہ لایق باغ ارم نہیں

کبھی زباں سے نہ شکوہ نہ آہ کرتے ہیں
وہ ظلم کرتے ہیں اور ہم نباہ کرتے ہیں

خدا نے حسن بتاں دیکھنے کو آنکھیں دیں
جو تمکو دیکھتے ہیں کیا گناہ کرتے ہیں

جنوں میں کاوش غم بے سبب نہیں ہرگز
ہم اپنے دل سے ترے دل میں راہ کرتے ہیں

روغن سے ہے پھلجھڑی کی صفت چشم زار میں
شعلہ ہے لخت دل مرے اشکونکے تار میں

ناصح میں ترک عشق بتاں تو ابھی کروں
پر دل نہیں خدا کی قسم اختیار میں

پوچھیں تو صاف کہدوں کہ ہوں بندۂ بتاں
منکر نہوں فرشتوں سے بھی میں مزار میں

کہا میں نے دل ناکام کہ کب تک اس ارمان میں
اگر مل جاؤ کسی دن ہم سے تم فصل بہاراں میں

کہا بس چپ ہو بے فائدہ بکنے سے کیا حاصل
وہ ہو سکتی ہے پھر کیونکر نہ ہو جو بات امکاں میں

ہم پاکباز طالب دیدار ہیں فقط
اغیار کی طرح ہوس این و آن ،، نہیں

سادہ رخ حبیب کو کس سے مثال دیں
خط شعاع مہر میں دیتا ہے راہ میں

قسمت میں لکھدیا مرے کیوں ہے حساب رنج
الجھوں گا میں خدا سے بھی جا کر حساب میں

ساقی نہ دیر کر یہ خدا ساز بات ہے ؎ ؎
ہے لطف آفتاب شب ماہتاب میں

چہرہ سے یار کے ہے عیاں سرخی شراب
ہے آفتاب جلوہ نما آفتاب میں

موقوف شرب مے پہ ہے ساقی ہماری زیست
کشتی عمر چلتی ہے موج شراب میں

خدا راضی ہوا تم سے نہ اکدن شیخ جی صاحب
پڑھیں برسوں نمازیں اور کیا تم نے وضو برسوں

ابھی سے حضرت دل کیسی ہمت ہارے جاتے ہو
تلاش یار میں ہم تو پھرے ہیں کو بکو برسوں

پسندیدہ نہ ہو اے سحر کیوں سب کو کلام اپنا
رہے ہیں ہم مدتوں دہلی میں چھانا لکھنؤ برسوں

ابھی آیا ہے چلا جائے نہ پھر یا کہیں
کوئے قاتل میں ہے کیا خوب شہیدوں کی ہوا

مذہبِ عشق کھاتا ہے مرا دل مجھکو
دلِ مشتاق نے آرام یہ پایا دمِ قتل

تنفر ہے یہ وقتِ قتل بھی اُس شوخ بدظن کو
اللہ اللہ رے جنونِ اہل بے شباب وحشت

نہیں برقع سے یہ نور رخ تاباں روشن
ہر اک فقرہ پہ ہے پھڑکی تو یہی ہر بات چٹپٹی

کچھ رک رہے ہیں قتل کو سیری تڑپا کے ہاتھ
بتلائیں کیا کہ ہاتھ سے کیا کچھ نکل گیا

لیجاتے ہیں چھپا کے مرے نقدِ دل کو وہ
رہتا ہے ساتھ لشکرِ اطفالِ خوبرو

داغ دل میں یاں سے ہم پھولوں کی جا لیجائینگے
میں نے جو کہا وصل کی شب پاؤں دباؤں

وہ بت نہ کبھی رام ہوا لاکھ دعا کی

دل مرا اٹکا ہے چشمِ یار سے
کوچۂ کاکل میں کھو کر نقدِ دل

چھوڑ کر دیر و حرم کوئے بتاں میں لے دل
ہم سے ضد اغیروں سے یاری دیکھ لی

رقیب سفلہ سے ہم گفتگو نہیں کرتے
دردِ سر سے نہیں کم نام کس کے لگانا صندل

فرصت ویشو رانے دیدہ خونبار کہیں
کہیں دیں نہیں ہیں گل بڑے دو جا کہیں

خوب قسمت سے ملا مرشد کامل مجھکو
آگئی نیند تہِ خنجرِ قاتل مجھکو

جونک بانے مرا خول چاک کر ڈالے دو دامن کو
جاتے ایک نیا روز گریباں مجھکو

نظر آتا ہے "چراغ تہ داماں" مجھکو
تم اتنے خوبصورت ہو کے اتنے بدزباں کیوں ہو

ہے عاشقوں میں آبرو اپنی خدا کے ہاتھ
دل بیچ بیٹھے اپنا ہم اک بیوفا کے ہاتھ

بازی گرِ گردوں کی طرح سے خالی دکھا کے ہاتھ
بہتر ہے ہوش سے مرا دیوانہ پن مجھے

گلشنِ ہستی میں کیا آئے تھے کیا لیجائینگے
وہ بولے کہ ہم جانتے ہیں گھات تمہاری

اے شیخ جی بس دیکھی کرامات تمہاری

ہے محبت مردمِ بیمار سے
مول سودا لائے ہم بازار سے

بسر اوقات کر اب چل کے وہیں تھوڑی سی
دیکھ لی الفت تمہاری دیکھ لی

ہماری وضع ہے کہتے سے تو نہیں کرتے
درد کا نام اطبا نے دوا رکھا ہے

یاد آجاتی ہے جب زلفِ گرہ گیر مجھے
یہ نیا طرزِ ستم ہے کہ لگا کر مجھ سے

نہ دے تو دیر سے ترغیبِ کعبہ ہمکو اے زاہد
نہ کیوں پابند ہوں اہلِ صفا خانہ نشینی کے

اے سحر جیتے جی نہ رہائی ہوئی نصیب
لطف اٹھائے ہیں جو وصلِ یار کے

یا خدا وہ بھی دن آئے گا ستم کا اُن کے
موتی برسینگے وہ جس وقت کرینگے تقریر

اُس بت نے ایک بات نہ مانی شبِ وصال
جتنے تھے ظلم سب وہ جفا کار کر چکا

سُنکر پیامِ وصل میں قاصد سے جی اٹھا
جتنے ہیں دوست غرض سے ہیں کوئی خالی

تا ثیرِ قصد مرا ہاتھ چھوڑا کر بھاگے
کہتا ہوں جب دکھا دو رُخ اپنا ذرا مجھے

صدف کی قدر کیا ہے موتیوں سے ہو اگر خالی
تشہیر بعد قتل مری لاش کیجئے

رکھے نہ اُس جو خنجر سے وہ گلو کیا ہے
عیاں نہ ہے قدر تو حق چارسو ہے اے غافل

سر ملا ہے عشق کا سودا سمانیکے لئے
کوئی زاہد بن گیا ہے کوئی واعظ بن گیا

خوبیِ طرزِ غمزہ و انداز کیا کہوں

نظر آتا ہے مکاں خانۂ زنجیر مجھے
کھنچا ہے کھینچ دے اب دل سے مرا تیر مجھے

یہاں ہیں بت وہاں کیا جاکے سر پھوڑینگے پتھر سے
نکلتے کس نے دیکھا ہے کبھی آئینہ کو گھر سے

چھوڑا تو جان لے کے غمِ ہجر یار نے
جانتا ہے دل مزے اُس پیار کے

شکوہ ہم اُن سے کرینگے وہ پشیماں ہونگے
پھول بکھرینگے وہ جسوقت کہ خنداں ہونگے

لاکھوں دُرے خدا پیمبر کے واسطے
باقی رہے نہ چرخ ستمگر کے واسطے

ہے معجزہ ضرور پیمبر کے واسطے
سچ تو یہ ہے نہیں دنیا میں کسی کا کوئی

کہہ کے اس طرح جھجک کر کہ " وہ آیا کوئی
کھلتے ہیں رونمائی میں تم دو گے کیا مجھے

رہے اشکوں سے بھر کر کیوں ہماری چشمِ تر خالی
جو جو بھرے ہوں دل میں وہ ارماں نکالئے

نہ زیبِ دامنِ قاتل ہو وہ لہو کیا ہے
ذرا تو دیکھ یہ ہنگامہ چارسو کیا ہے

آنکھیں دیں انسان کو آنسو بہانیکے لئے
کیسے کیسے سوانگ ہیں روٹی کمانیکے لئے

حسنِ طریق ناز و ادا کچھ نہ پوچھئے

ہے ہر صنم کے جلوہ سے نورِ خدا عیاں — کتنے خدا ہیں پھر خدا کعبہ نہ پوچھئے
فرمائیے تو سونے کہاں کس کے گھر رہے — کس نے نصیب رات جگائے کدھر رہے
خوش وضعوں کی تلاش میں ہم عمر بھر رہے — صورت جب اچھی کوئی نظر آئی مر رہے
ہو جائے خود کسی کا مناسب ہے آدمی — اور اس کو چاہئے اپنا ہی کر رہے
عقدے نہ حل ہوئے دہنِ لاجواب کے — مضمون ادق ہیں نئے صنم کی کتاب کے
دیتا ہوں میں دعائیں وہ دیتے ہیں گالیاں — نقشے عجیب ہوئے ہیں سوال و جواب کے
جتنے حسیں ہیں سب کو یہ کہتا ہیں ہی لوں — کیا حوصلے ہیں اس دلِ خانہ خراب کے
شیخ کیوں جاؤں کعبہ و دیر سے میں — اپنی کٹ جائے گی یہیں اچھی
گناہ دوست وہ ہوں میں ابھی بدل لوں گا — جو سو ثواب کے بدلے بھی اک گناہ ملے
گدا ہیں در کے ترے تو ہو شاہ دولت حسن — ہمیں بھی حسن کا صدقہ خدا کی راہ ملے
ملا جو دشت میں۔ میں اس کو تو یہ بولا قیس — کہ آئیے ابھی مدت میں قبلہ گاہ ملے
گواہ مانگتی ہے چشم دل چرانے کا — معائنہ کا بھلا کس طرح گواہ ملے
بھلا ہو ساقی ترا جگ میں بول بالا ہو — گرہ — ادھر کو بھی کوئی چلو خدا کی راہ ملے

رباعی معہ مستزاد

ہے جب سے مری تجھ سے جدائی پیارے — ہے حال تباہ
غم سے ہے جان لب پہ آئی پیارے — انا للہ
اے کاش جو جانتا میں پہلے سے — ہو گا یہ حال
کرتا ہرگز نہ آشنائی پیارے — خالق ہے گواہ

خمسہ بر غزل مومن

کیوں ہو ناراض کیا ہوا صاحب — کچھ تو فرمائیے ذرا صاحب
میں خفا زندگی سے تھا صاحب — تم بھی رہنے لگے خفا صاحب

نہیں شاید مرا پتا صاحب

عذر مجھ سے کیوں ہو شرماتے — شکل تک بھی نہیں ہو دکھلاتے
ہم تو دنیا سے آج ہیں جاتے — دم آخر بھی تم نہیں آتے

بندگی اب کہ میں چلا صاحب

سحرؔ سے چھوٹے عشق کیا ممکن — پر تمہارا تو اب نہیں وہ سن
آئے عزت کے اب تمہارے دن — نام عشق بتاں نہ لو مومن

کیجئے بس خدا خدا صاحب

سحر ۔ جناب منشی اقبال ورما صاحب۔ آپ نیچرل شاعری کے میدان میں قدم فرسا ہو کر زور طبع دکھاتے ہیں۔ کلام بیجا مبالغہ سے معرا۔ اور نمایش الفاظ سے مبرا ہے۔ واقعات اور جذبات کے دلدادہ ہیں۔ جوش اور اثر کو شاعری کا جزو اعظم جانتے ہیں۔ غزل کم لکھتے ہیں نظمیں زیادہ لکھتے ہیں۔ انہوں نے فسانۂ شکنتلا کو اردو کا جامہ پہنا کر مثنوی نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ مشہور ماہواری رسالوں میں نظمیں اور مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ کلام یہ ہے

دیوانہ بنا رہی ہیں دل کو — یہ کس کی غزال وار آنکھیں
دیکھا کروں رات دن وہ جلوہ — دے مجکو خدا ہزار آنکھیں

ایام طفلی

ہائے وہ ایام طفلی ہائے وہ وقت قرار — ہائے وہ عہد تغافل ہائے وہ لیل و نہار
ہائے وہ دن پاک تھا عصیاں سے جب اپنا وجود — جب عیاں تھی ہم میں شکل شان پروردگار
ہائے وہ دن جب کوئی دل ہم سے آزردہ نہ تھا — حرف آتا تھا زباں پر اپنے جو وہ خوشگوار
نیک و بد سے کچھ زمانہ کے نہ تھی اصلا خبر — سادگی اپنی روش تھی راستی اپنا شعار
کچھ تنفر سے تھا مطلب نے تکبر سے تھا لوث — چاہتا تھا جو ہمیں ہم بھی اسے کرتے تھے پیار

دوست اور دشمن میں کرتے تھے نہ مطلق امتیاز
اک جگہ پاتے تھے اپنی آنکھ میں اغیار و یار

بخش دیتے تھے خطائیں بھولتے تھے سختیاں
بغض و کینہ کی نہ اپنے جا تھی دل میں زینہار

جانتے تھے غیب سے شاید کہ انجام غرور
یوں نہ چلتے تھے اکڑ کر ہم کبھی مستانہ وار

دور ہم سے رہتی تھی تاریکی کذب و دروغ
اپنی باتوں میں جھلکتی تھی شعاع اعتبار

ہم میں جو اطوار تھے وہ سب کے سب تھے دلفریب
ہم میں دیوانے تھے [illegible] تھے سراسر غمگسار

کس قدر اہل زمانہ ہم کو رکھتے تھے عزیز
[illegible] تھی ہر [illegible] تھا [illegible]

تھی خود آرائی کی بو نے خودستائی کی ہوس
قدرتی جو شے تھی وہ ہم میں عیاں تھی آشکار

تاڑ جاتے تھے نگاہِ دشمن و انداز چشم
ہر نگاہ تازہ ہوتی تھی کلیجہ کے [illegible]

ہائے لاحق تھیں نہ یوں ہر دم ہمیں افکار و غم
ہر نفس تھا اس طرح جی کو نہ اپنے انتشار

روز بنتے تھے نہ سیارے شرار آسماں
ہائے یوں منہ سے نکلتی تھی نہ آہ شعلہ بار

کچھ خبر رکھتے تھے اس دور ترحم میں نہ ہائے
ہم بھی ہونگے ایک دن نخچیر جور روزگار

وہ بھی اک دن تھا کہ تھے تسکین دہ خستہ دلاں
ہائے اب وہ دن ہیں خود بھی ہو رہے ہیں دل فگار

آہ اے ایام طفلی آہ دور انتعاش
آہ اے نقش رہین ہستی ناپائدار

آہ اے عہد فراغت آہ ای وقت نشاط
یاد آتی ہے مجھے رہ رہ کے اپنی جان زار

سحرؔ مشہور زمانہ ہے جہاں کا انقلاب
کاش آجائیں وہی دن گھوم کر پھر ایکبار

سری رام چندر کا روپ سری لچھمن جی کے زخمی ہونے پر

رونق افزائے میاں فوج اک رعنا جواں
کثرت ذرات میں خورشید ہی جلوہ فشاں

لیک لشکر میں نظر آتے ہیں آثار ملال
اور رخ انور سے بھی ہوتا ہی اظہار ملال

آہ یہ وقت الم ہے کون راجہ رام چندر
یہ غریق بحر غم ہے کون راجہ رام چندر

سر جھکا ہے ہاتھ پر تشویش و محویت کیساتھ
دیکھتا ہے آہ یہ کس کی طرف حیرت کیساتھ

اب جو ان خوبرو غلطاں ہے اسجا خاک پر
سر رکھا ہے رام کے زانو پہ اور خود بے خبر

لون عشق ہے حیف کیکر لئے شیون ہے آہ
کون ہے یہ ؟ رام کا بھائی سری لچھمن ہے آہ

دیکھتا ہے رام بس آس رتے نور کیطرف
ہائے کس حسرت سے نگراں ہے برادر کیطرف

بوسہ لیتا ہے رخ رنگیں کا گاہے پیار سے
گھڑ ٹپک پڑتے ہیں قطرے دیدۂ خونبار سے

دیکھتا ہے اپنے چاروں سمت حیرانی کیساتھ
اور تکتا ہے وہی منہ پھر پریشانی کیساتھ

صدمۂ جانکاہ و سختیٔ الم سہے سہ رہا
ضبط گذرا حد سے ہے یہ سنو کچھ کہہ رہا

آہ یہی لکھا تھا اپنی قسمت بدفال میں
آج دیکھوں آہ اے بھائی تجھے اس حال میں

گھر چھٹا۔ احباب چھوٹے اک زمانہ چھٹ گیا
اور وہ اپنا تخت و تاج خسروانہ چھٹ گیا

لی فقیری دکھ دیا کتنوں کو۔ نکلے گھر سے ہائے
سایۂ شفقت پدر کا اٹھ گیا اس سر سے ہائے

بڑھ گیا غربت میں بھی یہ حوصلہ آزار کا
ساتھ چھوٹا آہ صحرا میں زن غمخوار کا

اک تمہیں گم گشتگاں کی تھے نشانی بچ رہے
بس تمہیں اک تھے امید زندگانی بچ رہے

چارہ سازی سے تمہاری دور تھا سب درد و غم
غمگساری سے تمہاری محو تھا سارا الم

ہائے اب تم بھی ہو چھٹتے آگیا وہ دن بھی
تازہ ملنے کو ہے اک داغ جدائی اور بھی

گر پڑے نار جہنم اس تن ناپاک پر
خاک ہو جائے سلایا جس نے تجکو خاک پر

آہ بھائی تم نے بھی گھر چھوڑا میرے واسطے
عیش و راحت دولت و زر چھوڑا میرے واسطے

ساتھ میرا کس وفاداری سے غربت میں دیا
ہائے کیا کیا حوصلہ مجھکو مصیبت میں دیا

کھو کے تمکو گر وصال زن ہوا تو کیا ملا
جب نہ ذوق وصل روح و تن ہوا تو کیا ملا

سب تمہارے آہ اے بھائی وطن جاؤنگا کیا
کوئی پوچھے گا تمہیں تو ہائے بتلاؤنگا کیا

تحریکِ اتحاد

تمکو خبر ہے تو میں ہشیار ہو رہی ہیں
غفلت کی نیند سے پھر بیدار ہو رہی ہیں

اب بندشوں سے بالکل بیزار ہو رہی ہیں
مل کر مذہب پر تیار ہو رہی ہیں

ہی جانے غم یہاں تو مل کر جدا ہوئے تم
کیا ہونے جا رہے تھے اور آہ کیا ہوئے تم

واحسرتا طبیعت اب بھی نہیں بدلتی
صدیوں کی بھی غلامی تم کو نہیں ہے کھلتی
غیروں کے سامنے گو کچھ بھی نہیں ہے چلتی
آپس ہی میں مگر ہے دل کی ہوس نکلتی

غیرت نہیں ہے تم کو نام و نمود کھویا
رکھو گے لاج شاید اپنا وجود کھویا

کیوں وجہ شور و شر ہے آزادی مذاہب
دنیا میں بیشتر ہے آزادی مذاہب
محمول عدل پر ہے آزادی مذاہب
ہے ارتقا اگر ہے آزادی مذاہب

معیار مذہبی ہے صرف اتفاق ہونا
مذہب کے ہے منافی باہم نفاق ہونا

ٹیسو کا بن

یہ ٹیسو کا سماں برگ سیہ کے رنگ شامل سے
کھلے گلہائے تر گویا ہیں منقار عنادل سے
نکلتا ہے مگر گردوں سے ننھا سا دھنک کوئی
کوئی چھوٹی سی کشتی یا لگی ہے آ کے ساحل سے
یہ تیغ خوں چکاں ہے یا کسی کے دست نازک میں
شہیدوں کا لہو گرتا ہے یا دامان قاتل سے
زباں یا آشکارا ہے مسی مالیدہ ہونٹوں سے
عیاں ہے یا جبیں زلف بت رنگیں شمائل سے
گہن کے رنگ میں یا مہر انور مبتلا ہو کر
ہلال آ تا بنا ہے اسکے آثار مقابل سے
کوئی معشوق گلرو کھولکر آنچل سے یا منہ کو
نمایاں کر رہا ہے رنگ ناقص رنگ کامل سے
کلید عیش بنکر یا ہے کو شاں ناخن قدرت
بہار راحت افزائے جہاں کے گرد و گل سے
کف عبرا کف سائل کی صورت شوق سے وا ہے
بکھیرے جا رہے ہیں لعل گویا دست باذل سے

شراب سرخ یا نیلم کے پیالوں سے چھلکتی ہے
کہ ہیں اہل نظر سب وجد میں نادان غافل سے

ملیو۔ خوشنوا یا سرخ چونچیں کھول کر اپنی
سناتے چہچہے ہیں صدائے پر اثر اپنی

دکھاتا ہے جہاں گویا تماشا دلربائی کا
نکلتا آستیں سے اف کسی دست حنائی کا

غضب کا سین ہے ٹیسو کا یکسر پھولنا بن میں
کھِیا جاتا ہے اک رنگ طرب ہر رگ تن میں

نظر آتا ہے چاروں سمت اک عالم چراغاں کا
ہیں جلتی دیکھو چھوٹی چھوٹی شمعیں صحن گلشن میں

ادائے دلفریب و مستی میں جھومنے گویا
بتان گلبدن باد بہار افزا کے دامن میں

دل دیوانہ کو حیرت سی ہے اعجاز قدرت پر
زمیں پر ہے شفق پھولی ہوئی اور روز روشن میں

مخصص ہے آن پہ سرخی کا عیاں ہونا سیاہی پر
گلاب سرخ گویا کھل گیا گلہائے سوسن میں

کوئی رنگیں ادا ہے یعنی تسخیر کا جادو
دکھائی دیتے ہیں سرمے کے ڈورے چشم پرفن میں

لبِ مردن پہ لائی رنگ سوزش تفتہ جانوں کی
قلوب داغدار یکسر عیاں ہیں خاک مدفن میں

بتاتے ہیں چمک کر یا دھوئیں میں سرخ انگارے
نہ ہے آمد موسم گرما کی پھر دنیا کے دامن میں

کہ صانع ازل دکھلا کے خوبی ہنر اپنی
جہاں کو لحظہ لحظہ آپ دیتا ہے خبر اپنی

ہے موقع چشم حق بیں کی نگاہِ انتہائی کا
یہی تو وقت ہے ادراک اعلیٰ کی رسائی کا

سحرؔ۔ شاعر باکمال منشی سراج میر خاں رئیس بھوپال۔ آپ میرزائی خیل سے ہیں حضرت نیاز خیرآبادی سے تلمذ ہے۔ نواب نصیر الدولہ باقی محمد خاں معروف بہ امراؤ دولہ کے قرابتدار ہیں ۳۵۔۳۶ برس کا سن ہے۔ ذہین اور خوش مقال نوجوان ہیں۔ آپکو شعرائے بھوپال میں پایۂ امتیاز حاصل ہے۔ بہت سمجھکر شعر کہتے ہیں اور اپنے وطن کی زبان کے اعتبار سے اتنا کہہ لینا غنیمت ہے۔ کلام یہ ہے ؎

لقمہ جو کھا گئے لاش کا میری رہا تھی
مٹی سے دوستوں نے بھرا منہ مزار کا

ٹھوکر لگانے آئے ہو ٹھوکر لگاتے جاؤ
اچھی طرح نشان مٹا دو مزار کا

آج آواز شکست آتی ہے میخانے سے
لڑکے ٹوٹی نہ ہو توبہ مرے پیمانے سے

آگ میں کود پڑوں حکم اگر آپ کا ہو
بزم دشمن میں ہوں مجبور مگر جانے سے

پیکے رہ جاتا ہوں میں گھونٹ لہو کے ساقی
آنکھ لڑ جاتی ہے جب ہجر میں پیمانے سے

شب وعدہ ہوئی آخر اجل کی آج بن آئی
بیاض صبح لیکر ساتھ کافور و کفن آئی

غم و شادی سے اک عالم تماشاگاہ عبرت ہے
کسی گھر سے گیا پردہ کسی گھر میں دلہن آئی

وہی میں ہوں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہے
یہ سب محرم ہیں تمکو شرم کس سے جانمن آئی

زمانہ دیکھکر منصور کو برتاؤ کرنا تھا
کہی حق بات کیوں جو نوبت دار و رسن آئی

کہی آسنے سُنی تم نے کہی تم سے سُنی آسنے
اکیلا پا کے تمکو طور پر موسٰے کی بن آئی

ڈال کر بیں پانوں میں زنجیر اپنے ہاتھ سے
عشق گیسو میں ہوا تشہیر اپنے ہاتھ سے

کاتب اعمال دینگے حشر میں اس کا جواب
دل میں جو آئے کریں تحریر اپنے ہاتھ سے

سلسلہ جنبان الفت ہی اک امر محال
کھینچ لیں گو عرش کی زنجیر اپنے ہاتھ سے

دل کا سودا کریں کہدو خریداروں سے
اٹھ گئی جنس وفا حسن کے بازاروں سے

آگیا یاد وطن دیکھ کے ان کو صیاد
پوچھ لو حال چمن تازہ گرفتاروں سے

سحر

سحر۔ مولنا شفیق الرحمٰن صاحب آپ ردولی (اودھ) کے باشندے ہیں کسی زمانہ میں رسالہ "زخم جگر" شایع کرتے تھے۔ نوجوان شوخ طبع ہونہار شاعر ہیں چند شعر درج ذیل ہیں ؎

بیجان پڑا ہے لب جاں بخش کا کشتہ
تم وہ نہیں کہتے ہیں یہ زندہ نہیں ہوتا

کمسن ہیں ڈریں گے انہیں بالیں سے اٹھا دو
دم میرا اکھڑتا ہے تماشا نہیں ہوتا

امید وفا اس سے کہ جو دشمن جاں ہے
اے سحر جو قاتل ہے مسیحا نہیں ہوتا

اس شوخ ستمگر نے نکالی یہ نئی بات
کی جس سے کبھی بات تو شمشیر کی بات

ہوتا ہے ثمر بھی تو زبوں نخل زبوں کا
اچھی نہیں ہوتی ہے حقیقت میں بری بات

پیری میں وہ اگلے سے کہاں ولولے اے سحر
ہمراہ جوانی کے جوانی کی گئی بات

سخا

سخا۔ نواب میر خیرات علی خاں ابن میر امیر علی خلف میر نظیر علی۔ آپ نواب روشن الدولہ مغفور کے متبنیٰ تھے۔ حیدر آباد دکن کے عمائد میں شمار تھا۔ سرکار نظام سے منصب ملتا تھا اور فن شعر میں میرزا میتا بیگ نسبتی شاگرد حضرت آتش لکھنوی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا تھا۔ ۱۳۰۳ھ میں ۵۴ سال کی عمر تھی آپ کی رنگین طبعی، تشبیہات قدما کی بہار گوناگوں کا جلوہ دکھاتی ہے۔ عرصۂ نظم میں صریر کلک سے آفریں کی صدا آتی ہے۔ فکر بلند کا نتیجہ یہ ہے ؎

کیونکر ہو طے یہ مرحلۂ عشق دیکھئے
دل میں ہزار طرح کا کھٹکا ہے راہ کا

دل کو شرف ہی داغ محبت کے فیض سے
خورشید کے کرم سے یہ جلوہ ہی ماہ کا

رہے چمن میں نہ بلبل کا نام تک باقی
دیا ہے حکم یہ گلچیں نے باغبانوں کو

یہ آہ وہ ہے رکے گی کبھی نہ روکے سے
یہ تیر وہ ہے کہ توڑے گا آسمانوں کو

مقام خوف ہے ابرو قریب مژگاں ہے
کمال ربط ہے تیروں سے ان کمانوں کو

اگر وصال نہیں تو خط و پیام سہی
برائے صبر دل بے قرار کچھ تو ہو

خدا کرے کہ دل انکا کسی پر آجائے
بتوں کو میری طرح انتظار کچھ تو ہو

سخا

سخا۔ مولوی نظیر حسن ابن مولوی غضنفر علیخاں دہلوی۔ آپکے جد امجد مولوی نجف علیخاں مخاطب بہ تاج العلما بڑے پایہ کے عالم تھے۔ آپ ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ فارسی عربی اپنے والد اور دادا سے پڑہی۔ فن سخن میں فصیح الملک میرزا داغ سے تلمذ اختیار کیا آغاز شباب میں طبیعت شوخ اور چلبلی تھی۔ ظریفانہ مضامیں لکھنے میں خدا داد ملکہ ہوگیا تھا۔ اخبار چلتا پرزا عرف شاہجہاں آباد پنچ۔ بے مثال پنچ دہلی کے قابل نامہ نگاروں میں آپ کا شمار تھا۔

یوں تو آپ مختلف صیغوں میں ملازم رہے ہیں مگر صیغہ تعلیم میں عرصہ تک ملازمت کی ہے۔ اجمیر نصیر آباد کے سوا مختلف ریاستوں میں ملازم رہ چکے ہیں۔ قدرت کیطرف سے ہنس رہا اور ہمہ گیر طبیعت پائی ہے۔ ہومیوپیتھک علاج سے بھی واقف ہیں۔ تجارت کا شغل بھی

رہا ہے۔ مناظرہ اور ڈرا نویسی میں بھی مہارت حاصل ہے اور اسی سلسلہ میں تمام ہندوستان کا سفر کر آئے ہیں۔ آپ عربی فارسی انگریزی اور گجراتی زبان اچھی طرح جانتے ہیں۔ آجکل مہاراجہ کالج جے پور میں عربی مدرس ہیں۔ کلام میں شوخی زبان لطف بیان۔ سلجھے ہوئے مضامین خیالات رنگین غرض سب کچھ موجود ہے۔ شوخ بیانی کا نمونہ یہ ہے ؎

جب میں لکھتا ہوں مرا دل تجھ پہ شیدا ہوگیا
لکھتے ہیں وہ لکھنے والے کا کلیجا ہوگیا

لے رہے تقوی شعاری میکشی جب ترک کی
رات دن یا ساقیؔ کو ترا وظیفہ ہوگیا

میں گذر جاؤں تو لکھدینا سر لوح مزار
عاشق جاں باختہ نذر اطبا ہوگیا

مژدہ اے بخت رسا دہ کاکلیں کھولے ہوئے
پوچھتے پھرتے ہیں خود کس کس کو سودا ہوگیا

ازل میں حسن حقیقی جو بے نقاب ہوا
چمک چمک کے ہر اک ذرہ آفتاب ہوا

نہ حسن کا کوئی شکوہ نہ عشق کی فریاد
عدوئے عزت و ایماں فقط شباب ہوا

صدا بلند ہے اب تک یہ گور مجنوں سے
ہوا جو عشق میں ناکام کامیاب ہوا

جوان ہوتے ہی دنیا کی کچھ خبر نہ رہی
شباب کیا ہوا کیفیت شراب ہوا

عشق وہ راز تھا ان سے جو نہ مخفی رہتا
میں نہ لکھتا مری صورت سے نمایاں ہوتا

رباعی

مشکل ہے مساجد تو منادر ہی بنا
بگڑا ہوا باطن ہے تو ظاہر ہی بنا

بیکار مباش کچھ کیا کر اے شیخ
مومن نہ بنا سکے تو کافر ہی بنا

قطعہ

واعظوں کی خوش بیانی کے سبب
جھوٹ سچ کا فصل تک جاتا رہا

حاشیے اتنے چڑھائے متن پر
اعتبار اصل تک جاتا رہا

دیگر

جدہر زمانہ پھرا میں بھی ساتھ ساتھ پھرا
جو رنگ دیکھا وہی اختیار کی صورت

کافروں کے کوچہ میں گذرے جو لے صبا
کہنا مری طرف سے بہت ہاتھ جوڑ کر

مسجد اگر نئی نہ بنا ہو سکے تو خیر
مندر بنائے نہ مساجد کو توڑ کر

"

چار فاضل مل کے بیٹھیں تو کھڑے ہوں سو فساد
جب یہ صاحب جا لگتے ہو تو فتنہ سو سکتا نہیں

عقل سے دریافت پر پایا ہی ہم نے یہ جواب
یہ ملیں اور عالم نہ ٹکرائیں یہ ہو سکتا نہیں

بڑی خوشی سے خُم بادہ توڑ ڈالے واعظ
مگر نکال دے دل توڑنا ثواب نہیں

اجل کو لاکھ پکارا مگر نہیں آئی
تو ہی دے ہجر میں اے زندگی جواب نہیں

ہاں تمہیں پر جان دیتا ہوں تمہیں پر ہوں نثار
ہاں تمہیں پر ہے طبیعت ٹوٹ کر آئی ہوئی

بیٹھتے ہی بیٹھتے محفل میں ہجوم ہو گیا
دیکھتے ہی دیکھتے رخصت تو تلی ہوئی

کیوں نہ بدنام کریں شمع کو پروانے سے
صاف اظہار تعلق ہے پگھل جانے سے

نیند آئی تجھے ظالم مرے افسانے سے
سو گیا میرا مقدر ترے سو جانے سے

شب کو تم آؤ گے اصرار کی حاجت کیا ہے
بدگمانی مجھے بڑھتی ہے قسم کھانے سے

یہ بھی خواہش ہے رُخ و زلف نہ چھپنے پائیں
یہ بھی کوشش ہے دوپٹہ نہ ڈھلے شانے سے

سخا

سخا۔ منشی سخاوت حسین صاحب آپ شاہجہانپور کے باشندے ہیں حضرت ناطق لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ اردو و فارسی کے علاوہ بقدر ضرورت انگریزی بھی جانتے ہیں۔ کانپور میں قیام ہے۔ کبھی کسی کارخانہ میں محرری کرتے دکھائی دیتے ہیں کبھی بچوں کو تعلیم دیتے ہیں اور وہاں کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے رہتے ہیں۔ شعر کہنے کا اتفاق کم ہوتا ہے۔ مگر جب کبھی کہتے ہیں۔ اچھا کہتے ہیں ؎

کھل گئیں نرگس کی آنکھیں چشم جاناں دیکھ کر
ہوش سنبل کے اُڑے زلف پریشاں دیکھ کر

لائے کیا خاطر میں اے رضوان تیرے خلد کو
آ رہا ہے جو فضائے کوئے جاناں دیکھ کر

وہ شب وعدہ مرے گھر آئے واپس کیوں پھرے
چرخ شاید جل گیا عشرت کا ساماں دیکھ کر

زندہ رکھا ہے کسی کی آرزو نے ہجر میں
ورنہ دم مجھ میں کہاں تھا شام ہجراں دیکھ کر

ہو کے برہم دفتر عالم نہ برہم کیجئے
جو ورق ہے مری ہستی کا وہی کم کیجئے

آگیا اشکوں کے ہر قطرہ میں روحانی اثر
اب ذرا اندازۂ صدمات پیہم کیجئے

وقت آخر ہاتھ سینے پر جو کھینچ کر آ گئے
مدعا یہ ہے کہ اپنا آپ ماتم کیجئے

وہ بھی پہنچی آگئی جو تھی مآلِ داستاں — اب ارادہ ہے کہ ختم افسانۂ غم کیجئے

دیکھا جائے فطرت دل کو یہ کہنا پڑا — حسن ہی کو کارفرمائے دو عالم کیجئے

عشق کے جذبات اشکوں میں ہیں پنہاں اے سخاؔ — ہو سکے تو ان کا ہر قطرہ فراہم کیجئے

سخا — **سخا**۔ منشی لچھمن نراین بی۔ اے۔ متوطن میرٹھ۔ یوں تو آپ خوش تقریر تعلیم یافتہ اور خوش بیان ہیں مگر دبستان سخن میں ابھی ابجد خواں ہیں۔ فن شعر میں حضرت عطا سے تلمذ ہے۔ طبیعت میں موزونی کا مادہ ہے کلام یہ ہے ؎

یکساں ہیں روز و شب ہمیں فرقت میں اے سخاؔ — بے کار اب یہ گردش لیل و نہار ہے

سخا — **سخا**۔ محمد سخاوت حسین ولد منشی گل محمد مرحوم ساکن ڈبائی ضلع بلند شہر۔ آپ کے مورث اعلیٰ نواب نیاز علیخاں جاں نثار الدولہ بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے اہلکار تھے۔ ۵۷ برس کی عمر ہے آپ کے دو دیوان طبع ہو چکے ہیں تیسرے کی ترتیب میں ہیں۔ آپ کا شمار نعت گو شعرا میں ہے ؎

ہر جگہ ایک ہی صورت میں ہے جلوہ تیرا — کربلا تیری نجف تیرا مدینہ تیرا

کس زباں سے میں کروں شکر خدایا تیرا — تیرے محبوب کی امت میں ہوں بندہ تیرا

دم عرض دعا یارب سخاؔ کی آرزو یہ ہے — میں آمیں کی کروں خواہش کہیں روح الامیں اچھا

سخاوت — **سخاوت**۔ آغا محمد عابد لکھنوی۔ آپ حضرت فصاحت یادگار جناب امانت لکھنوی کے سرچشمہ تلمذ سے فیض یاب ہیں۔ زبان کی بیساختگی پر شاہد مضمون سو جان سے نثار ہے۔ سادہ الفاظ میں واردات عشق اور معاملات حسن کی مصوری کرتے ہیں۔ ضلع جگت سے بچ کر فصحائے لکھنؤ کی بول چال۔ روزمرہ کی خوبیوں کو زیر نگاہ رکھتے ہیں۔ بہت خوب کہتے ہیں۔ صدف طبع کی دُرافشانی یہ ہے ؎

نیام سرخ گویا بن گیا ہے دیکھ او قاتل — لہو جم جم کے جاں بازوں کا تیری تیغ عریاں پر

سر کٹ رہا ہے شمع کا اور دیکھتے ہیں سب — کیا سنگ دل یہ لوگ تری انجمن کے ہیں

وہ دل کو چھین کر بولے ہمیں سے — ہمیں اک اور دل لا دو کہیں سے

مجھ ایسا ناتواں شاید بنا ہے	محبت. آپ ایسے نازنیں سے
اسی کو ڈھونڈکر دل دو سخاوت	ادا جس کی جدا ہو ہر حسیں سے
بوقت قتل نکلیں فتنہ رفتہ حسرتیں دل کی	مزا دیتی ہے تھم تھم کر روانی تیغ قاتل کی
مرادیں جنکی بر آتی ہیں دنیا میں ہیں ایسے بھی	یہاں تو عمر بھر نکلی نہ کوئی آرزو دل کی
دبال دوش سر کو جدا کر دے مرے تن سے	اتر جائے کہیں یہ بار قاتل مری گردن سے
بتوں نے بات ہماری نہ دیر میں پوچھی	نہ جاتے کعبہ تو اسے برہمن کدہر جاتے

سخاوت منشی تجمل حسین عرف منشی خطیب اللہ خاں۔ آپ شاہجہانپور کے ساکن ہیں۔ فی الحال اورنگ آباد میں مقیم ہیں۔ بحضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگرد ہیں۔ انداز بیان میں بے تکلفی ہے۔ معاملہ بندی کیطرف میلان خاطر ہے۔ سیدھا سادا کلام ہے۔ انتخاب یہ ہے۔

ہاتھ میں دامن نہ آیا اُس ستم ایجاد کا	رہ گیا لاشہ تڑپ کر کشتۂ بیداد کا
سربکف سینہ سپر جاتا ہوں سوئے قتل گاہ	دیکھنا ہے آج مجھکو حوصلہ جلاد کا
نہیں ہے ساتھ اگر شادی و غم کا	نکل آتے ہیں آنسو کیوں ہنسی میں
عدو کا غم نہیں کرتے ہیں ظاہر	چھپائے رکھتے ہیں وہ اپنے جی میں

سخن حکیم میرزا محمد حسین شاہجہان آباد کے قدیم شعرا سے تھے۔ فن طبابت میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت وقابلیت تھی۔ "تذکرہ ریختہ گویان ہند" مولفہ صدرالدین میں ایک شعر درج ہے جو یہ ہے ؎

جو ہیں جان نکلی وہ ہیں آن نکلا	بھلا مرتے مرتے تو ارمان نکلا

سخن لالہ رام دیال صاحب۔ لکھنؤ کے قدیم باشندے اور پرانے رنگ پر دم دیتے تھے آپکا کلام رنگین۔ رعایت لفظی سے آراستہ اور صنایع بدایع کے حسن سے پیراستہ ہے۔ سخن آرائی کا رنگ یہ تھا ؎

رکھے اگر وہ ناز سے اندر حسن کے پاؤں	سب پھول چومیں آنکر اُس گلبدن کے پاؤں

اب ضعف سے قدم بھی اٹھانا محال ہے
فرقت میں ہو گئے ہیں مرے لاکھوں من کے پاؤں

اپنا کمال شوق دکھا دے جو ایک بار
شیریں لگائے آنکھوں سے پھر کوہکن کے پاؤں

آنکھوں کو تیری دیکھ کے بھولے ہیں چوکڑی
اٹھتے نہیں ہیں دیکھ لے ظالم ہرن کے پاؤں

سخن

سخن — ناظم بے ہمتا۔ ناثر یکتا۔ کلیم طور سخنوری۔ وجلوہ طراز معنی پروری۔ سید محمد فخرالدین بہاری۔ آپ نہایت ذکی الطبع تھے۔ بلا کا ذہن پایا تھا۔ صوبۂ بہار کے مشہور قصبہ شاہ آباد میں کچھ عرصہ تک عدالت دیوانی میں وکالت کرتے رہے۔ آپنے کلکتہ کے اکثر مشاعروں میں اپنی دھاک بٹھا دی اور مدتوں شعرائے بنگال سے معرکہ آرا رہے۔

اردو کے سوا فارسی میں بھی شعر کہتے۔ انکو جسطرح فن سخن میں میرزا غالب سے عقیدت تھی اسی طرح میرزا صاحب سے کچھ قرابت بھی ظاہر فرماتے۔ گو یہ بات سخن آرائی کی تحت میں ہی اور پایۂ ثبوت کو نہ پہونچی۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ آپ خوش طبع معنی آفریں شاعر تھے۔ اور انہیں اپنے وطن کے ساتھ دلی محبت تھی۔ آپنے آغاز جوانی میں جب فسانۂ عجائب کو پڑھا تو میرزا سرور کے اُن فقروں کو پڑھکر تن بدن میں آگ لگ گئی جو میر امن صاحب باغ وبہار کے متعلق تھے۔ حالانکہ خواجہ امان دہلوی مترجم بوستان خیال۔ دیباچہ میں اسکا کافی جواب دے چکے ہیں اور سرور کی انشا پردازی پہ معقول بحث کر چکے ہیں۔ مگر دہلی اور لکھنؤ کی نظری رقابت نے حضرت سخن کو فسانہ نگاری پر مجبور کیا۔ اور حب الوطنی کے جذبہ سے چند ہی روز میں "سروش سخن" کو درجہ اختتام تک پہنچا دیا۔ آج دونوں کتابیں ادب کی فہرست میں موجود ہیں۔ راقم تذکرہ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ میرزا سرور جیسے کہنہ مشق نثار اور سخن جیسے جوان طبع خوش مقال کی تصنیف کا محاکمہ کرے ہندوستان میں نقادی کا مذاق ترقی پذیر ہے۔ ارباب نظر دیدۂ انصاف سے دیکھکر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تراش اور خراش میں فسانۂ عجائب کا نام نکلا ہوا ہے یا سروش سخن کا۔ شوخی الفاظ کے مینا بازار میں جواہر ریزوں کو کس نے بکھیرا ہے۔ اور سیدھی سادی ترکیبوں یا روزمرہ کے محاوروں کو کس نے استعمال کیا ہے۔ سرمایہ داران حسن کی بولی ٹھولی پر کس نے

دم دیا ہے۔ اور دل میں چبھتی ہوئی کیفیتوں کو قلم بند کرتے ہوئے تیر ونشتر کی روانیاں کس نے دکھائی ہیں۔ اب تو مغربی ہوا نے بہارستانِ اردو کے ان دونوں گلدستوں کو طاق نسیان کی زیبایش بنا دیا ہے۔

بہرحال سروش سخن کے باعث حضرتِ سخن کا شمار داستان نگاروں کی فہرست میں کیا ہے اور فسانہ عجائب کیساتھ اس کتاب کا بھی نام لیا جاتا ہے۔

جناب سخن نے اردو فارسی کے دوائین اور چند کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ چھوڑکر ۱۳۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔ مولوی محمد وزیر صاحب مالک مطبع گوہر آصفی کلکتہ نے تاریخ لکھکر حق دوستی ادا کیا ؎

سال رحلت آں وزیرِ دل حزیں	گفت درد آہ فخر الدین حسیں

کلام میں سادگی بھی ہے۔ رنگینی بھی ہے۔ بیساختہ پن بھی ہے۔ مضمون آفرینی بھی ہے صوبۂ بنگال میں آپکے تلامذہ موجود ہیں۔ سخن طرازی کا انتخاب یہ ہے ؎

نہ منہ کھلواؤ سب کے سامنے جانے دو کیا حاصل	سبب تم جانتے ہو میرے رنجشہائے پنہاں کا
اظہارِ عشق سے مجھے الفت کی تھی امید	وہ اور میرے درپئے آزار ہوگیا
اسکے آنے کی مسرت ہے مگر فکر یہ ہے	کیا کہوں گا جو مرے حال کا پرساں ہوگا
ہمیں تو باندھ لو اپنے کمندِ زلفِ مشکیں میں	پھنسا لائے جسے تم کوئی صیدِ ناتواں ہوگا
خوش و ناخوش بسر ہوجائیگی یہ زندگی لیکن	جسے آرام کہتے ہیں نہ یاں ہوگا نہ واں ہوگا
جوشِ گریہ میں اگر ضبط نہ ہوتا ہم کو	کہیں چشمہ کہیں دریا کہیں ساحل ہوتا
آرزو تھی کہ نظر آپ کی پڑتی اس پر	اشک جو آنکھ سے گرتا وہ دُرِ لعل ہوتا
بدہنی ہو تو ہو چشمِ سخن گو تو ہے	کیا کہا اے جانمن پھر تو ادھر دیکھنا
آرزو ہے کہ صنم وعدہ کا ایفا کرتا	چھیڑتا اسکو میں اور مجھکو وہ بیجا کرتا
بوسہ تو کیا جواب بھی ملتا نہیں کبھی	پھر کیونکہ حوصلہ ہو بتوں سے سوال کا
تیر تو آپ نے مارا تھا عدو کو لیکن	کشش دل سے ہماری وہ ادھر آہی گیا

اب آپ جائے کسی اور کو یہ دم دیجے
حال سب اُسنے کہا ایک ایک کا

تم گالیاں دیتے ہو عدو کو سرِ محفل
آتا ہے مجھے یاد تو گر جاتے ہیں آنسو

روتا ہوں تو ہو جاتا ہے دامن مرا دریا
عدو کے نام پہ کیوں اسقدر جلال آیا

بوسہ دینے میں اگر تمکو تردد ہے تو پھر
ہے دوستی عدو سے تو اسکی طرف نہ دیکھ

آئی جو یاد جنبشِ مژگانِ زخمہ گر
یہ جان یہ جگر ہے یہ دل تیری نذر ہے

تو نے صیاد قفس لا کے چمن میں رکھا
وہ ناز ہیں کہ اٹھانے ہر اک کو مشکل ہیں

نہ رہے چین سے اک جا چمن عالم میں
کیوں کھنچی جاتی ہے گردن خود بخود قاتل کوئی

آج کچھ اور ہے حباب کا رنگ
چشم بد دور یار کی رنگت

مرنہ جاتے نگہ لطف پر آس کی اب تک
اپنا انداز غضب قہر و ستم کی چتون

نہ یہ زمیں ہے نہ یہ آسماں ہاں قاصد
گلرو نہیں ہیں داغ مرے جسم زار میں

قطراتِ اشک خوں سر مژگاں تو دیکھئے

یہاں تو آپ کے وعدوں کو بس سلام کیا
آج ہم سے اُن کا دہن کھل گیا

یہ رنج تو ہم کو بھی گوارا نہیں ہوتا
دل سے بھی زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا

دریا بھی تو وہ جسکا کنارہ نہیں ہوتا
تمہارے دلمیں خدا جانے کیا خیال آیا

دل کے لینے میں ہر یجان تقاضا کیا
چڑھ جائے اُسکو زہر نہ تیری نگاہ کا

دل میں چبھا کئے مرے نشتر تمام رات
اسمیں ہی کوئی بھی تو کرائے دلستاں پسند

اب کریں کیا ترے شرمندۂ احساں ہو کر
وہ جور ہیں کہ نہیں جن کی آسماں کو خبر

صورت برگ خزاں پھرتے ہیں برباد ہنوز
سحر ہے۔ جادو ہے افسوں ہے ترے خنجر کی پاس

دیکھئے رُخ پہ عتاب کا رنگ
شیشہ میں جس طرح شراب کا رنگ

بچتے کس طرح جو ہوتا نہ ستمگر قاتل
دیکھ لینے دے ٹھہر جا ذرا دم بھر قاتل

زیادہ اس سے بس اسکا نشاں نہیں معلوم
سراپا ہوں چشم ترے انتظار میں

یہ گل بہار دے گئے اس خارزار میں

دم بھر میں ایک تیری نہیں نے مٹا دئے
کیا کیا خیال تھے دلِ امیدوار میں

ہزاروں بستے ہیں لاکھوں تمام ہوتے ہیں
خدا کا قہر ہے ظالم ترا شباب نہیں

دعا کو ہاتھ اٹھائے تو ہنسکے فرمایا
ہزار مانگو۔ دعا ایک مستجاب نہیں

یہاں تو دیکھ کے ہیں اُن کو محوِ حیرت ہوں
وہ جانتے ہیں مری بات کا جواب نہیں

دیکھا مجھے تو غیر سے آنکھیں چُرا گئے
کیا اس نگاہِ لطف میں پنہاں ستم نہیں

صدقے میں اُسکی سادگی اور اپنے ضعف کے
زندہ ہوں اور رکھتے ہیں اس میں تو دم نہیں

مہر و الفت ہی سہی بغض و عداوت ہی سہی
پھر مجھے دیکھتے تم کیوں ہو اگر کچھ بھی نہیں

اک یقیں میرا کہ کچھ بھی نہیں اور سب کچھ ہے
اک ترا وعدہ کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

یوں ناز تو ہر ایک ترا قہر ہے لیکن
اک بات نئی سی ہے ترے بیساختہ پن میں

حسرتِ دیدار وہ بیداریٔ شب کیا ہوئی
بعد مردن طالبِ آرام آنکھیں ہو گئیں

ایک ہی بوسہ سے آنکھوں کے ہوا دلکو سرور
ساقیا جام سے گلفام آنکھیں ہو گئیں

پھپھولے لختِ دل کے ہو گئے ہمسو سینہ میں
بھری ہے ساقیا ہاں بھی مئے انگور سینہ میں

ہنستا ہے وہ عاشق کُش رونے پر مرے دیکھو
بجلی اسے کہتے ہیں باراں اسے کہتے ہیں

کرتے ہو خطا ہر دم اللہ چھپاتا ہے ،،
دیکھو تو گنہگار وا احسان اِسے کہتے ہیں

اک نشانہ کبھی بھولے سے ادھر بھی ظالم
ہے لبِ تر کے بوسہ کی تمنا دل میں

ایا یہ ہے کہ اور ابھی کھینچ انتظار
نرگس کے پھول آئے ہیں خط کے جواب میں

پڑھو خط مرا شمع دکھلائے دشمن
یہی تو ہیں میرے جلانے کی باتیں

کبھی بوسۂ زلف مانگا تو بولے
سخن ہیں یہی مار کھانے کی باتیں

دیدار آخری ہے ذرا دیکھ لینے دو
تم تیغ تو اٹھاؤ جھکا دونگا سر کو میں

محبت میں بتانِ خوبرو بھی ساز کرتی ہیں
جسے مشتاق پاتے ہیں اُسی پر ناز کرتی ہیں

گلہ اُن سے کیا انکے تغافل کا تو فرمایا
سبھی معشوق اپنے عاشقوں پر ناز کرتے ہیں

بھلا بتلاؤ دل سے کس طرح ارماں مرے نکلیں
یہ کیا ہے اے پری رو جو تمہیں دلدار کہتی ہیں

دل شاد ۔ آج اپنا کرتے ہیں وصل میں ہم
پھر اپنے گھر بلا گئی ہیں غضب کا مژدہ سنا گئی ہیں

اگرچہ اُس شوخ نے ہکوڑے چھٹکے لاکھوں
ذرا تاثیر دیکھو آسماں اب تک ہے چکر میں

چاہتا ہوں نہ بولوں اُس سے مگر
تیری طرح کوئی پیماں شکن جہاں میں نہیں

ستم جو کچھ ہیں مجھ پر ہیں فقط تیرے تغافل سے
ابھی تو میں بھی زندہ ہوں تمہارے ظلم سہنے کو

پسند ہیں تو لگا لیجے زین توسن میں
وہ بادہ کش ہوں کہ غفلت میں بھی تو ساقی نے

کھینچی ہے چشم قاتل میں جو اک تحریر سرمے کی
تو بھی چل جسم سے اے روح پئے استقبال

ابھی ابھی نہ شب وصل میں تقریر کرو
کم نہیں عشق بتاں یاد الٰہی سے کہ وہ

اُن سے بوسہ جو طلب کیجے تو شرماتے ہیں
ختم ہوا شوق ہم آغوشی میں ہیں مشق کہاں

پہلے تو کچھ کچھ رکے تھے اور بھی اب کھنچ گئے
ہزاروں منتیں کیں ہاتھ جوڑے گالیاں کھائیں

وعدۂ حشر پہ تسکین ہو کیونکر دیکھو

نہ پہلو میں شگاف اپنے نہ ہے ناسور سینہ میں
وہی پھر بیوفا ۔ بے مہر ۔ دل آزار کہتے ہیں

اپنی تمہاری ایک جا تصویر کھینچتے ہیں
پھر انکے دم میں ہم آگئے ہیں کہیں سے وہ بکا اٹھا چکے ہیں

نے لئے بوسے مگر ہم نے لپٹ کے لاکھوں
کیا تھا ایک نالہ ہم نے اپنی زندگی بھر میں

دل تو کمبخت مانتا ہی نہیں
کہ جسکے قول میں انکار جسکی ہاں میں نہیں

اگر تو دوست ہے میرا تو دشمن آسماں کیوں ہو
ستم کا حوصلہ غیروں پہ صرف امتحاں کیوں ہو

ہماری آنکھوں کے حلقے رکاب کے بدلے
دیا شراب کا چھینٹا گلاب کے بدلے

نظر آتی ہے دست ترک میں شمشیر سرمہ کی
نکہت زلف لئے باد صبا آتی ہے

خیر سے تمکو بھی شرکتنی بڑھا آتی ہے
ظلم کرتے ہیں تو آتا ہے خدا یاد مجھے

مانگئے دل تو یہ کہتے ہیں تقاضا کیا ہے
پیر سے بدتر کیا تیری جوانی نے مجھے

کھینچکر اُن کی جو دی تصویر مانی نے مجھے
لئے بوسے لب جاناں کے لیکن اس خرابی سے

تم وہاں جا کے تو یہ کہدو کہ نہیں یاد مجھے

فرقت میں یاں لبوں پہ مری جان زار ہے ساقی چمن میں شیشۂ مے کی ہوا ہے بند	آ اے اجل کہ صرف ترا انتظار ہے کالی گھٹا ہے جوش پہ فصل بہار ہے

سخن

سخن - جناب عابد حسین خانصاحب - آپ ڈپیتہ ضلع سیتاپور کے تعلقہ دار ہیں - فن سخن میں جناب حکیم لکھنوی کے شاگرد ہیں - کلام سے پختہ گوئی اور کہنہ مشقی کا رنگ نمایاں ہے - رعایت لفظی کے شیدائی - صنائع بدائع کے فدائی ہیں - بعض شعر صاف بھی نکل جاتے ہیں - پچیس برس ادہر کا کلام ہے - انتخاب یہ ہے

چادر ہے گردِ راہ بگولے ہیں مثل قبر چوری چھپے سے لی جو خبر بعد مرگ کے بھرتے ہیں پانی کوثر و تسنیم و سلسبیل پیراہن حیات کی تنگی جو یاد ہے چھوڑینگے وہ جفا نہ وفا ہم کرینگے ترک پانی بھی مانگتے نہیں وہ آٹھ کے وقت مرگ آ بھی اٹھا کے چہرۂ پرنور سے نقاب گیسو کو آتش رخ روشن پہ دیکھئے ہے خدا سے بھی طلب میں گر حجاب پھیرئے دل اُس بت کا کیونکر اسطرف تمہارے کان میں کھٹکا ہے موتی جادوں سے عیاں ہے کششِ پنجۂ وحشت خاموش نہیں وہ ہے روان جنکی طبیعت	ساماں یہ کس غریب کے دفن و کفن کے ہیں ممنون ہم محبت و زدِ کفن کے ہیں رتبے بلند کیا تری چاہِ ذقن کے ہیں ڈھیلے لحد میں بند ہمارے کفن کے ہیں وہ اپنی بات کے ہیں ہم اپنے سخن کے ہیں مارے ہوئے جو حسرت چاہِ ذقن کے ہیں پروانے بے چراغ تری انجمن کے ہیں جل جانے پر بھی بل وہی باقی رسن کے ہیں ہاتھ کو وقفِ دعا ہم کیا کریں جو خدا کا کام ہو ہم کیا کریں کہاں آکر مری قسمت لڑی ہے ٹکڑے کئے کیا دامنِ صحرا کے کسی نے لب بند نہ دیکھے کبھی دریا کے کسی نے

سخنور

سخنور - منشی دیوانی سنگھ فرزند رائے جی سکھ رائے دہلوی - آپ اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں تحریر نسخہ جات کی جلیل القدر خدمت پر ممتاز تھے ... میں ۹۰ سال کی عمر تھی بہادر شاہ

کے اوائل سلطنت تک زندہ و سلامت و برسرِ کار رہے۔ بادشاہ کی ڈائری میں کئی جگہ انکا ذکر موجود ہے۔ موردِ عنایات شاہی تھے۔ شاعری میں غالب علیخاں سید کے شاگرد تھے۔ زبان صاف بیان میں سادگی تھی۔ اپنے زمانہ کے اعتبار سے خوب شعر کہتے تھے ؎

گریاں رکھے ہے بن ترے یہ چشم تر مجھے	طوفانِ نوح آئے ہے اب پھر نظر مجھے
اُس زلف و رخ کی یاد میں دل بیقرار ہے	روتے ہی روتے گذرے ہے دو دو پہر مجھے
ہوتی عیاں ہے صورتِ ہستی و نیستی	جوں نقشِ پا ہمیشہ سرِ رہ گذر مجھے

سخنو.
سخنور۔ مولوی محمد عباس۔ آپ شولاپور کے رئیس و آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ شاعری کا مذاق ہے۔ حکیم معشوق علیخاں جوہر شاہجہانپوری سے مشورہ سخن فرماتے ہیں۔ کلام اچھا ہوتا ہے نمونہ بیان یہ ہے ؎

طرزِ خرام کرتی ہے لاکھوں کو پائمال	دعویٰ یہ ہے کہ ہم سا کوئی نازنین نہیں
رہِ الفت کٹے گی کسطرح دل بیٹھا جاتا ہے	قدم اُٹھنے بھی پاتے نہیں مشکل ہوتے جاتے ہیں
ہوائیں دامن سیف ک کی سلامت ہیں	ہمارے زخمِ جگر کی شگفتگی کے لئے

سخنور۔ سید ابو الحسن صاحب ساکن مچھلی بندر۔ شاگرد جناب فائض۔ شاعر مشّاق سنجیدہ ہیں۔ شعر میں مضمون آرائی ہوتی ہے طبیعت رنگین ہے۔ کلام یہ ہے ؎

آتا ہے جب زمانہ میں موسم بہار کا	کھلتا ہے پھول غنچۂ دل بادہ خوار کا
گلشن پہ کس غضب کا ہے جوبن کلاں دنوں	ہر برگِ گل ہے تختِ عروسِ بہار کا
آمد سے بجلیوں کی یہ ہوتا ہے آشکار	آنے لگا ہے تار عدم کے دیار کا
کھینچا ہے دار پہ مجھے منصور کی طرح	ظاہر جو عشق ہو گیا گیسوئے یار کا

سخی
سخی۔ سید پرورش علی۔ آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے۔ آپ ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۵ سال کی عمر میں ۱۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ آپکے دو دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔ رند مشرب۔ آزاد پسند آدمی تھے۔ مگر وضعدار تھے

مستحکم۔ آن بان میں یگانہ اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ بھاکا زبان کی شاعری میں آپ کا تخلص انور تھا۔ کلام میں مذاق، ظرافت، شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مگر جب متانت پر آتے ہیں تو موثر الفاظ میں عبرت کا مرقع کھینچ دیتے ہیں۔ انکا ایک قطعہ مقبول خاص وعام ہے جو اردو کلام کے انتخاب میں درج کیا جاتا ہے۔

جمع خاطر رہے اے اہلِ قبور　　ہم بھی آتے ہیں نہ گھبرائے گا
بوسہ للہ سخی مانگتا ہے　　ایک دیجے گا تو دس پائے گا

اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو　　گالیاں دیں سر بازار یہ کیا؟
دل لگی ہوتی ہے خوش ہونے کو　　تم تو ہونے لگے بیزار یہ کیا

قید اک حور کے گھر میں ہوں میں　　رشک فردوس ہے زنداں میرا

کہاں دن کو گھر سے بے محل جائے گا　　ابھی جھٹ پٹے میں نکل جائے گا
مرے دل میں آنے سے یہ فائدہ ہے　　ذرا اور سانچے میں ڈھل جائے گا

دیکھو۔ یوں کھلتی ہے کلی دل کی　　ہاں مری جان مسکرا دینا

لب کا بوسہ طلب کیا تو کہا　　گھر سے تو جا کے منہ بھی دھو آیا؟

شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام　　ان سے پوچھو تو میں یہ گاتے کیا

دم نکل جائے نہ بلبل کا پھڑک کر صیاد　　پھول رکھدے تہِ قفسِ مرغِ گرفتار میں آج
چومنے دے دہن زخم سے قاتل مجھکو　　لب شیریں کا مزا آتا ہے تلوار میں آج

سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں　　میری دیوار کا خدا حافظ

عاشق شعلہ رو کی تربت ہے　　لوگ پھولوں کی جا چڑھائیں آگ

سیرِ مدفن کو کون آیا تھا　　مُردے بے چین ہیں ہزاروں میں

اپنے قاصد کو صبا باندھتے ہیں　　سچ ہے شاعر بھی ہوا باندھتے ہیں

پھر سرِ دست مرا خوں ہو گا　　پھر وہ ہاتھوں میں حنا باندھتی ہیں

ایک میں جس کا نامۂ اعمال / دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں
دیکھکر لوگ حال گورستاں / پھر تمنائے جاہ کرتے ہیں
عید میں غیر کے گلے نہ لگیں / کیوں ہمیں وہ حلال کرتے ہیں

کبھی تیغ نگاہ کے وار ہیں کبھی تیر مژہ کا نشانہ بنا / کبھی خنجر ابروئے یار چلا مری سینہ کی شکل سپر ہی نہیں
رخ صاف کو تیری قیاس کیا نہیں شام ہی جسکی وہ نہیں یہ / تری زلف دراز کو جان گئے یہ وہ رات ہی جسکی سحر ہی نہیں

لحد میں بعد مردن اک کفن پرنے ہوا تو کیا / سلامت ہی جنوں تو پھاڑینگے محشر کے دامن کو
نہیں خاطر کسیکی توڑتے جو اہل رتبہ ہیں / ہوئی مقبول دعوت مور کی آخر سلیمان کو
ابھی ایام گل میں ہوگا سو سو بار یہ ٹکڑے / گریبانِ دریدہ کو مرے للہ مت ٹانکو
مرے دست جنوں نے ہاتھ پھیلائے ہیں وحشت میں / صبا صحرا سے کہدیجو سنبھالے اپنے داماں کو

کرے خواہش اگر غبار میرا / تو اُدھر کی کبھی ہوا ہی نہ ہو
توبہ ہے شیخ جی برا نہ کہو / دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہ ہو
دل سی شے آپ لیگئے صاحب / اُف نہیں کی مرا جگر دیکھو
ہچکیاں کیوں قریب مرگ آئیں / یاد شاید دم اخیر ہوئی
خاک ہی میں دفن کرنا تھا اگر / پھر ہمیں کاہے کو نہلاتے رہے
کیا جائے خیال دانۂ خال / دل ہی کم بخت دانہ زدہ ہے
عرضی میں ہے حال ناتوانی / تصویر مری بجائے مد ہے
حشر کے روز رہی خوب نمود / ہم سا نکلا نہ گنہگار کوئی
آج وہ بلبلوں کا جی لینگے / پھول سی ہاتھ میں کلی لینگے
دل کھلونا نہیں جو کہتے ہو / ہم ہی لینگے ہم ہی لینگے
اک جگر رہ گیا ہے وہ بھی یہی / اور کیا وہ کسی کا جی لینگے
باغ جہاں میں آئے نہ پوچھو کہاں تک / بچپن سے قیدیِ قفسِ آسماں رہے

گردش ہی میں یہ عمر ہماری بسر ہوئی
ہم بھی زمین پر صفتِ آسماں رہے

زلف چھوتا ہوں میں تو کہتے ہیں
ایک دن آپ مار کھائیں گے

گر کہا میں کرو خون میرا تو اٹھکر چلے
پان کھانے کے لئے مہندی لگانیکے لئے

قطعہ

کل وہ کچھ لوگوں کو لیکر اپنے ساتھ
تربتیں یہ کہکے دکھلاتے رہے

اس میں مجنوں ہے اور اسمیں کوہکن
عاشقانِ ناز تھے جاتے رہے

بعد اس کے پھر ہماری قبر پر
دیر تک افسوس فرماتے رہے

پوچھا جب میں نے یہ کسکا ہے مزار
آپ جو رہ رہ کے پچھتاتے رہے

بولے ہے ہے یہ سخی کا ہے مزار
جان دیدی لاکھ سمجھاتے رہے

سخی - جناب سید محسن حسین صاحب - آپ امروہہ ضلع مراد آباد کے باشندے حضرت صفی امروہی کے بھائی تھے - عرصۂ دراز تک آگرہ میں رہے - بہر ماہ اکبر آبادی کے شاعروں میں شریک ہوئے اکثر مقطعوں میں فخریہ اپنے صرف زر کی طرف اشارہ کرتے - رعایت لفظی کے مقتول ہیں کنگھی چوٹی کے مضامین خوب کہتے ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے -

کتنے ہی بے گنہ تہِ شمشیر ہو چکے
ظالم ذرا سمجھ کے ستمگار دیکھکر

میٹھی چھری سے قتل ہوا ہوں میں تلخ کام
نکلی ہے جان لعلِ شکر بار دیکھکر

جاتا ہے یہ جنازہ اسی خستہ تن کا آج
کل آپ آئے تھے جسے بیمار دیکھکر

گرد لیں کھنیچ کے آگیا سارے بدن کا خون
شہ رگ پھڑک گئی تری تلوار دیکھکر

سب سیم تن جہاں میں ہیں ہمدم اے سخی
ملتے بھی ہیں کسی سے تو زردار دیکھکر

جو مچلے پھر تھمینگے آستیں پر
یہ طفلِ اشک لوٹینگے زمیں پر

پھولوں کی چھڑی نہیں دستِ نگار میں
سولی ملی ہے دزدِ حنا کو بہار میں

اس کے فقیرِ خلق سے آزاد ہو گئے
تکیہ بناکے بیٹھ رہے کوئے یار میں

دریا میں جال پھینکئے زلف دراز کا — جل بھن رہی ہیں مچھلیاں شوق شکار میں
تم کیا گئے کہ دل ہی تڑپ کر نکل گیا — ٹھیرا تمہاری طرح نہ یہ بھی کنار میں
میں اپنے ہاتھ کاٹ کو سمجھ زرکو اے سخی — جو کچھ ملے لٹا رہ پروردگار میں

سینہ تم اپنے دوپٹہ سے چھپائے رکھو — نگۂ تیز سے ہوتے ہیں جگر کے ٹکڑے
دل کیا آئینے کل تیر نظر سے زخمی — تیغ ابرو سے کئے آج جگر کے ٹکڑے
سر پٹکتے تھے جو کھٹ پہ جو دیکھا تو کہا — لکھے ہیں اسکے مقدر میں ہی سر کے ٹکڑے
روتے روتے جو رُکا میں تو وہ بولے ہنسکر — کردئے آپنے کیوں سلک گہر کے ٹکڑے
تیغ ابرو کے غضب وار ہیں اوچھے اوچھے — دل عشاق کے کرتے ہیں یہ جی کے ٹکڑے

تن نازک پہ جو بدھی پڑی ہے — لگی شاید دوپٹہ کی چھڑی ہے
یہ کس میکش سے آنکھ اسکی لڑی ہے — صراحی جام پر بیخود پڑی ہے
نہ لیلےٰ آئی ہو مجنوں سے ملنے — سواری نجد میں کسکی کھڑی ہے

سخی

سخی۔ منشی سخاوت حسین باشندہ سندیلہ ضلع ہردوئی منشی سید منصب علی صاحب ہنر مرحوم سندیلوی کے شاگرد ہیں۔ ابھی نوشقی کا عالم ہے۔ سمند طبع کو رعایت لفظی کے وسیع میدان میں دوڑاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں کچھ غزلیں نظر سے گذریں جنکا انتخاب حاضر ہے ؎

معشوق وہ ہے جسمیں ہر انداز نیا ہو — شوخی ہو شرارت ہو نزاکت ہو ادا ہو
قسمت میں ہر اک کے نہیں خون دل عاشق — تلووں سے لگا لیجے اگر شوق حنا ہو
ہے دوست کے اقرار پہ دشمن کا عجب حال — چاہے جو کوئی میرا بُرا اُس کا برا ہو
میں سوختہ قسمت ہوں وہ پرکالۂ آتش — دوزخ میں پڑوں میں تو جہنم کو سزا ہو
دل ایسے بخیلوں سے سخی خاک لگائیں — جنمیں نہ ہو کچھ مہر نہ کچھ بوئے وفا ہو

سخی

سخی۔ سید محمد جعفر حسین خاں عرف ننھے میرزا صاحب لکھنوی۔ آپ جناب عشق مرحوم کے شاگرد ہیں۔ نغمۂ بہار ۱۸۹۶ء میں جو کلام درج ہوا ہے اسکا انتخاب یہ ہے ؎

آپ کے عشق لب سرخ میں یوں تڑپتے	بھگئے قلب و جگر آنکھ کے آنسو ہو کر
یار کو دولت دل دے کے طلب کرتا ہے	نامزد ہو نہ بخیلوں میں سخیؔ تو ہو کر

سخی

سخیؔ۔ میر سخاوت علی۔ ماں کیطرف سے لکھنوی اور باپ کی جانب سے زیدی الواسطی ہیں۔ خوشرو۔ قد آور جوان ہیں۔ انگریزی انٹرنس تک پڑھی ہے۔ ۴۰ برس کی عمر ہے۔ دس سال سے پولیس اجمیر میں ہیڈ محرر ہیں۔ فن سخن میں مولانا قتیل بھرسری کے شاگرد ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اے دل مضطر سر محفل بہت مضطر نہ ہو	اور تجھسے بدگماں وہ بدگماں ہوجائیگا
آنکھیں چھپی ہیں اتری ہے صورت اڑا ہے رنگ	بے شبہ اٹھ کے آئے ہیں دشمن کے گھر سے آپ
نادان آپ سا بھی نہ ہوگا کوئی سخیؔ	امید داد رکھتے ہیں بیداد گر سے آپ
میں تو خاموش رہوں پر مرا قابو کیا ہے	دل میں ہو درد تو کیوں لب پہ نہ فریاد رہے
نالہ و آہ و غم و درد و جدائی حسرت	جسکے باعث مجھے ہاتھ آئی ہیں وہ شاد رہے

سراج

سراجؔ۔ سراج الدین علیخاں۔ اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ یہ بزرگ خوش فکر اور سنجیدہ مذاق تھے۔ عالی خیالی اور شیریں مقالی سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تغزل کے نشا کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مندرجہ ذیل غزل جسکو بعض ناشناسان سخن۔ سراج الدولہ حاکم بنگالہ کیطرف منسوب کرتے ہیں وہ انکی فکر عالی کا کرشمہ ہے ہر شعر وحدت الوجود کے مشکل مسئلہ کا ترجمان ہے اور دنیا کی بے ثباتی کا مرقع آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی	نہ وہ میں رہا نہ وہ تو رہا جو رہی تو بیخبری رہی
شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی	نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا	جو کتاب عقل تھی طاق پر وہ جیں دھری کی دھری رہی
نگہ تغافل یار کا گلہ کس زباں سے بیاں کریں	جو شراب صد قدح آرزو خم دلمیں تھی سو بھری رہی
چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا	مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

کیا راکھ آتش عشق نے دل بینوائے سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خبری رہی

سراج

سراج ۔ کسی گمنام شاعر کا تخلص ہے ۔ جو سید حمزہ کے شاگردوں میں سے تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے چند شعر سرمۂ چشم ناظرین ہیں جنہیں زبان قدیم اور متروک الفاظ کے نمونے پائے جاتے ہیں ۔ مگر تخیل نادر ہے ۔ اور بندش بھی مضامین کے مناسب ۔ اس زمانہ کے اعتبار سے اچھا کلام ہے ؎

مشکل ہوا ان دنوں ترا کرم ہونے لگا ہو
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ سراج
شاید کہ جا پڑا کسی ناآشنا کے ہاتھ

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آ جاوے

سراج

سراج ۔ منشی افضل خاں خلف ہزار میر خاں مرحوم ۔ آپ قدیم بھوپال کے رہنے والے ہیں ۔ نواب نظیر الدولہ باقی محمد خاں بہادر کے شاگرد ہیں ۔ شاعر موزوں طبع اور سخن ور و تیز فکر ہیں ؎

کریں گے دیر ہی میں صنم کی تلاش ہم
لینگے نہ جا کے کعبہ میں احسان خلیل کا

ایذا وہ کون سی ہے جو اے چارہ گر نہیں
سوزش نہیں ہے دل میں کہ درد جگر نہیں

سوز و گداز آہ و بکا نالہ ۔ درد و یاس
سب کچھ مرض عشق سے لیکن اثر نہیں

بزم نشاط ۔ ساغر مئے نغمۂ طرب
سب ہیچ ہیں جو پاس وہ رشک قمر نہیں

ایک پہلو میں پری ایک میں وہ حور رہے
ایک طرف نار رہے ایک طرف نور رہے

سراج

سراج ۔ جناب سراج الحسن صاحب ۔ آپ دہلی کے باشندے ہیں ۔ سراج کے ساتھ "منائی" تخلص بھی کرتے ہیں ۔ طبیعت میں نکتہ سنجی کا مذاق ہے ۔ مضمون آفرینی کی میناکاری میں زبان کا لحاظ بھی ہے ۔ مخزن اور صبح بہار جیسے رسالوں میں کچھ کلام نظر سے گذرا ۔ چراغ فکر کی شعاع یہ ہے ؎

جب دل میں یاد آئی تو چپکے سے رو لیا
گھبرایا جی تو سوئے بیاباں نکل گیا

ظالم نے عاشقوں کو محبت کے جرم میں
دہ دی سزا کہ دم شبِ ہجراں نکل گیا

تیری بلا سے جی سے گئے مجرمانِ عشق
ہے جائے شکر تیرا تو ارماں نکل گیا

بلبل گلے لگا نہ گلوں کو بہار میں
بوئے وفا نہیں چمنِ روزگار میں

وہ ہاتھ تیرنے کا ہمارا ابھی قصد ہے
موجیں اگر اٹھیں ترے خنجر کی دھار میں

کیا کہوں ہجر میں کس طرح بسر ہوتی ہے
نہ تو کٹتی ہے شبِ غم نہ سحر ہوتی ہے

اپنی یادِ رخ و گیسو میں بسر ہوتی ہے
ہم نہیں جانتے کب شام و سحر ہوتی ہے

رخ سے جب گیسوئے شبگوں کو وہ سرکاتے ہیں
صبح ہوتی ہے ادھر شام ادھر ہوتی ہے

اکیلا چھوڑ کر لی شمع نے بھی راہ اب اپنی
نہ دل سوزی کسی سے ہو سکی اس سوختہ جاں کی

تھا تا اپنی پلکوں سے لگاتا اپنی آنکھوں سے
ادھر بھی کاش آتی خاک اڑ کر کوئے جاناں کی

سراج۔ سراج الدین ولد منشی جمال الدین قریشی ساکن لال کورتی بازار میرٹھ۔ آپ میرٹھ کالج میں بی۔ اے کی تعلیم پاتے ہیں۔ ۲۰ برس کی عمر ہے۔ ابتدا میں جناب گرامی پروفیسر فارسی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں بمقام لکھنؤ۔ نازش بدایونی سے تلمذ اختیار کیا۔ نو مشق شاعر ہیں۔ مگر طبیعت میں مضمون آفرینی کا مادہ ہے۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎ ج

باغ میں رہ کے مجھے کنجِ قفس یاد رہا
میں وہ بلبل ہوں کہ برسوں غمِ صیاد رہا

کس کو کیا معلوم کیا گذری تجلی گاہ میں
آنکھ ہی کچھ جانتی ہے جسکو حیران کر دیا

چشمِ دریا بار کی اللہ ری اشک افشانیاں
قطرہ قطرہ میں نظر آتا ہے عالم جوش کا

سرِ محفل عجب عالم ہے میرے دل کی الجھن کا
قسم دے دے کے ان سے پوچھتا ہوں نام دشمن کا

اے کاش کہ یاد آئے انہیں رات کا وعدہ
تقدیر پہ ہو سیدھی تو ابھی زلف بکھر جائے

سراج۔ میاں سراج الدین پہلوان خلف میاں عبدالرحیم پہلوان لاہوری کشمیری بازار میں رہتے تھے۔ سنہ ۱۸۹۶ء کے مشاعروں میں طبیعت کی زور آزمائی دکھاتے تھے۔ رسالہ شورِ محشر سے کچھ کلام انتخاب کیا ہے جو فکرِ رسائی کا شاہد ہے ؎ راج

دل کو تو ہم سنبھالے رہے بزم یار میں — پر طفل اشک دیدۂ تر سے نکل گیا
کس کس کو میں سناؤں شب وصل کیا کروں — اٹھے اُدھر وہ اور اِدھر سے دل مچل گیا
نہیں وہ قتل کرتا ہاتھ رنگتا ہے مرا قاتل — کہ اب مہندی سے ستا رنگ ہے خون شہیداں کا
یہ دل کیا شے ہے بربادی کی حسرت تو کوئی دیکھے — جگر بن رہا ہے گھر بیاباں میں بیاباں کا
یہیں سے سر کو ہم رکھے ہوئے جائیں ہتیلی پر — اگر ہے سامنا کرنا کسی شمشیر عریاں کا
ہجر میں حال رہا گر یہی بیتابی کا — دم نکل جائیگا اک روز تڑپ کر اپنا
شور عالم میں ہے اُس آئینہ رخسار کا — جس نے دیکھا چہرۂ زیبا وہ حیراں ہو گیا
سوز دل کس سے کہوں سب پہ ہے روشن اے سراج — روز کا جلنا شب مہتاب ہجراں ہو گیا

سرافراز

سرافراز۔ نواب سید سرفراز علیخاں صاحب۔ آپ ریاست حیدرآباد دکن کے رئیس ہیں فن سخن میں حضرت اُنس برادر میر انیس مرحوم سے تلمذ ہے مگر کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشق بہت کم ہے سنہ ۱۸۹۸ء کے پیام یار سے کچھ شعر انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

ابرو و مژگاں جاناں کی سی کب ہیں تیزیاں — تیغ میں نوک سناں میں خنجر فولاد میں
حسن اُس گل کے رخ و چشم و لب و قد کا نہیں — گل میں نرگس میں سمن میں سرو میں شمشاد میں
وہ لب نہیں جس لب پہ شکایت ہو کسی کی — وہ دل نہیں جس دل میں کدورت ہو کسی کی
دیکھا جسے بھرتا ہے محبت کا تری دم — ظالم ترے دل میں بھی تو الفت ہو کسی کی
ہے چشمۂ بے فیض وہ انسان سرافراز — دنیا میں ادا جس سے نہ حاجت ہو کسی کی

سرخوش

سرخوش۔ منشی محمد حلیم الزمان صاحب خلف اوسط شیخ وحید الزمان مغفور آپ ریاست رامپور کے باشندے ہیں۔ ابتدا سے مشق سخن سے حضرت امیر مینائی کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہیں ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۳۰۳ھ سے حیدرآباد میں ہیں۔ سادہ گو خوش گفتار شاعر ہیں کلام یہ ہے ؎

اگر اسیر دام ہوتے ہم چمن کے پاس — بڑھ کر لیا قضا نے جو پہونچے وطن کے پاس
سراپا جرم ہیں ہم نفرت انہیں عفو جرائم سے — صفائی ہو تو کیا ہو فیصلہ تقصیر سے تو کیا تقصیر

وہ مشتاق شہادت ہوں کہ سینہ میں دم رکتا
اگر دم بھر بھی رک جاتی کہیں شمشیر قاتل کی

سردار

سردار - نواب حسین علیخاں بی اے خلف اصغر نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر رئیس اعظم شیش محل لکھنؤ۔ آپ نواب حکیم مہدی وزیر شاہ نصیر الدین حیدر کی اولاد امجاد سے ہیں شاعری میں اپنے بزرگوار سے اصلاح لیتے ہیں۔ ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ شعر و سخن سے کمال دلبستگی ہے اور طبیعت ازل سے مستانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ معاملہ ایسا اچھا نظم کرتے ہیں کہ بیساختہ سامعین کے دل سے داد نکلتی ہے۔ لکھنؤ کی مستند زبان اور فصحا کی روز مرہ سے آپکا کلام مالا مال ہے۔ فکر بلند کا نتیجہ یہ اشعار گوہر بار ہیں ؎

دوپٹہ دم بدم ایجان ہٹا جاتا ہے سینہ سے
امنگیں دل کی کہتی ہیں کہ پردا ہو نہیں سکتا

جوانی کی امنگیں کب حیا کے روکے رکتی ہیں
یہ وہ آفت کا سن ہے جسمیں پردا ہو نہیں سکتا

بڑی خاطر تھی میری کرلیا اقرار وصل اس نے
مگر شرم اسکی مانع ہے کہ ایفا ہو نہیں سکتا

پوچھئے حشر کا دنبالہ نہ اپنی آنکھ سے
قتل عاشق کو یہی تلوار رہنے دیجئے

اک اشارہ آپ کا کافی ہے میرے قتل کو
تیر رہنے دیجئے تلوار رہنے دیجئے

بہت خوش ہو ہمارا دل دکھا کے
ملا کیا بے نصیبوں کو ستا کے

گلوں کو کردیا بلبل نے برہم
کرشمے ہیں یہ سب باد صبا کے

تمہاری خوش نصیبی ہے یہ سردار
مناتے ہیں گلے سے وہ لگا کے

سلامت ہے کیا مزا دے رہی ہے
محبت سے بڑھ کے عداوت کسی کی

سردار

سردار - منشی اودہم سنگھ ساکن امرتسر۔ آپکا بیان ہے کہ میرے پردادا اکر پاسنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گرو تھے۔ اور دس ہزار روپیہ کے قریب جاگیر تھی۔ آپکے والد سردار بشن سنگھ محکمۂ نہر میں ضلعدار تھے۔ آپنے میونسپل بورڈ کالج امرتسر میں تعلیم پائی ہے۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ بھاشا۔ گورمکھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت جلال مرحوم کے شاگرد ہیں اول محکمۂ نہر میں ملازم ہوئے۔ پھر ڈسٹرکٹ کورٹ میں نقل نویس رہے۔ آپ محکمۂ پولیس

میں بھی مثل خواں و محرر جوڈیشل رہ چکے ہیں۔ امرت سر میں شعر و سخن کا چرچا زیادہ تر آپ کے دم سے ہے لاہور کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے رہے ہیں۔ رسالہ گلشن ناز اور آفتاب کے اڈیٹر و منیجر رہے ہیں۔ جو صرف چھ ماہ نکل کر بند ہو گیا۔ پنجاب کے رسالوں میں آپ کی اخلاقی نظمیں نکلتی رہتی ہیں۔ بھجن بھی لکھتے ہیں۔ کلام میں سادگی۔ روانی ہے۔ اور آپ کی نظموں کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پنجاب نے اُردو میں کہاں تک ترقی حاصل کر لی ہے۔
آپ کا بیان ہے کہ "داغ صاحب نے بھی میرے کلام کو پسند کیا اور ایک خط بھیجا جس میں یہ تحریر فرمایا کہ آپ اچھے۔ آپ کی طبیعت اچھی۔ آپ کے اُستاد اچھے پھر کلام کیوں نہ اچھا ہو۔"
انتخاب یہ ہے ؎

وحشت میں کسی نے نہ دیا ساتھ اپنا
اے جنوں پاؤں کا چھالا بھی جو تھا پھوٹ گیا

قدرت نے چشم شوق کو یہ معجزہ دیا
جلوہ خدا کا حُسن بتاں میں دکھا دیا

مرنے والا وہ مجھکو سمجھتے ہیں
جیتے جی اس خطاب نے مارا

چھوٹے نہ ہم سے یارب باغ جناں ہمارا
ہندوستان کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا

آپس میں میل کرلو سوچو ذرا تو دیکھو
منزل سے دور بیٹھا ہے کارواں ہمارا

فاقہ کیا دہر میں لئے ہوا ہوس
مکر و حیلہ سے جو زر پیدا کیا

نالۂ دل کھینچ لایا یار کو
بے اثر نے کیا اثر پیدا کیا

سنتے ہیں کہ مہماں ہیں وہ غیر کے گھر آج
ماتم ہے اِدھر عیش کے جلسے ہیں اُدھر آج

آتے نہیں گر آپ تو میں مر ہی چکا تھا
اللہ نے بخشی ہے مجھے عمر دگر آج

بنے میرے دشمن مری جاں ہو کر
رہے غیر کے دل میں ارمان ہو کر

کیا سیکھے جائیں ہم کسی گل پیرہن کے پاس
جز داغ ہجر کیا ہے غریب الوطن کے پاس

تیغ سے کم نہیں کچھ نیم نگاہی اُن کی
خون کرتے ہیں ہزاروں کا جدھر جاتی ہیں

حسرت وصل میں کٹتی ہے جوانی اپنی
صورت سایۂ دیوار دبے جاتے ہیں

ہجر کی شب آنکھ کیا لگتی کہ پہلو میں مرے — چٹکیاں لیتا تھا درد اٹھ کر جگا نیکے لئے
کیا کہیں سردار جو کچھ عشق سے حاصل ہوا — ایک عبرت ہو گئی سارے زمانیکے لئے
حاصل ہیں روز دولت دیدار کے مزے — اچھی ہے میرے بخت سے قسمت نقاب کی
یار کی آنکھ سے کیا آنکھ لڑی رہتی ہے — روبرو موت کی تصویر کھڑی رہتی ہے
تو تو آتا نہیں اے یار ترا دھیان رہے — خانۂ دل میں مرے کوئی تو مہمان رہے
اُس کی تصویر کو چھاتی سے لگا کر سوئے — ہجر کی رات بھی کیا وصل کے سامان ہوئے
صورت نقش قدم لیتے ہیں دل لاکھوں کے — جب سر راہ گذرتے ہیں گذرنے والے

سردار

سردار ۔ نواب سید سردار علیخاں رئیس بمبئی آپ نواب عبدالحق امیر جنگ مرحوم کے فرزند دلبند ہیں۔ آپکے والد حیدرآباد دکن میں معدنیات و ریلوے کے ڈائرکٹر تھے۔ انہوں نے سونے کی کانوں اور اجارہ کے متعلق ولایت کی کمپنیوں سے کچھ داد و ستد کی تھی جسکی تحقیقات کیواسطے کئی مرتبہ کمیشن بیٹھی اور نواب محسن الملک مہدی حسن فتح نواز جنگ نے معاملہ کی تحقیقات اور انکشاف کے لئے سفر ولایت اختیار کیا اور رپورٹ کی۔ سر عبدالحق عاقبت اندیش۔ جہاں دیدہ۔ ہوشیار شخص تھے۔ انہوں نے آخر میں حضور نظام کو نذرانے پیش کئے اور صفائی کر لی۔

ریاست سے قطع تعلق ہو جانیکے بعد نواب دلیر جنگ نے سکندرآباد کی سکونت ترک فرمائی اور بمبئی میں آ بسے۔ اور جملہ خاندان کو لیکر وہیں رہنے لگے۔ لاکھوں روپیکی جائداد خرید لی

نواب سردار علیخاں سیاست کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ پولیٹکل معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں اور آپ ایک زمانہ میں نواب محسن الملک کے ہمدم و ہم راز رہے ہیں سفر حضر میں انکے ساتھ رہتے تھے۔ آپ کو انگریزی زبان میں تقریر و تحریر کی اچھی مہارت ہے طبیعت میں موزونی اور نظم کرنیکی استعداد ہے۔ کلام سے پایا جاتا ہے کہ مشق سخن بہت کم ہے شاہد فکر کی جلوہ طرازی یہ ہے ؎

آفتاب حشر کا جلوہ ہے روئے یار سے — یا قیامت کے نمایاں ہو گئے آثار صبح

کس کی صورت کا تصور دل میں ہے خلوت نشیں
دل ہے یا بیت الصنم یا مطلع الانوار صبح

قد قیامت ہے تو رفتار میں انداز مسیح
لب جاں بخش میں اعجاز ہے تقریر کیا تھ

ہوں میں وہ بلبل ناشاد گرفتار قفس
موسم گل میں بسر ہوتی ہے زنجیر کے ساتھ

سرسبز

سرسبز۔ میرزا زین العابدین خاں عرف میرزا مینڈھو۔ خلف نواب سالار جنگ مرحوم ماموں نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ۔ عہد قدیم کے شعرا میں تھے۔ خوش خلق طباع امیر تھے۔ مصحفی انکی سرکار میں چار سال تک ملازم رہے۔ اور انکی صحبت نے انکو استاد بنا دیا۔ زبان پیاری۔ ادائے بیان سادہ ہے۔ کلام حسن و عشق کے جذبات سے لبریز ہے۔ معاملہ نگاری میں زبان دانی کی میٹھی چھریاں دلوں پر زخم کاری لگاتی ہیں۔ افسوس ہے کہ انکا کلام زیادہ ہاتھ نہ آیا۔ تذکرۂ شعرائے ہند مولفہ شرف الدین میرٹھی سے دو چار شعر انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

کیا حال گریہ پوچھے ہے ہمدم سرشک ہیں
اے تو نچوڑ سے ہے مژۂ اشک بار پر

ہماری آہ پر ہنستا ہے تو کیا
دکھا دیں گے تجھے اسکا اثر ہم

کب خوش آتی ہے مجھے سیر گلستاں تجھ بن
نظر آتا ہے چمن خانۂ زنداں تجھ بن

اپنے عاشق کے نہ بالیں پہ تو آیا صد حیف
جان دی اس نے بصد حسرت و حرماں تجھ بن

شب انتظار گذری ہیں انتظار کرتے
کبھی دوست دوست کرتے کبھی یار یار کرتے

ترا یار اس جگہ تھا نہوا تو ہائے سرسبز
اگر اس گھڑی تو ہوتا تجھے ہم دوچار کرتے

خبر لائی باد بہاری کسی کی
دو چنداں ہوئی بیقراری کسی کی

ترے ہاتھ سے بوئے مشک آئی شانہ
مگر تو نے کاکل سنواری کسی کی

زلیخا کو یوسف کا ہے دھیان گذرا
بچا اس رہ سے آئی سواری کسی کی

میں سرسبز روتا ہوں آتی ہے جب یاد
وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی

جو دوست مرا اسکو پیغام سناتا ہے
وہ صاف مجھے یار و دشنام سناتا ہے

منہ موڑ لیا تم نے اگر مہر و وفا سے
ہم ہاتھ اٹھانیکے نہیں دست دعا سے

جس نے یہ کہا اُس سر کہ جاتی ہے مری جاں ... منہ پھیر کے یوں کہنے لگا میری بلا سے

شمع جب چہرۂ پُر نور دکھاتی ہے مجھے ... یادِ عارض میں ترے اور جلاتی ہے مجھے

اُس کے کوچہ کی طرف میں تو نجاؤں سرشار ... کششِ دل ہے کہ کھینچے لئے جاتی ہے مجھے

سرشار

سرشار - جناب حکیم عبدالصمد صاحب ولد شاہ فضل غوث ساقی بریلوی۔ آپ باشندۂ بریلی کے شرفا میں سے ہیں۔ تقریباً ۸۰ برس کی عمر ہے۔ آپکے والد صوفیٔ باصفا اور درویش کامل تھے۔ جناب سرشار۔ فارسی۔ عربی۔ بھاشا سے واقف ہیں فلسفہ۔ منطق۔ ہیئت۔ نجوم۔ رمل۔ جفر وغیرہ میں بھی دخل ہے۔ تمام روہیلکھنڈ میں آپ کی نباضی کا شہرہ ہے۔ اور ہزاروں مریض آپکے علاج سے شفایاب ہو چکے ہیں۔ علم عروض۔ بیان۔ معانی میں اچھی دستگاہ ہے۔ فن سخن میں نواب عبدالعزیز خانصاحب عزیز بریلوی سے تلمذ ہے۔ بریلی کے وہ قدیم مشاعرے جنمیں۔ تدبیرالدولہ اسیر لکھنوی۔ منشی تسلیم حسین منیر شکوہ آبادی۔ حضرت امیر مینائی۔ نادر شاہ خاں شوخی رامپوری وغیرہ بھی کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔ اُنمیں آپ بھی شامل تھے۔ حکیم صاحب موصوف حضرت حسن مرحوم حضرت خواہاں کے ہمعصر ہیں اور اسوقت بریلی کے اساتذہ میں آپکا شمار ہے۔ نہایت خوش خلق۔ وضعدار۔ زندہ دل شخص ہیں۔ اچھی شگفتہ زمینوں میں شعر کہتے ہیں۔ کلام میں شوخی۔ متانت۔ ظرافت کا رنگ موجود ہے۔ بادۂ فکر کی تراوش یہ ہے

حباب آب گر یہ ہوں مرا عالم نرالا ہے ... زمیں دیکھو تو پانی کی فلک دیکھو تو پانی کا

شکایت کچھ نہیں اب کوئی شکوا ہو نہیں سکتا ... پرایا کر دیا جس دل کو اپنا ہو نہیں سکتا

محبت کی نہ پوچھو کچھ یہ عالم ہی نرالا ہے ... کہ ہو سکتا ہے کیا کیا اسمیں کیا کیا ہو نہیں سکتا

مری قسمت میں جو بدنامیاں تعین ہو چکیں ناصح ... بس اب اس سے زیادہ کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

نغمہ سازیٔ محبت نالۂ دل ہوگیا ... تیرے جاتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہوگیا

ناخنِ غم کی جراحت ہوگئی آخر کو داغ ... یہ مہ نو بڑھتے بڑھتے ماہ کامل ہوگیا

وائے ناکامی کہ بلبل بیٹھی منہ دیکھا کرے ... دھوئے شبنم اور پونچھے چہرۂ گل آفتاب

قاصد میں کیا کہوں وہ تجھکو کہاں ملینگے
یہ اپنے دل سے پوچھو دل سی مرے لگی ہے

قاصد سمجھ کے مجھسے کہنا پیام اُن کا
قیامت ہی سہی ہم منتظر ہیں اسکے وعدے کے

طلسمی مدتیں ہیں وعدۂ معشوق و عاشق کی
ہو خضاب اسکے ستم کا چرخ جتنا پیر ہو

عکس رخ تیرا پڑے تو داغ دل ہوں کام کے
پھیلا دامن کشاں مجھکو سوئے صحرا جنوں

قید ہو جائے تو ہو دیوانہ کا رتبہ بلند

نوجوانان جہاں حیف تمہاری قسمت
یار نوعمر ہے سرشار شراب کہنہ

فنا کے بعد بھی وا چشم انتظار رہے
ملا کے خاک میں برباد کر چلے ہم کو

جو آج آپکے قول و قسم نہ دیکھے ہوں
چراغ دیر و حرم کچھ نہ سمجھے پروانہ

تیغ سے پہلے کیا ذبح ادا سے پہلے
یوں ہے آسودگی تعلق فنا سے پہلے

کچھ نئے فتنے یہ میدان قیامت کے نہیں
پھر جو چاہو سو کرو طالب دیدار کا حال

قتل جبتک ہوں ہیں آنکھوں میں جگہ دو مجھکو
مانگ لونگا تجھے اللہ سے اے بت ورنہ

ہیں آج اسکے گھر میں کل اس مکان میں ہیں
یا تو نہیں دل لگی کی باتیں زبان پر ہیں

موت اور حیات دونوں تیری زبان پر ہیں
وہاں کیا ہیں یہ کل پرسوں کٹی ہکو جہاں برسوں

وہاں کچھ ساعتیں گھٹتے ہیں جنکو دیہاں برسوں
جسقدر رخم ہو کماں اُتنا ہی کاری تیر ہو

سگے وہ انکھ ہوں جن پر شاہ کی تصویر ہو
تو بھی آ اے پنجۂ وحشت گریباں گیر ہو

نردبان بام وحشت پاؤں کی زنجیر ہو

چاند سورج سے حسین حسن فلک پیر کیا تھا
کیا ترا بخت جواں ہے خرد پیر کیا تھا

کھلا ہوا مرا طاق اک سر مزار رہے
خدا کے واسطے دل میں نہ اب غبار رہے

تو ہم کو وعدۂ فردا کا اعتبار رہے
جہاں ہو جلوۂ معشوق جاں نثار رہے

مار ڈالا مجھے قاتل نے قضا سے پہلے
لے سنبھالا کوئی جس طرح قضا سے پہلے

بہت اُٹھتے ہیں تری جنبش پا سے پہلے
دیکھ لو ایک نظر ناز و ادا سے پہلے

رکھو مجرم کو نظر بند سزا سے پہلے
آپ آ جا مرے پہلو میں دعا سے پہلے

ترکِ مقصود ہے سرمایۂ تاثیرِ قبول
ہاتھ مطلب سے اٹھا دستِ دعا سے پہلے

وائے ناکامیٔ تقدیر کہ وہ بھی نہ رہی
تھی اک امیدِ اجابت جو دعا سے پہلے

ابھی اور کچھ حوصلہ ہے تیرا
سمندر تو اے چشم تر ہو گئی

قفس سے لگا بیٹھی دل عندلیب
اڑے کیا کہ بے بال و پر ہو گئی

آنسو میں میرے خونِ جگر کا جو میل ہے
دامانِ تر کے حاشیہ پر سرخ بیل ہے

پہونچا دیا ہے سوزِ دروں نے قریبِ مرگ
باقی چراغِ زیست میں تھوڑا ہی تیل ہے

سرشار سہل سمجھے ہیں آنسو شکستِ دل
لڑکے ہیں توڑنا انہیں شیشہ کا کھیل ہے

پکاری عرش پر یہ آہ دل کی
خبر لے اے مرے اللہ دل کی

وہ دل جسکو پرایا کر دیا کیا اُسکا شکوہ ہے
جب اپنا تھا تب اپنا تھا اب اسکا ہے تو اُسکا ہے

مرا سوز و گدازِ دل بھی تیرا ہی سا ہے ای شمع
کہ جینا زندگی بھر کا ہے رونا عمر بھر کا ہے

تمام اعضا میں تازگی اور گدازگی ہے جزو لازمِ دل
نئی جوانی کا جوبن اُنپہ کچھ آ گیا ہے کچھ آ رہا ہے

لب ہلائیں مجھ میں قوت نہ بات کرنیکی تاب طاقت
بھولے ہیں کیا تم سے اپنی حالت کہ حال اب مجھ میں کیا رہا ہے

عجب شفاخانہ عشق کا ہے کہ موت صحت مرض دوا ہے
جو درد پہلو دبا رہا ہے تو دل کو آرام آ رہا ہے

غم و رنج و مصائب ذلت غمخواری و ناکامی
بہم یکجا ہوئے جب کا "محبت" نام رکھا ہے

سرشار

سرشار۔ سدا شیو راؤ صاحب پنوار۔ آپ ریاست دیواس کلاں کے ساکن ہیں۔ طرزِ بیان سے نومشقی نمودار ہے مگر فکر رنگیں ادا اور ذہن رسا ہے انتخاب یہ ہے۔

سر ہمیں کاٹ کے دے پھیر لے یا دل اپنا
اڑ کے بیٹھا ہے اسی بات پہ قاتل اپنا

بے بدل ظلم میں تم ہم ہیں وفا میں کامل
کوئی ثانی نہ تمہارا نہ مقابل اپنا

اٹھائے صدمۂ دوری کہاں تک
نہیں اب تاب فرقت ناتواں میں

اسی دن کے لئے کہتا تھا سرشار
نہ رکھ ہرگز قدم عشقِ بتاں میں

سرشار

سرشار۔ [illegible] حسان علی۔ آپ سندیلہ کے ظریف شاعر [illegible] کے قریب عمر ہے

سید نعمت علی صاحب ہنر مرحوم سے تلمذ ہے۔ افیوں سے بہت رغبت ہے اسلئے اُسی رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ فلک سیر طبیعت۔ عالی مضامین کا ذخیرہ پیش کرتی رہتی ہے اور یہ سرِ زانو ہوتے ہی بہت دور پہنچ جاتے ہیں۔ شیریں مقالی یہ ہے ؎

افیون پی کے کھائیں جو شیرہ کی ریوڑیاں	کیا گیس کے سلے ہیں مجھ ناتوان پر
ہمارے ساتھ بھی ساماں کیا کیا بخیر قسمت ہیں	ادھر تھیلا ہے کولوں کا اُدھر ڈبیا ہے افیوں کی

سرشار

سرشار۔ شہر یار اقلیم بالمانی و فرمانروائے مملکت رنگین بیانی۔ ناثر نامدار۔ ناظم با وقار پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار۔ آپکے والد کا نام پنڈت بیج ناتھ در تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔ ابھی آپ بچپن کے گہوارہ میں ہوا کھا رہے تھے کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ابتدا ہی سے شوخ اور چلبلی طبیعت پائی تھی۔ ظرافت اور نکتہ سنجی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ آخر کار خداداد ذہانت اور طباعی نے زبان کے پردہ میں اپنا رنگ دکھایا اور دنیائے ادب میں انہوں نے اپنے نام کا سکہ جمایا۔ محلہ میں اکثر شرفائے اسلام رہتے تھے آپ اُنکے گھروں میں بے تکلف کھیلتے کودتے پھرا کرتے۔ انکی طبیعت میں قدرت نے غور و خوض کا مادہ ودیعت فرمایا تھا۔ زبان کی تحقیقات فصیح اور غیر فصیح محاورات کی جانچ پڑتال عامیانہ بولی اور خواص کی شائستہ گفتگو کے امتیاز کرنے کا شوق لڑکپن ہی سے تھا۔ چند ہی سال میں انکو لکھنؤ کی زبان سوہاں کے رسم و رواج۔ طرز معاشرت۔ تمدن کے نکات اسطرح دل نشین ہوگئے جسطرح کسی بچہ کو اہل زبان میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بڑا ہوکر اُنہیں کے لب و لہجہ اور زبان اُدا کرنے لگے۔ جن گھروں میں انکی آمد و رفت تھی وہ انکے واسطے ادب آموز کالج تھے اور آج اُسی تعلیم کی برکت سے اُردو کی فسانہ نگاری میں اُنکا نام سب سے اول ہے۔

سنہ ۱۸۷۷ء میں اخبار اودھ پنچ کا آغاز شباب تھا اور اُسکو ایسے نامہ نگار ہاتھ آئے تھے جو ظرافت کے پیرایہ میں طرز معاشرت کی اصلاح کرتے اور فقرہ فقرہ میں زبان کی خوبیاں دکھاتے تھے۔ اکبر الٰہ آبادی۔ احمد علی کسمنڈوی۔ پنڈت تربھون ناتھ ہجر۔ میرزا مچھو بیگ ستم ظریف عاشق

لکھنوی۔ جیسے سحر نگاروں کی شوخ تحریریں مذاق پسندوں کو گدگداتی تھیں۔ حضرت سرشار بھی لکھیم پور کھیری سے ہفتہ وار مضامین روانہ کرتے تھے۔ انکی اچھوتی انشا پردازی پر پنچ کو فخر تھا اور ناظرین اخبار انکے لطائف و ظرائف سننے کو ہمہ تن گوش رہتے تھے۔

جب منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ نے اودھ اخبار پر حملے کرنے شروع کئے تو منشی نولکشور صاحب کو انکا جواب دینے کیلئے ایک باکمال مضمون نگار کی ضرورت ہوئی اور سب کی نظر انتخاب حضرت سرشار پر پڑی۔ انپر طرح طرح کے دباؤ ڈالے گئے۔ بالآخر۔ دوستوں کے اصرار اور کچھ اپنی ضرورتوں کیوجہ سے حضرت سرشار کو اودھ اخبار کی ایڈیٹری قبول کرنی پڑی۔ اور آپ اودھ پنچ کے نامہ نگاروں کی فہرست سے علحدہ ہوگئے۔ اسی زمانہ میں فسانۂ آزاد بھی اودھ اخبار کے ساتھ نکلنا شروع ہوا۔

فسانۂ آزاد سے پہلے۔ ہندوستان کی افسانہ نویسی۔ جادو۔ طلسم۔ پری۔ دیو۔ خلاف عقل واقعات سے لبریز تھی۔ زبان اور انشا پردازی کے اعتبار سے ایسی کتابیں اس روشنی کے زمانہ میں بھی مستند ہیں اور انکے پڑھنے والے خصوصاً لکھنو اور عموماً ہندوستان میں موجود ہیں۔ حضرت سرشار نے قدمائی انشا پردازی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور میرزا رجب علی بیگ سرور سے بچکر اپنی طبع کی جولانی کیلئے الگ رستہ نکالا اور اُن واقعات کو قلم بند کیا جو فطرتِ انسانی کے مطابق ہوتے ہیں۔ انہوں نے مصور کی آنکھ سے دنیا کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کیا ہے اور لطافت و ظرافت کے پیرایہ میں نہایت شگفتہ اور پھڑکتی ہوئی زبان میں اسکا چربہ اتارا ہے۔ غم کے موقع پر غم اور خوشی کے محل پر خوشی کا اصلی نقشہ کھینچ دیا ہے۔ مکالمات میں ہر طبقہ کی گفتگو کا لحاظ رکھا ہے۔ اور انہیں محاورات اور اصطلاحات کا استعمال کیا ہے جو اس مقام پر بولی جاتی ہیں۔ فسانۂ آزاد بظاہر تو ایک فرضی اور منگھڑت قصہ ہے لیکن حقیقت میں قدیم لکھنو کے تمدن اور طرز معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس جگہ شریف بیگمات کی پاکیزہ بول چال اور پاک دامنی کا حال درج کیا ہے وہاں عفت کا حقیقی مرقع نظر آتا ہے۔ جہاں شوق کر

چوچلے دکھائے ہیں۔ مردانہ الفت اور زنانہ عشقیہ جذبات کا بیان ہے وہاں اپنی شعلہ زبانی سے دلوں میں آگ بھڑکا دی ہے۔ جہاں نوابی غفلت کے پلاٹ ہیں۔ وہاں امیرانہ چال چلن۔ رئیسانہ اطوار اور لکھنؤ کے تمدن و معاشرت کا حال آئینہ ہو جاتا ہے اسمیں شک نہیں ہے کہ سید انشا۔ سعادت یار خاں رنگین۔ جانصاحب بھی اسی میدان میں قدم فرسا تھے مگر ریختی کا دائرہ صرف بیگماتی زبان تک محدود تھا فسانۂ آزاد میں کیا کچھ نہیں۔ عورتوں کے ساتھ مردانہ زبان بھی ہے۔ افیونیوں چانڈو بازوں۔ میخواروں کی اصطلاحیں بھی ہیں علوم و فنون کے نظارے۔ ادبی معرکہ آرائیاں قابل دید ہیں شرفا کی سنجیدہ باتیں اہل کمال کے نکات لائق شنید ہیں ہندوستان میں سب سے پہلا یہی فسانہ ہے جس نے ناول نگاری اور ڈرامانویسی کی بنیاد رکھی ہے۔ اور اسکو دیکھکر فسانہ نگاروں کو یہ احساس ہوا ہے کہ قدرتی سین اور اصلی مکالمے سے انشاپردازی میں کسقدر زور پیدا ہو جاتا ہے۔ فسانۂ آزاد کے سوا اور بھی تصنیفات ہیں آپنے الف لیلیٰ کو بھی اپنی زبان میں لکھا ہے۔ جام سرشار۔ سیر کوہسار۔ کامنی وغیرہ بھی خوب ہیں۔ لیکن ؏ بقبول خاطر حسن سخن خداداد است۔ تمام ادبی جماعتیں فسانۂ آزاد کی معترف ہیں اور یہی نقش اولین انکی بہترین یادگار ہے۔

آنریبل پنڈت بشن نراین در مرحوم کی ولایت کی واپسی پر جو طوفان و شور و شر اکابر پنڈتان کشمیر نے برادری میں اٹھایا اُس سے یہ بیحد متاثر ہوئے۔ اور اپنی خداداد ذہانت اور دوراندیشی عاقبت بینی سے جو خیالات بحر طبع میں موجزن ہوئے انہیں مثنوی تحفۂ سرشار میں جو اسی معرکہ کے متعلق قلم برداشتہ لکھی گئی تھی۔ بڑے دلچسپ پیرایہ میں انکا ذکر کیا ہے یہ مثنوی جو انکی خاص برادری کے باہر بھی نہایت مشہور اور مقبول ہوئی۔ اور جس نے بڑی حد تک سفر ولایت کے جواز کا فیصلہ کرنے میں آسانی پیدا کر دی اور طبیعتوں میں جو خودغرضی اور حسد کے جوش بھرے ہوئے تھے۔ انہیں ہمیشہ کیلئے سرد کر دیا۔ انکی یہ خدمت سوشل ریفارم کے متعلق قابل ذکر اور لایق داد ہے۔

زمانۂ موجودہ کے مصنفین میں صرف مولانا آزاد دہلوی ایسے تھے جنکو سرشار کا ہم پلہ کہا

جاتا ہے۔ سرشار کی طرح وہ بھی طرزِ خاص کے موجد تھے اور دونوں کو اس بات کا لحاظ تھا کہ انشاپردازی میں ایسے نامانوس رنگ کو نہ برتا جائے جو ہندوستان کے مذاق سے الگ ہو۔ یہ امر دیگر ہے کہ سرشار کی عبارت ظرافت کے رنگ میں شرابور ہے۔ ایک ایک لفظ پر بیساختہ پن اور شوخی قربان ہے۔ اور مولانا آزاد سلیس عبارت میں۔ تاریخی۔ اخلاقی علمی۔ نکات بیان کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان دونوں کا دماغ فیضانِ قدرت سے شاداب تھا۔ سرشار میں زباندانی کے علاوہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنیکی خاص قابلیت تھی۔ اور ملک میں جو چند مترجم ہوئے ہیں انمیں درجۂ اعلیٰ حاصل کیا تھا حضرت سرشار کو فنِ شعر میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم لکھنوی سے تلمذ تھا۔ اور انکا نام بڑی محبت سے لیتے تھے۔ آپ منشی نولکشور مرحوم کی ملازمت سے سبکدوش ہونیکے بعد حیدرآباد تشریف لیگئے۔ وہاں مہاراجہ کشن پرشاد نے آپکی قدرافزائی فرمائی آخیر میں تپ دق نے ازحد لاغر کردیا اور بھوک پیاس جاتی رہی کثرتِ شراب سے قوائے جسمانی بہت مضمحل ہوگئے اور حیدرآباد میں ۱۹۰۳ء کو خمکدۂ فانی سے عازمِ میخانۂ جاودانی ہوئے۔ ۵۵-۵۶ برس کی عمر پائی۔ آپ کا کلام عاشقانہ و رندانہ رنگ کا ایک دلفریب مجموعہ جسمیں شوخی۔ متانت۔ زبان کی صفائی عجب لطف پیدا کرتی ہے۔ کسی نے آپکی تاریخ وفات کہی ہے جو یہ ہے ؎

سرشار فصیح و نکتہ پرور نہ رہا
سرمایۂ نازِ اہلِ جوہر نہ رہا
اعجاز قلم کے جسکے سب قائل تھے
وہ نثر کا اردو کی پیمبر نہ رہا

مہاراجہ کشن پرشاد کو آپ سے بہت اُنس تھا کیونکہ آپ ہر وقت کے حاضر باش مصاحب تھے۔ ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں مولف تذکرہ نے مہاراجہ صاحب کی حیرت انگیز زباندانی و لہجۂ اہلِ زبان کی تعریف کی تو مہاراجہ صاحب نے خود زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں ظہیر دہلوی اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کی طفیل صحبت ہی ایسے راست باز اور قدردان اہلِ شراب کہاں ہیں۔ مہاراجہ شیکار کا دم غنیمت زمانہ سے ہے۔ اب حسن پرستانِ سخن۔ عروسِ فکر کی جلوہ آرائی سے ذوق حاصل کریں ؎

سیاہ بخت و سیہ روزگار ہم بھی ہیں — جو اب زلف پریشان یار ہم بھی ہیں
کیا تھا ہم نے زمغت میں ابھی تو قید ہو — گلچیں جو پھول توڑے آسے کچھ سزا نہ ہو ۹
اُس بلبل اسیر کی حالت پہ روئیے — جو فصل گل میں بند قفس سے رہا نہ ہو
کہتا نہیں ہے درد مجھ سے کبھی کچھ اُدھر کا حال — کمبخت دل انہیں سے کہیں مل گیا نہ ہو
نصیب جاگیں گے اک روز حضرت سرشار — لپٹ کے سوئے گا وہ گل گلے لگائے ہوئے
بتوں کے در پہ سب کی جبہ سائی ہوتی جاتی ہے — انہیں کے قبضہ میں اب تو خدائی ہوتی جاتی ہے
وہ چشم فتنہ زا سے دیکھکر آئینہ دیکھتے ہیں — بہت اے شوخ تجھ میں بیحیائی ہوتی جاتی ہے
سنا ہے آج گر دربان تو کل وہ بھی سن لینگے — مری باتوں کی اب اُن تک رسائی ہوتی جاتی ہے
خفا کے رفتہ رفتہ پڑ رہے ہیں بیچ میں پردے — ابھی سے ہے وصل پر آن سے جدائی ہوتی جاتی ہے
شکایت پر کدورت کی دکھاتی ہیں وہ آئینہ — اشارہ ہے کہ اب دل میں صفائی ہوتی جاتی ہے
زمیں آتش نہیں سیماب یارب کیا سبب اسکا — جہاں تک دل ملاتا ہوں جدائی ہوتی جاتی ہے
خدا جانے ہے یہ کیا بھید کیا ہوتا ہے ای کافر — جدھر تو ہے اُدھر ساری خدائی ہوتی جاتی ہے
امید وصل کیا ہو عاشق ناکام کو اُس سے — مزاج یار میں اب پارسائی ہوتی جاتی ہے
پھنسا کر زلف میں دل عمر بھر انکی بلا رکھے — اسیری ہوتی جاتی ہے رہائی ہوتی جاتی ہے
مخاطب ہوں کسی سے بزم میں وہ چوٹ سی مجھ پر — مرے ہی سامنے میری برائی ہوتی جاتی ہے
یہ چرخ پیر دشمن ہے جو اے سرشار اپنی کا — اسیری سے بھی بدتر بادشاہی ہوتی جاتی ہے

دل لوٹ گیا سنتے ہی گفتار کسیکی — سنتا ہی نہیں اب یہ مرا یار کسیکی
پینے پہ جب آتی ہیں تو پھر بس نہیں کرتے — میخانہ میں سنتے نہیں سرشار کسیکی ہو
حال سب میری سخت جانی کا — بارہ کھتی ہے تیر مژہ کے خنجر سے

رباعی

مداح جناب رئیس پیر آیا ہے — وصاف شہ عرش سریر آیا ہے
خورشید کی آنکھ کیوں نہ جھپکے سرشار — ہاں ذرہ خاک کاشمیر آیا ہے

مثنوی تحفۂ سرشار

ساقی نامہ

لندن کی پلا دو آتشہ مے | اے پیر مغاں کہ ہر چھپا ہے
ہن برسے گا میکدہ پر اے یار | رندوں کو جو تو کرے گا سرشار
وا تا پلوا شراب اچھوتی | خوشبو خوشرنگ تیز چوکھی
کوثر کی کھنچی نہیں ہے منظور | لبریزی وہ این جسے پیئے حور
سو جوش شراب ناب لاوے | و تل منہ سے مرے لگا دے
بدمست ہوں پی کے ایک چلو | زاہد کو سنائیں خوب آلو
گھنگور گھرا ہے آج بادل | مینا نہ کو کر دے تو بھی جل تھل
برسا دے شراب ناب ساقی | دکھلا دے اب آفتاب ساقی
فتوائے کاشی کا کون مانے | لاکھوں میں پیوں گھلے خزانے
رم جھم تو برس رہا ہے پانی ؎ | بے مے ہے حرام زندگانی
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند | رندوں کی گردیں باندھ لے بند
لے منہ سے لگا لے جام بادہ | اب بوند بھی پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ | کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چھم | با ناز و کرشمہ و خم و چیم
بحر خوبی زیبائے تا فرق | ہنستی ہنستی ہوئی انا لبرق ؎
پھرکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی | ابھرا سینہ کھلی ہوئی چوٹی
پرکالۂ آتش و ستم و گوش | نسریں تن و نسترن بنا گوش
غیرت دہ گلرخان نوشاد | شیریں حرکات اور پری زاد
پازیب کو خوب چھم چھماتی | پیاری پیاری پھبتیں دکھاتی
لپٹ کے گلے کہے مری جان | جو کچھ کہوں مان لو میں قربان

دنیا سے الگ تھلگ ہیں ہم تم
تو سنسان وہ مقام ہو کا عالم

پی لو یہ شراب پرتگالی
اُفق میں گھٹائیں کالی کالی

یہ سن یہ تلک یہ شورِ مرحباد
یہ بادہ - یہ نقل - یہ پری زاد

گورے ہاتھوں سے بی علیجان
میں صدقے لگا دو مجھکو ایک پان

اس پان کو لیکے آپ کھا دیں
ننھے میٹھے مزے اُڑا دیں

ادھر ہم ہو دھرم ہو پن ہو یا پاپ
جو کچھ ہے سب وہ کیجئے آپ

اور میں بھی کہوں اٹھا کے چلمن
تسلیم جناب قبلہ من

تڑکے کے سلام برہم
شب کو گھٹو سعدہ کرم

کھٹکن سے نہیں دھرم کو کھٹکا
سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا

یارو دنیائے دُوں ہے کس کی
میڈم کی نہ میم کی نہ مِس کی

جنٹل مینوں کو دے تو دے سکی
کسکی رہی اور رہے گی کس کی

قطعہ

اسلاف کے کچھ اثر ہیں باقی
اس راکھ میں کچھ شرر ہیں باقی

گو خوار ہوئے ہیں خود ہی سے ہے
مرجھا گئے پھول بو وہی ہے

جھلکا جھلکا سپیدۂ صبح
ہلکا ہلکا سپیدۂ صبح

تارے چھپتے ہیں جھلملا کر
ہے نور سا جلوہ گر فلک پر

بھینی بھینی مہک گلوں کی
اور نغمہ زنی وہ بلبلوں کی

اے ساقی مہ لقا بدہ مئے
اے مرد خدا بخواب تا کے

وقتِ سحر اور خنک ہوا ہے
بے مے سب کرکرا مزا ہے

اک چلو کے پینے میں یہ تکرار
اٹھو جاگو سحر ہوئی ہے

دریا کی طرف چلے نہانے
غٹ پریوں کے زنان خانے

مرغانِ چمن بہ نکتہ رانی
ہوں برہمناں بہ بید خوانی

نوبت زنگت جا رہی ہے
شہنائی مزا دکھا رہی ہے

پھلینگے پھولینگے گلزار قوم کے اشجار / اٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار
زبان وہ پائی کہ لے نطق سینکڑوں بوسے / طبیعت ایسی ملی شوخ جیسے چنچل نار
سب اس کمال پہ لیکن ہزار بار افسوس / کہ تو نے قدر نہ کچھ جانی اپنی خود زنہار
کمال کیلیئے لازم جو ہے زوال ضرور / اب ایک قطرہ ہے پہلے تھا قلزم زخار
نہ آب و تاب اگلی سی ہے نہ رنگ نہ روپ / نہیں وہ شاہد مضموں کے پھول سے رخسار
نہ حافظہ ہی رہا وہ نہ قوت ادراک / رہے کہاں سے ہر اک شے کی جاہ آخر کار
اسی زمانہ میں تو بھی اسیر ہو جاتا / قبول زہیں نہ ہوتا اگر تجھے انکار

اس ہند میں کیا رہا ہے بھائی / فریاد ہے ہندیوں دہائی
مصری اس باغ کے تھے اک گل / شاگرد ہند کے تھے جزو کل
اک پھول اسی چراغ کے تھے / اک بوند اسی ایاغ کے تھے
سقراط سے لیکے تا بہ لقمان / طفل مکتب تھے اہل یونان
آگے ان کے زمیں سے تا مہ / سب کرتے تھے زانوئے ادب تہ
رامائن میں دکھائے وہ ڈھنگ / ہومر کا بھی جم سکا نہ کچھ رنگ
رنگت ملٹن کی بھی ہے پھیکی / سبحان اللہ والمیکی
کالی داس آں خدائے بینش / سرمایۂ ناز آفرینش
مشہور جہاں کتاب اُن کی / مقبول زماں کتاب ان کی
حفظے بید کے بھی گرے تھے / یونانی جیب میں پڑے تھے
تشریح کے بادشاہ تھے ہندی / تشخیص کے بھی خدا تھے ہندی
کھتائی کے بھی خدا تھے ہندی / اس کشتی کے ناخدا تھے ہندی
دعوے جس کو ہو جان و دل کا / دیکھے وہ فلسفہ لبیل کا
وہ علم و فضل اب ڈبویا / جو کچھ سیکھا تھا سب وہ کھویا

قطعہ تاریخ انتقال پنڈت شیو نراین بہار لکھنوی

اے بہار گلشن علم و ہنر
کیا یہی تھا نخل الفت کا ثمر

ہم سے کر کے خیرباد دائمی
کس طرف راہی ہوئے اے ذی ہنر

قاف سے تا قاف ہیں سب سینہ چاک
یاس و حرماں سے دلوں پر سر بسر

ہو خزاں سے جب مبدل نو بہار
کیوں نہ ہوں سب شکل بلبل نوحہ گر

گل ہوا باغ لیاقت کا چراغ
غنچۂ دل پر خزاں کا ہے اثر

ظلمت ہجراں سے ہے عالم سیاہ
دل سے ہے زلف مہوشاں سے تیرہ تر

خاطر غمگیں پہ چھایا ابر غم
رود غم کی ہے روانی الحذر

شیو نراین تھے حقیقت میں بہار
خلد کے خاصوں میں ہے وہ خاص تر

قطعہ تاریخ حسرت آیات پنڈت تربھون ناتھ ہجر

روانہ سوئے عدم ہو گئے جواں افسوس
مرے برادر خوش فکر و بذلہ سنج دلیق

عیاں ہوا یہ اگر تربھون سے ناتھ سے ملے
جو خلق رکھتے تھے رکھتا ہے کب وہ کوئی خلیق

ظرافت انکی تھی لونڈی بلاغت انکی کنیز
ندیم انکی تھی نیکی تو خیر خیر رفیق

دقیقہ رس وہ طبیعت خدا نے دی تھی انہیں
کہ جسکے آگے نہ ہوا ایک کا کلام دقیق

عدو سے بھی نہیں رکھتے تھے دل میں کینہ و بغض
تمام خلق کے وہ مہرباں تھے سب کے شفیق

نہیں تھا انکے سوا کوئی جوہری سخن
ہر ایک لفظ تھا گوہر ہر ایک حرف عقیق

رلائے ہنستے ہوئے کو کلام میں وہ اثر
ہنسائے روتے ہوؤں کو سخن میں وہ توفیق

کہے کلام کے اعجاز کو جو کوئی سحر
فریب کار ہے مکار ہے ہو وہ ہو زندیق

ہزار سال اگر غوطے مارتے حکما
پہونچتے تہ کو نہ دریائے فکر تھا وہ عمیق

یم معانی باریک کے شناور تھے
خدائے پاک کرے بحر مغفرت میں غریق

پئے وفات دعا یہ کرو رقم سرشار
وصال بحر ہو حوروں سے ای خدائے عتیق

سرشار۔ جناب مدن موہن لال صاحب۔ آپ خیرآباد کے ساکن تھے۔ فن شعر میں مولوی غلام حسین قدرؔ بلگرامی سے اصلاح لیتے تھے۔ فکر کی رفعت ان اشعار سے ظاہر ہوتی ہے ؎

عاشق وہی ہیں مال نہ سمجھیں جو جان کو
کھٹکے میں جان رہتی ہے گردش نصیب کی
احوال پھر وہ دل روشن پہ کھل گئے
اسکا زمانہ آج تو کل اسکا دور ہے
سرشار بادہ خوار یہ مست ہیں مدام

منہ رن سے پھیرتے نہیں جو مرد رن کے ہیں
دن رات مہر و ماہ کو خطرے گہن کے ہیں
روشن چراغ دونوں تری انجمن کے ہیں
یہ ہتکھنڈے قدیم سے چرخ کہن کے ہیں
ممنون لطف ساقی توبہ شکن کے ہیں

سرور۔ نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں خلف نواب ابوالقاسم خاں صاحب۔ شاہجہاں آباد کے نامی گرامی امراء سے تھے۔ آپ مادھاجی سیندھیا کے مشہور مختار و معتمد شاہجی کے پوتے اور دربار شاہی میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے عہد تک آپ کی تاریخی عظمت برقرار رہی اور شاہجہاں آباد کی امیرانہ مجالس میں آپ کا طوطی بولتا رہا۔ پھر زمانہ کے ہاتھوں نے تاریخ کا ورق الٹ دیا۔ مؤلف تذکرہ ریختہ گویان ہند" رقم طراز ہیں کہ آپ ظریف۔ خوش طبع۔ نیکو صحبت۔ دوست پرست۔ مردم شناس۔ بزرگ تھے اور آپ کی طبیعت فن شعر کے مناسب تھی۔ سنہ ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔

آپ سید محمد ذکریا خاں زکی ارشد تلامذہ حضرت غالبؔ دہلوی کے جد امجد تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپنے بڑی محنت سے شعرائے ہند کا ایک ضخیم تذکرہ مرتب کیا تھا۔ جو غدر سے پہلے بہت مشہور تھا۔ شرف الدین میرٹھی مولف تذکرہ شعرائے ہند نے۔ اپنی عدم واقفیت سے آپ کو میرزا محمد بیگ "سامی" کا شاگرد لکھا ہے۔ حالانکہ آپ اپنے والد کے شاگرد تھے جن کا تخلص "صامی" تھا۔ آپنے تذکرہ کی تالیف کے علاوہ دیوان ریختہ بھی تصنیف کیا تھا جو اب ناپید ہے۔ کلام لطف زبان اور حسن بیان میں عدیم المثال

ہے۔ غم واندوہ۔ یاس وحرماں۔ مسرت وشادمانی کے مضامین کو موثر پیرایہ میں ادا کرتے تھے۔ نواب بڈہن صاحب فقیرؔ آپ کی اولاد میں سے تھے۔ اور بعد غدر بھرتپور جا رہے تھے اشعار کا انتخاب نذر ناظرین ہے ؎

بسکہ شب گرم تپیدن یہ دل بیتاب تھا
دل نہ تھا سیری بغل میں پارۂ سیماب تھا

شراب پیکے جو وہ ماہ بے حجاب ہوا
کباب آتش غیرت سے آفتاب ہوا

نامہ کس سوختہ جاں کا یہ لئے جاتا ہے
بازوؤں سے جو جلاتا ہے کبوتر سینہ کا

مرگ بہتر ہے گر نہ ہو تو پاس
ہے مزا تجھسے زندگانی کا

کبھو نہ آگے وہ مانند نقش پا سر کا
ہوا ہے جو ابھی پامال تیری ٹھوکر کا

یہ ٹھہر چکی تھی کہ کبھی اُس سے نہ ملئے
اس بات پہ لیکن دل بیتاب نہ ٹھہرا

لکھدو یہ اگر ہووے خریدار کوئی شخص
دل بیچ رہا ہے سر بازار کوئی شخص

میں نے سرورؔ کی خبر جاکے جو پوچھی دم نزع
اُس نے کچھ بات نکی لیک بھر آئیں آنکھیں

مفارقت سے کوئی کسطرح گذارے دن
سفر سے یار پھرے تو پھر بہا سے دن

پھرتی ہے مضطرب سی بادِ صبا چمن میں
بلبل بتا تجھے بھی کیا گل کھلا چمن میں

دیوانے ہم نہیں ہیں کہ فصل بہار میں
ملنے سے ناصحوں کے گریباں رفو کریں

الم ہو رنج ہو بے طاقتی ہو درد ہو غم ہو
یہ سب کچھ ہمکو ہو یارب ولیکن تو نہ محرم ہو

ہم دیکھتے ہی یار کو بے ہوش ہو گئے
شکوے جو ہم کو تھے وہ فراموش ہو گئے

سرورؔ اُس شوخ کو کیوں نیند سے بیدار کیا
کس لئے فتنۂ خوابیدہ جگایا تو نے

غیر لایا ہے یاں بھر تماشا دمِ نزع
دوستوں سے نہ ہوا وہ جو ہوا دشمن سے

دیدۂ تر سے لگا غط کو نہ اُس کے سرورؔ
یار کے ہاتھ کا لکھا ہے مبادا مٹ جائے

سرورؔ۔ حکیم سید سرور علی صاحب۔ آپ قصبہ موہونہ کے باشندے ہیں۔ جو خیرآباد کے قریب واقع ہے بیس برس سی آپنے شعر کہنا شروع کیا اور حضرت قدرؔ بلگرامی کے شاگرد ہوئے۔ وہ برکن

کی مشقِ سخن سے کلام میں پختگی آگئی۔ آپ بلیغ مضامین فصاحت کے قالب میں اس طرح ڈھالتے ہیں کہ مئے دو آتشہ کا لطف آتا ہے۔ مذاقِ سخن کا نمونہ یہ ہے ؎

کمالِ غم سے میں لے کاش ایسا زار ہوجاتا
کہ گھٹتے گھٹتے جسم اپنا نظر کا تار ہوجاتا

تمہیں سب بے دہن کہتے ہیں تم تو منہ سی کچھ کہتے
کبھی تو حل معمّا یہ دمِ گفتار ہوجاتا

جب آپ مسکرائے مرے حالِ زار پر
بجلی گری چمک کے دلِ بے قرار پر

تارِ نظر سے آنکھوں میں آنکھوں سے دل میں آؤ
یوں آؤ جس طرح خبر آتی ہے تار پر

کچھ دارو گیرِ حشر کا ہم کو خطر نہیں
اپنی نظر ہے رحمتِ پروردگار پر

کیا ہے ذبح بیرحمی سے کیا صیاد ظالم نے
ہلانے بھی نہ پایا آہ مرغِ نیم بسمل پر

وہ میکش ہوں جگر ٹکڑے ہوا ساغر اگر پھوٹا
کوئی شیشہ جو ٹوٹا لگ گئی ٹھیس اک مرے دل پر

لئے جاتا ہے پھر یہ جذبۂ شوق اس طرف مجھکو
نہیں کچھ زور چلتا ضبط کا بیتابیٔ دل پر

کرم تیرا اگر ہو دم میں بیڑا پار ہو جائے
یہ کشتی گنہ پہونچے ابھی رحمت کے ساحل پر

نہ پائیگی نہ پائیگی وہ طرزِ بے قراری کو
عبث برق اتنی مضطر ہے مرے بیتابیٔ دل پر

"جوابِ جاہلاں باشد خموشی" قول سعدی ہے
ہمیشہ ضبط سرور چاہئے گفتارِ جاہل پر

نہ تھی جو رحمتِ بیحد حساب کے قابل
گناہ گار نہ ٹھہرا عتاب کے قابل

واہ کیا خوب ذرا کیجئے دل میں انصاف
جان دے کوئی مگر آپ پہ احساں ہی نہ ہو

پھر ہے کیا آبلہ پائی کا مزا اے سرور
تلوؤں میں جب خلشِ خارِ مغیلاں ہی نہ ہو

میکدہ کھولدے ساقی ہے بہار آنے کو
مئے گلرنگ سے بھر دے مرے پیمانے کو

سوچ بیرحم کو ہے رحم نہ آجائے کہیں
کان رکھکر نہیں سنتا مرے افسانے کو

ہم نے پھبتی یہ کہی چاند گھرا بدلی میں
آئے رخسار پہ جب آپکے اڑ کر گیسو

دردافزا اک عجب یہ عشق کا افسانہ ہے
نالہ بن جائے یہاں شورِ مبارکباد بھی

وہ ستمگر ہیں جفا جو ہیں نہیں اسکی خبر
اُن کے کوچہ میں تڑپتا ہے کوئی ناشاد بھی

ہم تو کیا اس عشق سے خالی نہیں کوئی بشر
مرتے ہیں جنت میں حوروں کیلئے زاہد بھی

سمجھے ہو تم ظلم کا فریاد رس کوئی نہیں
داور محشر جو کوئی ہے۔ تو دے گا داد بھی

ہم کو لے سرور نہ کیوں ہو نیم مصحفی پہ فخر
آج تک ہم نے نہ دیکھا قدر سا استاد بھی

سرور

سرور۔ خواجہ ولایت علیخاں صاحب لکھنوی۔ آپ کے والد حکیم محمد منعم مخمور مصحفی کے تلامذہ میں تھے۔ جناب سرور حضرت اسیر کے ہم مشق اور نازک خیال شاعر تھے۔ فن سخن کی بی حضرت آتش سے تلمذ تھا۔ واجد علیشاہ کے قیام کلکتہ میں کئی برس کے مشاعرے اور ارباب سخن کی ہنگامہ آرائیوں کا مشاہدہ کیا۔ آفتاب الدولہ قلق سے شاعرانہ صحبتیں گرم رہیں اور آخرکار لکھنؤ کو خیرباد کہکر کلکتہ کو اپنا مسکن بنالیا۔ الفاظ کی رنگینی مضامین کی بلند آرائی۔ معانی کی عطر بیزی کے سوا بعض اشعار سے درد کی بو آتی ہے۔ چوٹ کھایا ہوا دل تشبیہ و استعارہ کے پردہ میں بھی آتش کا رنگ تغزل دکھا دیتا ہے۔ مینائے سخن کی تراوش ملاحظہ ہو۔

بزم میں ہر دم فروغ حسن جانانہ رہا
شمع رخ پر دل زمانہ بھر کا پروانہ رہا

برق نے گر کر جلایا ہوں میں ایسا بدنصیب
میری قسمت کا نہ خرمن میں کوئی دانہ رہا

پس فنا بھی نہ رہا اضطراب دل یہ یوں
قرار نعش کو میری تہ مزار نہ تھا

کہ عدم میں نہیں دغدغہ ہے دشمن کا
نہ ڈر ٹھگوں کا ہے اسمیں نہ خوف رہزن کا

اس درجہ اشتہ دامن صیاد کا تھا پیاس
آیا نہ لہو گردن نخچیر سے باہر

کھلے پھل تیغ کے جبدم ہوا بسمل خاموش
دہن زخم ہنسے رہ گیا قاتل خاموش

ستی کس سے یہ کرتا ہے بڑا دیوانہ ہے
ہے ازل سے جان کا پروانہ کی دشمن چراغ

دو ہی دن میں بھول جاتے ہیں عزیز و اقربا
بعد مردن کون لاتا ہے سر مدفن چراغ

آ ی کدورتیں ہوئیں آ کے اسمیں جمع
سینہ میں بن گیا مرے آخر مزار دل

کھتے ہیں چھوٹی سی بھی نہ باتیں بنائے
بہر خدا نہ کیجیے مجھ پر نثار دل

صیاد چھوڑ دے یہی کہتی ہے عندلیب
امید زندگی مجھے ابکے برس نہیں

بہار آئی ہے اے صیاد تجھکو رحم لازم ہے — قفس میں سب اسیران قفس فریاد کرتے ہیں
تم نہ آوگے نہ آوگے مجھے معلوم ہے — جھوٹی بھی میرے سر کی تم قسم کھاتی ہو کیوں
کلکتہ اس کے مٹنے سے آباد ہو گیا — کیا پوچھتے ہو لکھنؤ کے انقلاب کو
ہمارے خون کے پیاسے زمانے کے قاتل — وہ دیکھو بزم میں بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے
اے پری مجھسا بھی دنیا میں کوئی دیوانہ ہے — گھر کے اندر میں ہوں اور باہر مرا افسانہ ہے
دل مرا بکتا ہے جو معشوق چاہے مول لے — قیمت اسکی وصل ہے اور اک نظر بیعانہ ہے
دخل وہ شئے ہے کہ کر دیتا ہے مالک غیر کا — میرے دل میں جلوہ گر جو ہے وہ صاحب خانہ ہے
لبریز مے سے ساغر و مینا کرے — سامان برات یار مہیا کرے کوئی
کیوں شام بنارس کی نہ مشہور جہاں ہو — میلے کہیں دیکھے ہیں یہ دریا کے کسی نے
آرام عجب طرح کا ملتا ہے عدم میں — ہستی کا ارادہ نہ کیا جائے کسی سے
عشق نے تیرے کیا ہے مجھے لاغر ایسا — میں تو سایہ سے بھی کرتا ہوں [illegible]

سرور

سرور۔ آب و رنگ طلسم بیان۔ جادو مقال سحر زبان ناظم نظم دلپذیر۔ ناثر عدیم النظیر مشہور و معروف نزدیک و دور میرزا رجب علی بیگ سرور خلف میرزا اصغر علی۔ فسانہ عجائب کے مصنف اور آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگرد رشید تھے نقد پسند خوش مزاج۔ باسلیقہ انسان تھے۔ ہمیشہ رؤسا نوابوں کی مصاحبت میں [illegible] فسانہ نگاری نے پروان چڑھایا۔ یاران سخن کی محفل سے واجد علیشاہ کے [illegible] شہرت اور ناموری میں چار چاند لگتے ہی۔ راجہ بنارس اور مہاراجہ الور [illegible] داخل ہوئے۔ مگر بمقتضائے حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر الخ رہے چنانچہ بعض موقعہ پر بے چین ہوکر کہتے ہیں ؎

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب — پھرتے ہیں آنکھوں [illegible]
الٰہی لکھنؤ بستا رہے روز قیامت تک — سرور دشت [illegible]

کلکتہ۔ لکھنؤ۔ میرٹھ۔ دہلی اور اچھوتانہ وغیرہ کی سیر و سیاحت بھی کی تھی۔ بڑے یار باش اور زندہ دل تھے۔ بشرف الدین میرٹھی شعرائے ہند کے یاران صادق ہیں۔ تھے۔ ابتدا میں ترجمہ خوانی کا شوق ہوا۔ مگر جب اس گروہ میں رنگ نہ جما تو خوشنویسی کی جانب متوجہ ہوئے گو اسیلئے درجہ کے خوشنویس ہو گئے مگر کاملان فن میں انکا نام نہ نکلا۔ فن موسیقی میں دستگاہ حاصل تھی لیکن نثاری مقفیٰ اور بلیغ سحر نگاری میں اپنے معاصرین سے بازی لے گئے اور کوئی انکا مقابلہ نہ کر سکا۔ آپ طرحدار۔ خوش وضع۔ جوان تھے جامہ زیب بے نظیر یگانۂ وقت تنگ تنگ دست اپنے زمانہ کے زبردست منشی اور قابل مصنف تھے۔ سرور سلطانی۔ شگوفۂ محبت۔ گلزار سرور۔ انشائے سرور۔ شبستان سرور وغیرہ کئی کتابیں انکی تصنیف سے ہیں۔ مگر ... ہے کہ فسانۂ عجائب نور دیدۂ ادب ہے جسکا ہر فقرہ رنگینی میں غازۂ جمال خوباں اور ... تابش عارض محبوباں ہے۔ عروسان مضامین کو آراستہ کرنے میں ... عرق ریزی اور جاں فشانی سے کام لیا ہے ہر بیان میں لکھنؤ کے پری وشاں ماہ رخ ... جلوہ دکھادیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت میرزا غالب جیسے دبیر و نگار نے فسانۂ کو ... تقریظ لکھتے ہوئے اردو میں سرور کو سرخیل نثاراں مانا ہے۔ متعدد لوگوں نے اسکا ... جواب لکھنے پر قلم اٹھایا مگر اس میدان میں کچھ نہ پایا جسطرح اردو مثنویوں میں گلزار نسیم اور ... بے جواب ہے۔ اسی طرح فسانوں میں فسانۂ عجائب انتخاب ہے میرزا سرور ۱۲۸۵ھ ... میں بنارس سے راہی عالم بقا ہوئے۔ آپ کی نظم نثر کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں تھی

... آف بھی نکی	ہو ایک رفیق ملا وہ بھی ... ملا
... سرا دیکھا	ایک پر ایک مبتلا دیکھا
... ہے دل	اپنے کیا جانے یاں سے کیا دیکھا
... جیا رہا سرور بھلا	آپ کا یہ بھی ... دیکھا

آہ پہلو سے رقیب اسکے جو کل پل بیٹھا
پیچ کھایا ہی کیا دل میں مرا دل بیٹھا

رہ روِ ملک عدم لے تو کیا کوچ شرور
بار ہستی نے تو کیوں ہے یہ منزل بیٹھا

گرفتاری کے دن اپنے مجھے کیا یاد آتے ہیں
مرے جب کان میں پڑ جاتے ہیں غل عندلیبوں کا

نفرتِ بدل ہو سنتے ہی مجھکو یقیں ہے
شتمہ میں گر کسی سے کہوں ماجرائے عشق

دل ہی میں رہ نجائے کہیں ابیانِ دل
شاید سن لے دل لگا کے تو داستانِ دل

ایسی ہی بیکلی جو رہی رات بھر کہیں
تو صبح کو نہ پائے گا ہمسرگزشتانِ دل

ہر چند خاک چھانی نہ پایا کہیں سراغ
مجھکو عبث تھا سینہ میں لینے گمانِ دل

کب لگاتا ہے کوئی ان دلِ بے حال کا مول
سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے غرض مال کا مول

توڑ کر خم اور پٹک کر آج پیمانے کو ہم
سوئے مسجد جاتے ہیں زاہد کے بھلا نکو ہم

تعلق ہو دور سے دل سے اضطراب کہیں
الٰہی دورِ فلک نہ ہو انقلاب کہیں

کیا غضب ہے کہ چار آنکھوں میں
دل چراتا ہے یار آنکھوں میں

چشم کیفی کے سرخ ڈوروں سے
چھا رہی ہے بہار آنکھوں میں

گر پڑا طفل اشک یہ مچلا نہ
میں نے روکا ہزار آنکھوں میں

جب سنا اپنا لقب ہوا ہے شرور
روز و شب ہے خمار آنکھوں میں

نسیم صبح ہوں یا بوئے گل یا شمع سوزاں ہو
میں ہوں جب تنگ نہ پیا غرض ہمدم کا ہماں ہو

تنی رہتی ہے اکثر چادرِ مہتاب تربت پر
کہ تا معلوم ہو سب کو قتیلِ مہ جبیناں ہوں

مریض ہجر کو صحت سے اتنا کام نہیں
اگرچہ صبح کو بچ گیا تو شام نہیں

جو تو وہ گل ہے کہ عالم کے دل میں ہے تری جا
تو اسکی آنکھ میں کھٹکا کیا وہ خار ہوں میں

کسی کروٹ کسی پہلو نہیں اب چین ملتا ہے
ہوا ہے غم ترا جس روز سے پہلو نشیں میرا

بے طرح پھر ان دنوں وہ ہم کو ستاتے ہیں
جو خواب میں بھی آ کے صورت کو چھپاتے ہیں

دشمن کے بھی دشمن کو اللہ نہ دکھلائے
جو دن ہمیں فرقت میں اب آپ دکھاتے ہیں

ہے شوق سرور ایسا غالب کہ جو قاصد سے
کوسوں ہی تلک حالت کہتے چلے جائیں

لازم ہے سوزِ عشق کا شعلہ عیاں نہ ہو
جل بجھیے اسطرح سے کہ مطلق دُھواں نہ ہو

کریں اب ترکِ اسبابِ جہاں تجی میں ٹھانی ہے
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے. وہ عہدِ جوانی ہے

نہیں طاقت ابھی اتنی جو ٹھنڈی سانس بھی لیویں
کچھ ایسی ان دنوں میں ہم پہ چھائی ناتوانی ہے

نہ تیغِ ستم گردن جھکا دے جو کوئی ناصح نہ
وہی جانے جو گذری ہے بھلا دیکیا جلانے

درد ہو تپ ہو ضعف ہو اسکی کوئی دوا کرے
جو کہ مریضِ عشق ہو تو یہ ہے وہ کیا کرے

جب مسیحا کی ہو مرضی تب ادائی کیجیے
اس تغافل پیا دردِ دل کی جو دوائی کیجیے

اُس سے کھنچ رہتا ہوں جب ملیں کہیں بھی جس دل
عاشقی نہ کیجیے یا میرزا نی کیجیے

دُوری سے تیری اے صنم سینہ میں دل کباب ہے
عیش کا ذکر کیا مجھے زندگی بھی عذاب ہے

چھوڑ تڑپتا مت میاں کاٹ کے سر کو اوجواں
جاں کنی سے چھٹینگے ہم تجکو بڑا ثواب ہے

اس طرح آہ کل ہم اس انجمن سے نکلے
فصلِ بہار میں جوں بلبل چمن سے نکلے

تجکو نہ ایک پر بھی رحم آہ شب کو آیا
کیا کیا ہی آہ و نالے اپنے دہن سے نکلے

اب ہے دعا یہ اپنی ہر شام ہر سحر کو
یا وہ بدن سے پیشے یا جان تن سے نکلے

ہم گرچہ نقشِ پا تھے یارانِ رفتگاں سے
خاطر میں اس فلک کی تس پر بھی ہم گراں تھے

کیا دیکھ کر تاسف سب نے کیا عزیزو
وہ سنگِ گور بر گشت جو چند استخواں تھے

صحرائے پرخطر میں پوچھو نہ ہم کو کیا تھے
آواز تھے جرس کی یا گرد کارواں تھے

زیرِ زمیں نہ آیا بس چین خفتگاں کو
بیچین میرے ایسے یہ نالہ و فغاں سے

تم نے نہ ہماری کچھ خبر لی
چھاتی پتھر کی کیوں جی کر لی

بدل دے دردِ دل اس دل کے بدلے
الٰہی تو تو رب العالمیں ہے

پھوٹے تپش سے دل کی یہ سب آبلے مرے
منت کشی نہ کرنی پڑی نوکِ خار کی

کسکی خوشی کہاں کی ہنسی کیسا اختلاط
ہم کو نہ چھیڑو تم کہ وہ اب ہم نہیں رہے

سرور

سرور ۔ سید ابوالقاسم صاحب منشی فاضل خلف جناب سید احمد حسن صاحب سپہر رقم ضیار رامپوری ۔ فارسی و عربی کی اچھی قابلیت ہے ۔ دارالتراجم حیدرآباد میں مصحح ہیں فن سخن میں اپنے والد سے تلمذ رکھتے ہیں ۔ جوان آدمی ہیں ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

تیرا بیمار کوئی چند نفس جان سے ہے ؎ لب تک اک آہ بھی آتی نہیں نالہ کیسا
کوئی جھگڑا نہیں باہم ہے فقط فرقِ مذاق ایک ہیں سب حرم و دیر کلیسا کیسا
رات کو ۔ دن کو ۔ کوئی دیکھنے والا دیکھے ہو رہا ہے انہیں پردوں میں تماشا کیسا
جو کرے کام بشر قوتِ بازو سے کرے ؎ عیب کی بات ہے اوروں کا سہارا کیسا
صبر کو درد کی جو لوگ دوا کہتے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا کہتے ہیں
گالیاں دے چکے جی بھر کے مجھے کوس چکے دیکھنا یہ ہے کہ اب دیکھئے کیا کہتے ہیں
جگر میں درد اُٹھے دل کے ٹکڑے ہو کے دم نکلے یہ کہنے کو نہ رہ جائے ترے کوچہ سے ہم نکلے
اگر غایت بوجود و لاوجود شئے کی ہم دیکھیں نظر میں ہر عدم ہستی تو ہر ہستی عدم نکلے
صنم خانہ میں جو دیکھا وہی جلوہ تھا کعبہ میں تلاشِ یار میں کچھ ایک سے دیر و حرم نکلے

سرور

سرور ۔ رشید الدین دہلوی ۔ قدرت اللہ شوق اور مصحفی کے ہمعصر تھے ۔ دہلی چھوڑ کر رامپور جا رہے تھے مولوی غلام جیلانی رفعت سے تلمذ تھا ۔ موزوں طبع اور سادہ گو تھے ۔ کلام ۔ رنگینی ۔ جدت سے خالی ہے ۔ انتخاب یہ ہے ؎

کیا زلف نے اُسکی برباد عالم بچے کیا کوئی ایسی کالی بلا سے
یاد میں اُسکے لبِ لعل مصفا کے سرور رنگ کیا دیدۂ خونبار دکھا دیتا ہے
سبو ہو بادہ ہو ساغر ہو ساقی ہو لبِ جو ہو اگر اوقات کچھ اپنی بسر یوں ہو تو بہتر ہے
بے رحم مرا نزع کی حالت میں مجھے دیکھ کس ناز سے بولا کہ ابھی اس میں دم ہے
کیا خاک سرور اس دلِ محزوں کو مزے ہو جسکے تئیں ہر روز نیا درد و الم ہے

سرور

سرور ۔ منشی عبدالصمد قادری عثمانی بدایونی ۔ مولانا عبدالماجد کے برادر حقیقی ہیں ۔ قدیم شاعر

بدایوں سے ہیں۔ اور آپ کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے مشہور ہے ہونہار نوجوان اور شوخ طبع شاعر ہیں۔ حضرت کیف سے تلمذ ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

تو وہ کہ تجھکو عفو معاصی کا شوق ہے	میں وہ کہ مجھکو ہوتی ہے رغبت گناہ سے
حور و قصور حاصل طاعت اگر ہیں شیخ	تیرا ثواب ہیچ ہے میرے گناہ سے
ساقی کے فیض عام سے ہے صوفیوں کو خوف	لڑ جائے میکدہ نہ کہیں خانقاہ سے

سرور

سرور۔ میرزا عزیز الدین گورگانی۔ ابن میرزا معظم بخت نبیرۂ شاہ عالم۔ آپ علم و ہنر سے بہرہ ور تھے۔ بہادر شاہ کی سب سے عزیز اور لاڈلی بیٹی آغا بیگم صاحبہ کے شوہر تھے۔ اکثر فنون میں دخل رکھتے تھے۔ ہنگامۂ غدر میں موضع بہادر گڈھ سے دہلی میں گرفتار ہو کر آئے اور ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ دنیا سے ناشاد و نامراد گئے۔ کلام یہ ہے ؎

شمع رو تو نہ ہو بے پردہ کہ پروانہ صفت	دیکھ محفل میں ابھی رشک سے جل جاؤنگا
ہوتے ہیں آپ چیں بہ جبیں بات بات پر	یہ ڈھنگ ہے تو ہو چکی صورت نباہ کی
یہ بھی سرور ترک کیا چاہتے ہیں وہ	صحبت جو ہم کو اُن سے ہے گاہ گاہ کی

سرور

سرور۔ حکیم حافظ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب خلف حافظ عبد اللہ دہلوی۔ آپ خوش گو اور شیریں زبان شاعر ہیں۔ فن سخن میں مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ عباسی سندیلوی کے شاگرد ہیں اوائل عمر سے شعر گوئی کیطرف رجحان تھا لیکن سنہ ۱۳۲۳ھ میں مدرسہ طبیہ دہلی سے سند تکمیل حاصل کرکے فن سخن کی جانب متوجہ ہوئے۔ اب تخمیناً چالیس سال کی عمر ہے۔ زبان شستہ بندش چست ہوتی ہے۔ آپ ریاست لوہارو میں بصیغہ طبابت ملازم رہ چکے ہیں۔ اب ریاست نرسنگھ گڈھ میں طبیب خاص کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ خلیق متواضع ملنسار ہیں۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

دیکھا مجھے لیکن غم پنہاں نہیں دیکھا	دل چیر کے تم نے مرا ارماں نہیں دیکھا
اترا نہ کبھی پیرہن حسن بدن سے	جامہ نے بھی تیرا تن عریاں نہیں دیکھا

تو گھر میں رہا بھی تو رہا سب کی نظر میں
پردہ میں بھی ظالم تجھے پنہاں نہیں دیکھا

اللہ رے جوشِ دیدِ دلِ داد خواہ میں
دل سے نکل کے آگئی حسرت نگاہ میں

اک میں کہ آپ اپنی نگاہوں میں ہیچ ہوں
اک تو کہ خلق رکھتی ہے تجھکو نگاہ میں

جن سے تھا لطفِ زندگی نہ رہے
وہ زمانہ وہ آدمی نہ رہے

ظلم کی کچھ تو حد تھا ظالم
کیا زمانہ میں اب کوئی نہ رہے

اے سرور اب یہی ہے عشق کا قول
غم رہے دل میں اور خوشی نہ رہے

سرور

سرور ۔ میر سرور حسین ۔ آپ خوشگویانِ لکھنؤ سے ہیں تخئیل قابلِ داد ۔ انداز بیان پاکیزہ ہے ۔ صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے جو درج کیا جاتا ہے ؎

نشانِ قیس یوں پایا ملا جب نجد میں ہم کو
الجھا پڑا تھا دامن کا کہیں ٹکڑا گریباں کا

سرور

سرور ۔ سخنورِ سراپا کمال ۔ شاعرِ نازک خیال ۔ مقبول ۔ بابو جمہور منشی درگا سہائے سرور آپ سمت ۱۹۲۹ مطابق ۱۸۷۳ء کو قصبہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں ایک سکسینہ کایستھ خاندان میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی درس تدریس سے فارغ ہونیکے بعد اوائل مشق میں مولوی سید کرامت حسین بہار سے مشورۂ سخن کرتے تھے ۔ پھر حضرت بیان یزدانی میرٹھی کے انداز کلام پر فریفتہ ہو کر اپنے آپ کو انکا شاگرد معنوی تصور کرنے لگے ۔

آپ دورِ موجودہ کے اُن بلند پایہ اور گراں مایہ شعرائے منتخب میں سے تھے جنکی جدت طرازی اور سحر بیانی نے اُردو شاعری کے مردہ قالب میں ایک نئی روح پھونکنے میں بیش قرار حصہ لیا ۔ جذبات اور فطرت کی مصوری میں اُردو علم ادب کو قابل فخر بنایا گو نیچرل شاعری کے موجد ہونے کا سہرا زیادہ تر آزاد و شمس العلماء مولانا حالی کے سر رہا لیکن آپ نے نیچرل اور ایشائی رنگ کو ایسی دلفریب ترکیب سے شیر و شکر کیا کہ اسمیں پھیکے پن کے بجائے انتہا درجہ کی حلاوت اور شیرینی پیدا ہو گئی ۔ مناظرِ قدرت اور واقعیت کی نقاشی میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا ۔ مبداءِ فیاض سے آپ کو ایک دردمند دل عطا ہوا تھا اور

طبیعت میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اسلئے جو شعر منہ سے نکلتا تھا۔ دلوں پر نشتر کا کام کر جاتا تھا جب وطن کا جوش اور قومیت کے خیالات انکے کلام کی روح رواں ہیں۔ مگر پھر بھی مغربی استعاروں سے دور بھاگتے تھے۔ اور انہیں ہندوستان کی نیچرل شاعری کے معاملات میں داخل کرتی ہیں۔ اسی طرح تغزل کے عامیانہ رنگ سہل پسندی سے انکی طبیعت کو اُنس نہ تھا۔ مخرب اخلاق مضامین۔ دور از کار تشبیہات۔ گل و بلبل۔ زلف و کاکل کی بوسیدہ حکایت سے انکو نفرت رہی۔ صاف سلجھی ہوئی بندشوں نفیس ترکیبوں سے اپنے کلام کو زینت دینے کا خیال رکھتے تھے۔ انوکھی تخئیل کی پرواز اور معنی خیز مضمون آفرینی انکی طبع عرش پیما کا جوہر ہے۔ آپکی اکثر دل آویز نظمیں اردو کے مشہور رسالوں میں شائع ہوتی رہی ہیں جو قادرالکلامی و رنگین بیانی پر دال ہیں اور وہ زمانہ۔ ادیب۔ مخزن کے اوراق کی زینت دوبالا کر چکی ہیں۔ غزل گوئی کیطرف آپنے زیادہ توجہ نہیں کی مگر اسپر یہ ہے کہ آپکی کوئی نظم شان تغزل سے خالی نہیں جسطرح نظامی گنجہ اور فردوسی طوس کا رہنے والا تھا اسی طرح آپکی ولادت بھی ایک قصبہ میں ہوئی تھی۔ مگر زبان پر کاملہ قدرت حاصل تھی اور خداداد حسن قبول نے آپکی شہرت کو عالمگیر کر دیا تھا۔ ایک بڑا وصف یہ تھا کہ یہ اپنی شاعرانہ فطرت سے تخئیل کی معراج کمال تک پہونچ گئے اور انہوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔ ممتاز ادیب تھا و مولانا حسرت موہانی آپکی بابت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ "سرور جہان آبادی اردو زبان کے ایک ایسے بلند پایہ شاعر تھے جن کی لاجواب نظمیں اردو رسالوں کی زیبائش ہوا کرتی تھیں۔ ہماری نظر سے انکی کوئی ایسی نظم نہیں گذری جسکے پڑھنے کے بعد دل سے بے اختیار تحسین و آفریں کی صدا بلند نہ ہوئی ہو۔ نسیم لکھنوی کی مرگ بے ہنگام کے بعد یہ دوسرا سانحہ ہے جسکا ماتم دنیائے ادب کے ہر گوشہ میں ہوگا۔ اگر سرور کی زندگی وفا کرتی تو خدا جانے انکی شاعری کا مرتبہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا۔ اس قلیل مدت میں جو کچھ وہ کر گئے وہ بقائے دوام کی سند حاصل کرنیکو کافی ہے"

کچھ عرصہ تک آپ ایک رئیس زادہ کے اتالیق رہے۔ پھر دو تین سال تک رسالہ زمانہ کے دفتر میں مامور رہے۔ شاعری کے سوا فن طب میں بھی دخل تھا۔ مگر بدقسمتی سے ہمیشہ پریشان روزگار رہے اور سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیش بہا کلام کو کوڑیوں کے مول فروخت کیا۔ اور ہندوستان کے جادو مقال شاعر کالی داس کی نظموں کو اردو لباس پہنا کر ایسے لوگوں کے نام سے منسوب کیا جو اسکی باریک بینی۔ نازک خیالی و لطافت سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔

آپ نہایت راست باز، منکسر المزاج، حلیم الطبع، متواضع شخص تھے۔ عین عالم شباب میں اپنی بیوی اور اکلوتی جگر گوشہ کی حسرتناک وفات کا پے درپے صدمہ پہنچا جو تا دم مرگ کلیجہ کا داغ بنکر رہا۔ اسی زمانہ میں کچھ اقتضائے طبیعت سے اور کچھ تخلص کی مناسبت سے شراب ناب سے غم غلط کرنے لگے جو بڑھتے بڑھتے قبل از وقت موت کا باعث ہوئی۔ دوران مرض میں شراب کی سخت احتیاط کیجاتی تھی جب ایک روز خدمتگار نے بجائے شراب کے مرحوم کو پانی کا گلاس دیا تو ہنستے اور یہ فرمایا ؎

بجائے مے دیا پانی کا اک گلاس مجھے	سمجھ لیا مرے ساقی نے بدحواس مجھے

افسوس صد افسوس کہ ۲ ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں اردو کا سرمایہ ناز شاعر اس دار فانی کو خیرباد کہکر دار السرور خلد کو روانہ ہوا۔ حضرت شوکت بلگرامی نے اس مصرعہ سے تاریخ وفات نکالی

ع۔ گفت شوکت سرور رحلت کرد۔

آپکا کلام موسوم بہ "جام سرور" وفات حسرت آیات کے چند ہی روز بعد رسالہ ادیب الہ آباد کے پریس میں طبع ہو کر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچا۔ مرحوم کو اپنے کلام کی اشاعت کا بیحد ارمان تھا۔ پروف صحیح کرنیکے لئے الہ آباد کو جانیوالے تھے کہ پیام اجل آگیا۔ آپکی نظمیں زندہ جاوید یادگار ہیں ؎ برق

نقش باطل ہو نہیں سکتا کبھی نام سرور	دہر میں جب تک رہیگی گردش جام سرور

محشر نے تاریخ کہی ؎

ختم کر محشر بس اتنا کہکے نظم تعزیت
اب لیگی خستگوں سے مرثیو کی شمال

آپ نے ۳۲ برس کی عمر پائی میکدۂ معانی کے دو رباعیاں ؎

کسی مست خواب کا ہے عبث انتظار سو جا
اگر گذر گئی شب آدھی دل بے قرار سو جا

یہ تری صدائے نالہ مجھے متہم نہ کر دے
مرے پردہ دار سو جا مرے راز دار سو جا

ابھی دہان پان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل
یہ تپش کا آہ شیوا نگر اختیار سو جا

تجھے جسکا ہے تصور ارے مست جام الفت
نہیں انکھڑیوں کے صدقے مرے بادہ خوار سو جا

تجھے پہلا سابقہ ہے شب غم بری بلا ہے
کہیں مر نہ جائے ظالم دل بیقرار سو جا

(۱) رباعی

شیشوں میں جھلکتی ہے نئے آب نظر
ہوں آکے شریک بزم احباب نظر

ہے نور نگاہ دیدۂ شوق "ادیب"
آنکھوں سے لگائیں کیوں نہ ارباب نظر

دیگر

اتری ہے فصاحت کی پری شیشوں میں
یا نطق کی ہے جلوہ گری شیشوں میں

اوراق ادیب میں ہیں اشعار سرور
یا ہے مے لالہ گوں بھری شیشوں میں

دیگر

اے محو نشاط سونے والو اٹھو
سرمایۂ عمر کھونے والو اٹھو

آتی ہے وہ قافلہ سے آواز جرس
نکلا خورشید سونے والو اٹھو

قطعہ

حسرت کش تکلم ہے آہ اک زمانہ
ہے شیخ و برہمن کے لب پر ترا فسانہ

وحدت کا آہ تیری میں بھی سنوں ترانہ
کچھ سوز عاشقانہ کچھ ساز مطربانہ

پردے میں بانسری کے مجھکو صدا سنا دے
بنسی بجانیوالے وحدت کا گیت گا دے

مسدس

آہ اے خاک وطن اے سرمۂ نور نظر
آہ اے سرمایۂ آسایش جان و جگر

تیرے دامن میں شگفتہ تھے کبھی قدرت کے پھول
گندہ رہتے تھے تری چوٹی میں کبھی وحدت کے پھول

جب تمدن کا بندھا عالم میں شیرازہ نہ تھا
شاہد قدرت نے جب رخ پہ ملا غازہ نہ تھا

بادۂ تہذیب سے خالی تھا جب یورپ کا خم ایشیا کا آہ جب بیڑا تھا تاریکی میں گم
جب نہ تھی یونان میں علم و ہنر کی روشنی جلوہ افروزِ خرد تھی تیرے گھر کی روشنی
آہ اے خاکِ وطن اے جوہر کانِ علوم آہ اے شمعِ ادب اے ابرِ نیسانِ علوم
اُڑ رہا تھا پرچمِ شوکت ترا افلاک پر سرنگوں ہے تیری عظمت کا نشاں اب خاک پر
جھلملا کر بجھ گئے سب تیرے ایوان کے چراغ ہیں جگر کے داغ اب تیرے شبستاں کے چراغ
پھر بھی اے خاکِ وطن اُف ری وفاداری تری چار سو ہے دہر میں نہرِ کرم جاری تری
تیرے جنگل اب بھی ہیں خاکِ وطن مہماں نواز تیرے پُتلے میں ہے قدرت کی ادائے جاں نواز

اے آبِ رودِ گنگا اُف ری تری صفائی یہ تیرا حسنِ دلکش یہ طرزِ دلربائی
تیری تجلیاں ہیں جلوہ فروشِ معنے تنویر میں ہے تیری اک شانِ کبریائی
جمنا تری سہیلی گو ساتھ کی ہے کھیلی اس میں مگر کہاں ہے تیری سی جاں فزائی
اے نازشِ زمانہ اے نقشِ نازِ عصمت بھارت کی پاک دیوی تو ہی ہماری مائی
او پاک نازنیں اور پھولوں کی گتھنے والی سرسبز وادیوں کے دامن میں بہنے والی
حسنِ غیور تیرا ہے بے نیاز ہستی تو بحرِ معرفت ہے اور پاکباز ہستی
ہندوستاں ہی اک دریائے حسنِ قدرت اور آہ میں سکھڑی ہے تو خوش نما کنول کی
نکلی ہمالیہ سے مخمورِ خروش ہو کر تو آہ تشنہ لب تھی وہ جلوۂ ازل کی
کرتی ہوئی زمیں پر موتی نثار آئی درشن کو آہ بھر کے تو ہر دوار آئی

وہ نگاہِ شرمگیں وہ عرضِ منت کے مزے وہ سکوت افزا تبسم وہ محبت کے مزے
شوخیٔ حسنِ جنوں زا مانعِ زنجیرِ شوق نیچی گردن میں حمائل دستِ دامن گیرِ شوق
رازِ الفت کے وہ پیغامِ نہانی ہائے ہائے سرگذشتِ دیدہ و دل کی کہانی ہائے ہائے
آہ جمنا اب کہاں وہ داستانِ حسن و عشق نقشِ عبرت اب ہیں فرسودہ نشانِ حسن و عشق

آہ اے میری کتابو میرے بچپن کی رفیق عالمِ طفلی سے ہو تم میری غمخوار و شفیق

نطق کے پھولوں میں انداز رعنائی کہاں ہے
تم غذائے روح ہو تم صیقلِ اخلاق ہو
یہ سکوتِ روح پرور یہ مسیحائی کہاں
صفحۂ دانش پہ گویا جدولِ اخلاق ہو

اے شمع اے حدیثِ سوزِ غمِ نہانی ہے
تیری طرح ہوں میں بھی سرگرمِ نوحہ خوانی
بھاتی ہے دل کو تیری حسرت بھری کہانی
میرے نصیب میں بھی ہے سوزِ جاودانی

پروانگی تجھے دی قدرت نے سوزِ جاں کی
سینہ میں آگ رکھ دی میرے غمِ نہاں کی

راتوں کو جسطرح تو جلتی ہے انجمن میں
لپٹے ہوئے ہیں شعلے دونوں کے پیرہن میں
جلتا ہوں میں بھی یوں ہی سوزِ غمِ وطن میں
آتش بجاں ہیں دونوں اس محفلِ کہن میں

یعنی گدازِ الفت دونوں کے ہے دلوں میں
دونوں کی روشنی ہے دنیا کی محفلوں میں

اک کھیل امتحاں تھا سوزِ غمِ فنا کا ہے
درماں نہ پاکے آخر اس دردِ نادوا کا
دونوں کو رفتہ رفتہ برقِ ازل نے تاکا
دی تجھکو آگ غم کی شعلہ مجھے وفا کا

تصویر کھینچ دیں ہم سوزِ غمِ وطن کی
اک سوزِ انجمن کی اک سوزشِ وطن کی

سکوتِ شام میں ہے جلوۂ بہارِ شفق
خوشا وہ عالمِ طفلی خوشا وہ موسمِ گل
کہاں وہ ذوقِ تماشا کہاں وہ ابرِ بہار
کدھر گئی وہ گل افشائے افشانیٔ عروسِ فلک
شباب بن کے میں طفلی کی نیند سو جاؤں
آہ او ننھے سے کیڑے نازشِ صحرا ہے تو
کچھ عجب عالم ہے تیرے حسن کے انداز کا
کنول کے پھول ہیں یا زینتِ کنارِ شفق
خوشا وہ دن کہ میں تھا محوِ انتظارِ شفق
لہو کی بوند ہے اب دل میں یادگارِ شفق
بہت دنوں سے ہوں حسرت کشِ بہارِ شفق
نسیم دے مجھے اوری لبِ کنارِ شفق
شعلہ زارِ حسن کی چھوٹی سی اک دنیا ہے تو
سرخ ڈورا ہے کسی چشمِ فسوں پرداز کا

گل بداماں ہے شفق میں شعلۂ تنویر حسن		خون عاشق یا زمیں پر ہے گریباں گیر حسن
جلوۂ گل سے ہے فضائے وادیٔ پرخار میں		سرخ تکمہ ہے قبائے سبزۂ کہسار میں
محضر خون شہیداں ہے ترا دامان سرخ		یا ہے خون کشتگان عشق کا عنوان سرخ
سبزۂ کہسار نے یا لعل ہے اُگلا کوئی		چن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی
زمیں پہ برف زمستاں ہے تا بزانو آہ	برف	لب نسیم پہ ہیں نالہائے دلجو آہ
کہو کہ چرخ کا گھنٹہ ذرا سنبھل کے بجے		صدا ہو دہی کلیجہ مسل مسل کے بجے
تمام سال گذشتہ ہوا دریغ دریغ		رفیق مجھسے ہوا اک جدا دریغ دریغ
پھولوں میں اے دل تجکو چھپا کر	دل	سورج کی کرنوں سے بچا کر
دن بھر تیری کی رکھوالی		تجھپہ کسی نے آنکھ نہ ڈالی
شام سے کیوں ہے مضطر سوجا		پھولوں کے بستر پہ سو جا
حسرت لے عنفوان برنائی	[illegible]	رخصت لے کاروان رعنائی
اے وہ سودائے خط و خال کہاں		نہ وہ ہم ہیں نہ وہ خود آرائی
گل رخساریوں ہے پژمردہ		جیسے کلیاں چمن میں مرجھائی
رحم لے موج رعشۂ پیری		اپنی کشتی بھنور میں چکرائی
روٹھکر چلدیا جو ہم سے شباب		اُف یہ کس کی ادا تجھے بھائی
حیف تیری نہ قدر کی ہم نے		کھو کے آئی سمجھ تو کیا آئی
یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھول		اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن یہ ہے
بیکس غریب فرقت احباب میں ملول		دُھندلا سا اک چراغ سر انجمن یہ ہے

نوحہ سوامی رام تیرتھ

کون سا موتی ہے گنگا تیرے دامن میں نہاں	قطع ہے قامت پہ کسکے چادر آب رواں
حلقۂ گرداب ہے کیوں آہ چشم خونفشاں	کسلئے ماتم ہیں لب ساحل ہیں سرگرم فغاں

تیری موجوں نے یہ کسکو لے لیا آغوش میں
جوشش گریہ کا عالم ہو ترے سر جوش میں

منزل غور میں ہے ذرہ خلوت آ آ کونسا
آشنا بحر حقیقت کا ہو ایسا کون سا
دوش بر دوش صدف ہو دُر یکتا کونسا
ہو گیا دریا میں دریا مل کے قطرا کونسا

صف اُلٹ کر کون یہ بزم جہاں سے اُٹھ گیا
شمع و پروانہ کا جھگڑا درمیاں سے اُٹھ گیا

خلد سے ہے کسکے لینے کو قضا آئی ہوئی
ڈوبتی ہے کسکی کشتی آج چکرائی ہوئی
ساحل گنگا پہ ہے غم کی گھٹا چھائی ہوئی
موج قسمت کیطرح اک اک ہے بل کھائی ہوئی

آشنا دریا سے قطرہ کون سا ہو سکو ہے
اشتیاق مہر میں شبنم فنا ہونے کو ہے

جاں نثار قوم ایسا غرق طوفاں آہ ہو
ایسا مجموعۂ تصوف کا پریشاں آہ ہو
ایسا جانباز وطن آنکھوں سے پنہاں آہ ہو
بے چراغ اے قوم یوں تیرا شبستاں آہ ہو

داغ ہے تیرے جگر کا تیری منزل کا چراغ
بجھ کے ہو پانی میں ٹھنڈا تیری محفل کا چراغ

آہ اک تشنہ لب ذوق تمنا ہائے ہائے
کھا کے طوفان حوادث کا تھپیڑا ہائے ہائے
ہو غریق رحمت حق۔ رام گنگا ہائے ہائے
تیری موجوں میں ہو گم اک دُر یکتا ہائے ہائے

ہائے اب کیا کہہ کے سمجھائیں دل ناکام کو
رم رہا ہے رام میں لائیں کہاں سے رام کو

بنتی سیتاجی کی

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ناتھ لے چلو
نازک ہی میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا
قسمت نے جب سے باپ کے گھر سے کیا جدا
دیکھا تمہارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو
چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا
سوامی مجھے نہ تم نے نظر سے کیا جدا

تیلی کی طرح آنکھوں میں شام و سحر رہے / پہلو میں بن کے صبر و شکیب جگر رہے
ہمراہ بن کو ناتھ مری روح جائیگی / سایہ کی طرح ساتھ مری رُوح جائیگی
گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو / پاؤ گے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو
شوہر بغیر قالبِ بیجان ہے آہ زن / شمعِ خموش خانۂ ویران ہے آہ زن
یوں ہی تمہارے ساتھ پھرونگی میں بن میں خوش / بھونرا کلی کلی پہ ہو جیسے چمن میں خوش
پیتا مبر سمجھ کے درختوں کی چھال کو / آراستہ کروں گی قدِ نونہال کو
سبزہ بنا کے لائیگا بستر مرے لئے / جھولا جُھلانے آئے گی صرصر مرے لئے
پلکوں سے راہِ دشت کو جھاڑا کرونگی میں / داسی ہوں لیچلو مجھے سیوا کروں گی میں
نہ ہم نفس ہے نہ ہے کوئی غم گسارِ وطن / وطن کی یاد ہے غربت میں یادگارِ وطن
وطن سے لیکے صبا کچھ پیام آئی ہے / کہ آرہی ہے اُڑائے ہوئے غبارِ وطن
زمیں پہ گر نہ پڑوں میں غریب غش کھا کر / سنبھال اٹھ کے مجھے دردِ انتظارِ وطن
پھولوں کا کُنج دلکش بھارت میں اک بنائیں / حبِ وطن کے پودے اُسمیں نئے لگائیں
خونِ جگر سے سینچیں ہر نخلِ آرزو کو / اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں
مِل مِل کے ہم ترانے حبِ وطن کے گائیں / بلبل ہیں جس چمن کے گیت اُس چمن کے گائیں

سرورؔ

سرور۔ سید کاظم حسین رضوی خلف سید ظفر علی حسن۔ آپ مہدی حسین خاں آباد لکھنوی کے تلامذہ میں سے تھے ۱۹۱۶ء میں زندہ و سلامت موجود تھے۔ فکر صائب اور ذہن عالی رکھتے تھے ایک دیوان اور رسالہ علم قرات انکی تصنیف سے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

مر گیا دیکھ کے میں چاند سے رُخ پر گیسو / منزلِ ملکِ عدم کے ہوئے رہبر گیسو
مشکِ نافہ بنا ہر ایک حبابِ دریا / ہاتھ سے اپنے نچوڑے جو نہا کر گیسو
ہم بھی مشتاق ہیں موسیٰ کی طرح جلوہ کے / رُخِ پُر نور دکھاؤ تو اُٹھا کر گیسو

ہو گیا طائرِ دل اپنا گرفتار سرورؔ — دام کس طرح نظر آئے جو ترے رخ پر گیسو

سرورؔ ۔ نواب محبوب علیخاں صاحب ۔ آپ حیدرآباد کے رؤسائے عظام سے ہیں فنِ شعر میں مہاراجہ کشن پرشاد کے شاگرد ہیں ۔ گو ابھی مشقِ سخن کرتے ہیں مگر آغازِ شاعری میں اچھے اچھے شعر نکالتے ہیں طبیعت میں رسائی ذہن میں ذکاوت ہے ۔ کلام یہ ہے ؎

دوست بدظن کہ عدو برسرِ پیکار نہ تھا — کب مری چشمِ تمنا میں نہاں خار نہ تھا

سنبھالے تیغ وہ آتا ہے قاتل — نکل جائے گا تیرا حوصلہ دل

گالیوں سے بھی بدمزہ نہ ہوا — کیسی میٹھی ہیں یار کی باتیں

یہیں پر زور چلتے ہیں یہ زاہد — ذرا مسجد سے نکلے قبلہ رو ہوئے

وہ پہلو سے اٹھکر جب سے گیا ہے — کلیجہ سا بیٹھا کوئی مل رہا ہے

ضبط نے میری شرم رکھلی آج — دل کی بیتابی پردہ در نہ ہوئی

روز و شب عشق میں اسطرح گذاری ہمنے — دن کو تنکے چنے شب کو گنے پیارے تارے

سروشؔ ۔ شیخ مراد علی مرحوم ۔ آپ حضرت ناسخ کے زمرۂ تلامذہ سے تھے کلام میں پختگی ہے ۔ معنی بندی اور صفائی زبان کے اعتبار سے متوسط درجہ کے شعرا میں تھے ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

بچ گئے اب کے اگر عشق کے آزار سے ہم — دل لگائینگے نہ پھر ایسے ستمگار سے ہم

تیر کیوں مارتا ہے تیغ سے کر قتل ہمیں — عشق رکھتے ہیں فقط ابروئے خمدار سے ہم

ٹھنڈی سانسیں نہ بھریں گھڑی کیونکر اے دل — سخت جلتے ہیں تری گرمیٔ بازار سے ہم

دل دیا جسکو سروشؔ اپنا وہی دشمن ہے — رکھیں امیدِ وفا کیا کسی دلدار سے ہم

سروشؔ ۔ صاحبزادہ عبدالوہاب خاں نبیرۂ غلام محمد خاں والئی رامپور ۔ معاملہ اور زبان لکھتے تھے ۔ آپ فنِ سخن میں غالب و مومن کے شاگرد تھے ۔ خلیق ۔ بامروت ۔ ذی وجاہت امرا میں آپکا شمار تھا [illegible] میں ۵۵ برس کی عمر تھی شعر خوب کہتے تھے طبیعت نرالی اور فکر عالی تھی

نمونۂ کلام یہ ہے ؎

شکلِ آئینہ جو خالق مجھے پیدا کرتا	وہ مجھے دیکھتا اور میں انہیں دیکھا کرتا
تھامتا دل کو کہ آنکھوں کو نہ روتے دیتا	ایک میں جھگڑے ہزاروں کہو کیا کیا کرتا
قتلِ عالم کو کیا ایک نظر میں تو نے	کون باقی ہے ستمگار جو پرساں ہوتا
ہیہات بیکلی سے وہ اب ہاتھ دلیہ ہے	رہتی تھی جس میں انکی کلائی تمام رات
سر کا دو سرا نیا مرے زانو پہ نہ رکھو	سو بھی رہو جا کر وہیں جاگے ہو جہاں رات

سریر

سریر۔ سید محمد عباس صاحب کا تاریخی نام منظور علی ہے۔ آپ میر رستم علی مرحوم کے فرزند ہیں اور سنہ ۱۳۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے سن شعور سے شعر گوئی کا ذوق تھا۔ آپکے والد بھی قدیم روش کے شاعر تھے۔ آغازِ سخن گوئی میں اپنا کلام حضرت تمنا لکھنوی اور حضرت جلیل کو دکھاتے رہے۔ پھر حضرت شفق عمادپوری سے اصلاح لینے لگے۔ آپکا دیوان مسمیٰ بہ نظمِ "دل نگار" مرتب ہو چکا ہے۔ زبان صاف اور بندش چست ہوتی ہے۔ تخئیل پاکیزہ۔ اور طرزِ بیان دلکش ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

یوں تو ہونیکو کیا نہیں ہوتا	بے وفا باوفا نہیں ہوتا
حشر میں بھی وفا ترا وعدہ	دیکھیں ہوتا ہے یا نہیں ہوتا
جس کو چاہا وہی ہوا دشمن	آشنا۔ آشنا نہیں ہوتا
اے خضر حیات آپکی ہی موت سے بدتر	وہ بھی کوئی جینا ہے کہ مرنا نہیں ہوتا
دل دیکھے پری زادوں سے مانگا نہیں جاتا	یہ قرض وہ ہے جسکا تقاضا نہیں ہوتا
ہے ہوائے دید سر میں انتظار آنکھوں میں ہے	دل تڑپتا ہے نظر بھی بیقرار آنکھوں میں ہے
ابر سر پر۔ ہاتھ میں ساغر۔ خمار آنکھوں میں ہے	چشم بد دور آج اے ساقی بہار آنکھوں میں ہے
سائے عالم کی نگاہوں میں پھرا کرتا ہے تو	ایک ہی صورت ہے تیری جو ہزار آنکھوں میں ہے
نشۂ عرفاں کی مستی کو تو اے زاہد نہ پوچھ	پی تھی وہ مے آج تک جسکا خمار آنکھوں میں ہے

نیند آئے تو جگہ پائے کہاں فرقت کی رات
پاؤں پھیلائے کسی کا انتظار آنکھوں میں ہے

عوض حوروں کے یارب وہ حسیں مجھکو عنایت ہو
نبھیگی خلد میں اچھی طرح انساں کی

وہ بیکس ہوں مجھے صبح وطن کا لطف دیتی ہے
سیاہی شام غربت کی اُڑاتی دستِ بر دل کی

حیا ہے پردہ والی آبرو اسکی خدا رکھے
چھپی بیٹھی ہے ظالم ڈالکر آنکھوں میں مژگاں کی

ستم ہے اک چشم جادو ہے چار و خم بیاں دیکھیں
غضب چتون، بلا غمزہ، نگہ ترچھی، ادا بانکی

سماں گور غریباں کا اُداسی شمع تربت کی
ہوں آنکھیں جسکی آ کر دیکھ لے تصویر عبرت کی

مقدر ساتھ ساتھ اپنے مجھے رکھتا ہے چکر میں
مرے پاؤں کو بھی گردش ملی ہے میری قسمت کی

ہم ہٹا سکتے نہیں زخم جگر سے پھاہا
اے ستمگر تری بیداد کا پردا ہے یہی

خاک میں دل کو ملا کر وہ کسی کا کہنا
ہم نہ کہتے تھے محبت کا نتیجہ ہے یہی

میں جو روتا ہوں تو ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں سرمد
وہ سزاوار تجھے ہے تجھے زیبا ہے یہی

سرمد (حاشیہ)

سرمد ۔ کابری گیاوی ۔ صوبہ بہار کے نازک خیال شعرا میں سے ہیں نواسہ عماد امام اثر عظیم آبادی ۔ رضا علی وحشت ۔ شفق رضوی عماد پوری نے انکو بلبل بہار کا لقب عطا کیا ہے نمونہ کلام یہ ہے ؎

بہتے ہی رہے اشکوں کے باراں دیدۂ تر سے
اُبلتے ہی رہے طوفاں پہ طوفاں اس سمندر سے

یہ فرطِ ناتوانی سے تنِ لاغر کا عالم ہے
شکن بستر کی ہو لپٹی ہوئی جس طرح بستر سے

چمن سے خانۂ صیاد میں تقدیر لائی ہے
خدا جانے کہاں لیجائیگی صیاد کے گھر سے

مزے آٹھوں پہر لیتا ہوں میں بیتابی دل کے
کوئی رہ رہ کے گویا چھیڑتا ہے دلکو نشتر سے

کئے ہیں جرم بے حد ہو نہیں سکتا حساب انکا
کیا بیخوف مجھکو کثرت عصیاں نے محشر سے

غضب کی سادگی ہے بانکپن ہے کس قیامت کا
ادا کچھ اور ہی نکلی ترے پھولوں کے زیور سے

یہ مطلب ہے کہ اب آنے نہ پائے نامہ بر کوئی
ستم یہ ہے لکھا ہے مجھکو خط خونِ کبوتر سے

سرمد (حاشیہ)

سرمد ۔ منشی رحمت اللہ صاحب ۔ باشندۂ بنارس ۔ جناب رحمت بنارسی سے تلمذ ہے

پندرہ بیس برس سے شاعری کا شوق ہے۔ کلام میں آب و تاب اور ہر شعر نمونۂ شباب ہے زبان کی سادگی طبیعت کی جدت اور اختراع قابلِ تحسین ہے۔ انتخاب کلام یہ ہے ؎

فاش ہوجائے نہ کیوں رازِ نہانِ اہلِ درد
بن گیا غماز خود شورِ فغانِ اہلِ درد

ٹھوکروں سے کیوں مٹاتا ہے ستمگر بار بار
اب بجز تربت نہیں کچھ بھی نشانِ اہلِ درد

تحمل چاہیے عشقِ صنم میں
سرِ یاس اس درجہ گھبرانا ستم ہے

ترا کوسنا یار جاں بخش لب سے
مجھے زندگی کی دعا ہو رہا ہے

یہ ابتدائے محبت یہ نالہ و فریاد
ستم پر تم سے ابھی منہ سے عاشقی ہوگی

سطوت ۔ عالیجناب نواب محمد تقی علیخاں بہادر المخاطب نواب مجید الدولہ بہادر۔ آپ حضرت محمد علیشاہ بادشاہ اودھ کے پوتے اور لکھنؤ کے وثیقہ دار امرا میں سے تھے۔ پہلے حضرت لطافت خلف امانت مرحوم سے اصلاح لیتے رہے۔ انکے انتقال کے بعد جناب فصاحت سے مشورۂ سخن فرمانے لگے۔ ذی علم اور صاحب استعداد شخص تھے۔ آپکے کلام میں جہاں تشبیہات کی زیبائش پرتکلف استعارات کی آرائش ہے۔ وہاں بیساختہ پن اور سادگی بھی ہے معاملہ بندی اور حسن و عشق کے چوچلے نادر مضامین اور چست بندشیں حسن کلام کا زیور ہیں۔ دیوان چھپ گیا ہے اور اسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

جوابِ خط نہ لایا نامہ بر تو کچھ نہیں شکوہ
نکلنا ہی سلامت کوچۂ جاناں سے مشکل تھا

جو اے دل آنکھ سے آنسو نکل جاتا تو کیا ہوتا
یہ ساغر آبِ کوثر سے چھلک جاتا تو کیا ہوتا

وہ آئے تھے عیادت کو کچھ اُن سے بات کر لیتا
ذرا تو اے دلِ مضطر سنبھل جاتا تو کیا ہوتا

وہ مجھکو قتل کرکے زبان سے نہ کچھ کہیں
پر دل میں کہتے ہوں گے کہ یہ بے قصور تھا

نہ کسی میں بھی رہی مہر و وفا میرے بعد
سلسلہ قطع محبت کا ہوا میرے بعد

میں وہ بلبل ہوں کہ گل چاک گریباں رہے
خاک اُڑاتی پھری گلشن میں صبا میرے بعد

نہ رہا عاشق و معشوق میں الفت کا مزا
اُڑ ہی ہوگئی دنیا کی ہوا میرے بعد

شب کو پہلو سے اٹھا جبکہ خفا تو ہو کر
لطف حاصل یہ ہوا عاشق گیسو ہو کر

یہ نزاکت ہی جو آئے مجھے بوسہ کا خیال
بس لب لے جوشش گریہ ٹھہرا سدرہ چہ نہ بڑہ

پاؤں کہتے ہیں کہ چل کوچۂ جاناں کیطرف
ہمارے ہاتھ پہونچنے لگے گریباں تک

ہجوم غم نے مرے ملک دلیں آکے کہا
ضد ہے ہم سی ہوا کے جھوکوں کو

ساتھ چھوڑا دوستوں نے میں چلا سوی عدم
صدا دیتے یہ ہم بازار الفت میں نکلتے ہیں

غبار آرا اڑ کے میرا اسکے دامن سے لپٹا ہے
کسی نے گر مجھے پوچھا تو بولا ہنسکے وہ قاتل

دہن کو اور زباں کو تیری اے دلبر سمجھتے ہیں
دست گستاخ مرے وصل میں ٹہ بہتے جائیں

کاندہا دینا اگر اے یار نہیں ہے منظور
قتل کرتے ہو اگر منہ نہ پھراؤ صاحب

ہماری جاں نکلتی ہے یوں جوانی میں نو
خضر بھی اسکے خط سبز پہ شیدا ہوتے

تو جو آیا ہے مرے ساتھ پئے سیر چمن
ہاتھ اک لگا دے اور کہ قصہ تمام ہو

مٹا کے خاک کیا خاک کو کیا برباد

حسرتیں دل کی ٹپکنے لگیں آنسو ہو کر
زخم دل سب سے مہکنے لگے خوشبو ہو کر

رنگ اسکے گل عارض کا اڑے بو ہو کر
دل مرا آنکھ سے بہ جائے نہ آنسو ہو کر

وحشت دل لئے جاتی ہے بیاباں کیطرف
جنوں دن آ گئے فصل بہار کے نزدیک

خوشی نہ آئیگی اب اس دیار کے نزدیک
گل جو شمع مزار کرتے ہیں

راہ ایسی ہے کوئی ہمراہ چلتا ہی نہیں
کوئی معشوق لے بوسہ کہ اپنا دل بدلتے ہیں

جادہ گور غریباں کی طرف ہو کر نکلتے ہیں
سجدہ میں پاؤں پھیلائے ہوئے آرام کرتے ہیں

اسے کوثر تو اسکو ماہی کوثر سب سمجھتے ہیں
ہے مزا گالیاں تم مجھکو سناتے جاؤ

ایک ٹھوکر ہی جنازے کو لگاتے ہو جاؤ
اپنی صورت بھی تو عاشق کو دکھاتے جاؤ

بہار میں گل تازہ کی جیسے بو نکلے
لب جاں بخش پہ مرتے جو مسیحا ہوتے

دیکھ اشنائے گل و بلبل ہیں ہیں کیا کیا ہوتے
قاتل چلا ہے چھوڑ کے کیوں نیم جاں مجھے

فلک تو مجھے ابھی تک غبار باقی ہے

نکالے خوب وقت ذبح میں نے حوصلے دل کے
وہاں زخم سے بوسے لئے شمشیرِ قاتل کے

دل سوزاں سے دمِ گریہ نہ کیوں نکلے آہ
آگ پانی سے جو بجھتی ہے دھواں ہوتا ہے

خوش نما اس مصحفِ عارض پہ ہے خطِ سیاہ
آبنوسی رحل کیا زیبا ہے قرآں کے لئے

شمع کہتی ہے کہیں غم ہو کہ شادی مجھکو کیا
ہر جگہ جاتی ہوں میں آنسو بہانیکے لئے

میں تو کوچہ میں تمہارے نالہ کش ہوں رات بھر
پاسباں رکھتے ہو ناحق غل مچانیکے لئے

بند آنکھیں ہیں نہیں کچھ ہوش ہے ہنگامِ ذبح
آئے اچھے وقت وہ صورت دکھانیکے لئے

دورِ ساغر میں کوئی جام جو مجھکو نہ ملا
ہنس کے ساقی نے کہا گردشِ قسمت تیری

جلانے کو ہمارے غیر کے اشک
کسی نے پونچھے اپنی آستیں سے

سعد

سعد۔ منشی جوالاناتھ صاحب۔ آپ ریاست جیپور سے پنشن پاتے ہیں اور قانون گویان اجمیر کے منیب ہیں۔ باوجود پیرانہ سال ہونیکے شوخ طبع اور ادا بند ہیں۔ زبان صاف شستہ ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

بھول کر بھی نہ گیا پھر وہ سوئے دیدۂ چمن
جس نے کوچہ ترا اے رشکِ گلستاں دیکھا

آدمی کیا کہ فرشتے کو بھی اے آئینہ رو
تیرے اس حسن خداداد کا حیراں دیکھا

وصل میں غم بڑھ گیا آئی حیا کو دیکھکر
پڑ گئی دل میں گرہ بندِ قبا کو دیکھکر

تھام کر دل اپنا اپنا دنگ تھے سب اہلِ بزم
یار تیری دلربائی کی ادا کو دیکھکر

گرمِ صحبت دخترِ رز سے نہ کیوں ہو آج سعد
صبر کب ممکن ہے زاہد اس گھٹا کو دیکھکر

حیا کا کام کیا کھل کھیل اے شوخ
دمِ خلوت ہی تو ہے اور میں ہوں

جلے دشمن نہ کیونکر رشک سے سعد
مرے گھر شمع رو ہے اور میں ہوں

سعدی

سعدی۔ آپ احمد آباد گجرات کے رہنے والے اور شاہ پوران کے خاندان سے مشہور تھے۔ شیخ عبداللہ کرمانی کے بیٹے۔ شیخ غایت اللہ سے تحصیل علم کی اور انہیں سے شعر و سخن میں استفادہ حاصل کیا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے غلط فہمی سے نظم اردو کی تاریخ میں انکو پہلا ریختہ گو

بتاتے ہیں۔ آپ اپنے کلام کو شیخ سعدی شیرازی سے بہتر جانتے تھے اور اسی بنا پر سعدی تخلص اختیار کیا تھا۔ مولنا ناسخ اپنے تذکرہ میں انکو ولی دکنی کا ہم عصر قرار دیتے ہیں مگر تاریخ اور واقعات اسکی تائید کو تیار نہیں ہیں۔ خزینۂ علوم کا مصنف لکھتا ہے کہ انکی وفات کو چار سو برس کا زمانہ گذرا۔ شیخ قیام الدین قایم مخزن نکات میں تحریر فرماتے ہیں کہ سعدی شیرازی نے دکن کے سفر میں دکھنی زبان میں کچھ شعر کہے تھے۔ شاہ کمال الدین حسین اور میرزا رفیع سودا نے قایم کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ صاحب تذکرہ شمیم سخن رقم طراز ہیں کہ سعدی دکھنی امیر خسرو کا ہم عہد تھا اگر اسے درست سمجھا جائے تو کیا عجب ہے کہ سعدی شیرازی ہی ہوں۔ مولانا حالی حیات سعدی میں لکھتے ہیں کہ بعض اشخاص مشہور درسی کتاب "بوستاں" کو بھی سعدی ہندی کیطرف منسوب کرتے ہیں یہ "کریما" درسی کتاب جو مشرق میں تمام بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اسکے متعلق فصحائے ایران کا خیال ہے کہ یہ شیخ جیسے باکمال کی نہیں ہوسکتی کسی دوسرے سعدی کی ہوگی بعض لوگ اسے سعدی دکھنی کا نتیجۂ فکر بتاتے ہیں کیا عجب ہے کہ ایسا ہو کیونکہ آپ اردو کم اور فارسی بیشتر لکھتے تھے۔ اسی شبہ میں ایرانی مطابع نے کلیات شیخ کے ساتھ "کریما" کو شامل نہیں کیا ہے۔ آپ نے سو برس سے زاید کی عمر پائی۔ کلام کی بہت جستجو کیگئی۔ قدیم تذکروں کی ورق گردانی کے بعد تذکرہ شوق سے دو شعر دستیاب ہوئے ہیں جو یہ ہیں ؎

ہنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

سعادت

سعادت۔ جناب شاہ سعادت مند خانصاحب رئیس آنولہ اعتصام الدولہ کے شاگرد تھے۔ یہ دو شعر انکے ہیں ؎

بادۂ عشق کا سرور ہے غم
اور اس مے کا ہے خمار افسوس
یاس مایوس خبر عاشق پر [illegible]
توجہ گر ہے بصد ہزار افسوس

سعادت

سعادت۔ منشی سعادت علی [illegible] مرادآباد کے باشندے تھے۔ مگر اکبرآباد میں سکونت

اختیار کرلی تھی۔ سراج الدین علیخاں آرزو اور شاہ آبرو کے ہمعصروں میں تھے۔ آپ دور اول کے خوش گو شاعروں میں نامور تھے۔ کلام دل آویز تھا۔ دو شعر جو ملے ہیں۔ درج کئے جاتے ہیں ؎

کس سے پوچھوں دل ہوا ہے گم مرا زلفوں میں رات	اک وہاں مشاطہ تھی سو بیچ میں ڈالے تھی ہات
مثل آئینہ سادہ رویوں کی	منہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے

سعادت

سعادت ۔ شیخ سعادت علی۔ آپ معنی شناسانِ لکھنؤ سے ہیں حضرت حکیم خلف اسیر لکھنوی سے تلمذ ہے۔ طبیعت مضمون طراز۔ ذہن کی رسائی دور تک ہے۔ یہ کلام ہے۔

دوزخ میں جاتے جاتے سوئے خلد جا پڑے	رحمت نے اسکی گھیر لیا آکے راہ میں
ابنائے روزگار پہ کیونکر ہو اعتماد	یوسف کو بھائیوں نے گرایا تھا چاہ میں

سعادت

سعادت ۔ راجہ سید سعادت علی خاں رئیس سنبھیرپور ضلع دربھنگہ۔ آپکے مورث اعلیٰ شیخ ابو سعید خاں۔ شاہجہاں کے وقت میں دلی سے بہار آئے تھے۔ اور ایک بڑی جاگیر بطور آل تمغہ بادشاہ سے خیرخواہیوں کے صلہ میں پائی۔ آپکے والد ابوالاقبال علیخاں بنگالہ میں مشہور شیر افگن تھے۔ چونکہ انکا علاقہ نیپال کی ترائی سے ملحق ہے اسلئے اُن کو اپنے شوق کی تکمیل کا اچھا موقعہ ملا ہے۔ جناب سعادت ایام نابالغی میں وارث ریاست ہوئے۔ اور آٹھ برس تک انگریزی۔ فارسی۔ اردو میں باقاعدہ تعلیم پائی۔ آپ وجیہ۔ خلیق۔ خوشرو نوجوان ہیں۔ اور شکار کے از بس دلدادہ ہیں۔ اور دیگر علوم فنون میں بھی آپکی معلومات قابل قدر ہیں۔ سید مہدی حسن خاں شاداں رئیس رسولپور کی بڑی صاحبزادی انکے عقد میں ہیں۔ مولوی ابوالخیر صاحب خیر دربھنگوی تلمذ حضرت داغ دہلوی جو بانکے پور میں اخبار الپنچ کے اڈیٹر تھے۔ عرصہ تک آپکی مصاحبت میں رہ چکے ہیں۔ اور انہیں کی معرفت لکھنؤ میں آپکا دیوان شائع ہوا ہے۔ پہلے حضرت حفیظ جونپوری کو اپنا کلام دکھایا۔ پھر جناب داغ کے شاگرد ہوئے۔ زمانہ شباب سنہ ۱۹۰۴ء میں جب آپکی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ آپ لکھنؤ تشریف لیگئے تھے۔ اور وہاں کئی ماہ مقیم رہے۔ شب کو اہل کمال

وشعرا کا مجمع گرد رہتا تھا۔

آپکے کلام سے پختگی اور کہنہ مشقی کا اظہار ہوتا ہے۔ زبان صاف ستھری خیالات عاشقانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے اُستاد کے رنگ کو خوب نبھاہا ہے۔ غزلیں تشبیہات رعایات لفظی کے گورکھ دھندے سے پاک ہیں۔ فرسودہ مضامین بھی نئے لباس میں جلوہ گر ہیں طبع عشق آشنا رکھتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے

سوال وصل پہ کچھ غور کی ضرورت ہے / جواب آج نہیں کل ہی سوچ کر کہنا
کبھی جو ضد ہمیں آئی تو پھر برا ہوگا / لپٹ پڑینگے نہ مانوگے تم اگر کہنا
کبھی شراب کبھی حور کا بیاں واعظ / یہ کیسی بات ہے انصاف سے مگر کہنا

چارہ گر عشق کو کہتا ہے جنوں / اس سے بڑھکر خفقاں کیا ہوگا
اب زمانہ میں سعادت اُستاد / داغ سا سحر بیاں کیا ہوگا
کھول دو تم زلف وہ اٹھی گھٹا / سامنا ہو تو بھرے پانی گھٹا
کھول دو جوڑے کو وقت میکشی / خوب ایسے میں مزا دیگی گھٹا
بزم میں اُنکے نہ پائے دور جام / مے چلے جب تک نہ ساقی گھٹا
مل گئی جسدن کبھی اچھی شراب / توبہ توڑی اور فوراً پی شراب
ہو گیا نشہ جوانی کا ہرن / آگ تھی اب ہو گئی پانی شراب
زندگانی کا بھروسا ہو چکا / اب صراحی میں نہیں باقی شراب
پیتے ہیں زاہد بھی چھپ چھپ کر اب / ہو گئی ہے اسلئے مہنگی شراب
قربان آنکی شانِ کریمی کے جائیے / محشر میں دیں سزا جو کریں ہم قصور آج
اے دل تجھے نہ دینگے پہلو میں اب جگہ ہم / تجھکو تو ہے بھروسا دشمن کی دوستی پر
اک دل ہزار صدمے یہ عشق وہ بلا ہے / اللہ کیا بنی ہے الفت میں اپنے جی پر
اور پھر کس سے ہو امید وفاداری کی / کہ پرایا ہوا دل بھی مرا اپنا ہو کر

یا خدا چشمِ کرم اپنے سعادت پہ رہے
خدا کو یاد کر اے دل خدا کو

یہ شرم ہی کہ چراتے ہیں آئینہ سے نگاہ
وہ مہربان تھے تو دنیا تھی مہربان مجھ پر
جنابِ شیخ سے بڑھکر بھی پارسا ہی کوئی
یادگارِ زمانہ تھے جو لوگ
ہاں بھی لکھدے ترے لبوں کے نثار
جذر و مدِ بحرِ محبت کا نہ پوچھ
رہ کے دنیا میں نہیں دنیا میں

کیا پوچھتے ہو اُس صنمِ دلربا کا نام
گھر آیا ابر ہوتے ہی سامانِ میکشی
ظرف کوتاہ ہیں جتنے وہ چھلک جاتے ہیں
کہیں حُسن والوں کو دل دے بھی ڈالو
پرتوِ حسن سے چمکا دے مری قسمت کو

دل کا آنا موت کا پیغام ہے
کہتے ہیں تم خواب میں آئے تھے رات
چھوڑ دو شبِ وصل ہاتھا پائی
چھوڑا نہ حجاب وصل کی شب
کچھ بھید ہے جب تو ان بتوں کا

ہم نے وفا کا نام لیا وہ خفا ہوئے
کتنا بڑھا دیا ہے مری چاہ نے اُنہیں

وہ کہاں جائے کدھر جائے تمہارا ہو کر
بتوں کی یاد ہے ایمان کب تک
یہ سادگی کے پہنتی نہیں ہیں زیور تک
پھری جو انکی نگہ پھر گیا مقدر تک
کہ آپ پی نہیں سکتے شراب کوثر تک
قبر بھی اُن کی یادگار نہیں
ہو چکی ہے ہزار بار نہیں
ابھی قطرہ ابھی دریا ہوں میں
کس قدر تاریک دنیا ہوں میں

لیتے ہیں لوگ لاکھ طرح سے خدا کا نام
پہلے بھی آسماں پہ کہیں تھا گھٹا کا نام
تھوڑی پینے سے بھی کم ظرف بہک جاتے ہیں
بغل میں سعادت نہ یہ روگ پالو
اک نظر دیکھ لے او چاند سی صورت والے

عشق کا آغاز ہی انجام ہے
یہ نئی تہمت نیا الزام ہے
دُہری ہو جائیگی کلائی
آنچل جو ہٹا تو لی دولائی
کلمہ پڑھنے لگی خدائی

سمجھے کہ یہ بھی ایک مرے مبتلا ہوئے
انسان سے وہ بُت ہوئے بُت سے خدا ہوئے

قصۂ عیش گذشتہ کیا کہوں / اب نظر آتے نہیں وہ خواب بھی
کچھ پسیجا وہ ستم ایجاد بھی / موم نالوں سے ہوا فولاد بھی
لے رہی ہے دل جگر میں چٹکیاں / چھیڑتی رہتی ہے اسکی یاد بھی
بے اثر آہِ سحر ہو یہ غلط ہے لیکن / اسکی تاثیر ذرا دیر طلب ہوتی ہے
نہ کہیں شکوۂ غیر تو یہ بات ہے اور / ورنہ ہمکو خبر ان باتوں کی سب ہوتی ہے
پیسا دو گل چڑھا گیا کوئی / اب نہ پردہ بیکسی نہ رہی
اس طرف وہ ادھر اجل آئی / آج کیا کیا کشاکشی نہ رہی
زالِ دنیا کی کیا سعادت فکر / بیسوا ہے رہی رہی نہ رہی
غافل کل کی خبر ہے کسکو / کرنا ہے تو آج کر بھلائی
گھٹ رہا ہے نزع کی سختی سے دم / آپ آجائیں تو بیڑا پار ہے
کیا جانے روزِ محشر انجام کار کیا ہو / دنیا میں اس لئے اب حوروں کی جستجو ہے
دو دن کی زندگی میں اکتا گیا دم اپنا / اے خضر تمکو کیونکر جینے کی آرزو ہے
ذبح کرکے آپ جاتے ہیں کہاں / لوٹنے کا بھی تماشا دیکھئے
دل طلب کرتے ہیں یوں گویا ہے قرض / حسن والوں کا تقاضا دیکھئے
دل میں حسرتِ وصال کی نہ رہی / بند شیشہ میں یہ پری نہ رہی
مے تسنیم کی تو ہے کیا بات / میکدہ کی بھی کچھ تری نہ رہی
گیا شباب خیالِ شباب باقی ہے / مٹا سرور خمارِ شراب باقی ہے
ہوس جدا ہوسیکاریوں کی شیخ سے کیا / ابھی تو ریش پہ رنگِ خضاب باقی ہے
گھٹا ہے ہوا ہے چلے دور ساقی / اب ایسے میں تقوے کا دعویٰ ہی کیا ہے
دنیا میں رہ کے زاہد کیا لطف اٹھائے تو نے / اے مردہ دل جو تجھکو جنت کی آرزو ہے
علاج اس دکھ کا کرتے ہیں مسیحا ہم نہ مانینگے / محبت کا مرض ہوتا ہی اچھا ہم نہ مانینگے

سعادت اسکو کیا کھئے ہمارا یہ عقیدہ ہے
امیر و داغ سے شاعر ہوا اچھا ہم نامینگے

سعید۔ چودہری محمد سعید الدین رئیس اعظم کمیٹرہ نواح بدایوں۔ ولد چودہری تفضل حسین مرحوم آپ بدایوں کے جاگیرداروں میں ممتاز اور وہاں کے رؤسا میں سرفراز تھے۔ ۲۰ ہزار سالانہ کے معافی دار تھے۔ دہلی کلکتہ مختلف مقامات کی سیر کی تھی۔ آپ کو فن زراعت سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔ اور اپنے ضلع میں سالانہ زراعتی نمایش کی بنیاد ڈالی۔ فن شعر گوئی میں پہلے مولوی دلدار علی مذاق مغفور کے سامنے زانوئے تلمذ تہ فرمایا پھر مولوی راشد علی ضیا مرحوم تلمیذ حضرت منیر کے شاگرد ہوئے۔ مسدس زراعت۔ دیوان نعتیہ اور چند کتابیں انکی تصنیف سے ہیں۔ ۵۰ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۸ء میں وفات پائی۔ چودہری صلاح الدین صاحب جو انکے خلف اصغر ہیں انہوں نے ایک شاندار بزم مشاعرہ کا انعقاد کیا تھا جسمیں دہلی و لکھنؤ کے جید شعرا مدعو کئے گئے تھے۔ مرثیہ گوئی میں میر نفیس کے شاگرد تھے۔ زبان میں متانت اور سنجیدگی تھی۔ نہایت علم دوست اور شعرا کے قدر دان تھے۔ کلام یہ ہے۔

مرے مزار پہ کیا کیا نہ بیکسی چھائی
ہوا نہ بعد مرے کوئی نوحہ خواں میرا

آغوش خالی کر گئے تم کیا غضب کیا
اب تک تو زخم بھی مرے دل کا بھرا نہ تھا

اک تغافل ہے ترا لاکھ جفا سے بہتر
فکر ایجاد ستم ہے ستم ایجاد عبث

اک خلق منتظر ہے تری جلوہ گاہ میں
تار نگاہ صرف ہوئے فرش راہ میں

ملنے کا انکے فکر نہ ملنے کا اسکے ذکر
کچھ شغل فراق میں اس کے سوا نہیں

پیری میں چھپے ہیں جوانی کے واہ واہ
فصل خزاں میں نغمۂ فصل بہار ہے

سعید۔ خواجہ محمد سعید۔ فارسی شعر گوئی میں اچھی استعداد تھی۔ قدرت اللہ شوق کے زمانہ میں زندہ تھے۔ انہیں کے تذکرہ سے یہ دو شعر درج کئے جاتے ہیں۔

گڑ گیا یار خجالت سے زمیں میں شمشاد
اس ادا سے جو تجھے باغ میں چلتے دیکھا

عشق آشوب جہاں آفت جاں ہے یارو
پہلا جسکو لگی پھر نہ سنبھلتے دیکھا

سعید

سعید۔ مداحِ آلِ مصطفیٰ۔ ذاکرِ شہیدِ کربلا۔ میرزا جعفر حسین ابن میرزا کاظم علیخاں لکھنوی آپ حضرت نفیس کے شاگرد تھے۔ فارسی میں کامل استعداد تھی۔ سعید کے نانا میرزا جانصاحب اور دادا امداد علیخاں رسالدار شاہی رہ چکے ہیں۔ حضرت سعید کا ذریعۂ معاش کتابت تھا محنت اور جانفشانی سے چالیس پچاس روپیہ ماہوار پیدا کر لیتے تھے۔ منشی آفریں تیز فکر عالی خیال شاعر تھے۔ عاشقانہ رنگ میں شعر کہنا معیوب سمجھتے تھے۔ جو کچھ اُنکا کلام موجود ہے وہ سب منقبت میں ہے۔ مذہباً شیعہ تھے۔ مراثی سلام۔ رباعیات۔ نوحہ جات وغیرہ سے دیوان مملو ہے۔ کلام میں شستگی اور صفائی کے سوا مرثیہ گوئی کے وہ رموز بھی ہیں جن پر خاندان انیس کو ناز ہے۔ قدرت کا مرقع کھینچتے۔ گھوڑے اور تلوار کی تعریف بیان کرنے میں اپنے اُستاد کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور اُنہیں ٹکسالی محاورات کا استعمال کرتے ہیں جو بیان میں جوش اور معنی میں زور پیدا کر دیتے ہیں۔ سلام میں نئی نئی زمینیں نکالی ہیں۔ سنگلاخ زمینوں میں بہترین شعر کہے ہیں۔ راقم تذکرہ کے کتبخانہ میں انکا قلمی دیوان موجود ہے۔ جس کا انتخاب نذر ناظرین کیا جاتا ہے ؎

سلامی جب شہِ بیکس کا میں نے نام لیا | تو دل مرا یدِ قدرت سے حق نے تھام لیا
جو قصدِ مدحِ سرِ زلفِ شاہِ دیں آیا | تو ہم نے ہر بنِ مو سے زباں کا کام لیا
جو چاہتے تو زمیں آسماں اُلٹ جاتے | کہاں حسین نے اصغر کا انتقام لیا
آیا جو حُر سپاہِ سعادت پناہ میں | ہو کر گروہِ شام سے باعزّ و شان جدا
حوریں تھیں اشتیاق ہر اک دل میں بیقرار | باغِ جناں کی کھولے ہوئے کھڑکیاں جدا
اک سو نزولِ رحمتِ باری کیواسطے | کھولے ملائکہ نے درِ آسماں جدا
لینے کو اس طرف سے امامِ اُمم بڑھے | جھپٹے اُدھر صفوں سے حسینی جواں جدا
چومے الگ بندھے ہوئے ہاتھ اقربا نے واہ | انصار نے لئے قدمِ مہماں جدا
بچوں نے بارگاہِ خدا میں اٹھائے ہاتھ | صرفِ دعا تھے مرد جدا بیبیاں جدا

جس کو یہ بہیاں کی خاطر عزیز تھی
اس کے وطن سے کر کے اسے الاماں جدا

کوفہ کی سرزمین میں بلایا لعینوں نے
اس سے کئے عزیز جدا آب و نان جدا

آخر کو چڑھ کے سینۂ زخمی پہ ہائے ہائے
گردن سے کر دیا سر شاہِ زماں جدا

سر کٹ گیا تو لاشس کو پامال کر دیا
مٹی جدا تھی تن پہ سموں کے نشاں جدا

چھوڑا زمیں پہ لاش کو خود کوچ کر گئے
سچ ہے کہ ہیں جہاں سے یہ مہمانیاں جدا

طرز سخن ہر اک کا نرالا ہے اے سعید
سچ ہے کہ ہر بشر کے ہے منہ میں زباں جدا

عکس سے جب سبز پرچم کے بڑھی توقیر موج
خضر کے پائے نظر میں پڑ گئی زنجیرِ موج

پیاس میں آئی نظر جب گردشِ تقدیر موج
مجرئی عباس کے دل پر چلی شمشیر موج

غرق آبِ اشکِ غم میں شہ کے یوں سجاد تھے
جسم لاغر صاف تھا آئینۂ تصویر موج

سرخ روئی ہے غمِ شاہ میں حق جو ہو کر
مجرئی خونِ جگر بہتا ہے آنسو ہو کر

کیا صفا شاہ کے تلوار کی ہو مجھ سے بیاں
ڈھال کے پھولوں سے جاتی ہے نکل بو ہو کر

تیغِ شبیر کا "دم خم" تھا نیا وہ اک غضب
منہ پہ چڑھتی تھی وہ رو داروں کے ابرو ہو کر

بولے عباس کہ پانی جو پیوں بے شہ کے
نکلے فوّارہ گلے سے مرے آنچھو ہو کر

زلف کے عشق میں ہے عارضِ اکبر کا خیال
ہو گئی صبح نمایاں شب گیسو ہو کر

کس گھڑی نکلے تھے گھر سے اے ہائے
پھر نہ آئے شہ مدینے کی طرف

شاہ کے باعث ہی یوں نورِ سحر رنگِ شفق
پرتوِ رو۔ عکسِ خوں۔ نورِ سحر رنگِ شفق

پیرِ گردوں روپ گر ہر دن بدلتا ہی نہیں
ہے سیاہ و سرخ کیوں۔ نورِ سحر رنگِ شفق

سرخ لب روشن بیانی میں جو چمکے شاہ کے
شرم سے ہے سرنگوں نورِ سحر رنگِ شفق

جلوۂ رنگِ طبیعت خوب دکھلایا سعید
دیکھئے لکھتے ہیں یوں نورِ سحر رنگِ شفق

نہیں اشکوں سے ہے تر گریبان آستین دامن
سلامی ہیں یہ پر گوہر گریبان آستین دامن

علی کی تیغ جب رختِ حیاتِ اہلِ کیں کاٹے
تو ہر کافر کے ہوں سترہ گریبان آستین دامن

غم شہ میں مرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہے جگر ٹکڑے
نمایاں چاند ہو جس دم محرم کے زمانہ میں
خوف اعدا سے چھپ گئے یوں سنگدل
مشک سکینہ سے جب پانی بہا ہے غضب
گر غضب بوتراب ہو سبب انقلاب
پانی میں ڈالا نہ منہ گھوڑے نے عباس کے
طرح غزل پر سلام ہے یہ سعید اپنا کلام
فیض آب دہن شاہ رسل کے باعث
رنگ رو سے شہ دیں کا جو اڑا باغ میں عکس
آب تیغ شہ مرداں سے زمیں کے نیچے
دن جاگنے کو رات ہے سونیکے لئے
صرفہ نہ کریں عزائے شہ میں مردم
عاشور ہے کل آج خبر ہے اسکی
یہ شب وہی شب ہے اے محبان حسین
اے جلوہ معنی مہر تاباں کو خجل کر
اے پرتو سخن بارش نیساں کو خجل کر

سلامت رہ سکیں کیونکر گریباں آستیں دامن
تو ہوں مثل کتاں گم گم گریباں آستیں دامن
جیسے کہ ہوتے نقش پڑتے ہی سنگ آب میں
شرم سے تھیں مچھلیاں زیست تنگ آب میں
دشت میں جائیں نہنگ آ میں نہنگ آب میں
مردم آبی ہوئے دیکھ کے ڈھنگ آب میں
اور کا ہو لا کلام قافیہ تنگ آب میں
شور تھا ہو گیا اک بات میں میٹھا پانی
مصحف گل پہ پھرا دم میں سنہرا پانی
منزل قبر عدو ہو گئی کالا پانی
سر تنکے کو جسم ہے بچھونے کے لئے
آنکھیں دی ہیں خدا نے رونیکے لئے
کس کا آرام اور راحت کس کی
شمع ایماں بجھی سحر کو جس کی
اے صاف بیان مہر درخشاں کو خجل کر
اے شمع زباں شمع شبستاں خجل کر

مشتاق لقا گر وہی پھرتے نظر آئیں
پروانہ صفت جو میں وہ گرتے نظر آئیں

اے حسن بیاں اور ہی کچھ ڈھنگ دکھا دے
اے تیغ زباں نظم صف جنگ دکھا دے
مانی متحیر ہو وہ ارژنگ دکھا دے
آئے جو مقابل اسے جو رنگ دکھا دے

قبضہ میں ترے جوہر شمشیر زنی ہے

تو پنج تنی پنج تنی پنج تنی ہے

یاں برق شرربار تڑپ کر نکل آئی
شمشیرِ علی میان سے باہر نکل آئی
بل کرتی ہوئی صورت اژدر نکل آئی
دکھلاتی ہوئی زہر کے جوہر نکل آئی

قایم تھے جو صف میں وہ پرے ہو گئے موذی
کچھ زہر سے کچھ ڈر سے ہرے ہو گئے موذی

اس صف کو ڈبویا کبھی اُس صف کو جلایا
پانی تھا کہیں آگ کہیں تیغ کا سایا
پھل کثرتِ جوہر سے جو پھولا نہ سمایا
خوشبو کی طرح ڈھال کے پھولوں میں در آیا

تاثیرِ خزاں باغِ شجاعت میں عیاں تھی
سوفار کے غنچے نہ ہری شاخ کماں تھی

مرثیہ حضرت قاسم علیہ السلام

عطرِ عروس پانی کی جا ہے دوات میں
رنگینی نظم میں ہے کہ دولھا برات میں
شکر فشانیاں ہیں حروف و نکات میں
شاخیں قلم نکالتا ہے بات بات میں

شیرینیِ زباں سے حلاوت ہے زیست کی
گویا کہ ہر پرے سے لذت ہے زیست کی

گوہر فشانِ مدحتِ لعلِ حسن ہوں میں
مصروفِ زیب و زینِ عروسِ سخن ہوں میں
اب تازگی سے ذاکرِ حالِ کہن ہوں میں
شمع زباں سے زینتِ بزم دہن ہوں میں

جلوہ ہے صاف صاف یہ فیضِ حضور کا
"باتوں کا جھاڑ" جھاڑ بنا ہے بلور کا

باندھا جو سہرا تارِ شعاعی کا مہر نے
شادی رچائی روئے زمیں پر سپہر نے
جلوے دکھائے شاہدِ فیروزہ چہر نے
کی ذرہ پروری دلِ گردوں کی مہر نے

کافور رنگ روئے شب تار ہو گیا

صفحہ زمیں کا مطلع انوار ہو گیا

وہ بلبلوں کی زمزمہ پردازیاں کہیں
آپس میں چہچہے کہیں غُل بازیاں کہیں
قمری و فاختہ کی خوش آوازیاں کہیں
شمشاد و سرو کی وہ سرافرازیاں کہیں
کیونکر نہ دل شگفتہ ہوں ہر پاکباز کے
باہم معاملات تھے راز و نیاز کے

تیار ہو کے حضرت ابن حسن چلے
تنتے مثال خسرو خیبر شکن چلے
خیمے میں چھوڑی آپ نے تازہ دلہن چلے
کوثر کی تھی یہ چاہ کہ تشنہ دہن چلے
رخصت ملی کہ جلوۂ امید ہو گیا
چہرہ خوشی سے غیرت خورشید ہو گیا

دیکھا ہر اک شریر کو خیرالوریٰ کی طرح
نیزہ سنبھالا غیظ میں خیبر کشا کی طرح
پڑھنے لگے رجز حسنِ مجتبیٰ کی طرح
غربت برس رہی تھی شہِ کربلا کی طرح
تودہ جو ریگ کا تھا وہ ہم سنگ طور تھا
چاروں خدا کے نور کا یک جا ظہور تھا

لیکر کمانیں فوج سے مانند تیر آئے
دو پیش و پس تو راست و چپ دو تبر آئے
چاروں قریب قاسمِ گردوں سریر آئے
نامرد نیزہ ور ابن شہ قلعہ گیر آئے
حیران ہوئے وہ خوش یہ ہژبر حسن ہوا
گویا کہ چار آئینہ زیب بدن ہوا

اے تیغ خامہ برق کے جوہر دکھا مجھے
انداز ضرب حیدر صفدر دکھا مجھے
خوں ریزیاں چمک کے سراسر دکھا مجھے
دو ٹکڑے چار حد کو برابر دکھا مجھے
کیسی زبانیں تیز ہیں کیسی صریر ہے
غل ہو کہ ذوالفقار جناب امیر ہے

اونچا کیا جو تیغ کو اُس دیں پناہ نے — دیکھے کمند کے کئی حلقے سپاہ نے
حسرت سے ہاتھ مل لئے اُس روسیاہ نے — حملہ کیا خبیث کے جگر بند شاہ نے
دامِ اجل میں آ کے شقی گرد ہو گیا
تلوار کی جو آنچ لگی سرد ہو گیا

لشکر کے ہوش اڑ گئے ازرق کے سر کے ساتھ — ٹکڑے اُڑے لعین کے دل و جگر کے ساتھ
روحِ علی و روحِ حسن تھی پسر کے ساتھ — شاباش کہتے تھے اُدھر اکبر پدر کے ساتھ
عباس داد دینے کو تڑپ کر جو آتے تھے
تسلیم کر کے ابنِ حسن مسکراتے تھے

ازرق کے ساتھیوں پہ کیے ہم جھپٹ کے وار — روکے بھی اور کھائے بھی غازی نے ڈٹ کے وار
کیونکر بچائے ایک ہزاروں کے غٹ کے وار — نیزے کا کھایا دل پہ یکایک پلٹ کے وار
دولہا کی جان کیسی مصیبت میں پڑ گئی
ہے ہے بنی بنائی لڑائی بگڑ گئی

واللہ لئے سعید یہ فیضِ نفیس ہے — تائیدِ روحِ پاک جنابِ انیس ہے
کیا تیرے مرثیے کی عبارت سلیس ہے — جو نقطہ ہے وہ ملکِ سخن کا رئیس ہے
ایک ایک سطر سلکِ جواہر سے کم نہیں
یہ وہ رقم ہے جس سے کچھ اعلیٰ رقم نہیں

ہیں حنا سے بنے قاسم کے جواہر ناخن — رنگ دکھلاتے ہیں خوبی کے مقرر ناخن
کہتے ہیں دیکھ کے سب صاحبِ جوہر ناخن — لعل و یاقوت ہیں مہندی سے سراسر ناخن
پہلے تھا غیرتِ الماس و گہر ہر ناخن

دیکھ کر تیغۂ ضرغامِ علی کی صولت — کاوشِ سکتہ سے فق شامیوں کی ہے رنگت
ناخنِ شیر صفت نشترِ قضا صفت — چھیلتے ہیں جگر زخمیٔ اہلِ حسرت

آئینہ کہتے تو رکھتے ہیں یہ جوہر ناخن

ہائے کسکو تھی ابن اتقاد کی دنیا میں خبر — کہ گریں گے شہ دیں گھوڑے سے کٹ جائیگا سر
کہتے تھے طفلی میں سب دیکھ کے قدِ سرور — گردن گاوزمیں آئے گی زیرِ خنجر
اگر ترشنے میں گرے روئے زمیں پر ناخن

بولے اعدا سے یہ برہم شہ والا ہو کر — دین کو کھوتے ہو تم طالبِ دنیا ہو کر
دیکھو کیا ہو گئے شاہانِ جہاں کیا ہو کر — نامور خاک میں پنہاں ہوئے پیدا ہو کر
مٹ گئے نقش درم نقشِ کفِ پا ہو کر

شب عاشورہ سکینہ نے یہ زینب سے کہا — رات کو آنکھ نہ جھپکی ہے نہ آئے بابا
شام سے کیا کہوں اے خواہرِ شاہ دوسرا — تا سحر اُس رخِ روشن کا تصور نہ گیا
شب کو خورشید رہا آنکھ کا تارا ہو کر

پوچھا عابد سے کسی شخص نے اے قبلۂ گل — ہجر میں اصغر و اکبر کے گئے آپ تو گھل
رو کے کہنے لگا غنچہ دہنِ ختمِ رسل — چل بسے طائرِ نکہت کی طرح غیرتِ گل
چمن دہر میں ہم رہ گئے کانٹا ہو کر

سعید۔ مولوی سید ابو القاسم لکھنوی۔ آپ خاندانِ اجتہاد سے ہیں۔ مولوی محمد مصطفی خورشید مرحوم لکھنوی کے شاگرد اور برادر عم زاد ہیں۔ علم عروض و معانی سے واقف ہیں۔ طبیعت سلجھی ہوئی ہے۔ خیالات متین۔ بندش میں صفائی ہے۔ انداز بیان تکلف سے بری ہے۔ کلام یہ ہے۔ سعید

بیکسوں پر ظلم کیوں کرتا ہے سوچ انجام کار — ایک دن تو بھی فنا اے آسماں ہو جائیگا
ناتوانی کوچۂ جاناں میں رہنے کی ہوس — پھر ہر اک جا کے جنت میں جواں ہو جائیگا
دلمیں کہتے ہیں یہ حسرت سے اسیرانِ کہن — اب نہ چھوٹیں گے قفس ہی آشیاں ہو جائیگا
شبِ فراق کی حالت پہ ہر شکن ہے گواہ — تڑپ تڑپ کے گذاری ہے رات بستر پر
نہ ہوگا کم کسی صورت سے درد عاشق کا — اب اس مریض کو بس چھوڑ دو مقدر پر

کریم بھیجدے جنت میں یا کہ دوزخ میں	گناہ ہوں مرے نظا برنۂ اہل محشر پر

سعید — سعید طالع - خان محمد سعید خاں - دلی میں رہتے تھے - جوانی کے عالم میں شاہزادہ دارا شکوہ کے بھائی مراد بخش کی سرکار میں ملازم ہوے - جب شاہجہاں بیمار ہوئے اور عنان سلطنت دارا شکوہ کے ہاتھ میں آئی تو اس موقعہ پر آپنے فارسی قصیدہ لکھکر فصاحت اور بلاغت کے دریا بہادئے جس کے صلہ میں دربار شاہی سے خطاب "خانی" و خلعت فاخرہ مرحمت ہوا. فارسی میں سعید اور اردو میں سعید طالع تخلص کرتے تھے - یہ غزل اسی زمانہ کی کہی ہوئی معلوم ہوتی ہے جب دارا شکوہ کے ملازم تھے - شاید جامۂ دارائی سے دارا شکوہ کی ملازمت و خرقۂ اطاعت مراد ہے - دلی و کنی سے بہت پیشتر گذرے ہیں ؎

چھوڑ صیاد مجھے اب تو بہار آئی ہے	حسرت سیر چمن جی میں رہی جاتی ہے
مت تصور کرو مجھکو کہ یہ ہرجائی ہے	جلوۂ حسن پری رو کا تماشائی ہے
کوئی دنیا میں نہیں اور مقام عاشق	گوشۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے
گلرخاں کیوں نہ کہیں مجھکو سعید طالع	اس قدر بر میں مرے جامۂ دانائی ہے

سعید — سعید - جناب نور وز علی صاحب لکھنوی - خوشگو - نازک طبع شاعر ہیں - گر متروکات کے پابند نہیں ہے "ولیکن" جیسے الفاظ کو جائز سمجھتے ہیں - پھر بھی زبان اور طریقہ بیان میں کسی قدر دل آویزی ہے - آپ حضرت رفیع لکھنوی کے شاگرد ہیں - فکر کی رنگینی یہ ہے ؎

بہار آئی شمیم گل سے ہر اک کیاری مہک رہی ہے	تمام شاخیں ہری بھری ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
کبھی ہے ابرو کی یاد میں جاں کبھی ہے دلکو خیال مژگاں	جگر پہ وہ تیغ چل رہی ہے سناں یہ دل میں کھٹک رہی ہے
سعید وصلت پہ ہم راضی کیا ہے میں نے انہیں و لیکن	کہیں نہ بھڑکا دے غیر انکو یہ بات دل میں کھٹک رہی ہے

سعید — سعید - منشی محمد سعید صاحب بلگرامی - آپکو ابتدائے عمر سے شعر گوئی کا چسکا ہے - اب ۴۰ سال کی عمر ہے - اپنے خسر چودہری عبد الصمد صاحب تعلقہ دار گوپامئو کے دولت خانہ پر مشاعرہ کرتے ہیں اور وہیں رہتے ہیں - سعید ہی سادہی زبان میں صاف شعر کہتے ہیں - اپنے ہم زلف حضرت

قصبۂ سندیلہ سے مشورۂ سخن رکھتے ہیں۔ کلام یہ ہے۔

ستم کرتا ہے دل جانِ حزیں پر
قفس ہی کو گلستاں جانتے ہیں

ہمارا صبر پڑتا ہے بسمیں پر
یہیں پیدا ہوئے نکلے یہیں پر

روح تو ہر جسم میں ہے بیوفائی کے لئے
کس خدائی سے وفا آئی خدائی کے لئے

ہیں رقیبوں کی برائی تم سے کیوں کرنی لگا
وہ نہیں مجھکو برا اپنی بھلائی کے لئے

تم رہے دشمن کے گھر فرقت ہمارے گھر رہی
وصل کے تم نے مزے ہمنے جدائی کے لئے

سے اچھے ہوں تو ہم جانیں کہ ہاں اچھے ہیں وہ
پھر نہیں کیا گر وہ لپٹے ہیں خدائی کے لئے

سعید سعید ۔ سید سعادت علی خلف سید مہر علی ۔ آپ اکبرآباد کے باشندہ تھے۔ میرزا حاتم علی مہر سے تلمذ تھا۔ عہدۂ قضا انکے خاندان میں عرصۂ دراز سے چلا آتا ہے۔ آگرہ میں شاعری کی نشوونما ہوئی۔ مؤلف تذکرۂ شعر وسخن کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ سنہ ۱۲۸۶ھ میں انکی عمر ۴۴ سال کی تھی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے کسی زمانہ میں مدرسی کا شغل بھی تھا۔ غنچۂ گلدستہ نثر گلزار سعادت۔ ذخیرۂ سعادت جیسی کتابیں اور کلیات سعید انکی یادگار ہے۔ آگرہ میں انکے شاگردوں کی کثرت تھی۔ شعرگوئی میں مشاق تھے طبیعت منجھی ہوئی اور زبان میں سلاست تھی۔ کلام یہ ہے۔

یار بن آنکھوں میں اپنے خار ہے گل باغ میں
ہے نمک پاشِ جراحت خندۂ گل باغ میں

حضرتِ نوح سے کہدو کہ سنبھالیں کشتی
آج طوفان کی خبر دیدۂ تر دیتے ہیں

اک اشارہ پہ اُس ابرو کے کٹے مرتے ہیں
ایک شمشیر ہے اور سینکڑوں سر دیتے ہیں

سب کے نزدیک وہی جانِ جہاں رہتا ہے
دل میں موجود ہے آنکھوں نہاں رہتا ہے

قصۂ دور سب نکتہ نوازی سے چلا ٹھیرے
کبھی جو حمد میں اک نقطہ مقبولِ خدا ٹھیرے

بہی وسعت اپنی دیوانہ کو در سے کیوں اٹھاتا ہے
کہ تیرے لئے زیر سایہ یہ سہارا پا کے آ ٹھیرے

تری دہلیز کو سلطان سرِ سلطنت سمجھے
ترے دیوار کے سایہ تلے آ کر ہما ٹھیرے

چھپائے عارضِ تاباں کو اندھیرے زلفوں نے	شب ہجر رخ [illegible] ات جیسے

سعید - شیخ محمد فدا حسین صاحب - آپ لکھنؤ کے ساکن ہیں جناب حکیم لکھنوی کے حلقہ تلامذہ میں ۲۰ برس سے داخل ہیں - رنگِ کلام پختہ ہے - الفاظ کی بلند و بالا مضامین کی نگارگی سے سخن میں آب و رنگ اور تکلف پیدا کرتے ہیں - لکھنؤ کے قدیم رنگ میں خاصہ کہتے ہیں - کلام یہ ہے ؎

جا کر بنا فلک پہ قدح آفتاب کا	ساغر اُس نے پیکے اچھالا شراب کا
ساقی پلا شراب ہے شب بھر کی چاندنی	بے آفتاب لطف نہیں ماہتاب کا
کندہ ہو جس کے نگینِ دل میں تو انے نقشِ فقر	نام کو دیکھے نہ وہ مہرِ سلیماں کی طرف
حق نے ادنیٰ کو کیا محتاج اعلیٰ خلق میں	پھر گدا کیوں ہاتھ پھیلائے نہ سلطاں کی طرف
جھگڑے ہزاروں بیچ میں حائل وطن کے ہیں	کیا شعبدے ترے نگۂ سحر فن کے ہیں
اک دن دکھا دو لیلیٰ رخ تازہ کی بہار	نازاں چمن میں پھول بہت نسترن کے ہیں
مطلب نہ کفر سے ہے نہ اسلام سے غرض	ہم دوست شیخ کے نہ عدو برہمن کے ہیں
گلدستۂ بہشت نہ رضواں سے مول لو	پژمردہ چند پھول تمہارے چمن کے ہیں
ضد ایک دوسرے کی ہے گلزارِ دہر میں	خنداں ہیں پھول مرغ جو نالاں چمن کے ہیں
نازاں نہ ہو بہار پہ گل کہتی ہے غنچۂ ان	دو چار روز اور یہ جلوے چمن کے ہیں
رائج ہیں نقدِ داغ ترے خوب ہی سعید	سکے دلوں پہ بیٹھے ہوئے اس چلن کے ہیں
دل کے مستی قدر رکھو ئیں وانت کی	وہ بھلا ہیرے کو تسلیم کیا کریں

سعید - کلن صاحب لکھنوی - ۲۵ برس کا عرصہ ہوا میرزا سلیمان قدر لکھنوی کے ہاں ملازم تھے - انہیں کے مشاعرے کے کلام کا خلاصہ درج ہے ؎

بُری معلوم ہوتی ہے صدائے نغمۂ بلبل	اگر اب تک تری آواز کانوں سے نہیں نکلی
نہ آتے ہجر کی شب وہ اگر تو موت آ جاتی	نہ ایسی کوئی صورت آرزوئے دلِ اندوہگیں نکلی

امیدِ وصل پر اب تک مریضِ ہجر زندہ ہیں
غضب ہے جائیگا منہ سے تمہارے گر نہیں نکلی

ہمارے حلق پر کس لطف سے خنجر پھرایا ہے
رگِ جاں سے بھی اے قاتل صدائے آفریں نکلی

کھلی ہو جائینگی آنکھیں کھلیں بعد مرنے کے
کہ وقتِ نزع بھی دیدار کی حسرت نہیں نکلی

نہ جیتے جی ملی راحت مگر چین پاتے ہیں
عدو جب تھا ہمارا چرخ اب دشمن زمیں نکلی

سعید

سعید۔ محمد کرامت علی ساکن ریاست جیپور۔ فارسی میں منشی عالم بعد انگریزی میں میٹرک پاس ہیں۔ تحصیل کیکڑی ضلع اجمیر میں اینگلو اسکول ہیڈ مولوی ہیں۔ پہلے ریاست کشن گڑھ میں ملازم تھے۔ فن شعر میں حضرت قتیل میرسری کے شاگرد ہیں۔ عمر تقریباً ۴۰ سال ہے۔ کلام کا انتخاب حسب ذیل ہے۔

طالبِ خنجر جو کوئی سخت جاں ہو جائے گا
زورِ بازو کا تمہارے امتحاں ہو جائے گا

میں وہ غم کش ہوں بیاضِ دہر میں اے عندلیب
جو مرے نالے سنے گا نوحہ خواں ہو جائے گا

گر رہا قائم خیالِ اتحاد و اتفاق
تفرقوں سے پاک سب ہندوستاں ہو جائے گا

دل لگی کو خط کتابت یار نے کی تھی شروع
کیا خبر تھی اس قدر کاغذ گراں ہو جائے گا

ساز و برگِ زندگی حضرتِ انساں سعید
کیا گراں ہو ہو کے بالکل بے نشاں ہو جائے گا

زلفِ کافر نے بھلا ڈالا ہے سب کچھ ہمکو
اک تری یاد ہے اللہ کرے یاد رہے

ہم تو محروم بھی رہ کر یہ دعا دیتے ہیں
کہ سدا میکدہ ساقی ترا آباد رہے

سعید

سعید۔ مولوی محمد سعید صاحب ۱۹۱۶ء میں مقام بلیا کے سب رجسٹرار تھے۔ حضرت فائز بنارسی کے شاگرد ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

پر ضیا عشق کے جلوے سے ہے مدفن کیسا
کام آیا ہے خیالِ رخِ روشن کیسا

دیکھتے ہیں جب لکھتا ہوں چلو گھر میرے
آپ ہی میں جو نہیں آپ تو مسکن کیسا

پھر تو گل سے ہوئی سرخ چمن میں قمری
رنگ لائی ہے پری بنکے یہ جوگن کیسا

میں نے مانا کہ غلط ہے خبرِ قتل سعید
پھر ہے آلودہ خوں آپکا دامن کیسا

سعید

سعید۔ سید سعید احمد صاحب خیرآبادی حضرت ریاض کے برادرزادہ ہیں۔ طبیعت چلبلی

اور شوخ ہے۔ کلام سے مستی اور ذوق شباب کا رنگ نمایاں ہے حضرت وسیم کے شاگرد ہیں۔ انتخاب یہ ہے ؎

چہرہ اُتر رہا ہے عروس بہار کا
عالی ہے ظرف شیخ تہجد گزار کا

سے پیکے یادِ حق سے یہ غافل نہیں رہا
ممنون ہوں میں گریۂ بے اختیار کا

دامن سے اپنے پوچھ رہے ہیں وہ میرا اشک
سایہ میں برگِ گل کے ہو مرقد مزار کا

ہو غسل کو گلاب کفن برگِ گل کا ہو
دھوکا ہے تیری آنکھ پہ ابر بہار کا

گریاں وہ مجھکو دیکھ کے کہتے ہیں لے سعید
کیا ہو گیا وصال کسی بادہ خوار کا

ہائے دل جس کو لہو ہم نے پلا کر پالا
آنسو ہوتے ہوئے پیوند زمیں دیکھ لیا

سعید۔ منشی محمد سعید صاحب رئیس کیامئی۔ آپ نواح بمبئی کے طبیعت دار سخنوروں میں سے ہیں حضرت تجمل جلالپوری سے تلمذ ہے۔ زبان دل نشیں ہے سوچ سمجھکر شعر کہتے ہیں اور انداز بیان میں سادگی ہوتی ہے۔ کلام یہ ہے ؎

وہ بت اس قدر خود نما ہو گیا
سمجھنے لگا میں خدا ہو گیا

جو نے پیکے یاد آئی ساقی کی آنکھ
خمارِ محبت سوا ہو گیا

کس طرح ہوگی بتا لے شام ہجر یار صبح
صبح سے بیزار ہوں میں مجھسے ہی بیزار صبح

دل مرے بخت سیہ کا نہ گیا پر نہ گیا
تیرے گیسو تو سنورتے ہیں پریشاں ہو کر

تنگ آئے ہیں ہم گردش تقدیر سے لیکن
جائیں گے کہاں چرخ کے چکر سے نکل کر

باقی ہے وہی شرم و حیا آج بھی اُن کی
ہیں دُور کھڑے مجمع محشر سے نکل کر

پاس عدو تو دیکھے مجھکو قریب دیکھکر
آنکھ بدل کے بیوفا کہنے لگا الگ الگ

یوں ہی خدا کرے کہ ہو غیر بھی تیری بزم سو
جیسے قبولیت سے ہے میری دعا الگ الگ

کچھ چھیڑ چھاڑ اور ہنسی دل لگی رہے
پتلے بنو نہ وصل میں شرم و حیا کے تم

بوسہ جو آنکھ گیسوئے مشکیں کا لے لیا
بولے وہ ناز سے کہ نڈر ہو بلا کے تم

سب کو عمرِ جاوداں درکار ہے	جستجوئے آبِ حیواں کیا کریں
سامنے داورِ محشر کے کسی کا کہنا	محفلِ عام میں رسوا نہ کرو تم مجھکو
نقدِ دل لیکے تعرض ہی یہ اچھا اُن کا	دلربا کہکے پکارا نہ کرو تم مجھکو
ہجر میں یار کے دشوار ہے جینا مجھکو	ایک ایک پل ہوا ایک ایک مہینا مجھکو
آج ہی ملئے نہ آشنا غیر سے	کچھ تو رکھئے عید کے دن کے لئے
سمت دوزخ کی جو محشر میں گنہگار چلے	روک کر راہ کھڑی ہوگئی رحمت تیری
چھیڑ کر کہتے ہیں وہ ملتے ہیں جب	کیوں نظر آتے ہو تم بیمار سے
بچئے اے شیخ پیری میں ضرور	مئے سفید از حد ہے اس سن کیلئے
ہوئے جب تنگ ہم سوزِ جگر سے	لگی دل کی بجھائی چشمِ تر سے
کیوں خرامِ نازِ جاناں کی وہ شیدائی ہوئی	بار ہا کی ہے۔ قیامت ٹھوکریں کھائی ہوئی

سعید

سعید۔ شمس العلماء مولانا محمد سعید قدس سرہٗ۔ آپ ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے ہیں ؎

روز شنبہ بود روز مولدم	سالِ میلادم بداں صافی ضمیر

۱۲۳۱

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ پھر تکمیل علوم کیلئے کانپور و لکھنؤ کا سفر اختیار کیا۔ مولانا شاہ سلامت اللہ کانپوری اور مولانا مفتی ظہور اللہ عطا فرنگی محلی کے درس سے فیض یاب ہوئے۔ اور وہیں دستارِ فضیلت بندھی ۱۲۶۲ھ میں حج کیلئے روانہ ہوئے اور حرمین شریفین کے مشہور علما محدثین سے سندِ اجازت علم حدیث حاصل کی۔ آپ عظیم آباد پٹنہ کے بڑے عالم اور باکمال رئیس نامور تھے۔ صاحب ثروت ہوکر بھی درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اکثر لوگ آپ سے مستفیض ہوئے ہیں۔ انتقال سے چند سال پیشتر گورنمنٹ عالیہ نے آپکو شمس العلماء کا خطاب دیا تھا۔ ۱۳۰۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار محلہ مغلپورہ عظیم آباد میں ہے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے تھے۔ فارسی میں آپکا تخلص حسرت اور اردو میں سعید تھا۔ قرطاس البلاغت اور نیز کلیات موسوم بہ مقصد بلاغت شایع ہوچکا ہے۔ غزلیات میں عالم عرفان کی واردات۔ دنیا کی

بے ثباتی تصوف اور معرفت کا ذائقہ ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں ؎

رہا محروم میں بھی خوبی تقدیر سے ورنہ
اُس تیر نگاہ کا ہدف ہو
یہ دولت فقر کی کچھ کم نہیں ہے
فرشتہ ہے جو عصیاں سے بری ہے
ہیں ابر و برق کیوں خنداں و گریاں
نہیں وہ دل نہ ہو جس میں غم عشق
کعبہ کنشت مسجد و بتخانہ صومعہ

لٹی دولت دردولت سرائے یار کیا کیا
کیا تیرا جگر سعید تو کیا
اگر دنیا نہیں کچھ غم نہیں ہے
نہ ہو جس سے گنہ آدم نہیں ہے
غم و شادی اگر توام نہیں ہے
نہیں وہ چشم جو پُر نم نہیں ہے
دکھلائے شوق یار نے کیا کیا مکاں مجھے

سعید — مولوی سعیدالدین عثمانی خلف مولوی شرف عرف پناہ علی۔ آپ بنارس کے باشندے ہیں۔ دہیں مختار عدالت ہیں۔ عربی۔ فارسی کی استعداد اچھی ہے۔ انگریزی بھی جانتے ہیں۔ اوائل عمری سے شاعری کا مذاق جزو طبیعت ہوگیا ہے۔ آپ نے چودہ سال کی عمر میں ایک مسدس لکھا جو بنارس کی دنیائے شاعری میں مقبول ہوا۔ آپ ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

فارسی اُردو قصائد لکھنے میں مشاق ہیں۔ پیغمبر اسلام کی سوانح عمری بھی نظم کرچکے ہیں۔ تصوف سے طبیعت کو لگاؤ ہے۔ بعض شعرا تنا بلیغ اور بلند کہتے ہیں کہ معنی خلوہ الفاظ کی نقاب میں چھپ جاتے ہیں۔ یا دوسرے پیرایہ میں یوں کہئے کہ شعر کے معنی آپ کے ذہن مبارک میں رہتے ہیں۔ بہرحال آپ خاندانی شاعر ہیں۔ حضرت امیر مینائی مرحوم سے مل چکے ہیں اور اُن سے اپنے کلام کی داد پاچکے ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے ہنگام میں ایک طول طویل رسالہ حالات و کلام کا موصول ہوا جس کا انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

رباعی

نابود تھا جس نے ابتدا کو دیکھا
قائل ہمہ اوست کا جو ہے حسن خیال
طلسم سبزۂ خط نور جاں سے ہے روشن کا

اور بود ہوا جو انتہا کو دیکھا
سجدہ کیا بت میں جب خدا کو دیکھا
فروغ بال طوطی آئینہ ہے مرغ گلشن کا

فلک فانوس روشن ہے کسی شمع مدفن کا
صبا کافی نہ تھا شاید سہارا تیرے دامن کا

خود طعنہ زنی کرتی ہے تدبیر بگڑ کر
کیا بن پڑے رہ جائے جو تقدیر بگڑ کر

جب سے بخدا کھو کے خودی آپ فدا ہوں
خود مجھکو یہ معلوم نہیں کون ہوں کیا ہوں

سامان توکل ہے مجھے عظمتِ شاہی
دریوزہ گر نقش حصیر فقرا ہوں

آنسوؤں سے اس قدر آنکھوں نے سینچا نخلِ غم
ساغر نرگس میں باقی بوند بھر پانی نہیں

سعید اک شمع کافوری دم سرد اپنا روشن ہے
جلایا آہ کے شعلہ سے تارِ رشتۂ جاں کو

کتنے پیوند زمیں ہوگئے عزت والے
بے نشاں ہیں جو کبھی جاتے تھے نوبت والے

ٹپکے جو آنسو کا قطرہ لعلِ لب کی یاد میں
تا بداماں گوہرِ احمر بنے اور ٹوٹ جائے

دل ہمارا تو نے لے بت پارہ پارہ کر دیا
سخت حیرت ہے خدا کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے

اُن کے ملنے کی خبر پاکے بھی دھڑکا نہ گیا
وعدۂ وصل تو ہے رات مگر چھوٹی ہے

بارہا آج سے ہے بوجہ پس پشت نگاہ
آپ جھجکیں نہیں یہ سانپ نہیں چوٹی ہے

سفلی

سفلی۔ عنایت خاں عرف کالیخاں ظریف۔ بدلہ سنج۔ لطیفہ گو شاعر تھے۔ ہزل گویان ملک میں انکا نام نکلا ہوا ہے۔ آگرہ کے باشندے تھے اور عرائض نویسی سے بسر اوقات کرتے تھے بڑے حاضر جواب تھے حُسن مذاق کا یہ عالم تھا کہ پھلجھڑی کی طرح منھ سے پھول جھڑتے تھے ظرافت اور حاضر جوابی نے انکو راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہنچا دیا تھا۔ مولوی نیاز علی پریشاں نے جو آگرہ میں بسنہ ۱۲۸۶ھ میں مشاعرے کئے انہیں شریک تھے اور اسوقت انکی عمر ۴۰ برس کی تھی تنگدستی کے باوجود اپنی زندہ دلی کو قایم رکھا۔ میرزا حاتم علی مہر اکبرآبادی سے تلمذ تھا ظرافتاً رنگ میں بات نکالتے تھے۔ عرصہ تک انکا کلام اودھ پنچ۔ آگرہ پنچ۔ گلدستۂ دامن بہار میں شایع ہوتا رہا ہے بسنہ ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا۔ ایک دیوان غیر مطبوعہ مرتب کیا تھا خدا جانے مرنیکے بعد اُسکا کیا حشر ہوا۔ کچھ اشعار جو ہاتھ آئے ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

واہ وا رے ملک الموت تیری باریکی
گھس گیا ناک میں نمرود کے مچھر بنکر

معشوق بچہ زادے سفلی خدا بچائے
میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اس لئے

بادہ پیوں کہاں سے گئیں فصل بہار میں
انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں

اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا

عروضی خردہ گیر شاعران باصفا ٹھیرے
کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرت اہل

نکالو گھر سے ایسی چوتی ماما کا کالا منہ
کریں اشراف کیا فاقے اس قحط سالی میں

جیراہو گل مرے مرقد پہ لے گل اندامو
بتاؤ مجھکو بھنگیڑ کدھر گئے میکش
آیا۔ صاحب کے سیم تنے ۔ مس کے

کیا انتشار ہوتا ہے کل پل کو دیکھکر
اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں

نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب آڑھار میں
منعم عجب ہے مزا مری ہمشیں جوار میں
مجھسے زیادہ بوجھ ہی پھولوں کے ہار میں

وہابی جسطرح سے عیب جو بی اولیا ٹھیرے
بڑی داڑھی بڑھا کر یہ بنے اک پارسا ٹھیرے
کہ چکلے پر نہ بیلیں اور نہ چولہے پر توا ٹھیرے
نہیں لٹا بدن پر اور پا بند قبا ٹھیرے

یہ اپنے گل گلے لیجاؤ زین خاں کے لئے
بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کارواں کیلئے
دل اٹھاؤں میں نازکی کس کے

سفیر سفیر۔ مولانا حافظ شاہ محمد سفیر الحق۔ آپ پھلواری ملک بنگال کے شرفائے نامی سے تھے۔ عالم فاضل قاری ہونیکے سوا۔ تصوف اور معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ ارباب سلوک اور مریدان باصفا اکثر کشف و کرامات کو آپکی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شاعری میں اپنے وقت کے طوطی بنگالہ تھے ہمیشہ انکے اردگرد شاگردوں کا مجمع رہتا تھا۔

ابتدا میں امجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ کی سرکار میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ شاہی فرمایش سے آپنے ایک مثنوی "نصیب نامہ" کے نام سے فارسی زبان میں کہی جو تقریباً ہزار شعر کے ہوگی علم حساب میں ید طولی حاصل تھا۔ اور رسالہ "تسہیل الحساب" آپ کی تالیف ہے۔ خواجہ وزیر برق۔ آفتاب الدولہ قلق کے دوستوں میں تھے اور وہ انکے زہد علم و فضل کیوجہ سے بڑی عزت کرتے تھے۔ ۲ شعبان ۱۲۷۷ھ میں تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے آپکی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ ایک

دیوان فارسی کا اور ایک دیوان اُردو کا اپنی یادگار ہے۔ جو مولانا تمنا صاحب کے پاس ہے۔ فارسی کلام میں صوفیانہ جذبات خوب ادا کرتے تھے۔ اردو میں۔ سادگی۔ صفائی زبان۔ آئینہ بیان کا جوہر تھا۔ کلام یہ ہے ؎

جو سر ہے تو دوران سر بھی رہیگا
جگر ہے تو درد جگر بھی رہے گا

یہیں بیٹھا بیٹھا میں گذرونگا جی سے
حضر بھی رہے گا سفر بھی رہے گا

یہ دل جسکو ہم کعبہ سمجھے ہوئے ہیں
کبھی ایک کافر کا گھر بھی رہے گا

ذرا صبر تو۔ کچھ جگہ دیں چھوڑو
یہیں اُنکا تیر نظر بھی رہے گا

صبا مت سنا موسم گل کی باتیں
یہی اُن دنوں بال و پر بھی رہے گا

جہاں تیرے کوچہ میں لاکھوں پڑے ہیں
سفیر ایسا شوریدہ سر بھی رہے گا

حوادث ملے عالم میں مجال دن کب ہے
دکھاتی رہتی ہے تقدیر کیا کیا دیکھتے رہیئے

یہی جی چاہتا ہے خیر باد اے عقل و دیں کہکر
فقط بیٹھے ہوئے چہرا تمہارا دیکھتے رہیئے

سفیر اس کے سوا اس دور میں چارہ نہیں کوئی
کہ چالیں کس طرح چلتی ہے دنیا دیکھتے رہیئے

سفیر سفیر۔ خواجہ بادشاہ سفیر خلف و شاگرد خواجہ وزیر مرحوم لکھنوی۔ قابل باپ کے بیٹے تھے۔ مگر فلک بے مہر کی کج ادائی سے نشو و نما کا موقعہ ندیا۔ زمانہ کے انقلاب سے ہمیشہ پریشان رہے لکھنؤ کی علمی و ادبی صحبتیں درہم برہم ہوجانے سے انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ نہایت خاموشی سے زندگی گذارتے تھے۔ دوستوں کے اصرار سے مشاعروں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔ مزاج میں تکبر و غرور چھو بھی نہ گیا تھا مگر خودداری میں اپنے باپ کے قدم بقدم چلتے تھے۔ لوگوں کے احسانات سے بچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شاعری کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنایا اور دیگر استادوں کیطرح شاگردی کے سلسلہ میں تلامذہ سے کچھ وصول نہ کیا۔ رؤسائے ملیح آباد انکے قدردان تھے۔ ناقدری ہائے زمانہ سے دل شکستہ ہوکر اپنا بہت سا کلام ضایع کردیا۔ اپنے جوانی کے شعر بھی دریا برد کردیئے۔ اب جو کچھ گلدستوں میں یا تذکروں میں انکے نام سے اشعار نظر آتے ہیں وہ۔

"استاد زادہ" ہونیکے درجہ سے بہت کم ہیں اپنے کلام میں دنیا کے انقلاب کی تصویر خوب کھینچتے تھے ایک مثنوی موسوم "گلشن عشق" مطبوعہ موجود ہے ۱۲۹۰ھ میں زندہ تھے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اے فلک غم کہاں تلک کھائیں — بھر گیا بھر گیا ہمارا پیٹ

دیکھ لینگی جو برگِ گل سے لب — بلبلیں دینگی جاں ہونٹوں پہ

کیا کوئی اُن لبوں کا لے بوسہ — مستی سے ہے پاسبان ہونٹوں پر

آب خنجر سے اب تو پیاس بجھاؤ — نکل آئی زبان ہونٹوں پر

ہم نے جب یاں خیال تو کیا — پڑ گئے واں نشان ہونٹوں پر

بہار عارض گلرنگ ہو نصیبِ خزاں — رہے یہ پھول ہمیشہ بہار کے قابل

سفیر کشتۂ تیغِ ہلال ابرو ہوں — چراغ ماہ ہے اپنے مزار کے قابل

داغ سینہ کا غیرتِ گل ہے — نالۂ دل صفیرِ بلبل ہے

ساکنِ گوشۂ قناعت ہوں — پاس سرمایۂ توکل ہے

ماہ کامل کو تجھسے کیا نسبت — یاں ترقی ہے واں تنزل ہے

مدتوں میں اٹھی سفیر کی لاش — کشتۂ خنجرِ تساہل ہے

مر گیا میں عاشقِ دیدار بر آئی مراد — خانۂ بت میں سب ہے طیاری خدائی ذات کی

تول دیکھو ساری شیخی کرکری ہو جائیگی — تاب کب ہے اُس لب نازک کو آدھی بات کی

بجا ہے کھنچے بھبتی اے بتِ بے پیر تیری کی — خموشی نے بنایا ہے تجھے تصویر تیری کی

خدا محفوظ رکھے بکماں ابرو قیامت ہیں — حقیقت کیا سمجھتا ہے نگہ کا تیر تیری کی

بتوں پر جان دینے کی مرے پر کچھ نشانی ہو — لگا دینا مری تربت پہ اک تصویر تیری کی

چڑھا جس نے سر تجکو اسی کا تو نے سر کاٹا — ادا رسم رقابت تو نے اے گلگیر تیری کی

کبھی باتوں سے انکی شیشۂ دل چور ہوتا ہے — بتانِ سنگدل کرتے ہیں کیا تقریر تیری کی

تیغ شمشیر ابرو سر جھکاتے اور دم نہ مارے / کہاں سے لائے چھاتی عاشق دلگیر تیر کی
تہ پائے سنگ دل عزت متاع خاکساری سے / سراپا خاک ہو مل کر نہ ہو اکسیر تیر کی
سفیر آنسو بہاؤں کیوں نہ اُنکی تشنہ کامی پر / ہوئی بوچھار جب پر کربلا میں تیر تیر کی

سفیر سفیر۔ لفٹنٹ میر شایق حسین خاں۔ حال ٹرانسپورٹ افسر اعلیٰ حضرت حضور بندگان عالی شاہ دکن۔ تشبیہات اور استعارات سے طبیعت کو لگاؤ ہے۔ طرز بیان معقول ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

کوچۂ زلف میں افشاں کا چراغاں جو ہے آج / شام گیسوئے سحر رُخ سے بھی نورانی ہے
اب تو موقعہ ہی نصیحت کا نہیں اے ناصح / کہہ چکا تجھ سے کہ یہ سب مری نادانی ہے
وہ چلے آئینگے گھر پہ کسے تھی امید / کیوں میں گھر میں نہ رہا اسکی پشیمانی ہے
پچھلی باتوں کا شب وصل نہ ہو ذکر کہیں / صبح ہو جائیگی قصہ مرا طولانی ہے
دل مرا حضرت آصف پہ تصدق ہے سفیر / واہ کیا شان ہے کیا طرز جہانبانی ہے
دست و بازو کی ترے پھر میں کرونگا تعریف / دیکھ لوں کھینچ کے ناوک تو جگر سے پہلے
شرم رسوائی گریہ نے ڈبویا مجھکو / آنا پانی تھا نہ اونچا مرے سر سے پہلے
قتل کرنیکو ہوئی انکی نزاکت مانع / پڑگئے بل مری قسمت میں کمر سے پہلے

سفیر سفیر۔ منشی فخر الدین صاحب دور موجودہ کے خوشگو شاعر اور کاکوری کے رہنے والے ہیں ادیب جلد ۹ ۱۹۱۹ء میں آپکی ایک نظم شایع ہوئی ہے جو مشہور شاعرہ مسز سروجنی نائڈو کی تصنیف سے اخذ کیگئی ہے۔ اسکے چند بند اور کچھ شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

نارسائی سے تری بخت سیہ کیا ہو گا / مجھکو تجھ سے نہ کبھی شکوۂ بیجا ہو گا
میں نہ ہوں گا کبھی امداد کا خواہاں تجھ سے / تیرا اے بخت نہ احسان گوارا ہو گا
بن گیا ہے تو مری جان کا دشمن لیکن / سر جدا ہو نہ جدا سر سے یہ سودا ہو گا
ٹوٹ بھی جائیں اگر میری امیدوں کے علم / کم نہ ہرگز یہ میرا ذوق تماشا ہو گا

ل گئی خاک میں گو سلطنت وہم و خیال
اس خرابے میں گراں مایہ خزانہ ہوگا

لاکھ تو لذتِ گفتار سے کر دے محروم
لب پہ لیکن نہ کبھی حرف تمنا ہوگا

گنگ ہو جائے اگر میری زبان گویا
دلِ نالاں صفتِ بلبل شیدا ہوگا

باغ میں نغمۂ پرشور عنادل ہوں ہزار
نالۂ دل کا مگر رنگ نرالا ہوگا

[illegible] ہوں میں

مردمِ دیدۂ بسمل میں دمِ بیتابی
یا سیری چشم ستم آرا ہوں میں

کشتۂ تیغ ادا طائر پربستہ ہوں
خرمن سوختۂ برق تجلی ہوں میں

گرم نظارۂ گلچین بہارِ گلشن
محو آئینۂ حسن رخ زیبا ہوں میں

بال پرواز پئے طائر فکر رنگیں
تازگی ثمر نخلِ تمنا ہوں میں

ہر گھڑی کام سے اعجاز مسیحائی سے
جلوۂ طور سے مجھ میں ید بیضا ہوں میں

راز سربستۂ نیرنگ جہاں میرا وجود
بزم امکاں میں عجب ایک معمہ ہوں میں

صیدِ لاغر ہوں گرفتار بلا ہوں لیکن
بستۂ دامن صیادِ دل آرا ہوں میں

دل دیوانہ ہوں گو آپ کے نزدیک سغیر
چشم بد دور کسی آنکھ کا تارا ہوں میں

ایوانِ شاہی

ہمیشہ سے میں مہدِ سلطنت ہوں وارثانی میں
کئی صدیاں بسر کیں میں نے دورِ حکمرانی میں

ہزاروں سو رہا جو پروردۂ آغوش تھے میرے
ہیں جنکے نام روشن آج بھارت کی کہانی میں

ستارہ اوج پر تھا میرا مغلوں کی حکومت میں
رواں تھا میرا اسکے دولت صاحب قرانی میں

گذشتہ شان و شوکت ہی در و دیوار سے پیدا
بسر کی روز و شب کس طرح عیش و کامرانی میں

رولائے حملۂ نادر نے لیکن خون کے آنسو
لہو جب بے گناہوں کا بہا جمنا کے پانی میں

مجھے یاد آتے ہیں خواب پریشاں اگلے وقتوں کے
مہا بھارت نے ڈالا کس بلائے ناگہانی میں

غنیمت ہوں کہ اتنا یادگارِ عہد ماضی ہوں ان
نمونہ بن گئی عبرت کی میں دنیائے فانی میں

حیات تازہ ہے لیکن مرے دیرینہ کب شاہی
مری تقدیر جاگی آج عہد شادمانی میں

مزے ملتے تھے کیا کیا تلخ کامی کب مجھے لیکن
حلاوت مل رہی ہے اتنی شہ کی مہربانی میں

جنابِ قیصرِ ہندوستاں کا سایہ ہی سر پر
دوبارہ اوج پایا میں نے دورِ آسمانی میں

گرمیوں کی ہے یہ شدت اک بلا میرے لئے
بھر کے ساقی ساغرِ برف آب لا میرے لئے

رات بھر منہ سے نکلتی ہے صدائے العطش
دور دن ہے روزِ محشر سے سوا میرے لئے

گرمیوں میں پیاس کی شدت سے ہوں میں جاں بلب
قطرۂ برفاب ہے آبِ بقا میرے لئے

جانستاں ہے کس قدر یارب تموزِ آفتاب
ہر شعاعِ مہر ہے تیرِ قضا میرے لئے

پاؤں کے نیچے زمیں مانندِ گلخن گرم ہے
سر پہ ہے چرخِ ستم گر آسیا میرے لئے

تابشِ خورشید میں گھر سے نکلنا ہی محال
فصلِ گرما بن گئی زنجیرِ پا میرے لئے

دوپہر کو سایۂ اشجار جنت ہے مجھے
منظرِ آبِ رواں ہے جانفزا میرے لئے

جنت نظارہ ہی سیرِ لبِ جو آج کل
نکہتِ سبزہ خضرِ رہنما میرے لئے

بوئے سنبل مست کر دیتی ہے گرما میں مجھے
بن گئی یہ نکہتِ زلفِ رسا میرے لئے

یا در روئے صندلی میں غش پہ غش آنے لگے
دردِ سر کی ہے یہ گرمی میں دوا میرے لئے

موسمِ گرما میں ہوں میں تشنہ کامِ آرزو
شربتِ دیدار ہے آبِ بقا میرے لئے

نازنینوں کیلئے پھولوں کا زیور چاہئے
بوئے گل کی ہو فقط اک پنکھیا میرے لئے

شام کو نکلے ہوا کھانے بتانِ آرزی
گرمیاں ہیں کس قدر راحت فزا میرے لئے

نالہ جانسوز ہے گویا یہ مصرع اے سغیر
شمعِ کشتہ ہوں فنا میں ہی بقا میرے لئے

مجنوں جو دشت گرد گریباں دریدہ ہے
قمری میانِ سروِ چمن آرمیدہ ہے

نسرین و نسترن سے ہی آرائشِ بہار
سبزہ کنارِ موجِ صبا نو دمیدہ ہے

پیش از طلوعِ صبح شفق ہے جو لالہ زار
لیلائے شب اک آہوئے مشکیں رمیدہ ہے

کبکِ تدرو محوِ فضا میں سبک خرام
شبنم بروئے گل کوئی اشکِ چکیدہ ہے

پانی میں مچھلیاں ہیں کہ ہے آہ شعلہ ریز
تارِ شعاعِ مہر کہ رنگ پریدہ ہے

فصلِ بہار آج صلائے نشاط ہے
دل ہی شکستہ پر مگر آفت رسیدہ ہے

اوج ہلال عید ہے شکل دہان دید		دیکھیں کہ دیکھتا کہیں وہ شوخ دیدہ ہے

سفیر

سفیر۔ مولوی محمد صدیق حسن صاحب۔ آپ نگینہ ضلع بجنور کے باشندے ہیں۔ نومشق شعراء میں ہیں لیکن طبیعت شوخ پائی ہے کلام میں چلبلا پن ہے۔ جو ہر فکر یہ ہیں۔

مجھے جو کہتے ہو ہر بار تم کہ تو کیوں ہے		تمہاری بزم میں اچھا تو پھر عدو کیوں ہے
یہ میکدہ نہیں گھر ہے خدا کا ملے واعظ		یہاں پہ ذکر مے و جام اور سبو کیوں ہے
جنون جامہ دری کا یہ جو شغل ہی ٹھہرا		تو رو زجیب و گریباں میں پھر رفو کیوں ہے
شراب تم نہیں پیتے یہ ہم نے مانا سفیر		مگر زمانہ میں بدنام چار سو کیوں ہے

سکندر

سکندر۔ خلیفہ محمد علی دہلوی تلمیذ ناجی۔ مرثیہ خوانی میں نامور تھے سنہ ۱۸ء میں وفات ہوئی ساٹھ برس کی عمر پائی۔ شاہ مردان دہلی میں دفن ہوئے فن شاعری سے ماہر نکتہ طراز معنی آفریں سخنور تھے۔ قدرت اللہ شوق کا قول ہے کہ پنجاب کے باشندوں میں نہایت خوش طبع ظریف فراج تھے۔ شبانہ روز مخمور رہتے تھے۔ مرثیہ گوئی میں اچھی شہرت حاصل کی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

قیس صحرا میں رہا کوہ میں فرہاد رہا		میں بگولے کی طرح دشت میں برباد رہا
گر ہی مانگ میں دل میرا آہ ڈھونڈوں کدھر		کہ آدھی رات ادھر اور آدھی رات ادھر
نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب دریا میں		وہ دیکھ لے مری چشم پر آب دریا میں
سحر گذرا چمن میں کون ساغر رشید یارب		کہ شبنم گل کے منہ پر آب تلک پانی چھڑکتی ہے
کبھی فرقت میں شب کو آنکھ گر میری جھپکتی ہے		امید م روح کوچہ میں ترے جا کر بھٹکتی ہے
مبادا آگ لگ جاوے مرو کی ترے دلکو		گلے لگنے سے اس دل سوز کی چھاتی دھڑکتی ہے

سکندر

سکندر۔ منشی سکندر خاں دہلوی۔ حضرت مومن کے تلامذۂ خوش عقیدہ میں سے تھے۔

کس کا نام اسکی زباں پر ہے کہ اس نفرت میں		حرف ناصح سے دماغ اپنا پریشاں نہ ہوا

سکندر

سکندر۔ نواب سکندر میرزا خلف نواب میرزا ابو الحسن خاں صاحب مرحوم آپ لکھنؤ کے

خاندان شاہی سے ہیں اور شیعہ دار ہیں ۱۸۸۸ء میں سید امیر حسن صاحب فروغ کے مشاعروں میں شرکت فرمایا کرتے تھے قدیم استعاروں کے فدائی ہیں پرانی تشبیہات سے بیان میں سجاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

جوشِ جنوں میں جامہ مری ہی تنگ ہوا
دامن اگر سیا تو گریبان نکل گیا

مارڈالا نگہ یار نے جادو ہو کر
تیر کا کام کیا چشم نے آہو ہو کر

طاقِ ابرو میں عجب ہے خالِ سیاہ آنکھ
کس طرح داخلِ کعبہ ہوا ہندو ہو کر

چاہ میں زہرہ جبیں کے ہیں فرشتے بھی اسیر
شانِ معبود ہے یہ حسن بشر رکھتے ہیں

داغِ سوزاں بھی ہے اور داغِ جگر بھی ہے یہیں
اے فلک سینہ میں ہم شمس و قمر رکھتے ہیں

میں جو زنداں میں گیا شوقِ اسیری دیکھا
بعد مرنے کے بنے گی یہیں تربت میری

زمانہ گذر گیا عدم کو نہ دیکھا دم بھر کبھی ارم کو
تلاش کو نسے صنم کی ہمکو تو روح اب تک بھٹک رہی ہے

سکوت ۔ منشی ناظر الحق صاحب مرحوم خلف مولوی عبدالرحمٰن صاحب باقی ساکن امروہہ فن شعر گوئی میں اپنے ماموں زاد بھائی حضرت ساکت مرحوم کے شاگرد تھے۔ دو تین برس کی مشق میں ایک دیوان مرتب کر لیا تھا مگر قضا و قدر کے ہاتھوں شاعری راس نہ آئی۔ اٹھتے ہوئے شباب میں جبکہ ۲۵ برس کی عمر تھی فن طب کی تکمیل کرتے کرتے عمر کی تکمیل کر لی۔ گو مرحوم نو مشق شاعر تھے مگر کلام سے پختگی اور جودت طبع ذہن رسا کا ثبوت ملتا ہے۔ بندش کو خوبصورت بنانے۔ الفاظ کو پلٹنے میں مہارت تھی۔ شعر میں دونوں برابر کے مصرعے مزا دیجاتے تھے انتخاب کلام یہ ہے ؎

سکوت

ٹھہرا جو وقتِ ذبح ذرا ہاتھ یار کا
ارماں مچل گیا دلِ امیدوار کا

پردہ جو رخ سے بزم میں اُنسے اٹھا دیا
آنکھوں کو شمع طور کا جلوہ دکھا دیا

حسرت مری حسرت ہی کہ پوری نہیں ہوتی
مطلب مرا مطلب ہے کہ حاصل نہیں ہوتا

شب وصال کبھی وہ ہائے نازک ہاتھ
پڑے رہے مری گردن میں ہار کی صورت

نہ کھلے بندِ قبائے بتِ بے پیر کے پیچ | سامنے آگئے میرے مری تقدیر کے پیچ
آئینہ دیکھنے میں جو ناز و غرور ہے | تم بولتے نہیں تو مقابل کو کیا غرض
تم سے کروں شکایتِ جور و ستم فضول | تم سے کہوں حکایتِ رنج و الم غلط
یہ شعلہ شراب کا ہے صرف اسلئے | ہوتا ہے دو گھڑی کیلئے اس سے غم غلط
چتون یہ کہہ رہی ہے کہ اب کھُل ہی کھیلئے | آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ ہاں خوب کر لحاظ
ٹھہرو ٹھہرو ابھی افسانۂ غم باقی ہے | اور کہتا ہوں ذرا صبر تو آ لے دل کو
میرے دل سے جو نہ نکلے وہ ہے ارماں میرا | اُنکے دل سے جو نہ نکلے وہ ملال اُنکا ہے
ہو میرے دل میں تو آئے وہ برائی اُنکی | جو مرے دل سے نہ جائے وہ خیال اُنکا ہے
سلے کفن تو ہی مرا وحشت میں پردہ ڈھانک لے | تنگ جسمِ زار پر پوشاکِ عریانی ہوئی
بے حجابانہ وہ یوں دیتے ہیں اغیار کو جام | شرم آتی ہے صراحی کو بھی پیمانے سے

سلام

سلام ۔ نجم الدین صاحب خلف الرشید شرف الدین علیخاں اکبرآبادی صرف ایک شعر آپ کا دستیاب ہوا ہے جو درج ذیل ہے ؎

حدیثِ زلف چشمِ یار سے پوچھ | درازیِ رات کی بیمار سے پوچھ

سلام

سلام ۔ سید خواجہ معین الدین چشتی ۔ ولد خواجہ فخر الدین متخلص بہ فخر ۔ آپکی ولادت شہر مدراس میں ہوئی ہے مگر حیدرآباد میں تعلیم و تربیت پائی ۔ اب سکندرآباد کے ڈاکخانہ میں ملازم ہیں عربی و فارسی میں مختلف اساتذہ کے سرچشمۂ علوم سے فیض یاب ہوئے علم عروض میں سید محمد مصطفٰے صاحب خورشید لکھنوی سے استفادہ کیا ۔ ابتدائے مشق سخن میں حضرت بقا لکھنوی فرزند جناب میر وزیر علی صبا مرحوم و مولنا تمنا لکھنوی سے اصلاح لیتے رہے ۔ مگر کچھ عرصہ بعد سید کاظم علی صاحب حبیب کنتوری یادگارِ خاندان شیخ ناسخ مرحوم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ۔ اور انکے فیض نے آپ کو نکاتِ شاعری سے آگاہ کردیا اور سابقہ کلام بھی انہیں کی نگاہ سے گذرا ۔ آپکے دو دیوان غیر مطبوعہ آپکے پاس موجود ہیں

آپ کی عمر ۲۰ سال کی ہوگی۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ کلام میں لطافت ہے اور فکر بلند ہے۔ آپنے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ ذیل کے اشعار طبیعت کی جولانی کا حال بتلاتے ہیں ؎

یہ خاموشی نہیں ہے پاسِ ناموسِ محبت ہے
اگر چاہوں تو نالوں سے مرے کیا ہو نہیں سکتا

پلٹ دی یاس نے لاکھوں تمنائیں دلِ پُر
چھپے جب تک نہ آنسی بھنبر رستہ ہو نہیں سکتا

نہ گئی وصل میں ناکامیٔ قسمت نہ گئی
داغِ حسرت ہی مرے کشت کا حاصل ٹھہرا

ہے ستم لطف کے پردہ میں جفا ہو جانا
دل دکھاتا ہے یہ باتوں میں خفا ہو جانا

الٰہی بزم میں یہ کون سا مستِ شباب آیا
پڑیں کس کی نگاہیں رقص میں جامِ شراب آیا

کہاں وہ سادگی بچپن کی دورِ انقلاب آیا
ہوئی قسمت سے نخوت کہ اب عہدِ شباب آیا

ہے دل کیطرح دیدۂ حیراں میں جائے دوست
یا دیکھے دو مکاں ہیں دولت سرائے دوست

دیکھ روتی ہیں لپٹ کر حسرتیں
رحم کر ظالم نہ دل سے تیر کھینچ

قتلِ عاشق سے پہلا قاتل کا داغِ آرزو
خون نے گلکاریاں کیں دامنِ شمشیر پر

جوشِ وحشت میں کھلا پستی سے پایانِ عروج
جب پھٹا اپنا گریباں آگیا دامن کی پاس

جائے عبرت ہے مزارِ عاشقِ حرماں نصیب
حسرتیں سر دھن رہی ہیں ہر طرف دامن کی پاس

تیرے جلوہ سے بڑھی تنویرِ پشتِ آئینہ
خوب چمکا اخترِ تقدیرِ پشتِ آئینہ

رحم کر اے موت چلاتی ہے میری بیکسی
پھر رہی ہیں حسرتیں ہر سمت گھبرائی ہوئی

قیدِ غم سے تو کسی طرح رہائی ہوتی
وہ نہ آیا نہ سہی موت ہی آئی ہوتی

ہوتی تلوار نہ گر میرے لہو کی پیاسی
یوں زباں اسکی نہ باہر نکل آئی ہوتی

دل مرا لیکے مجھی سے یہ ڈھٹائی توبہ
میرے آگے تو ذرا آنکھ جھکائی ہوتی

سچ بتا دے تجھے دزدیدہ نگاہوں کی قسم
ہم سے کیوں دل کی طرح آنکھ چرا رکھی ہے

تیرے دیوانے کو ہے دشت میں لطفِ شاہی
مہر نے مسندِ زرتار بچھا رکھی ہے

بھر نذر نگہ ناز و ادا و انداز	سر جدا قلب جدا جان جدا رکھی ہے

سلامت

سلامت ۔ جناب سلامت علی مرحوم عظیم آباد کے قدیم شعرا میں سے تھے یہ چند شعر شفق کے تذکرہ سے انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

عاشق تو ہو چکے سب اب ایک ہم رہے ہیں	تلوار کھینچ کر کے کیوں آپ تھم رہے ہیں
کٹتے ہیں رونے میں اب روز زندگانی کے	مرنے پہ دیدۂ تر کھلیے ہیں پانی کے
آ جانی ناتواں سے پہلو کو تھام کر کے	آتی ہے دل سے باہر لاکھوں مقام کر کے
کھنچتے ہو کیوں سلامت ہو عاشقی میں بودا	کیجئے نہ قتل آکر گر قصد امتحاں ہے

سلامت

سلامت ۔ جناب سلامت اللہ خاں صاحب ۔ آپ شاہجہانپور کے ساکن ہیں حضرت تائب شاہجہانپوری کے شاگرد ہیں طبیعت معنی سنج ہے ۔ دو شعر مندرجہ ذیل ہے ؎

شرما کے آپ کے دُرِ دنداں کی آب سے	دریا سے قرض لینے کو پانی گہر گئے
الفت میں ان بتوں کی سلامت قرار و صبر	دل سے نکل کے ہائے نجانے کدھر گئے

سلطان

سلطان ۔ میرزا ابر بخت ۔ خاندان شاہی دہلی کے افراد سے معلوم ہوتے ہیں ۔ اور سرکار دکن سے پنشن پاتے ہیں ۔ کلام شاہانہ شوکت سے معمور ہے ۔ شعر میں کبھی انقلاب دوراں کی شکایت بیان کرتے ہیں کبھی گذشتہ اقبال کی تمنائیں ۔ شاید غدر کا پُر آشوب نظارہ ان کی نگاہ سے گذر چکا ہے ۔ ٹوٹے ہوئے دل کی ندا یہ ہے ؎

مفلس ہوئے ہیں ملک بھی برباد ہو چکا	اب تو نیا وہ لینے دے لے آسماں کہیں
یا رب ظفر کے باغ کو آباد پھر دکھا	فصل بہار آئے یہ جائے خزاں کہیں
حالت ہماری اسکے مطابق ہے مِن و عَن	بلبل کہیں ہے باغ کہیں باغباں کہیں
آصف تمہارے ملک میں اللہ کا شکر ہے	دلی کے پائے جاتے ہیں کچھ کچھ نشاں کہیں

سلطان

سلطان ۔ میرزا سلطان شاہ گورگانی خلف الرشید میرزا جمعیت شاہ ماہر دہلوی ۔ زبان دل آرا ۔ بیان پیارا ۔ مضامین خوش اسلوب ۔ غدر میں زندہ تھے عمر رسِ طبع کی

زیبائش یہ ہے ؎

عہد طفولیت بھی نہیں سلطنت سے کم	سلطان شا ہ کیوں نہ ہے اک جہان مجھے
سب بے جلائے دل و جگر جل جائے	کیا بری آگ ہے محبت کی
آتے آتے وہ پھر گئے گھر کو	یہ بھی خوبی ہے اپنی قسمت کی

سلطان ۔ راجہ خواجہ طالب علیخاں خلف خواجہ حسین علی بخاری۔ دہلوی الاصل تھے مگر کلکتہ میں سکونت اختیار کر لی تھی کسی کے شاگرد نہ ہوئے۔ زمانۂ قیام لکھنؤ میں بڑے دھوم کے مشاعرے کئے۔ اپنے خسر کی وفات کے بعد انکو شیر گھاٹی کی مسند نشینی ملی۔ آخر کار ۱۲۷۰ھ میں چالیس سال کی عمر پاکر دنیا سے رحلت کی انکی ننہیال کا سلسلہ خاندان خواجہ میر درد سے تھا۔ شاعر خوش افکار ہیں۔ دو تین دیوان آپکی یادگار ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎ سلطان

اک نئی طرح کا سر حلقہ نے پھندا مارا	تو نے او زلف مسلسل مجھے الجھا مارا
کمر لچکی تو وہ گل ہنس کے بولا	پھر اسے پھولوں سے دامن ہمارا
وار کیا معلوم ہو تیغ نگاہ یار کا	ساحل بحر فنا ہے گھاٹ اس تلوار کا
دل کی جا سینے میں میرے اسکا پیکاں رہ گیا	میزباں جاتا رہا اور گھر میں مہماں رہ گیا
رندوں نے آج نشہ میں کیا دھجی نکالی ہے	مینا بغل میں۔ سر پہ سبو جام دوش پر
روز قیامت اور شب ہجر ایک ہے	اسکی جو شب ہنیں ہے تو اسکی سحر نہیں
دام بلائے عشق میں ہم بے سبب پڑے	کمبخت دل یہ ہائے خدا کا غضب پڑے

سلطان ۔ روسائے قدیم لکھنؤ سے۔ مؤلف تذکرۂ سراپائے سخن کا خیال ہے کہ نواب معتمد الدولہ کی دختر کے بیٹے تھے شعر کہنے میں مشاق اور صاحب دیوان تھے کلام دور از کار استعارات۔ رعایت لفظی کی وبائے عام سے پاک صاف تھا طبیعت چوٹ کھائی ہوئی تھی نشتر جگر افگار یہ ہے ؎ سلطان

کب تک ترے یہ ہجر کے صدمے اٹھا دل	ڈر ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل

تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا — ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کھو کے ہائے دل
سینہ مگر ہے داغوں سے معمور کیا ہوا — خالی ہے تیرے واسطے عشرت سرائے دل

سلطان

سلطان ۔ نواب محمد سجاد علیخاں المخاطب نواب اشرف الدولہ لکھنوی حضرت امجد علیشاہ کی بیٹی افسر بہو بیگم صاحبہ چھوٹی شاہزادی کے متبنّٰی فرزند اور بڑے باوضع شاندار رئیس تھے نواب مرحوم ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے ۔ نازو نعمت کے گہوارہ میں تربیت و نشو و نما پائی ۔ آپ واجد علیشاہ کے ہمشیر زادہ تھے اور آپکی بہن میرزا حامد علیخاں کوکب ولی عہد سے منسوب تھیں شعر میں تکلّلی بگیاتی محاورات فصیح زبان برتتے تھے ۔ بساط سخن پر قریب الفہم تشبیہ ۔ استعارات کی جواہر پاشی فرماتے تھے صنایع بدایع کی خوبیوں سے کلام مرصع ہی فکر زریں یہ ہے ؎

مر گیا غم میں ترے یا جل کے خاکستر ہوا — جو ہوا اچھا ہوا جو کچھ ہوا بہتر ہوا
نالۂ زنجیر تھا یا صور اسرافیل تھا — جس طرف گذرا میں دیوانہ اُدھر محشر ہوا
آپ ہی یارب مجھے آپ ہی [illegible] — حادثہ کیا پڑا یہ [illegible] کر ہوا
فتنے کیا کیا زلف و رخ نے یار نے برپا کئے — شام کو آئی قیامت صبح کو محشر ہوا
ہوں میں زخمی تیغ عشق ابروئے خمدار کا — زخم تن سینے کو دو را چاہئے تلوار کا
دیکھ لو عالم ہماری آنسوؤں کے تار کا — کیا رہا رتبہ تمہارے موتیوں کے ہار کا
آنکھ وہ ہی جو کرے نظارہ روئے یار کا — سر وہ ہی سودا ہو جسمیں گیسوئے خمدار کا
دیکھکر عارض کو تیرے گل بھی دیوانے ہوئے — پھاڑ کر ملبوس تن رستہ لیا بازار کا
جانتا ہوں تجکو در پردہ بتوں سے رام ہے — رشتہ ہے زاہد تری تسبیح میں زنار کا
نظم کرتا ہوں میں سلطان بیت ابرو کی صفت — کیوں ہلالی بھی نہ قائل ہو مرے اشعار کا
بیچ میں سد سکندر سے حائل ہیں رقیب — آنکے مجھکو نہ انہیں میری خبر کرتے ہیں

زلف کے وحشی کی یارب یوں رسا تقدیر ہو — ہاتھ میں ہو ہتکڑی اور پاؤں میں زنجیر ہو
مہتاباں سی کہیں ہو بڑھ کے اس رخ کی چمک — منفعل کیونکر نہ اس سے ماہ کی تنویر ہو

لامکاں سے دہنِ تنگ کا رتبہ نہیں کم
قدر میں ہے شبِ معراج سے ہر گیسو

مکرتے ہیں سرِ محفل وہ لیکے دل میرا
جہاں میں خاک کسی کا پھر اعتبار ہے

لگائے کوئی نہ اس شاہِ حسن سے دلکو
ہر ایک ملک میں جاری یہ اشتہار ہے

نہ پوچھ حال شبِ غم کا ہم سے ای سلطاں
بغیر سحر تک ہم اشکبار رہے

سلطان

سلطان ۔ نواب محمد نصر اللہ خاں خلف نواب عبد اللہ خاں عباسی والئی رامپور۔ آپ نواب آصف الدولہ کے حکم سے رحمت علیخاں کے سرپرست قرار دیے گئے۔ سولہ برس تک مختار رہ کر ۴۶ سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔ آنکے شاہد سخن کی شوخی مشتاقان کلام کے دلوں کو دلفگار کرتی ہے۔ سلاست بیان لطف زبان پر جان نثار کرتی ہے۔ کلام یہ ہے ؎

ہجر میں مجھکو بھروسا نہیں اپنے دم کا
کل گیا آج گیا۔ صبح گیا۔ شام گیا

ہاتھ وہ بھی نہ لگا اپنے کو جس کی خاطر
دین و دنیا کا مری ہاتھ سے سب کام گیا

باعث شہرہ ہوا عشق ہی تیرا پیارے
ورنہ خوباں میں تو آنا تو نمودار نہ تھا

جو کیا جور و جفا تم نے بتاں سلطاں پر
اس قدر تو وہ ستم دیدہ گنہگار نہ تھا

اس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر
دیکھا تو نہیں اس کے یہ پاسنگ برابر

عارض پہ پیا کی زلف کو دیکھے وہ اک نظر
دیکھی نہ ہو وے جس نے بہم شام اور سحر

خوش ہے سلطاں جو اسقدر شاید
آج کچھ وصل یار کی ٹھیری

خنجر نہ ہو یوں یار کبھی دل سے کسی کے
جس لطف سے پیاری تری مژگاں کی انی ہے

سلطان

سلطان ۔ سید محمد سلطان صاحب باشندہ مانگرول کاٹھیاوار۔ آپ منشی تجمل حسین صاحب تجمل مقیم بمبئی کے شاگردوں میں ہیں۔ ابھی شعر گوئی کا آغاز ہے۔ خیال میں کسی قدر پرواز ہے۔ یہ دو شعر انکے درج کئے جاتے ہیں ؎

ہے نئے ظلم کا طالب دلِ شیدا ہر دم
روز کیونکر کوئی تازہ ستم ایجاد کرے

ہم ہیں اور درس ہے اس گل کے رخِ زیبا کا
کہدو بلبل سے گلستاں کا سبق یاد کرے

سلطان

سلطان - سید محمد سلطان۔ آپ موزوں طبعان شاہجہانپور میں خوشگو ہیں۔ سید حسین احمد صاحب بیباک سے تلمذ ہے۔ طبیعت میں اختراع اور جدت کا ابھی گذ نہیں ہوا ہے سیدھا سادا شعر کہہ لیتے ہیں۔ لطف زبان اور مشق کی ضرورت ہے۔ رسالہ خدنگ نظر سے کچھ شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

منہ پر نہ آئے گا کبھی لب تک نہ آئیگا	افشا نہ ہوگا جو وہ مرے دل کا راز ہے
کس طرح اُٹھ سکینگے فلک کے یہ جور و ظلم	دل ابتدا سے خوگرِ آغوشِ ناز ہے
کیونکر نہ مجھکو اپنے مقدر پہ ناز ہو	اُس بت سے ان دنوں مجھے حاصل نیاز ہے
کیوں ٹالتے ہیں آپ نہ باتیں بتائیے	آنکھیں بتا رہی ہیں جو پوشیدہ راز ہے

سلطان

سلطان - محمد سلطان عرف قاضی فرزند احمد خلف قاضی احمد بخش مرحوم انکے نانا مولوی چراغ علی ٹکاری کے راج میں دیوان تھے۔ آبائی وطن دولت پور ضلع گیا میں ہے۔ مگر لڑکپن سے صاحب گنج گیا میں قیام پذیر ہیں۔ عربی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ فارسی میں دستگاہ کامل ہے۔ آغا کمال الدین سنجر طہرانی کو اپنے پاس رکھکر استفادہ حاصل کر چکے ہیں۔ انکی مثنوی نیرنگ روزگار طبع ہو چکی ہے۔ آمدنی معقول ہے۔ آرام و آسائش سے زندگی بسر کرتے ہیں اردو شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں۔ خود ہی اپنے کلام کی نظر ثانی کرتے ہیں۔ انتخاب کلام یہ ہے

رہا شوقِ شہادت بعد مردن بھی مرے دل میں	کہ میری روح جوہر بنکے لپٹی تیغ قاتل میں
تری رفتارِ مستانہ سے وہ بانکی ادا نکلی	کہ لاکھوں ٹھوکریں حسرت نے کھائیں جادۂ دل میں
پنہائیں بیڑیاں وحشت نے مجھکو چشمِ فتاں کی	مثال دیدۂ آہو ہے ہر حلقہ سلاسل میں

سلطان

سلطان - حکیم سلطان میرزا صاحب لکھنوی۔ آپ حکیم نواب میرزا صاحب شوق مصنف زہر عشق کی قابل یادگار ہیں۔ رنگین طبع۔ شوخ مزاج۔ زندہ دل شخص ہیں۔ لکھنؤ کے محاورات باندھنے میں طاق۔ معاملہ بندی انکی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ الفاظ کی دھوم دھام یا رعایتوں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ غزل میں سوز و گداز۔ درد۔ عاشقانہ جذبات موجود ہیں۔ شعر کے تیور

خوب ہوتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے :-

اے شیخ برخلاف نہ حسن عمل کے چل
ہم میکشوں سے پوچھ کے راہ سنبھل کے چل

اے دل کنویں جھکائیگا یوسف لقا کا عشق
اس راہ میں نشیب بہت ہیں سنبھل کے چل

حاجت نہ رکھ اگر تو کسی سے کبھی نہ جھک
پھر گیا ہے بادشاہ سے تیور بدل کے چل

اللہ نے سمجھ بھی عطا کی ہے آنکھ بھی
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

بگڑے ہیں وہ کہ آہیں کیوں تا بہ عرش پہونچیں
جو نغمگیاں تھیں مجھ پر وہ آسمان پر ہیں

باتوں سے مار ڈالیں چاہیں جسے جلادیں
اعجاز بھی فسوں بھی انکی زبان پر ہیں

ہم ہیں وہ رند کہ کعبہ میں اذانیں دیں پڑوں
مدتوں پھونکا ہے ناقوس صنم خانوں میں

ہائے کس ظلم کا گانا ہے کہ دل ٹکڑے ہوں
ہر چھپوں کا سا ہے انداز تری تانوں میں

احسان مجھ پہ اے دل شیدا کرے کوئی
سینہ سے محو نقش تمنا کرے کوئی

فرماتے ہیں سنکے مرے مرگ کی خبر
سن تو لیا وہ مرگیا پھر کیا کرے کوئی

خالق کی یاد سہل نہ آساں بتوں کا عشق
دو دن کی زندگی میں بھلا کیا کرے کوئی

اک دن کفن پہن کے بستر خاک سوئیگا
اسباب عیش لاکھ مہیا کرے کوئی

سلطان سوا ملال کے انجام کچھ نہیں
دل کا کسی کے ہاتھ نہ سودا کرے کوئی

چین آگیا ہمیں دم رخصت جو مر گئے
احسان انکا ہے جو چھری پھیر کر گئے

غش آگیا مجھے دم رخصت غضب ہوا
اب کیوں وہ آئینگے مری صورت سے ڈر گئے

کس درجہ بیقرار ہیں وہ کتنے شوخ ہیں
آنکھوں میں پھر گئے کبھی دل میں اتر گئے

میرے لئے تھی خلق میں سب فتنہ جمال
جو بچ رہے وہ اہل قیامت کے سر گئے

چھوڑا نہ ساتھ حاجت دنیا نے تا بہ حشر
محتاج فاتحہ وہ رہے جو گذر گئے

مرنا فراق دوست ہے جینا ہے اسکا وصل
ہم آدمی نہیں یہ تصور اگر گئے

مانگا ہے جب خدا سے ملا ہے وہ بت ضرور
خالی کبھی نہ تیر دعائے سحر گئے

یارب یہ کیسی آگ ہی جلتی ہی جس سے خلق	کیا سات دو زخ ایک مری دل میں بھر گئے
عاشق کو اپنے کوس رہی تھی ہنسی سے وہ	مرنا سنا تو قبر پہ باچشم تر گئے
وہ باغ میں پھریں ہیں تربت میں کیا خبر	جھونکے نسیم کے کدہر آئے کدہر گئے
اب انکی رشک سے دل بلبل ہلاک ہے	جو قطرہ ہائے شبنم تری دامن میں بھر گئے

سلطان - اُستاد نامی شاعر گرامی جناب میر سلطان علی صاحب بلگرامی تلمیذ و یادگار حضرت ذکی مرحوم۔ جناب ذکی بلگرامی کیواسطے سے آپ کا سلسلۂ شاعری میرزا سلامت علی دبیر لکھنوی تک پہنچتا ہے۔ آپکی عمر قریبًا ساٹھ سال کی ہو۔ اکثر لکھنؤ اور سندیلہ کے معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک ہو چکے ہیں شعرائے بلگرام میں اسوقت سب سے زیادہ ممتاز ہیں شاگردوں کی جماعت کثیر ہے طبیعت منجھی ہوئی ہے۔ کلام میں پاکیزہ خیالی۔ اخلاقی مضامین کا لحاظ رکھتے ہیں۔ زبان بھی صاف ہے۔ کچھ کلام دستیاب ہوا۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

خاطر ہے عزیز اک جان نثار کی	سیکھو نہ چال گردش لیل و نہار کی
عزت فروتنی سے ہوئی خاکسار کی	گردوں سے مل گئی ہے بلندی غبار کی
شاخوں میں رگ رگ میں گل گل رنگ بو	قدرت تو دیکھئے مرے پروردگار کی
دیکھا جہاں کو عرصۂ شطرنج کی طرح	کرتے ہیں بند راہ پیادے سوار کی
خنجر سے جب کٹا نہ گلا آپ کٹ گیا	پھیرا یہ منہ کہ آنکھ نہ قاتل نے چار کی

سلطان - نواب مرزا احمد سعید علیخاں صاحب عرف نواب سلطان صاحب بہادر لکھنوی۔ آپ نواب میرزا احمد جعفر علیخاں صاحب بہادر نواب شیش محل کے فرزند دلبند ہیں انگریزی میں بی۔ اے پاس ہیں اور عربی فارسی میں بھی دخل رکھتے ہیں۔ عرصہ سے مذاق سخن طبیعت میں ہے۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہو کر داد لیتے رہتے ہیں۔ کلام بامزہ ہے۔ بندشیں صاف اور سلجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ انتخاب ملاحظہ ہو ؎

غضب ہی کر رہا ہے ذبح وہ منہ پھیر کر مجھکو	دم آخر بھی قاتل کا نظارہ ہو نہیں سکتا

شب وصلت ہے آخر ہیں وہ قائل عرض مطلب کے … نگاہ یاس تجھ سے بھی تقاضا ہو نہیں سکتا
یوں ترے حسن کا نظارہ کیا کرتے ہیں … شمع بنکر تری محفل میں رہا کرتے ہیں
جسکے ابرو کا اشارہ ہے قضا کا پیغام … آج ہم پھر اُسی ظالم کو خفا کرتے ہیں
اسیرانِ قفس گلشن کو جبدم یاد کرتے ہیں … کلیجہ منہ کو آجاتا ہے جب فریاد کرتے ہیں
ساعی ہو کوئی اور بھی میرا شب وصال … زلف انکی بڑھکے پاؤں تک آئے خدا کرے
وہ کیا کریں جو انکی تمنا کرے کوئی … انکی بلا سے ہجر میں تڑپا کرے کوئی
قاصد سے انکا حال مرا وہ یہ کہتے ہیں … ظالم ہی ہزاروں مرتے ہیں پھر کیا کرے کوئی

سلطانہ — **سلطان** محمود خاں صاحب منشی کالج ریاست میسور۔ رنگین فکر شگفتہ مزاج۔ سلیم الطبع سخنور ہیں میسور جیسے دُور افتادہ مقام پر جہاں اردو سمجھنے والوں کے لالے پڑ رہے ہیں۔ وہاں کی سرزمین سے ایک فصیح بلیغ کا پیدا ہونا خدا کی دین ہے۔ منشی صاحب موصوف کا کلام شعری زوائد سے پاک ہے طبیعت میں آمد۔ روانی ہے۔ تھوڑے الفاظ میں دقیق مضامین ادا کرتے۔ تصوف اور اخلاقی خیالات کو جامۂ نظم سے آراستہ فرماتے ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

لن ترانی سُنا کے موسیٰ کو … طور پر کیا دکھا دیا تو نے
دم محبت تو دل ہی چھین لیا … کیا دیا اور کیا لیا تو نے
قاتل نے دم ذبح دی ابرو کو بھی جنبش … تلوار چلی خوب ہی تلوار کے نیچے
آگیا اشک ندامت جوش پر دو اچھا ہوا … داغ عصیاں دل دھونے کو یہ پانی چاہیے
بزم سے رندوں کی شاید شیخ نکالے گئے … لڑکھڑاتے ہیں قدم تو چال بے ترتیب ہے

سلطان — **سلطان**۔ میاں سلطان محمد خاں۔ آپ ریاست بھوپال کے جاگیر دار ہیں۔ طبیعت کو شعر و سخن سے ذوق نکتہ سنجی اور معنی پروری کا شوق ہے مگر کم مشقی کی وجہ سے کلام بہر نگ درست خاص معیار پر نہیں ہے۔ موزونی طبع کا نتیجہ اشعار ذیل ہیں ؎

ستم ڈھانا۔ ستانا۔ جی جلانا … پھر اس پر یہ غضب ہے روٹھ جانا

نہیں ہے سہل مرادل دکھانا   بُرا تمکو کہیگا اک زمانا
وہ چلئے چال جو سب کو خوش آئے   مریجاں ہے بہت نازک زمانا

سلیس — سلیس ۔ سید محب علی باشندۂ کانپور حضرت مونس لکھنوی کے شاگرد اور مرثیہ گوئی میں مشاق تھے ۔ اپنے تخلص کی رعایت سے کلام میں سلاست کا خیال رکھتے تھے ۔ اُستاد کی صحبت نے زبان اور خیالات میں پاکیزگی و شستگی پیدا کردی تھی ۔ یہ قطعہ اُنکی سادہ بیانی کا نتیجہ ہے ۔

باہیں گلے میں ڈال کے اُس شوخ نے کہا   میں کامیاب وصل جو اکبار ہو گیا
مدت سے خفتہ بختی کا شکوہ تھا آپ کو   کھئے نصیب آج تو بیدار ہو گیا

سلیم — سلیم ۔ میر سلیم اللہ شاہجہاں آبادی ۔ خوش فکر صائب الذہن قدیم شعرا سے تھے صرف ایک شعر جو ہاتھ آیا ہے درج ہے ؎

سلیم تو نے جو قاتل کو دی مبارکباد   ہلال عید مگر تیغ کو خیال کیا

سلیم — سلیم ۔ صاحب عالم عالمیان شاہزادہ میرزا سلیم بہادر فرزند سومی حضرت اکبر شاہ ثانی اُنکی والدہ ممتاز محل اکبر شاہ ثانی کی چہیتی بیگم اور ملکۂ دوران تھیں اس لئے انکو بادشاہ بہت چاہتے تھے میرزا جہانگیر کی وفات کے بعد اُنکی ولیعہدی کیلئے کوشاں بھی ہوئے مگر کامیابی نہوئی ۔ یہ خود نہایت فیاض خلیق خوش خصائل تھے ۔ میر محمدی صاحب سے بیعت تھی ۔ اپنے پدر والا قدر کی حیات میں وفات پائی ۔ میرزا سلیمان شاہ مرحوم اور میرزا ثریا جاہ صاحب بہادر جو بعد غدر سرپرست خاندان تیموریہ ہوے اُنکے نواسے تھے ۔ انکے بیٹے میرزا فیروز شاہ عرصہ تک ولایت میں رہ چکے ہیں ۔ احاطۂ درگاہ نظام الدین اولیا میں میرزا سلیم کا مزار ہے اور مندرجۂ ذیل رباعی بہترین یادگار ہے ؎

جھگڑے سے جب دوئی کی فراغت ہوئی ہیں   کثرت میں سیر عالم وحدت ہوئی ہیں
ہر کوئی اپنا خانۂ دل بھی عجب مکاں   جسمیں نصیب یار سے صحبت ہوئی ہیں

سلیم — سلیم ۔ کوئی کہنہ مشق شاعر تھے ۔ مسیحا لکھنوی شاگرد ناسخ سے تلمذ تھا ۔ تخئیل میں پُرانی لکیر کے

تقصیر۔ زلف وخط کے دلدادہ تھے۔ فکر یہ ہے۔

جہاں سے جاتا ہوں اُس سرو قد کی فرقت میں	لحد بنے تہ شمشاد باغباں میری
مجھے ہلاک کیا ہے جو تلخ کامی نے	نہ کھائے گا سگ جاناں بھی ہڈیاں میری
شب وصال وہ منہ کو پھیر کے رونے لگا	سنی جو یار نے پُردرد داستاں میری

سلیم

سلیم۔ میر عباس لکھنوی خلف میر عالم علی داروغہ چھوٹی شاہزادی۔ خواجہ آتش کے عزیز اور ممتاز شاگردوں میں انکا شمار تھا۔ بعض تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ اسیر سے تلمذ تھا مگر یہ امر محتاج ثبوت ہے۔ زبان اور مضمون دونوں میں اپنے معاصروں میں گوئے سبقت لیگئے تھے لکھنؤ میں راقم تذکرہ نے لوگوں کی زبان سے آپکی شوخی زبان کی تعریف سنی ہے غدر سے پیشتر عالم شباب میں انتقال کیا۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

دوست کی تمکو قسم اے دوستان کوئے دوست	دفن کرنا میرے لاشہ کو میان کوئے دوست
گوش جاناں نالۂ عشاق کے سامع نہیں	حاملان عرش سنتے ہیں فغان کوئے دوست
روزن دیوار انجم ماہ تاباں خشت ہے	چاندنی ہر وقت رہتی ہے میان کوئے دوست
یہ زمیں وہ ہے کہا آتش نے جسمیں اے سلیم	اے خوشا طالع تمہارے ساکنان کوئے دوست
ساحری ہیں تری اے ترک جفا کار آنکھیں	دل اُلٹ دیتی ہیں ہو جاتی ہیں جب چار آنکھیں
یار کا حاضر وغائب میں رہا ہم پہ عتاب	گالیاں منہ پہ کبھی دیں کبھی کوسا دل میں
دیر وکعبہ میں رہے شیخ وبرہمن جو یا	ہم نے گھر یار ترا ڈھونڈ نکالا دل میں
گیسو کا تمہارے لقب اعجاز نما ہے	بل کھائے تو اژدر ہے نہ کھائے تو عصا ہے

سلیم

سلیم۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب کایستھ لکھنوی خلف تیج بہان عرف لالہ چین سکھ رائے صاحب۔ آپکے دادا لالہ سادہو رام صاحب محلہ اشرف آباد لکھنؤ کے قدیم شرفا میں سے تھے سلطان عالم واجد علیشاہ بادشاہ اودہ کے عہد میں آپ کو تصنیف و تالیف کا مذاق پیدا ہوا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں سید احمد میرزا صاحب صابر سے خوشنویسی و علم عروض

میں دستگاہ حاصل کی۔ پھر محمد میرزا صاحب اُنس شاگرد رشید حضرت ناسخ کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ منشی صاحب سرکار انگریزی میں بھی مختلف عہدوں پر ممتاز رہ چکے ہیں۔ آخر وقت میں آپ ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب بہادر تعلقہ دار کے نائب ریاست تھے۔ گو آپکا کلام لکھنؤ کی قدیم شاعری کا نمونہ ہے۔ مگر مضمون آفرینی سے خالی نہیں۔ اپنے زمانہ کے رنگ کیموافق استعارہ اور تشبیہہ کے دلدادہ تھے گو ناسخ کی تحریر کے فریفتہ تھے تاہم بعض اشعار میں درد بھی ہے بعض بعض شعر ایسے کہتے ہیں کہ بیساختہ منہ سے واہ نکلتی ہے معنی بندی میں بیطرح اپنے معصروں سے کم نہیں۔ نکتہ یاب ہیں معنی طراز ہیں۔ آپکا دیوان ۱۳۱۲ھ میں شایع ہو چکا ہے۔ جس کا انتخاب یہ ہے ؎

نہ ٹھہرے چشم ظاہر بیں ترے برقِ تجلی پر
قضا نے پردہ ڈالا اسلئے پلکوں کی چلمن کا

ہے دشتِ جنوں میں جو مری خاک کو گردش
گرداب کو دریا میں یہ چکر نہیں ہوتا

کیا پان کی سرخی ہی عیاں تیری گلے سے
شیشے میں یہ لطف مئے احمر نہیں ہوتا

رخِ روشن ترا چشم و چراغِ جانِ عاشق ہے
اُجالا ہے اندھیرے گھر کا جلوہ شمع قامت کا

کو بچ کر جائیگی جاں خالی بدن رہ جائیگا
ایک دن گم ہوگا یوسف پیرہن رہ جائیگا

سادگی میں بھی عجب رنگ دکھایا اُس نے
حسن کا لطف بڑھا اور جو زیور نہ ہوا

فیضِ صحبت نہیں ہے جوہرِ ذاتی ممکن
قطرۂ شبنم کا صدف میں کبھی گوہر نہ ہوا

خود مصیبت میں پھنسا حیف میں کیا سمجھا
عشق کا نام بُرا تھا جسے اچھا سمجھا

پیرہن ہے چاک دہر گل کا او ہر گریاں ہے شمع
دیکھ یہ ادنیٰ اثر ہے عاشقوں کی آہ کا

صاف باطن جو ہیں آتے ہیں برابر سب کے پیش
عکس آئینہ میں یکساں ہے گدا و شاہ کا

ہوں میں عشق سبزۂ خط میں یہ کاہیدہ سلیم
جسم لاغر برگ کاہ ہوتا ہے برگ کاہ کا

پہنچا ایک بار نہ اُس بام نشیں تک نالہ
گرچہ سو مرتبہ ایوانِ فلک چھو آیا

دیکھتا ہوں میں جنوں گھر میں بہارِ صحرا
ذرہ ذرہ ہے یہاں آئینہ دارِ صحرا

ہے حسن سب بے پردہ ہجوم طائرِ دل کا	اُڑا لایا ہے پروانوں کو جلوہ شمع محفل کا
! ح ٹانکے شے رنگا دُکس جگہ ہم	دلوں میں زخم ہو جاتا ہے تیغِ نازِ قاتل کا
لس کا اشکِ گرم شامل آج دریا میں	ذرے ہر اک حباب آب بہالا دست ساحل کا
رایش مقابل ہو کے روئے صاف سے	آئینہ نے کیا مزاجِ یار کو برہم کیے
دل و دیں عشق میں ہوئے برباد	دیکھئے اب کرے زمانا لیا
دل چلا ہے جو کوئے قاتل کو	جان دینے کو سہل جانا کیا
ہ ناتواں ہوں میں کہ مجھے بحرِ عشق میں	ہر اک حباب کاسۂ فولاد ہو گیا
یسا بڑھا ترے غمِ فرقت میں دردِ دل	ہاتھوں سے اپنے رشتۂ صبر و تواں گیا
ئلی چمن سے بلبلِ نالاں گلوں کیساتھ	ہمراہ کاروان جرسِ کارواں گیا
وائے بر بلبل کہ وقت دیدِ گل	دیدۂ شبنم نگہباں ہو گیا
عشق غارت گر نے لوٹا نقدِ صبر	کاروانِ دل پریشاں ہو گیا
م نے مریضِ عشق سے آنکھ ایسی پھیر لی	پوچھا کبھی نہ حالِ دلِ دردمند کا
بربادیٔ قتیلِ محبت نہ پوچھئے	مشتِ غبار بھی مرا اندرِ صبا ہوا
ٹاں یہ ایک عالم کو ہو نہ کیونکر گماں حسن کا	دہن غنچہ کا زلف سنبل کی قد صنوبر کا رُخ سمن کا
ت کیطرح آغوشِ گور نے ہمکو تا قیامت	نہ بال بیکا ہوا ہمارا نہ تار میلا ہوا کفن کا
دِ ابِن زخمِ دل کا نالہ درد آمیز تھا	مشک افشاں کیا خیالِ زلف عنبر بیز تھا
ے خاکستر ہوا کیا سوزِ فرقت سے جگر	نالہ جو نکلا مرے منہ سے غبار آمیز تھا
ل کی سفیدی جبکہ پیغامِ اجل	ہو گیا مجھکو یقیں یہ شیر زہر آمیز تھا
جاں میں صورتِ سنگِ فساں ہوتا گیا	میرے دم سے خنجرِ قاتل رواں ہوتا گیا
روہ خسروِ خوباں جواں ہوتا گیا	حسنِ عالمگیر آشوبِ جہاں ہوتا گیا
ہِ حقیقت پر سجھے عشقِ مجاز	ہر بتِ رنگیں ادا سنگِ نشاں ہوتا گیا

کیوں ولاغیرِ تلخ کامیٔ ہجر
کیا خبر سادہ رو کو باطن کی
لگی نہ آنکھ مری مثل دیدۂ انجم

اب نہ وہ سبزہ نہ وہ گلشن نہ وہ رنگِ چمن
کہتے ہیں سب واہ کیا تھا عاشقِ صادق سلیم
پڑ گیا جسوقت عکسِ زلفِ عنبر بوئے دوست
بہتے ہیں آبِ اشک میں یوں لختہائے دل
کشتیاں لیچل اٹھا کر ساقیا گلزار سے
کبھی پہلو سے آنکھوں میں کبھی آنکھوں سے پہلو میں
منہ نہ حورانِ بہشتی کا ملایک دیکھیں
نہ اٹھا ناز کیا عشقِ بتاں ترک سلیم
جامہ زیبی کا سبب ہو گئے اسبابِ جنوں
سیر کو تم نہ گئے تو ہوئی افسردہ بہار
بوئے انس آتی ہے شاید مری تربت سے سلیم

مدت ہوئی بہار کا موسم گذر گیا
نارِ دوزخ کو بجھائیگا یہی پارۂ ابر
وحدت سے لایا عالمِ کثرت میں شوقِ یار
دندانِ یار دیکھ کے گلشن میں شرم سے
زخمیٔ تیغ محبت سے حلاوت پوچھو

کوئی کچھ کہے تو کیا کرے تجھے بھولیں دل سے وہ ہم نہیں
مزے لیکے کٹوایا شہیدوں نے گلا قاتل

عشق میں تو نے کچھ مزا؟ دیکھا
آئینہ صورت آشنا دیکھا
سحر تک اُس مہِ تاباں کا انتظار رہا

دفترِ گل بادِ صرصر سے تمام ابتر ہوا
بعد مردن بھی غبارِ کوچۂ دلبر ہوا
سنبلستاں ہو گیا آئینہ زانوئے دوست
دریا میں جسطرح ہو رواں کاروانِ موج
مجھکو زنجیر لطمے سے ہے کنارِ جو پسند
قیامِ دل ہے شوقِ دید میں کب ایک منزل پر
آنکھ پڑ جائے جو دنیا کے طرحداروں پر
بھاری آتے جو نظر، چوم کے چھوڑے پتھر
طوق لپٹا مری گردن سے گریباں ہو کر
اڑ چلا رنگِ چمن گردِ بیاباں ہو کر
روز جاتے ہیں سوئے گورِ غریباں ہو کر

ہیں یاں کھلے ہوئے گلِ زخمِ جگر ہنوز
زاہدِ خشک نہیں دامنِ تر سے واقف
دریا کے آشنا ہوئے آبِ گہر سے ہم
شبنم کے قطرے ہو گئے دانے انار میں
آبِ آہن کا مزا خضر بھلا کیا جانیں

ہمیں رنج خواریٔ عشق سے کبھی عار تیری قسم نہیں
کہاں سے آ گئی ایسی حلاوت آبِ خنجر میں

ہے ہجوم غم دل زار پر مگر آہ ضبط سے دلمیں ہے
وہ سپاہ عشق چڑھ آئی ہے کوئی ساتھ جسکے علم نہیں

نہ نگاہ اٹھائی مری طرف نہ پھنسا کبھی مرے دام میں
وہ عجب غزال رمیدہ ہے، کہ رقیب سے بھی رام نہیں

کف پا کاوش خار میں جو ٹپک ٹپک کے گرا ہے خوں
گل تر ہیں دامن دشت میں ہمارے نقش قدم نہیں

مرے دل میں ہے یہ ٹھنی ہوئی رہوں طوف کوچۂ یار میں
مرا مدعا نہیں دیر سے مجھے آرزوئے حرم نہیں

غم ہجر میں ہو تڑپ تڑپ کے بسر نہ کیوں مری زندگی
جسے کھا کے مرتے ہیں آدمی مری جان تو وہ سم نہیں

مرا ضعف غم سے یہ حال ہے کہ سنبھلنا دلکا محال ہے
اب اٹھاؤں کوہ فراق کیا کہ سلیم مجھ میں دم نہیں

وقت گریہ کار قلزم دامن تر نے کیا
گر پڑیں بوندیں جو آنسو کی وہ گوہر ہو گئیں

داغ ہائے دل نے ثابت کر دیا دعوائے عشق
صورت احوال پر مہریں برابر ہو گئیں

جب نظر آیا جمال یار غش آیا سلیم
وصل کی راتیں شب فرقت سے بدتر ہو گئیں

خاکساری ہے باعث آرام
گردش آسماں زمیں میں نہیں

کیا کیا ہوس تھی آہ دل بیقرار میں
کنج قفس ملا مجھے فصل بہار میں

مالا عجیب گریۂ غم نے دیا مجھے
لخت جگر نہیں مرے اشکوں کے تار میں

مے گلفام جو ساقی نے بھری شیشہ میں
رند سمجھے کہ اتر آئی پری شیشہ میں

آنکھوں کو خوں رلائے مژگاں کی یاد میں
نشتر سے چھیڑتے رگ ابر بہار کو

آیا ہوں اس کی تفرقہ پردازیوں سے تنگ
جاؤں اب اس زمیں پہ جہاں آسماں نہ ہو

لیچلا ہے طرف کوچۂ قاتل مجھکو
دشمن جاں نظر آتا ہے مرا دل مجھکو

مٹاؤں داغ الم لیکے ہاتھ میں زلفیں
چراغ ہجر بجھاؤں دکھا کے کالوں کو

عاشق وہ ہوں کہ بعد فنا بھی رہیگی روح
بو ہو کے تیری کاکل عنبر فشاں کے ساتھ

تمہارے تیر کا پیکاں جو ٹوٹ کر رہجائے
زباں بنے دہن زخم میں دعا کیلئے

ہوں وہ حیرت کدۂ دہر میں نخل تصویر
جسکو صرصر سے زیاں ہے نہ ضرر گلچیں سے

جوشش پر خوب ہے گلزار جوانی کی بہار
آج کل رنگ ٹپکتا ہے ترنج گلگوں سے

اس طرح دلِ غم فرقت میں بہل جاتا ہے
یاں تو رہ رہ کے کلیجہ کوئی مل جاتا ہے

پردے گلرخوں کے جہاں میں کیا ظہور
حسنِ ازل کو تاب نہ آئی حجاب کی

دنیا پھرے نصیب پھرے آسماں پھرے
یارب مگر نہ مجھ سے وہ آرامِ جاں پھرے

یوں پھر رہا ہوں غم سے میں نالاں شبِ فراق
جس طرح کوچہ کوچہ کوئی پاسباں پھرے

اقرار کر چکے ۔ جو محبت کا کر چکے
ممکن نہیں کہ قول سے اپنی زباں پھرے

دیکھو سلیم خنجرِ قاتل کے سامنے
جھپکے نہ آنکھ منہ نہ دمِ امتحاں پھرے

امید کب ہے فلک سے کہ پیرہن مل جائے
فنا کے بعد غنیمت ہے جو کفن مل جائے

وہ بدنصیب ہوں میں شاہ راہِ ہستی میں
کروں تلاش خضر کی تو راہزن مل جائے

سلیم بلبل و پروانہ لڑ مریں سرِ بزم
جو شمع کو کہیں غنچہ کا پیرہن مل جائے

کہوں کیا تجھ سے حالِ دردِ فرقت
حکایت ہے زیادہ رات کم ہے

شبِ تارِ لحد میں ہوں وہ بیکس
کہ میرے سایہ کو بھی مجھ سے رم ہے

فیض ساقی سے کیا عجب ہے کہ مے
قطرہ قطرہ سبو سبو ہو جائے

ہائے یہ انقلاب چرخ سلیم
دوست اپنا جو عدو ہو جائے

قالبِ خاکی میں جلوے جان کے
جائے صدقے خدا کی شان کے

جان جب تک جان ہیں ہم تمکو جان
جانتے ہیں ہم برابر جان کے

ساقیا دے کہ برسات آگئی
ابر تر کا شامیانہ تان کے

مصحف رخ پر ترے گیسو نہیں
سلسلے ہیں عشق کے ایمان کے

باغباں دیکھوں میں کیا لالے کی سیر
ہجر میں "لالے پڑے ہیں" جان کے

عشق نے اٹھوائے ان سے کوہِ غم
جن سے بوجھ اٹھتے نہ تھے احسان کے

بولے سعدی یہ غزل سنکر سلیم
شعر کیا تحفے ہیں ہندوستان کے

نالا آئے نہ پیام آئے نہ جاناں آئے
کس طرح چین مجھے اے غمِ ہجراں آئے

غم نصیب ایسا ہوں وصل میں بھی تنہا نہ ہو
ابر نیساں یہ برستا ہے کہ انے عیرت گل
اب لطف دید کیا ہے کہ آتے ہو نزع میں
دل کا غبار پردۂ خط میں ہوا عیاں
یہ شعاعیں نہیں خورشید ترے چہرے سے
سخت دل کیوں نہ پس نالہ لبوں آئیں
کیا نور ہے تلووں میں ترے رنگ حنا سے

زلف کو دیکھ کے یاد شب ہجراں آئے
تیرے گیسو میں کوئی سالک گہر ٹوٹ گئی
دل مارنے کی جب مجھے مہلت نہیں رہی
اب انکے صاف رہنے کی صورت نہیں رہی
ہاتھ پھیلا کے طلبگار ضیا رہوتا ہے
کارواں پیرو آواز درا ہوتا ہے
خجلت ید بیضا کو ہے نقش کف پا سے

سلیم

سلیم۔ شیخ سلیم الزماں۔ ملازم سرکار رامپور۔ شاہ مجید الزماں کے بیٹے تھے حضرت امیر مینائی سے تلمذ تھا۔ ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ کلام یہ ہے ؎

جس پر پڑی نگاہ وہ تسخیر ہو گیا
ہے آنکھ اپنی جلوۂ وحدت سے آشنا

جادو بھرا ہوا تھا تمہاری نگاہ میں
اب دوسرا سما نہیں سکتا نگاہ میں

سلیم

سلیم۔ نواب سید علی حسین خاں خلف اصغر نواب صدیق حسن خاں بہادر قنوجی و بھوپالی آپ ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ شاہجہاں بیگم صاحبہ نے شفقت مادری سے مفتخر فرمایا اور اسقدر زروجواہر عطا کیا کہ پشتوں کیلئے حصول دولت سے بے نیاز کر دیا۔ عربی میں فارغ التحصیل اور فارسی میں دستگاہ کامل ہے۔ شعر کا بہت شوق ہے۔ دس بارہ برس کی عمر تھی کہ انکے نام سے۔ اردو۔ فارسی شعرا کے تذکرے بھوپال سے شایع ہوئے۔ سلطان جہاں بیگم صاحبہ کی مسند نشینی بھوپال سے چلے آنیکے بعد سے لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ وہیں امیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں بمبئی میں بھی جائداد ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اردو کلام کا مجموعہ شایع ہو چکا ہے راقم تذکرہ سے دہرہ دون میں ملاقات ہوئی تھی خلیق اور ملنسار شخص ہیں۔ اب سنا ہے کہ بیگم صاحبہ بھوپال سے سابقہ رنجش دور ہو کر صفائی ہو گئی اور بھوپال میں آمد و رفت کی اجازت مل گئی ہے۔ کچھ شعر نذر ناظرین ہیں ؎

عمر یوں کاٹی کسی کی یاد میں
شام نالے میں سحر فریاد میں
ہم اسیرانِ محبت کا ہے گھر
یا قفس میں یا کفِ صیاد میں
شوق نے اب اور مضطر کر دیا
چٹکیاں لیکر دلِ ناشاد میں
چھوڑ دو الفت بتوں کی اے سلیم
دل لگاؤ اب خدا کی یاد میں

سلیم

سلیم ۔ میاں ارجمند خاں خلف اکبر نواب یٰسین محمد خاں مرحوم ۱۲۹۳ھ میں بمقام بھوپال پیدا ہوئے۔ تاریخی نام متقی محمد خاں ہے۔ بانی ریاست بھوپال کی ساتویں پشت میں ہیں اسوقت ۴۴ سال کی عمر ہے۔ منشی عبدالعزیز اعجاز رقم سہسوانی سے تلمذ ہے۔ بہت سی کتابیں انکی تصنیف و تالیف سے طبع ہو چکی ہیں۔ عربی۔ فارسی بقدر ضرورت انگریزی جانتے ہیں۔ شاعری کے شوقین ہیں۔ انتخاب یہ ہے ؎

دیکھا جو طولِ زلف محبت کی آنکھ سے
پایا کمال خضر نے عمرِ دراز کا
جگر صد چاک دل صد پارہ جاں آوارۂ گیسو
خرابی نے اڑایا بے طرح خاکہ مرے گھر کا
کدورت جاتے جاتے جائیگی اے بت ترے دل سے
مٹا کرتا ہے مٹتے مٹتے آخر نقش پتھر کا
لیا دل اُس نے لیکن یہ نہ جانا
قیامت ہے کسی کے دل کا آنا
کہیں جاگے نہ تھے شب کو یہ مانا
ذرا آنکھوں سے آنکھیں تو ملانا
گلہ کرنے نہیں دیتے جفا کا
بھلا اس ظلم کا ہے کیا ٹھکانا
وہ آئے تیغ بکف لو تمہیں مبارک ہو
سلیم وقت ہے تقدیر آزمانے کا
اے غم و اندوہ و حرماں چل دئے دل چھوڑ کر
واہ میرے مرتے ہی گھبرا گئے اس گھر سے آپ
تمنا ہے ترے خنجر کے جوہر
پڑیں میرے گلے میں ہار ہوکر
پھر کھلائیگا کوئی تازہ شگوفہ شاید
خطِ گلزار میں آیا ہے مجھے یار کا خط
الٰہی توبہ۔ یہ توبہ بھی ہے آفت کی پرکالہ
کبھی ہے بادہ خوار و نہیں کبھی پرہیزگار و نہیں
جتا لیتی ہیں کچھ کچھ کہکے وہ آنکھیں شہیدوں کو
وہ کچھ پڑھ پڑھ کے نشتر چھونکتے تو ہیں اشارہ نہیں

اُنکے ابرو کا اشارہ ہے یہی سجدہ منظور / چاہیے گردنِ قطرہ بھر تیغ تمہیں مجھ لو
یاالٰہی شبِ فرقت ہی سہی / صبح ہو صبحِ قیامت ہی سہی
پاس آتا تو ہے توبہ شکنی کا ساقی / مے جو پیتا ہوں تو ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
منتظر تیری نگاہوں کا رہا دورِ زماں / رُخ تری نظروں کا ساتوں آسماں کھائے
کرچکے طے منزلِ ہستی کو اپنی اور ہم / نقشِ پا سے توسنِ عمرِ رواں دیکھا کئے

سلیم

سلیم - سید حسین صاحب لکھنوی۔ شاگرد محمد مصطفیٰ خورشید لکھنوی کلکتہ میں قیام ہے۔ تغزل سے بخوبی آشنا ہیں۔ دلی واردات لکھتے ہیں۔ مزیدار شعر کہتے ہیں۔ زمانہ کی رفتار سے آگاہ ہیں۔ لفظی رعایتوں سے عاری ہے ضلع جگت سے پرہیز۔ انتخاب یہ ہے ؎

حسنِ فطرت کے تماشے سے ہو حیراں وہ شوخ / آئینہ دیکھا تو خود آئینہ بنکر رہ گیا
خدا جانے وہ کیسی تھی محبت قیس و لیلیٰ میں / اسے صحرا پسند آیا اسے محمل پسند آیا
ایک حرفِ آرزو ایسا قیامت زا ہوا / جسکو ہم اپنا سمجھتے تھے وہی بیگانہ تھا
نگاہِ بد سے گر ڈرتے ہو تم غیروں کی صحبت میں / ادھر آؤ چھپا لوں تمکو آغوشِ محبت میں
نہ ہو تم دل میں رہ کر ظاہری تعظیم کے طالب / تکلف برطرف ہے روز کی صاحب سلامت میں
حسینوں کی لگاوٹ دین و ایماں لے گئی اپنا / قدم رکھتے ہی ہم تو لٹ گئے کوئے محبت میں
نظر کر تو ذرا اس اتحادِ حسن و الفت پر / ہے میری ناتوانی جلوہ گر تیری نزاکت میں
مٹ گئے اہلِ محبت کھل گیا اسرارِ عشق / جو ہوا اچھا ہوا اب آپ پچھتاتے ہیں کیوں
ہو چکا عالم جوانی کا تمام / چونک اے غافل کہ پچھلی رات ہے
جسقدر لائق ہو اپنی شان کے / آدمی کو زیب اُتنی بات ہے
گو زمانہ ہو گیا تجھسے ہمیں چھوٹے ہوئے / اب بھی یاد آتے ہیں وہ اگلے فقرے کوٹے ہوئے
وہ جو خود آکر ملے اک عمر کے چھوٹے ہوئے / سارے شکوے بے محل سارے گلے جھوٹے ہوئے
رہزنی کے فن میں ہے مشاق وہ نیچی نگاہ / بیٹھی ہے لاکھوں دلوں کے قافلے لوٹے ہوئے

اسکی وہ باتوں سے پھیرا اور محشر کا رُخ
عارضی دولت پہ تھا لے باغباں کیا گھمنڈ
ایسی حالت میں امید زندگی کیا ہو سلیم

لو قیامت ہوگئی یاں بھی ہیں چھوٹے ہوئے
اب بتا تیرے چمن کے کیا وہ گل بوتے ہوئے
لاکھ غم ہیں ایک جان زار پر ٹوٹے ہوئے

ایسا ہی اگر وصل سے انکار ہے تمکو
بیمار کو جینے کی دوا کیوں نہیں دیتے
عشق میں اسکو نصیحت بھی ہنگام جنوں
دیر سے کعبے گئے کعبہ سے آئے دیر میں

لکھا مری قسمت کا مٹا کیوں نہیں دیتے
تم شربت دیدار پلا کیوں نہیں دیتے
کیا کرے بیچارہ ناصح عقل سے معذور ہے
کیا کریں دونوں جگہ رہنا ہمیں منظور ہے

سب میں میرے ہی خون کے بدلے
ہجر میں سب نے ساتھ چھوڑ دیا
گالیاں لاکھ دیں حسینوں نے

تیغ بھی لیے پیئے لہو نہ گئی
پر امید وصال تو نہ گئی
پر سلیم اپنی آبرو نہ گئی

اتنی سی بات پہ مجھے اس لبپہ ناز ہے
پڑھتا ہوں روز مصحف رخ دیکھکر درود
زاہد برائے سجدہ کوئی اور جا نہ تھی
دیکھا ہے اور پھر نہیں دیکھا تمہارا حسن
الفت بھی ایسا جرم ہے جسکی سزا ہے قتل

جسکا نیاز مند ہوں وہ بے نیاز ہے
بے سجدے بے سلام کے میری نماز ہے
مسجد تو قتل گاہ شہیدان ناز ہے
عالم پہ کھل چکا ہے مگر پھر بھی راز ہے
انصاف شرط آپ کو بندہ نواز ہے

سلیم۔ سید منے صاحب۔ نبیرہ میر انیس مرحوم۔ آپ میر محمد علی صاحب عارف لکھنوی کے شاگرد بھی ہیں۔ برادر زادہ بھی۔ فصیح بول چال انکے ورثہ میں آئی ہے۔ غزل میں بھی وہی سادگی ہے۔ کلام یہ ہے ؎

بیخودی تو کچھ نہیں کرتی مداوا درد کا
جوشش گریہ بتا! میں ہوگیا کیوں ناتواں
ہجر میں مرنا سلیم امید ہی امید ہے

ناتوانی تو دل مضطر کو سمجھاتی نہیں
کیسے آنسو تھے کہ اب کروٹ بھی لیجاتی نہیں
کوئی بھی مرتا نہیں جب تک قضا آتی نہیں

سلیم

م۔ منشی محمد سلیم۔ باشندۂ مڑانج۔ سید محمد صاحب نوح محملی شہری کے شاگردوں میں ہیں
رصہ سے انکا کلام گلدستوں میں نظر نہیں آتا۔ شوخ زبان ہیں۔ طبیعت سخن آفریں
تراش ہے تخیل میں جولانی ہے۔ انتخاب یہ ہے

ہیں وہ مرا دل مضطر لئے ہوئے
کیوں جی اسی کو پھرتے ہو در در لئے ہوئے

شب وعدہ الگ بیٹھے ہیں جل کے
کہ لیجائے ہمیں کوئی منا کے

برا کہتا ہے واعظ دختِ رز کو
یہ غیبت اور پھر گھر میں خدا کے

سب کچھ تو کہہ لیا سرِ محفل برا بھلا
اب اور کیا کہوگے تم اسکے سوا مجھے

اللہ ری شانِ عجز کہ جب خاک ہو گیا
چلتی ہے اپنے دوش پہ لیکر صبا مجھے

مجھی سے کہتا ہے وہ شوخ لیکے دل میرا
جو مفت ہاتھ لگا ہو وہ مال کیسا ہے

کیا کیا بگڑ بگڑ کے وہ میدانِ حشر میں
دامن چھڑا رہے ہیں کسی دادخواہ سے

تجھسا حسین واں بھی نہ کوئی نظر پڑا
گذرا تمام مجمعِ محشر نگاہ سے

ر حسن سے وہ مجمع محشر میں کہتی ہیں
ہزاروں میں نظر جس پر پڑے صورت وہی اچھی

قیدئ الفتِ گیسو کی رہائی کیسی
ہم کہیں چھوٹتے ہیں لاکھ وہ آزاد کرے

لے مزے دردِ محبت کے کسی پر ہوئے
زندگی دے جو خدا مفت نہ برباد کرے

لطفِ شادی سے زیادہ ہے کہیں غم کا مزا
شاد آباد رہے جو ہمیں ناشاد کرے

کیا ردی حال ہوا نزع میں ہچکی سی سلیم
اور مانگو گے دعا کوئی مجھے یاد کرے"

سلیم

م۔ مولوی سلیم اللہ ساکن بدایوں۔ مولوی احمد حسن وحشت بدایونی کے ارشد تلامذہ میں تھے
زبان میں اچھی استعداد تھی معلمی کے ذریعہ سے بسر اوقات کرتے تھے غزل گوئی کی طرف
یہ تھی سلام۔ رباعیات کہنے کا شوق تھا۔ موج کوثر چشمۂ کوثر سلسبیل کوثر چمنِ
منقبت درج ہیں انکی یادگار ہیں ۱۹۲۳ء میں وفات ہوئی ۶۴ برس کی عمر پائی۔

رباعی

سے جو اختلاط چھوڑا ہم نے
احباب سے اپنے منہ کو موڑا ہم نے

دیکھا جو شبیہ بے نیازی کو سلیم
دنیا کا نگار گرچہ لاثانی ہے
غرہ ہے سلیم دن کے آئینہ کا عبث
خورشید جہاں تاب میں ضو تیری ہے

ہر دل میں بھڑکتی ہے تری آتش عشق
آتش میں جہاں سوز جگر سے پایا
فریاد و فغان و آہ و سینہ کوبی
میزان میں اعمال کو تُلتے دیکھا

آساں نہوئی وہ کون مشکل تھی سلیم
سرسبز نہالِ عیش ہونے نہ دیا
غوغائے قیامت نے کیا تنگ بہت
بادۂ کوثر کو پی کر میں شرابی ہو گیا

خواب غفلت سے نہ اٹھا ای دل خانہ خراب
عدم کو چلے ہائے ہم خالی ہاتھ
زمیں پر نہ آرام ہم کو ملا
دئے داغ گردوں نے ہم کو سلیم

برنگ غنچہ پژمردہ ہو رہا ہے دل
ہمیشہ شاہد مضموں سے اختلاط رہا
ہر ایک رکھتا ہے تحت جگر کو آنکھوں میں
دیدہ اُسکی ہے ہم آغوشیٔ عشرت کا سبب

تھرتھراتے ہیں قدم شاہوں کے رعب فقر سے
آئینہ حرص و آز توڑا ہم نے
باقی نہ رہے گا نقش یہ فانی ہے
بے شبہ یہ جان ایک دن جانی ہے

رکھتا یہ تجلی مہ نو تیری ہے
جس شمع کو دیکھتا ہوں ضو تیری کا ہے
شرمندہ گہر سر فلک تر سے پایا
کیا کیا ہم نے الم کے گہر سے پایا

آنکھوں سے دُرِ اشک کو رُلتے دیکھا
ہر عقدۂ دشوار کو کھلتے دیکھا
تخم راحت سلیم بونے نہ دیا
مرقد میں مجھے چین سے سونے نہ دیا

بیخودی میں ہوش بھی نذر خرابی ہو گیا
صبح پیری آگئی عہد جوانی ہو گیا
لٹے راہ میں کارواں کی طرح
رہے "چرخ" میں آسماں کی طرح

کھلے تن پہ گل بوستاں کی طرح
سحاب لطف کے طالب کریم ہم بھی ہیں
خراجدان سخن اے سلیم ہم بھی ہیں
طفل اشک مری چشم تر میں کیوں نہ ہے

عید کا دن ہے بیاض صبح پیشانی مجھے
بن گیا ہے بوریا تخت سلیمانی مجھے

روز محشر کی درازی محو دل سے ہو گئی
یاد جب آئی شب فرقت کی طولانی مجھے

سلام

غم سجاد میں دل محو شیون ہوی جاتا ہے
خدنگ آہ سے گردوں میں روزن ہوی جاتا ہے

رخ معنی پہ جوبن فکر سے ملتا ہوں میں غازہ
دو چنداں شاہد مضموں کا جوبن ہوی جاتا ہے

خرام اشہب حضرت کی جب توصیف لکھتا ہوں
ہر اک مصرع مرا شوخی میں توسن ہوی جاتا ہے

طمانچے مارتا ہے شمر ملعون جب سکینہ کے
رخ زینب برنگ برگ سوسن ہوی جاتا ہے

کٹاتے ہیں جو سر راہ خدا میں شوق سے اپنا
برنگ شمع انکا نام روشن ہوی جاتا ہے

مرثیہ

یارب کھلے مرا چمن لالہ زار نظم
بحر سخن سے آج ہے جوش بہار نظم
سرسبز آب فکر سے ہو شاخسار نظم
دکھائے رنگ باغ جہاں میں بہار نظم
تحسین کا شور ہو دہن ہر صفیر سے
بلبل کے چہچہے ہوں قلم کے صریر سے

اے حسن بیاں شکل بلاغت کو دکھا دے
اے خوبی تقریر فصاحت کو دکھا دے
اے تیغ زباں جوہر فطرت کو دکھا دے
اے ذہن رسا زور طبیعت کو دکھا دے
اے خامۂ اعجاز رقم آج رواں ہو
اے غنچۂ مضموں گل بستان جناں ہو

صف باندھے ہوئے آئے مضامیں کا لشکر
ہو جائے فتح بندش یکتا نہ اٹھے سر
نائیں مرے لوہے کو جو اس فن کے ہیں افسر
رستم کی طرح معرکۂ نظم کروں سر
طبل و علم و تاج مرے سامنے لائیں
شاہان سخن باج مرے سامنے لائیں

بندش سے مری شوکت جمشید دکھا دے
کاغذ سے بیاض سحر عید دکھا دے
لفظوں سے مرے جلوۂ ناہید دکھا دے
ہر دائرہ حرف سے خورشید دکھا دے
عالم ہو منور مرے معنی کی ضیا سے

خورشید چھپے پردۂ مغرب میں حیا سے

ہر گام پہ چلتا ہے دم جنگ نئی چال ۔ خوگر ہے جو خوں ریزئ دشمن کا مہ و سال
سبزہ کی طرح فوج عدو کرتا ہے پامال ۔ ہمرنگ گل تر ہیں قدم خوں میں ہوئے لال

مجروح عدو نعل کے خنجر سے کٹے ہیں
مانند چمن دن میں گل زخم کھلے ہیں

گہ کاٹ کے بکتر کو عجب ڈھنگ سے نکلی ۔ گہ مثل فغاں سینۂ سر سنگ سے نکلی
مانند شرر گاہ دل سنگ سے نکلی ۔ گہ صورت رستم سپہ جنگ سے نکلی

سیفی کا نمونہ وہ حسام دو زباں تھی
اک ہاتھ میں رہوار کا سر تھا نہ عناں تھی

سلیم۔ مولوی وحید الدین باشندۂ پانی پت۔ مولانا حالی کے قریبی عزیز ہیں۔ اور شاید فن سخن میں اُن سے مستفیض ہوئے ہیں۔ عرصہ دراز تک علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے اڈیٹر رہے پھر لکھنؤ میں اخبار مسلم گزٹ کو آپ ہی کی ادارت میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ آجکل اُردو جامع عثمانیہ میں پروفیسر ہیں اور حیدرآباد دکن کی ادبی مجالس میں بڑے ذوق شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ آپکی عمر قریبًا پچاس برس کی ہوگی۔ دور موجودہ کے قابل اور مستعد اہل ادب میں آپ درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

سلیم

سرو بن کے رہ نہ جائے تو اے طائر چمن ۔ گائینگے اک ترانۂ رنگیں چمن میں ہم
ہے جی میں ہو کے نعرہ زناں تیر عشق میں ۔ اک زلزلہ سا ڈالدیں چرخ کہن میں ہم
پہلو میں لائے ہیں دل افسردہ اپنے ساتھ ۔ ہیں اک چراغ کشتہ تری انجمن میں ہم
ہیں دیکھتے ہنسی میں تری موج زندگی ۔ پاتے ہیں موت تیری جبیں کی شکن میں ہم
اے شیخ جب نظر میں نہ تیری سما سکے ۔ پیدا کرینگے راہ دل برہمن میں ہم
پرتو ہے تیرے حسن کی نیرنگیوں کا یہ ۔ پاتے ہیں رنگ و بوئے گل و سمن میں ہم

دنیا میں ہوا ولولۂ دید کی ہے تیز
نے عالم فطرت ترے پردے الٹ جائیں

افسردہ ارادے تری مٹھی میں ہیں اے دل
یہ تیر تو وہ ہیں جو نشانے سے اچٹ جائیں

اے عشق تری شوخیاں اب حد سے سوا ہیں
خطرہ ہے کہیں حسن کے تیور نہ پلٹ جائیں

تیری نظر لطف پہ بنیاد جہاں ہے
برپا ہو قیامت ترے تیور جو پلٹ جائیں

اے کاش ہو وہ جلوہ بہ رنگ نمایاں
یہ زنگ کے بادل ہیں جو چھائے ہیں پھٹ جائیں

یوں عقل پہ چھائے ہیں مرے نفس کے حیلے
جس طرح کہ چیتے کسی آہو پہ جھپٹ جائیں

احسان نہ اٹھاؤں گا کبھی ابر کرم کا
گو باغ تمنا میں جو بوٹے ہیں وہ چھٹ جائیں

کس کام کی اے دل وہ ترقی کی امنگیں
ہر دم صف انجم سے جو ٹکرا کے پلٹ جائیں

منزل ہے کٹھن راہ فنا کہتے ہیں جس کو
حیرت نہیں گر خضر کے پاؤں بھی رپٹ جائیں

بلبل جو اڑاتی ہے وہاں سوز جگر سے
اندیشہ ہے پھولوں کے کہیں رنگ نہ لٹ جائیں

انگشت نما ہونے سے یوں جاتی ہے رونق
انگلی سے گلستاں کے ورق جیسے الٹ جائیں

تم اور قیامت کا نہ دکھلاؤ تماشا
فتنے نہ کہیں آن کے دامن سے لپٹ جائیں

رکھ نفس کے جذبوں سے سلیم آپ کو محفوظ
یہ سانپ ہیں تا کاٹ کے جو دم پہ لپٹ جائیں

جبکہ خطرے سے چکا تھا دین و دنیا کو جواب
اُن تمناؤں کی اب کرنی پڑی قربانی مجھے

سلیم

سلیم ۔ منشی سلیم اللہ خاں محرر ڈسٹرکٹ بورڈ اٹاوہ ۔ تلمیذ شوکت میرٹھی ۔ آپ کا کلام سوز و گداز سے خالی درد و اثر سے بے نیاز ہے ۔ آورد بہت ہے آمد کا نام نہیں اپنے استاد کی تقلید میں صید مضمون کے پیچھے شہباز خیال کو چھوڑ دیتے ہیں جو کچھ شکار ہاتھ لگتا ہے اُس پر قانع ہیں ۔ فکر کی نکتہ رسی یہ ہے ؎

دیر و کعبہ میں بتا غافل ہے کیا رکھا ہوا
شاہد مقصود ہے دل میں ترے بیٹھا ہوا

ہجوم تشنگان آب خنجر قتل گہ میں ہے
کریں سیراب کس کس کو وہ خود گھبرائے جاتے ہیں

حنا جب غیر ملتے ہیں کف پائے ستمگر میں
تو پھر جاتا ہے خون حسرت میرے دیدۂ تر میں

آغوشِ ضبط سے تجھے ڈالیگا خاک پر — اے طفلِ اشک پنجۂ مژگاں کے سبزہ ہو

سلیمِ غمزدہ کا حال ساقی پوچھتا ہے کیا — فلک کے ہاتھ سے گردش میں شکلِ جام پھرتا ہے

اسی غم سے میں روتا ہوں کہ اس غارت گرِ دل نے — کبھی ہنسکر نہ یہ پوچھا کہ تیرا مدعا کیا ہے

تارِ نفس پر آتی ہے ہر دم یہی خبر — گردن کا تیری رشتہ ملا لامکاں سے ہے

کر سیر تو وجود کی سب کچھ اسی میں ہے — وہ کعبہ و کنشت میں آیا کہاں سے ہے

یوں نغمہ زن ہے نے کہ ذرا ہوشیار ہو — واں کی بھی کچھ خبر ہے کہ تو آیا جہاں سے ہے

سلیم

سلیم۔ حکیم سید فیض الحسن سہسوانی۔ آپ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آج کل بمبئی میں مقیم ہیں۔ سادہ گو اور سلاست پسند ہیں۔ کلام گرمی اور شوخی سے بیگانہ ہے انتخاب یہ ہے۔

وحشت کفن کو دیکھ کے کہتی ہے اسطرح — اچھا لباس ہے کہ کہیں آستیں نہیں

اے آسمان ظلم کی کچھ انتہا بھی ہے — دو گز مرے مزار کو پیدا زمیں نہیں

وحشت بڑھی ہوئی ہے دلِ بیقرار میں — دامن ادھر سیا تو ادھر آستیں نہیں

میری ہے یہ بساط کہ کچھ بھی نہیں قرار — میری ہے یہ مثال جہاں ہوں وہیں نہیں

سلیم

سلیم۔ سلیم الدین صاحب بہار کے ایک معزز خاندان سے ہیں ۱۹۱۲ء میں آپکی عمر ۲۰ سال کی تھی اور انٹرنس کلاس میں پڑھتے تھے سخن گوئی کا شوق لڑکپن سے ہے۔ خوشفکر شاعر ہیں طبیعت میں آمد ہے۔ اکثر موقعوں پر برجستہ شعر کہتے ہیں۔ کلام یہ ہے

کوئے دلبر کی ہوا سر میں سمائی ہے سلیم — خاک خوش ہوں گے بھلا روضۂ رضواں لیکر

سوزِ دروں نے آہ ہمیں خاک کر دیا — رکھتا تھا ولیں ہم سے کہاں کا غبارِ دل

رنگِ خودی مٹائے دل سے دوئی اٹھا دے — اک جلوہ میں دکھائے ہوں منتظر میں کب سے

پردۂ ساز میں در پردہ کوئی ہے معشوق — دل جو کھنچ جاتا ہے دلکش و صدا کون سی ہے

سجدہ کرتے ہیں جسے حسن لئے شام سحر — ماہ و خورشید میں یارب یہ ضیا کون سی ہے

سلیم

سلیم۔ منشی سید قادر الدین حیدر آبادی ۱۹۰۱ء میں جب آغا شاعر دہلوی دکن میں راجہ انت

کی سرکار میں ملازم تھے۔ اسوقت یہ انہیں سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ بندشیں صاف ستھری۔ خیالات پیچیدگی سے آزاد ہیں کیوں نہو استاد کیسا ماہر زبان اور جادو طراز سخنور ہے اس زمانہ کا منتخب کلام یہ ہے ؎

عبث تکلیف کی ذکرِ عدو کو چھیڑ کر تم نے ۔۔۔ جلانے کے لئے کیا آتشِ رشکِ حنا کم تھی
بچایا مہربانی نے تری ہر طرح سے ورنہ ۔۔۔ عدو کو خاک کر دینے کو میری آہ کیا کم تھی

یہ دیکھنا ہے دیکھینگے وہ کسکو بزم میں ۔۔۔ لاکھوں لڑی ہوئی ہیں نگاہیں نگاہ سے
دل ہو جگر ہو چھید گیا جو سامنے ہوا ۔۔۔ اللہ کی پناہ کسی کی نگاہ سے

سلیمان سلیمان – سلیمان خاں صاحب دہلوی مقیم عظیم آباد۔ شعرائے قدیم سے تھے اشرف خاں فغاں دہلوی سے تلمذ تھا۔ مضمون آفرینی کے دلدادہ تھے۔ حسن خیال یہ ہے ؎

جھکی جاتی ہیں آنکھیں آج نرگس کی گلستاں میں ۔۔۔ چمن میں ذکر تھا شاید تری مخمور آنکھوں کا
نظر آئی حنابندی مجھے کس گل کے ہاتھوں کی ۔۔۔ کہ اشکِ سرخ سے کاسہ ہوا معمور آنکھوں کا
دیا کس مست کے ہاتھوں میں اپنے شیشۂ دل کو ۔۔۔ سلیماں سا کوئی دیکھا نہیں معذور آنکھوں کا

سلیمان سلیمان – صاحب عالم و عالمیان۔ میرزا سلیمان شکوہ بہادر خلف سوئم خلد مکانی حضرت شاہ عالم ثانی۔ تباہیٔ سلطنت یعنی ہنگام غلام قادر کی بغاوت کے بعد قلعۂ معلی کی سکونت ترک فرما کر اپنے برادر بزرگ میرزا جواں بخت بہادر ولی عہد کیطرح لکھنؤ میں اقامت گزیں ہوئے نواب آصف الدولہ بہادر نے بنام صرف خاصہ اخراجات سرکار شاہزادہ کیلئے چھ ہزار ماہوار مقرر کر دیئے۔ نواب سعادت علیخاں اور غازی الدین حیدر ۱۸۱۹ء تک حسب دستور قدیم صاحب عالم کے سامنے وزیر اعظم کیطرح پیش آئے۔ نذریں دیں خلعت پہنے جب غازی الدین حیدر نے تاج شاہی پہنکر تخت سلطنت پر جلوس کیا تو بدرجہ مساوات ملاقات چاہی۔ صاحب عالم کو یہ جدید حرکت ناگوار گذری لیکن باقتضائے مصلحت وقت میرزا نصیر الدین حیدر کیساتھ اپنی صاحبزادی کی شادی کر دی جو سلطان بہو کے خطاب سے مشہور ہوئیں۔ مگر ہمیشہ شوہر سے ناموافقت

رہی۔ انہیں اسباب سے صاحب عالم سخت دل برداشتہ اور آزردہ خاطر ہے۔ آخر کار ۲۸ سال لکھنؤ میں قیام فرما کر کاسگنج میں اپنے پرانے دوست کرنل گارڈنر کے پاس چند ماہ رہ کر اکبرآباد میں سکونت اختیار کر لی۔ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں کئی بار دہلی آئے۔ اور اپنی متعدد لڑکے لڑکیوں کی شادیاں رچائیں۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ مطابق فروری ۱۸۳۸ء میں انتقال کیا۔ ع۔ بگو گرد بر شاہ رحمت خدا۔ کتبہ لوح مزار ہے۔ صاحب عالم بادشاہ اکبر کے مقبرہ میں بمقام سکندرہ مدفون ہوئے۔

آپ کثیر العیال علماء و شعرا کے قدردان۔ با مروت نیک خو تھے۔ ابتدائے شوق میں شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے انشاء اللہ خاں اور مصحفی کے زمانہ میں کہنہ مشق تھے۔ دہلی سے جو باکمال لکھنؤ جاتا تھا پہلے انکے ہاں حاضر ہوتا تھا اور یہ بھی الطاف امیرانہ سے پیش آتے تھے۔ لکھنؤ میں انکے دولتکدہ پر مشاعرے ہوتے تھے۔ مصحفی، قتیل، انشا، میر حسن سب اسی سرکار کے دعاگو تھے۔ اور انکے مطارحات اور مبلشے اکثر آپ ہی کے دربار میں رہے ہے۔ کلام میں عالی دماغی کی بو آتی ہے۔ الفاظ سے شاہانہ شوکت پائی جاتی ہے۔ آپکا قلمی دیوان مولف تذکرہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ کلام دُربار کا انتخاب یہ ہے

لبوں پہ آکے جو نالہ نہ ہٹ گیا ہوتا	تو آسمان و زمیں سب الٹ گیا ہوتا
جنازہ تیرے دیوانہ کا اس توقیر سے اٹھا	کہ شور نالہ ہر اک خانۂ زنجیر سے اٹھا
کہاں ہے شیشہ مے محتسب سے خدا ڈر	مری بغل میں چھلکتا ہے آبلہ دل کا
کرے یہ کاش فلک میرا بند بند جدا	یہ مجھسے ہو نہ مرا شوخ خود پسند جدا
ای سلیماں عشق کی آتش سے سر تا پا ہے یہ	آگ کا شعلہ سا اک بھڑکا بھڑک کر رہ گیا
وہاں جرأت وہ غیروں سے ہم کنار رہا	ہمارے دل کو یہاں سخت اضطرار رہا
کسیکے موتیوں کا ہار شب جو یاد آیا	تو تار اشک سحر تک گلے کا ہار رہا
کسکو تیمم طرۂ سنبل نے غش کیا	ہمکو تو تیری طرز تغافل نے غش کیا

کچھ تو اثر کیا ہے دل کی کشش نے تیری
ڈوبے اور اچھلے کیا کیا اس بحرِ عشق میں ہم
تاجِ شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیماں
جان دی راہِ محبت میں الٰہی صد شکر

جو رِ بلبل پر نہ اتنا بھی اٹھا اے صیاد کر
کس مست کا کرشمہ ہی آنکھوں کا اب جو یوں
ساقی نے اسکو دیکھتے ہی لاکے رکھدیا
کچھ ضد ہی اسکو یہ کہ مٹاتا ہے پانوں سے

وہ پری بولی کہ یاد آتی ہے مجھکو ہے ہے
مجھ پہ غصہ ہو وہ سب موتیوں کے ہار کو توڑ
زخم کھا کر جو گرا میں تو وہ یوں کہنے لگا
ہٹ ہے گر دل ہی پہ اسکی تو سلیماں ڈال دے
منزلِ عشق ہی سخت اے دلِ رنجور ہو دراز
دیکھکر زلفِ گرہ گیر تری اے کافر
نہ فقط نعرہ سے ہے اپنے زمیں کو جنبش
نکہت تری زلفوں کی سنگھا دیتی ہے دو دو ہیں
کیوں آنکھیں جھپکی آویں نہ آتا ہے مجھے تو
تک تختِ ہوا دار کو لے تھام سلیماں
جو بوسہ لینے کی ہے تم میں اور ہم میں شرط
مجھے خطرہ ہے کہ بے طرح اشکباری کی

بنیادِ شکیب و صبرِ دل سے

پڑھتا جو وہ سلیماں اشعار گھر سے نکلا
پایا نہ حیف اپنا اِک صورت آشنا سا
تیمور کا تو پوتا عباس کا نواسا
بات جو ہم نے کہی تھی وہ نباہی صد شکر

نو بہار آئی ہے اسکو چھوڑ دے آزاد کر
بکھرے پڑے ہیں کل بادام دوش پر
سب میکشی کا رات سر انجام دوش پر
نکھ نکھ کے ہر گھڑی وہ مرا نام دوش پر

چاندنی رات میں کرنی وہ سلیماں کی سیر
بوسے لے اب تو کہیں آنسوؤں کے تار کو توڑ
اچھا اچھا تو تڑپ کر مری تلوار کو توڑ
ایک دل کیلئے مت خاطرِ دلدار کو توڑ
تجھ میں طاقت نہیں مت کر سفرِ دور دراز
شانہ ہونیکی رکھے ہے دلِ صد چاک ہوس
بلکہ اس صدمہ سے ہے چرخِ بریں کو جنبش
پاتی ہے مجھے جبکہ نسیمِ سحری غش
یہ سیج تری دیکھ کے پھولوں کی بھری غش
یاں کہتے ہیں تجھیر ہوئی ہے ایک پری غش
سو جیتے ہیں اب تم سی کوئی دم میں شرط
بندھی ہے ابر میں اور میری چشم نم میں شرط

افسوس چلا اکھاڑ کر عشق

کیا کیا نہ جوانوں کی رہا آہ
بستا ہوا ملکِ دلِ بیمارا
جس پہ سوجی سے ہے اپنا دلِ مضطر عاشق
دردِ دل کی مرے تب قدر ہو اُسکو معلوم
جیتے جی اب کوئی اٹھتے ہیں کہ آ بیٹھے ہیں
ہنس کے کہہ دیتا ترا "کون ہے مجھ پر عاشق"
جب کہا تم نے کہ پتھر پڑیں اُس سر تو وہیں
اُس نے غرفہ میں سے جھانکا تو بہانہ کر کے
تیری شب فراق میں میں کیا کہوں کہ آہ
دیکھکر یار تری جلوہ گری کا عالم
اشک آتے ہیں لئے نعشِ دل اس شور زمیں سے
کہاں طاقت کہ پہنچیں ساتھ ہم ہمراہاں اور ہم
اٹھایا بوجھ ہم نے سب یہ سر پر عشق کی دولت
تمنا ہو سُنے دل میں جسکو جنت کی سو کافر ہو
ساقیا ہے یہ جام کا عالم
اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے
تجھ پہ ہے ان دنوں میں نام خدا
دسے ہیں تو وہ سے گلفام ساقی ابر میں
زلف و رُخ کا شیفتہ ہو جو کوئی تیرا آئے
کیونکر میں ہاتھ پکڑوں اُس گلبدن کے ہمدم
تیرے قدم سے یک شب اگر ملے جو پیارے

صورت سیج دیج بگاڑ کر عشق
بے طرح گیا اُجاڑ کر عشق
ہائے وہ شخص ہے اور کسی پر عاشق
آپ ہی جب ہو کسی پردہ ستمگر عاشق
آہ کی دُھونی لگا کر ترے در پر عاشق
مرتے ہیں ایسی ہی باتوں پہ تو اکثر عاشق
رہ گیا مار کے بس چھاتی پہ پتھر عاشق
گر پڑا کھا کے وہیں کوچہ میں ٹھوکر عاشق
تا صبح دم پلک سے رہی ہے جھڑی پلک
صفِ عشاق میں ہے بے خبری کا عالم
کہ ہر اک قطرہ ہے اک نوحہ گری کا عالم
تھکے ماندے چلے آتے ہیں گردِ کارواں اور ہم
وگرنہ سوچئے جی میں تو یہ بارِ گراں اور ہم
یہی ہے آرزو دل میں کہ ہو کوئے بتاں اور ہم
جیسے ماہِ تمام کا عالم
شبِ ہجراں کی شام کا عالم
کچھ عجب دُھوم دھام کا عالم
جھکا ہو خورشید دُردآشام ساقی ابر میں
کچھ نہیں معلوم صبح و شام ساقی ابر میں
جھکی کہ شاخِ گل سے نازک کلائیاں ہوں
چہرہ پہ چاند کے پھر ہرگز نہ جھائیاں ہوں

دو چار جام ہم سے ساقی جو بھر کے دیوے
دیکھے ہیں ہم نے لاکھوں وہ نیند اس سجدہ کرتے
ہم تو کب آپ تلک آپ سے آ سکتے ہیں
جبہ سائی کا نشاں جائے جبیں سے کیونکر
اٹھ کے وہ وقت سحر لینے جو گھر جاتے ہیں
تجھکو پروا نہیں ہے ایک بھی اور تجھ پر
اس اندھیرے میں دبے پاؤں اکیلے چپکے
ہاتھ اب قبضۂ شمشیر پہ رکھتے ہو جو تم
کیا بری خو ہے بتوں میں یہ سلیمان واللہ
گیا دن ہجر کا تو ہر طرح سے آہ و زاری میں
دوپٹہ بادلہ کا اوڑھ کر نکلا جو وہ گھر سے
بجلی چمک ہی ہے بادل برس رہے ہیں
مانع تھی ناتوانی صبر و کا گنہ کیا
آئے کیوں بیٹھے گنا کیجئے بھلا راتوں کو
اسکو مرنے کی خبر پہنچی جو عاشق کی تو بس
بوئے گل زور اڑا کر یہ لئے جاتی ہے
وہاں جب دست تنہائی کا اٹھا قیس کے دل میں
ٹھہر جا توڑتا دم کا تو اسکے دیکھ لے قاتل
دیکھی ہوگی موسیٰ نے بھی کوہ طور پر ایسی
دھوپ میں لے سنے جو دیکھا مجھے پھرتا تو کہا
یہ تو کہہ دیجئے کیا دل میں ہے صاحب کے بھلا

تو ابر میں نشہ کی کیا کیا چڑھائیاں ہوں
کیونکر نہ اب بتوں کے گھر میں خدائیاں ہوں
آپ چاہیں تو ہمیں پل میں بلا سکتے ہیں
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
کچھ نشانی مرے تکیہ تلے دھر جاتے ہیں
سیکڑوں جان سے یاں اپنی گذر جاتے ہیں
یہ تو فرمائیے اب آپ کدھر جاتے ہیں
اس ڈرانے سے بھلا ہم کوئی ڈر جاتے ہیں
دل کو لیتے ہیں یہ اور لیکے مکر جاتے ہیں
شب فرقت کٹیگی کیونکہ یارب بیقراری میں
نظر آنے لگی شب چاندنی سی اسکے پرتو میں
صہبا بغیر ساقی میکش ترس رہے ہیں
قید قفس میں کیا ہم کچھ اپنے بس رہے ہیں
اپنے آجائے جو وہ زہرہ جبیں قابو میں
ہنسکے بولا کہ میں کیا ہاتھ قضا کا پکڑوں
دل میں ہے آج گریباں صبا کا پکڑوں
تو یاں چھاتی پکڑ لیلیٰ ہوئی غش اپنے محمل میں
رمق سی اور اک باقی ہے تیری نیم بسمل میں
تجلی شب جو ساقی نے دکھائی اپنی محفل میں
بیٹھ جا تجھکو مرے سر کی قسم سایہ میں
آپ آکر جو لیے ہیں مرے ہم سایہ میں

ہاتھ آوے جو مرے شیشہ و ساغر ساقی + تو یہ سمجھوں کہ ہوا آج فلک میں قابو میں

معجزِ عیسیٰ نہ ظاہر ہو ترے ہونٹوں سے جو — کیوں نہ پھر تیرے مریضِ غم کی نبضیں چھوٹ جائیں
بند کر آنکھیں ہو بیٹھیں دیوانہ پن میں سرنگوں — جس طرح ہو غنچۂ نرگس چمن میں سرنگوں
دیکھکر تیرا فروغِ حسن اسے مہ رشک کہا — شمعِ محفل گر پڑی ہو کر لگن میں سرنگوں

اے باغباں ستا مت ان بلبلوں کو ناحق — آ گئے بھی آشیانے انکے اُجڑ رہے ہیں

وہ گل بولے کہ لو قرآن پر ہم ہاتھ دھرتے ہیں — جو تم سچ مچ ہمیں مرتے ہو تو ہم بھی تم پہ مرتے ہیں
قسم دیگر نہ پوچھو ہم سے دیکھو رات کی باتیں — کہینگے تو خفا ہو گے اجی ہم تم سے ڈرتے ہیں
ولیا سواسطے ہم ہاتھ دھرے پھرتے ہیں — کہ وہ جھنجلائے ہوئے ہم سے پرے پھرتے ہیں

نہ مانوں گا میں کبھی وعدہ آپ کا صاحب — ہمیشہ مجھسے یوں ہی صبح و شام کرتے ہیں
وہ میرے نالوں کو سنکر لگے یہ فرمانے — کہ آپ نیند ہماری حرام کرتے ہیں
بھرا ہے آنکھوں میں زہر ان بتوں کی یہ جس سے — نظر ملاتے ہیں اسکو تمام کرتے ہیں
ہمیں وہ یاد سلیماں ہے عملِ تسخیرات — کہ ایک بات میں وحشی کو رام کرتے ہیں

جنہیں آتی نہیں سیدھی لکیریں کھینچنی مطلق — زبردستی انہیں سب مانی و بہزاد کہتے ہیں

نہ جاگنے میں وہ لذت ہے اور نہ سونے میں — مزا جو پایا ہے پچھلے پہر کے رونے میں
وہ چونک نیند سے اور دیکھ اپنی چوٹی کو — پکارے سانپ تھا یہ مرے بچھونے میں
وہ میری چشمِ گہربار دیکھکر بولے — یہ خوب طاق ہیں سلکِ گہر پرونے میں

رات کو گھر سے نکل کر نہ ستائیے دیکھو — میرے اشکوں کی چمک آنکے پیارے دیکھو
چوری چھلے کی لگا نہ مجھے بس جاؤ — اپنے سب کھول کے صندوق پٹارے دیکھو
آزمائش جو کریں وہ تو سلیماں کہدو — جس طرح چاہو اجی دل کو ہمارے دیکھو

تڑپے ہے سینہ میں دل جان نہ ٹالو اسکو — عید کا دن ہے گلے تک تو لگا لو اسکو

وعدہ ملنے کا کر ہم سے جاتے ہو گھر غیروں سے — آگ بن اور بن تیل کڑاہی جلبتوں کو جلواتے ہو
پیتے ہو دن رات شراب اور مست مدام رہتے ہو — پوچھتے ہو عاشق کو ہنس ہنس کیا پیتے کیا کھاتے ہو

پھول عاشق کے وہاں ہو گئے کب کے صاحب + آپ پھولوں سے یہاں گود بھرے پھرتے ہیں

جاؤ کہیں تبلاؤ کہیں سر پاؤں تمہاری بات کا کیا
کہتے کچھ ہو سنتے کچھ ہو جھٹکاتے ہو بہکاتے ہو

| غیر کو دیکھ کے نہ شرماؤ
اے میں قسران ٹک دم دیکھو |

باہیں گلے میں ڈال کے ہو جی میں آج رات
ہائے کس طرح لیجئے در آغوش ماہ کو

ایک مٹی کا سا تو وہ بن کے وہ بیٹھا تو کیا
گرمی صحبت بھی لازم ہے کچھ اک انسان کو

رات کو اک بات میری مان وہ کہنے لگے
ہے یہ لازم یاد رکھے آدمی احسان کو

ہم صفیران چمن تم نہ گلستاں میں چلو
ہو جو دل کھول کے رونا تو بیاباں میں چلو

کھڑے ہیں دیکھنے کو ہم گئی ہیں آپ کی کس سے
ٹک اک کوٹھے پہ اپنے تم بسال ماہ آ جاؤ

غیر کا نام جو تم پیار سے لیتے ہو تو بس
ایک برچھی سے کہ پہلو میں چبھو دیتے ہو

| بیدادی لشکر جنوں سے
بستی دل کی اجڑ گئی ہے |

میں روٹھ کر چلا تو سیماں وہ بول اٹھے
آگے قدم رکھے تو ہمارا لہو پیئے

اختلاط آپ سے اور مجھ سے کہاں کا ایسا
میرے زانو سے جو زانو کو وہ ٹکر بیٹھے

ہمیں جو آسنے سونی رات کو زنجیر سونکی
تو آسکے تھے یہ معنی یعنی کر تدبیر سونے کی

چھاتی مری بھر آئے نہ کیوں ابر کی طرح
خالی پڑا یہ بزم میں جام شراب ہے

تقوی و زہد سے ہمیں کیا کام زاہدو
دنیا میں جو کہ ہے سو شراب و کباب ہے

میرے پہلو سے نکلتے ہی لہو رونے لگا
دیکھ لے بیدرد کیا پر درد تیرا تیر ہے

کس کے خفا ہو بدلے ... دیکھو ... کر
جیسی طرح سے یاں آگئے ...

| عشق سے منع مت کر اے ناصح
کیا کریں عالم جوانی ہے |

ہاتھ سے ساقی کے لے کر نشہ میں رات کو
پی گیا میں ایک دو کر کے پیالے کئی

محتسب کے ظلم سے میں کیا کہوں اے میکشو
خم پڑے ہیں ٹکڑے اور ویران ہیں میخانے کئی

صبح ہوتے ہی جو اپنے گھر کو وہ جانے لگے
تو مجھے کس کس طرح سے ہائے سمجھانے لگے

رو رو ہو کے جس طرح سے بنی رات کٹ گئی
کیا سرگذشت پوچھتے ہو مجھ غریب کی

کسی کا دل جو گرفتار ہو کسی کے ساتھ ۔۔۔ تو اُس کے منہ سے بھلا کس طرح ہنسی نکلے

زیب دیتی تھی سرمہ کیوں نہ چشم یار کو ۔۔۔ نیلگوں گنبد اٹھایا مردم بیمار کو

اوروں کی طرف اٹھا نہ اپنی چشم

گالی نہ دیا کرو کسی کو ۔۔۔ بس بس اپنی زباں سنبھالو

غرفہ میں سے جھانک پاس آپنے ۔۔۔ غیروں کو ہنسی خوشی بلا لو

اور ہم سے ہزار حیف پیارے ۔۔۔ منہ کو شرما کے یوں چھپا لو

ہے قافلۂ عمر کا روانہ ۔۔۔ رخت اپنا مسافرو سنبھالو

بت خانہ کی راہ کو سلیماں ۔۔۔ چھوڑو تم اور رہ خدا لو

سیر گل تم کرو آئینہ میں ہم دیکھتے ہیں ۔۔۔ زعفران زار کی سیر اپنے ترنج زرد کیسا تھا

ٹپکے ہے خوں ٹھہر ٹھہر لخت جگر کی قاش سے ۔۔۔ چھیڑ دو اسکو صاحبو تیز قلم تراش سے

یار کے غم میں کچھ نہیں فکر ہمیں معاش سے ۔۔۔ آمد خوں ہے دم بدم سینہ کی ہر خراش سے

جیسی ہے خوش تراش چھب نام خدا تری صنم ۔۔۔ ایسی نہ شکل بن سکے آزر بت تراش سے

آج تم غیر سے چھینٹے جو اڑے پانی کے ۔۔۔ پڑ گئے ہیں پہ گویا لاکھ گھڑے پانی کے

وفور اشک سے کیونکر ہے اپنی چشم نم خالی ۔۔۔ جو دریا جوش سے بہتا ہے ہوتا ہے کم خالی

بڑنگ نے دل پروانہ میں سوراخ ہوتے وہ ۔۔۔ صدائے درد سے ہر یک جہاں چھوڑیں ہم خالی

گیر ٹے سے کئے ہیں گیر ڈے ہیں وہ نقیر آج ۔۔۔ کتنے ہوئے ہیں لہو میں لال سرخ ترے لباس سے

ق

میرے سخن کی قدر کو جانے سلیماں وہ کوئی ۔۔۔ جو اُسے دیکھے غور کر چشم گہر شناس سے

ہاتھ جب چھاتی پہ رکھکر اُسکی میں نے یوں کہا ۔۔۔ "توجہ" میرے ہاتھ میں یہ جفت کیسے یلاق ہے

تب کہا اس نے یہ ہنسکر راہ شوخی سے مجھے ۔۔۔ ایک ہی اللہ اپنے کام میں تو طاق ہے

سلیمان: **سلیمان** - صاحب عالم - میرزا سلیمان قدر بہادر خلف عرش آرام گاہ حضرت امجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ - از بطن ملکہ گیتی خاندان اودہ کی آخری یادگار - نازک طبع - رنگین خیال شاعر تھے ذہن میں بلند پروازی - بیان میں انوکھا پن تھا - لکھنؤ کی زبان فصیح بول چال کے مالک تھے - سنہ ۱۹۱۰ء میں

انتقال ہوا۔ نواب میرزا جعفر علیخاں صاحب سالم لکھنوی رئیس شیش محل نے تاریخ وفات لکھی کہ "آج اودھ سے مٹ گیا نام و نشان سلطنت" راقم تذکرہ کو لکھنؤ میں آپکی خدمت میں

دیں۔ [illegible]

آپ نے ظلم کئے ہوتے ستایا ہوتا
پر مجھے اپنی نظر سے نہ گرایا ہوتا

آئی ہے فصل بہار اُٹھی ہے گھنگھور گھٹا
ساقیا آج تو مستوں کو چھکایا ہوتا

قصۂ نواں شوق کہانی کا ہے انکو
حال دل میرا اسی طرح سنایا ہوتا

ناخن غم کی رہا کرتی ہے ہر وقت خراش
ورنہ سینہ جگر کباب کا بھرآیا ہوتا

ہمارا مرغ دل صید نگہ تھا
کماں سے تیر کیوں بیکار مارا

جلائے ٹھوکروں سے تم نے مردے
ہزاروں کو دم رفتار مارا

اشارہ سرمگیں آنکھوں سے کرکے
مرے قاتل نے بے تلوار مارا

نہیں ڈر ہی کیا جب نہیں سر عزیز
جوانی وہاں باڑھ پر ہے تو کیا

نہ آئینگے میری عیادت کو وہ
ادھر کی جو دنیا اُدھر ہے تو کیا

ترے درد دل کا کرے کچھ علاج
زمانہ کا وہ چارہ گر ہے تو کیا

سلیماں نہ دینگے کبھی اسکو دل
وہ بلقیس ثانی اگر ہے تو کیا

[illegible]

آج جو غیر کی گردن میں ہیں ہار اے آہ رسا
کل انہیں ہاتھوں سے تھا وہ گلے آئینگے

بت ہمرنگ کی مدتوں سے دل میں بستی ہے
خدا کی شان کعبے میں عجائب بت پرستی ہے

غرض شیخ و برہمن سے نہیں نہ مشرب ہوں
عبادت خانہ میخانہ ہے مذہب بُت پرستی ہے

سلیمان

سلیمان ۔ نواب والاتبار سید حسین علی میرزا عرف منجھلے حضور خلف اوسط نواب ناظم فریدان جاہ منصور علیخاں انکی والدہ نواب شاہ النسا بیگم فریدوں جاہ کی بیویوں میں معتمد اور ممتاز تھیں اور وہ انکے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ نواب شاہ النسا بیگم نے جنوری ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا جب ۱۸۸۰ء میں نواب ناظم اپنے آبائی حقوق نظامت سے دست بردار ہو تو سرکار نے انکی والدہ اور انکا ملاکر ۲۷ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ ۱۸۹۶ء میں اپنے برادر بزرگ نواب سر سید حسن علے

میرزا اور چھوٹے بھائی نواب ہمایوں قدر محمد علی میرزا معروف بہ امیر صاحب کے ہمراہ بغرض تعلیم ولایت گئے۔ کرنل ہربرٹ انکے اتالیق مقرر ہوئے۔ موجودہ نواب مرشد آباد انکے بھتیجے اور داماد ہیں۔ آمد نی میں انکی نیک طبعی اور فیاضی مشہور و معروف ہے۔ طبیعت کو شاعری سے مناسبت تھی طرز بیان دلفریب فکر میں سنجیدگی۔ زبان میں شیرینی۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

تعلق جسمِ خاکی کا ہوا مانع حضوری کا
یہی پردہ ہمارے اور تیرے درمیاں نکلا

پسِ مردن کھلا ہم پر مآلِ کارِ دنیا
جسے سمجھے تھے بیداری وہ اک خوابِ گراں نکلا

گرمیٔ مہرِ قیامت سے ضرر کیا ہوگا
جسکے سر پر تری دیوار کا سایا ہوگا

جان لیگی جو تمنائے وصالِ دلبر
دوشِ حسرت پہ واں اپنا جنازہ ہوگا

ہم نشیں کیا دیکھتے ہیں چہرۂ بیمارِ صبح
ہے شکستِ رنگِ رخ آئینۂ آثارِ صبح

ہیں یہ دونوں بہرِ عاشق کاہشِ جانِ حزیں
آہ بے تاثیرِ شام و نالۂ بیکارِ صبح

جس قدر بھی گوہرِ انجم ترے کیسہ میں ہوں
آسماں کردے نثارِ جلوۂ رخسارِ صبح

بوئے باغِ خلد لاتی ہے نسیمِ جانفزا
کھولتا ہے آسماں جس دم درِ گلزارِ صبح

وصل کی شب یہ خبر کیا تھی کہ لے دوڑ فلک
شام ہوتے ہی عیاں ہوجائینگے آثارِ صبح

سانپ کے منہ میں عقیقِ سرخ ہے کہتے ہیں لوگ
ہے عیاں یوں خونِ دل میرا زبانِ تیر پر

اہلِ محفل ہوں نہ کیوں خود رفتۂ حسنِ تباں
نطق خود حیراں ہے تیری خوبیٔ تقریر پر

فاتحہ پڑھنے بھی برسوں سے کوئی آتا نہیں
بیکسی روتی ہے قبرِ عاشقِ دلگیر پر

رہرواں وادیٔ الفت یہ آفت ہی رہی
لے لٹے پہونچا نہ کوئی قافلہ منزل کے پاس

کی رسائی کس بلا کی تیرِ مژگاں نے ترے
یہ ستمگر توڑ کر سینہ کو پہونچا دل کے پاس

خانہ کعبے میں جس طرح ہے سنگِ اسود
دلِ عشاق میں کرتے ہیں یوں ہی گھر گیسو

زندگی سے ترے دیوانے جو تنگ آئینگے
توڑ ڈالینگے رگِ جاں بھی زنجیر کیساتھ

سادہ لوحوں کو نہ کیوں دام میں لائیں زاہد
سبحۂ مکر ہے سجادۂ تزویر کے ساتھ

وصل دشوار بھی آسان ہو گر شہ طیبہ ہے — حسن دیا بھی ہے خوبی تقدیر کیا تھا
ضعف سے سر جھکا تیرے اسیر غم کا — دل گیا طوق گلو حلقۂ زنجیر کے ساتھ
ورنا اب اثر بانگ بلبلت آتی ہے — لاگ سے کچھ تو دعا اور مری تاثیر کیا تھا
تو ہو شیر نجف میں ہوں جھکائے گردن — تیری تصویر سے کھنچے یوں مری تصویر کیا تھا
عاشقوں کے واسطے خنجر سے بھی بڑھ نہیں — دل سے نکلے نہ ترے کرتی ہو جدائی آپکی
کیا ہوا چھپ نگاہوں سے تجھے دیکھ لیا — اک چھڑی اور لگا بیٹھے ہیں جاتے جاتے
پڑ گئے سینۂ پروانہ میں اتنے چھالے — ٹھوکریں کھاتی ہے اب سانس بھی آتے جاتے
سانس اکھڑی ہوئی آنے سے تری یوں ٹھہری — جس طرح قافلے تھم جاتے ہیں آتے جاتے
عشق کا افسانہ دلکش گل سراپا گوش ہے — کس لیے پھر بلبل آتش نوا خاموش ہے
ہے حباب بادہ کی صورت وجود کائنات — ساغر ہے زمیں چرخ کہن سرپوش ہے
رونقوں پر میکدے ہیں فصل گل کا جوش ہے — قلقل مینا سے پیدا بانگ نوشا نوش ہے
دیکھکر عاشق کی میت ناز سے بولا وہ شوخ — دم ابھی باقی ہے اسمیں ضعف سے بیہوش ہے
تیرے جاتے ہی ہوئی حالت یہ اہل بزم کی — کوئی سکتے میں پڑا ہے اور کوئی بیہوش ہے
خبر لیتا ہے اپنے قیدیوں کے دانہ پانی کی — قفس میں جب سے آئے ہیں دل صیاد میں گھر ہے

سما **سما** - میرزا محمد حسن صاحب خلف میرزا ثریا قدر شاہزادہ لکھنؤ ۱۳۱۲ھ کے مشاعرے میں شریک تھے۔ یہ دو شعر دستیاب ہوئے ہیں ؎

نہ دوزخ میں گذر انکا نہ جنت میں ٹھکانا ہے — ترے عشاق کے رہنے کی جا اب تک نہیں نکلی
سحر سے شام تک کی منتیں "وصلت" کی بار ہیں — مگر واللہ اُس بت کی زباں سے ہاں نہیں نکلی

سما **سما** - محمد ذکریا صاحب تلمیذ میر ضیا دہلوی۔ نوجوان خوشگو تیز فکر شاعر ہیں۔ مندرجۂ ذیل اشعار سے شوخی طبیعت پائی جاتی ہے ؎

بھڑکایا اور آتش شوق وصال کو — انگڑائی لیکے ناز سے اُس مست خواب نے

حسرت ہی لیکے اٹھ گئی شبنم تو باغ سے
دھویا گلوں کا منہ مری چشم پر آب نے

شوخی کے ساتھ غمزہ و ناز و ادا سے
یہ چار چاند اور لگائے شباب نے

کعبہ کا کیا طواف کیا بت گزر گئے
مجرم بنا دیا مجھے کار ثواب نے

اچھا ہوا جو مر گئے کچھ کھا کے اے سہا
الفت کا روگ آج لگایا خضاب نے

سمجھو

سمجھو۔ منشی غلام محمد عرف میاں سمجھو۔ سورت بندر کے ساکن۔ میرزا جہاں شاہ خلف اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے ساتھ سفر حجاز کی واپسی پر دہلی میں وارد ہوئے۔ بادشاہ کی تعریف میں چند قصیدے کہے کبھی مومن خاں کبھی ذوق سے اصلاح لیتے رہے۔ چند سال کے بعد حیدرآباد جا کر راجہ چندولال کی سرکار میں بزمرۂ شعرا ملازم ہو گئے۔ پھر اپنے وطن میں پہونچے۔ نواب حسین ناور شون خاں کی طرف سے سرکار انگلشیہ میں وکیل رہے۔ اپنے وقت کے مشاہیر شعرائے دکن سے تھے۔ سنہ ۱۲۷۴ھ میں انتقال کر گئے۔ کلام کا رنگ اچھا۔ شعر کا ڈھنگ بالکل نیا تھا۔ مضمون آفرینی میں طاق۔ خیال بندی میں شہرۂ آفاق تھے۔ نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

ویرانۂ عالم کی ذرا خاک جو چھانی
ہر گرد میں اک لیلیٰ کا محمل نظر آیا

ذرا ماہتابی پہ آیا تو ہوتا
وہ مہتاب سا منہ دکھایا تو ہوتا

بد دعا غیر کو بھی میں تو نہ دوں گا سمجھو
قید گیسو سے نہیں اس کے ہوا آزاد رقیب

ابرو سے دل بچا تو مژہ سے جگر چھدا
رو کی ادھر کی چوٹ تو کھائی ادھر کی چوٹ

لکھا ہے قصۂ سوز دروں میں ڈرتا ہوں
ہوائے بال کبوتر سے خط پھڑک نہ اٹھے

ازبس دہانِ دلبر انگریز تنگ ہے
کیا نکلے منہ سے بات کہ قید فرنگ ہے

میں بھی سمجھاؤں جو مانے بات تو پردہ نشیں
ہے بدلنا ہی اگر منظور اپنا گھر تجھے

جائے نظارہ بھی ہے گوشہ بھی ہے پردہ بھی ہے
آ مری آنکھوں میں رہ یہ عین بہتر ہے تجھے

سندر

سندر۔ لالہ سندر لال صاحب باشندۂ بلند شہر۔ شاعر خوش فکر ہیں۔ زبان سلیس ہے۔ یہ چند شعر درج ذیل ہیں ؎

	جو بوسہ لے لیا اُنکا ہنسی میں		اگر جب بیٹھے وہ مجھسے دل لگی میں	
	بناوٹ کا ہے یہ اظہار الفت		نہیں تیری محبت تیرے جی میں	
	مرادوں کے ہیں دن لیلو دعائیں		ہی جاتی ہے میری جی کی جی میں	

سودا **سودا** شہسوار عرصۂ معانی رشک انوری و خاقانی طرۂ دستار فصاحت۔ غازۂ رخسار بلاغت ملک الشعرا میرزا محمد رفیع ابن میرزا محمد شفیع دہلوی ۱۱۲۵ھ میں اس مرد میدان سخن کی ولادت ہوئی۔ مورخین انہیں کابل نژاد کہتے ہیں مگر اصل یہ ہے کہ خاک شاہجہان آباد انکے خمیر میں شامل تھی۔ شاعر نامور شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ میر سوز۔ میر درد۔ میر تقی سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ جس مبارک فن نے انکے نام کو زندۂ جاوید کیا اسکی ابتدا اسی شہر سے ہوئی مگر افسوس یہاں کی آب و ہوا انکو راس نہ آئی۔ ابنائے زمانہ کی ناقدری سے عین زمانہ شباب میں لکھنؤ چلے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کے درخت اقبال کی جڑ میں دیمک لگ چکی تھی صوبۂ اودھ کا دماغ شاہانہ شمیم اقبال سے مہک رہا تھا لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان کے ہر گوشہ سے پریشان حال اور تباہ روزگار مسلمان ادہر ہی کا رُخ کرتے اور یا قسمت یا نصیب کہکر لکھنؤ میں وارد و صادر ہوا کرتے تھے۔ میرزا سودا بھی دہلی سے روانہ ہوکر مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے لکھنؤ پہونچے۔ قدردانوں اور ذی کمالوں نے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا چند ہی دنوں میں نواب وزیر تک رسائی ہوگئی آصف الدولہ تو ایسے ذی جوہر سپاہی فرش شرفا کی تلاش ہی میں رہتے تھے انکی بڑی آؤ بھگت کی خصوصًا اس وجہ سے کہ نواب شجاع الدولہ نے خود انہیں بڑے شوق سے لکھنؤ بلایا تھا مگر اُسوقت یہ نہیں سکتے تھے یہ بھی دماغ ہفت ہزاری لائے تھے۔ عزت کے سامنے دولت کو پست خیال کرتے تھے ملک الشعرا کا خطاب شاہ عالم کے دربار سے حاصل ہوا تھا اب چھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی معاش کیلئے مرحمت ہوئی عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ نواب وزیر کی تعریف میں نئے نئے رنگ کے قصیدے کہے خوب خوب زور طبع دکھایا۔ میرزا سودا کی شاعرانہ معلومات

نقادی کا دائرہ وسیع تھا۔ تحقیقات کے ابر میں جو ہجو کی بجلی چمک رہی تھی وہ غضب تھی۔ یہ اپنے معاصرین کا مقابلہ کرنیکو ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتے۔ انکی علمی ادبی واقفیت کا حال "تنبیہ الغافلین" دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جسمیں میرزا فاخر مکین کی بُری طرح خبر لی ہے اُنکے دامنِ سخن کی دھجیاں اُڑا دی ہیں۔ نقادانِ سخن میر کے کلام کو آہ۔ سودا کے کلام کو واہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی درد۔ اثر۔ جذباتِ حقیقت۔ سوز وگداز، میر کے کلام میں ہے۔ وہ دلی جذبات کے نقشے موثر اور دلکش پیرایہ میں کھینچتے ہیں۔ درد آمیز واقعات۔ رقت انگیز واردات کی سیدھی سادھی زبانِ روزمرہ میں ادا کرتے ہیں۔ دل کی اندرونی کیفیت دکھاتے ہیں جسکی نظیر سودا کے ہاں معدوم ہے۔ شکوہ الفاظ۔ بلندیٔ مضامین۔ رفعتِ خیال۔ نادر استعارات۔ بدیع تشبیہات جسقدر سودا کے دفتر میں ہیں۔ اُس رنگا رنگی سے میر کا کلام محروم ہے۔ میرزا زبردست الفاظ کے سرمایہ دار ہیں جن کی مدد سے وہ مبتذل اور پیش پا مضامین کو بھی رنگینیٔ الفاظ سے مرصع بنا دیتے ہیں۔ اور معمولی شعر میں بھی انتہا کا جوش پیدا کر دیتے ہیں۔ غرض میر کی سادگی سودا کی معنی آرائی۔ دونوں کے ذہن رسا کی رسائی قابل داد ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ مسلم الثبوت اُستاد ہے۔ گو میرزا سودا کو شاہ حاتم سے نسبت تلمذ ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سودا کی شاگردی سے شاہ حاتم کا آفتابِ شہرت آسمانِ سخن پر طلوع ہوا۔ ہونہار شاگرد نے اُستاد کے نام میں چار چاند لگا دئیے۔ اردو میں قصیدہ گوئی کا موجد اگر کسی کو کہہ سکتے ہیں تو وہ صرف میرزا ہی کی ذات ہے جنکے زورِ قلم نے عالم سخن میں ہاک بٹھا دی۔ مقطوع الجواب قصائد سنکر مخالفین نے بھی انکا لوہا مان لیا ترکی۔ فارسی۔ عربی ہر علم میں دستگاہ تھی۔ دلی کے روڑے نہ بنے مگر اردو کے دھنی بنے رہے لکھنؤ میں رہ کر بھی شانِ میرزائی کو نہ چھوڑا۔ محقق اور کامل الفن تھے۔ مختلف السنہ کی واقف کاریوں کا کمال قصائد سے ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ ناسخ نے انہیں کی آنکھیں دیکھکر تحقیقات کا دعویٰ کیا ورنہ لکھنؤ میں سودا اور ناسخ سے پیشتر۔ نہ متروکات کا لحاظ تھا۔ نہ زبان کی چھان بین کا شوق۔ نواب مصطفےٰ خان شیفتہ مولف گلشن بیخار سودا کے باب میں یہ تحریر کرتے ہیں کہ "میرزا از اقسام در مثنوی فکر معقول

نداشت طالبی رکیکہ بسیار گفتہ وباں شیوہ داشتہ"۔ سخت حیرت ہے کہ جس شخص کو اصناف سخن پر ایسی قدرت حاصل ہو کہ تیزی شبدیز قلم سے مہر کو سایہ سے بدتر کر دکھائے۔ جودت فکر سے سایۂ دیوار کو ظل ہما بنائے۔ اُس کو مثنوی پر قدرت تام نہ حاصل ہو۔ شاید حضرت شیفتہ نے تذکرہ نگاری کے زمانہ میں میرزا کے دیوان کو بالاستیعاب نہ دیکھا ورنہ جو مثنوی انکے کلیات میں موجود ہے اُسکو پڑھکر ایسا جملہ کبھی نہیں لکھتے۔ ہجو میں سودا کے کلام میں خنیک زیادہ ہیں مگر انمیں بھی زبان اور روزمرہ محاکات کا پورا ذخیرہ موجود ہے۔ محاورات ایسے ہیں ضرب الامثال ہیں۔ اصطلاحات میں اور پھر شاعری کا لحاظ ہر موقعہ پر ہے۔ ہر صنف میں یہ عالم ہے کہ طبع رسا دریا کی طرح لہریں مارتی ہے کیسی ہی سنگلاخ زمین ہو مگر انکے سامنے پانی ہے۔ میرزا سودا کی زود گوئی اور فی البدیہہ شعر کہدینے کے متعدد قصے زبان زد خلایق ہیں۔ انہیں کے زمانہ میں شیخ علی حزیں ایران سے آئے اور بحیثیت شاعر گرامی ہندوستان ان سے ملے سودا نے اُن سے داد سخن لی ہے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے اور انکو لکھنؤ سے ایسی الفت ہو گئی کہ وہیں کی خاک میں آرام کر رہے ہیں کل ۷۰ برس گلشن عالم کی ہوا کھائی۔ اور سنہ ۱۱۹۵ھ میں عازم سیر جنت ہوئے۔ یہ قطعہ تاریخ انکے مزار پر کندہ ہے ؎

خلد کو جب حضرت سودا گئے — فکر میں تاریخ کی ناہر ہوا
بولے منصف ور کرپائے عناد — شاعران ہند کا سرور گیا

انکے کلیات کے متعدد نسخے راقم کے کتبخانہ میں موجود ہیں جنمیں سے بعض انکی حیات کے مرتب شدہ ہیں اور اُن میں ایک خوشخط نسخہ میں ایک نہایت نفیس قلمی مرقع بھی موجود ہے۔

یہ اشعار انکے کلام کا انتخاب ہیں جو چشم انصاف بیں کی نظر میں سب گوہر نایاب ہیں ؎

شب کو مجلس بیچ وہ غارت گر ہر خانہ تھا — تھے جو باہم آشنا ایک ایک سے بیگانہ تھا
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن — جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ — دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

نگاہ مست نے ساقی کی عالم کو چھکا ڈالا
دین و دل و قرار و صبر عشق میں تیرے کھو چکے
وصل بھی ہو تو دل مرا غم کو نہ چھوڑے ہجر کے
جو ہند کو راس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا
دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
ہزار آب حیات چھڑکیں مسیح اور خضر لیکن
چھیڑ مت باد بہاری کہ میں جوں نکہت گل
ہو جسکی چشم کی گردش سے بیہوشی دو عالم کی
نہ کھینچ اے شانے ان زلفوں کو یاں سے واں کا دل اٹکا
دور ساغر تھا ابھی یا ہے ابھی چشم پر آب
زخم کا دل کے تر و تازہ ہے انگور سدا
طپش نے ان دنوں دل کی نئی صورت نکالی ہے
صبا سے ہر سحر مجھکو لہو کی باس آتی ہے
جتنے ہیں خوبرویاں سب گلستاں ہیں لیکن
چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دام خط کے بیچ
سودا کے زرد چہرہ کو شوخی کی راہ سے
میں دشمن جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا
دیکھئے واماندگی اب کیا دکھائے
وہم غلط کار نے دل خوش کیا
نہ تھی توفیق بوسے کی تو اتنا ہی کہہ دیتے

کہیں مدہوش ہے شیشہ کہیں ساغر ہے متوالا
جیتے جو اب کے ہم بچے نام نہ لینگے چاہ کا
یہ تو ہمیشہ ہے رفیق وصل ہے گاہ گاہ کا
تو کہتا ہے کہ چپ رہ اسکو ہے آزار رونے کا
لیکن نہیں ہے مانع سوال و جواب کا
دریا میں ہے ہنوز پھپولا حباب کا
اٹھے نہ محشر تلک بپائے شہید تیرے لب و دہاں کا
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقی گلفام کیا ہوگا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کا جھٹکا
دیکھ سودا گردش افلاک سے کیا کیا ہوا
جاری رہتا ہے مری چشم سے ناسور سدا
لپکتا ہے پڑا راتوں کو یوں پکتا ہے جوں پھوڑا
چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا
اللہ نے تجھی کو اک جانستاں بنایا
یہ مرغ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا
کہتا ہے تیرا رنگ تو اب کچھ نکھر چلا
سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ
قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
کیسہ نہ جانے وہ نظر کر گیا
جو آیا ہے تو خالی مت پھرے دشنام لیتا جا

دامن صبا نہ چھو سکی جس شہسوار کا
پہونچے کب اس کو ہاتھ ہماے غبار کا

ساقی چمن میں چھوڑ کے مجھکو کدھر چلا
پیمانہ میری عمر کا افسوس بھر چلا

وہ ہم نہیں جو کریں سیر بوستاں تنہا
بہشت ہو تو نہ کیجئے باغباں تنہا

سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

سودا پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں
عالم کے ڈوبنے میں کل کچھ تو رہ گیا تھا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفت دیں کو
خلل دماغ میں ہے تیرے پارسائی کا

قطعہ

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا جان تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
یہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

جو گذری مجھپہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلاکشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

کہے ہے سنکے مری سرگذشت وہ بیرحم
یہ کون ذکر ہے جانے دو جو ہوا سو ہوا

ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ ترا عاشق ہوں
قہقہہ مار لگا کہنے وہ طناز درست

آتش ہی تری گرمئی بازار محبت
سر بیچتے پھرتے ہیں خریدار محبت

ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم
گردن زدنی ہے سو گنہگار محبت

اک سادہ دلی پر تو مری رحم کر اے یار
ہوں تجھ سے ستمگر سے طلبگار محبت

دل طوطیٔ خط کو نہ دے اس شوخ کی سودا
کھاوے گا اس آئینہ کو زنگار محبت

وفا نے گل میں ہے نے چشم مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل کہ ہے اس باغ سے کنج قفس بہتر

جو ہے جوہر اسے جانیں ہیں یہ بدگوہر
عیب کو سمجھے ہیں اس وقت ہنر سے بہتر

ہو وے ننگ ہی وہ نخل جو ہو بار آور
پائی ہے بے ثمری ہم نے ثمر سے بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہم کو اے دوست
ہے ہمیں کون سی جاگہ ترے در سے بہتر

سمندر کر دیا نام اسکا ناحق سب نے کہہ کہہ کر
ہوئے تھے جمع کچھ آنسو مری آنکھوں سے بہہ کر

ہمرہ صبا کے خاک بھی میری ہے دربدر
جاتی نہیں ہے مجھ سے تری جستجو ہنوز

یا ان کو کر منع تو یا گریہ کو تا صبح
دو چیز نہ عاشق سے ہوں اکبار فراموش

آشیانوں کو اجڑوا کر کے فریاد و فروش
باغباں ظالم الٰہی سو گئے کیا بلبل خموش

لے لالے گو فلک نے دیئے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

دیکھوں ہوں میں اُسی ستم ایجاد کی طرف
جوں صید وقتِ ذبح کے صیاد کی طرف

تیشے کی لیک تھا سخن اُسکا ہزار حیف
بولی زبانِ تیشہ نہ فرہاد کی طرف

پہچانیں ہم نہ گل کو نہ ہم گل کے روشناس
منہ کر کے آنکھیں کھولیاں صیاد کی طرف

بس چلے تو دیکھنے ہرگز تجھے تجکو نہ دوں
آئینہ گھر میں ترے رہنے نہ دوں مقدور تک

عبث پابند ہوں میں لکھ لکھ شرح دل بال کبوتر سے
دلوں کے اُڑ گئے پر نے نہ پہونچی کچھ خبر واں تک

ترے غم کا دلِ پُر خوں سے استقبال کرنیکو
وہ قطرہ نارسا طالع ہے جو پہونچا نہ مژگاں تک

لالہ خودرو نہیں ہے خون سے فرہاد کے
جوش میں آ کر لگا دی کوہ کے دامن میں آگ

اے شرط در دیوں کہ بجز حکم عندلیب
کوئی کسی مزار پہ ہرگز نہ لائے گل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

دلِ نالاں کو مرے کسی کے آرام سے کام
کوئی بے چین رہے اپنے اسے کام سے کام

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کسکی ہستی موہوم پہ شبنم

کیا مچائی اُن نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جسکے لئے کعبہ میں بتخانے میں دھوم

گھر میں آنے سے کیا منع تو یہ بھی کہئے
راہ کوچہ میں ملاقات کروں یا نکروں

شیخ کہتا ہے مریدوں سے جو تم سے احمق
ہوں۔ تو اظہار کرامات کروں یا نکروں

ناصحا اُٹھ مرے بالیں سے کہ دم رکتا ہے
خواب شیریں میں ہے وہ دل ہمہ آمالِ شوق

نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دکھائے
مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سودا

مجھ جیسے جو خادم کی ہو خدمت سے تمہیں عار

لخت جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
تجھ تیر نگہ سے ہے کشتوں کا جہاں مدفن
سر خاک و گریباں چاک آغشتہ بخوں دامن

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
گریاں بشکلِ شیشہ و خنداں بطرز جام
کوئی جو پوچھتا ہو کہ کس پر ہو داد خواہ
تیغ نگاہِ چشم کا تیرے نہیں حریف

کہیں ملتا نہ دیکھا ہے اس خورشید تاباں کو
"دیوانہ" ہو گیا سودا تو آخر ریختہ پڑھ پڑھ

باتیں کدھر گئیں وہ تیری بھولی بھولیاں
حیرت نے اسکو نیند نکرنے دی پھر کبھو
کیا جانیے تجھے سرِ انگشت پر حنا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
کیوں کر نہ چاک چاک گریبانِ دل کروں

نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نہ کروں

سو یک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
جو کچھ دوست سے اپنے ہم دیکھتے ہیں
کسے تیرے کوچہ میں کم دیکھتے ہیں

تو خوش رہو تم مجھکو بھی مخدوم بہت ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں
سبزہ کی جگہ واں سے پیکان نکلتے ہیں
گیا گھر سے ترے عاشق باشان نکلتے ہیں

میں موسمِ بہار میں شاخ بریدہ ہوں
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں
جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں
عالم میں قطرۂ مژۂ خوں چکیدہ ہوں

پھرے ہے ڈھونڈتا ہر شب جہاں آباد کی گلیاں
نہیں کہتا تھا اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں "بھلیاں"

دل لیکے بولتا ہے جواب تو یہ بولیاں
آنکھیں جب آرسی نے ترے مکھ پہ کھولیاں
جس نگینہ کے خوں میں چاہیں ڈبولیاں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
دیکھوں ہوں تیری زلف کو میں سست شانے بیچ میں

ہم سا تجھے تو ایک نہیں تجھ سے ہیں کئی
جی تک تو دیکھ لوں کہ جو ہو کارگر کہیں
ہوتی نہیں ہے صبح، آتی ہے مجکو نیند
ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار
جاوے بھرے ہیں چشم میں مست آئینہ کو دیکھ
خونابہ یوں کبھو نہ مری چشم سے بہا
طائر رنگ حنا کی نظر آب اے صبا۔
ہوں میں وہ وحشی رم خوردہ کہ تا وشتِ عدم
صفحۂ ہستی پر اک حرفِ غلط ہوں سودا
جرم ہے اسکی جفا کہ وفا کی تقصیر
کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا
جگر اُن کا ہے جو تجکو صنم کہ یاد کرتے ہیں
کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجیے چشم تر ہرگز
سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
دل کے پرزوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
بلبل چمن میں کس کی ہیں یہ بدشرابیاں
تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
کس کس طرح سے دیکھیں اس باغ میں فضائیں
دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
ساقی کو پھر نوید بہار آئی باغ میں

جا دیکھ لے تو آپ کو آئینہ خانے میں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں
ظالم بھری ہی جام تو جلدی سے بھر کہیں
دٹھکے ہے دل مرا کہ نہ ملتے نظر کہیں
اٹکا نہ جب تلک آن کے تختِ جگر کہیں
ہوں تو میں ہاتھ میں تیرے پہ اُڑ جاتا ہوں
پات کھڑکے سے تو مانند صدا جاتا ہوں
جب مجھے دیکھ کے بیٹھو تو اُٹھا جاتا ہوں
کوئی تو بولو میاں منہ میں ہاں ہے کہ نہیں
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
میاں ہم تو مسلماں ہیں خدا کہتے ہیں بھی تو رہیں
بہت سا روئیے اُن پر جو اپنے جی پہ مرتے ہیں
اپنی تو نیند اُڑ گئی تیرے فسانے میں
کچھ علاج اسکا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
کیدھر گئے وہ ساقی وہ ابر وہ ہوائیں
آنکھیں جو مانتی نہیں اسکو میں کیا کروں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں
سودا نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

فراموش ان دنوں ہم شہریوں کے دل سے ہی سودا
کیجئے نہ اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دم مارنا صیاد سے لگے عشق میں تیرے
مت دیر و حرم کے تو سمجھ سجدہ میں کچھ فرق
بس ہو تو رکھوں آنکھوں میں اُس آفت جاں کو
لہو اُس چشم کا پونچھے سے ناصح بند کیونکر ہو
کرے تک منفعل کوئی مرے بیدرد قاتل کو
آ پہنچ ظالم کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ
غیرت و آبرو و حرمت و دین و ایماں
مفلس ہمیں نہ پوچھ جو رکھتے نہیں ہیں کچھ
غنچہ سے مسکرا کے اُسے زار کر چلے
آئے جو بزم میں تو اُٹھا چہرہ سے نقاب
گردش سے اُس نگاہ کی لے محتسب خبر
اب تو میں چھوڑنے کا نہیں اسکو ناصحا
کیجو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ
مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ مجھ بغیر
گل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
پروانے رات شمع پہ اتنے جلے کہ صبح
پروانہ کون ساتھ جلا شام کو کہ شمع
میرے لہو سے ہے مری دیوار گھر کی سرخ
شکوہ تو کیوں کرے ہے مرا اشک سرخ کا

خبر اسکی جہاں آباد کے یاروں سے مت پوچھو
دے آگ ابھی شعلۂ آواز قفس کو
جس کا دم اول ہی دم بازپسیں ہو
تیری کا جب پوچھنا آیا تو نہیں ہو
اور دیکھنے دو دل میں نہ زمیں کو نہ زماں کو
جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیونکر ہو
دکھا دے خاک پروانہ پہ گریاں شمع محفل کو
فصل گل کے کچھ گنے دن تجھ چلے جاتے ہیں یہ
روؤں کس کس کو میں یاروں کہ گیا کیا کیا کچھ
خالی ہمیشہ کیسۂ اہل کرم رہے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے
پروانہ ہی کو شمع سے بیزار کر چلے
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی
ہوتی جو کچھ تھی قبلۂ حاجات ہو گئی
سینے سے ارمغاں لئے لخت جگر گئی
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی
ذرہ نہ اس کے حال پہ قمل کی نظر گئی
خاکستر ان کے لیکے صبا دوش پر گئی
روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی
میری ہی موج خوں سے مر بیرون در گئی
تیری کب آستیں ہے مرے لہو سے بھر گئی

تیرا غرور مرا عجز تا کجا ظالم
سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار پر مجنوں

ہمارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آئے
جو طبیب اپنا تھا دل اسکا کسی پر زار ہے

ہر نظر تجھکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
اگر ہو شراب و خلوت و محبوب و خوبرو

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا
جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات

فکرِ معاش عشقِ بتاں ۔ یاد رفتگاں
تو خوش رہو گھر اپنے میں جس شکل سے ہو تم

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
اے دل یہ کیسی بگڑی کہ آتی ہے فوجِ اشک

ہے قسم تجھکو فلک سے تو جہاں تک چاہے
کھ دیکھ تو رستم سے سر تیغ تلے دھر دے

گویا دلِ عاشق بھی ہے اِک فیل یہ مست
کیا ہو جو قفس تک مرے اب صحنِ چمن سے

سب کام نکلتے ہیں فلک تجھ سے ولیکن
نامہ کا جواب آنا تو معلوم ہے پر کاش

دیتا ہے کوئی جنبشِ لب اس شوخ کو سودا

ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

صنم رکھتے ہیں جسکو دیکھکر اللہ یاد آئے
مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

حسرت میں جی کی ہیں جی ہی میں مرتے مرتے
زاہد تجھے قسم ہے کہ تو ہو تو کیا کرے

جاتا ہوں ایک میں دلِ پُر آرزو لئے
یہ یاد رہے ہمکو بہت یاد کرو گے

او خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
دو چار نالے ہم پسِ دیوار کر چلے

یہ نہیں "وہ ہیں چمن سے کہ خنگل بکھرے ہوئے
لختِ جگر کی نعش کو آگے دھرے ہوئے

جلوۂ حسن اسے حسرتِ دیدار مجھے
پیارے یہ ہمیں سے ہو سر کاٹے دھر دے

رکتا نہیں رونے سے کسو کے جدھر آئے
دو برگ لئے گل کے نسیم سحر آوے

میرے دلِ ناشاد کی امید بر آوے
قاصد کے بد و نیک کی مجھکو خبر آوے

کیا قہر کیا تو نے غضب تیرے پر آوے

قد کو ترے جس جگہ مشقِ خرام ناز ہے　　　اس جگہ شورِ قیامت فرشِ پا انداز ہے

تصور میں ترے کبھو صبا اُس لاابالی سے　　　گلے لگ لگ گئی و یارات تصویر نہالی سے

بلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے　　　بنا ہی تو فتنہ ہووے خدا کرے

سودا کے جو بالیں پہ اُٹھا شورِ قیامت　　　خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

کس شکار انداز کا یارب ہوا ترکش تہی　　　ہر نگہ قبلہ نما کے بھی جگر میں تیر ہے

عجب بیدادِ حسرت پر مری صیاد کرتا ہے　　　دکھاتا ہے مجھے اُسکو جسے آزاد کرتا ہے

کسی کا دردِ دل پیارے تمہارا ناز کیا جانے　　　جو گذرے صید کے جی پر اُسے صیاد کیا جانے

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے　　　وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ یہ انداز کیا جانے

چمن میں کس کی مدارات تھی بتا تو نسیم　　　کہ صبح غنچوں کے سب عطر دان کھول دیئے

مخمس میرزا سودا بر غزل تجلی

ہوا ہے اب کے سودا اور کیفیت کا دیوانا　　　فرار کھتا ہے اس عالم میں جا کر اسکا مل جانا

لبوں پہ مہرِ خاموشی زباں اوپر یہ افسانا　　　جو کوئی بات پوچھے ہے تو اشک آنکھوں میں بھر لانا

ابھی گھبرا کے رو دینا کبھی ہنس ہنس کے رہ جانا

بیاباں میں کیا کروں دیوانگی اپنی کا افسانا　　　نہ میرا گھر میں جی لگتا نہ جاتا بن کا ویرانا

خوش آتا ہے مجھے گلیوں میں سنگِ کودکاں کھانا　　　ارے ناصح عبث یہ ہے ترا بیہودہ سمجھانا

پری رو ہو جدا جس کا نہ ہو کیونکر وہ دیوانا

عبث مت بک نہیں میں سنتا تیرا کہا ناصح　　　مری آہ و فغاں کرنے سے بتلا تجھکو کیا ناصح

میں اپنی جان سے بیزار ہوں تو مت ستا ناصح　　　بھلا چاہے تو اپنی آبرو کو لیکے جا ناصح

مجھے بے طرح آتا ہے تری باتوں پہ جھنجھلانا

خدا جانے یہ مجھ پر کیا بلائے ناگہاں آئی　　　مگر اک باری ہوا ہیں چھوڑ عقل و ہوش سودائی

نہ مجھکو تاب و طاقت ہی نہ ہی صبر و شکیبائی　　　اگر چپ ہوں تو مرتا ہوں وگر بولوں تو رسوائی

نہیں معلوم کیا انجام رکھتا ہے یہ غم کھانا

طرح سیماب کے ہے بیقراری روز و شب مجھکو
نہیں معلوم فرصت ہوگی اُس دُوری سے کب مجھکو
ستاتا ہے غم اُس ظالم کا اکثر جب تب مجھکو
پڑے ہیں اپنے جینے کے بھی لالے اب مجھکو
ہوا ہوں ناتواں ایسا نہیں جاتا ہوں پہچانا

تڑپنے سے مرے سیماب بھی بیتاب ہوتا ہے
جلی چھاتی کو میری دیکھ غم سے ابر روتا ہے
مرے شور و فغاں سے رات کو کم کوئی سوتا ہے
مجھے جو دیکھتا ہے آپ اپنے ہوش کھوتا ہے
مری تدبیر میں عاجز ہیں سارے شہر کے دانا

کوئی کہتا ہے اسکے واسطے فصاد کو لاؤ
کوئی کہتا ہے اسکی فال جا مُلا سے کھلواؤ
کوئی کہتا ہے سایہ ہے اسے سیانے کو دکھلاؤ
کوئی کہتا ہے اِسکو قید کر زنداں میں لیجاؤ
کوئی کہتا ہے لاحاصل ہے دیوانے کا غم کھانا

میری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں
مری فریاد کو سنکر جرس بھی ہے سدا نالاں
مری افسردگی کو دیکھکر کملا گئیں کلیاں
مرے واسوخت کو سنکر کے ہو شب شمع بھی گریاں
مری بیتابیوں کو دیکھ جل جاتا ہے پروانا

کبھی آتا ہے جی میں یار کے کوچہ میں جا بیٹھوں
کبھی آتا ہے جی میں جا کے دشت اور کوہ میں رولوں
کبھی آتا ہے جی میں کوہ کن کیطرح سر چیروں
کبھی آتا ہے جی میں لوٹتے ہی لوٹتے جی دوں
غرض اب سب طرف سے سوجھتا ہے جان کا جانا

کبھی گھبرا کے اُٹھ جاتا ہوں وحشت سے بیاباں میں
کبھی پھرتا ہوں ننگے پاؤں میں خار مغیلاں میں
کبھی جلتا ہوں گلخن کی طرح تنکے گلستاں میں
کبھی شور و فغاں کرتا ہوں جا جا عندلیباں میں
کبھی جا سیر گلشن میں پٹک کر سر کو رو آنا

کبھی حال زلیخا پر میں عقل و ہوش کھوتا ہوں
کبھی یعقوب کی تربت کو اشک تر سے ڈبوتا ہوں
کبھی ایوب کا ان صبر میں بیتاب ہوتا ہوں
کبھی لگ کر گلے میں گور سے مجنوں کی روتا ہوں

کبھی سنگ مزار کوہکن سے سر ٹپکنا

کبھو راتوں کو میں کرتا ہوں گھر میں نالہ و افغاں — کبھو پھرتا ہوں مہ شہر میں شب ہے سر عریاں
کبھو ہوتا ہے میرے ساتھ سودا مجمع طفلاں — تجلی اس طرح سے دیکھتا پھرتا ہوں سرگرداں

کوئی کہتا ہے سودائی کوئی کہتا ہے دیوانا

عجب ناداں ہیں وہ جنکو ہے عجب تاج سلطانی — فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا — کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی
مقرر جان ارباب ہنر کو لے لیاس میں — کہ ہو جو تیغ کا جوہر اسے عزت ہے عریانی
ہماری آہ دل تیرا نہ تڑپاوے تو یا قسمت — وگرنہ دیکھ آئینہ کو تیر ہو گئے پانی
نہ کھوئی جگ میں رسم دوستی اندوہ روزی نے — مگر زانو سے اک باقی دلا ہے ربط پیشانی
موافق گر نکرتا عدل اسکا آب و آتش کو — تو کوئی سنگ سے بنتی نہ شکل لعل رمانی
جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے دی ہوگی — بجا ہے کہئے ایسے کے تئیں گر یوسف ثانی
معاذ اللہ یہ کیا حرف بے موقع ہوا سرزد — جو اسکو یہ کہوں تو ہوں میں مردود مسلمانی
غرض مشکل نہیں پڑتی کہ پیدا کر سکے ایسے کو — خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی مرا ثانی
انگلیاں اُڑ جائیں دم پر اسکے دست وہم کی — آبداری اسکی گر کھینچے قیاساً امتحاں
صور اسرافیل سے کچھ کم نہیں اسکی نیام — نکلے وہ اسمیں سے تو شور قیامت ہو عیاں
جیتے جی جمعیت افلاک ہووے منتشر — تاب کیا باہم رہیں اجزائے ارضی تواں
گاہ آجائے نظر گاہ نظر سے غائب — پھر ہوا پیچ وہ شب رنگ ہے جگنو کی دمک
روبرو سے اگر آئینہ کے اُس گلگوں کو — جھنکے بڑھ کے جو تو شرق سے تا غرب تلک
اتنے عرصہ میں پھرا دے کہ اُسے باور کر — عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاوے منفک

ابھی تو زور ہے ساقی کی یہ ادا بھائی — کہ پہلے جام سے مے خاک پر چھڑک آئی
جو پوچھا میں تو کہا سن لی مجھسے سودائی — چہ با حبیب نشستن و بادہ پیمائی

	بیا و آر حریفان بادہ پیمارا	

سوز سوز۔ طوط الشعرا سید محمد میر مرحوم۔ میر تقی میرا اور سودا کے ہمعصر تھے۔ اپنے نام کے جزو ثانی کی مناسبت سے پہلے میر تخلص کرتے تھے جب میر کا تخلص ان سے زیادہ مشہور ہوا تو بمقتضائے انصاف میر کو چھوڑ کر سوز تخلص اختیار کیا۔ انکے والد سید ضیاء الدین بہت بزرگ شخص تھے اور تیراندازی میں صاحب کمال تھے۔ انکا سلسلۂ نسب حضرت قطب عالم گجراتی قدس اللہ سرہٗ تک پہونچتا ہے۔

میر سوز کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا لیکن انکے والد پرانی دہلی کے محلہ قراول پورہ میں سکونت رکھتے تھے۔ جب شاہ عالم کے زمانہ میں دہلی بہت تباہ ہوئی اینٹ سے اینٹ بج گئی تو میر سوز لباس فقیرانہ اختیار کرکے لکھنؤ چلے گئے۔ تذکرۂ گلزار ابراہیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں میر موصوف لکھنؤ میں براج رہے تھے۔ مگر نوابی دربار تک رسائی حاصل نہ ہوئی تھی ۱۲۱۲ھ میں جب مرشد آباد سے دوبارہ لکھنؤ آئے تو قسمت نے یاوری کی اور نواب آصف الدولہ انکے شاگرد ہو گئے پورے دو برس کا عرصہ نہ گذرا تھا کہ ۷۰ برس کی عمر میں لکھنؤ میں ابن دار فانی سے رحلت کی انکے اخلاق و عادات کی نسبت صاحب طبقات الشعرا کا قول ہے کہ یہ شخص عالی طبیعت درویش خصلت ظریف الطبع خوش گفتار ہمیشہ امیروں کی صحبت میں رہتا تھا۔

انہوں نے شاعری کے علاوہ شعر خوانی کا ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس سے کلام کا لطف دوچند ہوجاتا۔ شعر کو اسطرح ادا کرتے کہ خود مضمون کی صورت بن جاتے اور شعر نہایت سوز و گداز سے پڑھتے تھے۔ عرب میں فن شعر خوانی کو "انشاد" کہتے ہیں۔ ہندوستان کے اردو شعرا میں سب سے پہلے میر سوز نے طریقۂ انشاد کو رواج دیا مگر مرثیہ خوانوں نے اس کو بام ترقی پر پہنچا دیا۔ وہ میدان جنگ کا بیان اسطرح کرتے ہیں کہ آواز میں بادل کی گرج پیدا ہوجاتی ہے اور سامعین کے سامنے تلوار بجلی کیطرح کوندجاتی ہے۔ اس نئی روشنی کے زمانہ میں بھی انجمن معیار لکھنؤ کے اکثر اراکین اپنی خوش الحانی سے میر سوز دہلوی کی یاد کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ سوز کا کلام سلیس ہے سادہ ہے بے تکلف ہے۔ بیان میں بیساختہ پن اور آمد ہے مگر سادگی پھیکے پن اور بے لطفی کی حد تک پہونچ

جاتی ہے لیکن پھر بھی دیوان محاورات کے خزانہ سے بھرپور ہے۔

انکے ایک بیٹے تھے جنکا نام میر مہدی اور تخلص داغ تھا۔ یہ ۲۰ برس کی عمر میں ایک حسینہ پر عاشق ہوئے لیکن وصل کی تدبیریں نہ پڑی ایک دن اُسکا خط آیا کہ میں تم سے کل آکر ملونگی انہوں نے یہ سمجھا "کل" سے مراد فردائے قیامت ہے اسی وقت تن سے روح پرواز کر گئی اور بیچارے وصل کے وصال ہو گیا۔ مرتے دم یہ شعر اسکے خط پر لکھدیا ہے

از جان نہ مقیے بود کہ مکتوب تو آمد
دیگر کہ نویسم خبر مرگ خوب گرفتے

انکے تلامذہ میں حکیم میرزا رضا علی آشفتہ۔ جان عالم خاں جان لکھنوی۔ لالہ موتی لال حیف لکھنوی لالہ صاحب رائے فریاد۔ میر شیر علی افسوس نارنولی۔ رستم الملک آغا محمد تقی خاں بہادر ترقی۔ نوازش حسین خاں نوازش جنکے شاگرد میاں داگیر اور میرزا رجب علی سرور صاحب فسانۂ عجائب اور شیخ مخدوم بخش ذکا بہت مشہور گذرے ہیں حضرت سوز مرحوم کی شعلہ بیانی ملاحظہ ہو۔

دل کے ہاتھوں بہت خراب ہوا
جل گیا بل گیا کباب ہوا
یار اغیار ہو گئے ہیہات
کیا زمانہ کا انقلاب ہوا

دل تھا ساط میں سو کوئی اُسکو لے گیا
اب کیا کروں گا اے مرے اللہ کیا ہوا
سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا
کہنے لگا کہ ہیتد تو چھوٹا بھلا ہوا ق
پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف
طوطا ہمارا اُڑ گیا کیا بولتا ہوا

یہ تیرا عشق کب کا آشنا تھا
کہاں کا جان کو میری دہرا تھا
وہ ساعت کونسی تھی یا الٰہی
کہ جس ساعت دوچار اُس سے ہوا تھا
رات کو نیند ہے نہ دن کو چین
ایسے جینے سے اے خدا گذرا
سوز کے قتل پر کمر مت باندہ
ایسا جانا ہے کیا گیا گذرا

کیوں طفل اشک تجکو آنکھوں میں نے پالا
اسیر بھی میرے منہ پر تو گرم ہو کے آیا
قاصد سے تو پوچھا تھا کہ بھیجا تجھے کس نے
دہشت سے لئے یاد مرا نام نہ آیا

پھر اُس سے ہم سی بگڑگئی تو خفا ہو مجھکو رولا دیا

ہے چال یا قیامت ہے حسن یا شرارا
بوسے چھینے ہے مجھکو سنیو عاشق تو سچ ہی مرا
اتنی جراحتوں پر جیتا ہے سوز صاحب
جی ناک میں آیا بت گلفام نہ آیا

درد سے محفوظ ہوں ارماں سے مجھکو کام کیا

یار گر صاحب وفا ہوتا
ضبط سے میر تم رہا ہے سرتک
ہاں میاں جانتا تو میری قدر
جنکے نالے پہونچتے ہیں تجھ تک

دعویٰ کیا تھا گل نے اُس رخ سی رنگ و بو کا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا

سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو

ہوا دل کو میں کہتے کہتے دوانا
بہت چاہا کہ تو بھی مجھکو چاہے
شہرۂ حسن سی ازبسکہ وہ محبوب ہوا
نازک ہی دل نہ ٹھیس لگانا اسے کہیں
کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کریگا
سرِ دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا
جان کے کیا بیاں کروں احساں
بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں

رونے میں بھی کیا ہوں کہ رونے میں بنایا منہ کہنا آیا

چلتا ہے کس ادا سے ٹک دیکھیو خدارا
کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا
سینہ ہی یا کہ ترکش دل ہے کہ سنگ خارا
جیتا تو الٰہی مرے کچھ کام نہ آیا

بارِ خاطر تھا سو میرا یار شاطر ہو گیا

کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا
ورنہ اب تک تو یہ گیا ہوتا
جو کہیں ترا دل لگا ہوتا
کاش میں اُن کا نامہ بر ہوتا

ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منہ پہ تھوکا

آہ یا رب رازِ دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا

واں تجھے بھی کیا لگی یاں تجھکو کیا درکار تھا

پر اِس بے خبر نے کہا کچھ نہ مانا
مگر تو نے نہ چاہا پر نہ چاہا
اپنے مکھڑے سی جھگڑتا تھا کہ کیوں خط آیا
غم سی بھرا ہے اسے عزیز نے غمخوار دیکھنا
جو تم سے بتو ہوگا وہ اللہ کرے گا
بجائے مدِ بسم قدِ آہ میں لکھتا
یہ نہ ہوتی تو مر گیا ہوتا
کبھی یاد کرتے تھے سو بھی بھلایا

تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید
سامنے تیرے آ گیا ہوگا

دل کو یوں لیکے پانوں سے ملنا
ہائے ظالم خدا کا ڈر نہ کیا

اٹھ کے نعش پر ہو کے بولا کہ ہے ہے
یہ کشتہ تو کچھ جان پہچان نکلا

کھولی گرہ جو غنچہ کی تو نے تو کیا عجب
یہ دل کھلے جو تجھ سے تو ہوائے صبا عجب

اسلام چھوڑ کفر کیا میں نے اختیار
تو بھی وہ بت نہ رام ہوا ہائے خدا عجب

آنکھیں تو پتھرا گئیں تجھ سنگدل کے دھیان میں
یہ خرابی ان کی ہے آنکھوں کا ہو خانہ خراب

صاحبو طوفِ دلِ ستاں کرو تو کچھ ملے
ورنہ کعبہ میں دھرا کیا ہے بغیر از سنگ و خشت

لی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

جگر سے دل میں دل سے آنکھ میں آنکھوں سے مژگاں پر
یہ طفلِ اشک لڑ کر پڑا قاتل کے داماں پر

قیامت کا بھی دھڑکا سوز کے دل سے نکل جائے
خداوندا گذر قاتل کا ہو گورِ غریباں پر

ہجر میں مرتا ہوں میں پیغام سے تو شاد کر
تو جو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر

کم نہیں ہوتا غبارِ خاطرِ جاناں ہنوز
خاک سی میری جھٹکتا ہے کھڑا داماں ہنوز

آج دل اپنے آپ کچھ ہے اداس
کوئی مت آ کے بیٹھو میرے پاس

سوز کچھ اور اب تو سوانگ نکال
شاعری تو نہ آئی تجھکو راس

مرضی جفائے چرخ کی پیدا کیطرف
مائل کیا دل اس ستم ایجاد کیطرف

خونِ جگر تو آنکھوں سے جو تھا سو بہہ گیا
آتا ہے سخت دل بھی چلا اب تقاضائے اشک

رونے سے باز ہم کوئی آتے ہیں شمع سان
لے سر سے پانوں تک نہ ہمیں گھلا گئے اشک

نظروں سے جو کسی کے گرے بول کیا سکے
کس نے سنی ہے آنکھ سے گرتے صدائے اشک

بند میں اپنے گرہ دے کہ تجھے یاد رہے
میں یہ ڈرتا ہوں نہ ہو جائے فراموش کہیں

آج میں سوز کو دیکھا تو اچنبھے میں رہا
سر کہیں پانوں کہیں ہوش کہیں گوش کہیں

دل ہے یا میں ہوں میں ہوں یا دل ہے
اور اب ہم کنارِ کس کا ہوں

قطعہ

بھلا اے عشق تیری شوکت وشان — بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان
ایک ڈر تھا کہ جی بچے نہ بچے — دوسرے غم نے کھالی میری جان
بس غم یار ایک دن ۔ دو دن — اس سے زیادہ نہ جیو مہمان

بس جی بکھاؤ نہ قسم جانتے ہیں — جیسے تم ہو تمہیں ہم جانتے ہیں

قاتل پکارتا ہے ۔ ہاں کون کشتنی ہے — کیوں سوز چپ ہے بیٹھا کچھ بول اُٹھ نہ ہاں ہم ہیں

امید وصل جز طمع خام کچھ نہیں — ہر صبح ہے قسم یہ قسم شام کچھ نہیں
سمجھاؤں اپنے کفر کے گر رمز شیخ کو — بے اختیار رکھو آگے اسلام کچھ نہیں

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ہیں راہیں — جینے مسافروں کو دیتی تھیں نگاہیں

بے قراری نہ کر خدا سے ڈر — سوز عاشق کا یہ شعار نہیں

اے سوز عاشقی میں ثابت قدم ہی رہنا — فرقوں میں عاشقوں کے تا سب تجھے سراہیں

دل کو یہ آرزو ہے صبا کوئے یار میں — ہمراہ تیرے پہونچے بل کر غبار میں
میں وہ درخت خشک ہوں اس باغ میں چھپا — جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

ق

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ان آنکھوں سے روز — یہ برادر یہ پدر یہ خویش یہ فرزند ہیں
تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار — سوجھتا اتنا نہیں یہ خاک کے پیوند ہیں

ہاں اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو — تنہا نہیں ہوں بھائی با نالہ وفغاں ہوں

خواب ہی میں دیدے روتے ہیں — زور شتچے ہیں خوب سوتے ہیں

کیا کروں دل کو کچھ قرار نہیں — اس میں کچھ میرا اختیار نہیں

برق طپیدہ یا شرر جہیدہ ہوں — جس رنگ میں ہوں میں غرض آشفتہ دیدہ ہوں
اے آہ ونالہ مجھ سے نہ آگے بڑھو کہ میں — بچھڑا ہوں کارواں سے مسافر جریدہ ہوں
اے اہل بزم میں بھی مرقع میں دہر کے — تصویر ہوں ولے لب حسرت گزیدہ ہوں

خدا ہی کی قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو — نہ چھوٹے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو

لے پھرا میں کہاں کہاں دل کو
دل سا رفیق میرا تو نے جدا کیا ہے
رسم و آئین اسیری کے مجھے یاد نہیں
سانس لینے دے چھری نیچے شتابی کیا ہے
کھینچ لے باد صبا بکھرے ہوئے یاروں کو
بال باندھے ہے جنہیں کہنے میں یہی عاشق ہیں
اب یہ دیوانہ کہے ہے کھول دو زنجیر کو
منہ نہ موڑا تیغ سے جم جم اٹھائے زخم یار
او جانے والے اس سے یہ کہیو کہ واہ واہ
کل کس کے ہاں گیا تھا بھلا یہ بھی جھوٹ ہے
ناصح تو کسی شوخ سے دل جا کے لگا دیکھ
ہر چند میں لائق نہیں تیرے کرم کے
کس لئے تلوار خریدی میاں
راہ عدم کی بھی عجب سہل ہے
جس کو نہ ہو شکیب نہ تاب و فغاں ہے
دونوں جہاں سے تو مجھے کام کچھ نہیں
منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے
اشک خوں آنکھوں میں آکر جم سے لئے
ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے
دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرد
سوز تو یہ ہو سکے اور جان نکل جائے

نہ لگا لے گیا جہاں دل کو
لے عشق جی بھی لے چکا تیرا اگر بھلا ہو
تو گرفتار ہوں اے ہم نفسو سکھلا دو
ذبح تو کرتے ہو ٹک صبر کرو جلادو
راہ ملتی ہی نہیں وحشت کے آواروں کو
کیا چھڑا دے کوئی زلفوں کے گرفتاروں کو
توڑ دو اے عاقلو سر رشتۂ تدبیر کو
آفریں ہے سوز صد رحمت ہے تیرے پیر کو
کچھ بھی خبر ہے در پہ پکارے ہے داد خواہ
پھر تو کہیگا مجھ سے جھگڑتا ہے خواہ نخواہ
میرا تو کہا مان محبت کا مزا دیکھ
لیکن نگہ لطف سے ٹک آنکھ اٹھا دیکھ
باندھنے کو بھی تو کمر چاہئے
جس کو نہ کچھ زاد سفر چاہئے
تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے
ہاں یہ غرض ہے یار کہ تو مہرباں رہے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے
اب بھی ملتے ہو بدستور کہ گاہی گاہے
یوں اشاروں سے بتایا سر راہے گاہے
مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

تم بن ہے عذاب زندگانی ہے میری خراب زندگانی
ت کیجئے خیال کل ملینگے ہے دل میں یہ خواب زندگانی
اٹھانا نہ چھیو کہ لے کفن کا گھبرا کے نقاب زندگانی

الٰہی دل میں کسی دوست کے صفا نہ رہی ہمارے عکس کے آئینہ میں بھی جا نہ رہی

ق
چلتر سن بنا عیار کا تو زبردستی سے مرا دل لیا ہے
چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں ہمارے ہاتھ میں تو چھو تو کیا ہے

مثل نے کے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے
مگر جانیکا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے بہو سے پوچھتا ہے اسکو کس نے مار ڈالا ہے

ق
دیا تھا بیوفا کو دل جو میں نے ایک بوسہ پر کئی دن تک تو مانگا پھر جو دیکھا روز ٹالا ہے
کہا اکتا کے دل ہی پھیر دو تو یوں لگا کہنے تقاضے نے ترے ہر دم کے مجھکو مار ڈالا ہے
پڑا ہوگا کسی کو نہیں جا پہچان کر لے لے "مرا دل دو مرا دل دو" نیا جھگڑا نکالا ہے

لوگ کہتے ہیں کہ ہے یہ شخص عاشق ہے کہیں عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

ق
کہوں کس سے شکایت آشنا کی سنو صاحب یہ باتیں ہیں خدا کی
عدم سے زندگی لائی تھی بھلا کہ دنیا جائے ہے اچھی فضا کی
جنازہ دیکھتے ہی سن ہوا دل کہ ہے ظالم دغا کی اور دغا کی

رفیق کوئی بُرے وقت کا نہیں واللہ فغان نیم شبی اور نالۂ سحری
نہ ملتے مجھسے مگر جی سے مہرباں رہتے خوشی سے رہتے مرے مہرباں رہتے

گالیاں دینے کو اچھے ہو بیچارے سوز کو یہ نہ آیا ایک بوسہ دیجئے یوں ہی سہی

سوز۔ شاعر جادو مقال۔ ناثر عدیم المثال۔ مولوی عبدالکریم سوز خلف اصغر و تلمیذ ارشد خسرو اقلیم سخن آرائے حضرت مولوی امام بخش صہبائی سلسلۂ نسب پدری حضرت عمر فاروق تک اور نسب مادری حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہونچتا ہے۔ نقادی اور تحقیقات فن کی شہرت عالم

آتا ہے۔ عربی فارسی میں صاحب تکمیل منطق حکمت اور دیگر علوم و فنون میں فارغ التحصیل۔ خدا داد طبیعت کو فن سخن سے وہ نسبت تھی جو بلبل کو چمن سے یا روح کو بدن سے۔ اس جوان مرگ کی عالی خیالی واہ۔ اور بلند پروازی مضمون آفرینی سبحان اللہ۔ ابتدائے سن شعور سے کسب کمال کا شوق۔ شوکت الفاظ کے ساتھ۔ اچھوتے مضامین پیدا کرنیکا ذوق اور کیوں نہ ہوتا طبیعت اچھی ذہن رسا۔ اسپر صہبائی کی شاگردی اور شفقت پدری سونے پر سہاگا۔ جوانی میں اپنے کمالات اور ستودہ اخلاق کے باعث یگانۂ روزگار۔ خلیق۔ بامروت۔ ملنسار۔ ہر وقت فکر سخن میں غرق۔ ذہن کی براقی مدعیٔ انا البرق۔ اکثر زمینوں میں تین تین غزلیں کہکر اپنے شاگردوں سے پڑھواتے۔ واد لینے میں انجمن سے گوے سبقت لیجاتے۔ خاقانیٔ ہند حضرت ذوق کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ مسمی بہ واقعۂ شعب خیز ایسا لاجواب لکھا ہے کہ دیگر صنایع بدایع سے قطع نظر اکثر مصرعوں سے سال وماوہ نکلتا ہے۔ ۱۲۷۳ھ میں ۲۲ برس کی عمر پا کر بعالم شباب گوروں کے ہاتھ سے بے گناہ مارے گئے اور گنج شہیداں میں مدفون ہوئے۔ میدان بلاغت کے شہسوار معرکہ سخن کے علم بردار تھے۔ مولا بخش قلق میرٹھی مرحوم جو حضرت صہبائی کی شاگردی سے پھر کر جناب مومن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے تھے اُن سے کارزار شاعری میں مقابلے ہوئے قلق کو زار و حزیں ہونا پڑا۔ ہنگامۂ سخن میں انکے آگے قدم نہ جمے۔ انکا ضخیم اور قلمی کلیات لالہ بنارسی داس غمگین کے پاس موجود تھا مگر افسوس کا مقام ہے کہ وہ انکی وفات کے بعد ورثا کی کم توجہی سے ضایع ہوگیا۔ بطور نمونہ تھوڑا سا کلام جو انتخاب کیا ہے زیب دیدۂ ناظرین ہے ؎

میرے دل میں حسرتیں ہیں کارواں در کارواں
چمن سے جاتی ہے اسطرح سے بہار اور ہائے
تو نہ مرجائے کہیں سوزِ غم میں رک رک کر
عالم کو چین دیتی نہیں شوخیاں تیری
میرے جنوں سے اور تیرے رنگِ شوخ سے

گم نہ ہوجائے کہیں پیکاں تمہارے تیر کا
کسی طرح نہیں صیاد مہرباں ہوتا
ذرا تو حال کہا کر کسی سے یار اپنا
اور اضطراب میرے دلِ بیقرار کا
اب کے کچھ اور رنگ ہے ظالم بہار کا

تمہیں وہ اس رات کو غیروں میں عشرت سے بسر کرنا
ہمیں یاں رُوتے رُوتے شمع ساں وقت سحر کرنا

ظالم ترے کشتوں کا گلو تر نہیں ہوتا
جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہیں ہوتا

کچھ ترا شہرہ ہوا کچھ میری رسوائی ہوئی
رفتہ رفتہ یوں ہی ظاہر رازِ پنہاں ہو گیا

عشق میں ہو ہی چکے تھے ہم تو بے ساماں مگر
حسرتیں بڑھ بڑھ کے پھر کچھ جمع ساماں ہو گیا

نہ وہ تم ہو نہ وہ ہم ہیں نہ وہ باتیں پہلی
تفرقہ تھا جو مقدر میں نظر آ ہی گیا

ابھی دل میں ابھی آنکھوں میں ابھی دامن پر
اشک میں بھی تری شوخی کا اثر آ ہی گیا

سوز گو بیگانہ ہے پر بزم میں رہنے تو دے
رفتہ رفتہ یہ بھی ظالم آشنا ہو جائیگا

وائے قسمت کہ خزاں میں رہے گلزار کے پاس
اور بہار آئی تو صیاد جفاکار کے پاس

ہائے رے جذبۂ صیاد کہ بھاگے بھی جو صید
پھر پھر آن رہے ہیں اُسی خونخوار کے پاس

اللہ اللہ تری صیاد تغافل کیسی
کہ جو بھولے سے بھی آوے نہ گرفتار کے پاس

پاس آنے میں نہ کشتوں کے لگے دیر کہیں
لے لیا موت نے گھر ہی تری دیوار کے پاس

ناتواں گو ہیں یہ بیتابیٔ دل یہ ہے تو کیا
ایک دن گھر ہی کر رہنگے تری دیوار کے پاس

اے سوز ابتدا ہی میں بگڑی ہوائے دل
آگے کو رنگ دیکھئے کیا کیا دکھائے دل

بد عہدیوں کی تیری کیا کیجئے شکایت
جب آپ ہی جہاں میں ناپائدار ہیں ہم

یہ تو یقیں تم ہم میں ہی ہو پر یہ نہیں کھلتا کس جا ہو
دل میں تمنا سینہ میں ارماں جان میں حسرت بستے ہیں

ارمان ہے کونسا کہ سویدائے دل نہ ہو
امید کونسی ہے جو داغِ جگر نہیں

یوں ہی آئی عمر اور یوں ہی گئی
ہم خدا جانے رہے کس دھیان میں

سینکڑوں ہیں تری اس سادہ مزاجی کے نثار
اور قربان ہیں ظالم تری ہر سج کے لاکھوں

جان سینہ میں نظر آنکھوں پہ دم ہونٹوں پر
اک نہ آنے سے ترے کام ہیں اٹکے لاکھوں

ایک مژگاں کے تصور سے ترے او کافر
خار سے خار سے تھے سینہ میں کہ کھٹکے لاکھوں

رحم بھی آیا تو قاتل کب تجھے آیا کہ یاں
حلق میں کٹ کر رگِ نخچیر آدھی رہ گئی

ہم نے کچھ بہت تو کی تھی پر کریں کیا تک
آتے آتے آہ کی تاثیر آدھی رہ گئی

اللہ اللہ شوخیِ خیال تیری کہ تیری نازکی
لوحِ دل پر جب تری تصویر آدھی رہ گئی

کھنچ گیا شاید تغافل کچھ ترا مانی سے جو
کھنچتے کھنچتے یوں تری تصویر آدھی رہ گئی

تو ہی دے جانے جب انداز ہی آزار مجھے
میں تبھی دیکھوں کہ ترے ساتھ ہے کیا پیار مجھے

جی نے چاہا تو گیا بیٹھ کسی گوشے میں
اور نہ چاہا تو ہے پھرنے سے سروکار مجھے

اور وہ کون سا عقدہ ہے کہ آساں ہوگا
ایک ملنا تھا تمہارا سو ہے دشوار مجھے

اسکو ہے شوقِ ستم مجھکو ستم کی خواہش
میں ستمگار کو درکار ستمگار مجھے

سوز کچھ تو ہے تمنا کہ پڑے پھرتے ہو
کیوں یہ کہتے ہو نہیں اُس سے سروکار مجھے

ہیں تو چمن کے اندر پر جورِ باغباں سے
آوارہ پھر رہے ہیں گم کردہ آشیاں سے

حیرت نے ہمکو غنچہ تصویر کا بنا یا
اسیر بھی ڈر رہے ہیں بیدادِ خزاں سے

صیاد پھینک دیوے یا برق پھونک دیوے
اب ہاتھ ہم اُٹھالیا ہے ہم نے تو آشیاں سے

قطعہ

دیکھا عجب تماشا طرفہ کیا نظارہ
گذرا جو صبح گاہاں میں صحنِ گلستاں سے

یعنی کہ ایک بلبل بیٹھی تھی شاخِ گل پر
رنگِ چمن دوبالا تھا اسکی داستاں سے

جوں سوزِ سوز و دردِ دل اشعارِ میر برلب
گویا خبر وہ دیتی تھی سوزشِ نہاں سے

اُس کے سخن میں ہمدم کیا کچھ بھری تھی گرمی
گویا کہ آتشِ دل تھی شعلہ زن زباں سے

گہ نالہ و فغاں سے عالم کو پھونک دینا
گہ دل ہی دل میں جلنا آہِ شرر فشاں سے

گہ فصلِ گل سے شاداں کوتاہ بینیوں سے
گہ بیش بینیوں سے غمگیں تھی خزاں سے

اسکو سمجھ کے اپنا ہمدرد ہم مصیبت
پوچھا میں نے اُس سے تو کہہ تو کچھ زباں سے

کیا حال ہے وہ تیرے اب زمزمے نہیں ہیں
اندوہگینیاں ہیں ظاہر تری فغاں سے

کہنے لگی کہ جو جو میری حقیقتیں ہیں
سو گفتنی نہیں ہیں کیا فائدہ بیاں سے

لیکن نہیں مناسب بالکل ہی چپکے رہنا
اب رازِ دل چھپاؤں اور تجھسے رازداں سے

میری یہ ہے حقیقت میرا یہ ماجرا ہے
یعنی کہ خستہ دل ہوں اور تنگ اپنی جاں سے

سنے بیٹھنے کی جا ہے نہ رہنے کا ٹھکانا
آزردہ ہوں زمیں سے آشفتہ آسماں سے

آنکھ تو جو رہتے اک عمر ہو گئی ہے
صیاد کا گلہ ہے شکوہ نہ باغباں سے

اب تو اک اور تازہ آفت ہوئی ہے نازل
یعنی بقول میر دل خستہ آسماں سے

جب کوندتی ہے بجلی تب جانب گلستاں
رکھتی ہے چھیڑ میرے خاشاک آشیاں سے

لالہ اور اس طرح سے چھاتی پہ داغ رکھے
سب ڈھنگ اڑا لئے ہیں تیرے سوختہ جاں سے

سوز۔ منشی محمد عمر باونی مقیم جیپور شاگرد حضرت جلال لکھنوی۔ خوش فکر موزوں طبع ہیں یہ کلام ہے

محتسب سے پوچھتا تھا میکدہ
نشۂ مے میں میں ایسا چور تھا

آنے والی تھی طبیعت آ گئی
یہ خدا ہی کو تو منظور تھا

رباعی

مشرق کے ہوں لاکھ سال تو کچھ بھی نہیں
بے فائدہ بے کار گذرتے ہیں یونہیں

کچھ دین کا فائدہ نہ دنیا کا سوز
یورپ کے پچاس اس سے بہتر ہیں کہیں

واعظ نہ پھر بادہ کشی منع کرا نہیں
ضد سے تری پینگے یہ مئے خوار اور بھی

آدمی قسمت کا اچھا چاہیئے
قسمت اچھی ہو تو پھر کیا چاہیئے

دن تو ہے دنیا کے دھندوں کیلئے
شام ہوتے جام و مینا چاہیئے

سوز۔ منشی محمد حسین علیخاں باشندہ سہانپور طبیعت برق دم۔ ذہن سے دو آتشہ کیطرح تیز ہے۔ ایک پھڑکتا ہوا شعر ہاتھ آیا ہے ؎

بھاگے ہیں میکدہ سے تو مجری میں نہیں
چلہ کیا ہے شیخ نے اتری کمان پر

سوز۔ شیخ نذیر الدین حسن ولد شاہ غلام محی الدین۔ ساکن بریلی۔ صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے۔ جو ہدیۂ ناظرین ہے ؎

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا رات ہوئی۔ رات ہوئی دن آیا

سوزاں۔ میرزا احمد علیخاں شوکت جنگ۔ خلف الصدق نواب میرزا علیخاں۔ لکھنؤ میں ایرانی

شوکت سے رہتے وزیر الملک آصف الدولہ اور سعادت علیخاں کے زمانہ میں رہتے تھے۔ یہ دو تین شعر انکے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

مجنوں شکستہ پا ہے پیچھے ؎ کہدیجو سلام سارباں کو

مت دل لگا بتوں سے کہنے چلا کسی کے ؎ ہرگز ہوئے نہ ہونگے یہ آشنا کسی کے

خوبی ہے کیا ستمگر اس ہفتہ دوستی میں ؎ اپنا کسی کو کیجے ہو رہیے یا کسی کے

سوزاں

سوزاں یہ حکیم محمد تقی خاں مرحوم دہلوی طبیب حاذق شاعر باخبر تھے۔ انکا ایک مسدس دستیاب ہوا ہے جو فغان دہلی سے نقل ہو کر ہدیۂ ناظرین ہے ؎

خدا نے عرش سے تا فرش جب پیدا کیا ؎ زمیں پہ بسنے کا انساں کو جبکہ حکم ملا

جو انتخاب جہاں تھا سو ہند میں رکھا ؎ رہے تھے مل کے وہیں دیکھو آدم و حوا

کسی کا نام رکھا روم اور کسی کا شام

ہے اس مقام کا ہندوستان جنت نام

یہ شہر وہ تھا کہ سب جام جم اسے کہتے ؎ سمجھ تھی جن کو وہ رشک ارم اسے کہتے

یہ شہر وہ تھا کہ بحر کرم اسے کہتے ؎ بجا تھا چشمۂ فردوس ہم اسے کہتے

اسی کے لینے کا شایق ہر ایک سرور تھا

یہ شہر وہ تھا کہ سرتاج ہفت کشور تھا

وفور حسن لطافت میں اسکا تھا شہرہ ؎ یہ کان علم و ہنر میں تھا ایسا ہی یکتا

کسوٹی کہتے ہیں جسکو وہ شہر دہلی تھا ؎ یہاں کے سنگ میں پارس کا تھا اثر پیدا

وطن کو چھوڑ ہر ایک سمت سے جو آتے تھے

اسی جگہ سے سب انسان بنکے جاتے تھے

جو طلسم آنکھ سے دیکھا کہا نہیں جاتا ؎ سنا جو کانوں سے اسکو لکھا نہیں جاتا

نشان نقش ازل تو مٹا نہیں جاتا ؎ کرے بیاں جو اسکا سنا نہیں جاتا

ہوا نجاتی تھی بے اذن جن کے گلشن میں
وہ خاک چھانتے پھرتے ہیں جنگل اور بن میں

تھے ایک روز فراہم جو شاہ کے فرزند
کی عرض شہ سے کہ اقبال آپ کا ہو بلند
دعا قبول ہوئی آپ کی ملی یہ گزند
خفہ گلو سے ہمارا اجل ہو طوق کمند

ہمارے حق میں جو ارشاد تھا وہ پیش آیا
کہ اپنے سامنے سب کو عدم میں بھجوایا

صبا چمن میں اُڑائے ہے اپنے سر پہ خاک
جہاں سے تھے نرگس و لالہ نہیں خس و خاشاک
ہر ایک گل جو ہے پژمردہ با دلِ غمناک
کیا ہے گلشن ہستی نے اب گریباں چاک

کریں ہیں نوحہ مچا شور بلبلانِ چمن
ملے ہیں خاک میں گلچین و گلعذارانِ چمن

جو نازکی سے اٹھاتے نہ گل کو جان یکبار
بجز نسیم گل اُنکے گلے میں دیکھا نہ ہار
رہا نہ عطر نہ پان اور نہ زلفِ عنبر بار
پڑے ہیں سر پہ کبھی اپنے بار نصف نہار

وہ پا برہنہ ہیں کانٹے ہیں اور ہے رہ تنگ
پڑے ہیں چھالے جنہیں بار تھا حنا کا رنگ

وہ نازنیں کہ نزاکت بھی دیکھ گھبرائے
کہ جنکی بستر گل پر سے نیند اُڑ جاوے
گماں میں جو نہ ہو کیا خیال میں آوے
لکھا ازل کا جو تقدیر سامنے لاوے

پکڑ کے زلف کیا قتل انکو ننگے سر
صبا کے چھونے سے ہوتے تھے جو پریشاں سر

سوزاں - منشی حبیب الدین احمد مرحوم خلف خواجہ معین الدین انصاری سہارنپوری - اوائل عمر سے حسن پرستی کی آگ دل میں بھڑکی شعلہ رویوں کا سودا سر میں سمایا - ذوق سخن نے اور بھی گرمی طبع کو بڑھایا - فارسی کی معقول استعداد حاصل کرنیکے بعد سہارنپور کو چھوڑ دیا - دلّی میں رہنے سہنے

یہ جو شعر گزرے یہ حال ہلال کا
جو قطعہ واقعات کا تین صحیح صورت ہو گا

سوزاں

لئے حضرت غالب کی شاگردی اختیار فرمائی۔ عرصہ تک اُن سے استفادہ حاصل کرتے رہے انہیں دنوں میں اخبار الاخیار کے ایڈیٹر ہو گئے بہت سے رسالے آپکی تصنیف و تالیف سے ہیں تاریخ عجیب و حالات حکمائے یونان۔ تریاق مسموم۔ تاثیر القلوب۔ گنج شایگاں قافیہ میں۔ اُردو کا پہلا دیوان جو نہایت مختصر ہے۔ شایع ہو چکا ہے۔ دوسرا دیوان بھی تیار تھا مگر معاش کی کمی اور قبل از وقت موت نے چھپوانیکی مہلت ندی۔ انہوں نے میرزا غالب مرحوم کے بعد دہلی کو چھوڑ دیا تھا اور رام پور چلے گئے تھے۔ میرزا عزیز بیگ عزیز مرحوم انکے قابل تلامذہ میں سے تھے سوزاں باوجود عسرت کے قانع و صابر رہے۔ حتی الوسع کبھی تیور پر بل نہ آنے دیا۔ زندہ دلی میں فرد تھے ہنستے ہوئے زندگی کے دن تیر کئے ۱۸۹۵ء میں انکی شمع حیات خاموش ہو گئی ۶۵ برس کی عمر پائی۔ شعر کے تیور خوب ہوتے تھے۔ مزاج میں شوخی حد سے زیادہ تھی۔ اسلئے کبھی انشا کا رنگ کلام میں آجاتا تھا۔ آزادانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے بعض موقعہ پر رنگ غالب کی متانت کو فراموش کر دیتے۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ ذہین۔ طباع۔ بلند پرواز۔ نازک خیال شاعر تھے

کلام کا انتخاب یہ ہے

جاتا جب ہم نے اس کو تو کیا دیر کیا حرم
شہر میں سوزاں جو کوئی شخص تھا

غالب سے کام تھا سو وہ سوزاں گذر گئے
اے سے فروش اپنی غلامی میں رکھ مجھے

تیری نگاہ مست اثر دل میں کر گئی
جب تک رہا جہاں میں رہا مبتلائے رنج

افسوس کہ دل خوش نہ ہوا ان کے کبھی سے
چادر ماہتاب کا ہو کفن

دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو

کوئی جگہ جہاں میں نہ تھی وہ جہاں نہ تھا
آج کسی شخص یہ وہ مرگیا

دہلی میں اب جناب کا کیا کام رہ گیا
جو پاس تھا وہ صرف مئے و جام ہو گیا

ساقی یہ جام لے کہ مرا کام ہو گیا
اے کنج قبر اب مجھے آرام ہو گیا

ماتم کدۂ دہر میں جو تھا سو حزیں تھا
کشتہ ہوں ایک ماہ پیکر کا

شمع منہ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا

زخم پر میرے چھڑکتا ہے نمک
اور وہ دکھ کی دوا کرتا ہے کیا

دیکھا جو مجھکو شوقِ شہادت میں بیقرار
کافر نے رکھ کے حلق پہ خنجر اُٹھا لیا

کیا ہی نورانی ہے اُس رشکِ قمر کی صورت
آگیا چاند مگر بنکے بشر کی صورت

علم حکمت وہ ہے آئینہ روشن جسمیں
نظر آتی ہے ہر اک عیب و ہنر کی صورت

اثرِ درد نہ ہو جیسے دلِ نازک پہ کہیں
تم نہ دیکھا کرو مجھ خستہ جگر کی صورت

کیوں ہے برنگِ غنچۂ گل دل گرفتہ آج
اے نوبہارِ حسن ترا خوش تو ہے مزاج

نقدِ وفا سے کیسۂ دل ہے بھرا ہوا
پر کیجئے کیا نہوے جو اسکا یاں رواج

سوزاں کو دیکھا مست فقیروں کیطرح سے
کاسہ لئے کھڑے تھے درِ میکدہ پہ آج

اے چشمِ شوق مژدہ کہ جلتی ہے اب نقاب
روشن ہوئی ہے آتشِ رخسار بے طرح

مجھے حیرت آتی ہے شمعِ سحر پر
کہ مٹتی ہے اور مستعد ہے سفر پر

اس ملنے سے ہوتا ہے کہیں خوش دلِ محزوں
لینا ہے غمِ ہجر کا بدلا ابھی کچھ اور

توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ
لیکن ذرا آجائے بڑھاپا ابھی کچھ اور

مجھے دام میں لاکے صیاد بولا
نہیں یا اسیر آب و دانے کے قابل

راحت تو مجھکو بھی کبھی اے آفریدگار
کیا رنج ہی کے واسطے میں آفریدہ ہوں

جزاک اللہ وعظ اچھا کہا اب رخصت اے واعظ
کہ وقتِ میکشی آیا ہے ہم میخانہ جاتے ہیں

لطف کم کیجیے کہ اس بندہ کے حق میں آپکا
اب ستم اچھا ہے اور لطف و کرم اچھا نہیں

حق تعالیٰ غم کسی کو دے تو سوزاں عشق کا
ورنہ دنیا کا ہو یا دیں کا ہو غم اچھا نہیں

گر آرزو ہے دل میں تو یہ ہے کہ ایک روز
قدموں پہ تیرے جانِ گرامی فدا کریں

طینت میں ہے فریب بتانِ فرنگ کے
جس سے ملیں اُنہی سے یہ کافر دغا کریں

سوزاں کو آپ کہئے فرشتہ خصال ہے
ہم تو یہی کہینگے کہ کچھ آدمی نہیں

عاشق اُس سایۂ دیوار سے رکھتے ہیں مراد
جس کو اربابِ خرد ظلِّ ہما کہتے ہیں

مجھ سے بیمار کو تکلیف غزل دیتے ہیں
کس میں ہے طاقت دیدار الٰہی توبہ
کعبہ و دیر میں دہرا کیا ہے
نہوئے جسکو علم و عقل کھلا تا ہے دیوانہ
جلتے ہیں پر افسوس یہ ہمکو نہیں معلوم
آتی ہے تجھے دیکھ کے کیا کیا مرے دلمیں
پوچھا جو اُسنے مجکو وہ خانہ خراب ہے
یہ چادر نور روئے روشن جسکی یاں کعبہ میں نئی ہے
جو اسکی حکمت کا ہے تقاضا وہی کہا اور وہی کریگا
اے چشم ٹھہر یار جہاں تک کہ نظر جائے
الٰہی آنکھیں پھوٹیں ہاتھ ٹوٹیں جس نے دنیا میں
خدا پرست مجھے لوگ کہتے ہیں اور میں
لگئی تخلیہ میں حضرت یوسف کو مگر
منہ سے کہتا تو ہوں توبہ مگر اے شیخ ہنوز
سُنکے بیماریٔ سوزاں کی خبر از رہ درد
سر و سامان نہیں ہم سے مہیا ہوتے
کچھ نہ ہوسنے یہ تو اللہ ید انانیت ہی
یار کے رنگ میں سوزاں تجھے ملنا تھا
وہ بے فائدہ در پئے شکست و شو ہے
بس اب عشق بتاں کر ترک سوزاں

رحم سوزاں دل یاران سخنداں میں نہیں
کیا غضب کرتے ہو یا حضرت موسیٰ دیکھو
غور دل میں ذرا کرے کوئی
یہاں دیوانہ علم و عقل نے مجھکو بنایا ہے
جائیں گے کہاں اور ہم آئے ہیں کدھر سے
پر کہہ نہیں سکتا ہوں ظالم ترے ڈر سے
نکلا خوشی میں منہ سے مرے "ہے خراب ہے"
چراغ دیر و کنشت میں بھی اُسی کے جلوؤں کی روشنی ہے
نہ حکم اسکا ہی ملک اُسکا کسیکو کیا جانے دم زنی ہے
دامان زمین آج ذرا اشک سے بھر جائے
نہ چشم عشوہ زا دیکھی نہ ساق نازنیں پکڑی
صنم پرست ہوں ایسا کہ برہمن کیا ہے
اور کچھ قصد زلیخا ہے خدا خیر کرے
دل میں ذوق مے و مینا ہی خدا خیر کرے
لگے کہنے کہ بڑا پاپ ہے خدا خیر کرے
ورنہ فرعون تو کیا اُسکے بھی باوا ہوتے
کچھ اگر ہوتے تو کیا جانے ہم کیا ہوتے
وہ گل تر تھے تو ہم بلبل شیدا ہوتے
یہ آخر وفا پیشگاں کا لہو ہے
خدا کا خوف کر بندے خدا کے

سوزش سوزش ـ محمد احسان الحسن صاحب خلف اصغر حضرت نوازش مرحوم۔ آپکا وطن آبائی

جونپوری ہے۔ فن شعر میں حضرت شاہ اکبر داناپوری سے اصلاح لیتے ہیں۔ کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ ابھی مشق کی ضرورت ہے یہ دو شعر انکے ہیں جن سے موزوں طبع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عشق کو اُس خالق عالم نے جب پیدا کیا / سب کے بدلے مجھکو اپنا والہ و شیدا کیا
ہجر میں اُس بیوفا کے یہ مری حالت ہوئی / اضطراب قلب سے میں رات بھر تڑپا کیا

سوگ

سوگ ۔ منشی مہیش پرشاد صاحب۔ مدرس مدرسۂ سرکاری قصبہ تازہ ضلع الٰہ آباد۔ ۱۵ برس سے حضرت نوح ناروی کے شاگرد ہیں۔ مشق کم ہے۔ زبان لکھنے کیطرف توجہ ہے طبیعت میں آمد ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

تو دیکھ اپنے حُسن کو عاشق کی آنکھ سے / تیری نظر میں کیا ہے ہماری نظر میں کیا
بڑھ گیا کچھ اور بھی سودا بیاباں دیکھکر / تلوے کھجلانے لگے خارِ مغیلاں دیکھکر
حُسن وہ شے ہے کہ پتھر میں بھی کرتا ہے اثر / کھل گئی یہ بات آئینہ کو حیراں دیکھکر
خانۂ دل کی تباہی کا نہ پوچھو ہم سے حال / حسرتیں بھی اب نہیں آتی ہیں ویراں دیکھکر
مژدہ اے جوشِ جنوں پیدا کیے وحشت نے پاؤں / آبلے روتے ہیں پھر خارِ بیاباں دیکھکر
دستِ وحشت کو مبارکباد یاں تجھ میں ہے ہم / چاکِ دامن دیکھکر چاکِ گریباں دیکھکر
چار آنسو گر پڑے برپا قیامت ہو گئی / ڈر رہے ہیں وہ مرے اشکوں کا طوفاں دیکھکر
کوئی بالیں پر کھڑا ہے زلف بکھرائے ہوئے / آج ہم اٹھے ہیں یہ خوابِ پریشاں دیکھکر
تیر نگاہِ ناز ٹھہرتے کہیں نہیں / یہ دلنواز تو ہیں مگر دلنشیں نہیں
اے سوگ ہے عبث تمہیں راحت کی جستجو / کیا ہاتھ آئے وہ جو جہاں میں کہیں نہیں
وہ خنجر لیکے سوتے ہیں شبِ وصل / نہیں معلوم کیا ٹھانی ہے جی میں
تری تیغِ نگاہ ناز کچھ ایسی چلی دل پر / کہ میرے ایک دل کے سینکڑوں دل ہو جاتے ہیں
یہ کیا نصف مزاجی ہے تمہیں سوچو تمہیں سمجھو / اُسی پر ظلم کرتے ہو جو تم سے دل سے ملتا ہے
اس ادا اس ناز اس انداز پر / دل تو دل ہے جان بھی قربان ہے

ہجر کی شب موت بھی آتی نہیں ۔۔۔ کس مصیبت میں ہماری جان ہے

ہوگیا ہوں خوگرِ غم رنج سہکر اور بھی ۔۔۔ کیجئے مجھ پر ستم اے بندہ پرور اور بھی

کیا زمانہ میں نہیں ہو اک اکیلے خوبرو ۔۔۔ سیکڑوں ہیں تم سے اچھے اور بہتر اور بھی

آنکھیں اُدھر لڑیں کہ اِدھر دل تڑپ گیا ۔۔۔ کیا جانے کیا اثر تری ترچھی نظر میں ہے

دل پر کسی کے تیر پڑا ہم نے آہ کی ۔۔۔ سارے جہان کا درد ہمارے جگر میں ہے

ہمارا یہ دلِ مضطر انوکھا ہے نرالا ہے ۔۔۔ کبھی جی جی کے مرتا ہے کبھی مر مر کے جیتا ہے

سہا

سہا۔ حکیم سید رضا حسین۔ داماد میر وزیر علی صبا مرحوم۔ علمی استعداد کچھ زیادہ نہ تھی مگر دبیر۔ صبا۔ خلیل جیسے اُستادوں کی صحبت کا فیض اٹھایا تھا اسلئے زبان صاف ہوگئی تھی ۱۹۱۸ء تک لکھنؤ میں موجود تھے۔ انہیں دعویٰ تھا کہ خواجہ آتش کے رنگ میں ان سے بہتر کوئی نہ کہہ سکا۔ مگر بایں ہمہ انکے کلام پر بجائے توارد کے سرقہ کا گمان ہوتا ہے۔ اگست ۱۹۰۵ء کے گلچیں میں جو غزل انکے نام سے درج ہے اُسکے بعض اشعار نواب یوسف علیخاں ناظم شاگرد حضرت غالب مرحوم کے ہیں مثلاً ؎

خون ہوتے ہوئے دیکھا کبھی جلتے دیکھا ۔۔۔ دل کو ہر بار نیا رنگ بدلتے دیکھا

اسی طرح دوسرا شعر بھی بہ تبدیل الفاظ انہیں کا ہے ؎

زاہد و شیخ و برہمن مرے ہم مشرب ہیں ۔۔۔ درِ میخانہ سے کس کس کو نکلتے دیکھا

جناب ناظم کا مصرعہ یوں ہے۔ ع۔ زاہد و شیخ بھی خوب ہیں کیا بتلاؤں۔ اسی طرح حضرت ناظم کا یہ مشہور شعر ہے ؎

ہے یہ ساقی کی کرامت کہ نہیں جام کے پاؤں ۔۔۔ اور پھر بزم میں سب نے اُسے چلتے دیکھا

یہ بھی بے تکلف اپنی غزل میں داخل کیا ہے۔ آپکی شاعری کی کائنات یہ تھی اور پھر اُسپر اُستادی کا دعوےٰ تھا جو کلام گلدستوں میں انکے نام سے شائع ہوا ہے۔ اُسکا انتخاب یہ ہے۔

فصلِ خزاں کے آتے کیسی ہوا چلی یہ ۔۔۔ شمعِ مرادِ بلبل گل ہو گئی چمن میں

پہونچی یہاں تلک ہے اب لاغری ہماری
بنتی ہیں وہ قبائیں مجنوں کے پیرہن میں

آتش کی ہے زمین جل جائنگی زبانیں
آہو نہ چر سکینگے اس شیر زر کے بن میں

یہی آہیں رہیں تو سن لینا
اک نہ اک دن یہ آسمان نہیں

تیرے عاشق کی پیٹتے ہیں کہ لاش آئی ہے
سیر کو تو بھی نکل خلق تماشائی ہے

اتنا کہے دیتے ہیں سنو یا نہ سنو تم
عاشق تو سبھی ہیں پہ سہا اور ہی کچھ ہے

بہت کم سن ہیں وہ ڈر جائینگے انکو نہ آنے دو
بڑی مشکل سے عاشق کا تماشا ہی دم نکلتا ہے

سہا

سہا - سید ممتاز حسین صاحب بلند شہری - قد و قامت نہایت مختصر مگر طبیعت ذکی اور مشاق ہنر علیگڑھ کالج سے بی - اے پاس کر چکے ہیں فلسفیانہ دماغ کے انسان ہیں - اس چھوٹے سے قد پر سیھے دار تقریر کرتے ہیں علم مجلس میں یگانہ ہیں - دیوان غالب اردو کی شرح میں حکمت و فلسفہ کے مسائل انکی جدت طرازی کا ثبوت ہیں قابل آدمی ہیں - دل خوش کرنیکو کبھی کبھی شعر لکھ لیتے ہیں ماہواری رسالوں میں غزلیات شایع ہوتی رہتی ہیں - آجکل بھوپال میں ملازم ہیں کلام یہ ہے ؎

جذبۂ سرورِ جاں اضطراب ہوگیا
آرزو کے کھیل میں دل خراب ہوگیا

یوں ندامتِ ستم کچھ ستم سے کم نہیں
خامشی سے اور وہ لاجواب ہوگیا

ہر نظر کی نذر ہے عہد ترک عاشقی
رند مے پرست کا اجتناب ہوگیا

انکی مہربانیاں شب کا خواب ہوگئیں
روز رات کا تماشا اک عذاب ہوگیا

اپنے جوشِ شوق میں ہم ہی ہوش میں نہ تھے
ورنہ لاکھ بار وہ بے حجاب ہوگیا

پھر ترے غرور کا اور کیا دماغ ہے
اب سہا کا ذکر بھی ناصواب ہوگیا

سہراب

سہراب - میرزا سہراب بیگ دہلوی شاگرد شاہ نصیر صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے جو یہ ہے ؎

دریا ہے موجزن مری چشم پر آب میں
بحر محیط بند ہوا ہے حباب میں

سہیل

سہیل ۔ منشی درگا پرشاد شاہجہاں آبادی تلمیذ جناب خنداں شعر خوب کہتے ہیں۔ انداز بیان نہایت پیارا اور دلفریب ہے۔ لطف زبان کیساتھ مضمون کی طرف بھی توجہ ہے یہ کلام ہے

سنیں جو پاس ہو کے شرحِ آرزو میری
گلے لگا ہی لیا سُن کے گفتگو میری

وہ آنسوؤں کو مرے پوچھتے ہیں دامن سے
بڑھائی ہے مرے اشکوں نے آبرو میری

رحم آگیا بتوں کو جو رویا میں پھوٹ کر
پتھر پگھل گئے مرے نالوں کے سامنے

رہنے دو طاقِ طور پر سب لن ترانیاں
آجاؤ ہم سے چاہنے والوں کے سامنے

کیا لطف ہیں آئینہ اُلٹی نقاب کر
ہو بے حجاب دیکھنے والوں کے سامنے

سہیل

سہیل ۔ سید حسین علی عبوی حضرت ظہیر انور کے عزیز تھے لکھنؤ میں عمر تک بعد غدر رہے اور ہمیشہ زمانہ کے ہاتھوں شاکی اور نالاں بسر کی۔ استعداد علمی بہت معمولی تھی مگر نظم و نثر لکھنے کا ہمیشہ شوق رہا۔ اپنے ہمعصر لوگوں کے اکثر حالات لکھے ہیں جنکا مجموعہ راقم کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ کلام میں پختگی اور تخیّل دونوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ طرز بیان بھی پسندیدہ ہے ؎

داغ بیٹے کا اٹھایا جب سے میں نے اے سہیل
دل اُسی دن سے مرا محزون و غمگیں ہو گیا

سوزِ دروں کا حال نہ پوچھو شامِ ہجر
مانندِ شمع روتے ہی روتے پگھل گیا

بزم سرور و سیر تماشہ سے کیا غرض
رونے کو کُنجِ غم میں میں گوشہ نشیں ہوا

جز داغ غم کے اس دلِ غمگیں میں کچھ نہیں
پیدا جہاں میں اسلئے میں دل حزیں ہوا

اس رہگذر میں آنیکی کچھ آرزو نہ تھی
خواب عدم سے آہ میں بیدار کیوں ہوا

گردش ہی آسماں کی فقط ہے میرے واسطے
حیرت ہے مجھکو دورِ دل ہموار کیوں ہوا

زخموں پہ زخم پڑتے ہیں تیرِ نگاہ کے
مقتل میں اسطرح کوئی بسمل نہیں ہوا

پائی اماں کسی نے نہ گلچیں کے ہاتھ سے
کسدن چمن میں شورِ عنادل نہیں ہوا

اے اجل آنا ہے اک روز ضروری تجکو
گر شبِ ہجر میں آجائے تو احساں تیرا

خوش آغاز و مسرت خیز ہے موسم جوانی کا
غنیمت جان لے انسان عالم زندگانی کا

رُخِ روشن سے ہوئی دور نقابِ تسکیں
آئینہ دیکھ کے حیرت ہوئی نظّاری
زندگانی کو سہیل اپنی غنیمت سمجھو
وحشت کا اپنی وہ سرو ساماں نہیں رہا
افسوس ہے کہاں سے میں لیجاؤں آشیاں
گذرا جو عہد گردشِ لیل و نہار کا
ہر نخل کو نشاطِ ترنم سے وجد ہے
نام سہیل کافی ہے پڑھنے کو فاتحہ
اہل دنیا سے کبھی کوئی نہ مطلب نکلا
عاشقو خوش ہو کہ ارمانِ دلی اب نکلا
کہتا ہے یہ دل رنج اٹھائے گا سوا اور
اب کیا ہے سہیل آنے لگے خون کے قطرے
غازۂ حسن سے ایسے ہوئے خوش رُو عارض
سرمہ سے یوں ہی چشمِ ستمگار کو فروغ
سارا زمانہ ہو گیا دلدار کی طرف
ازل سے روتی ہے کیا اسکو صدمہ پہونچا ہے
خدا کے حکم سے اسواسطے ہوئی مخلوق
مثال شمع کے یہ بھی لحد پہ روئیگی
ہر لحظہ دل سے آہ کے شعلے بلند ہیں
دل کو مرغوب حسینوں کی ہیں رنگیں باتیں
مذہبِ عشق میں شکوہ کا نہیں ہے مذکور

پردۂ شب سے ہوا مہرِ منور پیدا
رشک اسکا ہے ہوا دوسرا کیونکر پیدا
آدمی کوئی نہیں ہوتا ہے مرکر پیدا
وہ زور شور نالہ و افغاں نہیں رہا
گلشن میں ایک بھی گلِ خنداں نہیں رہا
اُردی بہشت لائی ہے مژدہ بہار کا
جھونکا جو آرہا ہے نسیمِ بہار کا
ملتا نہیں نشاں جو اُسکے مزار کا
وقت سختی میں مددگار جو یارب نکلا
گالیاں دینے کو گھر سے وہ شکرلب نکلا
جینے کی ہوس گر ہے تو چکھ اسکا مزا اور
رونا ہے پسندیدہ تو ہاں اشک بہا اور
مثل آئینہ چمک جاتے ہیں ہر سو عارض
خون چاٹنے سے جیسے ہو تلوار کو فروغ
کوئی نہیں ہمارے دلِ زار کی طرف
کسی سے کہتی نہیں دل کا مدعا شبنم
ہر ایک غنچہ کو رو رو کے تو ہنسا شبنم
ہمارے دیدۂ تر کی ہے آشنا شبنم
ہر ایک فصل میں ہیں یہی برگ و بارِ غم
قندِ مصری سے زیادہ ہیں یہ شیریں باتیں
کیا سہیل ایک تمہیں ہم جو اٹھائیں باتیں

ہستی میں جو ہے سب اُسے کہتے ہیں ممکنات
جز ذاتِ حق کے اور کوئی لامکاں نہیں

مانندِ نقشِ پا کیا پامال دہر نے
وہ خار ہوں کسی کو جو ایذا رساں نہیں

گردش میں جو آگئی ہے قسمت
کل عمر بسر ہوئی سفر میں

پرواز کرے وہ کس طرح سے
طاقت نہ ہو جسکے بال و پر میں

دل کو مرے غم نے یوں نچوڑا
ہے آمدِ خوں پہ چشمِ تر میں

امید اُسے ہو زیست کی کیا
لاتی ہو قضا جسے بھنور میں

یاد آئی سہیل کو جوانی
نشتر سا لگا دیا جگر میں

یارانِ رفتگاں کا پتہ کس سے پوچھیں ہم
ایسے گئے زمیں پہ کہیں نقشِ پا نہیں

مجھ پہ کیوں کھینچتے ہو تیغ دو دم جانے دو
عاشقِ زار تمہارا ہوں صنم جانے دو

خارِ صحرا سے یہ کہتا ہوں کہ چھوڑو دامن
ناتواں ہوں مجھے ایک ایک قدم چلنے دو

صدہا صفیں گرائی ہیں اک چشم سے
سمجھو نہ یہ کہ ناوکِ قاتل نہیں ہے کچھ

تھا مغتنم سہیل کا دم اہلِ درد میں
اک وہ نہیں تو رونقِ محفل نہیں ہے کچھ

آمادۂ قتل بہت تھے مگر دل میں سوچ کر
اٹھے کمر میں باندھ کے تلوار رہ گئے

آزاد ہو گئے وحشت میں زنجیر توڑ کر
تھے جنکے سر پہ بارِ گراں بار رہ گئے

وعدہ کو اڑایا دل لگی میں
ہر بات مری ہنسی میں ٹالی

رونے سے نہ آئیگی جوانی
بارش کی ہے یہ رات کالی

کس گل بدن کی بو ہے معطر دماغ ہے
غنچے بھی ہنس رہے ہیں چمن باغ باغ ہے

آکر چمن میں بادِ بہاری گذر گئی
خوبی جو تھی شباب کی ساری گذر گئی

بڑا زور شور آہ و نالہ کا تھا
جو بادل گرجتے تھے شرما گئے

بڑے رونے والوں میں تم ہو سہیل
جھڑی چشمِ گریاں کی برسا گئے

ابروئے خمیدہ ہیں ستم کے
شمشیر کھنچی ہے یہ ہلالی

ماضی کا قصہ زخم کہنہ — زود او سے دلخراش حالی
شکوہ نہ کیا تھا ہم نے کچھ بھی — کیوں رنج کی گفتگو نکالی

نہ پوچھو کہ غم سے دل پہ کیا کیا ہوا — جنوں زا مرے سر میں سودا ہوا
نہ اک طرح کا غم نہ صدمہ ہوا — ہجوم غم و درد ایسا ہوا
کہ جینے سے ہم اپنے اکتا گئے

جو برگشتہ ہم سے مقدر ہوا — جو تھا صاف دل وہ مکدر ہوا
مددگار کوئی نہ یاور ہوا — یہاں تک کہ دشمن برادر ہوا
سبھی خون دل ہمکو رلوا گئے

جو پہونچے ہیں صدمے تجھے بیشتر — نہ تھا مقتضائے قضا و قدر
سوا اسکے کوئی نہیں چارہ گر — جو رونا ہے تو رو دلے اے چشم تر
کہ یا دل غم و درد سے چھا گئے

فلک پر نہیں جو قیام سہیل — تو کیا بزم زہرہ میں کام سہیل
نہ بھولے سے لے کوئی نام سہیل — فسانہ ہے غم کا کلام سہیل
غزل میں نئی طرز دکھلا گئے

کلک تقدیر نے ہستی کا جو نقشہ کھینچا — آفرینش میں یہی عالم امکاں نکلا
جو مشیت میں تھا مکنون ہوا اسکا اعلان — خلقت آدم خاکی کا یہ عنوان نکلا
نوع انساں میں اک قسم کی دیکھی مخلوق — کوئی عالم تو کوئی جاہل و ناداں نکلا
علم و حکمت کی طرف ہو گیا کوئی راغب — کوئی عاقل کوئی علامۂ دوراں نکلا
کوئی شہ زور ہوا کشتی کے سیکھے جو فنون — پیچ کرنیکو ہر اک سے سر میداں نکلا
نشۂ عہد جوانی ہوا جس پر طاری — چوک میں سیر کو وہ سرو خراماں نکلا
باغ و ایوان میں کسی کا ہوا ماوی مسکن — کوئی گھر چھوڑ کے با دیدۂ گریاں نکلا

عطر بالوں میں تو آنکھوں میں لگایا کاجل
مست و سرشار بنے سیر حسیناں نکلا

نصیبہ بیٹھا جسے تھا علم و شعور
مکتبِ عقل میں وہ صاحبِ دیوان نکلا

بدنصیبی سے کوئی رہ گیا بالکل ناقص
کوئی سنجیدہ و فہمیدہ ہمہ داں نکلا

مسلکِ ملت و آئین میں پڑی جب تفریق
فرقہ فرقہ کا نیا مذہب و عنوان نکلا

سہیل

سہیل ۔ منشی محمد رشید باشندۂ مچھلی شہر ضلع جونپور۔ آپ منشی محمد مبین جلیس کے بھائی ہیں۔ عرصہ تک گورکھپور میں رہ چکے ہیں۔ وہیں اپنے بھائی گلدستہ بہار سخن نکالتے تھے سنہ ۱۸۹۰ء میں حضرت احسان شاہجہانپوری سے تلمذ اختیار کیا۔ زبان صاف ہے مضمون آفرینی کی طرف راغب ہیں انتخاب یہ ہے ؎

مر رہا ہے مریضِ عشق ترا
اُس کے دکھ کی کوئی دوا بھی ہے

آئینہ میں تو دیکھیے صاحب
آپ سا کوئی دوسرا بھی ہے

روئے روشن کا تصور ہو اندھیری گور میں
شمع ہو اک منزلِ راہِ عدم کے واسطے

مالِ دنیا سے غرض کیا ہم فقیروں کو سہیل
غم اٹھائے کون فکرِ بیش و کم کے واسطے

سہیل

سہیل ۔ مولوی سید عبد الحبیب صاحب چشتی۔ ساکن غازی پور۔ فارسی عربی کی استعداد ہے علم عروض معانی۔ بیان سے واقف ہیں۔ مزے دار شعر کہتے ہیں ؎

پیسا ہوا ہوں شوخیِ رفتارِ یار کا
صبحِ نشور نام ہے میرے مزار کا

چھپنا ہی تھا تو جلوہ نمائی فضول تھی
کھویا تمام لطف غمِ انتظار کا

وارفتگیِ شوق کا اللہ رے کمال
احسان بھی نہیں ہے ستم ہائے یار کا

برسے تو میرے دیدۂ گریاں کے روبرو
میں بھی تو دیکھوں حوصلہ فصلِ بہار کا

سہیم

سہیم ۔ شیخ محب اللہ۔ باشندۂ گورکھپور۔ حضرت فہیم گورکھپوری کے شاگرد ہیں۔ ابھی مشق ہے۔ طبیعت موزوں واقع ہوئی ہے۔ یہ کلام ہے ؎

اب پوچھتے ہو کس کو کہاں ہے سہیم زار
مدت ہوئی وہ راہیِ ملکِ عدم ہوا

رنگ و بوئے گل ہوں میں بلبل نہ تو مجھکو سمجھ	میں جو اُڑ جاؤں خبر تجھکو نہ اے صیاد ہو
کچھ سنا بھی یہ ابھی کیا کہ گیا ہے نامہ بر	آج وہ آتے ہیں اے شاد آو دلِ ناشاد ہو
تم وہ کہتے ہو جو عاشق سے کبھی ممکن نہیں	ہجر میں کس طرح ضبط نالہ فریاد ہو

سہینی

سہینی ۔ جناب بابو پنڈت رام صاحب ۔ ریواڑی کے رئیس ہیں ابھی شاعری کا آغاز ہے ۔ مگر ہونہار معلوم ہوتے ہیں ۔ زبان اور مضمون کیطرف رجحان ہے ۔ بیان سادہ طبیعت کو شاعری سے لگاؤ ہے ۔ رسالہ حسن ادب لکھنؤ میں کلام شایع ہوتا رہتا ہے ۔ انتخاب یہ ہے ۔

کہا گر ان سے ملنے کو تو کہتے ہیں قیامت میں	جو مر کر بھی نہ ہو آساں ہم اُس مشکل میں رہتے ہیں
مجھے ہر دم خیال انکا انہیں ہر دم خیال اُسکا	ستم ہے غیر کو لیکر وہ مرے دل میں رہتے ہیں
بڑا عشاق کو کیا آج کل شوقِ شہادت ہے	کفن سر سے لپیٹے کوچۂ قاتل میں رہتے ہیں
سہینی پردہ پوشی کیلئے میدانِ محشر میں	یہ کیا کم ہے کہ اک پردہ نشیں دل میں رہتے ہیں

سیاح

سیاح ۔ شاعرِ عرش فکر وعالی طبیعت ۔ منشی میاں داد خاں اورنگ آبادی مقیم سورت آپکے والد ماجد منشی عبداللہ خاں اورنگ آباد کے نامی رئیس تھے یہ پیدا ہوئے تو گھر دولت سے بھرا پڑا تھا ۔ آپنے نازو نعم کے گہوارہ میں پرورش پائی ۔ مگر لڑکپن کی حد سے باہر قدم نکالا تو گھر کا اقبال رخصت ہو چکا تھا لیکن زندہ دلی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ شوخی ظرافت بذلہ سنجی اپنے ساتھ لائے تھے ۔ خوش طبع انسان تھے ۔ آخر کار نواب میر غلام بابا خاں ۔ کے ۔ سی ایس ۔ آئی ۔ رئیس اعظم سورت بندر کے مصاحب و رفیق ہو گئے ۔ اوائل مشق سخن میں عشاق تخلص تھا ۱۸۶۱ء میں میرزا نوشہ غالب دہلوی کی خدمت میں دہلی حاضر ہو کر غزل بہ نظر اصلاح پیش کی ۔ میرزا صاحب نے سیاح تخلص اور سیف الحق لقب عنایت فرمایا ۔ اور یہ عالم سخن میں بادیہ پیما ہوئے ۔ مرزا غالب کو انسے دلی اُنس تھا ۔

سیاح تخلص رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ آپنے اطراف ہندوستان پنجاب ۔ بنگال ۔ کشمیر کے سوا عرب اور عجم کے نظارے بھی آنکھ سے دیکھے تھے ۔ فارسی زبان خوب بولتے تھے طبیعت

چلتی ہوئی تھی عقل و دانش خمیر میں داخل تھی اسلئے بعض لوگ ان پر سرکار کے جاسوس ہونے کا شبہ کرتے تھے افسوس ہے کہ ذہانت اور طباعی حد اعتدال سے تجاوز کر دائرۂ قانون سے باہر ہو گئی حتی کہ سنہ ۱۸۸۶ء میں انپر مقدمۂ قلب سازی قایم ہوا اور گرفتار ہو کر سزایاب ہوئے۔

منشی نول کشور مرحوم سے انکا بڑا یارانہ تھا اور وہ علم دوست ہونیکے باعث انکی قدر کرتے لکھنؤ۔ دہلی۔ کانپور وغیرہ میں جب کبھی جاتے تو خود مصرعۂ طرح دے کر مشاعرے کرتے کسب کمال کا ذوق قدرت نے انکی طبیعت میں ودیعت تھا اور اسی بنا پر میرزا غالب کو ان سے خاص انس تھا عود ہندی میں جو رقعات انکے نام ہیں۔ انمیں فقرہ فقرہ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے اول تو آپ سورت دکن کی پیدایش پھر اس زمانہ میں ریلوے کا سلسلہ رسل و رسائل بھی نہ تھا مگر اس شوق کی داد دیجئے کہ آپ کئی بار میرزا کے فیض صحبت سے مستفیض ہونیکو دہلی آئے اور ان سے نکات شاعری حاصل کئے۔ نکتہ سنجی معنی یابی انکی بات بات میں تھی۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلفریب تھا جس مشاعرہ میں جاتے اپنا رنگ جما لیتے۔ زبان صاف تھی۔ برجستگی سے محاوروں کو نظم کرتے۔ میرزا غالب کے خرمن فیض کی خوشہ چینی سے شاعر کامل بن گئے تھے مضمون آفرینی میں حاذق جو بندا ور اسلوب بیان دل پسند تھا۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں ۷۰ برس کی عمر پا کر بمبئی میں منزل حیات کو قطع کیا۔ میر سیاح۔ لطایف غیبی انکی تصنیف ہے آخر الذکر کتاب کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ میرزا کے قلم سے نکلی ہے مگر انکے نام سے شایع کر دی گئی ایک دیوان ریختہ بھی ان سے یادگار ہے۔ انکی بقائے دوام قایم رکھنے کو وہ خطوط ہیں۔ جو اردوئے معلی میں میرزا صاحب نے انکے نام لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ میرزا صاحب کا ایک عزیز شاگرد سنہ ۱۹۰۶ء تک زندہ رہا مگر اسپر گمنامی کی نقاب پڑی رہی۔ نہ اردو کی انجمنوں اور کانفرنسوں میں انکی آواز سنائی دی نہ رسایل و اخبارات اس کو ملک کے سامنے لائے نہ انکا دیوان ارباب سخن تک پہنچا۔ صرف راقم تذکرہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ انکی توہ لگائیے۔ اسے انجمن سخن میں نمایاں کرے۔ بکمال جستجو و جانفشانی سے حالات و کلام فراہم کیا نتیجہ فکر یہ ہے ؎

کرتے ہیں وہ باتیں کہ مری جان پہ بن جائے
بگڑے ہوئے کچھ آئے ہیں بہکائے ہوئے ہیں

آئے ہیں عیادت کے لئے غیر کے ہمراہ
ساتھ اپنے مری موت کو بھی لائے ہوئے ہیں

غصہ میں ترے چہرۂ زیبا سے عیاں ہیں
وہ شعلے جو اغیار کے بھڑکائے ہوئے ہیں

جس شخص کے پہلو میں دل ہو نہ جگر ہو
پھر کیا اسے تیر نگۂ یار سے ڈر ہو

دل کو تو لئے بیٹھے ہو اب چاہتے کیا ہو
لو جان بھی حاضر ہے اگر مد نظر ہو

کیا لیتے ہو دل یہ تو ہزاروں نے دیا ہے
وہ کیجئے طلب ہم سے نہ جو حد بشر ہو

آتش ہی جہاں سوز یہ رہ جائے ٹھہر کر
اس سینۂ سوزاں کے مقابل میں اگر ہو

آیا ہے عجب طور کا یہ دور زمانہ
جو عیب ہے دنیا میں وہ مشہور ہنر ہو

قمریوں پہ نہ دم سیر بلا نازل ہو
باغ میں کھولو نہ تم زیر صنوبر گیسو

بس اسی شغل میں کٹتی ہیں مرے لیل و نہار
چہرہ دن بھر ہی تصور میں تو شب بھر گیسو

بوسہ اُس رخ کا ملے وصل میں کیا اے سیاح
چھا گئے ایسے کہ ہیں سد سکندر گیسو

کہہ دو سنبھل کے میکدہ میں آئے محتسب
ٹوٹینگے خم ضرور مگر اُسکے سر کے ساتھ

ہوتے ضرور تیرے ثنا گر یہ کیا کہیں
قاتل دہان زخم کے گویا زباں نہ تھی

مشتعل ہے بزم میں شعلہ جو اُس کے حسن کا
شمع پروانوں سے جو پائے پر پرواز ہے

سیاح کیوں نہ کیجئے نظارہ بتاں
لایا ہے شوق جانب ہندوستاں مجھے

منور گھر ہے اپنا شمع رو سے آج خلوت کی
جلے کیونکر نہ پروانہ یہ اپنی قسمت ہے

بڑھ گیا ہے اُسکو چسکا چاٹ کر کس کا لہو
اگلی ہی پڑتی ہے جو تلوار اُس خونخوار کی

دل وحشی کا کیا ہے کارخانہ لاابالی ہے
زر داغ جنوں کا خرچ ہے سرکار عالی ہے

نہ رکھتے سرکشی سے تھے زمیں پر جو قدم اپنا
نصیب اُنکو بسان نقش قالیں پائمالی ہے

پھرا کرتا ہوں گرد اُسکے نہیں تاب ہم آغوشی
میں ہوں تصویر اور وہ شمع فانوس خیالی ہے

جو ہیں فرزان مضموں غنی مضمون باندھ جائینگے
کہ اب سیاح کو شہر سخن کی کوتوالی ہے

کوئی صیادِ دہر بہرِ شکار آتا ہے | طائرِ دل قفسِ تن میں جو گھبراتا ہے
ہجر میں موت بھی آئی نہ مجھے سچ ہے مثل | "وقت پر کون کسیکے کوئی کام آتا ہے"
مژدہ اے دل کہ مسیحا نے دیا صاف جواب | اب کوئی دم میں لبوں تک وہ دم آتا ہے
سخت پچھتائے ہیں ہم دیکے دل انکو سیاح | اپنی افسوس جوانی پہ ہمیں آتا ہے
قفس میں سیرِ گلشن کی اگر مانگے دعا دل سے | صدائے خندہ گل آئے فریادِ عنادل سے
دعا اب یہ نکلتی ہے دہانِ زخمِ بسمل سے | نہ چھوٹے داغ خوں تاحشر دامانِ تیغ قاتل سے
لگی ہے آگ تنکے گور کے ہیں پھنک ہی سارے | کفن جل جل کے خاکستر ہوا ہے سوزشِ دل سے
یہ خنجر گلا رکھا ہے خود شوقِ شہادت میں | بھلا کس منہ سے مانگیں خوں بہا ہم اپنے قاتل سے
بجائے گرد آتا ہے نظر اک نور کا ہالا | گھٹا توپ اُٹھ گیا ہے آج کس لیلیٰ کے محمل سے
قدم سیاح رکھے جوشِ وحشت سے جو صحرا میں | وحوش و طیر آئیں رقص میں شورِ سلاسل سے

سیاح - حافظ نور محمد ولد مولوی عبد الرحمن صاحب ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خاں حال مقیم بمبئی - مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہیں - سیر و سیاحت کا شوق رہا ہے - منشی قاسم علی خلوتی دہلوی سے تلمذ ہے - طبیعت کا رنگ ذیل کے اشعار سے ملاحظہ ہو ؎

دھوپ میں دم توڑتے دیکھا مجھے تو اُف ری ضد | اور اونچا ہو گیا سایہ تری دیوار کا
کون سا ہے درد دنیا میں نہیں جس کا علاج | پر دلِ بیمار کا کوئی نہیں دیکھا علاج
ہے یہ بیمارِ محبت کچھ مرض اس کو نہیں | اے طبیبو خیر ہے کس کی دوا کیسا علاج
حشر میں داد طلب پائیں بھلا کس سے دوا | ہے غضب یہ کہ وہاں بھی ہے خدائی تیری

سیاح - سید فضل الرحمن کانپوری - ۲۰ - ۲۱ برس کی عمر ہے انگریزی زبان کی تحصیل میں مشغول ہیں - نو مشق شاعر ہیں - کلام یہ ہے ؎

چٹکیاں لیتی ہے دل میں کسی گل چہرہ کی یاد | کس طرح چپ ہو رہیں بلبل تصویر نہیں
ہائے وہ آہ کہ جو آہ نہ پہونچے اُن تک | حیف وہ نالہ کہ جس نالہ میں تاثیر نہیں

سیارہ

سیارہ - میرزا فخرالدین خلف متوسط میرزا معزالدین ثابت مرحوم ابن شاہ عالم شاگرد حضرت احسان دہلوی۔ ستار خوب بجاتے تھے۔ میرزا صابر صاحب گلستاں کے دوستوں میں تھے اور بڑے زندہ دل شگفتہ خاطر سیار باش۔ عالی حوصلہ تھے۔ صاحب فکر بلند اور طبع ارجمند تھی۔ شاید میرزا صابر ہی سے مشورہ سخن بھی کرتے تھے۔ کلام یہ ہے ؎

شوق پابوس بھی ہے تو ہے پس قتل دلا	لوٹنا پاؤں پہ قاتل کے مرا سر ہو گا
لگائے آنکھوں سے میں تیرے جو اضطراب میں یوں	یہ ضد تو دیکھو کہ پھر وہ ہی بیٹھے آپ میں یوں
خدا کے واسطے جا کر کہو اس آفت جاں سے	کہ وقت نزع ہے رخصت تو ہو بیمار ہجراں سے

سید

سید - امیر الفصحا سید الشعرا میر شاہ علیخاں میر منشی دفتر شاہی مقرب بارگاہ حضرت شاہ عالم و اکبر شاہ ثانی۔ شاہی مصاحبین میں سرفراز اور خطاب سید الشعرا سے ممتاز تھے۔ شرف الدین صاحب میرٹھی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ انکے والد اور دادا میرٹھ میں شاہی فوجدار تھے۔ یہ وہیں پیدا ہوئے مگر تعلیم و تربیت دہلی میں پائی جس زمانہ میں حضرت شاہ عالم ثانی الہ آباد میں رونق افروز تھے تو یہ بھی انکے ہمراہ تھے۔ جب بادشاہ نے انہیں اپنا کلام دکھایا تو یہ بھی انکے معتقد ہو گئے۔ پہلے نرگس تخلص تھا۔ شاہی حکم سے شائق بن گئے۔ آخر عمر میں سید تخلص اختیار کیا۔ فارسی میں میرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ چنانچہ تذکرہ انیس الاحبا میں انکا فارسی کلام موجود ہے۔ شیریں مقالی میں انتخاب تاریخ گوئی میں لاجواب تھے۔ نقیب بادشاہی مرو سے اکرام کی سرائے کی تاریخ ایسی بے مثل کہی کہ مدتوں خاص و عام میں مشہور رہی یعنی۔ ع امشب کرمے کن بسرائے اکرام کیسی نادر تاریخ ہے جس سے آج تک انکا نام روشن ہے۔ اسکے علاوہ قلعہ دہلی کا شمن برج انیس کی بے مثال تاریخ سے مزین ہے۔ پھر وفات اکرام کی تاریخ یعنی "اکرام بیا سوو بپاسے خسرو" اسی مورخ لاثانی کی فکر عالی کا نتیجہ ہے جو پایان مزار حضرت امیر خسرو و اکرام کے لوح تربت پر کندہ کیگئی ہے۔ سید مرحوم نے ۱۲۳۵ھ میں انتقال کیا۔ ناسخ نے ۱۲۱۵ھ میں جو وفات لکھی ہے وہ غلط ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

سنے غازہ نہ گلگونہ نہ ہے رنگ حنا تو	اے خون شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

سبب کیا پوچھتے ہو مجھ سے میرے یار رونے کا
کہ کیا کچھ ہے غرض ہے مجھکو ہی آزار رونے کا

سیدؔ سے یہ عداوت اللہ رے کفر اے بت
پڑھنے جنازہ اسکا سب آئے تو نہ آیا

روکش اندوہ ہجراں شب دل بیتاب تھا
تاب کا پانی جگر طاقت کا زہر آب تھا

تجھ میں اے کان ملاحت صبح تک پاشندہ رات
زخم پر چھڑکے نمک نور شب مہتاب تھا

نکل کے زلف سے خط مشکبار میں جا
سواد شام سے دل پہنچا زنگبار میں جا

کب کہا میں نے تری تیغ جفا نے چاہا
اے میاں قتل مرا مری وفا نے چاہا

میں انہیں کون سی صورت سے نہ چاہا پر آہ
مجھکو چاہا نہ بتاں نے نہ خدا نے چاہا

کان کا موتی ترے ہلتا جو اے مہ پارہ تھا
مشتری اسکا فلک یا سبعہ سیارہ تھا

جو دیکھے گا وہ ترا رنگ مسکرانے کا
تو غنچہ منہ تجھے گلرو نہیں دکھانے گا

بہاتا ہے مجھکو یار کا وزدیدہ دیکھنا
اغیار کی نگاہ سے پوشیدہ دیکھنا

ساتھ آہ کے ہر ایک قطرہ اشک بھر آیا
زور ابر دھواں دھار برستا نظر آیا

جوں نقش قدم جو سر رہ یار کے بیٹھا
وہ خانہ خراب اٹھکے نہ پھر اپنے گھر آیا

تھی بیکلی یہ مجھکو آرام نہ آیا
جب تک مرے بر میں وہ گل اندام نہ آیا

نہیں گردوں نہ شکل آسیا ہم
ولے رہتے ہیں گردش میں صدا ہم

میں اور ترک عشق یہ امکاں ہی نہیں
تا صبح کے پند سنے گو یاں کلاں ہی نہیں

جو آنکھ اور سے وہ لڑا جاتے ہیں
تو ہم بھی کہیں دل لگا جاتے ہیں

یارو مرے بالیں سے نہ اٹھو نہ جدا ہو
حالت مری اچھی نہیں کیا جانئے کیا ہو

تیغ قاتل کی مرے تن ہی میں لذت جانی
کہ بھر آئے ہے ہر زخم کے منہ میں پانی

ابرو کے اشارے تری کرتے ہیں سبھی سے
تلوار ابھی بزم میں چلتی ہے کسی سے

بنائے کفر و دیں اک تار سے ہے
کہ سبحہ منعقد زنار سے ہے

سیدؔ۔ میر کرم علی خلف الصدق سید محمد غوث صاحب۔ نواب صدر جہاں صاحب

سید

کی اولاد سے تھے۔ قصبہ بھالی کے متوطن اور اٹھارہویں صدی میں رامپور قیام پذیر تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں انکا ذکر آیا ہے۔ جوان قابل خوش عنوان۔ حافظ قرآن۔ خوش صوت پاکیزہ سیرت تھے۔ طبیعت وقت پسند اور مضامین بلندی کی جویا رہتی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

کیا ہوا زلف جواب سر پہ چڑھی تو اسکے
دیکھ آئینہ ترے رخ کی صفا اور آب و تاب
اب آ بیٹھے ہیں ترے در پہ جو چاہے سو کر ظالم
برہمن بت کو چھوڑ آ بندگی میرے صنم کی کر
بوسہ کی طلب میں مجھے بھاتی ہے وہی آن
کاکل تری پیچھے ہی پڑی رہتی ہے پیارے
سن حال وہ سید لگا کہنے غضب ہے
دل الجھا تھا مرا شب زلف سے بولی وہ بل کھا کر

مرا لیگیا دل وہ کس کس ادا سے
تری زلف کس کس سے کیجے مشابہ
مرے بر میں زنار وہ دیکھ بولا
ترے غم میں دن رات مرتا ہے سید
بل ترے منہ پہ زلف کھاتی ہے
مدہوش چمن میں ہوئی نرگس جو کھڑی ہے

مجھکو ہے یاد وہ نت پاؤں پہ پڑنا تیرا
پانی ہو ہو کے منہ پہ خاک مل کر رہ گیا
اٹھا کر اپنے دل سے نام کا اور ننگ کا نقشہ
اسے پوجے ہے کیا پتھر وہ ہے اک سنگ کا نقشہ
غصہ سے خفا ہو کے تری تیوری چڑھانی
ہوتی ہے بری کالی بلا پیچھے لگاتی
آتی ہیں بہت اسکے تئیں باتیں بنانی
میں ہوں کالی بلا سنتا ہے لے سایہ سے ڈر میرے

ستم سے کرم سے جفا سے وفا سے
شب ہجر سے دام سے اژدہا سے
برہمن یہ آیا ہے شاید گیا سے[1]
لگا کہنے "مرنے دو میری بلا سے"
ہم کو اپنا یہ بل دکھاتی ہے
شاید کسی متوالے سے آنکھ اسکی لڑی ہے

سید۔ میر علی نقی برادر خورد میر ابو القاسم محب دہلوی میر نظام الدین ممنون کے شاگرد اور برادرزادہ۔ علم ضروری سے ماہر۔ فن سخن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور زبان میں غضب کا چلبلا پن تھا۔ ایام غدر ١٢٧٣ھ میں گوروں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ کلام یہ ہے ؎

قربان سادگی کے لگا کہنے غیر سے
کیا جانے آج کیا تھا کہ سید خفا ہوا

[1] [illegible]

کھلے بالوں شاید کوئی خوبرو ہے — صبا کی لپٹ میں جو پھولوں کی بو ہے
نہ چاہوں بھلا کیونکہ ایسے کو سید — ہر اک بات میں جسکے شوخی کی بو ہے
عجب انداز ہے کچھ ان دنوں میں کہ کھیلے ہو — غضب دلکش ادا ہے دشمنوں کے سوگواری

سید — **سید۔** مولوی محمد بخش۔ آپکا کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گذرا۔ اشعار سے پایا جاتا ہے کہ مزاج میں تمسخر اور مذاق فحش کے درجہ تک پہنچ گیا تھا۔ چند شعر بطور نمونہ درج ہیں۔

قطعہ

شاہ صاحب تم دغا بازی سے ہم ڈرتے نہیں — دیکھ لی جان جبہ او جھولی آپ کی
ہم فریب ذات والا سے بہت آگاہ ہیں — کیا ہوا اظہار صورت بھولی بھولی آپ کی
کام کر نکلے نہ تم جو کچھ ہمارے سو گئے — بھنگ چھانی رات دن افیون گھولی آپ کی
خاص آزادوں کے ہم حلقہ میں داخل ہیں میاں — سیکھ لی ہیں ساری باتیں اور بولی آپ کی
پھر کرم فرمایا یاں ای شیخ جی مت ہو جیو — کل فضیحت سخت اس محفل میں ہوگی آپ کی

سید — **سید۔** منشی سید احمد دہلوی مرحوم۔ مولف فرہنگ آصفیہ۔ انکے والد سید عبدالرحمن مقام عرب سرائے نواح دہلی کے باشندے اور جد اعلیٰ حسب طلب شاہان مغلیہ عرب سے آکر دہلی میں آباد ہوئے تھے۔ نثر گو ہر سحاب قلم تھی نظم کیطرف توجہ کم۔ ابتدا میں جو چند غزلیں تحریر فرمائی تھیں وہ حافظ قطب الدین مشیر مرحوم خلیفہ شاہ نصیر کی نظر سے گذریں۔ البتہ قصائد و قطعات حضرت کی مرحوم شاگرد میرزا غالب کو بنظر اصلاح دکھلائے۔ بسنہ ۱۸۸۴ء میں آپنے اخبار النساء نکالا جس سے مستورات میں تعلیم کا شوق پیدا کیا۔ یہ پرچہ دو برس تک دلی میں جاری رہا۔ پھر شملہ جاکر اسکی اشاعت کا انتظام نہ ہوسکا۔ عرصہ تک سررشتہ تعلیم کے دفتر لاہور میں ملازم رہے۔ پھر سالہا سال دہلی اور شملہ کے مدارس میں مدرس فارسی رہے۔ ڈاکٹر فیلن صاحب مولف اردو و انگریزی ڈکشنری کو تحقیق الفاظ و معانی کے متعلق تین سال تک پٹنہ میں مدد دیتے رہے۔ سررشتہ تعلیم کی ملازمت کے بعد دولت آصفیہ سے پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوگیا۔ جو آخر عمر میں المضاعف یعنی سو روپیہ ماہوار ہوگیا۔ علاوہ ازیں لڑکے کی تعلیم کیلئے پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ الگ سرکار نظام سے مقرر رہے۔ مشاہیر امرائے دکن مثل نواب

سر آسمان جاہ نواب محسن الملک۔ نواب سید حسین بلگرامی اور آپکے بھائی سید علی بلگرامی آپکے بڑے قدردان تھے۔ اور انہیں کی وجہ سے حیدر آباد میں انکا خاصہ رسوخ ہوگیا تھا جب کبھی جاتے علاوہ امداد لغت ہزار بارہ سو روپیہ سفر خرچ کے نام سے علیحدہ ملجاتا تھا۔

کامل ۳۲ برس کی شبانہ روز محنت سے لغات زبان اردو کی ایک ضخیم کتاب تیار کی۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں یہ کام شروع کرکے ۱۸۹۸ء میں اسکو انجام پر پہنچایا۔ ۱۹۰۸ء میں اسکی اشاعت ہوئی۔ یہ لغت فرہنگ آصفیہ کے نام سے شائع ہوئی جسکے صلہ میں سرکار نظام سے بطور انعام پانچہزار روپیہ ملا اور چار سو جلدوں کی خریداری منظور ہوگئی۔ مختلف اوقات میں بیس ہزار روپیہ اسکی چھپائی کیلئے مرحمت ہوئے۔ فرہنگ آصفیہ سے پیشتر اردو زبان میں کوئی جامع لغات نہ تھی۔ ملک نے اسکو ہاتھوں ہاتھ لیا علم دوستوں نے اس کو سر آنکھوں پر جگہ دی ابھی اس کتاب کی تمام جلدیں مرتب ہونے پائی تھیں کہ اہل لکھنؤ نے اسکی ناموری اور شہرت کے مقابلہ میں امیر اللغات کو پیش کیا جسکا یہ نتیجہ نکلا کہ دہلی اور لکھنؤ کے اخبارات میں دو تین سال تک بحث و مباحث کا سلسلہ جاری رہا۔ تلامذہ امیر نے اس موقعہ پر حق شاگردی ادا کیا اور فرہنگ آصفیہ کے خلاف لمبے چوڑے مضامین نکالے۔ مگر سید صاحب کے جانب داروں نے جوابات دینے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔ دہلی لکھنؤ کی رقابت نئے سرے سے گویا نمودار ہوئی تھی۔ اسی سلسلہ میں فصیح الملک میرزا داغ کی شاعری پر بھی حملے کئے گئے تھے اور حضرت امیر مینائی کو بہترین غزل گو ثابت کرنیکے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا گیا تھا۔ سید صاحب کی لغت پر اس مخالفت کا ذرا بھی اثر نہ ہوا آخر کار امیر اللغات غیر مکمل رہ گئی اور بقیہ حصہ شائع ہونیکی نوبت نہ آئی۔ اور فرہنگ آصفیہ کی جلدیں تیار ہوکر تمام اردو کتبخانوں میں پہنچ گئیں۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ۱۹۲۲ء میں خانگی آتش زدگی کے باعث مع دیگر اسباب فرہنگ آصفیہ کے حصے بھی جل کر خاکستر ہوگئے۔ دوبارہ چھپوانے کا انتظام کیا جارہا تھا کہ تھوڑے دنوں کے بعد سید صاحب کا انتقال ہوگیا

مرحوم نے لغات کے علاوہ رسوم دہلی۔ مناظرہ تقدیر و تدبیر۔ علم طبعیات۔ ہادی النسا وغیرہ کئی کتابیں تصنیف و تالیف کی تھیں۔ دیوان سر رام صاحب وزیر الور کی تحریک سے مہاراجہ منگل سنگھ

والئی الور کا سفرنامۂ پنجاب مرتب کیا اور انعام پایا۔ آپ کی نثر اخباری اردو سے بالکل الگ تھلگ ہوتی اور اسمیں بے تکلفانہ محاورات۔ برجستگی۔ روانی۔ آمد تھی۔ اردو زبان کے مستند ادیب تھے اور تحقیق کا پایہ بلند تھا۔ سید صاحب کے مزاج میں ثابت قدمی اور استقلال غضب کا تھا سخت سے سخت تکالیف اور مصیبت کے زمانہ میں بھی اُنکے عزم اور ارادہ میں کمزوری پیدا نہیں ہوتی تھی وضع کے بڑے پکے تھے۔ لغت کی تیاری اور تکمیل کو اپنی زندگی کا پہلا اور آخری کام بنا رکھا تھا اور ہر وقت اسی میں منہمک رہتے تھے۔ اردو زبان کے محسن اور فدائی حضرات کے زمرہ میں انکا نام عزت سے لئے جانیکا مستحق ہے راقم تذکرہ کے عم نامدار رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب نے پہلے پہل انہیں ترجمہ تعلیم میں ملازم کرایا تھا شرافت اور پاس وضع اسے کہتے ہیں کہ سالہا سال گذر جانے پر بھی ہمیشہ انہیں اپنا مربی و محسن سمجھتے رہے۔ والد مرحوم رائے بہادر لالہ مدن گوپال ہر سال تین چار ماہ شملہ میں گذارتے تھے۔ یہ روزانہ حاضر باش رہتے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ لطائف و ظرائف سے اُن کی طبیعت کو محظوظ رکھا کرتے تھے۔ راقم تذکرہ نے سنہ ۱۸۹۴ء کے قریب جب تذکرہ لکھنا شروع کیا تب اُسوقت نہایت شفقت سے ہر طرح کی امداد کرتے اور دل بڑھاتے رہے چنانچہ جب مسودہ لیکر میں مولانا حالی کی خدمت میں پانی پت حاضر ہوا تب آپ بھی میرے ساتھ گئے۔ کلام یہ ہے ؎

رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا / اُس بت کے سامنے ہے مزا جبہ سائی کا
یا رب دعا ہے اپنی کہ صدقہ خدائی کا / دشمن کو بھی نصیب نہ ہو دن جدائی کا

کیا کیا مجھ پہ وار کیا کہنا / واہ رے میرے یار کیا کہنا
سر بھی کٹ کر گرا تو قدموں پر / دل چلے ہوشیار کیا کہنا

قاصد بنا رقیب وہاں جا کے کیا ہوا / اپنا جو حال تھا وہی اسکا سنا ہوا
خود ہی تصویر ہو کے پھراتے ہو اسیر تصویر / دیکھنے کسکو مانی ہی بن آئی تصویر

خود تیر نگہ سے لڑتے ہیں اور نام ہمارا کرتی ہیں / ان نیچی نیچی نظروں سے وہ کام ہمارا کرتی ہیں
کیا ناز و ادا کا ماتم ہے بے خوف اچھلتے پھرتے ہیں / او ننگے ننگے پیروں سے وہ لاش کہندلتے پھرتی ہیں

پڑی ہے کیا ضد کو انکو لو گیا وہ سیدؔ جان ہے لو
قاصد خوش خوش اگر آیا تو عید ہے
حور و پری ہو یا کہ مہ و آفتاب ہو
وقتِ وضو جو دھوتا ہے ہاتھوں کو بار بار
غنیمت جان لو صحبت کو اس کی
رہو گے دل میں آنکھوں سے نہاں ہو
کیوں خاک میں ملاتے ہو آلودہ تن کیساتھ
کھلتی نہیں کلی مرے دل کی بندھی ہوئی
بچے گا کیونکر یہ دل الم سے گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
نہ کی ہوا بت نے کہ عاشق ہے جس نے عمر بھر سیدی
نہ جو نکا خواب عدم سے تو کہتے ہیں ہمدم
چلو بس حضرتِ عیسیٰ تم اپنا کام کرو
جب دور تم ہوئے مری چشم پر آب ہے
جی بھی اٹھو کہ یار آتا ہے
مجنون قائل ہیں جذبۂ دل کے
رنگ لائی ہماری مظلومی

ذرا تو چل کر شریک ہو لو سنا ہی آٹھ آ چکی ہیں
ورنہ ہماری عید محرم سے کم نہیں
جو کچھ کہ ہو سو ہو غرض اپنے حساب ہو
زاہد خدا کے پیچھے پڑا ہاتھ دھو کے تو
خدا جانے یہ سیدؔ پھر کہاں ہو
بھلا بچ کے رہو جاتے کہاں ہو
کچھ تو لحاظ چاہیئے اُٹھے کفن کے ساتھ
دل لگی جو ہے کسی غنچہ دہن کے ساتھ
بنیگی کس طرح بھلا صنم سے گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
عبث ہے اس سے یہ کہنا کہ رکھ مجھے نظر سیدی
یہ کس کے پاؤں کی آئی صدا سنو تو سہی
مریضِ عشق کو ہوگی شفا سنو تو سہی
لاکھوں برس گذر گئے اپنے حساب سے
دم یہ خاصہ دیا مسیحا نے
پردے اُلٹے صبا نے محمل کے
ہاتھ باندھے حنا نے قاتل کے

سید

سیدؔ سخنور معجز بیان و شاعر شیریں بیان منشی سید اکبر میرزا خلف معین الدولہ نواب ناظر حسین میرزا ابن نواب حسام الدین حیدر خاں نامی قرابت دار شاہِ اودھ۔ آپ میر مہدی حسن مجروح سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ میرزا قربان علی بیگ سالک کے بھی شاگرد [illegible] نسبت تلمذ حاصل تھا۔ نہایت معزز اور ممتاز خاندان کی یادگار تھے۔ برہان الملک میر محمد امین نیشاپوری انکے اجداد پدری میں تھے۔ اور اجداد مادری میں بخشی الملک نواب میرزا نجف خاں

بہادر کا نام روشن ہے۔ دہلی، لکھنؤ، فیض آباد ہمیشہ اس خاندان کا مولد و مسکن رہا ہے۔ غدر سے پیشتر دلی میں انکے وسیع مکانات تھے اور یہ لوگ محلہ بلیماران کی جس حویلی میں رہتے تھے اسکا رقبہ ایک چھوٹے گاؤں کی برابر تھا۔ اب تک حویلی انکے دادا حسام الدین حیدر کے نام سے مشہور ہے۔ مگر اب وہاں انقلاب گذشتہ عظمت کی تاریخ یاد دلا رہا ہے۔ پنجابی سوداگر صاحبان نے ایک چھوٹی سی بستی بسا رکھی ہے۔

جس طرح آپ ایک نامی گرامی خاندان کے افراد سے تھے۔ ایسے ہی خلق و انکسار میں انتخاب روزگار تھے۔ آپ کی گفتگو نہایت سلیس و شستہ ہوتی۔ باوجود پیرانہ سالی کبھی کبھی شوخی اور بذلہ سنجی کی جھلک بھی کلام میں نمایاں ہو جاتی۔ مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے۔ اور اس قحط الرجال کے زمانہ میں آپکا دم غنیمت تھا۔ آپکے خاندان میں کئی پشت سے شاعری کا فن چلا آتا ہے آپکے پردادا نواب سراج الدولہ غیاث الدین محمد خاں قیامت تخلص کرتے تھے اور فارسی میں شعر کہتے۔ آپ کے دادا نواب مبارز الدولہ سید حسام الدین خاں نامی میر تقی میر کے شاگرد تھے اور انکے دادا کے بھائی سید محمد خاں رند جو تھے خواجہ آتش لکھنوی سے تلمذ رکھتے تھے۔ ذوق سلیم رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ شعرائے لکھنؤ کے برعکس۔ رند کے کلام میں جو سادگی۔ سوز و گداز۔ درد ہے وہ اس خاندان کے فیض صحبت کا اثر ہے۔ آپکے والد گو شاعر نہ تھے مگر سخن فہمی میں مشہور تھے اور میرزا غالب کی صحبت میں عالم طفلی سے پیرانہ سالی تک بسر کی اور میرزا کا فارسی کلام خود لکھ کر مرتب کیا۔ سید اکبر میرزا صاحب کی سلاست۔ سادہ بیانی خداداد تھی۔ کلام میں تکلف چھو بھی نہیں گیا تھا۔ سیدھا سادہ روزمرہ لکھتے فصیح محاورات باندھتے۔ جو کچھ کہتے خوب کہتے تھے ہنگام ترتیب تذکرہ میں انتقال کیا۔ ۷ برس سے زائد عمر پائی۔ مشتاق۔ شاداں۔ مضطر۔ راسخ۔ ارشد کے ہمعصر تھے۔ نواب سجاد میرزا سجاد جن کا ذکر خیر پہلے آچکا ہے آپکے بڑے بھائی تھے۔

درد و سوز جو شاعری کی جان ہیں کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے

ہمارے دل کو ناصح آپنے اپنا سا دل جانا
نہ گھائل تیر مژگاں کا نہ قیدی زلف پیچاں کا

زمیں تیری زماں تیرا مکیں تیرے مکاں تیرا
عجب ناداں ہیں وہ جنکو نہیں ملتا نشاں تیرا

عیاں ہر شے سے ہی قدرت نہیں جلوہ کہاں تیرا
ترا مداح ہے عالم ثنا خواں ہی جہاں تیرا

تعشق سے کہیں بڑھ کر ہے تیرے عشق کا درجہ
یہاں تک محو ہوں اپنے پہ ہوتا ہی گماں تیرا

نہ سیرت سے تری واقف نہ صورت آشنا کوئی
تماشا ہے کہ دم بھرتا ہے ہر پیر و جواں تیرا

جدائی شاق تھی دم بھر وہ دن بھی یاد ہیں تجھکو
نگہباں میرا آنسو رہتا تھا میں تھا رازداں تیرا

خبر ہے تجھکو اے یوسف کہ چھوڑوں پہ کیا گذری
گیا کنعاں سے سوئے مصر جس دم کارواں تیرا

کیا عجب ہے جو ہماری شب تار ہجراں
صبح محشر کو بھی دیکھے نہ سحر کی صورت

مفت احسان جتانے کو ادھر آن ملے
اب بگڑتے ہوئے دیکھی جو اُدھر کی صورت

جسے صحت کبھی ہو جائے وہ آزار نہیں
موت سے پہلے جو اچھا ہو وہ بیمار نہیں

اُس وفا پیشہ پہ عاشق ہوں کہ جسکی نزدیک
جو گنہگار ہے وہ بھی تو گنہگار نہیں

یہ محبت یہ لگاوٹ بھی کہیں دیکھی ہے
دوست تو دوست وہ دشمن سے بھی بیزار نہیں

وصل عشاق کے نزدیک ہے گو خواب و خیال
ہمکو مشکل ہے مگر آپ کو دشوار نہیں

ہو کوئی صید جو عالم میں بچا ہو تم سے
تیر ترکش میں نہیں ہاتھ میں تلوار نہیں

سادہ لوحوں کے دلوں کی ہے کمند تسخیر
شیخ صاحب کے سر پاک پہ دستار نہیں

سید ان شعروں میں کیا لطف ملیگا اُن کو
جن کا دل راز حقیقت سے خبردار نہیں

الفت کا یہ مزا ہے کہ رسوائے خلق ہو
وہ راز ہی نہیں جو کسی پر عیاں نہ ہو

یارب جہاں میں مجھسا کوئی بے زباں نہ ہو
اپنی مصیبت آپ ہی جس سے بیاں نہ ہو

کیا تیرے ہاتھ آئیگا اے برق شعلہ ریز
گلشن میں اک غریب کا گر آشیاں نہ ہو

میں نے کہا سنو تو سناؤں کچھ حال دل
ہنسکر عجب ادا سے کہا داستاں نہ ہو

واعظ نہیں کہو کہ رہا کیا بہشت میں
گر واں قصور و حور و مئے ارغواں نہ ہو

معمور گر نہ ہو بیت و بت پرست سے
ہندوستاں کا نام ہی جنت نشاں نہ ہو

اُس دل پہ حیف عشق کا جس میں نشاں نہ ہو
اُس زندگی پہ خاک جو صرفِ فغاں نہ ہو

تمکو نہ انفعال ہو اِس واسطے فقط
میں خود یہ چاہتا ہوں مرا امتحاں نہ ہو

آمد میں جو مزا ہے وہ آورد میں نہیں
پھر شعر ہی نہیں ہے جو لطفِ زباں نہ ہو

وہ خشتِ خم پہ منہ ملنا وہ پائے خم پہ سر رکھنا
ہمیں یاد آتی ہے وہ عزت و توقیرِ میخانہ

جناب شیخ صاحب کیا مزے کی بات ہے سنئے
کہ اک خشتِ نمک سے ہو گئی تطہیرِ میخانہ

بگڑ کر جب مجھ سے کہتے ہیں تمہاری سب وفاداری
دکھا دیں شہر میں ہمسا جو کوئی دوسرا نکلے

میری تربت پہ وہ دو پھول چڑھانے آئے
بعد مرنے کے نکالی گئی حسرت میری

ہم نے آج ایک عجب آفتِ جاں دیکھا ہے
اِتنا کہنا تھا کہ بس آ گئی شامت میری

کوئی چیز یاں دل سی ارزاں نہیں ہے
مگر اسپہ بھی کوئی خواہاں نہیں ہے

دمِ سرد بھر کر کوئی رو رہا ہے
یہ ٹھنڈی ہوا اور باراں نہیں ہے

بجز مہرِ تاباں و ماہِ درخشاں
چراغ مزارِ غریباں نہیں ہے

بنے بت پرست آکے ہندوستاں میں
کوئی ہم سے سید یا مسلماں نہیں ہے

قطعہ

کہا میں نے کسی پہ جو کوئی مرے
اُسے چاہئے اُسپہ جفا نکرے

کہا چھیڑ سے ہمکو تو جب ہو یقیں
جو کسی پہ مرے وہ جیا نکرے

بھلا سید خستہ کی توبہ ہے کیا
جو خدا اُسے دے تو وہ کیا نکرے

کہا میں نے نہیں میں کسی پہ فدا
کس ادا سے وہ بولے خدا نکرے

مری ساری کہانی کو سُنکے کہا
کوئی ایسوں کی بات سُنا نکرے

مجھے غیر کے آگے سنانے لگے
کوئی تم سے بھی حال کہا نکرے

سیّد

سید۔ سید حسن صاحب متوطن قصبہ نہٹور۔ شاگرد حضرت ظہیر دہلوی خوشگو طبیعت دار تیز فکر ہیں۔ ریاست بھوپال میں متصدی مال ہیں۔ انداز بیان بہت پیارا ہے۔ ذہن میں جودت خیالات میں جولانی ہے۔ بھوپال کے مشاعروں میں چوٹی کی غزلیں پڑھتے ہیں۔ یہاں کے شعرا

میں نامور ہیں۔ زبان صاف اور شستہ۔ بندش سیدھی سادی۔ معاملہ بندی کیطرف میلان ہے اُستاد ظہیر نے انکی کئی غزلیں جو اپنے کلام کے ہمراہ مؤلف تذکرہ کو ارسال کی تھیں جس سے انکی خاص توجہ ظاہر ہے۔ نتیجہ فکر یہ ہے ؎

انہیں غرض جو کوئی شب کو بیقرار رہا
بلا سے انکی کسیکو جو انتظار رہا

وہ تم کہ کرتے رہے وعدے عمر بھر جھوٹے
وہ ہم کہ پھر بھی ہمیں تم پہ اعتبار رہا

ہوش آنے نہیں پاتا کسی میخوار کے پاس
گشت میں رہتا ہے سید عیش جام شراب

جو دن کو رونا ہوتا ہے تو شب کو لب پہ آہیں
فلک کس دن کے بدلے تو نے گن گن کے نکالے ہیں

یہاں کیا ہم تو محشر میں خدا کے آگے کہدینگے
تمہارے چاہنے والے ہیں تم پر مرنیوالے ہیں

جہاں کی خاک چھانی ہے ملی ہے جب جگہ ایسی
ترے کوچہ میں آبیٹھے ہیں اب کیا اُٹھنے والے ہیں

تمہارے جنبشِ لب نے یہ اچھی کی مسیحائی
ہزاروں مر گئے تم پر ہزاروں مرنیوالے ہیں

جناب شیخ نے رندوں میں آکر قہر ڈھایا ہے
انہیں تو ہم یہ سمجھے تھے بڑے ہی بھولے بھالے ہیں

کیا ہی عیار حسینان جہاں ہوتے ہیں
دل کا دل لیتے ہیں پھر دشمنِ جاں ہوتے ہیں

پوچھتا پھرتا ہوں محشر میں یہ ہر ایک سے میں
فیصلے مجرم الفت کے کہاں ہوتے ہیں

شکوۂ جور پہ دیتے ہیں بگڑ کر یہ جواب
ہاں ستم ہوتے ہیں فرمائیے! ہاں ہوتے ہیں

باتوں باتوں میں ستم مجھپہ کئے جاتے ہیں
چٹکیاں دل میں وہ رہ رہکے لئے جاتے ہیں

یاد ہے غیر کی یا دل ہے کسی بیکس کا
آپ کیا گوشۂ دامن میں لئے جاتے ہیں

تم بھی کیا یاد کروگے کہ ملا تھا کوئی
دل سی شئے لو تمہیں ہم منفت دیئے جاتے ہیں

ڈر ہے مجھکو کہ جگر چاک نہ ہو جائے کہیں
بخیہ گر کیوں مرے دامن کو سئے جاتے ہیں

ضبط کس طرح کرے شکوۂ اغیار کوئی
زہر کے گھونٹ کسی سے بھی پئے جاتے ہیں

روز چھپ چھپ کے سرِ شام کہاں جاتے ہو
روز کیوں چاک گریباں کے سئے جاتے ہیں

ہوش آتا دم نطق، وہ نہیں ہے کہ کہوں
دوڑنا کوئی مرا دل وہ لئے جاتے ہیں

قتل کرکے مجھے اس طرح چلے مقتل سے
کوئی جانے کہ بڑا کام کئے جاتے ہیں

نامہ بر کہتا ہے کیا لاکے دکھاؤں میں جواب
خط تو چولھے میں وہاں جھونک دئے جاتے ہیں

ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ اٹھنا دشوار
اور ہمت ہے یہ اپنی کہ جئے جاتے ہیں

کوئے قاتل میں ذرا سوچ کے جانا سید
روز دو چار وہاں قتل کئے جاتے ہیں

دل کشی بولتی ہے شوخیٔ تحریر کیساتھ
کھینچنے والے کی ادا کھنچ گئی تصویر کیساتھ

خلش زخم کا ہو جائے ہمیشہ کو علاج
چارہ گر کھینچ لے تو سینہ سے دل تیر کیساتھ

تم یہ کیا حصر ہی کس کس کا گلا تم سے کروں
پھر گیا مجھسے زمانہ مری تقدیر کیساتھ

سید۔ حسین میاں صنا مانگرول بندر کاٹھیاوار کے رئیس ہیں۔ مدتوں نواب شیخ حسین میاں صاحب کے مصاحب رہے ہیں۔ اُسی زمانہ میں جلال۔ داغ تسلیم کو دیکھا ہے اور حضرت شمشاد لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ علم عروض و قوافی میں دستگاہ ہے۔ تاریخ گوئی میں دسترس۔ دو مکمل دیوان تیار ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔ آپکا بیان ہے کہ نواب محمد رسول خاں صاحب جوناگڑھ کی سرکار میں ایک مثنوی بطور نذر پیش کی تھی۔ اُسکے صلہ میں "فصیح الشعرا" خطاب پایا۔ اور وہاں ملازم ہوگئے۔ آج کل بھر ریاست منگرول میں شاعری اور میر منشی کے عہدہ پہ ممتاز ہیں۔ مضمون آفرینی کیطرف مائل ہیں مگر زبان کی شستگی اور صفائی کو بھی نگاہ رکھتے ہیں چھ سات برس ہوئے اپنا کلام انتخاب کرکے بھیجا تھا اُسکا انتخاب یہ ہے

ابھی معمور ہو جائے زمانہ یاس و حسرت سے
لٹا دوں میں اگر اسباب اپنی بینوائی کا

زمیں گو بھی آغوش میں اپنے نہیں رکھتی
خدا حافظ ہے اپنے کشتۂ بے اعتنائی کا

کہاں ہیں اور اسکی درگہ عالی کہاں سید
قلق شام و سحر ناحق ہے اپنی نارسائی کا

عاشق سے چھپ سکا کب پردے میں راز تیرا
آواز لن ترانی دیتا ہے ساز تیرا

کافی ہے اسکی رحمت ہم رند مشربوں کو
زاہد تجھے مبارک روزہ نماز تیرا

گھٹا چھائی ہے دل بہلاؤ چلکے صحن گلشن میں
پیو مے خوب میں دیکھو تماشہ برق و باراں کا

اشارہ فصلِ گل کا ہے گریباں چاک کر ڈالو
یہ رہزن دل جاتے ہیں جب راہ سے چھپکر
بہار جھومتی آئی جو کاکل مشکیں
بہ رنگِ باغ شگفتہ ہے مدتوں سے مگر دل
یہ کس نے منہ سے نام بوسہ اب نکالا ہے
مری جان حاضر یہ دل ہے جگر ہے
مجھے پھر ان آنکھوں کا جلوہ دکھا دو
یہ گرہ کیسی ہے آنچل میں یہ باندھا کیا ہے
غضب انکی تیغِ نگہ ڈھا گئی
لبِ بام آتے ہی حسن دو بالا ہوا
مرے دل کو شوخی سے مل کر گیا
خدا نواب سوڈھ کو رکھے آباد اے سید

تقاضا جوشِ وحشت کا ہے رستہ لو بیاباں کا
انداز دل دیتے ہیں نقشِ کفِ پا کا
لپٹ کے سنبل گلزار نے بلائیں لیں
خوشی میں گاتی ہے بلبل چمن چمن بنڈول
بگڑنے پر تلے بیٹھے ہو خنجر کیوں نکالا ہے
تمہیں کون سی چیز مدِ نظر ہے
نگاہوں میں جادو کا جن کی اثر ہے
دل ہمارا جو نہیں ہے تو پھر اچھا کیا ہے
جگر پر پڑی دل کو تڑپا گئی
ادا آ گئی ناز کی آ گئی
یہ کیسی کلی تھی جو مرجھا گئی
اڑادی جس نے سب کی ھنڈ جو عوں سے دوشالوں

سید - میر سید احمد دہلوی - آپنے ایف اے تک تعلیم پائی ہے - اردو فارسی کی قابلیت اچھی ہے نظم ونثر میں مشاق ہیں - ملا واحدی صاحب اڈیٹر خطیب دہلی کے برادر نسبتی ہیں ایک آزاد وضع صوفی منش آدمی ہیں - ۴۰ - ۴۵ سال کے قریب عمر ہے آپکے بزرگ عرصہ دراز سے ریاست جے پور میں رہتے ہیں - یہ خود آجکل پولیس اجمیر میں انسپکٹر ہیں - فن شاعری میں حضرت قتیل بھرسری کے شاگرد ہیں - کلام کا انتخاب ہدیہ ناظرین ہے ـ

پھر عشاق جہاں میں سبق آموزی کو
اور تو دل میں نہیں کچھ دمِ آخر لیکن
وعدہ وصل کیا تو ہے مری جاں تم نے
دامِ الفت میں کچھ اس طرح پھنساؤں اسکو

میں رہوں یا نہ رہوں پر مری رُوداد رہے
اک تری یاد ہے اللہ کرے یاد رہے
پرورا یاد رہے یاد رہے یاد رہے!!!
ہاتھ میں تا ہی ہوا وہ ستم ایجاد رہے

شاعری شغل تو اچھا ہے جناب سید	فکر دنیا سے اگر آدمی آزاد رہے

سید - منشی سید علی خلف مولا بخش صاحب سندیلوی - سید نذیر حسن صاحب فتنہ کے شاگرد ہیں - نومشق شاعر ہیں طبع میں زور - ذہن میں رسائی ہے - کلام کا انتخاب یہ ہے

ہوا یہ حال اب تو سوزِ غم سے ہجرِ دلبر میں	جدھر کروٹ بدلتے آگ لگ جاتی ہے بستر میں
بوسۂ عارض گل سامنے گلچیں کے نہ لے	کہہ دو گستاخ بہت بلبل ناشاد نہ ہو
نئی جب قلقل گر میں آکے حلق نیم بسمل سے	تو یا مشکل کشا نکلا زبان تیغ قاتل سے
الٰہی اس نے بھی سیکھا ہے کیا انداز معشوقی	کہ اس کا تیر دل میں آکے غائب ہو گیا دل سے
عجب انداز سے قاتل نے کی آرائش مقتل	کہ ارماں کس طرح لپٹا ہوا بسمل تھا بسمل سے
کمال شاعری سے کیوں نہ ہوں میں بہرہ ور سید	کہ سیکھا ہے یہ فن میں نے بڑے استاد کامل سے

سیر - میر عباس عرف چھوٹے میرزا شاگرد آغا حسین میرزا صاحب عشق - خوش فکر صاحب استعداد شاعر تھے تشبیہات کے شیفتہ - استعارات کے فریفتہ - معنی سنج - ناسخ کے انداز میں بہترین کہنے والے تھے - کلام بلاغت نظام یہ ہے

شعر جو ہے وہ سراپا وصف میں تحریر ہے	ہر غزل دیوان میں میرے تری تصویر ہے
سیر گلشن کے لئے اب اٹھ کے جا سکتے نہیں	جادۂ صحرا ہمارے پاؤں کی زنجیر ہے
چوم لیتا گر میں پاتا دستِ نقاشِ ازل	صفحۂ عالم پہ کس رنگ کی تصویر ہے
ہے تقاضائے محبت کوچۂ جاناں میں چل	پاؤں اٹھ سکتے نہیں یہ ضعف دامنگیر ہے
دل مرا کیا کیا اٹھاتا ہے مزے ہنگام ذبح	سوئے قاتل آنکھ ہے اور حلق پر شمشیر ہے
اہل دولت کی ثنا سے اسکو کچھ مطلب نہیں	سیر مداح جناب حضرت شبیر ہے
نرگسی آنکھیں پھول رخ غنچہ دہن شمشاد قد	باغ ہے یا اس بہار حسن کی تصویر ہے
اپنا طریق عشق بھی سب سے عجیب ہے	سایہ پہ اس پری کے گمان رقیب ہے
ممکن نہیں وہاں کوئی زندہ پہنچ سکے	کہتے ہیں جس کو خلد وہ کوئے حبیب ہے

رہتا ہے اب حضور کی خلوت میں آئینہ
سچ پوچھو، تو ہم سے وہی خوش نصیب ہے

پس فنا مری تربت پہ فاتحہ نہ پڑھا"
ہزار حیف نہ اتنا بھی ہو سکا تم سے

جواب تلخ سنانے بگڑ بگڑ کے مجھے
جو بوسۂ لب شیریں طلب کیا تم سے

نہیں حسینوں میں بے رحم سنگدل ایسا
جسے نہ آئی ہو وہ سیکھ لے جفا تم سے

ذرا بتاؤ تو اے سیر ماجرا کیا ہے
کیلے بیٹھے ہیں وہ کیوں خفا خفا تم سے

پھنکوا کے اپنے کوچہ سے ای جان آپ نے
مٹی خراب کی ہے مشت غبار کی

بعد فنا جو سیر ہوا خلد میں گذر
یاد آ گئی فضائے حسن کوئے یار کی

کرے گا دعوئے الفت رقیب کیا تم سے
ہمیں نے عشق نبھا ہا برا بھلا تم سے

سیر

سیر۔ منشی محمد حنیف صاحب۔ پوسٹ ماسٹر، شاگرد حضرت داغ۔ حالات باوجود تلاش میسر نہ آئے ناچار چند اشعار کے انتخاب پر اکتفا کیا ؎

بے سبب مجھ سے خفا رہتا ہے کیوں تو دل میں
کیا سمائی ہے ترے او بت بدخو دل میں

یاد آیا مجھے پہلو سے جو اٹھنا اس کا
درد اٹھ اٹھ کے بدلنے لگا پہلو دل میں

مرض عشق جسے کہتے ہیں
بس یہی موت کی بیماری ہے

اغنیا ہی اڑاتے ہیں مزے
بیکسوں پر کرم باری ہے

میری راحت کا یہ پہلو سوجھا
روز انہیں فکر دل آزاری ہے

سیف

سیف۔ میرزا محمد حسن مرحوم نبیرہ محمد فاخر مکین دہلوی مقیم لکھنؤ۔ آپ کے والد میرزا علیجان بھی فارسی میں شعر کہتے تھے۔ آپ مدتوں لکھنؤ رہے۔ ناسخ و آتش کے معرکے دیکھے۔ ان کے مشاعروں میں بطور ہمعصر شریک رہے۔ شاعر فصیح اللسان۔ صاحب دیوان تھے۔ عروض سے آگاہ۔ معانی بیان سے باخبر تھے۔ لکھنؤ کے قیام میں بھی اپنی شاعری کو رعایت لفظی کی قید سے آزاد رکھا۔ خوبیٔ بندش پر نظر رہی۔ صفائی زبان کا خیال تھا۔ مگر تحقیقات کے غلبہ سے کلام میں نمک و دو مزہ نہ پیدا ہوا۔ یہ غدر سے پیشتر کا ذکر ہے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

اسقدر سوزش ہوئی دل کو تپ فرقت سے آہ
اشک گرم اپنا زمیں پہ گر کے چھالا ہوگیا

وہ دن گئے نہ وہ سن اور نہ وہ شباب رہا
دل خراب یہ اب تک مگر خراب رہا

کافر عشق ہیں اسلام سے کچھ کام نہیں
ہے زیادہ ہمیں تسبیح سے زنار پسند

قصدِ مے جب کیا ساقی ذری جاتی کے
بند شیشہ کا گلو ہوگیا اچھو ہوکر

جھڑکی سنے لاکھ بار تو گالی ہزار بار
بدلا ہے صاف یار کی گفتار کا طریق

پہلے ہیں لطف بعد بہت ہیں خرابیاں
یہ ابتدائے عشق ہے وہ انتہائے عشق

لے یانو قیت طاقت وامداد سبھی
بھاگیں ہم اس طرح کہ نہ پھر ہمکو پائے عشق

سیف

سیف۔ نواب سید اکبر حسین خاں خلف نواب دولہا بہادر ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی۔ دنیا کی رزمگاہ میں ۵۵ سال تک زور آزمائے۔ قدیم امیرزادوں کی طرح فنون سپہگری کے شایق تھے علم طب سے آگاہ تھے۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں تالیف کیں مگر وہ حلیہ طبع سے آراستہ ہوئیں اپنے والد مرحوم نواب دولہا متخلص بہ تمنا سے فن شعر میں تلمذ تھا جو حضرت ناسخ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ آپ نواب معتمد الدولہ وزیر غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے نواسے تھے اور سرکار انگریزی سے ستر روپیہ سے زیادہ انکو وظیفہ ملتا تھا۔ وقت انتقال ورثا میں انکے بھائی نواب مظفر حسین خاں بھتیجے نواب ضیا حسین خاں اور انکی بیوی جو نواب معتمد الدولہ کی پوتی تھیں باقی رہے۔ کانپور میں ابتک انکی فیاضی اور سیرچشمی کے افسانے مشہور ہیں۔ مرض ضیق کی وجہ سے زیادہ عمر نہ پائی از حد کمزور ہوگئے تھے۔ کلام یہ ہے

کیا لطف گرچہ جام مے تلخ پی لیا
ساقی علی سا ہو تو مزا ہے شراب کا

سر تا قدم ہوں داغ کروں کیا بیانِ داغ
سب مل کے ایک ہوگئے گویا نشانِ داغ

گذری باتوں کو یاد کرتے ہیں
دلِ غمگیں کو شاد کرتے ہیں

عنانِ توسنِ عمرِ رواں کو کس طرح روکوں
تری تلوار نے تسمہ نہ رکھا میری گردن میں

وصلِ جاناں کی دمِ مرگ ہوس باقی ہے
یہ عذاب اور ابھی چند نفس باقی ہے

وہ نازکی ہے اگر چاندنی میں تو لیٹے	تو تار چادر مہتاب ابھی کریں چھیے

سیف

سیف ۔ مولوی عبدالحکیم خلف سید عبدالرحیم ۔ آپ شاہجہانپور روہیلکھنڈ کے باشندے ہیں مولوی مدن صاحب مشہور مقدس و متبحر عالم کی اولاد میں ہیں جو نواب سعادت علیخاں اودھ کے اتالیق تھے اور جنکی تعریف میں سید انشاء اللہ خاں نے مزاقاً یہ فرمایا تھا ؎

ہزار شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی	مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

حضرت سیف کی عربی استعداد معمولی فارسی بہت اچھی ہے ۔ ۱۶ برس کے سن میں سخنور باکمال حکیم ضامن علی جلال کے شاگرد ہوئے تکمیل فن سخن اور تحقیق زبان میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا برسوں لکھنؤ میں رہے ۔ اُستاد کی خدمت کرتے علمی ۔ ادبی نکات کو نقش دل بناتے ۔ چندہی روز میں بے مزہ تشبیہوں سے کنارہ کش خشک ۔ بے نمک استعاروں سے دامن سخن کو بچانے لگے ۔ سیف کی بلند پروازی حشو و زوائد سے کلام پاک ہو گیا ۔ آپ رنگ تغزل کو خوب پہچانتے ہیں ساری غزل پڑھ جایئے معشوق کی توہین کا پہلو کہیں نہیں نکلتا شعر میں رقیب روسیہ کا ذکر غیرت عشق کے خلاف جانتے ہیں جمہور شعراء ایسی احتیاط کو نہیں برتتے ۔ آپکا قول ہے کہ "بازاری حسن فروش معشوقوں کے ذکر سے میرا کلام خالی ہے ۔ بیں اکثر انہیں باتوں کا ذکر کرتا ہوں جو مجھ پر گذر چکی ہیں" ۲۸ مئی ۱۹۰۹ء کو جناب جلال مرحوم نے آپ کو اپنے ارشد تلامذہ اور افضل شاگردوں میں شمار کرنے کا اعلان کیا تھا اور سند مرحمت فرمائی تھی ۔ واقعی آپ اکثر اشعار ایسے کہ جاتے ہیں جنہیں محاورہ کی برجستگی ۔ زبان کا لطف و بیساختہ پن ہوتا ہے ۔ اور آپکے کلام دلفریب میں تمام خوبیاں ہیں جو شاعری کی جان ہیں ۔ آپ کثیر التعداد تلامذہ کے اُستاد ہیں اور کلام طلب کئے جانے پر جو حالات آپکے مشہور شاگرد حسن خاں نے راقم تذکرہ کو بھیجے ہیں انہیں یہ بھی درج ہے کہ جلال کے بہت سے شاگرد آپ کو اپنا کلام دکھاتے ہیں ۔ سیف زبان کا جوہر ملاحظہ ہو ؎

اِدھر بالیں سے اٹھکر وہ کسیکا اپنے گھر جانا	اُدھر بیمار غم کا کھینچ کر اک آہ مرجانا
دل مرا اُس رشک یوسف کیلیے دیوانہ تھا	وہ جہاں جسکی خریداری کا اک بیعانہ تھا

عشق کا کعبہ سمجھتے تھے مرے دل کو حسیں
میرے بُت تے طور کیوں تو نے پھونکا ہی غضب
اُن کے آنچل کی ہوا نے یہ کیا طرفہ اثر
ہائے پھر دل میں کسی کی یاد نے لیں چٹکیاں
کیا قیامت ہی کہ اُس پردہ نشیں نے روزِ حشر
کچھ تو دل میں سوچئے انصاف کچھ تو کیجئے
خوب تم نے اس دلِ بیتاب کو تسکین دی
کیا آتے میری شبِ غم کی مصیبت کا خیال
ہم کو جلایا رات دن سوزِ جگر نے کیا کیا
شب کو جو سوئیں چین سے اُنکو ہوا کی کیا خبر
ہجر کی سختیاں تو کچھ میرے ہی دل سے پوچھئے
شمع سحر ہوئی جو گل بلبلوں کا ہوا ہجوم
رنگ ہو کر پھوٹ نکلا رُوئے گل سے اے نسیم
ہائے وہ کہنا کسی کا تو ہمیں رخصت کرو
ابھی تو سادگی دیتی ہے جان اُنکے لڑکپن پر
دکھائی خوب قاتل نے کرامت دستِ بازو کی
بھلا کیوں ابرِ رحمت نے اٹھائی اسقدر زحمت
میرے پہلو میں کہاں اب وہ ستم ایجاد دل
کیا ترا اس میں بگڑتا تھا بتا تو اے فلک
اس بت کافر کو بھی دو دھر مجھے بھی ناپسند
شق ہوا جاتا ہے سینہ بس ہٹاؤ اپنا ہاتھ

بُت بھی جس پر لوٹ تے تھے یہ وہ بُت خانہ تھا
تجکو لازم یہ ستم اے جلوۂ جاناں نہ تھا
ناتوانِ عشق کو اب دورِ غش آنے لگا
پھر خیالِ آکر کسی کا مجکو تڑپانے لگا
طالبِ دیدار سے پھر وعدۂ فردا کیا
آپ نے مجھکو کہ میں نے آپ کو رسوا کیا
خوب تم نے اس دلِ بیمار کو اچھا کیا
دن چڑھے تک جو دونوں نے نگر سو گیا
اس سے لگی نہ بجھ سکی دیدۂ تر نے کیا کیا
ہجر کے مبتلا کے ساتھ دردِ جگر نے کیا کیا
شامِ الم نے کیا کیا غم کی سحر نے کیا کیا
سیف نیا یہ گل کھلا بادِ سحر نے کیا کیا
بلبلِ خونیں جگر کا گریۂ خونبار صبح
کچھ نمایاں ہو چلے ہیں سیف اب آثارِ صبح
خدا رکھے قیامت ہوں گے جب آئینگے جوبن پر
چلی بے پاؤں کے تیغِ جفا بسمل کی گردن پر
برسنے کیلئے کافی تھی حسرت میرے مدفن پر
ہو چکا تیری ہوائے وصل میں برباد دل
دو گھڑی کو شاد ہو جاتا جو اک ناشاد دل
کس کا اب ہو کر رہے یا رب مرا ناشاد دل
اب تسلی تم اگر دو گے تو مر جائینگے ہم

آرہے ہیں میری تربت پہ وہ یہ کہتے ہوئے — آج چل کر اپنے روٹھے کو منا لائینگے ہم
کون ایسی ناز برداری کرے گا آپ کی — کیجئے گا یاد جب دنیا سے اٹھ جائینگے ہم
اُنکے سینہ تک جو پہونچا ہی ہمارا دست شوق — حسرتیں کہتی ہیں اب تو پاؤں پھیلائینگے ہم
طور پر جلنے کی تم نے اے کلیم اچھی کہی — کچھ تم آئے دیکھکر کچھ جاکے دیکھ آئینگے ہم
دشمن کا حال غیر اگر ہے تو کیا کریں — کس کس کے واسطے تری دشمن دعا کریں
لیلیٰ کے دم کے ساتھ ہے محمل کی قدر بھی — جب تم ہو دل سے دور تو ہم دل کو کیا کریں
تم او جو ناپسند ہے دل پھینک دو کہیں — جو چیز دے مجھے اُسے ہم لیکے کیا کریں
تڑپانے سے بھلا کسی بسمل کے فائدہ — بس آپ دلدہی نہ ہماری کیا کریں
وہ کہتے ہیں ملینگے عدو سے تو ہم ضرور — اب اس میں جلنے والے جلیں تو جلا کریں
بولے عدو سے دیکھ کے وہ میرا حال زار — یا اب کسی طبیب کی جا کر دوا کریں
کچھ حد ہے اضطراب کی اے دل بس اب ٹھہر — کب تک وہ بیٹھے بیٹھے تسلی دیا کریں
دونا بندھے گا سیف ہماری وفا کا رنگ — دل کھولکر وہ شوق سے مشق جفا کریں
روز یوں مرمر کے جینا خود ہی دوبھر تھا ہمیں — تونے کیوں او موت اب جاں بخش کی کوسا ہمیں
خواہ وہ منہ سے نہ بولیں خواہ وہ پوچھیں نہ بات — روز دل کا حال جاکے اُن سے کہہ آنا ہمیں
دل گیا جب دل تو اے پردہ نشیں کیسا حجاب — اب بہت بے چین کرتا ہے تیرا پردا ہمیں
بس اب آنسو پونچھ ڈالو کوئی روتا ہے بھلا — وقت رخصت چاہئے ہے تم کو سمجھانا ہمیں
کبھی دو پھول چڑھائے نہ گئے تربت پر — یہی الفت تھی تمہیں عاشق دلگیر کے ساتھ
وہ مرے گھر کی بھی رونق لیگئے ہمراہ دل — اک اداسی ہے در و دیوار پہ چھائی ہوئی
خنجر قاتل سے جب ہر دم کی ٹھہری چھیڑ چھاڑ — رو گئے پھر زخم دل کب تک ہنسی آئی ہوئی
باغبان گلشن عالم سے ہے اتنا گلہ — مجھکو اک دل کی کلی دی وہ بھی مرجھائی ہوئی
داورِ محشر کو آخر درگذر کرنا پڑا — کیا قیامت کرگئی وہ آنکھ شرمائی ہوئی

تجھ چھپاہے شام ہی سے دل مرا آ کے عدو کی شب
درد بدلواتا ہے کروٹ اٹھکر جن بیماروں کو

آج آداسی بے طرح سے شمع پر چھائی ہوئی
سینے میں وہ کیونکر دنیا سے اُٹھ جائینگے

سیف

سیف ۔ مولانا محمد احکم صاحب ساکن انبہٹہ ضلع سہارنپور۔ صدر مدرس عربی مدرسۂ اسلامیہ باڑہ ہندوراؤ دہلی۔ آپ عربی میں کامل استعداد رکھتے ہیں۔ عرصۂ دراز سے درس و تدریس میں مشغول ہیں عمر تخمیناً ۶۰ سال کی ہے۔ ۷-۸ سال سے شاعری کا شوق ہے حضرت فتنہ سندیلوی عربی میں آپکے شاگرد ہیں لیکن فن سخن میں آپ اُن سے اصلاح لیتے ہیں۔ دہلی میں خواہ پر جو مشاعرہ ہوا تھا جسمیں یہ طرح تھی۔ ع۔ گری جو بوند ساغر سے بنی تصویر میخانہ۔ مولانا نے بھی اس میں طبع آزمائی فرمائی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

لطف کیا آئے آشنائی کا
یہ زمانہ ہے بیوفائی کا

نزع میں روح نے کہا تن سے
وقت اب آگیا جدائی کا

بے کے کعبہ میں بت ہوئے مغرور
کیوں نہ دعوے کریں خدائی کا

ہائے وہ آہ و نالہ و زاری
اُف وہ عالم شب جدائی کا

سیف بہتر ہے اس سے مر جاؤ
کیوں اُٹھاتے ہو غم جدائی کا

نظر بھر کر جمالِ دخترِ رز کو جسے دیکھا ہے
مجسم بن گیا ہے شیخ بھی تصویر میخانہ

ہمیشہ وہ بسر منبر ادب سے نام لیتے ہیں
جناب شیخ کے دل میں بھی ہے توقیر میخانہ

جہاں پر پاؤں رکھا تھا وہاں سر رکھدیا احکم
کہیں کعبہ سے بڑھ کر ہم نے کی توقیر میخانہ

سیف

سیف ۔ میر لیاقت علی عرف آغا میاں۔ حیدرآباد دکن میں قیام پذیر ہیں۔ شیفتہ کنتوری سے تلمذ ہے۔ تیز طبع بلیغ فکر ہیں۔ سمجھ بوجھ کے شعر کہتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

میان سے جلاد کا خنجر نکل کر رہ گیا
آرزومندِ شہادت ہاتھ مل کر رہ گیا

ناتوانی کا برا ہو ناقۂ لیلیٰ کے ساتھ
نجد میں قیس حزیں دو گام چل کر رہ گیا

آنکھ لڑتے ہی جگر میں درد پیدا ہو گیا
یار کے تیرِ نظر کا دل نشانہ ہو گیا

وصل کی شب آبرو کھلی اجل ذرا شک ہو	یار کے جانے سے پہلے میں روانہ ہوگیا
عشق خال یار کی نیرنگیاں دیکھے کوئی	آنکھ کی پتلی بنا دل کا سویدا ہوگیا
کیا بھروسا اب کسی پر کوئی دنیا میں کرے	آنکھ لڑتے ہی کسی سے دل پرایا ہوگیا

سیف **سیف** - شیخ صادق حسین متوطن سنبھل ضلع مراد آباد شاگرد منشی حیات بخش رسا مرحوم۔ معمولی فکر ہے۔ یہ انتخاب ہے ؎

تمہارے ہی تو ساماں تھے رقیبوں سے نہ ملنے کے	تمہارے ہی تو دعوے تھے جو ہمارے ہو کے آتے ہیں
موت آتی ہے الٰہی کہ عذاب آتا ہے	جان لینے کو مری انکا شباب آتا ہے
دیکھ لے زاہد صلہ مری زندہ دلی	اب بھی پیری میں وہی لطف شباب آتا ہے
تم لاکھ کئے جاؤ ستم لاکھ جفا کیجیے	منہ موڑیں وفا سے یہ نہ ہوگا کبھی ہم سے

سیفی **سیفی** - سید نادر علیشاہ۔ پہلے ضلع اسکول ہوشیارپور میں مدرس رہے۔ پھر پیسہ اخبار سے تعلق ہوگیا۔ پنجاب کی ابتدائی اخبار نویسی میں مشہور اہل قلم۔ عمدہ مضمون نگار تھے۔ عربی فارسی میں اچھی لیاقت تھی۔ موزوں طبع۔ معمولی شاعر تھے۔ تین شعر دستیاب ہوئے ہیں درج ذیل ہیں

اثر تو اتنا ہو تیری نگاہ مست میں شوخ	کہ میرے اشک سے ہو آہ آتشیں پیدا
ازل سے صاحب اقبال ہیں میں اے سیفی	ہر اک جبین میں ہیں نقش خط جبیں پیدا
مستی شوق میں ہر سرو کو جانا ساقی	سایۂ ابر میں ہر پھول کو مینا سمجھے

سیفی **سیفی** - مسٹر ایم اے سیفی خلف مولوی محمد اسمٰعیل مدرس نارمل اسکول آگرہ۔ متوطن میرٹھ۔ اوائل مشق کا کلام ہے۔ مگر پایا جاتا ہے کہ شاعری ورثۂ پدری میں ملی۔ صاف ستھرے شعر کہتے ہیں۔ نمونۂ فکر یہ ہے ؎

اک نشانی ہے تری درد سوا جان جہاں	سینہ میں اپنے اسے ہم نے چھپا رکھا ہے
مل گئے حضرت مجنوں تو یہ ہم پوچھینگے	منزل عشق میں جز یاس کے کیا رکھا ہے
دیکھتے ہی وہ مجھے بزم سے اٹھ جاتے ہیں	رنگ اسدرجہ حریفوں نے جما رکھا ہے

سوزِ الفت کا کروں تجھ سے بیاں کیا ہمدم
آگ سے سینہ میں ایسی کہ جلا رکھا ہے

سیفی
سیفی - غلام احمد زماں خانصاحب تلمیذ افسر اورنگ آبادی - روزمرہ صاف - تیغ زبان آئینہ کیطرح شفاف ہے - روانیٔ طبع یہ ہے -

صیاد کر رہا ہے گلوں کی حکایتیں
کنج قفس میں ہائے عنادل کے سامنے
بیٹھے ہیں ایسے خدمت پیرِ مغاں میں ہم
جیسے مرید مرشد کامل کے سامنے
وہ تھی تمہارے ناوک مژگاں تو ٹوٹتی
تیغِ نگاہ بھی ہوئی اگر دل کے سامنے

سیفی
سیفی - ابو محمد سید حسین صاحب ساکن بیدر علاقۂ نظام دکن شاگرد جناب بیدل طبیعت آشنائے سحر نقش فکر با اثر ہے - محاوروں کو مسخر پری و شانِ معنی کو اپنے قبضہ میں کرتے ہیں نگارش سخن یہ ہے ؎

دن میں ہزاروں خط انہیں بھیجے ہوئے آ جاتے ہیں
کاغذ کے گھوڑے سینکڑوں دوڑائے آجاتے ہیں
حوروں کے گھورنے کا زمانہ نہیں رہا
پائے نگاہ ضعف سے تھرائے جاتے ہیں
ظاہر میں کوئی اُن سے تعلق نہیں مگر
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں شرمائے جاتے ہیں
کس کو زراپنے حسن کی پرداخت ہے انہیں
دو تین روز صدقے اتروائے جاتے ہیں
ناگوار اپنی کسی کو زندگی ہوتی نہیں
ایک میں ہی ہوں کہ جینے کی خوشی ہوتی نہیں
اُس پری کی فتنہ پردازی کے دیکھنے ہیں ہم
بند شیشے میں کسی سے جو کبھی ہوتی نہیں

سیماب
سیماب - حکیم مولوی سید احمد علی خلف الصدق مولوی سید محمد علی مرحوم - سادات بخارا سے ہیں انکے جد امجد مولوی سید عنایت علی مرحوم فتنۂ نادرشاہی میں دلی سے رام پور چلے گئے - یہ ۱۲۲۷ھ میں پیدا ہوئے - علوم ظاہری و باطنی اپنے عم مولوی سید حیدر علی مرحوم مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی حضرت شاہ عبد الغنی مجددی و حکیم امام الدین خاں دہلوی سے حاصل کئے - فن شعر میں ناطق مکرانی اور مفتی صاحب موصوف سے تلمذ تھا - پچاس برس تک ریاست ٹونک میں ملازم رہے ۱۳۱۸ھ میں وفات پائی - سیر حامدی - روض الریاحین حیوۃ الحیوان

توزک جہانگیری کا ترجمہ کیا تھا۔ فارسی نظم و نثر کا مجموعہ بھی موجود ہے۔ دو مجموعے قصائد کے طبع ہو چکے ہیں۔ اُردو کم کہتے تھے۔ نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

عقدۂ رشتۂ امید ہمارا یارب　　　چین پیشانی خوبان ستمگر ٹھہرا
کل تلک نام سے سیماب کے نفرت تھی نہیں　　　وعدۂ وصل کہو آج یہ کیونکر ٹھہرا
آنکو عزم کرم اسوقت ہوا مجھ پہ کہیں　　　لذت چاشنی لطف کے شایاں نہ رہا
آتش غم سے نہ یوں دل کو جلاتے جاؤ　　　تشنہ ہوں شربت دیدار پلاتے جاؤ
بدمزہ ہو کے نہ یوں بزم سے اُٹھو خاموش　　　پھر جو کہنا ہو ابھی مجھکو سناتے جاؤ
مجھ سے ملنے کی اگر تم نے قسم کھائی ہے　　　نقش الفت تو مرے دل سے مٹاتے جاؤ

سیماب

سیماب۔ شیخ عبدالواحد صاحب موضع ٹیری سلطانپور صوبہ اودھ کے رہنے والے تھے آغاز شباب میں تحصیل علم کے لئے لکھنؤ آئے۔ باکمال اساتذۂ لکھنؤ کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے۔ منشی احسان اللہ ممتاز۔ قاضی صادق احمد خاں اختر۔ اور ناطق مکرانی کی فیض صحبت سے پہلے فارسی میں پھر اردو میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ میرزا وزیر علی صاحب صبا سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ ہنگامۂ غدر نے لکھنؤ کی جمعیتیں درہم برہم کردیں۔ یہ بھی جان بچا کر وہاں سے بھاگے عظیم آباد پٹنہ میں مولوی نواب بخش خاں بہادر سی ایس آئی کے سایہ میں پناہ لی۔ پھر گورنمنٹ کی جانب سے امین مقرر ہوئے۔

آپنے صاف اسلیس زبان میں اپنے پیران طریقت کا ایک شجرہ نظم کیا ہے۔ جو منظوم شجروں میں بہترین ہے۔ ایک مثنوی سکندرنامہ کے وزن کی فارسی میں لکھی ہے۔ جب گنج مرادآباد میں مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب سے بیعت کی تو شاعری سے توبہ کر لی۔ کلام کو دریا برد کیا۔ مزاج میں رمیدگی اور دنیا سے بیزاری پیدا ہو گئی تھی۔ توکل صبر شکر۔ رضا میں بسر کرتے تھے ۱۳۱۱ھ میں حج کے ارادہ سے بمبئی گئے۔ مکہ معظمہ پہنچکر قبل از حج انتقال کیا اور وہیں کی خاک کے پیوند ہو گئے۔ کلام جو دستیاب ہو سکا درج کیا جاتا ہے ؎

کیا دعاؤں میں مری تاثیر آدھی رہ گئی　　　کیوں توجہ اے بت بے پیر آدھی رہ گئی

ایک شب افسانۂ فرقت جو میں کہنے لگا
نیند اُن کو آگئی تقریر آدھی رہ گئی

چہرۂ تاباں سے اُلٹی جس گھڑی اس نے نقاب
آسماں پر مہر کی تنویر آدھی رہ گئی

نقشۂ جاناں جو کھنچوایا تو نقشہ ہوا
آگیا مانی کو غش تصویر آدھی رہ گئی

ہو کے بیتاب ایک دن شکوہ کیا بیتاب نے
بس اسی تقصیر پر توقیر آدھی رہ گئی

چھڑائی جو ہنگر مستی لب جاں بخش جاناں سے
نشان تیرگی میں نے مٹایا آب حیواں سے

ہم صبر کریں گے جو وہ بیداد کرینگے
اثر بھی یہ ظالم ہے اگر فریاد کرینگے

اک دن بھی نہ ہم شاد ہوئے وصل بتاں سے
کیا خاک جوانی کے مزے یاد کرینگے

قطعہ

حُسن کی کل عشق پر ڈگری ہوئی
انشئے یہ آج حکم عام ہے

نوحہ خواں میں کردو مشتہر
کل دل بیتاب کا نیلام ہے

سیماب

سیماب۔ خلیفہ معصوم علی۔ متوطن امروہہ ضلع مرادآباد۔ عمر تخمیناً ۶۰-۶۵ سال کی ہے۔ مشاق شاعر ہیں۔ جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں۔ تاریخ اور ہجو بھی کہتے ہیں مگر افسوس ہے آپکا کلام بھی آپکی لاپروائی کی نذر رہے۔ ہر چند لکھا اپنا کچھ کلام بھیجدیجئے مگر یہی جواب آیا کہ "میاں ہم کیا اور ہمارا کلام کیا اور بھلا میں ایسا قابل کہاں"۔ ایک زمانہ میں آپ راجہ شیام سنگھ صاحب بہادر اور کنور شیو ناتھ سنگھ رئیس قصبہ تاج پور کے ملازم رہ چکے ہیں۔ عرصہ ہوا کہ وہاں سے قطع تعلق ہوگیا۔ آپ نے کنور صاحب کی فرمائش سے ایک مثنوی "جادوئے رواں" بھی لکھی تھی۔ جو گلزار نسیم کی بحر میں ہے۔ اچھی مثنوی ہے اور طبع ہو چکی۔ چند اشعار جو دستیاب ہوئے درج ذیل ہیں۔

قطعہ

کہا یہ خواب میں میں نے کہ اے رفیق ندیم
بتا تو کیوں نہیں آتی ہے مجھ غریب کے پاس

دیا جواب یہ اس نے مجھے کہ اے کم بخت
میں تیرے پاس رہوں یا ترے نصیب کے پاس

کریں سجدہ بتوں کو ہم یہ ہے توقیر پتھر کی
خدائی کرتی ہے شان خدا تصویر پتھر کی

در کعبہ پہ بوسہ دیتے ہیں سب سنگ اسود پر
کہاں جا کر لڑی ہے دیکھئے تقدیر پتھر کی

راہ تکتے ہیں تری ہم چشم تر کھولے ہوئے
مردم آبی ہیں آغوش نظر کھولے ہوئے

سہ نو سے صفت میں ابروؤں کی		مہینہ بھر میں اک مصرعہ ہوا ہے
یارب مجھے خامۂ رواں دے	مثنوی	کلکِ سخن شرر فشاں دے
اعجاز کی سرسبز ہو تقریر		جادو سے کرے دلوں کو تسخیر
نیرنگ سخن مری زباں سے		افسونِ طلسم داستاں ہے
جو لفظ ہو صورتِ پری ہو		جو نکتہ ہو سحر سامری ہو
خسرو نے زبان فارسی میں		دی دادِ سخن سخنوری میں
اردو میں لکھوں میں فارسی سے		آئینہ بناؤں آرسی سے
ہو رنگ سخن میں دلبری کا		نقشہ کھنچے خواب میں پری کا
بارے بہزار عجز و زاری		شامل ہوا اسکا فضلِ باری
خوشۂ گل نار رون میں پھولا	[illegible]	خندہ لب نسترن میں پھولا
مہ پارۂ شب خسف سے نکلا		دُردانہ کفِ صدف سے نکلا
دولت کا نیا ستارہ چمکا		اقبال شہی دوبارہ چمکا

سیماب **سیماب** ۔ ادیب الشعرا ابوالفخر جناب مولنا مولوی شیخ عاشق حسین صاحب صدیقی وارثی اکبرآبادی آگرہ آپکا مولد اور آپکے آبا و اجداد کا قدیمی مسکن ہے آپکے والد مولنا محمد حسین مرحوم بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحب تصنیف تھے۔ آپ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے اس حساب سے آپکی عمر اسوقت ۴۲ برس کی ہے آپنے اجمیر شریف میں عربی فارسی انگریزی میں تعلیم حاصل کی۔ پھر حضرت حاجی وارث علیشاہ صاحب ساکن دیوہ کے مرید ہوئے۔ پہلے منشی فسوں شاگرد داغ سے مشورہ کرتے تھے پھر ۱۹۰۱ء میں فصیح الملک میرزا داغ دہلوی سے زانوے تلمذ تہ کیا اور انکی وفات کے بعد پھر کسی کے سامنے اپنا کلام برائے اصلاح پیش نہ کیا۔ اب آگرہ کے استادانِ فن میں شمار ہے۔ آپ اردو کے مشہور انشا پرداز ہیں اکثر رسائل آپکے مضامین و کلام سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ہر قسم کی نظم و نثر لکھنے پر قادر ہیں۔ کئی درامے خوبصورت باز عزیب وغیرہ آپ کی تصنیف سے ہیں۔ جو شائع ہو چکے ہیں اور مشہور کمپنیوں میں

کھیلے جاتے ہیں۔

اسوقت تک مختلف مضامین کی ۵۰ کتابیں آپکی تصنیف و تالیف سے شایع ہوچکی ہیں جو ہندوستان کے مختلف مطابع میں چھپی ہیں۔ اجمیر شریف میں رسالہ "فانوس خیال" آپکی ارادت میں شایع ہوتا تھا اور اب کئی سال سے آگرہ اخبار کے ایڈیٹر ہیں۔ اطراف ملک میں آپ کے قریباً ۸۰ شاگرد ہیں اور سلسلۂ تلامذہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔

سید محمد صادق صاحب رازؔ چاندپوری شاگرد حضرت سیماب موصوف نے جو حالات راقم تذکرہ کے پاس بھیجے ہیں انمیں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اکثر مشہور شعرا پوشیدہ طور سے آپ سے اصلاح لیتے ہیں۔ آپ نہایت منکسر المزاج۔ سادہ وضع۔ با اخلاق ہیں اور شہرت و قبولیت کے ہوتے ہوئے بھی جانشینی حضرت داغ کے مدعی نہیں۔ عمر کا زیادہ حصہ انگریزی دفاتر کی ملازمت میں صرف کیا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

فطرتاً عجز طبیعت بن گیا رنگِ حیات
عمر بھر سیماب پابند اطاعت ہی رہا

آپکو فن تاریخ میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ انجمن اصلاح سخن اور اردو کانفرنس کے سکرٹری رہ چکے ہیں۔ دو دیوان آپ کے پاس غیر مطبوعہ تیار ہیں اور مختلف نظموں کے چار مجموعے مرتب کرے ہیں۔ کلام میں درد۔ سوز و گداز ہے۔ مگر بندش اور تخیل میں اپنے استاد سے الگ ہوجاتے ہیں اور طرز حالی و رنگ اقبال کے درمیان ایک نئی راہ نکالنے میں کوشاں ہیں۔ تغزل میں متانت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر نہایت بلند کہہ جاتے ہیں۔ ترکیبوں کے برتنے میں آپ ایک ممتاز ادیب اور سخنور کا پایہ رکھتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

رات کا جانا وداعِ شیشہ و پیمانہ تھا
صبح کا آنا تھا قفلِ درِ میخانہ، تھا

حسن تنگ آکر مرے ہمرنگ اٹھا فضا طور سے
طالبِ دیدار کا ارمان گستاخانہ تھا

ڈھونڈتا پھرتا تھا جسم آرزو کی روشنی
میں شب فرقت اندھیری رات کا پروانہ تھا

میری خاکستر سے پیدا تھا جہانِ آرزو
جو پتنگا دل کے شعلوں سے اڑا پروانہ تھا

کیف اے ساقی ہوا مجھکو نہ پیے کسطرح
اتنو یہ حال ہے نظرِ سوگوار کا

گرتی رہی ہیں چشمِ تماشا پہ بجلیاں
کہتے ہیں جسکو نزع کا عالم جہاں میں

وال سہ گران حسرتِ دیدار رہ گیا
یارب بنا دے شمعِ چمن میری روح کو

ستہ زرد خونِ یاس میں پلکیں بھری ہوئی
یہ ناز منفعل یہ ادائیں حجاب کی

سیماب کیا سناؤں میں اپنا کسیکو حال
نامہ گیا کوئی نہ کوئی نامہ بر گیا

ہنستا ہوں یوں کہ ہجر کی راتیں گذر گئیں
اب مجھکو ہے قرار تو سب کو قرار ہے

یارب نہیں ہیں واقفِ رودادِ زندگی
پہنچا دے لاش جذبِ جنوں کوئے یار میں

جان کی جان لی ایمان کا ایمان لیا
یہ نہیں کہتا کہ ہوئی ایک جھلک تک نہ نصیب

اپنی تعریف سے وہ اور برا مان گئے
سچی نہ رہی انکی زبان غیر سے مل کر

ہر شوخ کو دعوی ہے کہ ہوں رشکِ مسیحا
چھپی برقِ تجلی لو نذر موسیٰ تو شکوہ کیا

یوں ہی ہم تم گھڑی بھر کو ملا کرتے تو اچھا تھا

کچھ مرے انداز سے چھوٹا ترا پیمانہ تھا
کیفِ جمال ہے نہ مزا انتظار کا

ہوتا رہا ہے حسن پہ دھوکا شرار کا
پچھلا پہر ہے میری شبِ انتظار کا

آنکھوں نے لطف لوٹ لیا انتظار کا
جگنو بنا کے بھیجدے شامِ بہار کا

عالم تو دیکھئے سحرِ انتظار کا
منہ ہو تو چوم لوں نگہِ شرمسار کا

زندہ ہوں اور شکر ہے پروردگار کا
تیری خبر نہ آئی زمانہ گذر گیا

روتا ہوں یوں کہ لطفِ دعائے سحر گیا
دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا

اتنا ہی یاد ہے کہ جیا اور مر گیا
سب ڈھونڈتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا

مرحبا اے بتِ سفاک ترا کیا کہنا
بھید کی بات نہ اے حضرتِ موسیٰ کہنا

اچھی صورت کو بھی اچھا نہیں اچھا کہنا
جس بات پہ مرتے تھے وہی بات نہیں اب

عیسیٰ نفسی کوئی کرامت نہیں اب
تماشا تھا باندازِ تمنا رہ گیا ہو کر

یہ دونوں وقت جیسے روز ملتے ہیں جدا ہو کر

یقینی حشر میں سیمابؔ اُن کی دید ہے لیکن
قیس بنکر پھر نہ اٹھا کوئی خاکِ نجد سے

جتنے ستم کئے تھے کسی ذی عتاب میں
حسرت کو گھر کہیں نہ ملا اضطراب میں

اٹھا ہے ابرِ میکدہ دستِ دعا کے ساتھ
آئے گُلِ فسردہ لگا لوں تجھے گلے

ہر چیز پر بہار ہر اک شئے پہ حُسن تھا
رنگ الفت کا حسینوں پہ جما دیتے ہیں

خوش ہیں کوچۂ جاناں میں ہوا کے جھونکے

جنوں پہنچا بیاباں میں بہار آئی گلستاں میں
یہ کس کافر نے لیں انگڑائیاں صحنِ گلستاں میں

دل نگلیں مداراتِ ستم کی بات رہ جائے
ذرا کھل کر پکار اے صورِ مجذوبانِ الفت کو

نگاہیں مست ہو ہو کر پڑیں اللہ کے گھر میں
یہ آنکھیں ساغر سے یہ جوانی نہ چھپا

کیا ڈھونڈتے ہو مدفنِ بربادگانِ عشق
گو ہوں ضعیف پھر بھی ترا جاں نثار ہوں

اب دل کا حال کچھ نظر آتا ہے اور ہی
کل جہاں چھاؤنی تھی عشرت کی

اُنکے دل میں تو ہے خدا رکھے
جہاں شب بھر میں نے آنسو بہائے

وہ پھر پردے میں جا بیٹھے اگر جلوہ نما ہوکر
عاشقی دشوار ہے لیلےٰ وشی مشکل نہیں

وہ بھی ملائے کرم بے حساب میں
لٹنے لو آ گئی دلِ خانہ خراب میں

آتی برس پڑے کہ نہا لوں شراب میں
تو بھی میری طرح اٹھا ہے شباب میں

دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں
آنکھ ملتی ہے تو ہم دل بھی اڑا دیتے ہیں

دل کے ٹکڑے تجھے ڈھونڈ لا دیتے ہیں

یہ دونوں میں نہ آ بیٹھے ہے چاک گریباں میں
قیامت چھپتی پھرتی ہے کسی کے چاکِ داماں میں

لہو کی بوند بنکر جذب ہو جا نوکِ پیکاں میں
یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

درِ کعبہ پہ کس نے کھینچ دی تصویرِ میخانہ
خدا رکھے تجھے تو بھی تو ہے تصویرِ میخانہ

مٹی کے چند ڈھیر ہیں وہ بھی تباہ سے
سایہ کہیں گرے تو اٹھا لوں نگاہ سے

کیا جانے تم نے دیکھ لیا کس نگاہ سے
اب وہاں حسرتوں کا ڈیرا ہے

مجھے بہتر خیالِ سیر سے ہے
وہاں موتیوں کی لڑی رہ گئی

[illegible]

روش دیکھکر تری رفتار کی
نکلی مرے دل سے تصویر یار

حیرتِ جلوہ گری مُہرِ لبِ خاموش ہے
آہ دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پوچھتا کیا ہے حقیقت لذتِ دیدار کی
قصرِ کسریٰ۔ چترِ دارا۔ تختِ نادر۔ بزمِ جم
تیری زلفیں بھی نہ نکلی تھیں سوادِ حسن سے
جوش پر ہے جلوۂ مستانۂ عہدِ شباب
کششِ دل انہیں چلمن میں تو لے آئی
دیکھئے خلد میں سیماب کی راحت طلبی
نوائے درد شامِ غم نہ کیوں اندوہ گیں ہوتی
گواہی خون کے چھینٹوں سے محشر میں نہ دلوائی

گنتے گنتے بھول گیا اپنے سب گناہ
تنہائیوں میں شب تری ہمراہی خیال
کچھ ناز سے خراب کیا کچھ نیاز سے

یہ کس نے شاخِ گل لاکر قریبِ آشیاں رکھدی
تجلی رخِ روشن کی مرے دل میں نہاں رکھدی
خلوصِ دل سے سجدہ ہو تو اُس سجدے کا کیا کہنا

ڈھونڈ لے فطرت کسی کو دلربائی کیلئے
بھیک کے ٹکڑوں میں شاید دل کو کچھ ٹکڑے ملیں

کہانی کہنے والے ہائے کیوں کر جوانی ہے

قیامت کھڑی کی کھڑی رہ گئی
یہ صورت حرم میں دھری رہ گئی

آنکھ محوِ دید تھی اتنا مجھے بھی ہوش ہے
پہلوئے ہستی میں اک ہنگامۂ خاموش ہے
کھو گئے خود ہی ترے جلووں کا کسکو ہوش ہے
ہائے وہ عالم جو زیرِ زمیں روپوش ہے
حسرتِ آوارۂ بے خانماں بر دوش ہے
او تسلی آنکھ والے کچھ تجھے بھی ہوش ہے
آگے اب حوصلۂ چشمِ تماشائی ہے
زانوئے حور پہ کیا چین سے نیند آئی ہے
ہی ہوتی ہے ویک رنگ جسکے نہیں ہوتی
خدا کے سامنے کیا ہاتھ بھر کی آستیں ہوتی
یاد آگئی ترے کرمِ بے حساب کی
وہ جنگلوں میں سیرِ شبِ ماہتاب کی
دنیا میں لوٹ ہو گئی اُنکے شباب کی
آئینے شوق کل ہوتی میں کا شوق ... حد
اندھیری کوٹھری میں تم نے بجلی ... حد
وہیں کعبہ سرک آیا جبیں ہم نے جہاں ...
جی ترستا ہے مذاقِ آشنائی کیلئے
روز اُٹھکے دیر پہ جاتا ہوں گدائی کیلئے
جوانی کی کہانی کیا ...

مریض غم سے وعدہ کر گئے وہ پانچویں دن کا
کسی سے سن لیا تھا چار دن کی زندگانی ہے

سر مدفن وہ پھر آئے ہیں مٹانے مجھ کو
جمع کر دے مرے اجزائے پریشاں کوئی

باغباں تختۂ گل جا پہنچے کلیاں گن لے
وہ گیا پھاند کے دیوار گلستاں کوئی

موجزن کیا آفتاب صبح پیمانے میں ہے
آج کچھ بھیگی ہوئی سی دھوپ میخانے میں ہے

اک بلا ہو جائیگی اٹھتے ہی شیشہ کی پری
یہ سنہری رنگ پیمانے ہی پیمانے میں ہے

مجھ سے پوچھ اے قیس انجام بہار جوش جنوں
تیرے ویرانے میں تھا اب میرے ویرانے میں ہے

سیر مونیت تو دنیا نے خدا بھی دیکھیں
جتنی پی لی ہے ابھی اتنی ہی پیمانے میں ہے

کب تک دل مایوس کو برباد کرینگے
اب ہم تری امید سے فریاد کرینگے

صیاد قفس بیکسی نہ بنا ہے چمن میں
تماشائے چمن دیکھ کے فریاد کرینگے

کعبہ ہی پہ موقوف نہیں بندگی تیری
بت بھی ترے رستے لئے برباد کرینگے

فریاد کی محشر میں نہ کیجو ہم سے توقع
جلوے ترے لوٹینگے نہ فریاد کرینگے

اے خدائے عشق دے ناز و نیاز ایسا مجھ کو
میں تجھے سجدہ کروں اور بت کریں سجدے مجھے

طور پر چڑھنے کا کیا دے گا ید بیضا ثبوت
حضرت موسیٰ دکھائیں پاؤں کا چھالا مجھے

صبح تک کیا کیا تری امید نے طعنے دئے
آ گیا تھا شام غم اک نیند کا جھونکا مجھے

ہو لیا میں ہم کنار حسرت ہجوم حشر میں
لوگ کہتے ہی رہے ایسا مجھے ویسا مجھے

پلٹتے ہی دیکھتے دنیا سے میں اٹھ جاؤنگا
دیکھتی کی دیکھتی رہ جائیگی دنیا مجھے

وہ انقلاب ہے جو دنیا کو لوٹ دیتا ہے
ترے اشارۂ برہم کی راہ تکتا ہے

تصورات کی خلوت میں کر تلاش اسکو
تحیرات کی دنیا میں کیوں بھٹکتا ہے

تجھے نہ دیکھ سکوں میں تو کچھ ملال نہیں
یہی بہت ہے کہ تو مجھکو دیکھ سکتا ہے

دنیا مجھے فریب تو دے حیات تم
جب لوگ جائیں میرا جنازہ لئے ہوئے

سیماب۔ عبدالعزیز خاں صاحب شاگرد حضرت جوہر شاہجہانپوری۔ آپ رنگین فکر ہیں چلبلی طبیعت

سیماب

یائی ہے۔ یہ کلام ہے سہ

کسی کا ناوکِ مژگاں سوئے جگر آیا
مریضِ غم کی خبر لینے چارہ گر آیا

اجل جو آئی شبِ ہجر میری بالیں پر
یہ محوِ شوق تھا سمجھا وہ فتنہ گر آیا

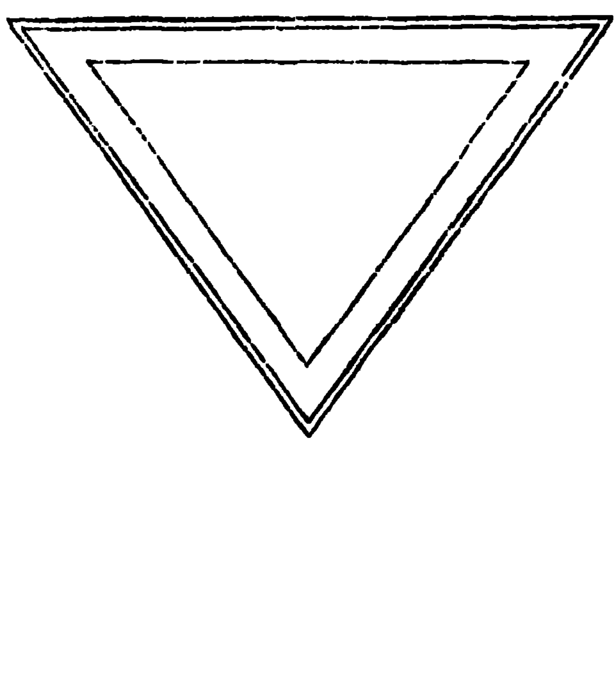
وہ لاعلاج مرض ہوں مجھے کہ بالیں پر
اجل کے بھیس میں آیا جو چارہ گر آیا

کچھ آج ہی نہیں سودا تمہاری زلفوں کا
ازل سے لیکے مرا سر یہ دردِ سر آیا

عدو کا دل نہ ہو سیماب کس لئے بیتاب
کہ آج شام سے مہماں وہ میرے گھر آیا

سب دخترِ رز کے طالب ہیں یار جمع ہیں
میلا لگا ہے پیرِ مغاں کی دکان پر

بوسوں کے نیل میری ہی رخ پر تو ہیں حضور
میں ہی گیا تھا رات عدو کے مکان پر



ش

شاد

شاد ۔ منشی للتا پرشاد صاحب رامپوری آپ اخبار ناظم الہند کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اُردو زبان اور علم ادب کی خدمت کا شوق ہے انکے تحقیق الفاظ کی تحقیقات۔ محاورات کی چھان بین پر اکثر مضامین نکل چکے ہیں انہوں نے زبان کی اصلاح کیلئے اجمیر میں ایک انجمن بھی قایم کی تھی مگر شعرا انشاپردازوں کی بے توجہی سے اُسکا عدم وجود برابر ہو گیا۔ ذہین ہیں چلتی ہوئی طبیعت نسان ہیں۔ ذوق سلیم رکھتے ہیں۔ غزل گوئی کو ہوس پرستی کے خیالات سے بچاتے ہیں۔ آج سے چار برس پہلے اجمیر کے مشاعرے انکے دم قدم سے رونق پر تھے۔ کلام یہ ہے ؎

ہم نہ مجنوں ہیں نہ وحشی ہیں نہ سودائی ہیں	ہم ہارے لئے زنجیر مصیبت کیا ہے
کیوں ہوا اے مکدر دل صافی تیرا	خاکساران جہاں سے یہ کدورت کیا ہے
زلف چوٹی کا تصور ہے بتوں کا ہے خیال	گر یہی یاد خدا کی ہے تو وحدت کیا ہے
اے زمانہ تری آنکھوں پہ ہے پردا کس کا	دیکھ اوروں کی ترقی کو یہ غفلت کیا ہے
کیسی آفت ہے کہ بن آئی مرے جاتے ہیں	موت کیوں آئی نہیں اسکی ضرورت کیا ہے
چشم امید ہے اب تیرے کرم کی نگراں	اپنے اعمال پہ ہم روئیں تو رحمت کیا ہے
صبر کر شاد ذرا دیکھ تو کیا ہوتا ہے	یہ زمانہ ہی بدل جائے گا عجلت کیا ہے

شاد

شاد ۔ منشی کالکا پرشاد ولد منشی گلزاری لال خلف قوم کایستھ سکنہ رام نگر ضلع بریلی کے قدیم ساکن ہیں ہنرمندی اور علم پرستی اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پائی ہے ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے ۱۸۸۰ء میں انگریزی تعلیم پر توجہ فرمائی۔ ۱۹ سال کی عمر میں سید بر علی اختر سے فارسی تعلیم کی تکمیل کی اسکے بعد ریاست کوٹہ میں سب سے پہلے محکمۂ بندوبست کے ملازم ہوئے ۱۹۱۲ء میں پولیٹکل ایجنٹی ہاروتی کوٹہ میں محافظ دفتر تھے منشی فضل حسین ثابت جو آپکے دوست ہیں چند غزلیں بھیجی تھیں انکا انتخاب پیش کش ناظرین ہے ؎

گمان ہے عارضِ پُرنور پر جو زلفِ پیچاں کا / یہ ہوگا دودِ آہ دل کسی خاطر پریشاں کا
فسردہ دل ہُوا اپنا کہاں اب جوشِ وہ باقی / ملے وہ خاک میں آنسو گماں تھا جن سے طوفاں کا
کہاں اظہار کیجئے شاد اپنے دل کی وحشت کو / خیال آتے ہی ویراں ہو گیا گھر بھی بیاباں کا
الفتِ کاکل نے پابندِ مصیبت کردیا / کس خوشی سے میں پھنسا ہوں خانۂ زنجیر میں
نے گلہ گردوں کا ہے نہ شکوۂ صیاد ہے / تھا مگر کنجِ قفس لکھا مری تقدیر میں
شکوۂ جور و ستم پر ہے جواب انکا شاد / سبھی کچھ ہوگا اگر آپ کو چاہت ہو گی
ویرانۂ دل کو کبھی آباد کرینگے / یا خاک کو میری یوں ہی برباد کرینگے
ہے شکوۂ بیداد عبث ای دلِ مضطر / کیا کیا نہ ابھی یہ ستم ایجاد کرینگے
ہے عار مرے نام سے مذکور سے نفرت / مرنے پہ بھلا خاک ہمیں یاد کرینگے
نہ کھولے مرنے پر صیاد سنے پر / مری جانب سے اتنا بدگماں ہے
تحریر مقدر کی مٹائی نہیں جاتی / بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
نہ گھبرا آبلہ پائی سے اے دل / رہِ مقصود کی منزل کڑی ہے
الجھن سی ہے۔ انتظار سے۔ دل بیقرار ہے / آتا ہے کون کس کا تجھے انتظار ہے
دشمنِ جاں نہ بنے یہ ہی غنیمت سمجھو / دوست دنیا میں بھلا شاد کہاں ہوتا ہے
شرمندہ برق ہے ترے دنداں کے سامنے / گوہر بھی گوشہ گیرِ صدف ہے حجاب سے

شاد — **شاد** ۔ لالہ کالی پرشاد صاحب سندیلوی شاگرد منصب علی منیر مرحوم طبیعت رسا فکر صائب ہے عرصہ سے شعر کہتے ہیں تقریباً پچاس سال کی عمر ہو گی کلام میں متانت ہے طبیعت معنی یاب نتیجہ فکر یہ ہے سه

عید میں عید ہوئی عیش کا ساماں دیکھا / دیکھکر چاند جو منہ آپ کا اے جاں دیکھا
دمِ اخیر ہے دکھلا کے مشکل جلد ہٹو / مریضِ عشق کا اب غیر حال ہوتا ہے
زباں سے کیا کہوں صورت سوال ہے میری / سکوت ہی سے کچھ اظہار حال ہوتا ہے
بگاڑتا ہے بناتا ہے بار بار فلک / نہ بدر چہرہ نہ ابرو ہلال ہوتا ہے

شاد

شاد - ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد صاحب یمین السلطنت کے سی۔ آئی۔ ای جی سی۔ آئی۔ ای پیشکار سابق مدار المہام سرکار عالی نظام دکن تلمیذ حضرت آصف غفران مکان۔ آپ کی ولادت ۲۸ جنوری ۱۸۶۴ء میں ہوئی۔ آپ دکن کے ایک معزز مہری کھتری نامی خاندان کے سرپرست و رکن اعلی ہیں۔ رائے مولچند جو آصف جاہ اولی کے ہمرکاب دکن گئے تھے اس خاندان کے بانی ہیں وہ لشکر و رگیری کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے تھے۔ مہاراجہ چندولال بہادر بھی آپکے خاندان کے ایک مشہور و معروف رکن تھے جن کے زمانہ میں پیشکاری کا عہدہ موروثی قرار دیا گیا۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک کے زمانہ میں ۱۸۰۶ء سے ۱۸۲۵ء تک جمیع مہام سلطنت کو پیشکاری کے عہدہ پر ممتاز رہ کر انجام دیتے رہے۔ پھر مہاراجہ متوفی کے بعد انکے پوتے راجہ نارائن پرشاد ملقب بہ مہاراجہ نرندر بہادر ۱۸۵۳ء میں بعد انتقال سرسالار جنگ مرحوم مدار المہام رہے

مہاراجہ موصوف کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد بمنظوری حضرت آصف جاہ سادس غفران مکان انکے جائز جانشین قرار دئے گئے اور اپنے نانا مہاراجہ نرندر بہادر کیطرح مرتبہ اولے خدمت موروثی پیشکاری دولت آصفیہ سے ممتاز ہوئے ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۱ء تک وزیر نواح کی خدمت کو انجام دیا اور یہی حسن خدمت اس ترقی کا باعث ہوا کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت آصف غفران آب نے منقل خلعت مدار المہامی اور خطاب یمین السلطنت سے سرفراز فرمایا ۱۹۰۳ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کیطرف سے دربار دہلی کے موقع پر کے سی۔ آئی۔ ای کا خطاب عطا ہوا اور ۱۹۱۰ء میں بزمانہ لارڈ منٹو۔ جی سی۔ آئی۔ ای کا خطاب مرحمت ہوا

مہاراجہ کشن پرشاد صاحب نے علاوہ خانگی تعلیم کے نظام کالج حیدرآباد میں تعلیم پائی انگریزی۔ اردو۔ فارسی۔ عربی۔ گورکھی۔ ہندی۔ سنسکرت میں نوشت و خواند کرسکتے ہیں۔ مرہٹی تیلنگی اتنی جانتے ہیں کہ بات چیت سے مفہوم کو سمجھ لیتے ہیں مختلف علوم و فنون میں تقریباً ۴۲ کتابیں تصنیف و تالیف کر چکے ہیں اور یہ سب شایع ہو کر شائقین سے

سند قبولیت حاصل کر چکی ہیں آپ نے اپنی مجمع الصفات ذات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امراء کے واسطے صرف ظاہری شان و شوکت ہی کافی نہیں ہے بلکہ جامع العلوم اور کامل الفنون ہونا بھی انکی شایان مرتبت ہی علمی ذوق و شوق تو آپکی فطرت میں پیشتر ہی سے تھا مگر کاروبار سلطنت سے سبکدوش ہونے پر آپ اپنا عزیز وقت مشاغل علوم و فنون ہی میں صرف فرماتے ہیں۔ طب یونانی۔ موسیقی۔ نجوم و رمل۔ خوشنویسی۔ مصوری۔ نقاشی میں بھی کامل دستگاہ حاصل ہے۔ فن سپہگری میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ گو قوم کے کھتری ہیں لیکن مذہب صوفیانہ مسلک صلح کل ہے بغض و تعصب کے ناپاک گرد و غبار سے آپ کا دامن بالکل مبرا اور آپ غیبت و بدگوئی سے مبرا ہیں۔ ہر مذہب و ملت کے علماء فقراء سے محبت رکھتے ہیں۔ نکات طریقت رموز معرفت ذوق آشنا ہیں۔ سادگی پسند۔ فقیر دوست درویش پسند ہیں راجہ ٹوڈرمل نندن وزیر اکبر اعظم سے آپکے بزرگوں کی کچھ قرابت بھی تھی۔

آپکے صاحبزادے راجہ ارجن کنور عرف راجہ خواجہ پرشاد سلمہٗ آپکے ولیعہد ہیں۔ آپ نے تمام اطراف واکناف ہندوستان کی اچھی طرح سیر کی ہے۔ ارباب کمال مثل ظہیر دہلوی سرشار لکھنوی اور جلیل آپکے دامن دولت سے وابستہ رہے ہیں۔ راقم تذکرہ سے آپکے تعلقات نہایت شگفتہ ہیں۔ اکثر نوازش ناموں سے نہیں مہر و اخلاق کے دفتر کھنا زیبا ہی ممتاز فرماتے رہے ہیں۔ دکن میں ہنگام قیام مولف تذکرہ مہاراجہ بہادر نے مسافر نوازی کے مراسم اس برادرانہ انس اور وضعداری سے برتے کہ مؤلف انہیں تا دم زیست فراموش نہیں کر سکتا۔ فن شاعری میں صاحب دفتر سخن مہندس خیالات نو و کہن ہیں کہیں جذبات فطرت کہیں گل و بلبل کا ذکر کرتے ہیں فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر کرتے ہیں ذہن رسا گہر دل پیا ہے طبع بلیغ بحر آسا ہے نغمہ معنی طربناک ہی شعر حشو و زواید مغلق ترکیبوں۔ ناگوار تعقیدوں سے پاک ہی۔ نہ غلط محاورات ہیں نہ بے جوڑ تشبیہات۔ متانت۔ شوخی کلام کی جان ہی جوہر فصاحت اور پاکیزگی سو جان سے قربان ہیں۔ شعر میں تصوف کے مسائل بیان کرتے ہیں گلگونۂ الفاظ

سے مضامین سے چھپے نکھرتے ہیں۔ رنگینی سخن میں جادو کی تاثیر ہے ہر شعر سامری کی تصویر۔ نظام مرحوم سے جو خصوصیت و محبت آپ کو تھی اسکی ایک مثال یہی کہ حضور محبوب علیخاں نے آپکو تلمیذ شاہی کا شرف بخشا۔ حق الامر یہ ہے کہ وہ آپسے بالکل عزیزداری کا برتاؤ کرتے تھے سلاطین کی شاگردی کا فخر بھی بڑی مشکل اور قسمت سے ہاتھ آتا ہے۔ الغرض مہاراجہ صاحب موصوف کو خدائے برتر نے ہر طرح نوازا ہے۔ امارت کے اعتبار سے بھی آپ معزز رئیس اور فن کے خیال سے بھی زبردست اور جید شاعر ہیں۔ انتخاب کلام نذر ناظرین ہے۔

دادخواہانِ ستم کا ہیں جی چھوٹ گیا — جب طرف دار ترا داورِ محشر نکلا
درِ محبوب پہ حاصل ہیں گدائی کے مزے — شاد منت کش ارباب دول کیا ہوگا
ناامیدی کے قدم پیچھے ہٹے جاتے ہیں — ہاں مگر اسکا تقاضہ ہے کہ دل کیا ہوگا
آصف کی مہر سے مری رتبہ بلند ہے — ذرہ سے آفتاب خدا نے بنا دیا
قطرہ قطرہ مل کے اک ذخار دریا ہوگیا — اسقدر آنسو بہے طوفان برپا ہوگیا
زندگی بھر لاکھ سوئے فرشِ قاقم پر کوئی — قبر میں جاتے ہی مٹی کا بچھونا ہوگیا
چشمِ مست یار دیکھی ہوگئی حالت خراب — بے پئے بھی مفت میرا نام رسوا ہوگیا
خانہ زادِ شاہ تھا اور ہوگیا شاگرد بھی — شاد شاداں[1] سے فزوں تیرا نصیبا ہوگیا
آتا نہ تھا خیال بھی وحدت میں غیر کا — کثرت میں آکے طالب دیر و حرم ہوا
کس زمانہ میں مجھے غم سے سروکار نہ تھا — کون سے روز مجھے رنج کا آزار نہ تھا
اے فلک تو نے ستم ڈھائے ہیں لاکھوں مجھ پر — اس سزا کا تو کسی طرح سزاوار نہ تھا
مجھے اس گلشنِ عالم میں ملا کب آرام — پھول اس باغ کا کب حق میں مرے خار نہ تھا
یہ ستم ڈھانے لگے کس لئے مجھ پر اے چرخ — کیا کوئی اور محبت کا گرفتار نہ تھا
ہائے وہ غنچہ ہوا بادِ خزاں سے پامال — جو نسیم سحری سے بھی خبردار نہ تھا

[1] مورث اعلیٰ مہاراجہ چندو لال شاداں تخلص کیطرف اشارہ ہے۔

باعث جاہ حشم شاد کے ہیں آصف جاہ | ورنہ دنیا سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا

دل پھنسا تیرے دام گیسو میں | کوئی رستہ نہیں رہائی کا
بڑھتا جاتا ہے واں غبار دل | خاک موقع رہا صفائی کا

تم رشک مہ و مہر اگر ہو تو کریں کیا | روشن تو کرو آکے سیہ خانہ کسی کا
غیرت کا تقاضا ہے جواں مردوں سے ای شاد | احسان نہ لے ہمت مردانہ کسی کا
زیر نگیں ہو ہند مرے بادشاہ کا | پایہ بلند ہو شہ گردوں پناہ کا
وہ قتل کرکے کہتے ہیں ہنسکر رقیب سے | کشتہ ہے یہ غریب کسی کی نگاہ کا
دنبالہ دار آنکھ میں سرمہ لگا نہ تو | ظلمات کو بھی رشک ہے چشم سیاہ کا
رحمت بڑی ہوئی ہے گنہ بخشے جائینگے | دریا میں کیا شمار بھلا برگ کاہ کا

سات داغوں سے مشعل تھا یہ سینہ میرا + آشوب داغ کا اے چرخ سزاوار نہ تھا

رباعیات

اے عشق متاع صبر تو نے لوٹا | اور سنگ الم سے دل کا شیشہ ٹوٹا
بدنام ہوئے کھو دیا ننگ و ناموس | رسوا ہوئے گھر بار سب اپنا چھوٹا

×

تو مال کو کہتا ہے کہ یہ سب ہے میرا | تیرا نہیں کس وہم نے تجکو گھیرا
جب سر یہ اجل آئیگی اسدم اے شاد | رہ جاوے گا سب یہیں یہ "میرا تیرا"

×

ایک روز جہان سے ہاتھ دھونا ہوگا | اس جان عزیز کو بھی کھونا ہوگا
کیا خاک لحد میں ہوگا اپنا بستر | مٹی کے فرش پر بچھونا ہوگا

×

دیکھا جو جہاں میں وہ پایا ہمہ ہیچ | کیا ثروت و دولت یہ بہر وجہ ہمہ ہیچ
دل بستگی اس سے تو کر نا اے شاد | دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ

×

اے شاد یہ آب و آتش و خاک و باد | ان چاروں سے اپنے جسم کی ہے بنیاد
آجائے مزاج میں جو فرق انکے کبھی | ہو جائے نہ کیوں وجود خاکی برباد

×

اے شیخ ہے یاں ترک خودی عین عبادت | مشتاق کا مشرب ہے جدا آپکا دین اور

×

عیاں ہے چار طرف میرے یار کا جلوہ | نماز پڑھتے ہو کیوں شیخ قبلہ رو ہوکر

نشانے پر ترا ہر تیر اے ناوک فگن آیا
رہا کوئی جگر میں کوئی دل میں میہماں ہو کر

مر گیا پر نہ گئی حسرت و یاس و اندوہ
کس خوشنمائی سے ہیں دل میں مرے مہماں تبک

اب جواں ہو کے بھی ہے وصل سے تجھکو انکار
بھولی باتیں نہیں جاتیں تری ناداں تبک

وہ دل لیکر یہ کہتے ہیں بصد ناز
خدا سے مانگ لو اک دوسرا دل

یہ ہیں معشوق یا قزاق یارب
ہمارا دن دہاڑے لٹ گیا دل

دوزخ جسے کہتے ہیں ہے وسواس کا نام
جنت سے مراد ہے سکون و آرام

آرام و سکون اسی کو حاصل ہو شاد
توحید کی مے کا جو کوئی پی لے جام

روز ہوتا ہے وعدۂ فردا
روز روزِ شمار کی باتیں

کوئی گریاں ہے کوئی ہے خنداں
یہی ہیں روزگار کی باتیں

مختصر زندگی ہماری ہے
کرو سب اختصار کی باتیں

ایسا نہ سمجھ تو کہ غرض مند ہیں سارے
جانبازِ محبت بھی مری جاں محبت ہیں

خانۂ دل کعبہ ہے یہ کوئی بت خانہ نہیں
بے دھڑک آجاؤ اس میں کوئی بیگانہ نہیں

آنکھ سے اُس نے ملائی آنکھ کیفیت ہوئی
یہ نشیلی آنکھ ہے پر مے سے پیمانہ نہیں

عین مستی میں بھی رہتا ہے اُسے پاسِ ادب
ہاں بڑا ہشیار ہے کچھ شاد دیوانہ نہیں

بادۂ خمخانۂ توحید کا مے نوش ہوں
چور ہوں مستی میں ایسا بیخود و بیہوش ہوں

گر دہن دے مجھے ساقی یہ میرا فرض ہے
مثلِ ساغر دور میں ہوں بادۂ سرجوش ہوں

سب کی سن لیتا ہوں لیکن جی کی کرتا ہوں مدام
گرچہ ہوں سامع مگر ہوں نارسائے گوش ہوں

دردمندِ عشق ہو کر ضبط کا خوگر ہوں میں
صورتِ سیماب ہو کر پیکرِ خاموش ہوں

دیکھتا ہوں آپ اپنے میں تماشا میں ترا
پا گیا ہوں سرِ وحدت اور حقیقت کوش ہوں

کس کی فرقت وصل کس کا اور ہے معشوق کون
شاد میں اس عالمِ تکوین سے ہم آغوش ہوں

منصور ہوں عاشقِ الٰہی ہوں میں
توحید کے راستہ کا راہی ہوں میں

روشن رہیگا ہمیشہ عرفاں کا چراغ / بجھو نہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں
مجنوں جسے کہتے ہیں وہ دیوانہ ہوں / شمعِ رخِ پرنور کا پروانہ ہوں
ہاں اک نظرِ لطف ادھر بھی ساقی / اس چشمِ سیہ مست کا مستانہ ہوں

وہ عیش کہاں اور وہ دل آرام کہاں / وہ بزم کہاں اور مے و جام کہاں
سب ٹھاٹ گیا یار کے جانیکے ساتھ / اب چین کہاں اور وہ آرام کہاں
تلاشِ یار میں ہے خاک اپنی سرگرداں / بھٹکتے پھرتے ہیں ہر دشت میں غبار سے ہم
نہ کیوں وہ دن مجھے ہو عیدِ قرباں / ترا خنجر ہم آغوشِ گلو ہو
فنا فی الذات میں ہو جاؤں یا رب / جدھر دیکھوں ادھر بس تو ہی تو ہو
اُن کی تصویر کلیجہ سے لگا رکھتا ہوں / حرزِ جاں ہے یہ مرے دل کے بہلنے کیلئے
میں نے پوچھا کہ رقیبوں سے بڑھا کیوں ربط / ہنسکے بولے ترے رشک سے جلنے کیلئے
کہتے ہیں جادو جسے وہ ہے حسینوں کی نگاہ / حق کہتے ہیں جسے وہ نسخۂ اکسیر ہے
دل سب کو ملا ترک تری تیغ کے قرباں / محروم رہوں کیوں میں کوئی وار ادھر بھی
یہ شرمیلی نظر تیری جگر کے پار نکلی ہے / حیا پردہ اگر ہے پھر یہ آزار کیسی ہے
خانہ زاد اور وزیر اور ہو شاگردِ نظام / شاد سچ پوچھو تو تم ہو بڑی قسمت والے

نہیں تجھ سے ممکن علاجِ محبت / مسیحا مرا درد ہی لا دوا ہے
مگر کیا کرے کوئی تدبیر کیا ہو / کہ تقدیر سے زور کس کا چلا ہے
ہوں میں دربانِ شہِ آصف جاہ کا / بادشاہی سے ہے یہ دربانی مری
میں شہِ آصف کا ہوں شاگرد شاد / شاہی کیا ہے یہ سلطانی مری

نزع میں بھی یار کا دل سے نہیں جاتا خیال / بیخودی میں یہ ہماری ہوشیاری دیکھئے
نغمے سے بھاگتا ہے جو زاہد سبب یہ ہے / اسکو سنائی دیتی ہے آوازِ صور کی
باغِ فردوس تو میراث ہے ہم رندوں کی / شیخ جی نیکے بڑے آئے ہیں جنت والے

لاکھ امید والی ترے وعدوں نے مگر
مرغولے کو جتنے جان کے جلنے نہ گئے

سو تیغ ابرو کا ہے کیسا زخم کاری دیکھئے
یہ تڑپ دل کی یہ رنگ بیقراری دیکھئے

ہم کیا بتائیں مرنے کو تیار کیوں ہوئے
فرمائیے تو آپ ستمگار کیوں بنے

سچ ہے مثل کہ جلنے والی کی موت ہے
شامت ہماری محرم اسرار کیوں بنے

مشکل نہیں ہے عشق تو پھر اے دل حزیں
آسان تھے جو کام وہ دشوار کیوں ہوئے

کہتے ہیں برملا مجھے کافر جو مومنین
کیا دوں جواب حجت باطل کے سامنے

جگر میں درد سوزش قلب میں خونبار آنکھیں ہیں
ہوا ہے ہمکو یہ حاصل بتوں کی آشنائی سے

اجازت باغ میں گر آشیانے کی نہیں دیتا
تو پھر کنج قفس صیاد بہتر ہے رہائی سے

شاخ گل پر سو رہی ہے عندلیب
باغباں چلّا نہ تو آواز سے

ہو گئے خاک ہوئے دل کے یہ چھالے نہ گئے
خار حسرت جو چبھے تھے نہ نکالے نہ گئے

داستانِ زندگانی انکی اب افسانہ ہے
بزم عالم حضرت آدم کا ماتم خانہ ہے

ہے تغیر ہر زماں لازم زمانے کے لئے
کل کے دن آباد جو تھا آج وہ ویرانہ ہے

گر نظر ہمت پہ اپنی ساقیا مجھکو نہ دیکھ
دل جو میرا ہے وہ اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے

غیر کا اس میں گذر ہو یہ بہت دشوار بات
شاد کا یہ دل نہیں ہے یہ رہ کاشانہ ہے

جیتے جی مرتے ہیں تجھ پر ترے مرنیوالے
یوں گذر جاتے ہیں ہستی سے گذرنیوالے

خود بخود آپ مرے دل میں اتر آئے ہیں
ایسے نقشے نہیں مانی سے اترنے والے

وعدہ کر کے بھی وہ انجان ہوئے جاتے ہیں
ایسے دیکھے ہی نہیں ہم نے مکرنے والے

رباعیات

ہر جائے عیاں نور احد پیدا ہے
ہر ذرہ میں قدرت صمد پیدا ہے
بحر وحدت ہے کیا محیط و ذخار
ہر موج سے اسکی جزر و مد پیدا ہے

گھر سے ہم چلے جاکے لحد میں پہونچے
دنیا سے ہیں شاد جدا کچھ یہ حباب
پیری میں ہے حسرت جوانی باقی
پھر آتی نہیں ہے عمر رفتہ اے شاد
چکر ہے زمیں کو آسماں پھرتا ہے
راستی بقضائے قدر انسان ہے

ہم ہو کے فنا دار ابد میں پہونچے
چلتے چلتے سب اپنی حد میں پہونچے
طاقت وہ کہاں ہے ناتوانی باقی
رہتی ہی نہیں حیات فانی باقی
اے شاد تو دربدر کہاں پھرتا ہے
قسمت ہے ترے ساتھ جہاں پھرتا ہے

قطعات

شادی سے یا غمی سے زمانہ میں ہو بسر
وہ ذوق اور شوق جوانی کی مستیاں
بارہا تجربہ اے شاد ہوا ہے اسکا
رات دن فکر میں رہتے ہیں جو ہیں دولتمند
تلوار میرے واسطے عزت ہے شان ہے
اے شاد کیوں نہ اسکو رکھوں جان سے عزیز
لاکھ دولت ہو لاکھ ہو حشمت
سچ جو دنیا میں پوچھو تم اے شاد
تسا محبوب زمانہ میں نہیں ہے آصف
جسنے آصف سے یہ پوچھا کہ کہو شاد ہے کون
مجھے تو کام ہے تجھسے جہاں رہے نہ رہے

انسان کے لئے یہ ازل سے ٹھہر گئی
دو دن کی وہ بہار تھی آکر گذر گئی
مرتبہ جن کا ہوا ہے انہیں راحت کم ہے
جو غنی تر ہیں اُنہیں غم ہے فراغت کم ہے
میدان جنگ کا یہ علم ہے نشان ہے
میں ہوں سپاہی اور یہ سپاہی کی جان ہے
ہو جو آزار خاک راحت ہے
تندرستی ہزار نعمت ہے
سب کے تم پیارے ہو اور سب ہیں تمہارے پیارے
ہنسکے فرمایا نہ وہ تو ہیں ہمارے پیارے
زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے

شاد

شاد - پنڈت پریم سکھ صاحب متوطن بلندشہر۔ آپ سکندرآباد میں سب انسپکٹر پولیس رہے ہیں۔ رنگین خیال ہیں۔ نکتہ پرداز ہیں۔ سلاست طبع سادگی سے ہویدا ہے۔ شعر کے

تیور دل میں چھپے جاتے ہیں کس لطف کا شعر کہتا ہے

وہ دیکھتے ہیں لطف سے اغیار کی طرف
ہم دیکھتے ہیں جیسے ستمگار کی طرف

بظاہر سادہ شعر ہے مگر دونوں مصرعوں میں دیکھنے کا تقابل انتہائے بلاغت ہے۔ دیکھ ستمگار کی طرف دیکھنے سے مایوسی اور ناکامی کا ... دونوں مصرعوں میں دیکھنے کے جداگانہ معنی ہیں۔ اظہار رشک شکوہ جیسا تمام شعرائے بیست گو ... نے اس فرسودہ مضمون کو بھی ادا کرتے ہوئے ایک بات نئی ... ملاحظہ ہو۔ نمونہ کلام یہ ہے

جذبۂ دل دکھنا وحشت سے جی گھبرا گیا
ہو گئے ... جنوں سوئے بیاباں چلا

مئے محبت جو پی پی ہے شراب لیکر میں گیا ...
... ... کباب ...

جوانی ساری یونہی گنوائی سفید کیا پیری نے اب آ کر
... ... خضاب ...

ابھی کشتگان ابرو تہ ہوئیں یوں نہ ہاتے
ترا عجب ... ستمگر ... ہوتا

نہ اڑاتی خاک میری پس مرگ اے صبا تو
جو مری طرف سے دل میں ترے غبار ہوتا

ہو گیا حشر قیامت نے قدم چوم لئے
ناز و انداز سے جس دم وہ پری زاد چلا

کس نے نقاب چہرہ سے اپنے اٹھا دیا
ذرہ کو مہر مہر کو ذرہ بنا دیا

راہ ناکامی میں مثل گرد رہ جائیں گے ہم
قافلہ روح رواں کا جب روانہ ہو جائے گا

داغ دل تازہ ہوئے فصل گلستاں دیکھ کر
زخم میں سوزش ہوئی میرے نمکداں دیکھ کر

لہو بیٹھے جلتے ہجر میں ہم جسم و جاں تلک
الفت کا اپنی ان کو نہیں ہے گماں تلک

کہا میں نے کہ مرتا ہوں تو بیمار لگا کہنے وہ منہ کے جا بجا
تری زندگی بھاتی ہے کسکو یہاں ... کیا مجکو معلوم نہیں

بتان قسمت گر بچپن ہی سے چنچل نکلتے ہیں
عجب قدرت خدا کی ہے کہ ... نکلتے ہیں

نہاں سینہ میں اپنے مشرقستاں ہم بھی رکھتے ہیں
کسی خورشید رو کا داغ ہجراں ہم بھی رکھتے ہیں

بہار گل وہاں وہ دیکھتے پھرتے ہیں گلشن میں
یہاں داغوں سے سینہ کو گلستاں ہم بھی رکھتے ہیں

طلب ہے مرہم زنگار کی پھر | ہرے مدت میں زخم دل ہوئے ہیں
یہ دیکھو تم ہمارے دیدۂ پرنم میں جوش آیا | تماشا دیکھنے والو لگی ہے آگ پانی میں
رقیب دشمن جاں کی تو دیکھو فتنہ انگیزی | ہمارے رازداروں میں ہے میرے غمگساروں میں
عہد پیر آلریں عادت ہی تیرہ باں میں نہیں | انکے مذہب میں نہیں انکو یہ ایماں میں نہیں
خار کھا کھا کے مری جاتی ہے بلبل جن سے | ہم نے وہ پھول چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں
سُر کا گل شبرنگ دکھاتے کیوں ہو | تم اندھیرے میں مری جان ڈراتے کیوں ہو
کیوں ذبح کر کے چھوڑا ہے کشتہ کو نیم جاں | بسمل کے لیئے "اور نہ اک وہ لگائے ہاتھ"
موئے مشکیں ہیں رخ یار پہ آتے جاتے | کافر ایمان ہیں قرآن پہ لاتے جاتے
خط غیر سے لکھا کے مجھے یار نے بھیجا | آیا مری قسمت کا نوشتہ مرے آگے
کہا میں نے آکے بجھا جو یہ آگ دل میں لگائی جان | لگا کہنے سنکر وہ بدگماں میرا یونہیں ہے خفا لگی
وہ قاتل کیا کسی کا "خوں بہا" دے | جو منکر عاشقوں کا خوں بہا دے
شاہ آسیا گوشہ نشیں ہیں | ہیں تو رزق گھر بیٹھے خدا دے
ادا سے مار ٹھوکر سے جلا دے | قیامت قامت جاناں دکھا دے
شکایت انقلاب دہر کی کرتا ہے کیا غافل | زمانہ آئیگا اے شاد اس سے بھی خراب آگے

شاد

شاد - لالہ بال مکند صاحب باشندۂ ضلع رہتک. ظریف مزاج ہنس مکھ. زندہ دل شخص ہیں آپکے ظریفانہ مضامین اودھ پنچ میں شایع ہوتے ہیں - مرزا مچھو بیگ عاشق لکھنوی سے فن سخن میں استفادہ کیا ہے. اردو فارسی کے سوا بنگلہ زبان اور انگریزی جانتے ہیں - جدید انشاپردازی کے ماہرین میں انکا شمار ہے - ایک زمانہ میں اخبار بھارت متر کلکتہ کے ایڈیٹر تھے - سیاسی معاملات خوب لکھتے ہیں - شعر کی طرف کم توجہ ہے - پچاس پچپن برس کی عمر ہے -

عہد رفتہ کا کلام یہ ہے ؎

ہجر میں بیکار سے دن عاشق مضطر رہا | درد دل میں سر میں سودا پاؤں میں چکر رہا

یہ وہی ہے چاہنے والا ترا ارماں نصیب
ایک مدت آپ کا زانو پہ جس کے سر رہا

ہم ہیں اُن غیرتِ یوسف کے خریداروں میں
انگلیاں چار طرف اُٹھتی ہیں بازاروں میں

مانعِ بوسہ ہے افسوس نزاکت اُسکی
ڈر ہے وہ بہانہ لگے چاند سے رخسار نہیں

شاد

شاد ۔ چوبے رگھناتھ ساکن شکوہ آباد۔ تلمیذ حضرت داغ دہلوی شاعر خوش گو۔ محکمہ مال میں قانونگو تھے عرصہ ہوا انتقال فرما گئے۔ منشی حیات بخش رسا۔ فدا۔ متین بدایونی کے ہم شاعر اور دوست تھے۔ شکوہ آباد میں بزم سخن انکے دم سے تازہ تھی۔ جو کچھ کلام فراہم ہو سکا اُسکا انتخاب حاضر ہے ؎

اگر کوئی او چھا رہا وار قاتل
نہ سینگے یہ زخمِ جگر دیکھ لینا

جن کو نہ ہو صبر وہ پھر کیوں نہیں چاہے
یہ کہہ گئے وہ میری برابر سے نکل کر

محشر میں اُن سے شاد کچھ ایسا سوال ہو
کافرتوں کو بات بھی کرنی محال ہو

ابھی توبہ کی کیا جلدی ہے زاہد
قیامت کو تو اک مدت پڑی ہے

پھولو نہیں کیونکر تولوں تلوار تیری قاتل
یہی گلے کا میرے ایک ہار ہو گئی ہے

کافر تری نظر سے سب کو خدا بچائے
نرگس کو تو نے دیکھا بیمار ہو گئی ہے

توبہ توبہ کہیں منہ پھیر لینگے میخانے سے
بہکتے ہم نہیں ناصح ترے بہکانے سے

ضبطِ دل آنکھوں میں آنے نہیں دیتا آنسو
اُلٹی پھر جاتی ہے مئے شیشہ میں چلنے سے

شاد

شاد ۔ منشی محمد شریف خاں پھلوری۔ جوان طبع رنگین فکر ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

چلا رک رک کے خنجر لے ستمگر
کہاں میں جاؤں گا گردن چھڑا کر

ترے کوچہ سے جاتا ہوں سوئے دشت
مقدر لیچلا گلشن چھڑا کر

نکالی ہے لحد سے کیوں مری لاش
کہاں لیجائے گا مدفن چھڑا کر

شاد

شاد ۔ مستری قادر بخش۔ شاگرد حضرت شوکت میرٹھی۔ شملہ اور اضلاع پنجاب میں عمارت کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔ اپنے اُستاد کے باعقیدت شاگرد ہیں۔ جس زمانہ میں شوکت

مرحوم نے مجدد سخن ہونیکا دعوی کیا تھا تو انکی تائید میں اکثر مضامین انہیں کے نام سے نکلے تھے نتائج افکار کا خلاصہ یہ ہے ؎

برائی اے شیخ اسمیں کیا ہی مجاز عرفاں کا رہ نما ہی
خدا کو پائیگا کسطرح تو جو پہلے عشق بتاں نہوگا

مسیح کیوں دیر کر رہے ہو لبوں پہ ہی جان زار اتو
اگر ہو آنا تو جلد آؤ وگرنہ یہ نیم جاں نہوگا

خوشی تو عید کی جب تھی گلے ملتا وہ ! دیا رہ
نہیں تو عید کا بھی چاند ہے گویا محرم کا

باغباں دشمن ۔ عدو صیاد ۔ گلچیں ہی رقیب
کون ہے گلشن میں کہئے مہربان عندلیب

پیری میں کیا یہ آپ کو سوجھی ہے شیخ جی
عشق خدا کو چھوڑ کے عشق بتاں ہے اب

زاہد کو اپنی زہد و عبادت پہ ناز ہے
مجھکو فقط ہے رحمت غفار کا گھمنڈ

کیا نہیں اے شاد اپنا مذہب و مشرب ہی کیا
شیخ سمجھا ہے مسلماں برہمن ہندو ہمیں

شاد — **شاد** ۔ حکیم منشی منولال شاد دہلوی کایستھ ماتھر مقیم پٹیالہ حکیم ذوقی رام دہلوی کے فرزند اور ہوشیار طبیب تھے طبع جدت طراز تھی ۔ زور فکر سے مضامین کو شستگی سے ادا کرتے ۔ عرصہ تک ریاست پٹیالہ مین مطب کرتے رہے ۔ پروفیسر رام چند ریاضی ۔ ان انکے ہم زلف تھے ۱۹۰۲ء کے قریب انتقال ہوا تقریباً ۶۰ برس کی عمر پائی ۔ کلام یہ ہی ؎

شاد رہنا چاہیئے ہر حال اپنے دل میں شاد
نیک و بد جتنا ہی سب ہے مقتضا تقدیر کا

کمر ستم پہ کسی کا لیوں پہ منہ کھولا
اور اس پہ آپ دہان و کمر نہیں رکھتے

لیویں کہاں سے قرض کہ تنخواہ گھٹ رہی
ہے جنوری سے تا بہ دسمبر لگی ہوئی

شاد — **شاد** ۔ منشی رام پرشاد صاحب کایستھ دہلوی ۔ شاہ نصیر کے تلامذہ سے تھے کچھ عرصہ آگرہ میں بھی رہی تھی ۔ زبان اور مضمون کی آمیزش سے کلام دلفریب انداز بیان حسن فصاحت کی زیب تھا ۔

ابرو کی جب صفت میں یہ ذہن رسا لڑا
مصرعہ مرا ہلال کے مصرعہ سے جا لڑا

آفتاب حشر پر تو ہے جبین یار کا
روز رستاخیز سایہ ہی قد دلدار کا

منہ جو کھولے وہ شب تار میں دن ہوجائے
رات ہوجائے جو زلفیں وہ سنوارے دن کو

کیا شبِ تار سے تشبیہ ہمارے دن کو
تا بہ خورشید نہیں سر جو ابھارے دن کو

شاد

شاد۔ منشی عبداللطیف باشندہ بمبئی۔ شاگرد حضرت امیر مینائی مرحوم طبع میں لطافت ہے صاف ستھرا شعر کہتے ہیں۔ انتخاب یہ ہے ؎

پڑ گیا ہے صبر شاید عاشق بیتاب کا
آپ کی شوخی میں بھی کچھ اضطراب آنکھوں سے

کھلی تیغ ناز ہے خمیازہ کش مقتل میں آج
زخم کے انگور سے کھینچ کر شراب آنکھوں سے

اسقدر بیباکیاں کی ہیں نگاہِ شوق نے
وصل میں انکی حیا کو بھی حجاب آنکھوں سے

شاد

شاد۔ تاجر باوقار شیخ عبدالرزاق دہلوی خلف شیخ اللہ دیا صاحب۔ شیخ جیون بخش مرحوم تاجر کلکتہ کے متبنیٰ۔ انہیں کلکتہ اور دہلی کے تجارتی حلقوں میں بڑی قدر منزلت حاصل تھی۔ حکیم سید محمد سجاد اور حضرت داغ کے عقیدتمند شاگرد تھے۔ لاہور کے مشہور سوداگر شیخ رحیم بخش کی دختر ان سے منسوب تھیں کثیر العیال آدمی تھے آخر وقت میں کام بگڑ گیا تھا۔ ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء میں بمقام دہلی انتقال ہوا۔ وفات کے بعد بہت سی جائداد قرضہ میں فروخت ہو گئی۔ فکر میں سائی زبان میں صفائی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

دیدہ و دل عشق کی سرکار میں دونوں چلے
لعل کوئی لے چلا اور کوئی گوہر لے چلا

میخانہ ہے یہ اے حضرتِ واعظ
بس چپکے چلے جائیے تو قیصر سے باہر

آپ نے کھائی قسم اور مجھکو باور ہو گیا
پھر قسم بھی وہ قسم سو بار بھی کی کھائی ہوئی

عشق میں غصہ بھی کھایا غم بھی کھایا روز و شب
پھر نہیں معلوم کیوں زائل ناتوانی ہوئی

رات ساری سرگرداں ہوئے میں کی تم نے بسر
وصل کی شب سر بسر صرف خود آرائی ہوئی

شاد

شاد۔ شیخ محمد جان معروف بہ پیرو میر مولد شیخ وارث علی صدیقی۔ آپ لکھنؤ کے قدیم شیخ زادگان سے تھے۔ اجداد کا مذہب سنت جماعت تھا لیکن عہد شاہی میں شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ آپ سنہ ۱۲۲۰ھ زمانہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ صاحب میر کلو عرش خلف میر تقی میر کے شاگرد تھے۔ انکا بیان تھا کہ میں نے ۱۰-۱۱ برس کے سن میں میر کو دیکھا تھا

وہ نہایت ضعیف دُبلے پتلے آدمی تھے۔ انہیں "پیرو میر" کا لقب اُستاد نے مرحمت کیا تھا۔ قانع۔ وضعدار۔ قدیم رسوم کے پابند تھے۔ لکھنؤ سے باہر جانا انکو دوبھر اور بار خاطر تھا۔ سر راجہ امیر حسن خاں بہادر کے۔ سی۔ آئی مرحوم والئی ریاست محمود آباد کے ہاں سے تیس روپیہ ماہوار مقرر تھا۔ اسی میں اوقات بسر کرتے تھے۔ ناسخ اور آتش کی معرکہ آرائی کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ عمر بھر مجرد رہے ہمیشہ معشوقان خیالی سے دل بہلایا۔ روز یکشنبہ ربیع الثانی کی چھٹی کو وفات ہوئی۔ ۹۷ برس کی عمر پائی۔ اخبار اودھ پنچ کے دفتر میں حضرت جگر و فضا بسوانی کو کلام سُنا رہے تھے کہ شعر پڑھتے پڑھتے روح جسم سے پرواز کر گئی۔ دو دیوان تیار کئے تھے جن میں سے ایک گم ہو گیا۔ اور ایک "سخن بے مثال" کے نام سے شائع ہوا۔ مولوی سید محمد واثق۔ ننھے آغا صاحب ابد۔ سید عاشق حسین صاحب۔ خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی انکے تلامذہ سے ہیں۔ رنگ کلام کو لکھنؤ کی پرتکلف رعایتوں اور انداز بیان سے کوئی نسبت نہیں غزل میں میر کا رنگ غالب تھا اور انہیں کے محاورات۔ اصطلاحات روزمرہ کے پابند تھے۔ دور حاضرہ نے جو لکھنؤ کی غزل گوئی میں انقلاب پیدا کیا ہے اور شعرا میر و غالب کی طرف کھنچتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ اسکی تاریخ جب کبھی لکھی جائیگی تو اسمیں شاد پیرو میر کا نام سب سے اول ہوگا جنہوں نے قدیم تخیل پر لسّے محاورات کا تحفظ کیا۔ اور آئندہ نسلوں کیلئے رستہ نکالا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

خبر یک عشق آکے یہ کہہ گیا
پھولوں میں دل پھوٹ کر رہ گیا

فروغ جہاں بود نابود ہے
شرر بجھتے بجھتے یہی کہہ گیا

وہ تیغ زباں جب لڑانے لگے
ہر اک زخم منہ کھول کر رہ گیا

دم لیا دنیا سے جا کر خلد میں
رم کیا اس جا سے اُس جا رم رہا

حسن میں اُس روئے روشن کی حضور
لاکھ چمکا آئینہ مدہم رہا

شاد نالوں کے سنبھالے عشق میں
یاں بھالے۔ برچھیاں۔ بلّم رہا

کھاتے کھاتے رنج و غم اکتا گیا
بس مرے اللہ جی گھبرا گیا

خیال انجامِ گلشن کا جو آیا
پڑا ہیں جس قدر آتی گئی غم

کاوشِ مژگاں نے بیندھوا اشکِ خونیں جسطرح
بھر گئے زخمِ جگر ناخن سلامت ہیں تو پھر

ہاتھ رکھ سر پہ جو لیتا وہ حسیں انگڑائی
شیخ مینا کا جو قلقل عرس میں کرتے صوفی

میکشو نشہ میں کعبہ کی طرف گرنے کو
دن تو یادِ رخِ روشن میں گذر جاتا ہے

رہروِ ملکِ عدم کا نہیں کھلتا احوال
سُنا ہمکو آتے جو اندر سے باہر

وہ محروم دولت ہوں برگشتہ قسمت
بہار آتی ہے رنگ لانے کے قابل

کفن پوش دنیا سے ہم کیوں نہ جائیں
ذرا بھی لگی ٹھیس دل چور ہو گا

کباب سیخ ہیں کب کروٹیں لیکر سنبھلتے ہیں
غزالِ چشم کب شمشیرِ ابرو سے دہلتے ہیں

وہ دیتے گالیاں ہیں ہم گلِ عارض کو ملتے ہیں
ٹپکتے ہیں جو آنسو لختِ دل جمتے ہیں مژگاں پر

زمیں پر پاؤں رکھ دیکھ انقلابِ دہر عبرت کر
خدا ہی اس چپ کی داد دیگا کہ ترتیں بوندیں ڈالتی ہیں

مرنے پر بلند ہے کمر سر گرم بازاروں میں ہوں

بسو رہے ہم جو غنچہ مسکرایا
بگڑتے ہی گئے جتنا بنایا

نشتروں وانۂ مرجان کو برائینگے کیا
پھوٹ کر چھالے نہ دل میں گھاؤ پڑ جائینگے کیا

گر دمِ مہتابِ جہاں تاب کے ہالا ہوتا
مے پرستوں میں شہ جم کا پیالا ہوتا

لڑکھڑاتے تھے قدم ہاتھ سنبھالا ہوتا
رات بھاری ہے مگر زلف کے بیماروں پر

کیا گذرتی ہے نہ جانے وطن آواروں پر
پھرے اُلٹے پیروں وہ باہر سے باہر

اُڑے خاک گھر میں جو جھن برسے باہر
جنوں سنگِ طفلاں ہے کھانیکے قابل

یہ صورت نہیں منہ دکھانے کے قابل
یہ شیشہ نہیں چوٹ کھانے کے قابل

جل اٹھا ہی جو یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں
یہ آہو وہ ہیں جو تلوار کے سایہ میں پلتے ہیں

زباں چلتی کسی کی ہے کسی کے ہاتھ چلتے ہیں
جو گل مرجھا کے گرتے ہیں ثمر شاخوں میں پھلتے ہیں

فقیروں کے قدم سر بادشاہوں کے کچلتے ہیں
اجل کے مارے ہوئے کسی سے نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں

جان کا گاہک جو ہو اسکے خریداروں میں ہوں

بیجرم رکھا تھا نہ خنجر ہی گلے کو
کچھ بات بری منہ سے نہ نکلی تھی بھلے کو

دکھا دو گر قرۂ مجھ منچلے کو
ابھی رکھدوں ترے خنجر گلے کو

لہو روتے مجھے آتی ہوئی دیہ
تمہیں حقنی ہوئی منہدی ملے کو

ابھی تھرن تری ورد زباں تھی
کوئی دم بھر ہوا منکا ڈھلے کو

قبر میں رکھ کے گئے لاش کے لانیوالے
کاندھیاں دے گئے تابوت اٹھانیوالے

یہ بلا کی ہے دھواں دھار لگائی مستی
دن دوپہرے ہیں وہ اندھیر مچانیوالے

مفت دل لیکے بڑے تم تو سیانے ٹھیرے
ہمیں فرمایئے نادان رہے یا نہ رہے

ہم تو صدقے کا بھی بتلا نہ سکے کیا جانیں
سینکڑوں آپ پہ قربان رہے یا نہ رہے

یہ کدھے پردہ دری میں شکستہ حالوں کی
لئے جو ظرف گلی بھی کبھی بجا کے لئے

قدم جو پڑتے ہیں سرکش صدا یہ دیتے ہیں
فلک نے خوب عوض خاک میں ملا کے لئے

ہم نہ بگڑیں گے اگر چشم نمائی ہوگی
پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

شب وصال یہ دشمن ہوا ہے گھڑیالی
ہوئی ہے شام بجا تا گجر ابھی سے ہے

وہاں ہے حشر میں دیدار حضرت موسے
غشی یہاں مجھے آٹھوں پہر ابھی سے ہے

مر کے بھی جس کی رہیں آنکھیں کھلیں
حسرت دید اس کی دیکھا چاہئے

چشم گریاں کو وہی لو ہے لگی ابرو کی
آنچ تلوار کے پانی سے بجھائی نہ گئی

صدا یہ آتی ہے ہر دم مزار یوسف سے
غرور حسن دو روزہ ہیں نازنینوں کے

سنبھل کے گور غریباں پہ پاؤں کو رکھیں
کہ ہم بھی تھے کبھی سرتاج مہ جبینوں کے

غرور حسن سے کیا کیا نہ مہ جبینوں کے
لفافے کھلگئے آتے ہی خط حسینوں کے

کھدو بالیں پہ نہ آئیں ابھی باہر والے
رو رہے ہیں مری میت پہ مرے گھر والے

غور کر بام سے داغ دل روشن کو مرے
چاند نکلا ہے ذرا دیکھ تو اوپر والے

دکھا دل بھی ٹکڑے جب جگر ہوتے ہوتے
ادھر بھی اٹھا درد آدھ سر ہوتے ہوتے

شب وصل گذری مجھے روتے روتے
ہوئی دل میں بھی نشتر نوکِ مژگاں
لو عشق کی وہ ہے کہ پتنگے کو جلا کر
آنسو تھمے مژگاں پہ جبے محنتِ جگر بھی
سر کٹ گئے اک الفت کا کل میں ہزاروں
حسنِ مہِ نو کم ہو ناخن کے بڑھے سے
پھانسیاں زلف کی ٹیٹے میں وہ ٹھگ تیز تو ہے
نہ پوچھو حسرتِ تشنہ دہانی
لگانے تہمت ہے ہر سو نامرادی
ملے گا خاک بتخانے میں جا کر
دل کی جگر کی سینے کی پہلو کی جان کی
پسِ فنا بھی یہ لپکا ہے دید بازی کا
کیا خارِ بیاباں کو غم تشنہ دہانی کا
دل شکستوں کی نہ کیوں آنکھ سے آنسو ٹپکیں
ہوں وہ برگشتہ مقدر جسے پھرتے گذرے
رو رہا ہوں میں چلے تم زلف بکھرا کر کہاں
بجھ رہے ہیں داغ دل تربت میں جانے کے لئے
شمع روئے یار و شمع بزم میں اتنا ہے فرق
برق و باراں سے ہے خلقت عاشق و معشوق کی
ہے چشمِ سیہ میں کودکِ اشک
کیوں موہ نہ لیں دلِ برہمن

سحر اس نے کی ہاتھ منہ دھوتے دھوتے
کلیجے میں نشتر چبھوتے چبھوتے
سر میں جو لگی شمع کے تلوے میں بھی ہے
پھولی ہوئی ٹہنی ہے کوئی شاخ پھلی ہے
وہ رات کہ گھمسان کی تلوار چلی ہے
جو بات بری بھی ہے حسینوں کی بھلی ہے
لوٹ لے ڈال کے کملی مجھے اندھیر تو ہے
وہ مستسقی ہوں جو پانی کو ترسے
تمنائے دلی نکلے کدھر سے
برہمن اور کچھ پوچھیں گے گھر سے
آنسو بجھائے آگ یہ کس کس مکان کی
کہ مر چکا ہوں پر آنکھوں میں جان ہے اٹکی
جو آبلۂ پا ہے پانی کی وہ چھاگل ہے
قطرۂ آب نہ ٹوٹے ہوئے برتن میں رہے
میری مٹی کا جو دانہ کسی خرمن میں رہے
مینہ برستا ہے گھٹا چھائی ہے کالی رات ہے
روشنی گل ہو رہی ہے نیند آنے کے لئے
وہ تو جلنے کے لئے ہے یہ جلانے کے لئے
وہ بنے ہنسنے کو ہم آنسو بہانے کے لئے
بھونرے میں یہ طفل پل رہا ہے
آنکھوں میں بتوں کی موہنی ہے

فرقت میں درازیِ شب و روز
دن ہو کوئی ہے رات ہو گئی ہے

ہر موج مگر ہے تیغ قاتل
جو دم پہ حباب کے بنی ہے

جنوں میں کھیل مچایا ہے سنگ ساری کا
بھری پری ہے لڑکوں کی سنگ سے جھولی

کھلا نہ آہِ سحر سے بھی غنچۂ خاطر
نسیم نے بھی نہ دل کی مرے گرہ کھولی

فوجِ اشک امنڈی ہو کیونکر بچ سکے جائے زمیں
گر پڑے اک دلبہ لاکھوں حسرتِ و غم ٹوٹ کے

اٹھا سکے کوئی کیا سرگرانیِ فرہاد
پہاڑ سے بھی زیادہ یہ بار بوجھل ہے

وہ خالِ چشم ہوا ہے شاد کیوں نہ مانعِ دید
کہ تل کے اوٹ مثل ہے پہاڑ اوجھل ہے

میں ہوا مٹی تو ہم آغوش ہوگی کس سے تو
خاک میں مجھکو ملا کر اے لحد پچھتائیگی

گرہ میں زر ہے مستوں کے گھٹا آئی ہی اتر سے
خدا چاہے تو ساقی آج میخانہ میں مَن برسے

وعدۂ دیدار فردا دل کنارِ گور ہے
ہجر کی شب صبح کے ہونے تک اپنی ہو رہے

یہ شکوۂ شبِ وصل کوئی گھڑی ہے
تو ہو رات تھوڑی کہانی بڑی ہے

نشانِ قبر وہ ہم دل جلوں کے ہیں اے شاد
کہ دودِ آہ ہے دھونی جہاں رمائے ہوئے

قائم ہے ترے ذکر سے میرا تنِ خاکی
کلمہ کے سہارے پہ یہ دیوار کھڑی ہے

کیا جانے کوئی نانِ جویں کا مری رتبہ
اللہ سے چھوٹی ہے پیمبر سے بڑی ہے

سخت جانوں پہ جو کی تیز چھری قاتل نے
گڑھ گئی باڑھ کہیں دھار کہیں بیٹھ گئی

شورِ قلقل سے جھکائے ہوئے سر مینا ہے
یہ مثل سچ ہے وہ بڑے بول کا سر نیچا ہے

جنگل میں مور ناچا مجنوں تو کس نے دیکھا
دیوانگی کا اپنی چرچا گلی گلی ہے

سرگرم آہ ہم ہوں مصروفِ نالہ تم ہو
کام و لب و دہن میں یہ بھی کبھی بدی ہے

ہستی و عدم میں نفسِ چند بشر کے
جھونکے ہیں ہوا کے نہ ادھر کے نہ ادھر کے

اے شاد موج موج ہے تردامنی مری
دریا بہاؤں گوشۂ دامن نچوڑ کے

دشتِ بیابانی میں مجنوں کا نہ دامن چھوٹے
بیستوں پہ لکھے نام کوہ کن سر پھوڑ کے

اس دلِ وحشی کے ہاتھوں ہوں بلا بجان جنوں
آبلے روتے ہیں جنکی بیکسی پر پھوٹ کے

ہر نفس اے چشمِ تر کیوں روئیے
کس لئے ہاتھ آبرو سے دھوئیے

جان زلفوں پر کہاں تک کھوئیے
شام کے عرصے کو کب تک روئیے

خطِ پیشانی مٹایا چاہئے
اشک سے قسمت کا لکھا دھوئیے

کرتا ہے مثالِ خضر باتیں
طوطیٔ خط اُسکا بولتا ہے

سرد مہری سے بتوں کی مر چلے
ٹھنڈے ٹھنڈے ہم خدا کے گھر چلے

دل وہ شیشہ ہے ہوا جو سنگسار
آنکھ کے ڈھیلوں سے بھی پتھر چلے

نیند اُڑی یہ چشمِ روزن کی طرح
کرکے بند آنکھیں نہ اک پل سو سکے

دردِ دل اُس گل سے شبنم نے کہا
ہم نہ اُس ہنس مکھ سے دکھڑا رو سکے

مال کی کیا ہر آن جوکھم ہے
دل لگانے میں جان جوکھم ہے

اُسے دل دیکے صدمے مفت پائے
اٹھائے رنج و غم بیٹھے بٹھائے

دمِ گریہ یہی کہتے ہیں آنسو
بلایا جس نے ہم آنکھوں سے آئے

شاد **شاد**۔ گنگا پرشاد صاحب کایستھ ساکن آگرہ شاگرد مرزا حاتم علی مہر اکبرآبادی۔ سنہ ۱۲۸۰ھ میں ۴۳ سال کی عمر تھی۔ اور عدالت ہائیکورٹ میں وکیل تھے۔ طبیعت نہایت رسا اور شوخ تھی۔ یہ کلام ہے ؎

پھرے گردن پہ جب خنجر تو قاتل سے لڑیں آنکھیں
بلا سے جان جائے دید بازی تو ذرا ٹھیرے

حسینوں کے بیان سے جان تنِ بیجان میں آتی ہے
الٰہی بُت ہمارے واسطے گویا خدا ٹھیرے

نگاہِ شوق سے اُس بُت کو دیکھیں ہم تو کہتا ہے
تمہیں اک گھورنے والے ہوے نامِ خدا ٹھیرے

تلمذ مہر سے ہے شاد کیونکر ہوں نہ خوش طالع
یقیں ہے طبع روشن اپنی جلوہ طور کا ٹھیرے

شاد **شاد**۔ بابو جانکی پرشاد ماتھر قوم کایستھ۔ آپ لالہ درگا پرشاد کے منجھلے صاحبزادے ہیں آپکے دادا لالہ ہردیو بخش خلف لالہ میگھراج اپنے خاندان کے معزز رکن تھے۔ اجداد کی قدیم سکونت جہنجہ فتح پور

متصل ریاست جیپور تھی مگر عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں کسی وجہ سے ترک وطن کرکے فتح پور سیکری ضلع آگرہ میں اقامت پذیر ہو گئے۔ یہاں قسمت نے انکو شاد مانی کا ہرا بھرا باغ دکھایا۔ جاہ و ثروت کی کمی نہ رہی۔ زمانۂ موجودہ میں بھی آپکا خاندان پچاس ہزار روپیہ کا مال گذار ہے اور آپکی ذاتی مالگذاری دس ہزار روپیہ سے زیادہ ہے۔ آپ سمت ۱۹۴۴ بکرمی میں پیدا ہوئے اس حساب سے آپکی عمر ۹ سال کی ہے انگریزی زبان کی تحصیل صرف مڈل تک ہونے پائی تھی کہ سولہ برس کی عمر میں شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپنے لباس ماتمی اتارنیکے بعد ایک ناقابل برداشت بوجھ کو اٹھایا۔ خانگی انتظام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا طبیعت میں قدرت نے انتظامی مادہ دیا تھا۔ اسلئے سارے کام خوش اسلوبی سے سرانجام پائے گئے۔ گورنمنٹ نے بھی انکو باپ کے نقش قدم پر قایم دیکھکر ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بنایا۔ آنریری مجسٹریٹی کے لئے نامزد کیا۔ آپکو نشانہ بازی میں مشاقی گھوڑے کی سواری میں دستگاہ کامل علم موسیقی میں تھوڑا سا دخل ہے۔ انگریزی لٹریچر کے مطالعہ سے خاصی قابلیت حاصل کر لی۔ انگریزوں سے ملاقات کرنے میں اچھی انگریزی بول لیتے ہیں۔ آپ جوانِ رعنا۔ جامہ زیب لطیف طبع۔ خوش بیان شاعر ہیں۔ فصیح الملک داغ دہلوی کو مانتے ہیں اور انکے قابل فخر شاگرد حضرت نسیم بھرت پوری مرحوم سے خاص ارادت تھی۔ علم عروض و قوافی سے بہرہ یاب ہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری سے خاص عقیدت ہے۔ ایک مرتبہ دس منٹ میں خواجہ صاحب کی منقبت میں غزل کہکر درگاہ سے اٹھے۔ نہایت حاضر طبع اور زود گو ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

ہوا ہوں جب سے میں مائل معین الدین چشتی کا
وا دل ہو گیا ہے دل معین الدین چشتی کا

زبانِ شمع شب افروز یہ فرطِ محبت سے
ترانہ ہے سرِ محفل معین الدین چشتی کا

جو مانگا روضۂ پُر نور پر آکر وہی پایا
پھرا محروم کب سائل معین الدین چشتی کا

جگر ہے میرے قابو میں نہ دل ہے میرے کہنے میں
یہ ہے کشتہ وہ ہے بسمل معین الدین چشتی کا

گنہگارِ محبت ہیں نہ ہم بیمارِ الفت ہیں
مگر اچھوں کے بندے ہیں شہید حسن صورت ہیں

غبار آیا ہے کچھ میری طرف سے دامنِ دل پر
تری باتوں سے ظاہر صاف آثار کدورت ہیں

جناب شاد کی تعریف ہم سے ہو نہیں سکتی	سراپا خلق ہیں تفسیر لفظ آدمیت ہیں
غیر کے ملنے سے اور انکار رہنے دیجئے	مجھکو باور آگیا سرکار رہنے دیجئے
نالہ و زاری سے رغبت ہے اگر تھوڑی بہت	اک جرا بستر پس دیوار رہنے دیجئے

شاد۔ شیخ محمد عثمان خلف شیخ عبدالقادر صاحب پنشنر صوبہ دار میجر سب انسپکٹر پولیس پونہ ۱۸۸۵ء میں ولادت ہوئی اس حساب سے اب ۳۰ برس کی عمر ہے۔ ظہیر مرحوم دہلوی کی وفات سے دو برس پیشتر انسے تلمذ حاصل کیا تھا۔ ابتدا میں محمد عبدالرزاق بہار احمد آبادی سے بھی اصلاح لی تھی۔ اکثر شور زمینوں میں تخم ریزی کی ہے۔ جس سے طائر فکر کی قوت پرواز کا حال معلوم ہوتا ہے۔ الفاظ اور محاورات قدیم کا استعمال کلام میں بہت زیادہ ہے مگر بعض بعض اشعار خوب کہہ جاتے ہیں تیر طلب کرتے ہیں۔ زنجیر طلب کرتے ہیں۔ اس زمین میں خوب شعر نکالے ہیں۔ ایسی سنگلاخ زمین میں کتنا صاف مقطع لکھدیا ہے ؎

ایک وہ دن تھا کہ تھی شاد سے نفرت ان کو	ایک یہ دن ہے کہ تصویر طلب کرتے ہیں

گو اس شعر میں کوئی مضمون آفرینی نہیں کیگئی ہے۔ مگر فکر رسا کی رسائی دیکھئے کس خوش اسلوبی سے تصویر کے قافیہ کو سہل ممتنع بنا دیا ہے۔ ۱۹۰۷ء میں رسالہ آفتاب سخن پونہ سے نکالتے تھے جو بند ہوگیا۔ اب انجنیری کے محکمہ میں کلرک ہیں۔ پونہ میں راقم تذکرہ سے ۱۹۱۵ء میں ملے تھے مدتوں خط و کتابت کا سلسلہ رہا۔ جو کلام بھیجا اسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

بلبل ناشاد ہیں یہ سختیاں صیاد کی	کہہ رہا ہے ہونٹھ سی دوں گا اگر فریاد کی
غنیمت جانتا ہوں بیکسی میں دیدۂ تر کو	دم آخر مجھے قطرہ تو مل جائے گا پانی کا
تمہیں شک ہو تو مقتل میں دوبارہ امتحاں کرلے	ہماری طرح دشمن کا کلیجہ ہو نہیں سکتا
تیری ہنسی کی بات مری دل لگی کی بات	آپس میں ہو نہ جائے کہیں دشمنی کی بات
تم قول دے کے قول سے اپنے مکر گئے	یہ آج ہی کا ذکر ہے یہ ہے ابھی کی بات
حضرت شاد وہ کہتے ہیں کہ امید نہیں	ایسے مجمع میں سنے داور محشر فریاد

ذبح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فریاد نہ کر
ہر لبِ زخمِ جگر سے یہ صدا آتی ہے

ہم اونے پونے بیچ ہی ڈالینگے دل کبھی

مٹا نہ بعدِ فنا دل سے داغ حسرت کا

لگی رہتی ہیں جبتک تاک میں صیاد کی آنکھیں

مری آنکھوں پہ پٹی باندھکر مقتل میں لیجاؤ

جان لینے کے لئے تیرِ نظر کافی ہے
پھر ذرا شوخ نگاہوں سے کہو کام کریں

آواز بھی چلمن سے سُنلاتے نہیں اپنی

جامِ الفت نے کر دیا بے خود
اٹھو میکدے سے مستی ملیگی یارو

کبھی تو بھول کر تم یاد کر لو اپنے عاشق کو

قتل پر مرے اٹھاتے تو ہو تلوار مگر

خس و خاشاکِ جہاں کے ہیں مجھے گل سے سوا

مدت کے بعد خواب میں آکر گلے ملے

کچھ نہ کچھ مطلب ہی ہوگا ورنہ یہ ممکن نہیں

جنابِ شیخ کے ہمراہ سے جو پی ہوتی

ظلم اتنا تو مرے حال پہ جلاد نہ کر
کچھ رعایت مری سلنے خنجرِ بیداد نہ کر

لیکن نگاہِ نازِ خریدار دیکھکر

یہی چراغ ہے میرے مزار کے قابل

پھرا کرتی ہیں ہر سو بلبلِ ناشاد کی آنکھیں

نہ دیکھی جائینگی جاں بازِ جلاد کی آنکھیں

آپ کیوں قتل کو شمشیر طلب کرتے ہیں
پھر مرے قلب و جگر تیر طلب کرتے ہیں

دنیا میں انوکھے وہی اک پردہ نشیں ہیں

ہمنشیں ہم چلے سنبھال ہمیں

شیخ بازار میں دوکان لئے بیٹھے ہیں

ترستی ہیں تمہارے دیکھنے کو شاد کی آنکھیں

ٹھہری ٹھہری ہوئی جاتی ہے کمر دیکھو تو

میری آنکھوں سے کوئی دیکھے وطن کا نقشہ

دن پھر گئے ہیں آج شبِ انتظار کے

چھیڑ کر یوں آپ سے اغیار ہنستے بولتے

تو اس گناہ کی پرسش نہ جیتے جی ہوتی

شاد - عالیجناب خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد - سادات حسین الحسنی اور امام زین العابدین سے اپنا سلسلہ نسب ملاتے ہیں - انکا بیان ہے کہ محمد شاہ کے بخشی نواب خاندوران خاں جو نادر شاہ سے لڑائی میں بمقام کرنال مارے گئے آپکے اجداد میں تھے - شاہ گردی میں آپکے بزرگ بھی دہلی چھوڑ کر پٹنہ جا بسے - آپ آجکل کے رؤسائے پٹنہ میں ہر طرح موقر ممتاز اور بارسوخ سمجھے جاتے شاد

ہیں عرصہ دراز تک میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ رہے اور عوام و خواص کو اپنے طرز عمل سے
خوش رکھا۔ انگریزی حکام سے بہت میل جول رہا۔ قیصر ہند مرحومہ اور بادشاہ ایڈورڈ کی ہر تقریب
اور جشن میں بنظر خیر خواہی قصائد تہنیت لکھ کر پیش کرتے رہے اور اسی طرح لاٹ صاحب اور دیگر
جلیل القدر حکام جب کبھی پٹنہ آئے آپنے انکے خیر مقدم میں نظم تہنیت پڑھ کر خاطر خواہ داد حاصل
کی۔ جشن جوبلی شصت سالہ قیصر ہند کی تقریب پر آپنے ایک قطعہ تاریخ تہنیت ۸۰ شعر کا قرمزی
مخمل پر کارچوبی حروف میں زرکار اور سچے موتیوں کی بیل سے سجا کر بطور ارمغان حضور شاہی میں
گذرانا جسکے صلہ میں قیصر ہند کے سکرٹری نے شکریہ لکھ کر بھیجا۔ اور بندگان شاہی کیطرف سے اظہار خوشنودی
کیا۔ اس ارمغان میں کئی ہزار روپیہ لاگت آئی۔ اسی طرح اعلیحضرت نظام مرحوم کی تعریف میں ایک
قصیدہ لکھکر تیار کیا۔ مگر بدقسمتی سے کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ باریابی کا موقعہ ملا اور علالت نے
حیدر آباد جانے نہ دیا۔ آپکی حسن توجہ سے ۱۸۷۳ء میں رؤسا کی جانب سے ایک اخبار پٹنہ سے جاری
ہوا۔ اور آپ چار برس تک اُسکے آنریری اڈیٹر رہے اس زمانہ میں ایک مدرسہ بھی جاری کیا۔ تصنیف
کا ہمیشہ سے شوق رہا۔ چنانچہ چھوٹی بڑی ۲۵ کتابیں اور رسالے ابتک چھپ چکے ہیں جنپر ہندوستان
کے مختلف مشاہیر اور اہل علم سے خاطر خواہ داد پائی۔ ان خطوط کو فریم کرا کے مولانا نے پورا ایک
کمرہ اپنے دولت خانہ میں سجا رکھا ہے۔ خوشنویسی اور شعر گوئی کا یہ عالم ہے کہ پوری ایک الماری نظم و
نثر کے مسودوں سے بھری ہوئی ہے۔ اُردو کے ضخیم کلیات میں صرف رباعیات دس جز میں آئے
ہیں۔ مراثی اور قصائد بھی لاتعداد رقم کئے ہیں۔ ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ جس طرح آپ علوم
و فنون مشرقی کے زبردست ماہر ہیں علوم جدیدہ فلسفی طبعیات و الٰہیات وغیرہ کے دقیق مضامین
اور مسائل بھی بلا تکلف سلیس اور بامحاورہ زبان میں جا بجا نظم فرماتے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں روایات
کاذبہ سے اجتناب کرتے ہیں اور واقعات کی حقیقت و اصلیت قائم رکھتے ہیں۔ میر نفیس مرحوم
نے جب لکھنؤ میں آپکے مرثیہ سنے تو بہت تعریف فرمائی اور اس امر پر تعجب کیا کہ باوجود مبالغہ اور
کاذبی روایات سے احتراز کرنے کے کلام میں پورا درد اور اثر نمایاں ہے اور مرثیہ کی علت

غائی یعنے رقت پیدا کرنے کی صفت معدوم نہیں ہوئی اور اُسی طرح قایم رہی۔

قطعات تاریخ کہنے میں بھی آپکو خاص ملکہ ہے۔ اور پُر گوئی کا یہ عالم ہے کہ قطعات کی تعداد کا اندازہ دو ہزار کے قریب کیا جاتا ہے۔ پٹنہ کے اکثر عمائد کی قبروں اور مکانوں پر آپ ہی کی کہی ہوئی تاریخیں کندہ ہیں۔ اسیطرح مختلف تقاریب شادی وغیرہ پر نہایت کثرت سے رقعہ جات نظم و نثر آپ کی تصنیف سے مشتہر ہو چکے ہیں۔ آپکے کلام میں پختگی اور متانت بدرجۂ اعتدال موجود ہے۔ صفائی زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ پُرگوئی کے باعث البتہ بعض غزلوں میں یہ کیفیت قائم نہیں رہتی۔ اخلاق اور تصوف کی بھی جھلکیاں جا بجا اپنا رنگ دکھا جاتی ہیں۔ البتہ محاورات جا بجا غلط نظم کئے ہیں جس سے اُنکی زبان دانی پر حرف آتا ہے یہ شعر ملاحظہ ہو۔

زرِ گل مفت لٹتا ہے خزاں کی حکمرانی میں
الٰہی خیر ہو وارا نیارا ہے ہزاروں کا

محاورے میں تصرف کرنے سے غرابت لفظی کا عیب پیدا ہو گیا ہے کیونکہ صحیح وارے نیارے ہیں۔ آج تک کسی نے اسکو مفرد استعمال نہیں کیا۔

تذکیر و تانیث کا فرق بھی ملحوظ نہیں رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

اساتذۂ زبان اردو نے مینا کو مونث لکھا ہے۔ مذکر غیر فصیح سمجھا جاتا ہے۔ کلام یہ ہے

پیر مغاں کے معجزے دیکھے چلے ہو واعظو
تم نہ پیو جو مے تو خیر حکم تو دو جواز کا

بارِ سبو وہی اٹھائے جس پہ ہو فضل مے فروش
زاہدِ خشک یہ بھی کیا بوجھ ہے جاں نثار کا

ہیں نگاہ شوق میں متحد ترا کوچہ ہو کہ مقتل گہ
تری جلوہ گاہ میں دونوں ہیں جو یہاں ہے یہ تو وہ کربلا

ہمیں شاد جس کا بہت تھا ڈر وہی پیش آگیا الحذر
تمہیں کہتے تھے کہ امید سے زیادہ نہ رکھو خلا ملا

وہ ذبح کرکے مری لاش پر یہ کہتی ہیں
تڑپ رہا ہے کہ منہ دیکھتا ہے تو میرا

ٹھہر ٹھہر کے پھرا کچھ مزا تو لینے دے
چھری کہاں تری قاتل کہاں گلو میرا

ستم ہے آدمی کے واسطے مجبور ہو جانا
زمیں کا سخت ہو جانا فلک کا دور ہو جانا

شبِ وصل اپنی آنکھوں سے یہ سب انہیں دیکھی ہیں
نقاب انکا الٹنا رات کا کافور ہو جانا

کچھ کہے جاتا تھا غرق اپنے ہی افسانہ میں تھا
مرتے مرتے ہوش باقی تیرے دیوانے میں تھا

دیر تک میں ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھا کیا
چہرۂ ساقی نمایاں صاف پیمانے میں تھا

نگاہ شوقِ مجنوں فرش سے تا عرش جاتی ہے
کہاں تک پردۂ محمل چھپائے رُخ لیلا کو

زباں پہ مرتے ہوئے انکا نام آہی گیا
وہ اک خلوص جو تھا دل میں کام آہی گیا

کہا تھا میں نے کہ واعظ بتوں کا ذکر نہ چھیڑ
خدا کے باب میں آخر کلام آہی گیا

ق

کیا مفت کا زاہدوں نے الزام لیا
تسبیح کے دانوں سے عبث کام لیا

یہ نام وہ تھا کہ جس کو بے گنتی لیں
کیا لطف کہ گن گن کے ترا نام لیا

دہانِ زخم نہیں کس طرح دعا قاتل
تمام عمر تو کھایا کئے نمک تیرا

جہاں میں پھیلے ہیں جتنے مذہب اک ہی آخر کلام نکلا
نہ کشف سے مدعا بر آیا نہ پھر دلیلوں سے کام نکلا

جلو میں پیر مغاں سا رہبر بغل میں ساقی سا فیض گستر
بڑے تکلف سے آیا ساغر بڑے تجمل سے جام نکلا

بڑا تعجب تھا شاد یہ ہے وہ شاد سب جسکو جانتے ہیں
اسی کو سمجھے تھے لا ابالی وہ شیخ بیت الحرام نکلا

پوچھو نہ حال چشم دل آویز یار کا
کھولو نہ راز گردش لیل و نہار کا

پیغام آرہے ہیں برابر وصال کے
ہر ہر نفس فراق میں قاصد ہے یار کا

کٹ جاتی ہیں پہاڑ سی راتیں امید کی
اللہ رے اگر تو مرض انتظار کا

اس کعبۂ مراد کے عارض پہ دی ہے جان
تسبیح حرم چراغ ہے میرے مزار کا

اے باغ کیا رہیگی ہمیشہ یوں ہی خزاں
کیا پھر کبھی نہ آئے گا موسم بہار کا

غزل سے کیا مراد اے شاد ہے صاحب کمالوں کی
کسی دن تصفیہ اسکا مرا دیوان کر دیگا

صفائی دل کی لگا کے عینک کبھی جو کھولی کتاب جسنے
حرام جو تھا حلال نکلا حلال جو تھا حرام نکلا

رہے دلبستگی غم سے بڑھے ہے سوز و گداز اس کا
گرہ کھل جائیگی اُن کی تو کھل جائیگا راز اسکا

جفا و مہر میں بھی فرق کرنا سخت مشکل ہے
وہ خود چاہیں تو ہو عاشق کو حاصل امتیاز اسکا

اب اس کا ذکر کیا قاصد یہ جو گذری وہ گذری
نہ کہنا اس خبر کو شاد سے دل ہے گداز اسکا

روپ پر حسنِ خداداد کو آنے دیجے
آئینہ ہاتھ میں ہوگا کبھی شانہ ہوگا

بال سلجھاتے ہیں ہر وقت مگر میرے بعد
یوں ہی رکھا ہوا آئینہ یہ شانہ ہوگا

روح چھپتی ہے جو آتا ہے عدم کا مذکور
موت کہتی ہے مقرر تجھے جانا ہوگا

زاہد سے جب سنو تو زبان پر ہے ذکرِ حور
نیت ہوئی خراب تو ایمان کب رہا

کبھی تو آپ کے حسرت زدہ سمجھ لینگے
کبھی تو موقعِ اظہارِ آرزو ہوگا

اُف اُف وہ ہتھیلی سے اُنکا شرما کے چھپانا آنکھوں کو
برچھی کا ادا کی چل جانا اُس تیز نگہ کا رہ جانا

ہم باغ میں ناحق آئے تھے بلبل کی حکایت کیا کہیے
منقار کو رکھکر کلیوں پر کچھ اپنی زباں میں کہہ جانا

جب اہلِ ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا
ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آپ کا

احوالِ جوانی پیری میں کیا عرض کروں اک قصہ ہے
وہ طرز گئے وہ وضع گئی انداز گیا اسلوب گیا

زیست ہے نام تیری فرقت کا
کچھ ٹھکانا ہے اس مصیبت کا

زندگی بھی لقب اسی کا ہے
نام مرنا بھی ہے محبت کا

مطیع عشق بنایا ہے ایک عالم کو
کہاں کہاں جاری ہے حکمِ عام ترا

نہ اضطراب ہے باقی نہ بیقراری ہے
ہمیں تو موت نے پہنچا دیا پیام ترا

تو ہی بتا کہ رسائی ہو شاد کی کیونکر
کمندِ آہ سے اونچا بہت ہی بام ترا

زندگی تک فقط اے شاد عداوت کرلی
میرے مرجانے پہ مداح زمانہ ہوگا

ترے عاشقوں کی بھلی کہی یہ اُمنگ ہے کسے عشق میں
کہ وہ کام کرتے ہیں شیب میں کہ جو مقتضا ہے شباب کا

مرے قاصدوں کی خبر صبا جو سنا سکے تو یہ جا سنا
کوئی انتظار میں مر گیا کوئی منتظر ہے جواب کا

جو مرگئے ترے دھیان میں وہ غریق اپنے ہی حال میں
نہ کریں گے شکر ثواب کا نہ گلہ کریں گے عذاب کا

یہی آرزو ہے ملیں اگر مجھے شاد مجلسِ وعظ میں
کہیں ان سے کان میں جھک کے ہم کہ خیال کیا ہے جناب کا

سراپا یاس ہو تیلیا سراپا درد ہو تلملا
غفلت میں ہوئی اوقات بسر اے عمر گریزاں کچھ نہ کیا
کچھ ضبط فغاں نے کام آیا بات آگئی آخر کہنے میں
اے تنگ جہاں ای شاد حزیں کچھ شرم بھی اسکی ہے کہ نہیں
پھر ضرر کیا تری یکتائی میں پیدا ہوتا
میں تو اک حسرت و اندوہ کا پتلا ٹھیرا
جہاں ہے مکتب الفت خموش ہو رہنا
بانٹی جنھوں نے خلعت تقسیم کی تھی دولت
کٹتی تھی عمر صعوبت میں مرنے والوں کی
لقب کیونکر نہ ہو طبع رسا معجز رقم میرا
ترے رستے میں ثابت پا کے اک حسرت سی آتی ہے
ہوس سو کی نہ دو سو کی اسی اک خم کا طالب ہو
فقط شکر و شکایت کے لئے اک آدھ رکھی ہے
جانے بھی دے محل یہ نہیں کبر و ناز کا
صانع کو دیکھنا ہے تو عالم پہ کر نظر
اس عیش مستعار پہ ہوتے ہو یا نہ خوش
اُن کی نگاہ ناز جو بیٹھی تو دیکھنا
ترک امید بھی مری آنکھوں میں ہے امید
تجھ میں پوشیدہ دلا نالۂ غماز بھی تھا
اب تو ہلنے کی بھی طاقت نہیں باقی صیاد
ہزاروں کام معطل ہیں ایک دل کے بغیر

جہاں تک بن پڑے اے جسم لاغر زرد ہوتا جا
جانے کا وہاں کے شوق ہی تھا جانے کا سامان کچھ نہ کیا
سب ہم نے کیا جو ہم سے ہوا پر ہم نے مری جان کچھ نہ کیا
اے جہل مرکب اے حیوان اے بے خبر انسان کچھ نہ کیا
سمجھا ہوتا جو کوئی وہ بھی تجھی سا ہوتا
بھول جاتا تجھے پر تو تو نہ بھولا ہوتا
پڑا گنا وہاں ہے الف سے بے کہنا
مردہ بھی شاد اُن کا محتاج ہے کفن کا
لحد میں پاؤں غریبوں نے اب دراز کیا
عصا موسیٰ نبی کا تیغ حیدر کی قلم میرا
خود اپنے نقش پا کو مڑ کے تکتا ہے قدم میرا
تری سرکار سے ساقی نہ روزینہ ہو کم میرا
حقیقت میں جو سچ پوچھو کرم ہے یہ ستم میرا
آخر شب رات وقت ہے راز و نیاز کا
آئینہ آئینہ ہے خود آئینہ ساز کا
احسان مانتا ہوں غم دل نواز کا
منہ دیکھتی رہے گی حقیقت مجاز کا
لے پاس حوصلہ نہ رہا امتیاز کا
کیا سمجھتے تھے کہ اک تیر انداز بھی تھا
کبھی اس باغ میں میں لائق پرواز بھی تھا
چلا گیا ہے پرائے کے بس میں حال اپنا

کوئی تو روئے گا اے شاد اپنی محنت پر

بسی ہوئی ہے امیدوں کی اک نئی دنیا
مریضِ غم کو عبث پوچھتے ہیں مجھ سے آپ

محو ہیں اپنی جگہ آسودگانِ کوئے دوست
خط گلے میں پڑ گیا تھا خون دیتی تھیں رگیں

ہو گئے دنیا کے اندر کیسے کیسے انقلاب
تو بڑا عاقل ہے ناصح تو ہی سمجھا دے مجھے

کس خوشی سے تہنیت دیتے ہیں دے کے پیتا پھر لب
شاد اہلِ تنگ یوں ہی تنگ ہیں زیرِ زمیں بیجا تنگی

نکلے آتے ہیں زمیں سے پھول کس کس رنگ کے
اپنی بربادی سے بھی نکلا نہ کوئی مدعا

لاشۂ عریانِ عاشق کا کوئی دیکھے وقار
رہے جو پاس سے محفوظ ڈھونڈ ایسی تمنا کو

نہ کہہ ناصح برا ہم میکشوں کو تیری پیری ہے
چشمِ سیہ میں سرمہ دے زلفِ رسا میں شانہ کر

شستگیٔ زبانِ عبث لیے پھرتے ہیں خار و خس
ہو گئے راستے سے وہ گرد و غبار دیکھ کر

تنگ نہ کر خدا کو مان اے مری دل گرفتگی
شبنم اگر ہے چشم نم خندہ زناں ہے عندلیب

دل ہی میں لیجئے صبا دل کی اس آرزو کو ہم
میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر

کوئی تو یاد کرے گا کبھی کمال اپنا
اسی کی شان ہے آنے سے دل کی وسعت کیا

گذر چکا ہو جو حالت سے اسکی حالت کیا
آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست

وائے قسمت کس جگہ آکر تھکا بازوئے دوست
آسماں بدلے زمیں بدلی نہ بدلی خوئے دوست

کون سنے رہ رہ کے دلکو کھینچتی ہے سوئے دوست
وصل کی شب ہے مبارک دست کو پہلوئے دوست

ہم انہیں آنکھوں سے اک دن دیکھ لینگے روئے دوست
شعبدے دکھلا رہی ہے نرگسِ جادوئے دوست

لے اڑی آخر بگولے بنکے خاکِ کوئے دوست
ڈھانکتی ہے اٹھ کے کس الفت سے خاکِ کوئے دوست

نہ ہو حسرت کا جسکو خوف وہ ارمان پیدا کر
خدا کو مان ظالم کچھ تو اب ایمان پیدا کر

قتلِ جہاں کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر
چھوڑا ابھی برونِ در فکرِ درونِ خانہ کر

رہ گئی میری بیکسی سوئے مزار دیکھ کر
جائیں گے خود قفس میں ہم اب کی بہار دیکھ کر

دونوں یہ دو اثر ہوئے ایک بہار دیکھ کر
دے نہ سکے پیام کچھ طرۂ مشکبو کو ہم

دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

اے شوق پتہ کچھ تو ہی بتا اب تک یہ کرشمہ کچھ نہ کھلا
مرغان قفس کو پھول اُنے اے شاد یہ کیا بھیجا ہے

میں شاد تنہا اک طرف دُنیا کی دُنیا اک طرف
دیدارِ جاناں کا بھلا کیونکر تحمل ہو سکے

وہ تیغ سے ٹیکے کہتے ہیں دیکھیں تو حق پر کون ہے
چاند سے منہ پہ خال وہ ایک فقط پہ رخ پہ ایک

عشوۂ دل گداز وہ ذبح کرے جو بے چھری
نرگس پُرخمار یار کرتی ہے کام زہر کا

جہاں چاہو میسر ہے نہ میلا ہو نہ بوسیدہ
ہونگی زیادہ اس سے بھی عشق میں جگ ہنسائیاں

فصلِ خزاں ہے بد بلا اس سے خدا نباہ دے
ترچھی نظر سے لیکے کام پھیر کے منہ چلے گئے

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
دلِ مضطر سے پوچھ اے رونق بزم
لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے

دل گیا سینہ سے جب اپنے تو آزادی کہاں
اس گلی کی خاک جتنی چھاننی ہو چھان لیں

نہ مے فروش نہ بلبل نہ بادہ خوار ہیں ہیں
بدعہد ہی بلکہ دل آزار ہی ہیں

نعمت ہیں حسرتیں جو دلا انتہا کی ہیں
انہیں دیکھو کہ اب تک غفلتوں سے کام لیتے ہیں

ہم میں ہے دلِ بیتاب نہاں یا آپ دلِ بیتاب میں ہم
آجاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاد اب ہیں ہم

سارا سمندر اک طرف آنسو کا قطرہ اک طرف
ترچھی نگاہیں ایک سو زلف چلیپا اک طرف

ہم اک طرف شاد اک طرف سارا زمانا اک طرف
اس سے خرابی عبث رنجِ بے تابیِ جسم

نازِ دُشمن وفا رحم کی جس کو ہے قسم
یا وُہ خوشگوار ہیں گھول دیا کسی نے سم

خدا نے کیا شرف لکھا ہے مشتی کے بچھونے میں
دل نے تو آپ مول لیں اپنے لئے برائیاں

منہ پہ صبا کے بھی گلو چھٹنے لگی ہوائیاں
ہائے رے کم نگاہیاں ہائے رے کج ادائیاں

کھلونے دیکے بہلایا گیا ہوں
میں آپ آیا نہیں لایا گیا ہوں
بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

جس کا مالک مر گیا اُس گھر میں شادی کہاں
اے اجل پھر ہم کہاں وہ دل کی بربادی کہاں

سبب ہے کچھ جو تماشۂ بہار میں ہیں
سب کچھ ہیں مگر پھر مرے غمخوار ہی ہیں

آخر نشانیاں یہ کسی آشنا کی ہیں
ہمیں دیکھو کہ بے دیکھے انہیں کا نام لیتے ہیں

ہوا نا شور سینہ میں تو دل ہنس ہنس کے یوں بولا
نظر بھر کر کہاں ساقی کی آنکھیں دیکھنے پائے

امیں اور سیر لالہ و گل ہجر یار میں
اسیر دل کو صبا مژدہ بہار آنے کا دیتی ہے

دل ہے کہ مرکھپا ہوا نذر ہے کس کا حسن
الفت بتوں کی حق ہے ہمارے یقیں میں

وہ حسرتیں لحد میں ہیں دنیا تھی جن سے تنگ
آب و ہوا ہمیں نہیں دنیا کی سازگار

عبث و ریاضت کرتے ہو سبب اس سخت جانی کا
دل یہ کہتا ہے نہیں کچھ کتابوں پہ نجا

فکر کر رکھتی ہے سر اکیلئے گرما میں
دشت امید کی جانب جو بڑھاتا ہوں قدم

فنا کے بعد لحد پر وہ آکے روتے ہیں
الفت میں تری پاک ہر الزام سے ہم ہیں

جس چیز کو کہتا تھا برا صبح سے واعظ
نگاہ شوق مجنوں فرش سے تا عرش جاتی ہے

لباس اہل تقویٰ پر نہیں کچھ منحصر واعظ
ہے عطا تری ہے کرم ترا وہ ستم کہ جس میں دوام ہو

کبھی دشت غم میں پھرا کریں کبھی انکے در پہ پڑے رہیں
یہ دو زندگیاں تو خلاف ہیں نہ بنے گی شاد سے ساقیا

جب میں کہتا ہوں گوارا مری ذلت نہ کرو

ادھر ہم کام کرتے ہیں ادھر انعام لیتے ہیں
یہ تہمت مفت کی زندان سے آشام لیتے ہیں

کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں
جو اڑنے کی نہیں طاقت فقط پر تول لیتے ہیں

کیا کہوں اس کی وجہ کو ترک ہوئی نماز کیوں
چھوڑیں جو اسکو ہم تو خلل آئے دین میں

وسعت کہاں کی آگئی دو گز زمین میں
اب جا رہے ہیں گے اور کسی سرزمین میں

خدا معلوم ہم اے شاد کس مطلب سے جیتے ہیں
قدرت صانع مخلوق کے دفتر ہم ہیں

ایک چیونٹی سے بھی تدبیر میں کمتر ہم ہیں
موت آہستہ سے یہ کہتی ہے کہ سر پر ہم ہیں

کہاں کی چھیڑ نکالی ہے کہ دھو سوتے ہیں
دل پاس نہیں ہے تو کس آرام سے ہم ہیں

بوتل میں یوں ہی چیز بھرے شام سے ہم ہیں
کہاں تک پردہ محمل چھپائے روئے لیلا کو

کہیں کیا ہم نے کس کس شغل میں دیکھا ہے دنیا کو
اگر اس میں کوئی کلام ہو تو بہشت مجھ پہ حرام ہو

ہمیں مثل اپنے بنا فلک کہ نہ کوچ ہو نہ مقام ہو
جو خمار ہو تو ہمیشہ ہو جو شراب ہو تو مدام ہو

سر جھکا لیتے ہیں کہتے ہیں محبت نہ کرو

زیادہ ہم سے کہیں تم ہی ہارے، امید کیوں تجھ سے بچھ گیا
اجل سلادیگی سب کو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر
یوں ہی راتوں کو تڑپینگے یوں ہی جاں اپنی کھو رہینگے
وفاداروں کا خوں اسوقت رنگ اپنا دکھائیگا
زندگی ہے دل کو بھاری موت عزت کو پسند
پلٹ کر پھر نہ پوچھا شاد جیتا ہے کہ مرتا ہے
گستاخ بلبلوں سے بھی بڑھکر صبا ہوئی
موتی تمہارے کان کے تھرا رہے ہیں کیوں
بس اب جواب ملیگا یہی رہی امید
پلٹ کے دیکھ تو لیتا دیا تھا گر نہ جواب
نہ خم نہ جام نہ میخوار بزم ہے سنسان
رہا کیا ہے دل ویران میں اک ارمان خالی ہے
احوال ہے برہم اعضا کا اس دل کی شہادت دیتے ہیں
جو رات کٹ گئی ہے کیا آئیگی نہ اب کے
بیٹھی بلا کی صورت آخر شب جدائی
اے شاد دیکھتے ہو کچھ شمع بجھ چلی ہے
ہزاروں آرزوئیں ساتھ ہیں لیکن اسیر اکیلی ہے
ہم اور گل دونوں ہی باغ جہاں کے پھول ہیں لیکن
دل کو میل آتا ہے فرقت سے نہ ساز آتا ہے
بھلا منظور ہوا اپنا تو خدمت کر فقیروں کی
نہ دوست اور نہ کسیکا کوئی عدو نکلے

یہ زعم اپنا بہت غلط تھا کہ تو ہمیشہ جوان رہیگی
نہ ہم رہینگے نہ تم رہوگے نہ شاد یہ داستاں رہیگی
تری مرضی نہیں اے درد دل اچھا نہ ہونگے
وہ مقتل میں خفا ہو ہو کے جب تلوار دھوئینگے
بات نازک ہی بہت ہے شاد تو مشکل میں ہے
وفادار عدم میں تم بھی جا کر بے وفا نکلے
کچھ جھک کے گوش گل میں کہا اور ہوا ہوئی
فریاد کس غریب کی گوشِ آشنا ہوئی
پکارتے ہیں تجھکو پکارنے والے
حیا سے گڑ گئے تجھکو پکارنے والے
غرض سدھار گئے سب سدھارنے والے
جدھر کو دیکھئے کوسوں تلک میدان خالی ہے
لشکر میں تلاطم برپا ہے سردار کے مارے جانے سے
پھر شمع کیوں بحسرت منہ دیکھتی ہے سب کے
کچھ آج شام ہی سے آثار تھے غضب کے
دلسوز تھے پتنگے کیا جانیں اس کے کب کے
ہماری روح سے بوجھی ہوئی اب تک پہیلی ہے
وہاں مٹھی میں زر ہے اور یہاں خالی ہتھیلی ہے
اور نہ کمبخت ترے عشق سے باز آتا ہے
قضا کو روک دیتی ہے دعا روشن ضمیروں کی
اگر یہ نقش شاد ہیں تو تو ہی تو نکلے

عجب نہیں کوئی مے خوار راہ میں ملجائے
جو گھر سے نکلے تو انسان باوضو نکلے

یہ دیکھی ہے جسے جبتک سے جینا اسی کا ہے
پیئے جو سیر ہو کر رات دن پینا اسی کا ہے

الم کی برچھیاں جو سہ سکے سینہ اسی کا ہے
ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اسی کا ہے

تصور اس رخ صافی کا رکھ مدنظر ناداں
لگائے منہ جو آئینے کو آئینہ اسی کا ہے

قدم اپنا فراز ہمت عالی پہ رکھتا جا
جسے سب کہتے ہیں زاہد عرش زینہ اسی کا ہے

بسر ہو میکدہ میں پنجشنبہ مثکر جس کا
جو مینوشی میں کر دے صبح آدینہ اسی کا ہے

فضائے دہر میں یہ سیر گھر جس نے بنا دی ہے
تماشائے جہاں میں دیدۂ بینا اسی کا ہے

کدورت سے دل اپنا صاف رکھو شاد پیری ہے
کہ جس کو منہ دکھاتا ہے یہ آئینہ اسی کا ہے

شاد

شاد - منشی اکرام احمد خلف مولوی اعجاز احمد صدیقی بدایونی۔ آپ شیخ عبدالرحمن متولی کی اولاد میں ہیں جو شیخ عبداللہ جی کے فرزند اکبر تھے سنہ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اردو۔ فارسی۔ انگریزی میں کافی استعداد ہے آج کل آپ محکمۂ پوسٹ آفس میں کلرک ہیں۔ اشعار میں حسن ترکیب بلندی فکر و سادہ بیانی کا خیال رکھتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت احسن مارہروی کے شاگرد ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے

یہ حشر ہے کہ وہ نامہرباں نہیں ملتا
ملے گا حشر میں کیا جو یہاں نہیں ملتا

قفس سے چھٹ کے ہواؤں میں خانماں برباد
کہ شاخ گل پہ مرا آشیاں نہیں ملتا

یہ کس کی موت پہ اب رنج کا اظہار رہنے دیں
ملا کر خاک میں دل کو وہ جھوٹا پیار رہنے دیں

ہماری جان بخشیں دیکھے دل بس ہم نے بھر پایا
ہمیں بیمار رہنے دیں ہمیں بیمار رہنے دیں

میں سنے جاؤں محبت میں برابر طعنے
تم کہے جاؤ برا ہاں سر محفل مجھکو

جان محزوں کے شب ہجر پڑے ہیں لالے
چین دیتا نہیں دم بھر کے لئے دل مجھکو

فلک سے کیا گلہ وہ رو ہجر یار مجھے
کہ اپنے دل پہ نہیں آپ اختیار مجھے

نہ صبر لے مری حسرت کا صبر اے اجل
ٹھہر ٹھہر کہ ہے قاتل کا انتظار مجھے

گذر گیا کوئی جی سے تو اُن کو یاد آیا	جفا کے بعد وہ سمجھے وفا شعار مجھے
اُسی کا ترکِ ستم بھی ستم میں داخل ہے	بنائے کیوں وہ کرم کا امیدوار مجھے

شاداب

شاداب ۔ جناب سید مہدی حسن خاں صاحب بہادر خلف جناب امیر حسن خاں بہادر مہین فرزند نجم الہند حاجی مولوی مولا بخش خاں بہادر۔ ی۔ ایس۔ آئی تعلقہ دار رسول پور ضلع مظفر پور۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۲۸۰ھ میں ہوئی۔ آغاز شاعری میں تعلی تخلص کرتے تھے اور اپنی خیال بندیوں کے ذریعہ سے اہل معنی کو طبیعت کی کرشمہ سازیاں دکھاتے رہے۔ پھر شاداب تخلص رکھکر ابر فصاحت کی آبیاری سے کشت سخن کو تر و تازہ کیا اور اپنے برادر بزرگ جناب مولوی حکیم محمد ہادی حسن خاں متخلص بہ نایاب کے شاگرد ہو گئے۔ انکے راہی عدم ہو جانے پر حضرت امیر مینائی لکھنوی کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آپ کی زود گوئی مشہور ہے کہ مشاعرہ میں جانے کیلئے فٹن پر سوار ہوئے اور اثنائی راہ میں دس پندرہ منٹ کے اندر طرح کی غزل تیار کر لی۔

حضرت امیر مینائی مرحوم سے آپ کو دلی محبت تھی اور اُن سے بے تکلفانہ ملتے تھے۔ شعر کمتر کہتے تھے مگر جو کچھ کہتے وہ انکو دکھا دیتے تھے آپکا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ افسوس ہے کہ سنہ ۱۳۰۷ھ میں روز یکشنبہ ماہ شعبان میں آپنے عالم فانی کو الوداع کہکر گلزار بقا کو سرسبز و شاداب فرمایا۔ انتقال سے تھوڑی کچھ دیر پہلے یہ رباعی کہی تھی ؎

موت آئیگی مرجائینگے ڈرنا کیا ہے	مرضی ہے یہی رب کی تو کرنا کیا ہے
دل کی اُلجھن تو دور ہو جائیگی	یہ راز تو کھل جائے گا مرنا کیا ہے

آپنے اپنا کلام کبھی جمع نہیں کیا طرز کلام سادہ اور صاف تھی۔ معاملہ بندی اور مضمون کی طرف بھی طبیعت کا رجحان پایا جاتا تھا کہیں کہیں استعارہ کے نمک سے شعر کو نہایت مزیدار بنا دیتے تھے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہے عکسِ رُخ سے ترے ساغرِ شراب میں چاند	عجب یہ ہے نظر آتا ہے آفتاب میں چاند
عقبیٰ کا ذرا دھیان نہیں دارِ فنا میں	گھر بھول گئے چار گھڑی رہ کے سرا میں

اے آہ ہی اشک کے پانی میں نہالے
بے غسل کئے جاتی ہے درگاہ خدا میں

کیوں شگفتہ نہ داغ ہوں دل کے
پھول سب ہیں تمہاری محفل کے

ہم پر آیا ہے پھونکنے افسول
سر پہ کیا جن چڑھا ہے عامل کے

ہے خموشی جواب واعظ کا
منہ لگے کون ایسے جاہل کے

لطف رونے کا جب ہے اے غم یار
آئے اشکوں میں خون دل کے

منفعل باب اجابت سے جو ہے آئی ہوئی
ہم دعا سے اور دعا ہم سے ہے شرمائی ہوئی

کون سی بات آگئی یاد آنکھ اٹھتی ہی نہیں
اک ذرا دیکھو تو چتون کیوں ہے شرمائی ہوئی

چارہ گر یہ نہیں جینے کا دوا رہنے دے
ہو گی اب خاک شفا خاک شفا رہنے دے

بے خرد ہوش میں آ فکر مداوا کیسی
چارہ گر وقت دعا کا ہے دوا رہنے دے

ملک الموت کو بھی موت کا ارماں ہوجائے
نزع میں سر جو وہ زانو پہ دھرا رہنے دے

دل کے آئینہ میں رخ عکس فگن کسکا ہے
دیکھئے شہر حلب میں یہ حسین کسکا ہے

بے دہانی کا ہے دعویٰ تمہیں تقصیر معاف
بوسہ لیکر میں بتا دوں یہ دہن کسکا ہے

دل میں دنیا کے خیالوں کو جگہ دوں کیونکر
یہی ظالم ہیں تری یاد بھلانے والے

آئے وہ گور غریباں میں تو حسرت سے کہا
سوتے ہیں یہ مرے راتوں کو جگانیوالے

کوئی روئے کوئی پیٹے تجھے کیا پروا ہے
تو ہنسے جا مرے ہنس ہنس کے رلانیوالے

کس کا گھر پھنکتا ہے یہ آگ کہاں لگتی ہے
اک ذرا سوچ تو اے او دل کے جلانیوالے

یہ جو سینہ کے پار ہے کیا ہے
غمزہ ہے یا کٹار ہے کیا ہے

ہاتھ ماتھے پہ دونوں آنکھیں بند
نیند ہے یا خمار ہے کیا ہے

کون سی شے چھپی ہے محرم میں
سیب ہے یا انار ہے کیا ہے

ایسے مرجھائے کیوں ہوئے شاداب
درد سر ہے بخار ہے کیا ہے

شاداب **شاداب** - شیخ احمد بخش ولد شرف الدین ساکن آگرہ شاگرد مولوی نیاز علیصاحب پریشاں

۱۲۶۰ھ میں ۴۲ سال کی عمر تھی اور اکبرآباد میں جمنا کے پل پر محرر رہتے تھے اپنے اُستاد کے جاں نثار شاگرد تھے۔ یہ کلام اُنکا انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوتا ہے ؎

خطاکی میں نے بیشک زلف مشکیں کی چھولی
طبیعت میں جو کچھ آئے وہی میری سزا ٹھہرے

زباں سے کیا نکالیں ہم سنیں کیا اُسکے شکووں کو
خدایا سن وہ کیا سمجھے ہمارے جی میں کیا ٹھہرے

رہا شاداب برسوں ہمکو لیکا دید بازی کا
حسینوں کا جھگڑا دیکھنے کو جابجا ٹھہرے

شاداں ۔ منشی شرف الدین شاداں قدیم زمانہ کے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ متروک شدہ ترکیبیں اُنکے کلام میں بہت پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ فکر کی رسائی اچھی ہے مگر کلام اسقام شعری سے پاک نہیں زیادہ حال معلوم نہیں کہ کہاں کے تھے اور کس کے شاگرد تھے۔ ایک پرانی قلمی بیاض میں کچھ غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎ شاداں

آج اُس خوش ادا نے کام کیا
باادب مجھکو جھکے سلام کیا

حلقۂ زلف عنبریں میں سجن
واسطے بے دلاں کے دام کیا

شکر کر تو خدا کا اے شاداں
اُس بت سنگدل کو رام کیا

ہے مجھے ورد زباں تجھ نام کا
یہ وظیفہ ہر صبح و ہر شام کا

نگہ کے تیر سے ابرو کماں نے
اچانک آنکے زخمی کیا دل

ہاتھ آوے جو کہیں یہ رقیب اے شاداں
سر سے تا پاؤں جدا کیجئے پوری پوری

رنگ پچکاری بھری شوخ نے چولی چوری
لے گلال آپ پکارا کہ ہوری ہوری

شاداں ۔ فخر قوم و افتخار انام ملک سخنوری شاداں ناظم ستودہ خصال راجہ راجگان مہاراجہ چندولال مور د افضال ذوالمنن وزیر اعظم و مدار المہام سرکار نظام۔ انکے والد رائے نراین داس خلف رائے لچھمی نراین کھتری رائے بریلی کے عمائدین میں سے تھے۔ انکے چچا رائے نانک رام کشتکر گیری دکن تھے انہوں نے انہیں کے ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ اور نواب ارسطو جاہ کے وزارت میں ملازم ریاست ہو کر درجہ بدرجہ ترقی پاکر نواب سکندر جاہ کے عہد حکومت ۱۲۲۰ھ میں عہدۂ پیشکاری وزارت آصفیہ پر ممتاز شاداں

ہوئے۔ بہت بڑے منتظم فیاض و نیکنام اور انکی سیرچشمی اور دریا دلی کے متعلق آجتک صدہا حکایتیں زبان زد خاص و عام دکن میں جو اعلیٰ درجہ کی عزت و نیکنامی انہیں ملی آجتک کسی امیر وزیر کو نصیب نہیں ہوئی۔ مہاراجہ صاحب نے شاہ نصیر دہلوی سے استفادہ کیا تھا اور اپنا دیوان نواب الٰہی بخش خاں معروف کے پاس بہتیا بھیجا تھا۔ سحر البیان و شیریں زبان تھے۔ انتظام ریاست میں منہمک رہنے کے باوصف ارباب کمال کے عموماً اور شعرا کے خصوصاً قدردان تھے۔ اُستاد ذوق اور حضرت ناسخ کو آپنے دکن بلایا۔ بتیس برس تک منتظم ریاست دکن رہکر سنہ ۱۲۶۱ھ میں راہی ملک بقا ہوئے اور اکثر اہل کمال کو لاوارث کر گئے جملہ ماہران علوم و فنون کے قدردان تھے۔ بالخصوص شاعری کا شوق اسقدر تھا کہ دو سو سے زیادہ شعرا وابستۂ دامن دولت تھے۔ سخاوت کی بابت ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ جبتک دس ہزار روپیہ خیرات نہ کر لیتے رسوئی نہ کھاتے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس روایت میں کسیقدر مبالغہ ضرور ہے۔ تاہم اسمیں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ بڑے سیرچشم اور عالی حوصلہ باذل امیر تھے۔ مہاراجہ صاحب مرحوم کے زمانہ سے عہدۂ پیشکاری اس خاندان میں موروثی ہے۔ موجودہ جانشین مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کو سرکار نظام سے وزیر افواج اور مدار المہامی کی عزت ملی۔ مہاراجہ مرحوم فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے فارسی میں قتیل کے شاگرد اور معتقد تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے آپکا اُردو دیوان چھاپ کر شایع کر دیا ہے اور سوانح عمری شہرت کدۂ آفاق بھی چھپوادی ہے۔ آپکا کلام تصوف اور معرفت کے رنگ سے پُر ہے اور اس زمانہ کی سیدھی سادھی زبان کا مرقع ہے ؎

سب ہوئے محو اُسے دیکھ جدہر سے نکلا	تھی تعجب میں کہ یہ چاند کدہر سے نکلا
کسی کے پڑ کے گلے دل کا ہار ہو رہنا	بنے تو پھول بنے ورنہ خار ہو رہنا
گئے وہ دن کہ وہ رہتا تھا صورت سیماب	ملا تھا رات کو شاداں بہت خموش رہا
جب غنچہ نے سر اپنا گریباں سے نکالا	بلبل نے قدم پھر نہ گلستاں سے نکالا
چین کسطرح سے ہو چھوڑ کے بھلا در اپنا	بھول جاتا ہے مسافر بھی گھر اپنا
صبح کو جو کچھ وہ کہتا تھا سراسر لاف تھا	کیونکہ آیا رات کو گر دلمیں ہم سے صاف تھا

پھول سی تو ہے نہایت بلکہ صبا سے نازک — میں چھپا لوں گا تجھے آ مری داماں میں آ
اپنے معشوق سے ہم جوش میں آ — کب سے کہتے ہیں کہ آغوش میں آ
پردۂ چشم اٹھا، دیکھ ادھر — آتنا بیہوش نہ ہو، ہوش میں آ
جس نے اُسے جانا پھر اُس ہی کو لیا جانا — بس وہی موحد ہے جو ایک خدا جانا
سوائے لطف کے ایسے بہار میں کیا تھا — بجز پیالۂ کفِ بادہ خوار میں کیا تھا
جلوۂ حسن تیرا کیا کہیے — جس نے دیکھا وہ بس نشانہ تھا
کیا عاشق کو تو نے یوں نظربند — کہ جوں آنکھوں میں پتلی ہے نظربند
جدھر دیکھا مری نظروں میں تو تھا — مثال آئینہ خود روبرو تھا
نہ تھا کچھ ہوش محوِ بے خودی تھا — کبھی میرا یہ رنگِ عاشقی تھا
مکاں ایک ہی گرچہ راہیں ہیں دو — یہ دَیر آپ کا وہ حرم آپ کا
جب سے دیکھا ہے نہ ہوش رہا — ہو کے حیرت زدہ خموش رہا

[illegible]

دیکھا تو خواب میں بھی ترا ہی خیال تھا — اٹھا جو چونک کر وہی شوقِ وصال تھا
جس نے دیکھا اسے سو جان سے تماشائی تھا — طاقِ نسیاں پہ وہاں دفترِ دانائی تھا
گل میں جوں رنگ ہو پیوستہ نزاکت آمیز — پیرہن یار کا یا جامۂ زیبائی تھا
نقشِ دیوار ہوا دیکھ کے ہر ایک اس کو — تل کے غازہ کو وہ جب محوِ خود آرائی تھا
سختیاں عشقِ بتاں میں نہ اٹھاؤ شاداں — کون جوڑے گا اُسے دل جو تمہارا ٹوٹا
اس طرف دھوم سے ساون کا مہینا آیا — اُس طرف یار لئے ساغر و مینا آیا
بھلی لگے ہے کسے سیرِ بوستاں تنہا — نہ جاؤں باغ کو بے یار باغباں تنہا
جس طرح بحر میں حباب رہا — اپنا اس طرح سے شباب رہا
راہبر ہو تو تجھے تا سرِ منزل پہنچائے — راہ تو دور ہے اور بیچ میں روڑے پتھر
کام رستم کا کرے جو اُسے کہیے رستم — وہ زبردست ہے جو ہاتھ سے توڑے پتھر

ہو تیرا سہارا تو پہنچے کاہ سے آہن
پتھرا کے رہ گئی وہیں موسیٰ کی چشمِ شوق
بہار ایسی کبھی چھائی نہیں دیکھی گلستاں پر
ہوتا ہے کون عاشقِ ناشاد کی طرف
کیا رنگ رنگ کی ہیں طرحدار صورتیں
باقی رہا حرف دوئی پیشِ رخِ یار
وہ پوچھتے ہیں جو ہم کو شاداں
جنھوں کو کشف ہوتا ہی عیاں ہوتا ہی سب انکو
برنگِ بوئے گل رہتے ہیں گل میں اور جدا اس سے
صنم وہ جس گھڑی کھولے ہی منہ پر اپنی بالوں کو
اپنے ہاتھوں سے پلاتا ہے پیالہ بھر کے ساقی
آنکھ سے پردہ نگر پڑے کا گھر یہ بھی تو ہے
چھپکے اُسکو دیکھنا چاہیں تو دیکھیں کس طرح
سُنا نہ تم نے یہ گفت و شنید یوں ہی گئی
خدا کا شکر کہ شاداں امید بر آئی
بہار اب کے ہمارے ہی گھر میں آئی ہے
صفحۂ دل پر میں کھینچوں شکلِ جاناں تو سہی
یوں چاہتا ہوں سینہ سے سینہ لگا رہے
گر وہ نہیں ہے پلد تو پھر یار کون ہے
زاہد کرے ہے زہد گنہگار ہے خجل
تک لینی تمی مجنوں کی خبر دشتِ جنوں میں

ہمراہ بگولے کے چڑھے سنگ ہوا پر
نور اُسکا جلوہ گر جو ہوا کوہسار پر
گماں ہوتا ہے جنت کا زمینِ کوئے جاناں پر
سارا جہاں ہے اُس ستم ایجاد کی طرف
کچھ تو نگاہ کیجئے ایجاد کی طرف
آئینہ کو دیکھا تو نظر آئے ہمیں ہم
تم کہدو کہ جاں نثار رہیں ہم
دِوانے بھی کہیں دنیا میں دانشمند ہوتے ہیں
جو ہیں آزاد دنیا میں وہ کب پابند ہوتے ہیں
کھلاتا ہے دو طرفہ ہاتھ میں لے کے کالوں کو
آج توڑا اک ہی میٹھی ہوئی پیمانوں کی
تو تو دیکھے ہم نہ دیکھیں طرفہ تر یہ بھی تو ہے
دیکھتے دیکھے نہ کوئی ہم کو ڈر یہ بھی تو ہے
ملے نہ تم سے ہم اب کی بھی عید یوں ہی گئی
جو تھی رقیب کے دل میں امید یوں ہی گئی
گھٹا بھی عیش کی چاروں طرف سے چھائی ہے
اے مصور لکھ کے دکھلا دوں گلستاں تو سہی
انگشتری میں جیسے نگینہ لگا رہے
اُس میں وفا نہیں تو وفادار کون ہے
دیکھیں کرم کا اُس کے سزاوار کون ہے
افسوس یہاں صاحبِ محمل نے کمی کی

آنکھیں ہوں تو کوئی اس کو دیکھے | آنکھوں ہی کے پردے میں نہاں ہے
اے پری وش تو نے پائی ہے وہ صورت دلفریب | آدمی کا ذکر کیا آئینہ بھی حیراں ہے
کر دیا دل تنگ غنچہ کو دہانِ یار نے | آگ پھولوں میں لگائی آتشِ رخسار نے
قطرہ دریا کی جدائی سے کرے جب اضطراب | ابرِ رحمت قطرہ کو اک آن میں دریا کرے
آنکھ سے نیند بھی راتوں کو اُچٹ جاتی ہے | دل میں کھٹکا جو ترا آٹھ پہر رہتا ہے

تیری الفت نے کیا بیتاب ہے | مثلِ موجِ گہر سیماب ہے
ہماری یار سے اچھی بنے گی | چھنیگی اس سے اور گاڑھی چھنیگی "
ہزاروں تجھ پہ شیدا ہیں قمر سے | کروروں تجھ پہ غلطاں ہیں گہر سے
شکل ہستی سراب کی سی ہے | بے ثباتی حباب کی سی ہے
جلوہ گر وہ جو بام پر ہے آج | چاندنی ماہتاب کی سی ہے

چھپا نہ رازِ محبت کا بوئے گل کیطرح | جو بات دل میں تھی وہ درمیاں نکل آئی
اُچٹ گئی مری آنکھوں سے نیند اے ہمدم | حدیثِ عشق کی جب داستاں نکل آئی

رباعی

سو طرح سے کر کے جبہ سائی دیکھی | ہر رنگ میں شانِ کبریائی دیکھی
کچھ اور تو آیا نہ نظر شاداں کو | جو کچھ دیکھا تری خدائی دیکھی

مخمس

اللہ رے اس کی کبریائی | بندے کو نہیں وہاں رسائی
شاداں یہ خدا کی ہے خدائی | کرتا ہے وہ سب سے جو بھلائی
حمد اسکی نہ طاقتِ بشر ہے

شاداں

شاداں ۔ منشی بساون لعل شاداں قوم کائتھ میر منشی نواب امیر خاں بہادر والئی ریاست ٹونک یہ منشی صاحب بہت ذہین اور ذکی شخص تھے کتاب امیر نامہ یعنی سوانح عمری نواب معصوف کی انکی تصنیفات سے ہے اور ایک فارسی مثنوی بھی انہوں نے نواب ممدوح کے امیروں کے حالات میں لکھی تھی۔ ہندی کی شاعری میں بھی قاصر نہ تھے۔ ایک دن امیر خاں نذر باغ کی سیر کر رہے تھے

منشی جی بھی آئے نواب صاحب نے فرمایا کہ دیکھو گلاب کیا پھول رہا ہے۔ عرض کیا کہ حضور کے قدموں کی برکت ہے اور فکر کرکے یہ رباعی فی البدیہہ موزوں کی۔ نواب صاحب ٹہلتے ہوئے انکی طرف آئی تو کہا سنئے۔

گُل گلاب نے خوبی عجب دکھائی ہے	بہار جامۂ گل گوں پہن کے آئی ہے
جو پوچھئے تو یہ ہے برکتِ قدوم حضور	وگرنہ گل نے یہ خوبی کہاں سے پائی ہے

شاداں شاداں۔ عندلیب چمن زار شیر مقالی۔ گلچین بوستان نازک خیالی۔ جناب منشی ٹھاکر پرشاد۔ متخلص بہ شاداں لکھنوی آپکے والد لالہ منولال قوم کایستھ۔ رؤسا کے طبقہ میں ممتاز تھے۔ اسی خاندان میں لالہ لاچند محرر شاہی، نواب سعادت علیخاں کے زمانہ میں تھے۔ لالہ لاچند ابن لالہ سکھانند "سدابرتی" نے لکھنؤ محلہ مشک گنج میں طرح اقامت ڈالی۔ نواب کیطرف سے انہیں اخبار نویسی۔ کارخانہ جات طاہر خانہ کے خدمات سپرد کئے گئے۔ رائے شتاب رائے نے اپنی ہمت فیاضی سے غازی الدین حیدر کے عہد میں آسمان سے باتیں کرنیوالی عمارتیں بنائیں۔ اپنے اقبال کی تاریخ کو دوبارہ دُہرایا مگر ہنگامہ غدر میں انقلاب کے ظالم ہاتھوں نے انکو ڈہا دیا۔ منشی صاحب نے ان تمام حالات کو نظم کا لباس پہنایا ارشاد فرماتے ہیں ؎

مکان ہائے مشک گنج کے ہوئے مسمار	یہ شاہ گردی سے پایا نتیجہ آخر کار

اب یہ خاندان محلہ حسین گنج میں آباد ہے۔ منشی صاحب کے پسر سوم بابو شنکر دیال صاحب ابھی حیات ہیں جو پرتاب گڑھ اودھ کی عدالت میں وکیل ہائیکورٹ ہیں۔ گو شاعر نہیں مگر شعرا کے قدردان ہیں اور وہاں کے مشاعروں میں شرکت فرماتے ہوئے داد سخن دیتے ہیں منشی شاداں کا دیوان ۱۳۲۳ھ میں شایع ہوا ہے۔ جو خیالات عجیب مضامین غریب کا گلدستہ ہے طبیعت قیود متروکات کی پابند نہیں۔ قدیم زبان بولتے ہیں۔ طبع کی روانی میں کبھی ایسے صاف اور عمدہ شعر کہ جاتے کہ خود بھی احساس نہیں ہوتا ہم نے کیا کہا۔ باں ہمہ آپ نیچرل شاعر ہیں مگر علم بیان و معانی کو ادائے بیان میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ قدیم مشرقی ادب کے شیفتہ۔ صنایع بدایع کے فریفتہ۔ ناظرین آپکی قابلیت کا اندازہ ایک رقعہ سے کرسکتے ہیں جو طبابت کے تلازمہ میں اپنے بھائی منشی سالک رام کو

لکھا ہے۔ اسکو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے بزرگ اُردو زبان کی انشا پردازی فارسی زبان سے کسقدر مشابہ بنانا چاہتے تھے۔ چند جملے یہ ہیں۔

نبض شناس و روبن سینہ ریشاں۔ باعث تندرستی خویشاں۔ سامی نامہ سعادت آگیں کہ جس کے الفاظ خاصیت نو شدارو۔ ہر حرف فواکہ میوۂ اتحاد سے ہم پلہ ترازو و سنبل الطیب کے رو برو سرنگوں۔ عبارت پر پیچ سے نافہ لطن آہو میں آمادہ صحرائے جنوں نکتوں کو مصری کی ڈلی یا دانہ مسلسل انار شیریں یا بیدانہ طراوت آگیں سے مناسبت یا دانۂ عناب و لائچی سے مشابہت دیجئے۔ فقروں کو قاش سردہ کابلی طرحدار یا خوشۂ کیلہ خوشگوار کہئے۔ عین انتظار میں سایہ فگن ہوا۔

افسوس ہے کہ آپکا دیوان کاتبوں کی عنایت سے اکثر جگہ غلط چھپا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

جام جم جاتا رہا سلطنت زمیں باقی رہا
رخ و زلف سیہ سے ہے شبانہ روز اک وحشت
طوطیٔ خوش مقال سے خالی قفس رہا
کبھی راتیں وہ تھیں حاصل کہ مینا ہی کا قلقل تھا
بغل میں اک طرف ساقی تھا اور تھی چاندنی چھٹکی
فلک کو رشک یہ آیا کیا برباد سب جلسہ
باطن کے دانت اور ہیں ظاہر کے اور ہیں
چشم بددور کہ ہیں آپ قمر کی صورت
گھر میں آرام جو ہے دہ ہمیں غربت میں کہاں
ملک ہستی میں کہاں دیکھوں گھر کی صورت
کاسہ چرخ کہن بھی ویسا کورا رہ گیا
شب ہجرت کٹی جیوں تیوں تو آیا روز شادی کا
دل بستگی کو ہائے یہ تار نفس رہا
نشوں کی تھی چڑھائی اور سرور عیش بالکل تھا
مئے الفت میں سرخوش تھا کہ ستر یا تغافل تھا
کہے ہے پیر مغاں اٹھ اٹھ یہاں شیشہ وہاں قلقل تھا
سچ ہے مثل کہ ہاتھی کے ہیں دو رقم کی دانت
حوریں یا نیسنگی کہاں ایسے بشر کی صورت
ایک ہوتی ہے سفر اور سقر کی صورت
ہاں عدم سے کوئی لاجائے خبر کی صورت

زر سے شاداں نہیں کوئی شہ زور
دہن میں اسکے یوں سرخی نمایاں
سب پہ بالا ہوئے ہیں زر کے پیچ
شفق میں جس طرح ہو مہر انور

ہے شبِ ہجراں میں رونے سے مرے بیزار شمع
میری حالت دیکھکر گھٹتی رہی ہر بار شمع

سانپ کاٹے تو ہو دوا ممکن
زلف کاٹے تو کیا کرے تریاق

یاد آئی اُس لبِ رنگیں کی سرخی یک بیک
اشکِ سرخ آئے نکل روتا رہا میں دیر تک

اُس کے کوچہ میں جو چلتی ہے نسیمِ عطر بیز
کیا عجب ہوں شگفتہ اسکی سب جا کے پھول

وحشت اُس گلرو کو آتی ہے گرچہ میرے نام سے
قبر پر جا کر نہ ٹھہرا واپس آیا دھر کے پھول

قصر میں اور سقف در میں اسکے ہیں گلکاریاں
گلشنِ فرخار پر خنداں ہوں اسکے در کے پھول

روشنی یادِ حق دل میں ہوئی جب آشکار
دل منور ہو گیا اور طور آنکھیں ہو گئیں

تجھکو کہئے یا فرشتہ یا کہ غلمانِ بہشت
نور کا سارا بدن اور حور آنکھیں ہو گئیں

بے حجابانہ کریں وے بات غیروں سے یونہی
ہم سے کہنے کیلئے رکھتے ہیں پردہ کان میں

نور اسکا ہے دہر میں چھایا
ہے شجر میں حجر میں ہر شے میں

عیاں ہے میری یہ شور شر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
یہ آہ سوزاں و چشمِ تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

تم جو آؤ نعمتیں سب جمع ہوں محفل میں خوب
ابر و بادہ جام و ساقی شمع جو سر آئینہ

عکس آئینہ کی مانند ہیگا یہ کارِ جہاں
گور میں کب لے گیا اپنی سکندر آئینہ

جو دیکھے چہرہ ترا گل تو بیکلی ہو جائے
چہِ ذقن کو پری دیکھے باؤلی ہو جائے

داغ چیچک کے جو اُس مہ کے جبیں پہ ہیں عیاں
دن کو معلوم یہ ہوتا ہے کہ اختر نکلے

باغباں غافل نہ ہو بادِ خزاں کا خوف کر
ایک دن دیکھے گا تو پھولوں کو مرجھاتے ہوئے

سلائی سرمہ کی مرغوب چشمِ یار کو ہے
عصا ضرور ہو بیمارِ ناتواں کیلئے

جو دیکھے مہر کو واں اسکی برتری ہو جائے
پڑے جو سایہ زمیں پر تو وہ پری ہو جائے

شاداں

شاداں - خان بہادر مولوی سید زین العابدین خاں پنشنر سب آرڈنٹ جج وزمیں علیگڑھ انکے والد مولوی محمد حسین مرحوم جونپور کے قدیمی عمائد میں تھے۔ مگر انہوں نے سر سید احمد خاں مرحوم سے یکجہتی و دلی اختصاص کے باعث علیگڑھ میں اقامت اختیار کی اور وہیں ۷۲ برس کی عمر میں انتقال کیا

مولانا عمی کے گہرے دوست تھے۔ غالباً فن سخن میں بھی انہیں سے مشورہ ہوگا۔ راقم تذکرہ کو بھی آپ سے نیاز حاصل تھا۔ اُنکے بیٹے ڈپٹی زین الدین مین پوری میں کلکٹر ہیں۔ یہ چند شعر تبرکاً درج ہیں۔

طلب عشق میں تن سے ہے طلب یار میں روح　　کیا عجب تن سے جدا ہو اسی تکرار میں روح
جان ہے تن سے جدا اس کے لئے الفت چھوٹے　　گور میں جسم ہے اور کوچۂ دلدار میں روح
خواب میں ڈھونڈنے کے واسطے اُس یوسف کو　　گھر سے راتوں کو نکل جاتی ہے بازار میں روح
میں بھٹکا تھا تیری نصیحت سے واعظ　　ملا اُس صنم سے خدا کرتے کرتے

شاداں

شاداں۔ مہر سپہر شاعری خورشید فلک سخنوری ناظم رطب اللسان۔ شاعر معجز بیان مرزا حسین علیخاں المتخلص بہ شاداں دہلوی خلف اصغر نواب زین العابدین خاں عارف نبیرہ مرزا آقا سم جان سہراب جنگ (جنکے نام سے ابتک قاسم جان کی گلی دہلی میں مشہور ہے) مرزا زین العابدین خاں عارف۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف کے نواسے اور مرزا غالب کی حقیقی سالی کے لڑکے تھے اور بچپن سے اُنہیں کے زیر سایہ پرورش پائی۔ مرزا ہی کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر رہ کر رموز او نکات شاعری حاصل کئے۔ فارسی کی استعداد نہایت عالمانہ تھی۔ اُردو میں بھی پرگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ چنانچہ دو دیوان اُردو کے مؤلف ہذا کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ گو عام طور پر انکی شہرت نہیں ہے۔ زین العابدین خاں عارف نے بعنفوان شباب میں انتقال کیا۔ انکا مفصل ذکر ردیف (ع) کی جلد میں آئے گا۔ دو بچے۔ مرزا باقر علیخاں کامل اور مرزا حسین علیخاں شاداں اپنی یادگار چھوڑے۔ ان دونوں کو مرزا غالب نے نہایت ناز و نعم سے پالا اور دونوں کو اپنا متبنیٰ کر لیا۔ مرزا کی وفات کے بعد مرزا باقر علیخاں کامل نے ریاست الور میں بہ عہدۂ وکالت سلسلہ ملازمت اختیار کیا اور مرزا حسین علیخاں ریاست رامپور میں مرزا غالب کے تعلق قدیمانہ کی وجہ سے بزمرۂ شعرائے دربار ملازم ہوئے۔

مرزا شاداں کو زمانہ طفلی میں اکثر حضرت غالب کے تلامذہ چھیڑا کرتے تھے کہ تم کو جب شعر ہی کہنا نہیں آتا تو تم مرزا کی فرزندی کا کیا دعوےٰ کرتے ہو یہ سنکر خاموش ہو جایا کرتے تھے۔ ایک دن کا

واقعہ ہی کہ مرزا شاداں پتنگ اُڑا رہے تھے طبیعت نے جوش جو مارا تو ایک شعر موزوں ہو گیا فوراً مرزا قربان علی بیگ سالک کے پاس آئے اور کہا کہ آج ہم نے ایک شعر کہا ہے آپ اُسے درست کر دیجئے۔ یہ کہکر یہ شعر پڑھا ؎

دل مضطرب کا ہے اپنے قصور ۔۔۔ نشانہ جو انکا خطا ہو گیا

اسوقت مرزا شاداں کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی۔ حضرت سالک اور تمام سامعین سُنکر حیران ہو گئے۔ اسی طرح فغان دہلی کی تحریر کے وقت بھی اُنکی عمر تیرہ چودہ برس کی ہوگی کہ متعدد شعرا کے شدید تقاضے سے عاجز آکر کہ اُستاد کے بیٹے ہو کچھ تو کہو۔ انہوں نے دہلی کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

مِٹ گیا خوب ہوا نام و نشانِ دہلی ۔۔۔ میری پاپوش سبنے مرثیہ خوانِ دہلی

رامپور میں انکو پہلے تیس روپیہ ماہوار ملتے تھے مگر پھر ساٹھ روپیہ ملنے لگے۔ نواب کلب علی خاں خلد آشیاں کا دربار اسوقت مرجع اہل کمال ہو رہا تھا۔ امیر و داغ کی شاعری کا پورا پورا شباب تھا۔ یہ بھی اُسوقت انہیں کے ہم صحبت تھے مگر متواتر شعر کہنے کا اُس وقت تک اتفاق نہ ہوا تھا۔ مگر ایک مرتبہ نواب صاحب نے ان سے لہجۂ طنز میں کہا کہ مرزا غالب کی تنخواہ تو لیتے ہو شعر بھی تو اُنکا سا کہا کرو۔ چنانچہ ایک مرتبہ مشاعرہ ہوا۔ ع۔ جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں اسی بحر اور اسی قافیہ ردیف کی طرح تھی۔ مرزا شاداں نے بھی اس زمین پر گلکاری کی اور سچ تو یہ ہی کہ نہایت سیر غزل لکھی۔ شریک مشاعرہ ہوکر اور اپنی اس پہلی غزل سے سامعین کے دلوں کو ہلا دیا۔ آخر زمانہ میں انکو مالیخولیا ہو گیا تھا جسکی وجہ سے یہ خیال انکے ذہن نشین تھا کہ شاعر کے لئے دُبلا ہونا نہایت ضروری ہی۔ مرزا ارشد گورگانی جو انکے جگری دوست تھے اُن سے مرزا شاداں کہا کرتے تھے کہ داغ کو کبھی شعر کہنا نہ آئے گا کیونکہ شاعری اور فربہی سے بہت بُعد ہی۔ یکھو ہوتے ہوتے یہ جنوں یہاں تک بڑھا کہ پانی بھی پینا بہت کم کر دیا۔ ایک چھوٹی سی سیپ کی ڈبیہ میں احتیاط کی وجہ سے پانی پیا کرتے تھے۔ حکیم غلام رضا خاں مرحوم نے انکو خمیرہ کا ایک نسخہ لکھدیا۔ اب غذا

بھی بالکل ترک ہو گئی تھی۔ یہ معمول کر لیا کہ دس بارہ آنے کے پیسے جیب میں ڈال کر بازار میں آ کر کھڑے ہو گئے اور دو دو چار چار پیسوں کا خمیرہ لیکر کھانا شروع کیا جب سب پیسے ختم ہو گئے مکان پر آ کر لیٹ رہے۔ اب نقاہت اس درجہ بڑھی جس نے جان ہی لیکر چھوڑا۔ آخر ۲۷ برس کی عمر میں مرض توہم میں مبتلا رہکر اس دار فنا سے عالم بقا کو رخصت ہو گئے۔ شاداں نے مرزا کی وفات کے بعد کمتر مولانا حالی سے اور بیشتر نواب مرزا قربان علی بیگ سالک سے مشورہ سخن کیا۔ مرزا شاداں کی طبیعت میں بچپن سے شوخی و شرارت بھری تھی، ایک دن کا قصہ ہے، کوئی تیرہ چودہ سال کی عمر ہوگی کہ انہوں نے مرزا غالب سے کہا کہ نانا جان ہمیں پچاس روپیہ کی ضرورت ہے ابھی دیدو۔ مرزا نے کہا بیٹا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے تمکو کہاں سے دوں، شاداں ضد ہوئے اور کہا ہم تو لیکر ہی ٹلینگے اسپر غالب نے جواب دیا کہ روپیہ تو نہیں ہے میری بوٹیاں کاٹ لو یہ سنکر مرزا شاداں چھری لیکر کھڑے ہو گئے اور کہا نانا جان آپکی ایک ایک بوٹی بھی تو پچاس پچاس روپیہ کو بک جائیگی۔ مجھے جگہ بتا دیجئے کہ کہاں سے کاٹوں۔

سبحان اللہ کسقدر پُر لطف شوخی تھی۔ اور اسی شوخی کے باعث کلام بھی نہایت درجہ شوخ نظر آتا ہے۔ مجموعہ کلام انکی وفات کے بعد انکے اعزا و احباب کی غفلت سے تلف ہو گیا۔ اکمل الاخبار ان ایام میں جاری تھا۔ اسکے پرانے فائلوں اور بعض دہلی کے مشاعروں کی غزلیں بجد کاوش و جستجو سے ملیں وہ درج ذیل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سجاد۔ میرزا ارشد۔ نواب احمد سعید خاں طالب۔ منشی بہاری لال مشتاق انکے ہم صحبت و ہم مشق تھے۔ جودت فکر اور نازک خیالی اور مضمون آفرینی کیطرف طبیعت کا رجحان زیادہ تھا۔ اپنے والد گرامی قدر کی طرز شاعری کے اسیر تھے۔ زندہ رہتے اور عمر وفا کرتی تو لوگوں کو ان سے امیدیں تھیں کہ انکا نام خوب روشن کرتے

کلام ہدیہ ناظرین ہے ؎

ہے مژدۂ وصل اب بھی پیغام قضا کا	عادی ہوں غم و رنج کا خوگر ہوں جفا کا
خلوت میں زلیخا سے چھٹا دامن یوسف	اوچھا جو ذرا ہاتھ پڑا بخت رسا کا

چھوٹے نہ غم و رنج سے ہم بعد فنا بھی
نازک ہے وہ کتنا کہ تصور میں بھی میرے
یاں ضعف سے رنگ اُڑ نہ سکا اور وہ سمجھا
ہے فتح نہ ہزیمت بھی بتوں کی کہ جہاں کو
وہ معنیٔ روشن کی تجلی ہے کہ شاداں
ناز کرنا تو ذرا اُس پہ سمجھ کر کرنا
آئینہ توڑ کے کہتا ہے وہ مغرورِ جمال
تری لافِ نازکی کا مجھے اعتبار ہوتا
تری ہر ادا پہ مرتا ترے ہر سخن پہ جیتا
انہیں بیجا بیاں تھیں مری بیخودی کے باعث
مری خاک ہو تسلی ترے وعدۂ غلط پر
مدد اے بخت کہ سب کام بنے جاتے ہیں
مژدہ اے یاس کہ پھر آئی مصیبت دل پر
عزیزوں پہ ہیں وہ لطف کہ بڑھتے ہیں ہمیشہ
ذوقِ نظارہ سے نہیں باقی ادب کا نام
شاداں نے دل لگا کے بتوں سے برا کیا
آئینہ دیکھ کے کہتے ہیں یہ منہ پھیر کے وہ
پردہ اُٹھا ہوا ہے رخِ پر جمال کا
میری نگاہِ شوق پھر آئی مگر کہیں
ایسا نہ ہو کہ ضعف سے اُس در کی راہ میں
ہیں اہلِ بزم ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے

ہے تعزیتِ عشق تو ماتم ہے وفا کا
آنکھوں سے اٹھایا نہ گیا پردہ حیا کا
ہے رنگ کچھ اچھا ہدفِ تیرِ قضا کا
پھرنا صفِ مژگاں کا ہے پیغام قضا کا
باطن سے ہر اک شعر مرا اہلِ صفا کا
آپکی طبع سے نازک ہے سوا دل میرا
اور بھی کوئی جہاں میں ہے مقابل میرا
ترا تیر او ستمگر جو نہ دل کے پار ہوتا
مجھے موت زندگی پر اگر اختیار ہوتا
کبھی آپ میں نہ آتا جو میں ہوشیار ہوتا
تجھے گر ہنسی نہ آتی مجھے اعتبار ہوتا
گر یوں ہی کچھ اثر نالہ و فریاد رہا
حسرت اے دل کہ انہیں وعدہ بھی یاد رہا
ہم پر یہ ستم ہے کہ سوا ہو نہیں سکتا
سر مجھ سے زیرِ تیغ جھکایا نہ جائے گا
اُس سے یہ رازِ عشق چھپایا نہ جائے گا
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے اُدھر دل میرا
اُڑتا ہے آج رنگ ہمارے خیال کا
نظارہ سازِ غیر ہے اُسکے جمال کا
دم ٹوٹ جائے غیر کے گھر پر خیال کا
کچھ ذکر آگیا تھا وہاں میرے حال کا

خاموشی اک بیاں ہے میری رازِ عشق کو
رنگِ شکستہ آئینہ ہے میرے حال کا

عالم نہ مجھ سے پوچھئے میرے خیال کا
آئینہ بن گیا ہوں کسی کے جمال کا

وہاں خامشی نے قفلِ دہن لگا دیا
یاں شوق سے ہجوم ہے لب پر سوال کا

بھڑکے اگر چراغ تو ہستی تمام ہو
ہر چیز کا کمال ہے باعث زوال کا

شاداں کو کچھ گرا ہوا سمجھو نہ اہلِ بزم
یہ شخص بھی جہاں میں ہے اب کمال کا

میرا ہی شاعری سے نہ پایا نشاں مگر
کیا کیا نہ تنگ میرے لئے پیرہن ہوا

نہ جاگا روزِ جزا میں بھی خوابِ شیریں سے
ہنوز طالعِ خفتہ ہے نوجواں میرا

محشر کو سنے گا نہ کوئی صور کی آواز
ہے شور جو یہ ہی مری نالوں کی صدا کا

پایا نہ فروغ آگے شبِ ہجر کے ہرگز
چمکا نہ ستارہ سحرِ روزِ جزا کا

اُس گل کا تصور تھا جو آنکھوں میں دمِ نزع
گویا دمِ آخر مرا جھونکا تھا صبا کا

جس کے نقشِ پا پہ شاداں ہوتے ہیں فتنے نثار
ہو کہاں سکتا ہے محشر اسکی ٹھوکر کا جواب

حشر تک ہوتا نہ دیدارِ رخِ جاناں نصیب
آئینہ ہوتا اگر میرے مقدر کا جواب

عکس سے اُس سنگدل کے صورتِ دل ٹوٹ جائے
آئینہ بنجائے گر سدِ سکندر کا جواب

بھول جاؤ گے سب خوشی شاداں
کسی غمگین سے جب ملینگے آپ

کس جائے ہوا میرے تصور کا گذر آج
آتی نہیں جو اپنی حقیقت بھی نظر آج

اس موت پہ قربان کروں زندگیٔ خضر
اُس کوچہ میں پہونچی مرے مرنے کی خبر آج

کل ہو کے دو چار اُس نگہِ شوخ سے یارب
آنکھوں میں ٹھہرتی ہی نہیں میری نظر آج

وہ دیکھنے آتے ہیں مرے حالِ زبوں کو
اچھا ہے جو بڑھ جائے میرا دردِ جگر آج

برسوں میں نظر آئی ہے شامِ شبِ عشرت
یارب رہے کچھ دور نماں سی بھی سحر آج

یاں جنبشِ لب کی بھی نہیں ضعف سے طاقت
مشتاق ہے گو میری دعاؤں کا اثر آج

دیکھا ہے مری بیخودیٔ شوق کو تو نے
قاصد نہ رہے گی تجھے اپنی بھی خبر آج

پڑ جائے اگر سروِ قدِ یار کا سایہ
گو جاتے ہیں آہستہ نزاکت سے وہ لیکن
وہ خوگرِ غم ہوں کہ بھر آئے وہیں آنسو
کل تک بھی مجھے تاب تھی کچھ کہنے کی شاداں

دل مضطرب بھی ہے پہلو میں قاتل
شبِ وعدہ اُسنے نہ سمجھا نا مجھکو

یہ بھری ہوئی تھی شوخی کہ تمہارے گھر سے یہاں تک
ہوئی دوچار اپنے عکس سے وہ پیش آئینہ کوئی صورت

شبِ ہجراں میں یہ تڑپا میں سحر ہونے تک
رفتہ رفتہ رخِ تاباں سے اٹھا دو پردہ
تم تو آتے ہی نہیں بہرِ عیادت اور ہم
دیکھیں وہ اچھے ہیں یا شمع ہی اُنسے اچھی
مژدۂ وصل ہی لاتا ہوا گر قاصد
وہ یہ کہتے ہیں جو کرتے ہو دعا بھی کر لو
جلد شاداں کی خبر لے کہیں ظالم ورنہ

جس آرزو کا مقدر میں تھا نہ بر آنا
پھرتی ہے کوئی چیز آنکھوں میں

ہر لحظہ سدِ راہ جو میرے فغاں کے ہیں
اے ضعف دیکھ بھال کے مجھکو گرائیو
کس نازکی سے آتے ہیں میری خبر کو وہ
میں ناتواں ہوا اور وہ نازک شبِ وصال

آ جائے مری نخلِ تمنا میں ثمر آج
دوڑی ہوئی جاتی ہے خوشی غیر کے گھر آج
مجھ پر تبسم جو ہوا زخمِ جگر آج
آتے ہیں وہ سُننے کو مرا دردِ جگر آج

ذرا پانوں سینہ پہ رکھنا سنبھل کر
خوشی نے دیا رنج صورت بدل کر

کہیں نامہ بر کے منہ پر نہ ہو اُس کا جواب ہرگز
کہ تنگی تھی نگاہِ شوخ انکے حق میں انکی نقابِ عارض

مل گیا خاک میں اُس بت کو خبر ہونے تک
چاہیے عرصہ مجھے تابِ نظر ہونے تک
مر گئے چارۂ آزارِ جگر ہونے تک
رنگ کھل جائے گا اُس کا بھی سحر ہونے تک
کیا بچوں گا ترے آنے کی خبر ہونے تک
ہم مزا تم کو دکھا دینگے اثر ہونے تک
گذرے گا جان سے وہ تیرا گذر ہونے تک

وہی ہوئی دلِ ناکامیاب میں داخل
یہ میرے بخت کا تو خواب نہیں

سینہ میں یہ بھرے ہوئے ارماں کہاں کے ہیں
نزدیک دشمنوں کے بھی گھر آسماں کے ہیں
گویا قدم پہ مجھسے کسی ناتواں کے ہیں
پڑے کبھی نہ اٹھیں گے جو درمیاں کے ہیں

جاگا ہے پاسباں درِ یار رات بھر
دیکھا ہے میں نے خوب مریدوں کو شیخ کے
روتے ہیں آکے قبر پہ غیروں کے ساتھ وہ
میں اپنی داستانِ محبت جو کہہ چکا
پہلو میں میرے اور یہ پیدا ہوا رقیب
کیا اُن سے اٹھ سکیں گی نہ باتیں رقیب کی
غم ایک میرے دل میں زمانہ کے بھر گئے
بدنامی اسکی کیوں کی مری درد آہ نے
گھر سے گئے ہیں یا کہیں باہر سے آئے ہیں
شاداں چھپائے لاکھ یہ چھپتے بھی ہیں کہیں

بیخودی کام آگئی آخر
اُس نے پوچھا تو کہا بتاؤں گا
خیر ہو آج بزم کی شاداں

آفت کا توڑ ہے ترے تیر نگاہ میں
آخر اپنے ہاتھ سے دیتے ہیں بار بار
بیٹھے ہیں دور کرکے مری خاک کا گماں
شرماتے ہو کہ نیند کا آنکھوں میں ہی خمار
میں ان بتوں کے عشق میں یاں تک سبک ہوا
دیکھی ہوئی ہے تیری درازی شبِ فراق
آمد جفائے تازہ کی آتی ہے چرخ سے
یہ ناتواں ہوا ہوں کہ اب کوئی پاتک

[illegible]

آگے لئے اثر نصیب میں میرے فغاں کے ہیں
اچھے وہی ہیں یار جو پیرِ مغاں کے ہیں
کیا کیا مٹا نیو! لے ہمارے نشاں کے ہیں
وہ پوچھتے ہیں مجھ سے وہ نازک کہاں کے ہیں
آثارِ عشق رُخ پہ میرے رازداں کے ہیں
میں بھی تو دیکھوں ایسے وہ نازک کہاں کے ہیں
دل ایک زلف میں تری سارے جہاں کے ہیں
پردے میں اب تو مجھ پہ ستم آسماں کے ہیں
کچھ ہوش آج بگڑے ہوئے پاسباں کے ہیں
آتا ہے اُس کے چہرہ پہ عشق بتاں کے ہیں

کہ انہیں مجھ سے کچھ حجاب نہیں
حسرتوں کا میری حساب نہیں
کہ وہ آتے ہیں اور نقاب نہیں

پیدا اثر کہاں سے ہو عاشق کی آہ میں
ملتی ہیں راحتیں مجھے کیسی گناہ میں
اُڑتی ہوئی جو دیکھتے ہیں گرد راہ میں
کل کی سی بات ہی نہیں طرزِ نگاہ میں
اب خود نہیں سماتا ہوں اپنی نگاہ میں
کیوں آئے روزِ حشر ہماری نگاہ میں
جاتا ہے میرا نالہ تو رکتا ہے راہ میں
نالہ بھی میرا جائے تو سو جا راہ میں

کیا بھید ہے کہ روز وہ آکر یہ کہتے ہیں
بتلا تو کچھ اثر بھی ہوا تیری آہ میں

ہے کس بھروسہ پر تمہیں شاداں امید میں
ہے نالہ میں اثر نہ ہے تاثیر آہ میں

کہتے ہیں عہد شکن سمجھے ہو کیا تم مجھکو
وعدہ کے ساتھ جو آتا ہے تبسم مجھکو

پوچھتے ہیں کہ تمنا تو بتاؤ کیا ہے
جانتے ہیں کہ نہیں تاب تکلم مجھکو

ناتوانی نے کیا ہے یہ سبک نظروں میں
پتلیاں پھیرتے ہیں دیکھ کے مردم مجھکو

نالہ و آہ سے ہے رنجش جاناں منظور
مار ڈالیگی غلط فہمیٔ مردم مجھکو

کہتے ہیں دیکھتے ہیں آئینہ یونہی ہم بھی
جس طرح دیکھتے ہو آٹھ پہر تم مجھکو

اب تو حالت مری پہونچی ہے کچھ ایسی شاداں
خود وہ کہتے ہیں کہ آتا ہے ترحم مجھکو

تم بھی آجاؤ یکایک تو خبردار نہوں
بیخودی نے شب عشرت یہ کیا گم مجھکو

بیقراری مری یہ انکی ہے شوخی وہ بچھ
میں تمہیں دیکھ سکوں گا نہ کبھی تم مجھکو

میں جو کہتا ہوں کوئی چارہ گر آئے یارب
زخم بھی دیکھ کے کرتے ہیں تبسم مجھکو

ساقیا جام کے بدلے دے کوئی خم مجھکو
تاکہ اس بزم میں ہو تاب تکلم مجھکو

کوئی ہنگامہ ہے یا گھر سے وہ نکلے ہیں کہیں
آج آتی ہے نظر کثرت مردم مجھکو

ایک وہ ہیں کہ جو دل چاہے وہ کہتے ہیں مجھے
ایک میں ہوں کہ نہیں تاب تکلم مجھکو

حسرت آکر یہ گئی ہے نہ کبھی جائیگی
بخشدے رونے کو یارب کوئی قلزم مجھکو

ساقیا اس ترے میخانے میں کمی کیا ہے
خم گردوں کے برابر دے کوئی خم مجھکو

کوئی تشنہ نہو اسکی بھی ذرا فکر رہے
شکوۂ غیر سناتے ہو اگر تم مجھکو

نزاکت سے زیادہ ہے تجلی
وگرنہ تم تو نظروں سے نہاں ہو

الٰہی نازکی بڑھ جائے اتنی
کہ آن کو ناز کرنا بھی گراں ہو

کام کیا ہم کو تری رہ میں کسی رہبر کے ساتھ
جب تصور آ گئے آگے ہو دل مضطر کے ساتھ

لاگ اس ظالم کو ہے ہر عاشق مضطر کے ساتھ
گردشیں گردون دوں کی ہیں ہمارے سر کے ساتھ

اُن سے نازک کو نکلنے دے نہ قابو سی مرے
اے طبیعت ہاں اُلجھ اچھی طرح دلبر کیساتھ

اپنی مرگ و زیست پر ہوتا جو ہمکو اختیار
مرا دل پرا اُنکی مرتے جیتے ہر ٹھوکر کیساتھ

نعش پر منہ ڈھانکنے کا ہے بہانہ ورنہ میں
بخششیں در پردہ وہ ہی عاشقِ مضطر کیساتھ

خدمت اُس بت نے بلاکر دربانیونکی دی مجھے
گردشِ تقدیر سے نکلا مگر چکر کیساتھ

سے وہ نازک خواب میں پہونچ نہ مجھ تک گر نہو
جذبِ دل میرا خیالِ قامتِ دلبر کیساتھ

ہو چکی شیشے میں سے مجھ تک جو آیا دورِ جام
گردشِ قسمت تھی اپنی گردشِ ساغر کیساتھ

بتیسیوں پر آگئی صورت پرستوں کو نظر
وہ جو اک نسبت دلِ شیریں کو تھی پتھر کیساتھ

ظرف سے اپنی کہیں ساقی نکلجائے نہ مے
گردنِ مینا جھکائے رکھ دیا ساغر کیساتھ

بیخودی نے ضعف میں مجبور ایسا کر دیا
آپ میں آ ہوں یادِ شوخیِ دلبر کیساتھ

اضطرابِ دل نے اس رہ میں بڑھایا وہ قدم
نقشِ پا تک بھی نہیں میرا مرے رہبر کیساتھ

پہنچ نجائیں دلِ غیر میں کہیں یارب
کہ میرے سینے میں ارمان سما نہیں سکتے

وہ خاک رحم کریں نازکی سے ہیں مجبور
کہ ہاتھ میرے ستم سے اُٹھا نہیں سکتے

کسی کی سنکے کہیں کیا یہ ناتوانی ہے
کہ بات کا بھی مزا ہم اُٹھا نہیں سکتے

یہ بار بار جو پیکاں کو دیکھتے ہو تم
نکل گئی کوئی کیا آرزو میرے دل کی

اُٹھکر درِ جاں سے کہو کوئی کدھر جائے
جی سے نہ گذر جائے تو دنیا سے گذر جائے

ڈر ہے کہ وہ تکفین کو اُسکی نہ چلے جائیں
یارب نہ عدو میری شبِ وصل میں مرجائے

ساغر کشِ میخانۂ توحید ہوں ناصح
وہ نشہ نہیں مجھکو جو باتوں میں اُتر جائے

کیونکر نہ بڑھے لطفِ شبِ وصل عدو کا
عارض پہ ترے زلفِ پریشان جو بکھر جائے

دیدار میں وہ لطف ہے جسے دیکھکے ہو زیست
رفتار میں وہ قہر جو دیکھے وہ مر جائے

رنجوریٔ الفت کا مری پوچھ نہ انجام
آغاز میں وہ درد ہے جو حد سے گذر جائے

آرائشِ ہر دم سے نہو دے جسے فرصت
شاداں کی پریشانی پہ کیوں اُسکی نظر جائے

مرجاؤں گا اک روز فغاں کرتے ہی کرتے
حالِ دلِ بیتاب بیاں کرتے ہی کرتے

پورا نہ کہا جائے گا حالِ تپِ ہجراں
گذرے گی شبِ وصل بیاں کرتے ہی کرتے

محبت نے مجھے کھینچا کہاں سے
کہیں آیا زمیں پر آسماں سے

سنو پُر درد ہے حالِ دلِ زار
مزا پاؤ گے تم اس داستاں سے

بس اب خاموش کیا کیا کہہ چکے ہو
نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے

تم اپنا رنگ آئینہ میں دیکھو
تمہیں کیا کام رنگِ عاشقاں سے

بہت سی خاک چھانی تم نے شاداں
قدم باہر نہ رکھو اب مکاں سے

دل کسی شخص پہ آجائے تو کچھ حال کھلے
آپ کیا جانیں کہ عاشق کی طبیعت کیا ہے

نشانہ دل ہے بسم اللہ کیجے
اگر کچھ شوق ہے تیر و کماں سے

شاداں

شاداں ۔ مولانا مولوی سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی ابن مولوی سید تفضل حسین صاحب انکا بیان ہے کہ انکا نسب ۳۲ واسطہ سے امام علی نقی تک پہنچتا ہے۔ انکے اجداد میں سید جلال بخاری و سید نظام الدین اولیاء و جہانیاں جہاں گشت ہیں۔ بعد غدر انکے دادا مولوی سید فدا حسین آرہ میں وکالت کرتے تھے اور انکے والد بھی وہیں رہتے تھے۔ اس وجہ سے آپکی ولادت وہیں یکم ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ کو ہوئی تین برس کی عمر میں اپنے دادا کے ہمراہ بلگرام میں تشریف لائے اور وہیں کے قصباتی اسکول میں تعلیم پائی چودہ برس کی عمر تک وہاں فارسی پڑھتے رہے اسکے بعد لکھنؤ میں تحصیل علوم انگریزی و عربی میں مصروف ہوئے بسنہ ۱۸۹۱ء میں انٹرنس تک انگریزی پڑھکر ترک تعلیم پر مجبور ہوئے اور قلت معاش نے نوکری پر مجبور کیا۔ سہارنپور، محمود آباد وغیرہ میں مدرسی کرتے رہے۔ مگر آپنے زمانۂ تدریس میں بھی طلباء کیساتھ پنجاب یونیورسٹی کا امتحان اسپیشل ٹسٹ انگریزی کیساتھ دیا اور اسمیں کامیاب ہوئے اور ۱۸۹۷ء میں آپنے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اسی وقت درۂ نادرہ کی شرح لکھی۔ آپ سنہ ۱۹۰۱ء میں ریاست رامپور تشریف لائے اور جناب نواب سید النظیر الحسن صاحب خلف ماہر لکھنوی کی سعی و کوشش سے مدرسہ عالیہ میں فارسی پڑھانیکے واسطے مقرر

ہو گئے۔ اس زمانہ قیام میں ریاست رامپور شعرا کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ رسا۔ بزم۔ کمال۔ آغا مظہر۔ صمیم طپش وغیرہ کا شمار درباری شعرا میں تھا۔ اور اُردو کا ایک ماہوار رسالہ نیرنگ کے نام سے جاری تھا شاداں صاحب نے رسالۂ مذکور میں فن تنقید کا سلسلہ شروع کیا۔ مثنوی میر حسن اور گلزار نسیم کے محاکمہ میں زبردست حصہ لیا۔ شعر کے حسن و قبح پر گہری نظر ڈالنے اور اُسکے عیوب اور نقائص کو دکھانے میں آپکو بڑی مشاقی تھی مگر نقادانِ سخن میں بعض اعتراضات کو اسلئے وقعت حاصل نہوئی کہ آپنے جہاں عیوب شعری کو دکھایا وہاں مشہور اور مسلم الثبوت اساتذہ کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کو ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا تھا اسمیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ سلسلۂ عدم توجہی سے بند ہو گیا آپنے ۱۸۹۵ء میں فن شعر میں جناب سید محمد مصطفیٰ صاحب رشید لکھنوی سے تلمذ حاصل کیا۔ آپ غزل گوئی میں لکھنؤ والوں کی شاعری کو ناپسند کرتے ہیں قدیم اساتذہ دہلی کے معتقد ہیں کلام غالب کے عاشق ہیں اور مرزا صاحب کے اشعار پڑھکر جھوم جھوم کر مزے لیتے ہیں جن اشعار میں درد ہوتا ہے وہ دوسرے دل کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتے ہیں نیچرل شاعری کے شایق ہیں۔ آپکا اندازِ سخن رندانہ شوخی اور مستانہ مضامین سے مبرا ہی شرح درہ نادرہ۔ شرح معمائے حدایق البلاغت۔ شرح معمائے جامی۔ شرح نورتن ظہوری۔ آپکی قیمتی تالیف ہیں عرفی کے بعض اشعار کا خوب حل کیا ہے۔ انکو اپنے اس مطلع پر بڑا ناز ہے سہ

غلط ہے یہ مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں	یہ لوگ کیوں نہیں میری نظر کو دیکھتے ہیں

اسمیں شک نہیں کہ اس شعر میں ایک لطیف اور نازک خیال کو پیدا کیا گیا ہے اور عیدار محبوب کا عجیب و غریب حیلہ نکالا گیا ہے مگر اس مطلع کے دونوں مصرعوں میں یہ اور کیوں نہیں کی تعقید نے تمام معنوی خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ کاش اس شعر میں جیسے عمدہ معانی پیدا کیے گئے ہیں اسیطرح ادائے بیان میں بھی تعقید کا الجھاؤ نہ ہوتا تو اسکی خوبی دوبالا ہو جاتی دوسرا شعر یہ ہے

نگاہِ لطف تمہاری جدہر کو دیکھتے ہیں	تمہارے چاہنے والے اُدہر کو دیکھتے ہیں

جدہر اور اُدہر کا قافیہ ناجایز ہے تعجب ہو کہ ایسے محقق کے کلام میں ایسی کمزوری کیوں

موجود ہے۔ شاید یا وائل عمری اور نومشقی کے زمانہ کا کلام ہو۔ انتخاب کلام بہم رسیدہ یہ ہے

مرے ارمان نکل جائیں مرے دل سے فغاں ہو کر
اب اتنی بھی نہیں امید مجھکو ناتواں ہو کر

وہ بگڑنا کسی کا دم بہ دم
بھا گئی ہمکو یہ ادائے ستم
گالیاں دینا کوسنا باہم
سنتے ہیں انکو چھیڑ چھیڑ کر ہم
کس منہ سے عتاب کی باتیں

میرا کیا بگڑا جو وہ زلفیں بنانے میں رہے
مرگیا میں مشکلیں سب میری آساں ہوگئیں

دوست کا دوست ہو دشمن اُسے کیونکر کہیں
الفتیں غیر دل کی پھر کیوں آفت جاں ہوگئیں

امتحاں کے لئے سینہ پہ رکھا اُس نے ہاتھ
اب تڑپ کس لئے تجھ میں دل ناشاد نہیں

یہ بتادے کہ نہ آنا شب فرقت کیا ہے
لے اجل انکی طرح تیری بھی عادت کیا ہے

یوں تو کہتا ہوں کروں گا میں شکایت اُن سے
سامنا ہو تو ہو معلوم شکایت کیا ہے

آپکے ظلم کی اے جان بس اب ہوگئی حد
وقت آخر بھی نہ پوچھا تری حسرت کیا ہے

قید ہستی سے جو چھوٹیں تو رہائی پائیں
قیدی کنج قفس کے لئے مدت کیا ہے

اک جگہ مجمع عشاق کا ہو جانا ہے
حشر کہتے ہیں کسے اور قیامت کیا ہے

شاداں

شاداں ۔ لالہ درگا پرشاد صاحب شاگرد قاضی ممتاز حسین ممتاز مرحوم۔ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختراع پسند طبیعت پائی ہے۔ بندش الفاظ بھی چست ہوتی ہے مگر قوت مشق کم معلوم ہوتی ہے ۔

زخم کھاتا ہوں مزے سے اور نیت "بھرتی نہیں"
آگیا کیا حسن قاتل کا نمک تلوار میں

میں تو ہوں غمخوار اور غم اسکا ہر دم خوار ہے
ہڈیاں غم نے نہ چھوڑیں میرے جسم زار میں

شاذ

شاذ ۔ ملک محمد صادق خانصاحب خلف شیخ فضل الدین صاحب ککے زئی۔ آپ سجانپور ضلع گورداسپور پنجاب کے باشندے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے انٹرنس کے درجہ تک تعلیم پائی ہے۔ اب تعلقات کے دفتر وزارت میں کلرک ہیں۔ ابھی ابتدائے مشق ہے۔

مگر کلام سے ترقی کی جھلک نمایاں ہے ۔ راقم تذکرہ کو جو کلام روانہ کیا تھا اسکا انتخاب مندرجہ ذیل ہے ؎

بتوں کی آرزو مدت سے ہے پر بت نہیں ملتے
خدا کی آرزو کرتے تو اب تک مل گیا ہوتا

سوزِ دل سے جو بھرے ہیں ترے نالے بلبل
برگِ گل پر نہیں پڑ جائیں نہ چھالے بلبل

چلی جب تیغ رک رک کر تو قاتل نے بھویں تانیں
ہمارے قتل کرنے کو نئے خنجر نکالے ہیں

اے منکر و نکیر پھر آنا کبھی کہ اب
ذوقِ خیالِ یار سے ہوں محو خواب میں

اب انحصار زیست ہے خط کے جواب پر
یعنی ہماری جان کفِ نامہ بر میں ہے

ذرا تم شمع و پروانہ کو دیکھو کیا تماشہ ہے
کہ اک عاشق کا اک معشوق کے کاندھے پہ لاشہ ہے

ہم صفیروں کی زبانی یہ خبر پائی ہے
کہ چمن میں وہی پہلی سی بہار آئی ہے

اک فقط میں ہی ترا طالب دیدار نہیں
سارا عالم ترے جلوہ کا تمنائی ہے

شارق

شارق ۔ منشی محمد جعفر حسین ۔ مولد ریاست بنگن پلی مدراس خلف منشی غلام رسول ۔ انکے بزرگ بیجاپور کے مشاہیر سے تھے تاریخ نوائط کے پڑھنے سے انکے حالات کا پتہ چلتا ہے ۔ آپ صاحب جائداد اور مشہور تاجر ہیں ۔ انگریزی ۔ فارسی ۔ اردو سے واقف ہیں ۔ مولانا مانیاں سے فن شعر میں استفادہ کرتے ہیں تیز طبع ہونہار نوجوان ہیں عشقیہ شاعری سے لگاؤ نہیں نعت میں خامہ فرسائی کرتے ہیں ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

زور پر گریہ پھر جوشِ جنوں ہونے لگا
پانوں کا ہر آبلہ ہم رنگ خوں ہونے لگا

ہجر روئے احمد مختار کی تاثیر ہے
میرا ہر آنسو ابھر کر لالہ گوں ہونے لگا

"قوسین او ادنیٰ" کا تصور ہے رات دن
سدرہ مرا مقام ہے شارق کہاں ہوں میں

طریق عشق سے جو آشنائے راز نہیں
کبھی قبول عبادت نہیں نماز نہیں

شاطر

شاطر ۔ مولوی رضا احمد ابن مولوی حکیم نیاز احمد ۔ صدیقی آپ بدایوں کے قدیم معزز شرفا سے تھے عربی ۔ فارسی میں اچھی استعداد تھی ۔ اپنے والد سے فن خوشنویسی میں کمال حاصل کیا تھا

لطیفہ گو، نکتہ سنج شاعر تھے سلیس سادہ گو تھے اور شعر میں صفائی کو پسند کرتے تھے۔ بلند شہر، سہسوان میں وکالت کرتے رہے پھر اپنے وطن بدایوں میں آکر وکالت شروع کی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۰ء میں وفات پائی جو دو چار شعر دستیاب ہوئے ہیں درج کئے جاتے ہیں ؎

گیسوئے مشکبوں کا سودا ہو گیا	سامنا کالی بلا کا ہو گیا
ساقی تو بھر دے میرے پیالہ کو بنگ سے	گھری جھینگی آج کسی سبزہ رنگ سے
گو ضد سے لاکھ بار کرے بیوفائیاں	لیکن خدا قسم تری عادت وفا کی ہے
اے اہل بزم حضرت شاطر کو دیکھیو	کیسے چلے ہیں بغل میں نعلین داب کے

شاطر۔ منشی بیلی رام خلف لالہ متھرا داس۔ از خاندان دیوان کروڑی مل امرتسری حال ساکن راولپنڈی شاگرد حکیم کریم بخش نادر قنوجی و خواجہ عشرت لکھنوی۔ ۲۱ جون ۱۸۹۰ء سال پیدائش ہے۔ اکثر مشاعرہ بھی کیا کرتے ہیں آجکل نوشہرہ میں انسپکٹر آف ورکس کے عہدہ پر فائز ہیں طبیعت اچھی پائی ہے۔ فارسی کی استعداد خاصی رکھتے ہیں شعر موزوں اور قریب قریب بے عیب کہتے ہیں انکے کلام کا انتخاب پیش ناظرین ہے ؎

طور پر حضرت موسیٰ کو گیا کیوں نہ ہوش	ٹالنا تھا تو کسی ڈھنگ سے ٹالا ہوتا
اُٹھینگے مر کے بھی نہ تری رہگذار سے	مستِ خمارِ بادۂ سرجوش نقشِ پا
پوچھا جو حال شوخیٔ رفتار یار کا	ثبت بنکے رہ گئے لبِ خاموش نقشِ پا
زندگی زلف کے سودے میں ہماری گذری	قصۂ عمر بھی اک عمر پریشاں نکلا
اُسکے وعدہ کا ہی کیا سہل وفا ہو جانا	جس کو ہر بات میں آتا ہے خفا ہو جانا
دنیا کے مزے اور تو ملجاتے ہیں قاتل	مرنے کا مگر لطف مکرر نہیں ملتا
صحرا میں پھریں کیوں نہ ترے چاہنے والے	ان خانہ بدوشوں کو ترا گھر نہیں ملتا
صانع سے کہیں عمر ہے صنعت کی زیادہ	آئینہ تو ملتا ہے سکندر نہیں ملتا
نہ کھینچ دیکھ ستمگر عتاب میں تلوار	کہیں نہ ٹوٹ کے رہجائے داب میں تلوار

خیال یار سے وقاتل میں تھی جو آنکھ لگی
تمام رات نظر آئی خواب میں تلوار

پہلے نظر ملاتے تھے ہر فتنہ گر سے ہم
اب جھینپتے ہیں آپ ہی اپنی نظر سے ہم

خلشِ دل کا ہم اسطرح مزا لیتے ہیں
تیر آتا ہے تو پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

دل کیا گیا کہ اُٹھ گئی امیدِ زندگی
کشتی ہماری ڈوب گئی ناخدا کے ہاتھ

کہتے ہیں عاشقی میں ہے دُرِ بے بہا ہی صبر
کیا چیز آگئی دلِ غم آشنا کے ہاتھ

بیخود کیا ہے جذبۂ شوقِ وصال نے
اب اپنی شرم ہے تری شرم و حیا کے ہاتھ

ملتی ہے بعد رنج کے راحت جہان میں
موسیٰ نے لیلیا یدِ بیضا جلا کے ہاتھ

فتنۂ جوشِ جوانی نہیں دائم رہتا
یہ بھی دریا کی طرح چڑھکے اُتر جاتا ہے

کئے اُسنے مری حسرت بھری تحریر کے ٹکڑے
اڑائے خوب ظالم نے خطِ تقدیر کے ٹکڑے

وہ عیادت کو آئے غیر کے ساتھ
مر مٹوں کونسی خوشی کے لئے

جی رہے ہیں امیدِ وصل پر ہم
مر رہے ہیں اسی خوشی کے لئے

مٹ گیا جھگڑا دلِ بیتاب کا
آنکھ لڑنے پر صفائی ہو گئی

مِل کے درباں سے میں پہنچا یار تک
بخت یاور تھا رسائی ہو گئی

گیا بچپن جوانی آئی اُن کی
ستم میں کم سنی سے یہ بڑی ہے

مرنیکے بعد بھی نہ مٹی گردشِ نصیب
ہم دفن بھی ہوئے تو تہِ آسماں رہے

تم نے دنیا پہ جب نظر ڈالی
تہ و بالا زمین کر ڈالی

پتے پتے میں تو نظر آیا
ڈالی ڈالی پہ جب نظر ڈالی

اُٹھ گئے سب حجاب کے پردے
آنکھ والوں نے وہ نظر ڈالی

معجزہ ہے شبِ مصیبت بھی
شام سے ہم نے صبح کر ڈالی

وہ قتل کرتے ہیں تو موت ہنسکے کہتی ہے
کہ فکر آپ کو ہوگی ابھی کفن کے لئے

مجھے بھی رہنے دے حیرت زدہ بنا کر
اِک آئینہ ہی سہی تیری انجمن کے لئے

یقین کامل جو ہیں عقیدت اِسکو کہتے ہیں — برہمن بھی بتوں میں بن گیا تصویر پتھر کی

شاطر

شاطر۔ منشی بندیو پرشاد صاحب کایستھ سکسینہ وسری تلمیذ حضرت مومن حسن صفی امروہوی بزرگوں کا قدیم وطن دہلی ہے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ سے آپکے والد متھرا میں پہونچے ۱۹۰۸ء میں قصبہ سعد آباد ضلع متھرا میں آپکا قیام تھا اور اُسی زمانہ میں کچھ کلام بھیجا تھا۔ قصائد و تاریخ گوئی سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اُردو غزلیات میں معرفت و تصوف کے جذبات بیان کرتے ہیں علم نجوم میں بھی دخل ہے۔ اُردو ہندی میں صاحب تصنیف ہیں۔ دہرو جنتر اور بزم حقیقت شایع ہو چکی ہے کبھی کبھی فارسی بھی کہتے ہیں تاریخ کہنے میں مشاق ہیں۔ کلام مرسلہ ریختہ کا انتخاب یہ ہے ؎

کیوں یہ سودائے تعصب شیخ تیرے سر میں ہے — ہے جو کعبہ میں وہی بت خانہ کے پتھر میں ہے

چشم دل سے دیکھ گر ہے تجکو نظارہ کی تاب — نور کس کا شعلہ و مہر و مہ و اختر میں ہے

ہر جگہ ہے ایک ہی دلدار دلبر جلوہ گر — فتنہ ہے مے میں آب گوہر میں شیر پتھر میں ہے

ہیں علیحدہ نام کو کعبہ کلیسا بتکدہ — ایک ہی ہے شمع جس کا نور تینوں گھر میں ہے ۵

مجکو اُس سے عشق ہے اُسکو محبت مجھسے ہے — ہے صنم دل میں مگر شاطر دل دلبر میں ہے

شاطر

شاطر۔ مولوی عبدالرحمن صاحب رئیس مدراس۔ جائے حیرت ہے کہ جس مقام میں لکھنے والے تو کجا چند آدمی صاف اور شستہ زبان کے بولنے والے بھی نہوں وہاں ایسا باکمال زبان دان نشو و نما پائے جسے ماہران زبان اہل زبان کے ہم پلہ ہونے کا سرٹیفکٹ عطا کریں۔ عالی فکر خوش دماغ سخنور ہیں قصائد کے لکھنے میں خاص ملکہ ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالی۔ مولانا شبلی۔ لسان الملک حضرت اکبر جیسے بزرگ اُنکی شاعرانہ قابلیت کے مداح اور معترف رہے ہیں ؎

ہائے کیوں مرتے ہی آنکھیں بند کر دیتے ہیں یار — اک تغافل کیش کا ہمکو ابھی ہے انتظار

جان حاضر ہے کرینگے تیرے قدموں پر نثار — جلد اے پیک قضا لا پیام وصل یار

راز الفت کیا چھپے جب دل ہی قابو میں نہو — زور مجھسے کیا چلے اے گریۂ بے اختیار

بال و پر بلبل کے ہیں اے گل ہوا میں منتشر — مژدہ لاتی ہے سنانے کسکو اب فصل بہار

حسرتیں گن گن کے کٹتی تھیں جو راتیں اب کہاں
کیا ہوا جادو جو تھا تم میں وہ اے شب ہائے تار

کس طرح آساں ہو تیغ و گلو کا مرحلہ
کیا کریں لے تشنہ کامی کند ہی خنجر کی دہار

ناخدا کے ناز ہم کب تک اُٹھائیں یا خدا
ڈوب جائیں گے یہیں اچھا نہ پیدا ہو کنار

ہم ہیں شاطر اور ہے طوف حریم میکدہ
رند عالم سوز را با مصلحت مبنی چہ کار

شاعر
شاعر - ناصر بیت عرف میر کلو دہلوی حضرت خواجہ میر درد کے قریبی عزیز اور انہیں کے شاگرد تھے۔ صرف دو شعروں کا ایک قطعہ دستیاب ہوا ہے جس سے انکا زور طبع ظاہر ہوتا ہے ؎

تو نہ تھا افسوس ظالم کیا نہیں
حال شاعر ہجر میں کیسا رہا

بیقراری - جاں کنی - بے طاقتی
غم - الم - وحشت - جنوں - سودا رہا

شاعر
شاعر - خواجہ کمال الدین صاحب - یہ بھی حضرت مرزا جانجاناں مظہر کے مرید اور صاحب دیوان شاگرد تھے۔ زیادہ حال انکا متحقق نہیں ہوا اسلئے ہم مجبوراً انکے دیوان سے چند غزلوں کا انتخاب درج ذیل کرتے ہیں انکے شاعرانہ خیالات قدیم زبان اور پُرانے رنگ میں ہیں۔ کلام بہت بے تکلف ہے۔ موجودہ عہد کے متروکات پر انکی شاعری میں نظر نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ اُس زمانے میں یہی الفاظ فصیح سمجھے جاتے تھے ؎

کس شاہ ہجر کا اس گھر میں ہوا گذارا
یوں بے چراغ کب تھا یہ ملک دل ہمارا

پھبتا ہے کیا یہ تجھکو اے یار مسکرانا
ٹک واسطے خدا کے اک بار مسکرانا

غنچوں کو اے ستمگر تیرے دہن کے آگے
ہنستا تو اک طرف ہے دشوار مسکرانا

شاعر ہے پوچ گوئی اپنی یہ آپ قائل
یاروں نہ اس کے سنکر اشعار مسکرانا

کس سے جاکر کروں تری فریاد
تو ہی دے آپ اپنے ظلم کی داد

جائے تو بھی نہ یہ جنوں میرا
رگ جاں کھول دے اگر صیاد

شاعر اگر تری غلامی میں
دونوں عالم سے ہوگیا آزاد

زخموں کی ترقی کا مزا قتل کرے ہے
کھاؤں میں غم ناز ترا یا کہ غم تیغ

عارض پہ اُس کے تِل نہیں دل ہے جلا ہوا
شاعر جو مدتوں سے پڑا تھا بکامِ زلف

شاعر آنسو نہ پوچھو ہرگز
میں نے ان بیقرار آنکھوں میں

یار کی نذر کو یہ رکھے ہیں
گوہرِ آبدار آنکھوں میں

کیا کیا اثر دئے ہیں بتوں کی نگاہ کو
یارب عطا ہو کچھ تو ہماری بھی آہ کو

یار دل کو لئے ہی جاتا ہے
مجھکو بیدل کئے ہی جاتا ہے

ٹکڑے جائے جگر تو کر ناصح
جیب کو کیا سئے ہی جاتا ہے

بول اُٹھا وہ عشق سن کے طبیب
یہ مرض جی وئے ہی جاتا ہے

آہ تو کس امید پر شاعر
ہجر میں یوں جئے ہی جاتا ہے

شاعر — میرزا ابو القاسم معروف بہ شاعر میرزا ۱۲۶۲ھ میں پنجاب میں ہنگامہ آرائے سخن ہوکر شاعری کی دنیا میں اپنی فصاحت اور بلاغت کے سکے بٹھا رہے تھے۔ فارسی گوئی سے ذوق اور کلام ریختہ سے شوق تھا۔ دونوں زبانوں میں صاحبِ دیوان تھے۔ سادہ گوئی کیساتھ مضمون آفرینی پر قربان تھے انکے شاعرانہ خیالات پرانی زبان میں جلوہ افروز ہوکر شاہدِ اثر کا جلوہ دکھاتے تھے۔ اُدہر تلے تیئیں۔ ستی۔ اور دیگر متروک الفاظ بے تکلف برت جاتے تھے۔ الفاظ کی تذکیر و تانیث کا بہت کم خیال تھا مگر ہر شعر زیورِ مضمون سے مالا مال تھا۔ فعل کے مفرد یا جمع ہونیکی مطلق پرواہ نہ تھی سنگلاخ زمینوں کو پانی پانی کر دینا انکے سخن کا اعجاز تھا۔ شاہ نصیر کی زمینوں میں بھی جولانی طبع دکھاتے تھے انکے رعنائے خیال اور شوکتِ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم معانی و بیان میں اچھی مہارت رکھتے تھے شاہزادۂ والا گوہر اور نواب عبد المجید خاں نبیرۂ نواب مظفر خاں والئی ملتان کے مداحوں میں تھے انہوں نے مولانا غلام رسول صاحب جیسے عالم خاص اور مولوی غلام محی الدین جیسے عارف کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا تھا۔ آنکا دیوان فارسی و اُردو ۱۲۷۲ھ کو مطبع قادری لاہور میں چھپا تھا۔ جو مؤلف تذکرہ کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

تو ریب کے پردہ کو اگر دل سے اُٹھائے
ہو جلوہ نما دیر میں سب نورِ حرم کا

راہ لے بھاگے عدم کو وامق و فرہاد و قیس
تیرے دیوانے اُنکو بھی گریزاں کر دیا

محتسب کچھ تیرے دل میں کیا خدا کا ڈر نہیں
شیشۂ مے پر جو تو نے سنگ باراں کر دیا

دیکھتے ہی اُس بتِ کافر کو ہے دل میں یقیں
باندھ کر زنار زاہد برہمن ہو جائے گا

ہجر میں لیلی ادا کے گر رہے جاری سرشک
غرقِ طوفانِ بلا مجنوں کا بن ہو جائے گا

نظر آیا نہ حرفِ مہر و وفا
دفترِ حسن سر بسر دیکھا

پاکبازی خیالِ باطل ہے
دامنِ چشمِ عشق تر دیکھا

لیگیا دل کو مرے آ یک بار
ہوشئے گلرخے سمن رخسار

گر کہوں سرو اُس کے قامت کو
سرو باشد چگونہ خوش رفتار

بیوفائی نکر خدا کے لئے
اے بتِ شوخ دلبرِ عیار

دامِ زلفِ سیاہ کا بس ہے
دوستو مجھکو مت کرو زنجیر

اُس محبت کی نہر میں شیریں
خونِ فرہاد ہے بجائے شیر

عشق ہی دیتا جلا آئینہ دل کے تئیں
عشق ہادی عشق رہبر عشق مرشد عشق پیر

دستِ جنوں نے پرزے پرزے پھاڑ ڈالا وحشت سے
ناحق چاکِ گریباں میرا ناصح آ کے سیتے ہیں

پھرا ہوں گلشنِ گیتی میں بس چمن بہ چمن
نہ دیکھا تجھسا کوئی سروِ گلعذار کہیں

شام و سحر گذرتے ہیں اُسکے خیال میں
بے ڈھب اُلجھ گئے ہیں محبت کے جال میں

دیتے ہیں قدِ یار سے تشبیہ سرو کو
کیا شاعروں نے دیکھی ہے خوبی نہال میں

عیدِ قرباں ہے صنم پہ جان و دل قرباں کرو
حجِ اکبر ہے طوافِ کوچۂ جاناں کرو

حجرِ اسود خال ہے اور چاہِ زمزم ہے ذقن
شربتِ اجرِ عظیم بوسۂ نوشِ جاں کرو

خدا کے واسطے اے چشمِ گریاں
غبارِ خاطرِ جاناں دُھلا تو

مے پرستوں کو نگاہِ مست دکھلا یار کی
دخترِ رز کی محبت سے چھوڑا دوں تو سہی

اُس بتِ کافر کے جلوہ کو دکھا کر آن میں
زاہد و کعبہ سے میں تمکو پھرا دوں تو سہی

ہجر میں لیلی ادا کے بسکہ آیا ہوں بہ تنگ
آپ کو مجنوں بنا بن بن پھرا دوں تو سہی

کھو دلانی کام کیا ہے پتھروں سے جوئے شیر
دیدۂ گریاں سے نہر خوں بہا دوں تو سہی

اوج میں سب بے ہنر اور اہل ہنر نیچے ہیں
مشتری سعد تو ہے لیک ہے کیواں کے تلے

تار تسبیح کا اور رشتۂ زنار ہے ایک
زاہدا کفر ہے پنہاں ترے ایماں کے تلے

سر کو رکھ پاؤں پہ روئے تو لگے یوں کہنے
نہر ہے خوب رواں سرو خراماں کے تلے

اگر دیکھ پاوے پری رخ کو میرے
سلیماں بھی بلقیس سے منہ کو پھیرے

نہ کیلا گیا ناگ زلف سیہ کا
کئی سر پٹکتے گئے ہیں سپیرے

ہوا عیش پامال اقلیم دل میں
کئے جس گھڑی لشکر غم نے ڈیرے

قول و قرار یار کے جتنے ہیں سب درست
لیکن گلہ ہے اپنے ہی بخت سیاہ سے

لاتقنطو یہ چشم توقع ہے اپنی واہ
ہوں منفعل اگرچہ سراپا گناہ سے

خونیں دلوں کو شاعر مزا نہیں غرض
حرص و ہوائے دہر سے یا عز و جاہ سے

الٰہی یہ کیسا جگر میں قلق ہے
قلم کی زباں جس کے لکھنے میں شق ہے

شاعر

شاعر۔ میر بسم اللہ صاحب شاگرد کرامت علیخاں صاحب فرخ زیادہ حال و کلام دستیاب نہو سکا اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں آمد کم اور آورد زیادہ ہے۔ علاوہ اسکے کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی۔ یہ نمونہ کلام ہے

نہ سرمہ ہے صنم بے حجاب آنکھوں میں
خدا کا نور ہے ان لاجواب آنکھوں میں

نظر پڑا ہے ترا جب سے چہرۂ روشن
ہوا ہے ذرہ سے کم آفتاب آنکھوں میں

جسے نہیں ہے مروت وہ آدمی ہی نہیں
بشر کو چاہئے شاعر حجاب آنکھوں میں

شاعر

شاعر۔ مولوی علی حسین صاحب بریلوی آپ حضرت عبد اللہ صاحب احرار کی اولاد میں ہیں جو مولانا جامی کے پیر و مرشد تھے۔ مولوی صاحب موصوف ظریف مزاج اور لطیفہ سنج شخص تھے پیرانہ سالی میں جوان طبیعت پائی تھی۔ آپ کو فن سخن میں نواب عبد العزیز خانصاحب عزیز بریلوی

سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فن شاعری کے رموز سے واقف تھے مگر پھر بھی ترکیب و بندش چست ہوتی تھی اور صحت لفظی کا خیال بھی نہ تھا۔ فارسی، عربی کے سوا تھوڑی سی انگریزی بھی جانتے تھے۔ بریلی میں بذریعہ معلمی اپنی بسر اوقات کرتے تھے۔ خود بیس پچیس غزلیں بھیجی تھیں انکا انتخاب درج تذکرہ کیا گیا
۸۔۱۰ برس ہوئے وفات پائی۔

[illegible]

یہ شب غم کی حرارت ہے کہ ٹھنڈا نہ ہوا | صورت شمع کئی بار کٹا سر اپنا
ایک خم ابرو یہ اترا کے وہ یہ کہتے ہیں | تیغ اپنی ہے کماں اپنی ہے خنجر اپنا
جب کہا میں نے شب غم کوئی غمخوار نہ تھا | وہیں زخم پکارا یہ گنہگار نہ تھا
کیوں ڈرے بیٹھے ہو کیا زخم جگر دیکھ لیا | تم نے بھولے سے مگر آج ادھر دیکھ لیا
کوئی ایسا نہیں پایا کہ نہ ہو حاجت مند | بے نیازی کا تمہاری یہ اثر دیکھ لیا
قبر سے بڑھ کے نہیں کوئی جگہ بھی چپ چپ | نکلا تا حشر نہ وہ جس نے یہ گھر دیکھ لیا
یہ کہہ کر ستم کرتا ہے ظالم | سکھاتا ہوں تمہیں فریاد کرنا
بتوں نے وہ ہوا باندھی ہے اب تو | کہ مشکل ہے خدا کو یاد کرنا
نقش قبا ہیں ضعف میں لپٹے ہیں بس کہ ہم | وہ دن گئے جو گرتے تھے انکی نظر سے ہم
اے بیخودی حواس نہیں اپنے آپ میں | حیران ہو رہے ہیں کہ آئیں کدھر سے ہم
گلے پر چڑھ کے میرے شوخی جوہر دکھاتی ہے | کہے ہے تیغ قاتل سے ذرا ٹھہرو تو چلتی ہیں
الجھا دیا ہے مجھے نگہ ناز یار میں | اے ضعف یہ اضافہ کیا حال زار میں
کہہ کے سنگھار سیر کرو لالہ زار میں | تم بھی تو کچھ بہار دکھاؤ بہار میں
چلتی ہوئی بلا کی ہے قاتل یہ تیری تیغ | قبضہ میں آتے ہی نہ رہی اختیار میں
دنیا کے دائرہ میں کسی کو نہیں قیام | مرکز نہیں ہے گردش لیل و نہار میں
دلوں کی باتیں ہیں الفت میں قیل و قال نہیں | ہے گفتگو تو ہر اک وقت بول چال نہیں
میں اپنی یاد دلاؤں انہیں تو کیا شاعر | یہی جواب وہ دیتے ہیں کچھ خیال نہیں

پہلے تو مشتِ خاک کو انساں بنادیا ؎ پھر کھیل سے بگاڑ کے مٹی خراب کی
میں یہ کہتا ہوں کہ میں بوسہ نہ مانگونگا کبھی ؎ وہ یہ کہتے ہیں یہ اندازِ سوال اچھا ہے
وصفِ رخِ جاناں میں قلم توڑ دیا ہے ؎ کچھ بھی نہیں لکھا ہے مگر خوب لکھا ہے
جرم گندم خوردنی کا تھا یہ جرمِ میخوری ؎ دانہ آدم کو ملا تھا اب ملا پانی مجھے
ٹیک جو سرا یک غم نامۂ چسپاں ہو سکے ؎ کاتبِ تقدیر نے دی ہے پشیمانی مجھے
یہ سب مردوں کی باتیں ہیں جو کچھ کرتے ہیں کرڈ دے ؎ کبھی کیا ہونگے ہم اے چرخِ ظالم نوجواں پھر بھی

شاعر ۔ مولوی سید فضل حسین صاحب متخلص بہ شاعر ابن منشی فضل رسول صاحب واسطی تعلقہ دار قصبہ سندیلہ ۔ شاگرد ظہور لکھنوی آپ نہایت خلیق اور منکسر مزاج رئیس تھے اپنے والد کی وفات پر تعلقہ کے مالک ہوئے علم موسیقی سے بھی شوق تھا علم دوست اور فیاض رئیس تھے منشی ظہور صاحب شاگرد حضرت اسیر اور منشی سید منصب علی صاحب ہنر مرحوم سندیلوی کے فیض صحبت سے آپکی طبیعت میں قدردانی اہل ہنر اور سخن گستری کا مادہ پیدا ہوگیا ۔ چونکہ حضرت ہنر مرحوم بھی باکمال شاعر تھے اس لئے اس زمانے میں مشاعروں کا سندیلہ میں بڑا زور رہا ۔ نامی نامی شعرا تشریف لاکر جناب شاعر کے مہمان ہوا کرتے تھے ۔ آپکے فرزند ارجمند جناب خان بہادر منشی سید التفات رسول صاحب ہاشمی تعلقہ دار سندیلہ بھی خوش فکر شاعر تھے ۔ جناب شاعر صاحب کا مرتب شدہ قلمی دیوان اُنکے بیٹے ہاشمی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے ۔ افسوس کہ حضرت ہاشمی نے ماہ جنوری سنہ ۲۱ء میں انتقال فرمایا ۔ جناب شاعر کا پایۂ فکر عالی اور اندازِ بیان نرالا تھا ۔ اُنکے بیٹے معراج رسول مئوی میں ملے تھے اور مفصل حالات اور کلام بھیجنے کا اقرار کیا تھا ۔ مگر باوجود یاد دہانیوں کے ایفائے وعدہ کی نوبت نہیں آئی ۔ انتخاب ملاحظہ ہو ؎

کل مجھسے پوچھتے تھے وہ دم دیکھے راہ میں ؎ یوسف گرے کنوئیں میں کہو کس کی چاہ میں
سینے میں دل کے ساتھ تمنا بھی ہے اسیر ؎ یوسف کی چاہ سے ہے زلیخا بھی چاہ میں
ہو کے سید دم نہ اُس ابرو کا تصور موقوف ؎ سامنے آنکھوں کے ہر دم یہی تلوار رہے
اے غمِ ہجر نہ احسان ملک الموت کا ہو ؎ جان جاتی رہے اے کاش قضا سے پہلے

لٹ گئے راہ میں ہم منزلِ مقصود کہاں
راہ زن ہمکو ملا راہ نما سے پہلے

وہ صورت جو پیشِ نظر ہو گئی
عیاں شامِ غم کی سحر ہو گئی

اگر کٹ گیا سر تو کچھ غم نہیں
مہم عشق بازی کی سر ہو گئی

جوانی کی تھی نیند چونکے نہ ہم
سحر سے جو سوئے سحر ہو گئی

شاعر

شاعر - منشی سید ولاد حسین خلف و شاگرد حضرت ذاخر لکھنوی - رسالہ النیران لکھنؤ کے منیجر ہیں کلام سے پختہ مغزی ہونا پایا جاتا ہے - دل میں سوز اشعار میں درد ہے - زبان میں سلاست اور بیان میں لطافت ہے - مصرعہ پر مصرعہ خوب لگاتے ہیں جس سے اچھی خاصی مشق ظاہر ہوتی ہے - مضمون آفرینی میں زبان کی چاشنی کا ذائقہ موجود ہے - کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

نزع میں اور بھی بڑھ جائیگی الجھن اُس کی
اپنے بیمار کے آگے نہ پریشاں ہونا

جلانے شمع تربت اس طرح آتا ہے وہ کمسن
کبھی دو گام بڑھ جانا کبھی ڈر کر ٹھہر جانا

جہاں ہمراہِ لاشہ آئے ہو اور آنے کی تکلیف
ملا لو خاک میں ہم کو تو پھر تم اپنے گھر جانا

رونے والا تھا مرا اے بیکسی زنداں میں کون
حلقۂ زنجیر میں ہاں کچھ دنوں ماتم ہوا

حالتِ فرقت کہی زانو پہ لیکر اُنکا سر
اتنا رونے پھول سا رخسار آخر نم ہوا

ہوش آیا ختم پیری پر مجھے بعدِ شباب
رات کا جاگا ہوا تھا دن چڑھے سو کر اٹھا

چشم بد بیں کور ہو کسکی نظر ہے سوئے دوست
آج بن بن کر بگڑتے جاتے ہیں گیسوئے دوست

شامِ وصلت رحم کر للہ گر دل جسم کر
اور تھوڑی نیند لے لوں میں سر زانوئے دوست

زیرِ سر حسرت بھرا آخر خط اپنا رکھ لیا
مر گئے ہم اور نہ پایا جانیوالا سوئے دوست

لاغری میں مجھکو رکھ ثابت قدم اے شوقِ دید
دو قدم کا فاصلہ ہے سامنے ہے کوئے دوست

عار اسکو شبِ غم سے ہے مرے گھر آنے میں
موت کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں سیہ خانے میں

بیٹھے رہنے کا بہانہ ہمیں قسمت سے ملا
منہ برسنے لگا جب آ چکے میخانے میں

عکس سے اہلِ فلک کو صاعقہ کا خوف ہے
دھوپ میں کیوں گردشیں دیتے ہو تم تلوار کو

ناامیدی اس طرح تیرے آنے سے ہوئی
اور بھی ارمان شہادت کا فزا دینے لگے
یہ نہ سمجھے مجھ پہ کیا گذری ہے کیوں بیہوش ہوں
چارہ سازو ۔ خاک اچھا ہو مریض عشق یار
مرجائیگا بیمار شب ہجر تڑپ کر
ترے وعدہ کی شب فرقت میں کٹ گئی چین پانا ہوا
یہ ذرّ دیدۂ نظر سے جستجو بیکار کرتے ہو
تجھے درمان زخم دل کی کوشش چارہ گر کیوں ہے

سب لئے بیٹھے رہے شب بھر ترے بیمار کو
آپ نے تلوار باندی ہم دعا دینے لگے
چارہ گر جھک جھک کے دامن کی ہوا دینے لگے
تم نے بیجا نامرض بھی یا دوا دینے لگے
وہ سورۂ والشمس اگر دم نہ کرینگے
ترا آنا بھی مشکل نیند کا آنا بھی مشکل ہے
جہاں پر ہاتھ تم رکھدو وہیں سمجھو مرا دل ہے
نکلنا تیر زنگ آلود کا سینے سے مشکل ہے

شاعر ۔ محمد حبیب اللہ صاحب نایب صیغہ دار محکمۂ نظم جمعیۃ سرکار عالی حید رآباد ۔ دکن خوش فکر
اور ذہین ہیں ۔ زبان صاف کہتے ہیں ۔ انتخاب یہ ہے

نہیں کس دل میں جستجو تیری
کیوں نہ ہو دل فدا تصور پر
میرے رونے پہ ہنسکے کہتے ہیں
باز آ باز آ جفاؤں سے
خاک شاعر غبار میں ملکر

نہیں کس لب پہ آرزو تیری
شکل رہتی ہے روبرو تیری
آنکھ کھوتی ہے آبرو تیری
یہ بُری ہے بُری ہے خو تیری
جستجو میں ہے کو بکو تیری

شاعر سخنور ۔ شیوا بیان ۔ سحر زبان ۔ شاعر جادو طراز آغا ظفر علی بیگ قزلباش دہلوی ۔
قدرت کا منشا تھا کہ یہ شاعری کی دنیا میں نامور ہوں ۔ شہرت پائیں ۔ دلّی کے فصیح محاورات ٹکسالی زبان کو برتیں طبیعت لڑکپن ہی سے چلبلی اور شوخ تھی ۔ نواب احمد سعید خاں طالب کے فیض خدمت اور مرزا شجاع الدین خانصاحب تاباں کی حوصلہ افزائی نے اسمیں اور بھی چار چاند لگا دئے ۔ آپ دہلی کے مشاعروں میں اپنی خوشگوئی کی داد لینے کے بعد حضرت داغ کے تلامذہ میں داخل ہوگئے اور خط و کتابت کے ذریعہ سے انکو اپنا کلام دکھانے لگے ۔ ابتدا میں طبیعت کی تیزی ۔ روانی کا یہ حال تھا کہ ایک

ایک دن میں چار سو پانچ سو شعار کہہ لیتے اور وہ مشاعروں میں اپنے شاگردوں کو تقسیم کر دیتے۔ شعر گوئی کے آغاز ہی سے انہوں نے دہلی میں اپنا علمِ اُستادی بلند کیا تھا اور اُنکے ماننے والوں کی تعداد کافی تھی۔ رفتہ رفتہ بعض غزلیات اربابِ نشاط کے کوٹھوں اور گلی کوچوں میں گائی جانے لگیں۔ اور اُسوقت کے اساتذہ مثلاً۔ مولانا حالی۔ ظہیر۔ مجروح۔ طالب۔ ثاقب۔ راسخ۔ برتر۔ وغیرہ اُنکی ذہانت طباعی سلاست بیانی کو معترف تھے۔ بندش کی خوش اسلوبی اور اندازِ بیان کی ندرت مضمون کی شوخی سے مل کر مزا دوبالا کر دیتی ہے اور مشاعرہ میں آپکی غزل خوانی قابل شنید ہوتی ہے۔ اسی عرصہ میں اخبار وکیل امرتسر سے انکا تعلق ہوگیا اور اسمیں ایک فسانہ شایع ہونے سے اُنکی ادبی حلقوں میں شہرت ہونے لگی۔ مگر اخبار نویسی اور مضمون نگاری کا سلسلہ چھوٹتے ہی۔ وہ نہیں جاتا رہا۔ دہلی سے تلاش معاش حیدرآباد تشریف لیگئے۔ اُس زمانہ میں فصیح الملک مرزا داغ کی شاعری کا آفتاب سپہرِ نظم پر تاباں تھا دکن کے مشاعروں میں اُنکی شاعری کا طوطی بولنے لگا۔ بعض حسّاد اور تنگ نظر شعرا نے انہیں اپنے علم و فضل کے اثر سے دبانا چاہا لیکن ذہن کی خوبی اور طبیعت کی خوش اسلوبی خصوصًا زبان کی روانی سے انپر کوئی غالب نہ آسکا اور ہمیشہ بزمِ سخن میں انکا وقار قایم رہا۔ اسی عرصہ میں یہ مہاراجہ کشن پرشاد وزیر اعظم دولت آصفیہ کے ہاں بزمرۂ شعرا ملازم ہوگئے مگر قسمت نے وہاں بھی رہنے دیا۔ جوانی کا زمانہ تھا۔ شباب کے دن تھے۔ طبیعت عشق آشنا۔ خیالات شوخ۔ رنگین پسند آخر کار ناٹک کمپنیوں تک پہونچے اور ڈرامانگاری کے ذریعہ کلکتہ میں بسر اوقات کرتے رہے۔ دو تین سال تک بیگم صاحبہ مرشد آباد کے داماد نواب نصیر الملک سفیر ایران کی مصاحبت میں رہے وہیں سے "افسر الشعرا" کا خطاب پایا۔ ہم اس موقع پر حضرت داغ کی جانشینی کا مسئلہ چھیڑنا چاہتے ہیں ورنہ دنیا کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ آغا شاعر کو اُستاد مان لے لیکن یہ ضرور کہینگے کہ طبع رواں کے جوہر تغزل کی اصل شان۔ عاشق و معشوق کی گفتگو روزمرہ کی دلفریب اسلوب اور بے تکلفانہ محاورات جو داغ کی شاعری کا زبردست عنصر ہیں آغا شاعر کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ گو جذبات فطرت اور تخیل کی بلندی نے داغ کی شاعری کا زمانہ ختم کر دیا ہے مگر جبتک دنیا میں اُردو زبان کا وجود رہے گا محاورات داغ زندہ رہینگے۔ اسوقت اُنکی عمر ۵۵-۵۵

برنگی ہوگی۔ جو شوخی اور بانکپن انکے کلام میں ہے اسکی نظیر موجودہ شعرا کے ہاں کم ملتی ہے۔ آغا صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں جس میں قتل نظیر نے بہت شہرت پائی ہے۔ فسانہ نگاری میں یگانہ اور ڈراما نویسی میں مخزِ زمانہ ہیں علم مجلسی اور اخلاق میں فرد۔ آزادیٔ ہند کے حامی اور قلم کے مرد ہیں۔ آپنے ریاست جھالا واڑ سے ایک رسالہ "آفتاب" کے نام سے نکالا تھا۔ آپ مہاراجہ صاحب جھالاواڑ کے درباری شعرا میں دس برس سے منسلک ہیں آپنے فصیح اُردو میں کلام مجید کا ترجمہ نظم کیا ہے۔ مزیدار شعر کہتے ہیں انکا یہ شعر

حشر میں انصاف ہوگا بس یہی سنتے رہو
کچھ یہاں ہوتا رہا ہے کچھ وہاں ہو جائیگا

حوادث زمانہ سے چوٹ کھائے ہوئے دل کا مرقع اور کسقدر دلفریب ہے۔ دیوان اول "تیر و نشتر" کے نام سے مخزن پریس میں شایع ہو چکا ہے۔ دوسرا دیوان بھی تیار ہے۔

بتحریک اپنے محسن مہاراجہ سر بھوانی سنگھ والیٔ جھالاواڑ جنہیں علم و دانش کا پتلا کہنا زیبا ہے رباعیات عمر خیام کا فصیح و ٹکسالی اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے اور اب اُسے چھپوانے کا ارادہ کر رہے ہیں راقم تذکرہ سے عرصہ تیس سال سے انکے نہایت خوشگوار مراسم ہیں کئی مرتبہ میرے مکان پر مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں اور مشاہیر عصر مثل راجہ محمود آباد۔ نواب امداد امام۔ سر علی امام کو کلام سنایا اور انسے داد لی ہے۔ مذہباً شیعہ ہیں اور مرثیہ کہتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی۔ دو تین مرتبہ ریاست خیرپور سندھ ایام عشرہ میں بلائے گئے اور رئیس وقت کیطرف سے آپکی قدردانی بھی کیگئی۔ شاگردوں کی تعداد دو تین سو سے کم نہیں جیسے برق دہلوی۔ مائل دہلوی۔ ہاشم نسیم۔ شوق وغیرہ اچھا کہنے والوں میں ہیں عرصہ سے آپ اپنا تازہ کلام راقم تذکرہ کو بھیجتے رہتے ہیں اسلئے کلام کا بہترین حصہ شائقین اور قدردانان سخن کی ضیافت طبع کیلئے پیش کیا جاتا ہے پڑھیں اور مزے لیں ؎

دم نہ نکلا صبح تک شام الم
حسرتوں نے رات بھر تڑپا دیا

گر یہی رنگ سخن ہے شاعر رنگیں بیاں
تو بھی اکدن طوطیٔ ہندوستاں ہو جائیگا

شوق نظارہ اسے کہتے ہیں اللہ اللہ
پتلیاں جم گئیں عارض پہ ترے تل ہو کر

میری آنکھیں ہیں یہ موجود انہیں فرش کریں
میرے پہلو میں رہیں آپ مرا دل ہو کر

دن جوانی کے جو آئے انہیں پردہ سوجھا
کھنچ گئے آہ وہ تصویر کے قابل ہوکر

خون ہو ہو کے بہے لختِ جگر آنکھوں سے
دو گھڑی بھی نہ بہی درد کے شامل ہوکر

جستجو میں تری ہستی کو مٹا کر چھوڑا
ٹھوکریں کھائیں غبارِ رہِ منزل ہوکر

کعبے سے دیر۔ دیر سے کعبہ
مار ڈالے نہ راہ کی گردش

دل کی قیمت نہ جھکی تھی کہ نگاہیں بھی پھریں
تم تو رکھتے ہی نہیں طالبِ دیدار سے ربط

جل جل کے گل کیا تو قضا نے چراغ داغ
لیکن بہار پر ہی رہا رنگِ باغ داغ

نہ چھیڑو اب شکستہ خاطروں کو
کوئی نخرے اٹھائیگا کہاں تک

بچایا ہر طرح سے ناخدا نے
گئی ہے جب مری کشتی بھنور تک

ٹھیس لگتے ہی ٹوٹ جائے گا
شیشۂ دل حباب ہے بالکل

بس خدا کے واسطے بس چار آنکھیں ہوگئیں
سب گلے جاتے رہے جب چار آنکھیں ہوگئیں

اس محبت کا برا ہو کچھ نہ ان سے کہہ سکے
مرمٹا میرے جگر کے پار آنکھیں ہوگئیں

تم کیا سنو گے واہ ستمگر سے کیا کہیں
ہاں کوئی اہل درد ہو تو پھر سے کیا کہیں

دامن پہ انکے خون ہے مجھ بے گناہ کا
شرمندہ ہیں کہ داورِ محشر سے کیا کہیں

پھرتا نہیں کبھی جو کسی طرح دن پھریں
یہ بھی تری نظر ہے مقدر سے کیا کہیں

فقرے کسو نہ غیر کی خاطر سے بزم میں
دلمیں اترتے جاتے ہیں نشتر سے کیا کہیں

ایسا ہو جو بلائیں بھی لے اور خط بھی دے
بیچارہ جانور ہے کبوتر سے کیا کہیں

شاعر ہمارا کوچ مقدر کی بات ہے
تاباں سے کیا گلہ کریں نیر سے کیا کہیں

تم تک آ بھی نہ سکوں تمکو بلا بھی نہ سکوں
یہ تو کچھ ایسی دہری ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

نقش ہستی مرا دم بھر میں فنا ہوتا ہے
تیری حسرت تو نہیں کہ مٹا بھی نہ سکوں

میٹھی میٹھی وہ خلش دی ہے ترے تیروں نے
دلمیں رکھ بھی نہ سکوں جان سے جا بھی نہ سکوں

یہ نیا ظلم ہے بیداد بھی ہے تم تم کر
چین لے بھی نہ سکوں اشک بہا بھی نہ سکوں

ہلکی ہلکی وہ پلا ساقی ہوش میں مجھکو
تمکو اکسیر مبارک رہے دولت مندو
صفحۂ دہر سے کس طرح مٹے گریۂ خوں
شکوۂ ظلم بھی اسدرجہ گراں ہے شاعر
روز فرماتے ہیں ہم چاہیں تو مٹ جاؤ ابھی
سینہ مرا چھد گیا۔ تیر بر سے
محفل میں حسین ہی ہے تجھے فتنہ گر کہیں
عارض پہ مر مٹا کبھی گیسو میں جا پھنسا
بس چلو ہو چکا اتنا نہیں بنتے تو بہ
ماشاءاللہ رقیبوں کا یہ جمگھٹ آ ہا
ہم تمہیں یاد بھی آئیں تو کبھی بھولے سے
پہلے یہ حکم تھا آواز نہ نکلے منہ سے
جھلملاتا ہے مرا داغِ جگر آہوں سے
دل پہ مرتے ہیں یہ پیکاں تیرے
جب کبھی ہم نے بلایا اُن کو
آدمی آدمی سے ملتا ہے
بس مجھکو داد ملگئی محنت وصول ہے
وہی خاک میں مل گئے سب سے پہلے
نام کو بھی کبھی تسکینِ دلِ مضطر میں نہیں
نگہ مست سے پھر مجھکو بنا دو بیخود
تم نہ سمجھے تھے کہ مایوسیاں کیا کرتی ہیں

مست رہ بھی نہ سکوں ہوش میں آبھی نہ سکوں
میں وہ ہوں خاک جو نظروں میں سما بھی نہ سکوں
حرفِ غم ہے کہ جو کاغذ سے مٹا بھی نہ سکوں
راز کیطرح زباں تک جسے لا بھی نہ سکوں
دیکھنا کیا مری تقدیر بنے بیٹھے ہیں
اسیطرح اور فتنہ گر دیکھتے ہیں
دل ہی کہیں خیال کہیں ہے نظر کہیں
دل کی ہمارے شام کہیں ہے سحر کہیں
دیکھنا رات گذر جائے نہ ارمانوں میں
آج تو شمع بنے بیٹھے ہو پروانوں میں
تم ہمیں بھول بھی جاؤ تو بہت یاد کریں
اب یہ ضد ہے کہ تڑپتی ہوئی فریاد کریں
تیز جھونکے نہ کہیں شمع کو برباد کریں
ایک جاتا ہے تو دو آتے ہیں
یہی کہتے ہیں کہو آتے ہیں
بات کرنی تو کچھ گناہ نہیں
سُن سے غزل یہ بلبلِ ہندوستاں کہیں
جنہیں حسن و خوبی کے دعوے بڑے ہیں
موت ہی آئے جو تم میرے مقدر میں نہیں
کیا مئے ہوش ربا آپکے ساغر میں نہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ بیمار گھڑی بھر میں نہیں

ایک دن جان مری کاوش مژگاں میں نہیں
اب جیا ہیں تو ابھی دن مرے پھر جاتے ہیں
جنوں ہوش کی ہے سست [illegible] کی کبتک
اے دل آنکھیں کھلتے ہی اٹھیں شانے پر
درد [illegible] تن سے نکلتے ہوئے موت آتی ہے
چار دن کی ہے جوانی اسے کیا سمجھے ہو
ابھی وہ دن ہوئے شاعر تو بھلا چنگا تھا
کسکو امید اسکی ہوتی تھی میرے مولیٰ
قطرے کو آب دے کر گوہر بنا دیا ہے
سوز فرقت نہ بجھے گا کسی پہلو دل میں
پھر وہی ٹیس وہی درد وہی بیچینی
میں بھی نہیں مٹنے کا جو دشمن نہیں مرتا
جب میں نے یہ کی عرض چلا لیجیے مجھکو
جاتی رہی پہلو میں رہا کرتی تھی اک چیز
اچھوں پہ بری بنتی ہے شاعر یہ سنا ہے
کبھی آنکھوں میں رہتے ہیں کبھی وہ دل میں رہتے ہیں
اُدہر جو دیکھتا ہے وہ اِدہر بھی دیکھ لیتا ہے
تیرے کوچے میں بھی سناٹا عجب عالم ہے
وہ راہ میں ہیں سنا ہے۔ اب آئے کہ آئے
کبھی اِن آنکھوں سے مرتے چلے جاتے تھے
ملنا نہ ملنا یہ تو مقدر کی بات ہے

یہ کھٹک وہ ہے کہ جو تیر کے پیکاں میں نہیں
کونسی بات ہے جو آپکے امکاں میں نہیں
دیکھ لے اب تو کوئی تار گریباں میں نہیں
کونسا پیچ تری زلف پریشاں میں نہیں
یہ قید [illegible] ہے اذیت جو زنداں میں نہیں
[illegible] یہ کوئی پھول گلستاں میں نہیں
سانس کا کھیل ہے بس کچھ بھی تو انساں میں نہیں
بگڑی بننے والے قربان تیرے جاؤں
عزت بڑہانے والے قربان تیرے جاؤں
کاش آنکھوں سے برسنے لگیں آنسو دل میں
چارہ گر آگ لگا دے کسی پہلو دل میں
اُٹھ جاؤں جو تم میں ہے وہ پردہ تو نہیں میں
ہنسکر کہا اے شخص مسیحا تو نہیں میں
تر بتر نہ ہوں کچھ آپ سے کہتا تو نہیں میں
صد شکر کس بات میں اچھا تو نہیں میں
بڑے بیچین ہیں ہم تو بڑی مشکل میں رہتے ہیں
تری تصویر بن کر ہم تری محفل میں رہتے ہیں
سینکڑوں چاک گریباں چلے آتے ہیں
کدہر کا قصد ہے او جان بے قرار نہیں
انہیں میں آج مروت نہیں ہی پیار نہیں
تم خوش رہو۔ رہو میری پیاری جہاں کہیں

جاتے کدھر ہو تم صفِ محشر میں خیر ہے
میکش ہوں وہ کہ پوچھتا ہوں اُٹھ کے حشر میں
جاؤ سدھارو تم سے نبھی ہے نہ نبھ سکے
پہرہ بٹھا دیا ہے یہ قیدِ حیات نے
اب تو ہم جتنی منگائیں ٹوٹ جائے فروش
پی بھی لو شاعر سمجھ رکھی ہے تو یہ آپ کی
بہت رونا مجھے آتا ہے غنچوں کے تبسم پر

دامن نہ ہو خدا کے لئے دھجیاں کہیں
کیوں جی شراب کی ہیں دکانیں یہاں کہیں
لیتے ہیں دل میں بیٹھ کے یوں چٹکیاں کہیں
سایہ بھی ساتھ ساتھ ہے جاؤں جہاں کہیں
پھر حساب اگلے برس ہو جائیگا برسات میں
چھوٹ سکتا ہے کوئی مردِ خدا برسات میں
فقط کھلنے ہی کی ہے دیر ساری کل بگڑی ہے

کس طرح اُس بشر سے کسی کو ضرر نہ ہو
وہ خود ہیں بیقرار لگی کے لگاؤ سے
ناصح کیسی آنکھ جو لگ جائے بزم میں
للہ جب عروج پہ مشتِ غبار ہو
دُھل جائیں سب گناہ جو رحمت برس پڑے
جھلک دکھائی سامنے آئے چلے گئے
ہم سے نہ ملئے آپ نے تو کہدیا مگر
کس ناز سے وہ پوچھتے ہیں مجھکو دیکھکر
ترے گیسو مٹا دینگے پریشانِ محبت کو
بڑے مجبور ہیں کس طرح چھوڑیں اپنی عادت کو
جہاں تم مسکرائے دوڑ کر ہم پیار کر لینگے
یہی رفتار کے انداز ہیں تو کیا ٹھکانا ہے
کوئی ہم سے زیادہ لذتیں کیا لیگا دنیا میں
ہر بات چھانٹ لیتی ہیں مشکل تراش کے

بندہ تو بندہ جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو
یہ بھی ہے کوئی بات اِدھر ہو اُدھر نہ ہو
تیرے فرشتہ خاں کو بھی اسکی خبر نہ ہو
اُس بت کی ٹھوکروں میں ہمارا مزار ہو
پردہ ہمارا سایۂ دامانِ یار ہو
یا وش بخیر تم بھی عجب پردہ دار ہو
وہ کیا کرے غریب جو بے اختیار ہو
شاعر مزاج کیسا ہے کیوں بیقرار ہو
بلا کی الجھنیں رہنے لگیں کافر طبیعت کو
بتوں پر ٹوٹ کر آنا سکھایا ہی طبیعت کو
لگانا ہاتھ پیچھے پہلے سن لو دل کی قیمت کو
خدا جانے کہاں چھپنا پڑے جا کر قیامت کو
کلیجے سے لگائے پھرتے ہیں دردِ محبت کو
پیکاں نکالتے ہیں مرا دل تراش کے

دل میں ہے درد۔ درد میں ارماں بھرے ہوئے
اُسکا جواب دیر و حرم میں کہیں نہیں
کانٹے کیطرح دل میں کھٹکتے ہیں موت کے
اِک دن برس پڑوگے ہمیں پر یہ کھل گیا
دل میں گھر کر گئی اس طرح محبت تیری
تار دیتے ہیں نظر بار شباہت تیری
بیڑیاں کاٹ کے شمشیر رکھی گردن پر
وہ بھی دن ہوں کہیں اللہ غریبوں کی سنے
تجھکو کیا ہوگیا شاعر جو مٹا جاتا ہے
غضب دیکھو خیال ابروئے خمدار میں آئے
ملتوں کی حکومت ہے تو شوخی کا زمانہ ہے
نگاہِ یار کی برچھی غضب کی دل نشیں نکلی
ہمارا ہی جگر ہے یہ ہمارا ہی کلیجہ ہے
نہیں سنتا کسی کی ان ضدوں کا کیا ٹھکانا ہے
ہمارے پاس بیٹھو اور دشمن پر بھی نظریں ہوں
سوالِ وصل بس اتنا کہا تھا جس پہ روٹھے ہو
خلیلِ عصر کہلایا مجھے بھی مل گئی جنت
خدا کی شان کیا تقدیر آئی ہے بگڑنے پر
قدم کو پھونک کر رکھے کوئی کیسا ہی دنیا میں
شرر اڑنے لگے سوزِ دروں کی لاگ سے شاعر
ابرو ہیں دونوں دل کے خریدار دیکھئے

سینے میں تیر تیر میں پیکاں بھرے ہوئے
جس دل میں ہوں خزانۂ ارماں بھرے ہوئے
چھالوں سے بھر رہے ہیں جو دامن بھرے ہوئے
کب تک پھروگے روز مریجاں بھرے ہوئے
ذرہ ذرہ سے چمکنے لگی صورت تیری
لاکھ پھولوں میں بھی چھپتی نہیں رنگت تیری
کہتے ہیں خیر گھٹا دیتے ہیں مدت تیری
ہر سحر آئینے میں دیکھا کروں صورت تیری
اس کو ضد ہے وہ نہیں دیکھتا صورت تیری
گلے ملنے لگے تلوار سے یہ پیار میں آئے
نگاہِ یار میں آنے مزاجِ یار میں آئے
کھٹکنے میں نہیں چوکی تڑپنے میں نہیں نکلی
نگہ نے نیمچہ مارا زباں سے آفریں نکلی
قیامت آگئی بس جب ترے منہ سے نہیں نکلی
کھٹکتی تھی جو دل میں پھانس وہ اب تک نہیں نکلی
ابھی تو بات بھی پوری مرے منہ سے نہیں نکلی
لبوں سے پھول برساتی جو آہِ آتشیں نکلی
ہماری بات بھی اب گلوگالی ہوتی جاتی ہے
نہیں رکتی کسی سے ہونیوالی ہوتی جاتی ہے
ہماری آہ بھی پھولوں کی ڈالی ہوتی جاتی ہے
آپس میں چلنے والی ہے تلوار دیکھئے

آہستہ چلئے ایسی بھی جلدی کہاں کی ہے
ٹپکتا ہے برستا ہے یہی انداز قاتل سے
یہ ان کو راستہ دل افسردگی تھی اپنے بسمل سے
خدا جانے کہاں کی دل لگی تھی درد کی دل سے
بسر ہو جاتی ہے ہر طرح منعم خاکساروں کی
قیامت میں خدا کے سامنے کیا منہ دکھاؤ گے
سنورتے زلف کے حلقے جو ہر زنجیر ہو جاتے
تماشا بن گئیں تھیں ہجر میں بیتابیاں اپنی
جدا ہونا تھا ہو نکلے فنا ہونا تھا ہو نکلے
کہاں ہیں حضرتِ شاعر ذرا آنکھیں ملا لیتے
قیامت بن کے ہر شوخی تری رفتار سے نکلی
کہیں انکار سے نکلی کہیں اقرار سے نکلی
لہو ٹپکا بجائے اشکِ غم عبرت کی آنکھوں سے
خدا جانے یہ کیا ہی سیدھی باتیں الٹی ہوتی ہیں
کیا ہمیشہ کوئی دنیا میں جواں رہتا ہے
مجھ سے فرماتے ہیں شاعر نہ ستاؤ دیکھو
بہار آئی ہے پھر چمن میں نسیم اٹھلا کے چل رہی ہے
وہ آن پہونچے وہ جی اٹھا میں عدو کی امیدیں ہاتھ ملتی
بتاؤ دل دوں نہ دوں کہو تو عجیب نازک معاملہ ہے
تڑپ رہا ہوں یہاں میں تنہا وہاں عدو سے وہ ہم بغل ہیں
ترکھائی یار کی ترچھی نظر میں کیوں نہ رہے

دل پس نہ جائے دیکھئے سرکا رو دیکھئے
رنگیلا آج ہولی کھیلنے نکلا ہے بسمل سے
چڑھائے قبر پر دو پھول بھی تو کس بے درد دل سے
ابھی چونکا دیا پھر کیا لگی تھی آنکھ مشکل سے
فقیروں کو غرض کیا ہے تری خورشید منزل سے
نہ اتراؤ ذرا مہندی رچا کر خونِ بسمل سے
بگڑتے آپ جس پہلو مری تقدیر ہو جاتے
ہمیں تم دیکھتے آکر اگر تصویر ہو جاتے
سبھی کچھ ہو چکا اب کیا مری تقدیر ہو جاتے
کہ وہ بھی آنکر اس گنجفہ میں میر ہو جاتے
جہاں سایہ پڑا گویا پری دیوار سے نکلی
نہیں کیا تھی چھری بنکر زبانِ یار سے نکلی
زلیخا جب گدائی کے لئے بازار سے نکلی
کہاں کی لاگ شاعر چرخِ کج رفتار سے نکلی
ہوش میں آؤ یہ جوبن ہی کہاں رہتا ہے
ہونٹ دکھ جاتے ہیں بوسہ کا نشاں رہتا ہے
ہر ایک غنچہ چٹک رہا ہے گلوں کی رنگت مل رہی ہے
غضب تماشا ہے دل لگی ہے قضا کھڑی ہاتھ مل رہی ہے
ادھر تو دیکھو نظر ملاؤ یہ کس کی شوخی مچل رہی ہے
کسی کے دل پر بنی ہوئی ہے کسی کی حسرت نکل رہی ہے
چھری سی اک مرے زخم جگر میں کیوں نہ رہے

اُدھر یہ شوق تلوّن کو بے حجاب پھروں
زباں جلے جو ترے تیر کی شکایت ہو
غمِ رقیب میں چھپ چھپ کے ہم سے رو لینا
برائی بات جوانی بھی ہو برائی سے
کھٹکتی رہتی ہے اِک اِک خطا جو شاعر کی
قسمیں دے دے کر دلِ زار کو سمجھایا ہے
آپ اُٹھتے تو ہیں پہلو سے خدا خیر کرے
منہ برستا ہے برس دیدۂ پرخوں تو بھی
جلوہ دکھا کے آپ جو روپوش ہو گئے
اب کیا ہماری یاد زمانہ گذر گیا
بُت ہو گئے وہ سُن کے مری داستانِ غم
کل کی یہ بات ہے کہ ہمیں سے تھا ربط و ضبط
وہ مسکرائے تھے تیوری بدل گئی کیسی
طراوت آ گئی دل کی کلی کھل گئی کیسی
ابھی یہ بات بنا کر وہ آئے تھے لیکن
جوانی آئی پھر آ کر سدھارنے بھی لگی
تمہارے قد نے قیامت اٹھائی کیا کیا کچھ
کسی کے سامنے جا کر بھی کچھ نہیں کہتا
تمہیں حیا ہی دیا عشق موت آ ہی گئی
تمہارے آتے ہی اک چین آ گیا دل کو
ابھی زباں سے نکلی کہ لے اڑیں پریاں

ادھر یہ ضد ہے کہ نیچی نظر میں کیوں نہ رہے
یہ دل میں کیوں نہ رہے یہ جگر میں کیوں نہ رہے
عجیب لطف سب پھر دوسرے میں کیوں نہ رہے
مری زباں دہن نامہ بر میں کیوں نہ رہے
گناہ گار ہے تیری نظر میں کیوں نہ رہے
آج بھی تم جو نہ آئے تو قیامت ہو گی
دیکھئے کیا دلِ بیتاب کی حالت ہو گی
دل سنبھل جائے گا آنکھوں میں طراوت ہو گی
ایسی چڑھی ہمیں وہیں بے ہوش ہو گئے
برسوں ہوئے کہ تم کو فراموش ہو گئے
ایسا مزا ملا ہمہ تن گوش ہو گئے
اللہ ایسے زود فراموش ہو گئے
ہنسی ہنسی میں یہ تلوار چل گئی کیسی
بہے جو اشک طبیعت بہل گئی کیسی
خدا کی شان وہ اور دونیہ ڈھل گئی کیسی
عجب شراب تھی پل بھر میں ڈھل گئی کیسی
تمہاری چال کلیجے مسل گئی کیسی
مری زباں مری آہوں سے جل گئی کیسی
یہ دل کی بات تھی منہ سے نکل گئی کیسی
تمہارے جاتے ہی دنیا بدل گئی کیسی
تمہارے ہاتھ سے شاعر غزل گئی کیسی

نہ دینگے نہ دینگے دل اپنا نہ دینگے
پھرے دردِ سر لیکے بزمِ عدو سے
وہ زہرہ جبیں تجھ پہ مائل ہے شاعر
نہیں غیر تم سے جدا ہونے والے
تم آئینہ لیکر دکھا دو جہاں کو
اُدھر زلف بکھری اِدھر دم سدھارا
یہ کسنے کہا قتل کیا تم نے ادا سے
اب نیم نگاہی میں بھی ہے برق کا عالم
بوسہ کا اگر وہ بیان بھی آجائے کسی کو
ٹھہر تو ذرا چال چل جانیوالے
غریبوں کے مرقد کو ٹھکرانے والے
چار آنکھیں کبھی ہو تو جاتی ہیں آتے جاتے
خوب تڑپا یا ہے اُٹھ اُٹھ کے تسلی کیلئے
حسنِ رفتہ کا اب ملال ہی کیا
تم کہاں وصل کہاں وصل کی امید کہاں
چھری پھیر کے آپ تڑپایا مجھکو
فائدہ خاک نہیں علم و ہنر ہونے سے
کس طرح دن کٹینگے ترے انتظار کے
صیاد نے چمن کی ہوا تک نہ دی ہمیں
بڑے چین سے قبر میں سو رہا ہوں
عدو کا ذکر شبِ وصل واہ کیا خوب ہے

چلو جاؤ بس خوب سمجھا ہوا ہے
یہاں بھی کبھی جا تو اُلّو بیٹھا ہوا ہے
نصیبا ترا یار چمکا ہوا ہے
یہی زہر کے بیج ہیں بونے والے
کہ یوں ایک سے دو ہیں ہونے والے
سرِ شام سے سو گئے سونے والے
کچھ خبر ہے سنبھلو ذرا اٹھتے ہو ہولے سے
کیا جانے کہا کیا تری شوخی نے حیا سے
چھپ جائیں وہ تصویر کے پردہ میں حیا سے
نگاہیں بدل کر نکل جانے والے
سنبھل جانیوالے سنبھل جانیوالے
نظرِ لطف کہاں چشمِ مروت کیسی
درد دینے کی ہے تلافی شبِ فرقت کیسی
عارضی حسن تھی رہی نہ رہی
دل کے بہلانیکو اک بات بنا رکھی ہے
مجھی سے پھر الٹا گلا ہو رہا ہے
زندگی خوب بسر ہوتی ہے زر ہونے سے
کیونکر اُٹھینگے ناز دلِ بیقرار کے
آئے بھی اور چلے بھی گئے دن بہار کے
نیا آسماں ہے نرالی زمیں ہے
چلو ہٹو یہ کلیجے میں چٹکیاں کیسی

کبھی نمک ہے کبھی تیر ہیں کبھی چرکے
ملی ہیں زخم جگر منہ بھرائیاں کیسی

کسے یقیں ہے تم دیکھنے کو آؤ گے
اخیر وقت مگر انتظار اور سہی

تم کبھی آتے تو ہم تک حشر ہوتا تو کہیں
کچھ تو ہم کو داد ملتی داد کی بیداد کی

تازیانے کیفر درت گیسوئے مشکیں تو ہیں
اپنے دیوانے کو چھڑیاں مارتے شمشاد کی

پھولوں کو چھوڑ کر مرے پہلو میں آ رہے
منہ جو پائے زخم جگر کی ہوا کبھی

ناکامیوں میں کوئی نہ کوئی تو راز ہے
مایوس کیوں ہوں میں کہ خدا کارساز ہے

لایا ہوں سی کے پھر جگر زخم زخم کو
پھر انکو اپنی نیم نگاہی پہ ناز ہے

تاکہ پاک صاف ہے دل بھی تو پاک ہو
زاہد خدا کے واسطے یہ کیا نماز ہے

اس کی چٹکی سی چھٹا سینے میں تیر اُن میں تھا
کیا ٹھکانا تو ڑکا پلے تو دیکھو تیر کے

خار حسرت چبھ نہ جائے دل نہ لو
پھول توڑے بھی تو کانٹا دیکھ لے

تم نہیں ہو تو مجھے خار ہے ایک ایک کلی
ہائے یہ پھولوں بھرا باغ ہے یا جنگل ہے

داغ کے بعد نہیں لطف غزل کا شاعر
یوں تو کامل ہے کوئی اور کوئی اکمل ہے

آنکھیں نہیں جو دیکھیں خالی ہیں دماغ انکے
اندھیر ہے دنیا میں منصف نہ کوئی جج ہے

دروازے پہ اس بت کے سو بار ہمیں جانا
اپنا تو یہی کعبہ اپنا تو یہی حج ہے

اے ابروئے جاناں تو آنا تو بتا ہمکو
کس رخ سے کریں سجدہ قبلہ میں ذرا کج ہے

مٹتے مٹتے بھی محبت کا نشاں رہتا ہے
تھمتے تھمتے بھی سرِ شمع دھواں رہتا ہے

کسی کے روکنے سے کب ترا دیوانہ رکتا ہے
بہار آئی چلا میں یہ دھری ہیں بیڑیاں میری

ڈال دو منہ پر کفن آلودۂ عصیاں ہوں میں
شرم آتی ہے خدا کے سامنے جاتے ہوئے

وصل کی صورت نہ نکلی آجتک میرے لئے
ایک بھی گردش نہ کی تو نے فلک میرے لئے

مثل بلبل یادِ عارض پہ تڑپ جاتا ہوں میں
کیا بتاؤں کیا ہے پھولوں کی مہک میرے لئے

آنکھ لگتی ہے خیالِ نوکِ مژگاں میں کہاں
برچھیاں کھاتی ہیں جھپکانی پلک میرے لئے

چارہ گر بیزار ہیں چارہ سازی سے تری
اس واسطے کہا تھا نہ شاعر سے روٹھئے
ہمارے جیتے جی ہرگز نہ سمجھا حرص کا دامن
ہزاروں سے سُنے وہ لفظ لیکن لفظ تھے خالی
یہ سچ کہا ہے کسی نے ضرور ہوتا ہے
اب جوانی میں چھپا لو منہ چھپا لو شوق سے
مرگیا ہوں یادِ مژگانِ بتِ سفاک میں
ہر تصور میں رواں ہیں اشکِ خونی اس لئے
ہمیں تو ایسی کچھ عادت نہیں ہے بادہ نوشی کی
چھریاں چلنے لگیں لو اور قیامت دیکھو
نزع میں دیکھنے آئے ہیں مری داغِ جگر
بس ایک ہی نظر کی تمنا تھی آپ سے
شاعر میں بھی اُن کو کھینچ تو لایا تھا خوب میں
زرد چہرہ وہ ہی ساغر میں گلابی ہوگیا
خالِ مشکیں بھی عجب کافر ہے سب سے بڑھ گیا
تم سدھارے گریۂ خوں نے دکھائی یہ بہار
ہاتھ رکھکر سوئے ہو گیسو پہ سمجھے ہیں کیا ہوا
اُسکی قسمت پر منہ خورشید کو بھی رشک ہے
دل دیا ہم نے جگر اپنا دیا
کہتے ہیں وہ اشکِ گلگوں دیکھکر
حق شناسی۔ انکساری عقل۔ علم

[illegible]

جب مزا ہے زخمِ دل پر ہو نمک میرے لئے
اب کیا وہ آنے والی ہیں سرکار بس گئے
یہی سنتے رہے ہم تو یہاں تک ہی وہاں تک ہی
تمہاری بات کی شوخی تمہاری ہی زباں تک ہے،
نظر سے دور جو ہو دل سے دور ہوتا ہے
سینکڑوں بوسے لئے ہیں چاند سی تصویر کے
خاکِ تربت سے مری پیکاں اُگینگے تیر کے
زینتیں ہیں یہ بھی دامانِ خیالِ یار کی
بہار آئی ہے زاہد اس لئے پی لی ہے تھوڑی سی

[illegible]

بات کرنے کا بھی اب تم سے تو پہلو نہ رہا
پھول کمہلا گئے جب اُن کو چمن یاد آیا
لو پھیر دو چھری مرا ارمان نکل گیا
افسوس میرے ہاتھ سے داماں نکل گیا
تیری آنکھیں دیکھ کر میں بھی شرابی ہوگیا
حسنِ عارض پر یہ نقطہ انتخابی ہوگیا
اس قدر رویا مرا دامن گلابی ہوگیا
کیوں تمہارا پھول سا رخسار آبی ہوگیا
لو خدا کی شان شاعر بو ترابی ہوگیا
آپ بھی تو منہ سے پھوٹیں کیا دیا
رنگ ان پھولوں میں کچھ ہلکا دیا
آدمیت نے ہمیں کیا کیا دیا

نغمۂ سنج بن گیا شورِ عنادل ہوگیا
مسکن بھی کوئی قبر سے بہتر نہیں ملتا
اک جہاں کو شغلہ ہے نالہ و فریاد کا
مرحبا شاعر تری خوش قامتی کو دیکھکر
یہ کس نے روزنِ دیوار سے ہنسکر مجھے جھانکا
نہ پوچھو بیخودی کی جب وہ لمبے بال سوکھے ہیں
دنیا میں کوئی دست کسی کا نہیں ہوتا
کس طرح جوانی میں چلوں راہ پر ناصح

جگر تھام کر آپ بیٹھیں تو پہلے
گلِ رنگیں سے ہے نہ یہ خونِ دلِ مضطر ہے
حُسنِ رخسار سے ہی کان کی بجلی روشن
منائیں تو اب جان دیکر منائیں
بتاؤ تو نیچی نظر آج کیوں ہے
خدا کے لئے ہاں نہیں کچھ تو کہدو

کہاں اٹھکر چلے ہم بھی تو اٹھتے ہیں ذرا ٹھہرو
چمن میں قمریوں نے نالۂ دل کی روش سیکھی
ہائے اس کہنے کے صدقے کیوں نہ مرجائے کوئی
صبح پیری جو ہوئی آہ کے شعلے نکلے
جس خاک میں ہوں چاند کے ٹکڑے ہزار ہا
بجلی کیطرح آئے ہوا کی طرح گئے
کیا لینگے آپ شاعرِ خستہ کو پوچھکر

نالۂ دل چٹکیاں لینے کے قابل ہوگیا
آرام کہیں گھر کی برابر نہیں ملتا
نام نکلا ہے خدا رکھے تری بیداد کا
واہ کیا موزوں ہے یہ مصرعہ کسی اُستاد کا
کہ شعلہ بھ گیا آنکھوں میں میرے برقِ تاباں کا
چڑھا ہے زہر کیا کیا مجھکو مارِ سنبلستاں کا
اپنا بھی بُرے وقت میں اپنا نہیں ہوتا
یہ عمر ہی ایسی ہے سوجھائی نہیں دیتا

ہنسی کھیل ہے کچھ تڑپنا کسی کا
آگیا ہے سرِ مژگاں یہ جگر کا ٹکڑا
مہر کے ساتھ جھلکتا ہے قمر کا ٹکڑا
قیامت ہے یہ رُوٹھ جانا تمہارا
یہ کیوں وار پڑتا ہے اوچھا تمہارا
کہ منہ تک رہی ہے تمنا تمہارا

گھڑی ساعت کے ہیں اب کیا بھروسا زندگانی کا
اُڑایا بلبلوں نے رنگ میری خوش بیانی کا
مرحبا کوئی تو پھر احسان ہم پر کیا ہوا
کیا بھڑکتا ہے چراغ سرِ منزل اپنا
نسبت ہی آسماں کو پھر اُس زمیں سے کیا
کیا تم بھی کوئی دل ہو کسی بے قرار کا
جس حال میں ہے شکر ہے پروردگار کا

شیخ کو جو پارسا کہتا ہے اُس کو کیا کہوں
میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا وہ میخانے میں تھا

شاعرِ نازک طبیعت ہوں مرا دل کٹ گیا
ساقیا لینا کہ شاید بال پیمانے میں تھا

دامن سے ہے آسماں پہ ہمارے خیال کا
زیبا ہے اس قبا میں گریباں ہلال کا

مسافرانِ عدم کس طرف کو جاتے ہیں
کسی کا گور سے آگے پتا نہیں ملتا

عجب چیز تھی شاعر شباب بھی کیا تھا
ہزار عیش ہیں پر وہ مزا نہیں ملتا

لگی ہوئی تھی مرے مُنہ وہ لاجواب شراب
پکارتا گیا کوثر پہ بھی "شراب شراب"

کسطرح اُٹھ جاؤں تیرے پاس سے ای لالہ رو
لہلہاتا پھول کیونکر چھوڑ جائے عندلیب

کسی کے رخ پہ ہیں زلفیں کہ آفتاب میں سانپ
خدا کی شان کہ رہنے لگا نقاب میں سانپ

کچھ تمہیں یاد بھی ہے رات کی بات
تم مکرنا نہیں ہے بات کی بات

ان بن ہوئی جہاں وہیں ہم بھی الگ ہوئے
ہم سے کبھی بنا نہیں بگڑا ہوا مزاج

لیگیا ضعف اُڑا کر مجھے قیدِ غم سے
ایک پرچھائیں سی پھرنے لگی دیواروں پر

دو اجازت تو کلیجہ سے لگا لوں رُخسار
سینک لوں چوٹ جگر کی انہیں انگاروں پر

عمر بھر آنکھ سے اوجھل نکروں پردہ نشیں
دل میں رکھ لوں تری چاند سی صورت لیکر

دل مسلتا ہے کوئی پاؤں کے نیچے ظالم
خاک میں تُو نے ملا دی مری دولت لیکر

کچھ نہ کچھ عالمِ ایجاد نے بخشا ہم کو
خالی ہاتھ آئے تھے اب جائینگے حسرت لیکر

مر کے بھی چین نہیں لے دلِ دیدار طلب
حسرتیں آج اُڑی جاتی ہیں تربت لیکر

زیبِ رفتار ہیں اس وقت ہزاروں فتنے
گھر سے نکلے ہو خدا رکھے قیامت لیکر

ایسی بے رحمیاں صیاد کہ گھر سے لاکر
ذبح کرتا ہے مجھے باغ کی دیوار کے پاس

یہ چمن کا ہے تصور کہ قفس میں بھروں
ڈالیاں جھومتی ہیں مرغِ گرفتار کے پاس

تو اگر بخشدے رحمت ہے نہیں تو خالق
اور توبہ کے سوا کیا ہے گنہگار کے پاس

نمود و بود کو اک دعوئے باطل سمجھتے ہیں
جو اپنا نقص سمجھے ہم اُسے کامل سمجھتے ہیں

یہ دل سی چیز لیکر تم ہمیں واپس بھی کرو گے
زلف و گیسو چھوڑ دو لیلیٰ شب کا کوچ ہے
اپنی ہستی کا اگر روشن نہ ہوا انجام کار
چار دن کے بعد غنچہ پھولوں کا ہم شکل تھا
اک تبسم زیر لب کی یاد میں مرتا ہوں میں
بدل دی انقلاب دہر نے تاثیر میخانہ
اثر تنہا تو ہوا آنے لگے بوئے شراب اس سے
خرابات جہاں میں ایک ہی بدبخت ہوں میں بھی
نہ نکلا منہ سے کچھ نکلی نہ کچھ بھی قلب مضطر کی
کلیجے میں ہزاروں داغ دل میں حسرتیں لاکھوں
لحد میں اسکے جسم نازنیں پر کیا گذرتی ہے
سنبھلکر دیکھنا آرائشوں کے بعد آئینہ
بزم دشمن سے اب آئے ہو مزے لوٹے ہوئے
چاہنے والے تری فرقت میں جی سکتے نہیں
دلفریبی لالہ رویوں کی نہیں مٹتی کبھی
اپنی سوزش کا کیا ہے شمع نے اچھا علاج
یہ کیسے بال کھولے ہیں یہ کیوں صورت بنی غم کی
کوئی ایسا ہو آئینہ کہ جسمیں تو نظر آئے
شمع ساں خاموش ہوں لیکن وہ فوریا دے
عشق صادق کا نتیجہ ہے وصال انجام کار
حشر میں بھی حضرت شاعر کی سج دھج دیکھئے

نظر پہچانتے ہیں ہم تمہارا دل سمجھتے ہیں
چاند کو دیکھو نہ دیکھو چاند سی تصویر کو
تمتمہ رو کر نہ دیکھے خندۂ گلگیہ کو
رنگ دیتے ہیں یونہیں تصویرت آعنو کو
قبر میں پھولوں سے بھر دینا مری تصویر کو
یہ آنکھیں رہ گئیں اتری ہوئی تصویر میخانہ
کہ جس کا غدیہ کوئی کھینچ دے تصویر میخانہ
اٹھا کر لیگئے ہیں بار بار رہ گیر سے خانہ
کسی کے سامنے میں بن گیا تصویر پتھر کی
کمائی لے چلا ہوں ساتھ اپنے زندگی بھر کی
سحر تک جن کو چبھتی رہی ہے چین بستر کی
یہ آئینہ نہیں ہے اب یہ ٹکڑا ہے برابر کی
ہوش میں آؤ کہیں چھڑتے ہیں دل ٹوٹے ہوئے
زندگی سے ہیں وفادار دل کے جی چھوٹے ہوئے
یہ ستمگر خاک ہو کر بھی تو گل بوٹے ہوئے
رکھ لئے ہیں دل میں پروانوں کے پر ٹوٹے ہوئے
تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میری ماتم کی
زمانہ بھر کا جھوٹا کیا حقیقت ساغر جم کی
اب بھی اکثر پھول جھڑتے ہیں لب فریاد سے
شمع کی مٹی میں بھی خاک پر پروانہ ہے
شیشہ مے ہے بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے

میں کہتا ہوں مجھ میں تو نہیں کوئی ہنر بھی — دل کہتا ہے خاموش کسی کو ہو نظر بھی
نالے کئے کیا کیا تری دیوار کے نیچے — دل ہل گئے لیکن نہ ہلا پردۂ در بھی
اب بھی جو گذر جاتی ہے چلتی ہوئی مورت — دل کھنچتا ہے وہم کھنچتا ہے کھنچتی ہے نظر بھی
گری گر کر اٹھی پلٹی تو جو کچھ تھا اٹھا لائی — نظر کیا کیمیا تھی رنگ چہروں سے اڑا لائی
خدا کے واسطے سفاکیاں یہ کس سے سیکھی ہیں — نظر سے پیار مانگا تھا وہ اک خنجر اٹھا لائی
فرش زمیں سے موج ہوا پر بلند ہے — اب آدمی بھی ایک طرح کا پرند ہے
بلبل کو ایک مشت پر استخواں سمجھ — گل کیا ہے دستۂ ورق چند چند ہے
لو آؤ میں بتاؤں طلسم جہاں کا راز — جو کچھ ہے سب خیال کی مٹھی میں بند ہے
وہ صاف دل ہوں کوئی بات پیچدار نہیں — اس آئینہ میں کہیں نام کو غبار نہیں
میری چتون صاف ہی پائیں تری ابرو پہ بل — آئینہ موجود ہے اسکی صفائی کے لئے

شاعر

شاعر۔ منشی شرف الدین احمد شاعر خلف محمد یحییٰ ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء شہر بنارس میں پیدا ہوئے اصلی وطن مچھلی شہر ضلع جونپور ہے۔ پانچ چھ سال تک مولوی علی حسن صاحب اختر سے فارسی پڑھتے رہے۔ اسکے بعد ۱۸۹۹ء میں شاعری کا شوق پیدا ہوا اور مولوی صاحب ممدوح سے اصلاح لیتے رہے۔ ۷ مارچ ۱۹۰۲ء کو حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے شاگرد ہوگئے۔ حضرت ظہیر ہی کا عطیہ کلام درج تذکرہ کیا جاتا ہے جو انہوں نے ۱۹۰۳ء میں ارسال کیا تھا۔ بلا کی طبیعت داری اور ذہانت ظاہر ہوتی ہے۔ ابتدائے شباب میں تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ میں ملازمت کرلی تھی اور وہیں سکونت تھی اسکے بعد کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ آپکی خوش کلامی اور شان تغزل کا نمونہ درج ذیل ہے۔

کیوں یہاں تجھ سے کریں کون ہٹو جا ناصح — ہم نے جو چاہا کیا خوب کیا دل اپنا
آج آئینہ سے شرمائے ہوئے بیٹھے ہیں — نظر آیا ہے انہیں مد مقابل اپنا
آئینہ لیکے ذرا دیکھئے اپنی صورت — ڈھونڈتے پھرتے ہیں کیوں آپ مقابل اپنا
حور فردوس کی تعریف جو واعظ سے سنی — آگیا یاد انہیں حور شمائل اپنا

نہ کروں چاہ بتوں کی تو کروں کیا واعظ	دوسرے کام کے قابل ہی نہیں دل اپنا
اُسکو یہ ضد ہی نہو آئینہ دم بھر بھی جدا	مجھکو یہ رشک نہو جائے وہ مائل اپنا
اُسکے کوچہ میں عجب سیر نظر آتی ہے	سر لئے ہی کوئی ہاتھوں میں کوئی دل اپنا
بتوں پر جان جاتی ہی حسینوں پر فدا دل ہی	مری مٹی میں خاکِ کشتگانِ عشق کامل ہی
لیا ہی جس نے دل میرا وہ کوئی اور ہی ہوگا	چرایا ہی نہیں جب چھُرکیوں پھر آپکا دل ہی
فراہم دلمیں ہو لینے تو دو انداز شوخی کے	دکھا دینگے تمہیں ہم بھی تمہارا اک مقابل ہی
وہاں لطف و غضب دونوں عیاں ہی قہر ہی تنہا	خدا سے عشق آساں ہے بتوں سے سخت مشکل ہی
شبیہ غیر لیکے دیکھنا تو دیکھ سکتا ہوں	قیامت ہے یہ سنا پیار کر لینے کے قابل ہی
زمیں پر لوٹ کر دل نے کہا حسرت سے ای شاعر	نگاہِ یار سے گر کر سنبھلنا سخت مشکل ہی
غم نہیں اس کا جو ہم جان سے ایجان گئے	خیر عاشق تو ہیں آپ کا سب جان گئے
جستجو ہی میں رہے سب نہ ملا تیرا پتا	برہمن دیر میں کعبہ میں مسلمان گئے
بت پرستی کو نہ چھوڑینگے نہ چھوڑینگے کبھی	بندۂ عشق ہیں مدت ہوئی ایمان گئے
دیکھو شوخی کہ ہوئیں حشر میں جب چار آنکھیں	کہتے ہیں کون ہوں میں تم مجھے پہچان گئے

شاغل **شاغل**۔ واقفِ رموزِ شاعری کاشفِ اسرارِ سخنوری منشی آغا مرزا شاغل مرحوم دہلوی خلفِ آغا تراب علی بلبل بوستان خوشنوائے حضرت داغ دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ نہایت خوش فکر ذہین اور طباعی میں فرد زمانہ تھے۔ غدر کے بعد سے ریاست رامپور جائے قیام رہا اور سرکار نواب کے دعاگو رہے گاہ گاہ دہلی آنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا مزاج میں استغنا اور بے پروا ہی زیادہ تھی کلام جمع نہیں کیا اکثر مشاعروں میں ایسی غزل پڑھتے تھے کہ بڑے بڑے استاد اُسے سنکر دنگ رہجاتے تھے۔ باین ہمہ انکسار کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنی خوش کلامی پر ناز نہیں کیا۔ منکسر مزاج۔ زبان دانی میں طاق سخنوری میں شہرۂ آفاق، جدت طرازی پر فریفتہ حسن بیان کے شیفتہ کہیں عشق کا افسانہ پر تاثیر ہے کہیں حسن کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ طائر فکر رسا نے بامِ عرش پر آشیاں بنایا اور کمند خیال نے صیدِ مضامین کو اسیر کیا ہے

محاورات کا استعمال مناسب چال سُست بندش کا نام نہیں پیچیدہ اور مغلق استعارات سے انکو کام نہیں جلوۂ سخن پر آفتاب اور تازگی تراکیب پر گل شاداب نازاں ہے۔ انتخاب کلام گوش نواز سامعاں ہے۔ ۴۸ برس کی عمر پائی افسوس کہ کلام اکثر ضایع ہوگیا شہرت نصیب نہوئی۔ ہزارہا کاوشوں سے یہ چند غزلیں دستیاب ہوئیں جنہیں سالہا سال کی کوشش کا نتیجہ کہنا چاہئے۔ دکن میں انکے بیٹے مراد صاحب تھے۔ اب انکا بھی انتقال ہوگیا ہے

لاشہ پہ دن کو دھوپ پڑی شب کو چاندنی
دو چادروں کا ہم کو میسر کفن ہوا

تم سے بڑھکر نہیں دل لیلو مگر ڈرتا ہوں
کمسنی ہے کہیں بھول اٹھوگے کھو جائے گا

درد بیچارہ بھی دق ہے میری ہمدردی سے
میں نہوں گا اسے آرام تو ہو جائے گا

کیوں سی رہا ہے زخموں کو قاتل کہ روز حشر
روکے گا منہ تمام مرے کس کس گواہ کا

سرشار ہے کہ چال تمہاری اڑائی ہے
کچھ تو سبب ہے لغزش پائے نگاہ کا

سکہ ہے گر حسینوں میں اُس کی نگاہ کا
جھنڈا ہے عاشقوں میں ہماری بھی آہ کا

اے دل سُنیں سبب بھی کچھ اس آہ کا
تیرا قصور ہے کہ ستم اُس نگاہ کا

ظلمت سے قدر نور اگر ہے تو ہے کرم
ہر خوش نصیب پر مرے بخت سیاہ کا

اپنے خیال جلوۂ رُخ کو بھی روکئے
کیا کام غم کدہ میں میرے نور ماہ کا

جرم وفا پہ دیتے تو ہو تم سزا مجھے
ڈر جائے دل نہ بوالہوس بے گناہ کا

خاطر شکن سمجھ کے ستم کر کہ اصل میں
یکساں ہے دل فقیر کا اور بادشاہ کا

واعظ خدا کے واسطے کھوا نہ بھید کی
واں ہے مزا کرم کا یہاں ہے گناہ کا

شاغل تری بلا کو غم باز پرس ہو
تو ہے غلام آل رسالت پناہ کا

اللہ رے نازکی کہ دم عرض مدعا
انکو ہے اک پہاڑ اٹھانا نگاہ کا

جس دن سے آپ کا گذر آنکھوں میں ہو گیا
کیا رکھ رکھاؤ ہے ہمیں اپنی نگاہ کا

کہیں دکھلا رہی ہے تیغ ابرو بانکپن اپنا
کہیں پھیلا رہی ہے جال زلف پر شکن اپنا

بتائیں کس زباں سے ہم خزاں دیدہ وطن اپنا
نہ اُجڑے یوں کسی کا جس طرح اُجڑا چمن اپنا

بنایا ہم نے وقت مرگ تک دیوانہ پن اپنا
بنایا قطع کر کے دامن صحرا کفن اپنا

نہ ہو کیونکر گماں ہم پر پرائے دل چرانے کا
کہ عادت سے تمہیں اتنا چرالیتے ہو بدن اپنا

مقام عشق کی ہم پہلی جو کھٹ اُسکو کہتے ہیں
جسے سب سمجھے عبادت خانہ شیخ و برہمن اپنا

جہاں گردی میں صورت آشنا جب کوئی ملتا ہے
نظر پڑتے ہی پھر جاتا ہے آنکھوں میں وطن اپنا

عجب سرکار حسن و عشق میں انصاف ہوتا ہے
مزے شیریں اڑائے خوں بہا ہو کوہکن اپنا

تنک ہوتا ہے شاغل آدمی اظہار مطلب سے
بھلا ہے جبتک کہ منہ میں لاکھ من کا ہو سخن اپنا

مرا حال زبوں سننے باعث تفریح عالم ہے
مجھے جو دیکھتا ہے بھول جاتا ہے محن اپنا

چار پیسے گرہ میں ہوں شاغل
اپنے بیگانے سب ملینگے آپ

مالک خلد بنے بیٹھے ہیں کیا ممبر پر
دیکھنا واعظ بے خوف و خطر کی صورت

رشک خوں پی لئے غم کھالیا اور تنگ کیا
اتنی مدت سے ہے یہ اپنی بسر کی صورت

غیر دلیں ہیں آنکھوں میں یہ تقدیر میں ہے
پھر دعا جاکے کہاں دیکھی اثر کی صورت

نامہ بر دیکھ نہ مجھ خستہ جگر کی صورت
پہلے کچھ کہہ دے مرے یار اُدھر کی صورت

شرم عصیاں سے کہیں منہ یہ دکھانیکا نہیں
خاک اِسپر ادھر کی نہ اُدھر کی صورت

رات دن فکر زیارت ہے تجھے کیوں شاغل
خود بلا لینگے جو آقا کو بلانا ہوگا

مجھ سے کیا پوچھتے ہو روز جزا کیا ہوگا
کیا کہوں دیکھ ہی لوگے جو تماشا ہوگا

دل کدھر بیچنے یاں آئے قیمت سنئے
مفت کا مال مگر آپنے سمجھا ہوگا

اُنسے مطلب کی تصویر میں بھی جب کہتا ہوں
وہم کہتا ہے کہ چپ رہ کوئی سنتا ہوگا

قصۂ عشق زلیخا کو وہ سنکر بولے
آپ نے خواب کوئی رات کو دیکھا ہوگا

کثرت ضعف یہی ہے تو بس اے شوق
اُسکو دشوار تصور میں بھی لانا ہوگا

بھید اور غیر کے دل کا جسے کھولیں آپ
وہ بھی کیا راز محبت ہے جو افشا ہوگا

کوہکن لایا کو جوئے شیر پر
پڑ گئے پتھر تری تقدیر پر

دل لگی زندان وحشت میں بھی ہے
ہنس رہا ہوں نالۂ زنجیر پر

دیکھکر ہم شکل کیوں دیکھا مجھے
ہاں تمہیں کو فوق ہے تصویر پر

قول فیصل کس طرح ایسے سے ہو
پیار آئے جس کی ہر تقریر پر

شمع پروانے کے جلنے پر ہنسی
مجھکو غصہ آگیا گل گیر پر

جرم بیحد ہیں مرے بندہ نواز
منفعل ہوں کونسی تقصیر پر

جانکر ہمدرد اکثر قید میں
رو دیا ہوں نالۂ زنجیر پر

اپنے ہاتھوں آپ شاغل تم مٹے
رکھتے ہو الزام چرخ پیر پر

[illegible]

بیٹھا تھا میں اور غیر یوں اس وقت محفل کے پاس
ہو لفظ حق تحریر میں جس طرح باطل کے پاس

ظالم سوال وصل پر قیمت کی ہے تکرار کیوں
نقد وفا موجود یا جان ہے سائل کے پاس

شوق مقام یار میں ایسے چلے مدہوش ہم
آیا خیال راہبر جب آگئے منزل کے پاس

ہوتے ہیں قاتل سنگدل دنیا میں پر ایسے نہیں
پھر کر نہ دیکھا دور سے آنا تو کیا بسمل کے پاس

لے لے جگر مہمان کو کر حق ہمسایہ ادا
آیا ہے چلکر دور سے پیکان قاتل دل کے پاس

ہم بزم دشمن یار ہے یہاں لب پہ ہے ہر بار یہ
اے چرخ تو مختار ہے دو شخص بیٹھیں دل کے پاس

اللہ رے ہمت قیس کی ہر گام پر کہتا تھا یہ
اے شوق گو ہوں ناتواں پہونچوں مگر محمل کے پاس

تاثیر صحبت سے کہیں پتھر پگھل کر موم ہو
حاضر ہی دل کیا عذر ہے رکھئے پر اپنے دل کے پاس

ہوں لاکھ ظاہر میں جدا لیکن جدا دم بھر نہیں
وہ دور سمجھیں آنکھ میں دیکھتا ہوں دل کے پاس

غارتگران دیر سے ملنے لگے تھے غیر سے
کہتے ہیں نقد دل نہیں ہے حضرت شاغل کے پاس

ہمیں تو ہے ثواب حج طواف کوئے دلبر میں
مگر یہ آسماں کیوں پڑ گیا ناحق کے چکر میں

کہاں سے زور ہو آہ دل بیتاب و مضطر میں
کہ گنجائش نہیں اب ضعف کی بھی جسم لاغر میں

میں اپنی سخت جانی کی نہ کہتا آبرو قاتل
جو پہلے سے سمجھتا ہے یہ برش تیری خنجر میں

کوئی تڑپے کوئی سسکے کسی کے دم پہ بن جائی
کوئی مستانہ ہوگا محو نظارہ زمانہ میں
تمہاری بے نیازی ہی جو منت کرتے گدائی ہیں
سیاہ خانہ مرے دل کا ہوا ہے داغ سے روشن
ترا عاشق عدم کو اس طرح بشاش جاتا ہے
گنہ ثابت کریگا بعد میرے قتل کے قاتل
الٰہی خیر سے پہونچے امانت اس ستمگر کی
دم فریاد اُس کا سر جھکے میدان محشر میں
الٰہی کچھ یہاں ہو کچھ مرا انصاف محشر میں
نہیں بے وجہ شوخی کی یہ بیباکی و مستی
جدھر کروٹ بدلتے ہجر میں برچھی سی چبھتی ہے
دوبارہ پھر ذرا کہنا کہ ہم تجھ سے نہ بولیں گے
میں قربان اس تجاہل کے سر نعش آ کے کہتے ہیں
مرا حلق بریدہ چھوڑتا ہے اسکو کب ثابت
زمانہ گر موافق ہو تو شاغل تو مزہ غافل
مرے ارمان ہیں یا ہیں ترے پیکان قاتل
جس سے ملتے ہو بنا لیتے ہو عاشق اپنا

فرصت سے چین سے آرام سے تم تو رہو گھر میں
نگاہ شوق کا گویا ہے گھر اُس روزن در میں
وگرنہ بات کیا ہی کون سا جوہر ہے پتھر میں
چراغ آکر جلا یا عشق نے اللہ کے گھر میں
سفر کے بعد آتا ہے مسافر جس طرح گھر میں
ابھی تو جرم لکھا ہے نہ میرا نام دفتر میں
کہ خط کے ساتھ دل باندھا ہی بازوئے کبوتر میں
ندامت یہ بھی لکھی تھی مگر میرے مقدر میں
ہزاروں فیصلہ کرنے پڑینگے تجکو دن بھر میں
مگر گھر کر گئیں ساقی کی نظریں چشم ساغر میں
تصور اُسکے مژگاں کا ہی کانٹے ہیں بستر میں
ثنا سے لطف بڑھ جاتا ہے الفاظ مکرر میں
یہ کیا ہے کیوں پڑے ہو منہ لپیٹے آج چادر میں
ابھی مجھ میں تو دم ہی گر نہیں ہی تیرے خنجر میں
بھروسہ کیا ہے دم کا کچھ سے کچھ ہوتا ہے دم بھر میں
کہ نکلنا تو کہاں دل سے ابھرتے بھی نہیں
رسم اخلاق کو اتنا کوئی برتے بھی نہیں

ہاں شوخ نگاہی خلل انداز حیا ہو
دے اب وہ جواب انکو جسے ہوش رہا ہو
بیمار غم ہجر کو کیا خاک شفا ہو
پھر لذت درد جگری بھی نہ ملے گی

آپس کی لڑائی میں کسی کا تو بھلا ہو
لو پوچھتے ہیں مجھ سے کہ تم چاہتے کیا ہو
جو جان کا دشمن ہو اسے پاس وفا ہو
اے دل نہ بہت اُنسے طلبگار جفا ہو

تم پاؤں زمیں پہ تو رکھو سوچتے کیا ہو
کچھ فرض بھی ہے کہ قیامت ہی بپا ہو

صد حیف کہ بیمار غم ہجر کی اپنے
تم لو نہ خبر اور خبر گیر قضا ہو

درماندہ و مجبور زمانے میں بتوں کے
ہم ایسے ہیں جیسے کہ کسی کا نہ خدا ہو

قرض لینگے کسی سحر نگہ سے ہم بھی
گم ہوا ہے جو زمانہ سے اثر ہونے دو

تمنۂ شب وصل میں زلفوں سے چھپا دو اچھا
ہم بھی راضی ہیں بلا سے نہ سحر ہونے دو

یہ نئی طرز جفا ہے کہ بگڑ بیٹھے ہیں
خود بخود جان کے مایوس ترحم مجھکو

پھول کملائے ہوئے کھل گئے سب ہنس ہنس کے
آگیا یاد کسی کا جو تبسم مجھکو

وہی کوچہ وہی قاتل وہی دشمن وہی رشک
لیچلے کس طرف اے حضرت دل تم مجھکو

ہائے شاغل دم رخصت وہ کسی کا کہنا
دیکھو پچتاؤ گے چھوڑو گے اگر تم مجھکو

حسن کا عشق سے پردہ کہیں ہو سکتا ہے
نگہ شوق کا دیکھوں نہ گذر ہونے دو

شکوہ ہو کہ ہو شکر گلہ ہو کہ دعا ہو
کچھ ہو مگر اے دل اثر انگیز ذرا ہو

یکتا ہو حسینوں میں تو شیوہ بھی نیا ہو
چاہے جو تمہیں دل سے اسے آپ بھی چاہو

کیا جرم محبت کی ہے تعذیر میں لذت
کہتی ہے میری بے گنہی بھی کہ سزا ہو

منزل ہے کڑی چھوٹ گئے قافلہ والے
اے شاہ امم شاغل بیکس کو نباہو

جب اسنے کہا زلف معنبر کو سنگھا دو
بولے تمہیں کچھ ہوش ہے بس جاؤ ہوا ہو

مشتاق سخن مر گئے لاکھوں مگر اے بت
کیا دخل جو تیرا لب جاں بخش ہلا ہو

اے قاتل بے مہر کہے دیتے ہیں اتنا
پیدا نہیں انسان برا ہو کہ بھلا ہو

ہر روز جدائی ہے یہاں روز قیامت
سچے ہو تو بس وعدۂ دیدار وفا ہو

کچھ یاس سے تسکین ابھی دلکو ہوئی تھی
پھر چھیڑ دیا ہائے تمنا کا برا ہو

چھوٹے عشق کے شوای دل کہ ہے ضرب المثل
چلئے اس رستے سی بچکر جسمیں کاشانہ کبھی

واعظ تری حوروں کے ابھی ہم ہیں خریدار
کچھ ملتی ملاتی تو شباہت ہو کسیکی

دل لیجئے اب جان کے خواہاں وہ ہوئے ہیں
میری دعا نے فرشتوں کے کان کھائے ہیں
دل تو کہتا ہے کہ وہ آیا مسیحا دیکھئے
اس طرف پہلے دم عرض تمنا دیکھئے
ابتدائے عشق میں حیرت ہی کیا کیا دیکھئے
نیچی نظروں سے نہ ہر اک کو خدارا دیکھئے
تم کہاں آئے کہاں جائینگے کس جا دیکھئے
دیکھتے ہیں دیکھنے والے بہر صورت اسے
ایسے بیچپنوں کی گنجائش ہے گھر میں نہیں
کہتے ہو دن بھر طبیعت آج برہم ہی رہی
دیکھتے ہیں اپنے بیگانے مرے دل کی تڑپ
حضرت واعظ نہ چھیڑیں ہم سی میخوار ونکو آپ
آجتک تو آپ کے اقرار سب پورے ہوئے
لکھدیا ظالم نے اتنا بس جواب خط شوق
جب ہر اک انداز پر سمجھوں گا قادر آپ کو
کیا کہوں گا داور محشر نے گر اتنا کہا
گو تڑپتا ہے وطن جانیکو دل شاغل مگر
لڑ گئی جس کی وہی تقدیر میں تقدیر ہے
اپنی دانائی پر انساں بھول کر نازاں نہو
پاس رسوائی کسیکا زندگی کی وجہ ہے
دیکھنا اس چھیڑ کو شاغل کہ فرماتے ہیں وہ

اچھی کہی سے کوئی امانت ہو کسی کی
فلک پہ پوچھتے پھرتے ہیں یہاں اتر بھی ہے
موت کہتی ہے کسی کا اب نہ رستا دیکھئے
شوق سے پھر آئینہ میں روئے زیبا دیکھئے
دل کا آنا دیکھئے یا جی کا جانا دیکھئے
خاک میں ملجائے گا سارا زمانہ دیکھئے
ایک مشت خاک کا چکر میں آنا دیکھئے
طور پر جا جا کے جلوہ آپ موسیٰ دیکھئے
حضرت دل اور کوئی اب ٹھکانا دیکھئے
اور اٹھکر صبح کو منہ ہر کسیکا دیکھئے
آپ بھی اپنی نگاہوں کا کرشمہ دیکھئے
قصد تھا توبہ کا لیجے ابر چھایا دیکھئے
کیا قیامت لائے اب امید فردا دیکھئے
آپ پہلے اپنی قسمت کا نوشتا دیکھئے
پھر اسی دن کی طرح مجکو دوبارا دیکھئے
لیجئے یہ نامۂ اعمال اپنا دیکھئے
دیکھی ہے جسکی بہار اسکی خزاں کیا دیکھئے
بن پڑی جس کی وہی تدبیر میں تدبیر ہے
جو موافق ہو وہی تدبیر میں تدبیر ہے
کیا کہوں کس کی مری تشہیر میں تشہیر ہے
اب تو تیری آہ بے تاثیر میں تاثیر ہے

نظروں میں مثال تو یہاں جی یہ گراں ہے
وہ صورت رعنا تو بہر شکل عیاں ہے
آخر کوئی حد بھی تری اے عمر رواں ہے
کیا پوچھتے ہو دل ترے پہلو سے ہوا کیا
قاصد ابھی خط لیکے گیا ہی نہیں اور سم
کیا فرض ہے ان سنگدلوں کیلئے مرنا
کیا پوچھتے ہو حال غریب الوطنوں کا
شرم آتی ہے اب نام بھی لیتے ہوئے اُسکا
دلی جسے کہتے ہیں وطن ہے وہ ہمارا
تھے اہل کمال اُس میں کبھی منتخب دہر
بس شاغل ناکام نہ کر دل کو پریشاں

اس دل کا ٹھکانا نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے
اے چشم نظر باز ترا دھیان کہاں ہے
ہر دم کا سفر اب تو مسافر یہ گراں ہے
کیونکر کہوں میں کس پہ مجھے انکا گماں ہے
کہتے ہیں اُسی سے کہ بتا خیر تو واں ہے
اے دل تجھے کچھ صبر بھی ہے تو جہاں ہے
ق
کیا خاک بتائیں کہ کہاں اپنا مکاں ہے
گو نام کو بدبخت کا ابتک تو نشاں ہے
تھی رشک جہاں پہلے وہ اب نوحہ خواں ہے
یا بے ہنری میں وہی مشہور جہاں ہے
ہم سمجھے کہ اُس شہر کا تو مرثیہ خواں ہے

شاغل - جناب حکیم علی محمد صاحب رئیس بمبئی تلمیذ حضرت تائب شاہجہانپوری کلام بیشتر بے عیب ہوتا ہے۔ زبان لکھنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں اور زبان کیساتھ مضمون بھی اکثر اچھا لکھ جاتے ہیں۔ سوز و گداز کی البتہ کمی ہے۔ کئی چھوٹے چھوٹے دیوان بھی شایع کر چکے ہیں۔ اکثر غزلیات گلدستوں میں شایع ہوا کرتی ہیں۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ انکے کلام کا انتخاب ہے۔

الفت نہیں قصور محبت نہیں خطا
بگڑی ہوئی ہے عادت اہل زمانہ کیا
ترک اُن کی محبت ہو تو کسطرح ہو ناصح
لڑ جھگڑ کر یا خوشامد سے منا لے جو کوئی
اس بندہ پروری کے قربان جاؤں یا رب
فریاد ستم حق سے کرتا میں تو کیا ہوتا

تمکو اگر کسی نے کیا پیار کیا ہوا؟
کیا رو برو بیان ہی اور نما ئب نہ کیا
میں ہوتا ہوں راضی تو مرا دل نہیں ہوتا
حق سے لیلوں گا تمہیں روز قیامت دیکھنا
اسکو بھی تو نہ بھولے بھولے جو نام تیرا
تیری ہی سُنی جاتی تیرا ہی کہا ہوتا

چلمن سے جو تم جھانکے تو حشر کیا برپا
بے پردہ دکھا دیتے دیدار تو کیا ہوتا

ہونیوالی تھی قیامت ہو گئی رفتار سے
حشر برپا کرنیوالا حشر برپا کر گیا

دکھاتا ہے عجب کیفیت اہل بزم کو ساقی
تری متوالی آنکھوں سے مرا مسرور ہوجانا

آگئی شوخی نگاہ ناز میں
بھولی صورت کا مزا جاتا رہا

گر دیکھنا ہو تم کو تماشائے روز حشر
کیا دیکھتے ہو منہ سے الٹ دو نقاب آج

عالم میں ترے چاہنے والے تو ہیں بہت
پردہ ہی خوش نصیب کر دے جسکو تو پسند

نام ہی حور پری کا ہے جہاں میں لیکن
شگفتہ حضرت شاغل ہے زمانہ کس پر

میں اور عدو دونوں سر بزم ہیں لیکن
پڑتی ہے نظر انکی ادھر اور ادھر اور

چشم پر فن طاق ہے ہر بات میں
کمر میں پھانسے ہیں دم میں گھات میں

کیا داد خواہ داد طلب ذرّہ ہوں
تیور وہی حسینوں کے بیش خدا بھی ہیں

ہنس ہنس کے دئے دیتے ہیں محبت کا لیا
مجھ پر وہ مہرباں بھی ہیں اور خفا بھی ہیں

تمہارے وعدۂ فردا سے تسکین دل کیونکر ہو
یہاں جب تم نہیں ملتے ملو گے کیا قیامت میں

سارے عالم سے نرالی ہے طبیعت انکی
جو انہیں یاد کرے اسکو بھلا دیتے ہیں

اللہ رے کوئے یار میں رہنے کا اشتیاق
میں تو اٹھا مگر مرے اٹھتے قدم نہیں

خاک سے خلق ہوا خاک میں ملجانیکو
سب ہے انسان ہیں مگر پھر بھی کچھ انسان نہیں

محبت میں برائی کون سی ہے
اگر ہو پاک دل اچھی نظر ہو

وصل کی شب شوخیوں کو آنکھ میں آنے بھی دو
رہ سکتے ہو کیوں حیا جاتی ہے تو جانے بھی دو

مدتوں جو وحشت الفت میں نہ کھائے ٹھوکریں
خاک اسکو زندگانی کا مزا حاصل نہ ہو

فراق یار میں ہے زندگانی تلخ اے ساقی
پلادے زہر قاتل بادۂ انگور کے بدلے

کیا ئیں اور کیا پلائیں حضرت زاہد کو ہم
مفلسی میں آج تھوڑی سی شراب آئی تو ہے

یہ پیالہ ہے جا کر لامکاں کی سیر کر آیا
فرشتے کیا کمال حضرت انساں نہ مانیں گے

دبی زبان سے کیا جب سوال وصل اُنسے
ملتے بھی ہو ہم سے تو ستانیکی غرض ہے
کہا میں نے جو مرتا ہوں تو بولے کس اُمیدو
چھپا رکھا ہے دل میں راز کی مانند عشق اُسکا
وہ خوب جانتی ہے جیسا ہوں میں حسن پرست
لیگئے ہوش و خرد دے گئے یاس و حرماں
کرتا ہوا افسوس بہاتا ہوا آنسو
صورت بہت اچھی تھی مری جان تمہاری
ملانا زہر شربت میں بُرا ہے
قصۂ رقیب کا نہ شب وصل چھیڑئے
تکینگے مُنہ مرا روز قیامت لوگ حیرت سے
کس طرح کر سکیگا اب انکار وصل سے
بچپن میں چال فتنۂ محشر سے کم نہیں
ظلم ہے قہر ہے ترا ملتا
چلتے ہیں نئے روز ملاقات نئی ہے
ہل چل مچائی ہے مرے نالوں نے اسقدر
اب ہنسو۔ بولو۔ چلو غم ہو چکا
خفا ہو گئے جب خفا ہونے والے
جدا ہو گئے سامنا ہے غضب کا
بڑھ کر لگاؤ ہاتھ کہ جھگڑا تمام ہو
خیر دل کا مرے چرا اور ہی کوئی ہوگا

وہ بولے ہو کے خفا کیا کہا کہو تو سہی
خالی نہیں مطلب سے ملاقات تمہاری
جسے ہے شوق مرنیکا وہ ابتک جی رہا کیوں ہے
الٰہی پھر مری الفت کا چرچا جا بجا کیوں ہے
بدل کے حور کا بھیس آئے گی قضا میری
سامنے سے مرے بن ٹھن کے گذرنیوالے
بیٹھا ہے دم نزع کوئی آکے سرہانے
دی ہوتی مروت بھی جو تھوڑی سی خدا نے
نہ دو گالی لب شکر فشاں سے
پہلو نکالئے نہ خوشی میں ملال کے
خدا سے جب میں اُنکو مانگ لونگا حور کے بدلے
ہم منہ میں ہیں زبان ستمگر لئے ہوئے
ہو کر جوان دیکھئے کیا کیا کرے کوئی
تجھسے اچھی ہے آرزو تیری
معشوق نیا لطف نیا بات نئی ہے
خبر آسمان والے مناتے ہیں جان کی
مرگ دشمن پر بہت کچھ رو چکے
مقدر کو روتے رہے رونے والے
لپٹ کر گلے سے مرے سونے والے
کیا سوچتے ہو ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے
کس لئے آنکھ چراتے ہیں مکرنیوالے

شاکر

شاکر۔ منشی محمد شاکر صدیقی۔ اعظم پور کے رہنے والے درویشانہ زندگی بسر کرتے علم نجوم میں اچھی مہارت تھی۔ آبرو ناجی نامی شعرائے قدیم کے ہم عصر اور ہم زبان تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے چند شعر جو دستیاب ہوئے ہیں انکی صفائی روزمرہ کے شاہد ہیں۔ نساخ نے اپنے تذکرہ میں انہیں محمد علی حشمت کا شاگرد لکھا ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

رو رو ترے غم میں شب سحر کی	تیں آکے مری جلی خبر لی
کچھ اس میں بھی فائدہ نہ دیکھا	فریاد و فغاں بھی ہم نے کر لی
گلچیں تجھے کیا تیری بلا سے	گل توڑ کے تو نے جیب بھر لی
شاکر نے تمام ڈھونڈا اتھہرا	سب کہتے ہیں راہ بے نگر لی

شاکر

شاکر۔ کسی عطار پیشہ کا تخلص ہے جو حافظ عبدالرحمن خاں احسان کا شاگرد تھا اور ۱۲۶۱ھ میں بعمر ۳۰ سال حیات تھا ؎

تجھ بن یہ رات کو مری حالت تباہ تھی	فریاد تھی زباں پر اور لب پر آہ تھی
خسرو کو عشق میں ہوس عز و جاہ تھی	یاں سینہ کوبی سینہ زنی اور آہ تھی
دل تو کہتا ہے کہ خط بھی اُسے لکھا کیجئے	پر نہ تقدیر میں لکھا ہو تو پھر کیا کیجئے

شاکر

شاکر۔ منشی عبدالسبحان ولد قاضی اکبر علی مرحوم ساکن کلکتہ۔ مولوی عصمت اللہ صاحب انسخ کے فیض تلمذ سے بہرہ یاب مذاق سخن اچھا تھا۔ نمونہ فکر یہ ہے۔

تڑپتے ہیں ترے کوچہ میں قاتل نیم جاں کیا کیا		تماشے مرغ بسمل کے دکھاتے ہیں جواں کیا کیا
کا ہید گئی جسم کا ممنون کیوں نہوں		پہونچا میں کوئے یار میں باد صبا کیساتھ
کہنے لگا وہ شوخ یہ جھنجلا کے ناز سے	ق	دیکھا جو ہم کو اور کسی مہ لقا کے ساتھ
دو دن میں حال آپ کا کچھ اور ہو گیا		کیا خوب ہم سے پیش تم آئے وفا کیساتھ
نہیں معلوم کس منزل پہ یہ جا کر اُترتے ہیں		یہاں سے قافلہ ہر روز یاروں کا روانا ہے

شاکر

شاکر۔ محمد حسن خاں ۳۰ برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ شاہجہانپور میں زندہ و سلامت موجود تھے کلام

سے انکی خوش کلامی ہویدا ہے ؎

تھرایا عرش خوف سے قدسی جھجک گئے	دو چار تیر آہ جو سوئے فلک گئے
شعلہ رخوں کے عشق کی تاثیر ہو گئی	انگارے اپنے مجمرِ دل میں دہک گئے
اکثر ہمارے نالوں سے آیا ہے زلزلہ	کانپی زمین مکان ہلے در چٹک گئے
اللہ ری نازکی کہ نہانے سے یار کے	گردن میں موج بوجھ سے آئی لچک گئے
مضمون ملا نہ کوئی بھی معدوم کے سوا	شاکر دہانِ یار پہ کیا کیا نہ تنک گئے

شاکر

شاکر ۔ سخنور باخبر مرزا محمود شاہ خلف مرزا منجھو نبیرۂ شاہ عالم ثانی۔ آپ ابوظفر بہادر شاہ ثانی کے نواسے اور مرزا صابر مرحوم کے شاگرد ہیں۔ چند سال سے شاہزادہ اسکول دہلی میں مدرس ہیں۔ کلام استعارات سے مزین۔ زبان پرلطف ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

جان پہچان کا کب ساتھ کوئی چھوڑتا ہے	دل نکل آیا جو ہیں تیر کا پیکاں نکلا
ایک عالم تھا جسے صبح قیامت سمجھاؤ	غور سے دیکھا تو عاشق ہی کا گریباں نکلا
آنے سے میرے کہنے لگے کچھ رقیب بھی	دم اپنا انکے واسطے تلوار ہو گیا
چاہا تھا اپنی دید کا ارماں نکالئے	غیر بھی آکے سامنے مرے دیوار ہو گیا
ایک بوسہ میں مزا پایا ہے ہم نے چار کا	دل لگی کا دل ہی کا دل کھلے کا پیار کا
غربت میں اپنی اسکو سینہ سے ہوں لگائے	ہے داغِ ہجر گویا تحفہ مجھے وطن کا
سمجھا یہ ہر اک آیا جو وہ گھر سے نکل کر	محشر یہ چلا عرصۂ محشر سے نکل کر
آگیا اتنا مزا فریاد میں	لطف پاتے ہیں تری بیداد میں
سختیٔ بے مہر قاتل دیکھکر	بال آیا خنجرِ فولاد میں
غریقِ بحرِ الفت کی نہیں چارہ گری ممکن	کہیں ڈوبے ہوئے موجِ تبسم کے ابھرتے ہیں
ایک تم ہو کہ کسی بات کا اقرار نہیں	ایک ہم ہیں دل و جان دینے سے انکار نہیں
جلوہ آرا ہوا جب مصرِ محبت میں وہ شوخ	کھوٹے داموں کوئی یوسف کا خریدار نہیں

ہائے جا کر وہ رہے ایسے مکاں میں اب کے
دیکھنے کو بھی جہاں روزنِ دیوار نہیں
تم اپنے دل سے بہر خدا بدگماں نہ ہو
الفت وہ شے نہیں کہ یہاں ہو وہاں نہ ہو
آج اُسکے واسطے ہی توکل اپنے واسطے
دیکر کسی کو رنج کوئی شادماں نہ ہو
تیر کا پیکاں آہن دل مرا آہن رُبا
کیونکہ چھوٹے تیر تیرا دل کو اور دل تیر کو

شاکر۔ جناب پنڈت شیونا تھ صاحب کشمیری لکھنوی۔ خلف پنڈت کاشی ناتھ صاحب کول لکھنو اور اجمیر میں تعلیم پائی۔ پنڈت شوراج ناتھ صاحب آپکے بڑے بھائی ہیں۔ آپ بڑے ذہین طباع۔ قناعت پسند۔ منکسر المزاج شاعر ہیں۔ وجیہ خوش خلق آدمی ہیں۔ انگریزی زبان میں بخوبی مہارت حاصل ہے۔ انگریزی انشا پردازی میں بھی اچھی طرح ماہر ہیں۔ فارسی زبان میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے ہیں۔ مثنوی مرات الخیال خود آپکی تصنیف ہے اسمیں معرفت اور قدرت کے جلووں کو بہت پسندیدہ طرز پر نظم کیا ہے بعض بند توفی الواقع لاجواب ہیں۔ آپ سب سے پہلے راج بنارس میں ملازم تھے اور وہاں نایب دیوان کے خدمات کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے رہے ہیں اور انکی خوش اخلاقی اور دیانت داری سے تمام عملہ خوش تھا۔ بنارس کے قیام میں آپ مرزا قیصر بخت فروغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ اب ریاست گوالیار میں سپرنٹنڈنٹ چنگی و آبکاری ہیں۔ آپ عارف اور خدا پرست شخص ہیں ۱۹۱۰ء میں آپکی عمر ۳۰-۴۰ برس کی تھی۔ صرف چند شعر ہاتھ آئے ہیں جو درج ذیل ہیں ؎

نظر نے پھوٹ مچائی وہ خانۂ تن میں
کہ دل بھی صاف اُڑا لے گئی جگر کیسا
چلے جو تیر نظر تیرے چھوڑ کر اُن کو
تو پھوٹ پھوٹ کے رُوئے دل و جگر کیسا
ملا ہے حسن تمہیں عشق لا زوال مجھے
تمہیں ہے اسمیں کمال اسمیں کمال مجھے
بہت ہی تنگ ہی وحشت میں وسعت عالم
الٰہی اس قفسِ تنگ سے نکال مجھے
دل کے آئینہ میں ہے صورت بے پیر کی
اس مرقع میں جگہ ہی یار کی تصویر کی
جادۂ دشت جنوں نقش ہی شکل کہکشاں
پانوٗ میں گردش ہی زنجیر آسمان پیر کی

اس خموشی میں بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم
عین گویائی ہے خاموشی تری تصویر کی

پانو کے چھالوں سے ہوں مجبور ورنہ ای زمیں
آدمی گردش بانٹ لوں میں آسمان پیر کی

شاکر

شاکر ۔ جناب محمد عبد القادر صاحب بی اے ایم بارڈوی ضلع مدراس پختہ کلام اور ماہر زبان شاعر ہیں قصۂ بہار راو چندر بدن بہت پاکیزہ زبان میں نظم کیا ہے ۔ گلزار شاکر اس مثنوی کا نام ہے کلام میں بجید پختگی ہے ۔ رعایت لفظی کیسا تھ سلاست بیان اور لطف زبان قابل داد ہے ۔ استعارات سے کلام کو بے مزہ نہیں ہونے دیتے ۔ مضامین آفرینی کیطرف طبیعت زیادہ مائل ہے مگر محاورہ اور زبان کا بھی لحاظ رکھتے ہیں ۔ ۱۳۱۴ھ میں دیوان شاکر طبع ہو چکا ہے ۔ تلمذ کا حال معلوم نہیں مگر کلام اسکا شاہد ہے کہ کسی ماہر فن زبان سے استفادہ کیا ہے ۔ کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ۔

اُڑا کے لے نہ گیا ہو وہ گیسوؤں والا
تلاش سے بھی تو ملتا نہیں پتا دل کا

بیچتا ہوں نگہ لطف کے بدلے دل و دیں
آگے بس اے بت کافر ترا ایمان رہا

ابھی یہ دیکھ رہا تھا کہ میں ہوں اُنکے گھر
کھلی جو آنکھ تو وہ گھر نہ تھا وہ خواب نہ تھا

مے دو آتشہ ساقی مجھے پلا دینا
جگر میں آگ لگی ہے اُسے بجھا دینا

آئینہ سامنے رکھدو جو کرو ذبح مجھے
دیکھوں پھر کس طرح سے ہے حلق پہ خنجر پھرتا

غم ہستی نے عدم کا مجھے مشتاق کیا
دیکھی تکلیف سفر کی تو وطن یاد آیا

اہل نظر کے واسطے عبرت کا ہے مقام
دم بھر کی زندگی یہ اُبھرنا حباب کا

ہوائے گل سے دم نکلا قفس میں
صبا لائی تھی پیغام قضا کیا

شہید ناز نے مانگا نہ پانی
بجھی تھی زہر میں تیغ ادا کیا

اس سے تو اور تشنگی شوق بڑھ گئی
اچھا اثر ہے شربت دیدار یار کا

یوں جامۂ حیات کو بدلا ہے روح نے
گویا لباس تھا کہ بدن سے نکل گیا

رشک عیسیٰ نہیں کہتا ہے زمانہ لیکن
نہیں پاتا کوئی بیمار شفا کیا باعث

ستم سہہ سہہ کے انکو قاتل عالم بنایا ہے
الٰہی خون کس کس کا رہیگا میری گردن پر

کھوتی ہے آبروئے بشر زر کی احتیاج
ذلت ہے عمر بھر کی گھڑی بھر کی احتیاج

لاگ ہوتی ہے تو ہو جاتا ہے آپس میں لگاؤ
آ لپٹے جائیں کہاں خارِ مغیلاں چھوڑ کر

اُس شکر لب نے لیا ہونٹوں میں نہ لفظوں کو دبا
مصریوں کا دانت پہونچا کشورِ تاتار پر

دانت کلیاں ہیں چنبیلی کی تو گلبرگ ہیں ہونٹ
اے گل گلشن خوبی ہے گلستاں عارض

نامہ بر کو دیکے خط جب بھیجتے ہیں سو دوست
آگے آگے اشک پیچھے پیچھے خود جاتے ہیں ہم

دیکھا ہے میں نے تمکو آغوشِ آرزو میں
آؤ تو دل کے سوچیں تعبیرِ خواب ہم تم

گن گن کے بوسے لینا ای کاش ہو میسر
پھر بھولتے بھی جائیں اس کا حساب ہم تم

نظر سے سینۂ عاشق میں کرتے ہیں سوراخ
نئے طریق سے وہ دل میں راہ کرتے ہیں

اُس کا منہ کیا ہی کہ آنکھ اُس پہ کہاں ہی سے ملائے
نہ خط و خال نہ خورشید کے رخ پر گیسو

وہ سبزۂ زلف کو ہونٹوں سے دبائے ہیں مگر
چشمۂ خضر لب اُن کے ہیں سکندر گیسو

اک نگہ میں دل کو لے اڑنا نئی ایجاد ہے
اس تری چشم عنایت پر مرا بھی صاد ہے

کہتے ہیں ترکِ ملاقات کا شکوہ بھی نہ ہو
یہ نئی شرط ہوئی شرطِ وفا سے پہلے

ہوا عکس آئینہ حیرت فزا
نہیں آج اپنی نظر ہو گئی

درد شکر دل میں آنا چھوڑ دے
جان ہو کر بھی جلانا چھوڑ دے

کر نیکا برباد میری قبر بھی
اب تو ظالم خاک اڑانا چھوڑ دے

دیکھ لینے دے کبھی دیدار بھی
دل میں رہ کر منہ چھپانا چھوڑ دے

دل خوں گشتہ شاید بہہ چلا ہے
لہو آنے لگا کیوں چشمِ تر سے

میری قسمت کا اندھیر شام گر بھی
شمعِ تربت کو تمنا ہی رہی جلنے کی

خیال اسکو جو اپنے کشتگانِ غم کا آیا ہے
کفِ افسوس ملنے رنگ مہندی کا اڑایا ہے

نہیں اب تک پڑھا اور دل کھلا جاتا ہے فرحت سے
یہ کس کا نامۂ جاں بخش قاصد لیکے آیا ہے

اے جنوں دست درازی کا مزا تو جب ہے
نہ سلامت رہے دامن نہ گریباں رہے

قاصد کے پاس خط ہی مرے لیے جوش اشک	دوڑا رہا ہے ساتھ دلِ بدگماں سے مجھے

شاکر

شاکر۔ مسٹر پیارے لال صاحب۔ باشندۂ میرٹھ مقیم لکھنؤ شاگرد حضرت شوکت میرٹھی۔ مذہباً عیسائی مگر زبان اُردو کے اچھے ماہر اور انشا پردازی کے دلدادہ ہیں۔ پہلے مختلف رسالوں میں مضامین نظم و نثر ایک مدت تک شایع کراتے رہے۔ پھر رسالہ ادیب الہ آباد میں دو سال کے قریب اڈیٹر رہے جب رسالہ بند ہو گیا تو خود لکھنؤ سے العصر نامی ایک باتصویر رسالہ جسکو ادیب کی تمثال کہا جائے شایع کرنا شروع کیا وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ چلا۔ رباعیات کہنے کی خوب مشق کی ہے۔ کلام میں شوخی اور متانت دونوں موجود ہیں۔ اب مجاز سے حقیقت کی طرف بڑھ رہے ہیں اور طبیعت کی ترقی کو رہی ہے کہ کچھ دن میں مدارج ارتقا تک پہنچ جائینگے رباعیاں بشیتر اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ مدتوں منشی نوبت رائے نظر سے دوستی اور رفاقت رہی اور کلام میں بھی اُنسے مشورہ کرتے رہے۔ بہترین کلام کا انتخاب نذر ناظرین ہے سہ

رباعی

دنیا کو عجب طرفہ تماشا پایا
جب نظروں میں تو لا اسے ہمنے شاکر
اک حال پہ قایم نہیں جاشا پایا
تولہ کہیں پایا کہیں ماشا پایا

آنکھوں سے خمارِ ذوقِ مستی اُترا
پہنا جو کفن تو سر گرانی نہ رہی
خاطر سے غبارِ اوجِ وپستی اُترا
ہلکے ہوئے ہم کہ رختِ مستی اُترا

ناتوانی کا بھلا ہو کیا احساں اُس کا
وصل کے وعدے رقیبوں سے وہ کرتے ہیں
اُس کے کوچہ سے جو اُٹھتا ہوں گرا جاتا ہوں
میں ہی بدبخت ہوں محروم رہا جاتا ہوں

پشتِ خم مجھکو بتاتی ہے نہ سمجھے کوئی
اس دارِ محن میں آ کے خورسند ہے تو
بارِ عصیاں سے زمیں میں جھکا جاتا ہوں
اوخاک نشیں! از میں کا پیوند ہے تو

دل دولتِ فقر سے غنی کر منعم
منہ مانگے وہ ریگانہ دیگا تجھکو
کیوں حرصِ زر و مال میں پابند ہے تو
سو طرح سے آب و دانہ دیگا تجھکو

غم رزق کا کھا رہا ہے کیوں اے غافل
دیتا ہے جو سب کو کیا نہ دیگا تجھکو

غیر دنیہ بھروسہ ہے تو یہ گت ہوگی / عزت ہی نہ حاصل کبھی دولت ہوگی
تم اپنی کرو آپ مدد اے شاکر / ہر طرح کی پھر رفع شکایت ہوگی

یکساں نہیں ہیں ظاہر و باطن جنکے / جنوائیگی اُن کو یہ دورنگی تنکے
گر دلیں نہیں چور تمہارے شاکر / کیوں رکھتے ہو ڈر ڈر کے قدم گن گن کے

دل بجھ گیا ہے دل کے داغ ابتک نہ بجھے / سوز الم فراغ ابتک نہ بجھے
تھی سینہ میں جو ہوس ہوا ان سے نکلے آہی / محفل کے مگر چراغ ابتک نہ بجھے

دکھلا کے یہ سبز باغ بجھ جائینگے / سینے کے لحد میں داغ بجھ جائینگے
ہو جائیگا نظروں میں زمانہ تاریک / آنکھوں کے جو شب چراغ بجھ جائینگے

دنیا کی بلا سر سے ہٹی جاتی ہے / میعاد اسیری کی گھٹتی جاتی ہے
ہونیکو ہے قطع سلسلہ ہستی کا / جو پاؤں کی بیڑی ہے کٹی جاتی ہے

شاکر **شاکر** - مولوی سید شاکر حسین صاحب خلف مولوی سید عنایت حسین صاحب کنتوری وکیل ریاست چرکھاری بندیل کھنڈ۔ آپکے حقیقی چچا مولانا کرامت حسین صاحب جج مرحوم الہ آباد ہائیکورٹ میں ججی پر ممتاز تھے۔ شاکر صاحب ریاست چرکھاری کیطرف سے نوگاؤں چھاؤنی ایجنسی میں وکیل ہیں۔ آپکے حقیقی ماموں خان بہادر سید اصغر علی صاحب کوثر ریاست چرکھاری میں مدار المہام ہیں اور خوش فکر، عالی خیال شاعر ہیں۔ شاکر صاحب کی طبیعت بھی بہت شوخ اور چلبلی واقع ہوئی ہے۔ مشورۂ سخن دوستانہ طور پر مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ سندیلوی سے کرتے ہیں۔ علم عروض اور عربی فارسی۔ انگریزی میں قابلانہ استعداد ہے۔ انکے استاد کے چنے ہوئے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

عشق کرلیں ابروئے خمدار سے / زندگی کے دن کٹیں تلوار سے
سخت جانی نے مجھے نادم کیا / قتل گہ میں یار کی تلوار سے
چشم میگوں دیکھتے ہی یار کی / مست ہوڑے خانۂ خمار سے

سو جاؤں نہ کیوں غم سے کہ پیرانہ سری ہے — جو آہ کا جھونکا ہے نسیمِ سحری ہے

شاکر

شاکر - محمد محمود حسن صاحب جیبور کے رہنے والے ہیں۔ مڈل اسکول روسہ میں ہیڈ مولوی ہیں مولانا عباس و تسکین بھرسری کے تلامذہ سے ہیں۔ اُردو و فارسی سے واقف ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

قیامت سی قیامت ہو رہی ہے بزم دشمن میں — کہ وہ ڈالے ہوئے ہیں ہاتھ اپنے اُسکی گردن میں
ہزاروں مدعی دل کے ہیں اور دل ایک ہی تن میں — الٰہی کسکو دوں کسکو نہ دوں ہوں سخت اُلجھن میں
ضرورت شمع کی ہر گز نہیں بعدِ فنا مجھکو — اُجالا ہو رہا ہے شمعِ داغِ دل کا مدفن میں
خدا ہی تجھسے چرخِ تفرقہ پرداز سمجھیگا — چھوڑایا تو نے مجھسے دلربا کو میرے ساون میں
نہیں معلوم شاکر تمکو کیا کیا خلق کہتی ہے — ہوئے بدنام ناحق الفتِ طفلِ برہمن میں

شاکر

شاکر - عبدالغفور صاحب عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۸ء میں عمر تخمیناً تیس سال تھی۔ فارسی اور عربی میں عمدہ لیاقت رکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں کچھ دنوں مطب بھی کیا ہے حافظ محمد عبدالرحمن صاحب منسار بہاری کے شاگرد ہیں۔ غزل کے علاوہ ٹھمری وادرہ بھی کہتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

نرگسیں آنکھیں ثمرِ نوخیز و اُبھرے ہوئے — ہے گلستانِ جوانی میں بہار آئی ہوئی
دے رہی ہے خانۂ دشمن سے آنیکا پتہ — یہ نظر چھپی ہوئی یہ آنکھ شرمائی ہوئی
راستہ اُسکو نکلنے کا کہیں ملتا نہیں — حسرتِ دل بھرتی ہے سینہ میں گھبرائی ہوئی
میکدہ میں کل تھی۔ آئی محفلِ رندوں میں آج — دخترِ رز کس بلا کی تو بھی ہرجائی ہوئی
کس بتِ نوخیز پر دل آگیا شاکر ترا — ان دنوں کیسی اُداسی رخ پہ ہے چھائی ہوئی

شاکی

شاکی - صاحب عالم میرزا نجابت شاہ خلف الرشید ظلِ سبحانی بہادر شاہ ثانی میرزا الٰہی بخش کے داماد اور قطب الدین مشیر کے شاگرد تھے۔ غدر میں بعمر ۲۲ سال نشانۂ تفنگ اجل ہوئے اور ایک فرزند مرزا مبارک شاہ نامی اپنی یادگار دنیا میں چھوڑ گئے۔ فکرِ سخن کے متعلق اسی قدر کہنا کافی ہے کہ زبان تو خاص انکے گھر کی ہے جب دوسرے اُکی صحبتوں سے استفادہ حاصل کرتے تھے۔ پھر

انکے لطف بیان اور سلاست کا کیا کہنا۔ افسوس ہے کہ زیادہ کلام دستیاب نہ ہوسکا صرف دو شعر کوشش بلیغ سے بہم پہونچے وہ ہدیۂ ناظرین ہیں ؂

لائے ہیں آہ جگر تو اُسے یا نالۂ دل ایک پر زخم ایک پر ہے داغ	کون دونوں میں کرے جلد اثر دیکھیں تو دل تو وہ پیچھے ہے اور جگر یہ پیچھے

شاکی

شاکی۔ جناب سید احمد حسن صاحب مرحوم فارسی میں "فرقانی" اُردو میں شاکی وباکی تخلص کرتے تھے ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۴۷ برس کی عمر میں ۱۸۸۳ء میں دنیا کو خیرباد کہی۔ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے اور اپنے چچا منشی سید عمر دراز علی کے زیر سرپرستی پرورش پائی طبیعت میں خداداد جودت اور ذکاوت تھی۔ دماغ علم ادب اور شاعری کیلئے پیدا ہوا تھا علوم و فنون کو اہل کمال سے عموماً ذاتی شوق اور مطالعۂ کتب سے خصوصاً حاصل کیا تھا۔ آپ معنیٰ بیان۔ لغت۔ عروض قافیہ اور صنایع سے ماہر تھے۔ آپ نے عالم شباب میں علما فضلا یکتائے روزگار اشخاص کی صحبتیں اٹھائیں اور اپنی فطرتی قابلیت سے فارسی زبان کے اُستاد مانے گئے۔ سات برس کی عمر میں شعر کہتے تھے اور انہوں نے کبھی اپنے کلام کو کسی کے سامنے بنظر اصلاح پیش نہ کیا۔ حافظہ بلا کا تیز تھا آپ ایک مرتبہ جو مشکل شعر سن لیتے اُسکو فوراً اصل کر دیتے ایک دفعہ کے سُننے سے دو تین ورق یاد ہوجاتے۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں برجستہ شعر کہتے تھے ایکبار مرزا مغل شاگرد مرزا دبیر لکھنوی میرٹھ میں وارد ہوئے اور انہوں نے ممبر پر بیٹھکر اپنے اُستاد کا یہ سلام پڑھا ؂

مجرئی سے سوگوار رہا حیدر چاندنی	اشک ہیں شبنم بکا کرتی ہے شب بھر چاندنی

لوگوں نے کہا یہ سلام بیمثل ہے اور اسکا جواب نہیں ہوسکتا۔ آپ نے قلم برداشتہ اسکے جواب میں سلام کہا جس کا مطلع یہ ہے ؂

شہ کے جسم پاک پر تھی جلوہ گستر چاندنی	مجرئی کیا نور تھا تھی چاندنی پر چاندنی

متقدمین عرب و عجم کے تمام اساتذہ کا کلام آپکی نگاہ سے گذرا تھا تحقیق اور تنقید سخن کی

تمام کتب مطالعہ میں رہتی تھیں۔ آپکے انتقال کے بعد ایسی کتب خانہ میں بہت ایسی کتابیں نکلیں جنپر یادداشت مطالعہ درج تھی اور مضامین کے سقم وصواب کو بیان کیا تھا۔ آپ ۱۸۶۸ء میں حضرت غالب سے ملے اور وہ آپکا کلام سنکر نہایت خوش ہوئے۔ سید مہدی علی مرحوم کا بیان ہے جب مرزا صاحب نے آپ کا یہ قصیدہ سنا ؎

شد وقت کہ در طرۂ سنبل شکن افتد　　باغنچۂ گل لالہ چو در مقترن افتد

آپنے نہایت تعریف کی اور اثنائے داد میں یہ فرمایا کہ "غرہ" کا لفظ کم سے کم تین دن کی تلاش میں ملا ہوگا۔ انہوں نے مرزا کی تشخیص کو مان لیا اور انکی وسیع النظری پر متعجب ہوئے میرزا دبیر مرحوم سے اور ان سے دوستانہ ربط ضبط تھا۔ آپ مرزا صاحب کی مرصع خیالی شوکت الفاظ۔ بلندیٔ مضامین کے قایل تھے اور انکی مدح میں ایک قطعہ لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

زہے بنظم مصائب یگانہ در آفاق　　علم بمرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی
شنیدہ ایم کہ بر آسمان مسیری ہست　　ندیدہ ایم بروئے زمین تراثانی

آپ کا کلیات آپکے فرزند اصغر سید کرار حسین رحانی سابق ڈپٹی کلکٹر صوبجات متحدہ نے شایع کرایا ہے۔ راقم تذکرہ سے انکے دوستانہ مراسم تھے انہیں کے عطا کردہ دیوان سے اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ سید کرار حسین اساتذہ سلف کے اچھے یادگار تھے بارہ تیرہ برس ہوئے دہلی میں انتقال کیا کلیات کے قصائد، غزلیات۔ رباعیات۔ قطعات پڑھنے سے آپکی قادر الکلامی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ فارسی انشاپردازی کا اعلیٰ نمونہ انشائے فرقانی ہے جو کلیات کیساتھ موجود ہے تہذیب النسا۔ انشائے میور۔ آداب الطلاب۔ طاق کسریٰ وغیرہ اردو انشاپردازی کے ذیل میں مشہور ہیں۔ اردو زبان کے ماہر اپنے رنگ میں خوب کہتے تھے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اس تجمل سے مرے قتل کو قاتل آیا　　کہ مجھے خندۂ بیجا دم بسمل آیا
بلا سے جان گئی کوہکن مگر تو نے　　بنائے قصر محبت کو استوار کیا

کیوں عرضِ تمنا کا تقاضا نہیں ہوتا
کیوں نیچی نگاہوں سے کچھ ایما نہیں ہوتا

ہوں میں وہ سبک سیرِ بیابانِ محبت
آگاہ مرا آبلۂ پا نہیں ہوتا

درد اُٹھتا ہی پر سینہ میں ایسا نہیں اٹھتا
ہوتا ہے جگر چاک پر اتنا نہیں ہوتا

کیا جانے چشمِ مست نے کیا سحر کر دیا
یہ بھی مجھے خبر نہ ہوئی حشر کب ہوا

تنک سری کا بُرا ہو کہ مرے قتل کا حکم
ملا رقیب کو تسلیم میں بجا لایا

نیاز و ناز کا ہنگامہ کم نہ تھا لیکن
ترے زمانہ میں رنگ آسمان نیا لایا

تابِ نگاہِ گرم نہ لایا جمالِ یار
نظارہ حسن کو پرِ پرواز ہو گیا

نہ داد جور نہ فریاد خوں بہا لایا
ترے شہید کو محشر عبث اٹھا لایا

نہ تو نے بات کبھی بدنصیب کی پوچھی
نہ وہ زباں پہ کبھی حرفِ مدعا لایا

فلک نے بارِ محبت سے ہار دی ہمت
یہ آدمی تھا کہ سر پر اُسے اٹھا لایا

جسکو ہم جانتے تھے ولولۂ ناز و نیاز
وہ بھی اک شعبدۂ گردشِ دوراں نکلا

وہ نہ آئے نہ گئی تو نہ ہمیں موت آئی
تجھسے کیا کام کسی کا شبِ ہجراں نکلا

تیری نظر جو صورتِ تقدیر پھر گئی
کافی ہمارے واسطے کیا آسماں نہ تھا

اک دیدۂ پُر آب کی کیا بود کیا نمود
ساغر حریفِ گردشِ چشمِ بتاں نہ تھا

جب التفات ستم ہائے روزگار کیا
تمہارے غمزے کو عنوانِ یادگار کیا

بتائیں کیا نہ کیا اور کیا نثار کیا
سوائے یار جو کچھ تھا فدائے یار کیا

رہے ہے صبح کو ترا نشان اے شبنم
کہ تو نے دیدۂ بلبل کو اشکبار کیا

یہ بیقراریٔ دل بے سبب نہیں ہوتی
ضرور غیر سے کچھ آپ نے قرار کیا

زاہد نہ پوچھ حُسن کی عالم فریبیاں
انسان تو آدمی ہے فرشتہ پھسل گیا

روئے نورانی کو تیرے دیکھکر
چودھویں کا چاند آدھا رہ گیا

شیشۂ مے خانہ سے بستر لیگئے
اک پُرانا سا مصلا رہ گیا

نہ لو نام دلِ گم گشتہ میری جان جاتی ہے
رسوائے روزگار ہیں سودائیان عشق
امید وعدۂ دیدار سے ہے گرم ہنگامہ
پھرے مکاں میں سراپائے لامکاں دیکھا
غبارِ عمر کو ہم تائے گردرہ پایا
تشنہ ہر جزوِ بدن ہے ترے پیکانوں کا
کسی مذہب میں کسی قوم میں یہ رسم نہیں
کھوئی اثبات وہاں کمرِ یار میں عمر
دلِ یعقوب حزیں چشمِ زلیخا بےخواب
اب رو بقفا ہیں غلط انداز نگاہیں
غمزہ کو ملا حکم پریشانیٔ عالم
کیا کیجئے بدآموزیٔ غماز کا شکوہ
پہلی ہی نظر سلسلہ جنبانِ جنوں تھی

اب ان باتوں سے کیا حاصل مجھی یاد وہاں تھا
ہو جس کو پاس ننگ وہ عاشق ہے نام کا
اسی حجت سے ثابت ہو گیا آنا قیامت کا
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں دیکھا
ہوائے عشق کو صرصر کا ہم عناں دیکھا
دانِ زباں ہیں ادھر انبوہ زباں دانوں کا
چرخ پیتا ہے لہو اپنے ہی مہمانوں کا
باندھنا راس نہ آیا ہمیں پیمانوں کا
کیا ٹھکانا ہے محبت ترے طوفانوں کا
سر پیٹ لے لے شوقِ پریشاں نظر اپنا
اور وعدۂ انصاف رہا حشر پر اپنا
سچ یوں ہے مٹانا ہی تھا منظور اپنا
کیا سوچئے آغاز میں نفع و ضرر اپنا

آ لئے قضا نے جب ورق دفترِ وجود
رنگ لائی بدگمانیٔ قیس کی
سچ کہو تھا کس طرف روئے خطاب
آئی اک موجِ صبا زلف چلیپا ہو کر
مدتوں سایہ صفت چرخ مرے ساتھ پھرا
بےحجابی سی ہوا حرفِ شکایت شاکی
کیا توقع ہمیں زمانہ سے
ہائے دشمن کی نامرادی ہائے

سو بار لاکھ بار وہی منتخب ہوا
پردۂ رنگین محمل دیکھ کر
کیوں ہنسے سوئے عنادل دیکھ کر
بےنصیبوں کے پھرے دن شبِ یلدا ہو کر
برسوں قدموں میں رہا آبلہ پا ہو کر
خود گلے لگ گئے محوِ تماشا ہو کر
صبح کو خود امیدِ شام نہیں
کہ مجھے فکرِ انتقام نہیں

کبھی انسان نے آئینہ بنایا ہوگا
آپ انسان کو آئینہ بنا دیتے ہیں

بس چھوڑدے خدا پہ مجھے اے چارہ گر
بھرنیکے میرے زخم جگر عمر بھر نہیں

بھرتے ہو دم جفا کا مگر یہ نہیں جفا
تو یہ ستم سے کرتے ہو کیا یہ ستم نہیں

ہر روز غم سیاہ شب گور سے سوا
ہر صبح ہجر شام قیامت سے کم نہیں

کوتاہیٔ نظر نے دکھائی رہ دراز
کیا بتکدہ میں لطف حریم و حرم نہیں

اسے لذت وصل کی قدر کیا
جسے ذوق آزار ہجراں نہیں

راتیں نہ ہجر یار کی کاٹیں پہاڑ سی
کاٹا پہاڑ عقل لڑی کوہکن کہاں

اندیشۂ عزت کبھی اندوہ ملامت
ہوتے ہیں عجب رنج محبت میں بشر کو

آئندہ سب خیال گذشتہ تمام وہم
صوفی پسند اسلئے کرتے ہیں حال کو

قاصد غلط، عریضہ غلط۔ مدعا غلط
لو آؤ دیکھ جاؤ تمہیں میرے حال کو

نہ کھینچا منت برق طپاں کو
مرے نالے نے پھونکا آشیاں کو

مے گلگوں کے پیمانہ سے اے خضر
بدل لیں ہم تو عمر جاوداں کو

فریاد تیرے جور سے اے دور شام غم
اندھیر ہے کہ عمر بسر ہو سحر نہ ہو

انکو بھی آج میری طرح شوق وصل ہے
یہ بات ہی جدا ہے کہ تقدیر سے نہ ہو

کسے روئیں جن اشکوں کو تری فرقت کا رونا ہو
کسے دیکھیں جن آنکھوں نے تری صورت کو دیکھا ہو

نگاہ یار گلشن میں اگر گرم تماشا ہو
وفور شرم سے ہر شاخ پر انگور صہبا ہو

ذرا آہستہ وہ بیرنگ لے خون رگ بسمل
کہیں ایسا نہ ہو قاتل کے نازک دل کو ایذا ہو

چلے ہم تو دل ناکام لیکر خلق سے شاکی
ہمیں کیا بعد مرجانیکے غیر انکا نہ ہو یا ہو

ہماری ناتوانی غم اٹھانے سے غلط ٹھہری
تمہیں عذر نزاکت ہی تو اتنے سرگراں کیوں ہو

زلیخا اب نہ کنعاں میں ہے اور یوسف نہ زنداں میں
ہجوم اشک حسرت کارواں در کارواں کیوں ہو

ہمیں بھی اسکی ماہیت بتاؤ ماجرا کیا ہے
کہ تم اے مچھلیوں۔ دریا میں کیوں پیاسی کہیں تہ

نگاہِ برق میں یکساں ہیں دانا ہو کہ ہو خرمن
اجل قیمت شناسِ قامتِ پیر و جواں کیوں ہو

سرِ محفل نقابِ عارضِ تاباں اگر وا ہو
نظر پروانہ ہو پروانۂ گل ہو گل تماشا ہو

شاکی کے انتقال سے کتنے وہ خوش ہوئے
پرسیر ہے اگر یہ خبر معتبر نہو

کس طرح تیرے رُخ کا نظارہ کرے کوئی
حائل ہیں دو رقیب حیا بھی نقاب بھی

چشمِ طپش کی ایک جھپک مدتِ حیات
جلتا ہوں تیز گامیٔ عمرِ شرار سے

تسبیح پر نہ بھولیو زاہد کہ رند بھی
سوسے اگر بُرے ہیں تو اچھے ہزار سے

کس نامراد کا تیری چتون نے خون کیا
دشمن بھی آج پھرتے ہیں کچھ سوگوار سے

ہم نہ دردِ کشِ پیمانۂ دیدار ہوئے
ساغرِ چشمِ مئے ذوق سے سرشار ہوئے

سچ بتاؤ ہمیں تم رات کہاں تھے شاکی
آج مذکور تمہارے سرِ بازار ہوئے

زیرِ نقاب حسن کے جوہر عیاں رہے
فانوس میں بھی شمع کے شعلے زباں رہے

اپنی ہوس میں آپ ہی پروانہ جل بجھا
عشقِ ہوس فروش کا انجام نار ہے

نسیم کان میں گل کے ضرور کہدینا
کہ جانِ بلبلِ رنگیں نوا نکلتی ہے

اُسنے جو گرم جانبِ دشمن نگاہ کی
میں نے فلک کو دیکھ کے اک سردِ آہ کی

ہو جائے کچھ یہ عالم اے لذتِ طپیدن
قاتل کو میں دعا دوں قاتل مجھے دعا دے

شاکی ۔ آغا سید الحسن عرف سید امیر حسن شاکی۔ قصبہ سلون ضلع رائے بریلی۔ وطن ہے کلام سے جدت کی جھلک نمایاں ہے۔ کسی کے شاگرد نہیں۔ نمونۂ فکر یہ ہے ؎

شاکی

اس سے کیا تسکینِ مشتاقِ شہادت ہو سکی
زخم او چھا ہی ابھی قاتل تری شمشیر کا

غنچہ لب پیشِ تصور تھا عبث محوِ سکوت
ہم نے بوسہ لے لیا منہ کھل گیا تصویر کا

شاکی

شاکی ۔ سید عبدالرسول رضوی عرف سید محمد جواد۔ ۱۰ جون ۱۸۶۰ء کو مٹیا برج کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ انکے نانا نواب انتظام الدولہ احمد علیخاں مصنف تحفۂ احمدیہ۔ واجد علیشاہ بادشاہ کے اُن رفقا میں سے تھے جو ترکِ وطن کرکے شاہ مغفور کے ہمرکاب کلکتہ گئے تھے اور تمام عمر بادشاہ کی

رفاقت میں بسر کر دی حتی کہ اپنے آقائے نامدار کیساتھ آج بھی خاک بنگال پر میٹھی نیند سوئے ہیں۔ شاکی کے جد امجد میر مصطفےٰ شاہ علوم عربیہ کے ماہر اور مسلم الثبوت اُستاد تھے۔ اُنہوں نے اپنی شادی سید ابوالحسن عرف ابو صاحب مجتہد العصر کی ہمشیرہ کے ساتھ کی اُنسے انکے والد پیدا ہوئے۔ انہوں نے بھی علم و فضل میں خاصی شہرت حاصل کی۔ انفراغ علوم کے بعد سید محمد جواد کا عقد سید محمد باقر صاحب مجتہد کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوا جب کچھ دنوں کے بعد انہوں نے انتقال کیا تو نواب انتظام الدولہ کی دختر کیساتھ عقد ثانی ہوا جن سے جناب شاکی پیدا ہوئے۔ دینیات کی تعلیم پاکر انگریزی زبان سیکھنے کا شوق ہوا تو سات برس کی مسلسل تعلیم کے بعد سینیر کیمرج کا امتحان پاس کیا۔ اُردو میں طبع آزمائی کی ہے اور کلام میں فارسی ترکیبوں کے باوجود دلکشی اور درد دونوں چیزیں موجود ہیں۔ یزدانی مرحوم جنکا وطن پنجاب تھا اور شیراز میں رہکر زبان فارسی کی تحصیل کی تھی اور آخر میں کلکتہ میں بود و باش کرلی تھی اور فارسی کے زبردست ماہر تھے اُنسے جناب شاکی کو فخر تلمذ حاصل ہے۔ مٹیا برج کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے ہیں اور شاعری کو قابل تعظیم فن تصور کرتے ہیں۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب نذر ناظرین ہے

بلائے عشق میں بیدردیاں مبتلا ہوتا
علاج درد دل ہوتا جو وہ درد آشنا ہوتا

بہ انداز طپش گر آتش غم مشتعل ہوتی
تو دل جلکر دھواں ہوتا دھواں اُڑکر ہوا ہوتا

نہ مرتا وادیٔ وحشت میں گر سر پھوڑ کر اپنا
سر شوریدۂ شاکی ترے در پر فدا ہوتا

ساقیا اتنی پلائی تھی نہ بزم غیر میں
میں تو تھا بیہوش تیرے ہاتھ میں پیمانہ تھا

مرنیوالے کی جو بالیں پر کھڑے تھے رو دئے
سر نگاہِ واپسیں پردہ دار افسانہ تھا

غمزدوں کی ہیں حکایات پرانی بے لطف
آپ کی بات نئی آپ کا افسانہ جدا

غش ہوئے موسیٰ عمران ہی یہاں دلکو سنبھالو
طور کا ذکر جدا جلوۂ جانانہ جدا

رو رہا ہے خلق دیوانہ ترا آخر ہوا
سب کی نظریں پڑتی ہیں چاک گریباں دیکھکر

گر ہم نہیں تو گرمی بازار بھی نہیں
اے حُسنِ خود فروش خریدار بھی نہیں

دل کو دو دیدہ نگاہیں لیکے پنہاں ہو گئیں
مصحفِ رخ پر ترے زلفیں پریشاں ہو گئیں
اے سکنہاں ذرا آنکھیں اٹھا کر دیکھ تو
پہلی منزل پر سبک باری نے پہونچا یا ہمیں
وعدہ بھی تم آؤگے میں بان بھی ہیں لب
میری ہمت مرا جگر دیکھو
جب تصور کمال کو پہونچے
جسے بیگانہ سمجھے تھی یگانوں سے وہی اچھا
پاس پردہ داری ہے کہ باہر جا نہیں سکتی
مرنا تو مقدر تھا ۔ مر جانے کو کیا کہئے
اللہ رے آبادی پھر ویسی ہی بربادی
جب دل نہ ہوا اپنا پھر تم سے شکایت کیا
اے آنسوؤں کے تار رہے سلسلہ قایم
داغِ دل داغِ جگر مرقد میں سوزاں لیچلا
کرکے روشن داغ دامندار ہجراں لیچلا

حشر میں زلفوں کی اجزائے پریشاں ہو گئیں
رشتۂ شیرازۂ اجزائے ایماں ہو گئیں
کسکی آنکھیں روزنِ دیوار زنداں ہو گئیں
اپنی بے سامانیاں آخر کو ساماں ہو گئیں
سمجھا دو دل کو بھی کہ اسے اعتبار ہو
دلِ زخمی کو اک نظر دیکھو
دیکھ لو یار کو جدھر دیکھو
تعلق آجتک سبزے کو ہے گورِ غریباں سے
صدا زنجیر خانے سے نظر سوراخ زنداں سے
سمجھانے سے کیا حاصل دیوانے کو کیا کہئے
دل تھا کہ بھری بستی ویرانے کو کیا کہئے
اپنا نہ ہوا اپنا بیگانے کو کیا کہئے
آتے ہیں مدد کرنے کو اب لختِ جگر بھی
دونوں پہلو میں یہ دو شمعیں فروزاں لیچلا
تیری محفل سے چراغ زیر داماں لیچلا

شاکی ۔ شیخ بنے میاں ساکن بریلی روہیلکھنڈ ۔ سخنور خوش فکر تھے ۔ طبع میں رسائی اور مضمون آفرینی تھی ۔ مولانا احمد علیخاں عاصی شوخ بچپن بریلوی کے تلامذہ سے تھے ۔ ظرافت کے مضامین خوب لکھتے تھے ۔ پونا میں کسی تاجر کے ملازم تھے ۔ وہیں انتقال کیا ۔

جلا دیتا ہوں میں دو لفظ میں مضمونِ مردہ کو
بگڑنے میں بھی بنتا ہوں میں زلفِ کج کی صورت
میں وہ بلبل ہوں جس سے طائرِ سدرہ ہو گویا

مسیحِ وقت اپنے عہد میں گویا ہے دم میرا
شکستہ دل ہوں پر زیبا ہے سب سے پیچ و خم میرا
لئے بیٹھے ہیں رضواں آجتک باغِ ارم میرا

کبھی تو اے فلک ہم پر بھی ہوگا مہرباں کوئی
کبھی تو دل پھرے گا غیر سے اُس آفتِ جاں کا

آغاز جوانی میں ستم ڈھائے گئے ہیں
اُٹھتے ہوئے جوبن پہ وہ اترائے ہوئے ہیں

ڈرتے ہیں وفا کرتے ہوئے حضرتِ شاکی
یہ لوگ حسینوں سے دغا پائے ہوئے ہیں

شان

شان۔ نواب میرزا محمد صادق علیخاں صاحب بہادر بیرسٹر ایٹ لا۔ نواب باقر علیخاں شیش محل صاحب کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی میں اچھی مداخلت رکھتے ہیں آپ ۱۸۹۸ء میں بی اے پاس کرکے ولایت تشریف لیگئے تھے وہاں ۱۹۰۱ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ آپ کو رفاہ عام کاموں اور سیاسی معاملات سے بڑی دلچسپی ہے۔ شاعری کا بھی مذاق ہے جہ آباد ضلع سیتاپور میں انکی تعلقہ داری ہے عرصہ ہوا کلام بھیجا تھا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

رازِ الفت مرا نہاں نہوا
اسکا چرچا کہاں کہاں نہوا

لوگ خورشیدِ حشر دیکھینگے
گرمیِ آہ کا دھواں نہوا

تھامے اپنی کلائی بیٹھے ہیں
ذبح آخر یہ سخت جاں نہوا

عید ہے آج انکا ہے دربار عام
نذر دینے نقدِ دل جاتے ہیں ہم

کبھی تو اُس بتِ کافر کو ہم پر رحم آئے گا
یہی کہہ کہہ کے ہر دم اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

قفس میں بیٹھے بیٹھے کیا چمن کو یاد کرتے ہیں
فقط کچھ غم غلط ہم اے دلِ ناشاد کرتے ہیں

مہک پھولوں کی پھر آنے لگی شاید بہار آئی
اسیرانِ چمن گلزار کو پھر یاد کرتے ہیں

کچھ ایسا بڑھ گیا ہے ہمکو انکا خوف رسوائی
لبوں پر دم ہے تب بھی ضبط ہم فریاد کرتے ہیں

ہزاروں زخم کھائے سخت جانی دیکھئے اے شان
دعائیں دم نکلنے کی مرے جلاد کرتے ہیں

نہیں خوف عصیاں نہ وحشت کسیکی
کہ لیے یہ اپنی ہے رحمت کسیکی

اگر بوسہ مانگا وہ جھنجھلا کے بولے
کہیں کہکے آئی ہے شامت کسیکی

مرے نالے سنکر وہ فرماتے ہیں
نہ آئے کسی پر طبیعت کسیکی

چھپتے ہو کیا گرد پائے حنائی ۔ ابھی روند آئے ہو تربت کسی کی

پوچھتے کیا ہو ترا ہجر میں نقشہ کیا ہے ۔ ہم نہ ہو گئے فقط اور "ہونا ہوانا" کیا ہے

ہے تو قسمت سبب ہے تم سے مجھے شکوہ کیا ہے ۔ اپنی آنکھوں سے میں روتا ہوں تمہارا کیا ہے

بشب ہجر نئی یار کہاں کو تم یہ کیوں جاتی ہو شان ۔ لٹ چکی دولت دیدار تمہیں ملنا کیا ہے

شاہ — **شاہ** ۔ منشی شاہ علیخان دہلوی مرزا رفیع السودا کے ہمعصر اور نواب سراج الدولہ و نواب عالیجاہ میر قاسم خان ناظم بنگالہ کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک تھے انجام کار دکن جاکر انتقال کیا انکی یہ غزل اکثر ارباب نشاط محفلوں میں گاتی ہیں ؎

ارمان وصل کا دل نالاں میں رہگیا ۔ میں عمر بھر تمہاری نہیں ہاں میں رہگیا

پائی رہائی یوسف دل نے نہ قید سے ۔ زلفوں سے چھوٹا چاہ زنخداں میں رہگیا

ہمتو مرینگے یار کی دیوار کے تلے ۔ مجنوں کو تھا جنوں جو بیاباں میں رہگیا

کعبہ گیا نہ دیر گیا اور نہ کربلا ۔ گھر سے نکل کے کوچۂ جاناں میں رہگیا

جلوہ دکھایا یار نے کوٹھے پہ آن کر ۔ جیسے نکل کے چاند بدخشاں میں رہگیا

شاہ — **شاہ** ۔ میرزا داؤد شاہ گورگانی خلف مرزا محمود شاہ ابن مرزا بابر خلف اکبر شاہ ثانی انکے بیٹے مرزا شجاع کو ریاست حیدرآباد دکن سے ڈیڑہ سو روپیہ ماہوار بطور وظیفہ ملتا ہے مشق سخن کم تھی تاہم رنگ طبیعت اچھا تھا۔ مرزا مجاہد الدین شاہی نے کچھ کلام دیا تھا جسمیں سے دو شعر انتخاب ہوئے ؎

وہ پھلا پھولا جہاں میں جو شجر پیدا ہوا ۔ ایک نخل دل ہمارا بے ثمر پیدا ہوا

موجود تھے وہاں سب حسرت رہی دل میں ۔ محفل میں اسکی میں بھی اک دلفگار ہوتا

شاہ — **شاہ** ۔ شاہ عالم کسی قدیم شاعر کا یہ شعر ہے۔ تذکرہ فرا۔ صاحب سے نقل ہوا۔ کیا تعجب کہ شاہ عالم بادشاہ کا ہو ؎

کل کا وعدہ نہ کرو جی مرا بیکل نہ کرو ۔ کل پڑے گی نہ مجھے یہ کلکل نہ کرو

شاہی

شاہی ۔ مرزا انور الدین گورگانی نبیرۂ صاحبعالم مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی شاعر چرب زبان و خوش نفس خواجہ آتش کے شاگرد تھے ۔ آپکی شاعری کا رنگ بہت اچھا تھا اور ۱۲۴۰ھ؁ کے بعد کئی مرتبہ لکھنؤ سے دہلی آئے بہادر شاہ ثانی کے مزاج میں بہت دخل پیدا کر لیا تھا چنانچہ شاہی روزنامچہ میں اکثر انکا ذکر آتا ہے انہیں کی صحبت کے طفیل بادشاہ کے خیالات شیعہ مذہب کیطرف زیادہ رجوع ہوگئے تھے ۔ رسالہ موسوم بہ علم حیدری انکی تصنیف سے ہے اور راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے کلام اگرچہ سوز و گداز سے خالی ہے مگر بلاغت زیادہ پائی جاتی ہے فکر صائب سے بڑے بڑے مضامین کو مختصر لفظوں میں ادا کر جاتے ہیں ۔ زبان کا لطف بھی موجود ہے اور سلاست بیان بھی اچھی خاصی ہے ؎

ملو گلے سے تو جاتا رہے گلہ دل کا
تمہارے وصل پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

نہ کیوں کہوں ترے ابرو میں عبرت شمشیر
کیا ہی ایک اشارے میں فیصلہ دل کا

قرو جاولے سے پرتو میکدہ کا در کھلا
خم سر شیشہ کھلا شیشہ سر ساغر کھلا

رنگ لائی ہے عجب ہمت مردانۂ عشق
داغ پر داغ دئے فرض ہے شکرانۂ عشق

روش فرش گل ہے دل دیوانۂ عشق
رشک صد فصل جنوں ہمت ہے ویرانۂ عشق

رونق باغ جہاں سبزۂ بیگانۂ عشق

غیرت قصہ ملقیس ہے افسانۂ عشق
کس طرح قصر سلیماں ہو نہ ویرانۂ عشق

کیوں نہ زیبا ہو اسے شوکت شاہانۂ عشق
کیوں نہ قبضہ میں ہو میراث پریخانۂ عشق

خلف الصدق جنوں ہے دل دیوانۂ عشق

شاہی

شاہی ۔ فروغ دودہ شاہی چراغ خانوادۂ گورگانی مرزا مجاہد الدین شاہی خلف الرشید مرشدزادہ مرزا ظہیر الدین عرف مرزا مغل بہادر خلف پنجم حضرت ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی خاتم خاندان گورگانی ۔ حضرت شاہی زمانہ غدر میں سات سال کے تھے کہ فلک کجرفتار نے روز بد دکھایا اور انہیں داغ یتیمی نصیب ہوا یعنی انکے والد مرزا مغل بہادر ایک ظالم سفاک زشت خو فوجی افسر ہاڈسن نامی کے ہاتھ سے بلا تفتیش جرم مارے گئے ۔ اسکے بعد انہوں نے اپنی دادی نواب شرافت محل صاحبہ

سے دامنِ عافیت میں پرورش پائی اور علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ مرزا قادر بخش صابر گورگانی کے فیضِ صحبت سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوا، چنانچہ اس فن شریف میں انہیں سے تلمذ رہا اُنکی وفات کے بعد امراؤ مرزا انور دہلوی کے شاگرد ہوئے پھر چند غزلیں نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی کو بھی دکھائی تھیں۔ آخر میں جو کچھ کہتے تھے اسمیر مرزا ارشد دہلوی سے مشورہ کر لیتے تھے۔ کئی سال اجمیر میں مقیم رہکر دہلی واپس آئے اور انجمن تیموریہ کے سکرٹری بھی رہے تھے۔ زبان میں صفائی اور طبیعت میں متانت ہی رعایت لفظی اور استعارات کے گورکھ دھندوں سے انکے کلام میں پیچیدگی کا دخل نہیں الفاظ نہایت ستھرے اور بندش نہایت چست ہوتی ہے۔ منکسر مزاج اور نہایت شریف صاف گو راستباز انسان تھے۔ مرزا عبد الغنی ارشد سے جو انکے رشتہ میں بھانجے ہوتے تھے بہت محبت کرتے تھے اور اُنکے کمال شاعری کے معترف تھے کئی مرتبہ فیروز پور اُنکے پاس جاکر رہے اور اُنکے کلام کو مرتب کیا۔ راقم تذکرہ سے بھی انہیں بڑا اُنس تھا۔ ہنگام قیام دہلی روزانہ تشریف لاتے تھے۔ حیدر آباد دکن سے ساٹھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ ہو گیا تھا اُسی پر بسر اوقات تھی آخر ساٹھ سال کی عمر میں ۱۹۰۶ء میں بمقام دہلی انتقال کیا۔ انہیں کے قلمی عطیہ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

غضب کا نشہ ہی ساقی کی چشم میگوں میں
دروازہ میرا لوگ بتاویں خدا کرے
بعدِ فنا بھی انکا جلانا تو دیکھئے
وہ آجاتے تو ٹلجاتی قضا کیا
اس ستم پر یہ سحر یہ کیسا کیا
جان و دل دیکر لیا رنج والم
کبھی علاجِ دل داغدار ہو نہ سکا
سوئے تو اپنا طالع خوابیدہ جاگ اٹھا
جلتا وہ جوشِ آتشِ گل سے بہار میں

ادھر نگاہ ملی اور اُدھر سرور آیا
پھرتا ہے کوئی غیر کا گھر پوچھتا ہوا
رکھا چراغ گور پہ میری بجھا ہوا
ذرا ہم دیکھ لیتے اور تھا کیا
اک جہاں کے گھر میں دل پیدا کیا
عمر بھر میں ہم نے یہ سودا کیا
مٹائیں ہاتھ سے اپنے بہار ہو نہ سکا
آنے کا اُنکے خواب میں ہمکو گماں نہ تھا
گلزار میں بھلے کو میرا آشیاں نہ تھا

اس پہ بھی سایہ پڑ گیا کیا میرے اضطراب کا
کوئی پوچھے تو پتہ خاک بتاؤں شاہی
جان شوقِ دید میں اب تک نکل جاتی مگر
قاصد سے یہ کہا مرے خط کے جواب میں
میں تو آزادی میں بھی گویا قفس میں بند ہوں
آ چکے اک روز محشر ہو چکے جھگڑا تمام
دل کو ہم تیرِ حوادث سے بچا سکتے نہیں
آرزوئے غیر پر پھیر و گے پانی خاک تم
اپنی رحمت سے خدا اگر بخشدے تو بخشدے
واں کا بھی لکھا نہ شاہی ان بتوں کے عشق نے
یہ اتفاق ہے پڑتا ہے اُنکا اوچھا ہاتھ
کہیں نہ منہ سے اُنہیں اپنی بات کی ضد ہے
محبت میں عدو کی بے خبر مجھ سے سوا تم ہو
بُرا کہتے ہیں ناحق چرخ کو دشمن کو قسمت کو
کونسی بات ہے شاہی جو نہیں کی تم نے
منع بچوں نے خوب سمجھا شیخ کی توقیر کو
ہے لڑکپن ہی میں وہ آفت کا پتلا فتنہ گر
روئے انور کو کسی کے تک رہا ہے دیر سے
خدا کرے کہ مرا حال یہ تباہ رہے
یہ بڑھا یا گریہ نے مرتبہ کہ فلک بھی دیکھتا رہ گیا
جو ہے عیش بختِ بلند تھے میں مجھ چاندنی سے کیا غرض

کھلتا نہیں ہے حال کچھ زلف کے پیچ و تاب کا
کہ وطن کا ہے نشاں یاد نہ گھر کی صورت
زندگی عشق سے ہے تمہارے عشق کے بیمار پر
مطلب کا ہوش خوب رہا اضطراب میں
فکر گلچیں ہے گھڑی صیاد ہر دم تاک میں
سنتے سنتے واعظوں کی آ گیا دم ناک میں
ہاتھ سے قسمت کے لکھے کو مٹا سکتے نہیں
آتشِ فرقت تو اے اشکو بجھا سکتے نہیں
نامۂ اعمال تو اپنا دکھا سکتے نہیں
داورِ روزِ جزا کو منہ دکھا سکتے نہیں
کہیں وہ اپنی طرف سے قصور کرتے ہیں
وہ دل میں یاد ہمیں بھی ضرور کرتے ہیں
کہ پاسِ آبرو تمکو نہ پابندِ حیا تم ہو
اگر سچ پوچھئے تو بانیٔ جور و جفا تم ہو
ایک توبہ ہی رہی جاتی ہے یہ بھی کر لو
ریشِ قاضی کر دیا عمامۂ تزویر کو
اور ابھی تو خیر سے عہدِ شباب آنیکو ہے
اب کوئی دم میں زمیں پر آفتاب آنیکو ہے
مجھے جو دیکھ لے اُسکو نہ تیری چاہ رہے
وہ جو گھر تھا اب ہے وہ لامکاں ہے عرش سے بھی مقام ہے
اُسے بادہ پینا حلال ہے مجھے زہر کھانا حرام ہے

مری بات کا نہ یقیں کیا کہو پھر گیا کہ نہ پھر گیا
سر بزم اُنسے نہ چھپ سکا مجھے دیکھتے ہی یہ کہدیا

وتف ہے خارِ مغیلاں پر مرا پیراہن
مجھسے پوچھو کہ نقش ہیں دلپسر

کیا کریں شکوۂ جفا شاہی
آدمی ہو تو کچھ گلہ کیجئے

اک زمانہ ہے مدعی اپنا
دل کی پرسی کو آئے بیٹھے ہیں

لے چکے دل تو جان کی ہے طلب
ستم ایجاد آپ ہم غم دوست

شاہی آپ اور عشق سے توبہ
ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ دیدیجئے جان بھی

کیا جانے کسکا جلوہ نظر میں سما گیا
شاہی فلک کی چالوں سے کیا دیکھئے بنے

آتشِ حسن سے نہ جل جائے
سخت جانی غضب کیا تو نے

نہیں جائز بتِ کافر کے قدم پر سجدہ
شاہی میں کیونکہ مان لوں تم جا سکو گے واں

دل میں الفت غیر کی مٹھی میں میری جان ہے
یہ تو ہم سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں پہلے روز سے

حرفِ مطلب یاں نہ ہوا ہی زباں پر آیا ابھی

وہی غیر جسکہ تھا باوفا تمہیں ناز تھا کہ غلام ہے
وہی آپ چاہنے والے ہیں وہی شاہی آپکا نام ہے

کہ گریباں سے لئے جاتا ہے تو داماں کوئی
خوبیاں بخیۂ حنائی کی

اپنی عادت نہیں برائی کی
تیرا کیا بختِ نارسا کیجئے

کس سے اظہارِ مدعا کیجئے
نذر اب جانِ مبتلا کیجئے

کیا کسی سے معاملہ کیجئے
روز مجھ پر ستم نیا کیجئے

اجی حضرت خدا خدا کیجئے
شرطِ وفا نہیں ہے کہ دل جائے دم رہے

کعبہ کہ دیر دونوں سے بیزار ہم رہے
وہ سروری رہی نہ وہ جاہ و حشم رہے

غیر کو دور رکھئے محفل سے
کیا ندامت ہوئی ہے قاتل سے

ہم سمجھتے ہیں مگر وہ میاں کہاں رہتا ہے
جس جا گذر نسیم و صبا نہ ہو سکے

اور کیا اسکے سوا ہے رازدانی آپکی
نذر ہو گی ایک دن یہ زندگانی آپکی

ہنس کے فرمایا کہ سن لی سب کہانی آپکی

کوچۂ جاناں تو واعظ دیکھتے ہیں آنکھ سے　　اور صفِ خلد سنتے ہیں زبانی آپ کی
زخم اچھے ہو گئے لیکن نشاں کیسے رہے　　شکر ہے تن پر رہی کچھ تو نشانی آپ کی
آپ ترکِ عشق کا غیروں کو دیں ناصح سبق　　بوالہوس ہیں وہ کرینگے قدردانی آپ کی
بتوں کے حسن میں بھی ایک نور ہوتا ہے　　خدا کی شان کا سب میں ظہور ہوتا ہے
یہ بے سبب نہیں آتی ہیں ہچکیاں پیہم　　کہیں تو ذکر ہمارا ضرور ہوتا ہے
تمہاری اسمیں خطا کیا خدا کی قدرت ہے　　حسین جتنے ہیں سب میں غرور ہوتا ہے
سمجھ گئے تری باتوں سے تجکو ہم ناصح　　پڑھا لکھا بھی مگر بے شعور ہوتا ہے
جفائیں سہنے کی عادت جو ہو گئی ہے ہمیں　　تو بے ارادہ بھی ہم سے قصور ہوتا ہے
سُنے ہیں وعظ کی مجلس میں حسن کے اوصاف　　تمہارا ذکر تو اب دور دور ہوتا ہے

ملکہ وکٹوریہ کے مرنیکا قطعہ تاریخ رقت آمیز لکھا تھا وہ تاریخ نقل ہے

تحیر تھا شاہی کہ کیا بات ہے　　یہ آتواپ نے کیوں ہلا دی زمیں
گیا کونسا شاہ دنیا سے آج　　کہ جو ایک سو ایک توپیں چلیں
سلامی کی توپوں نے ملکر کہا　　شہنشاہ وکٹوریہ اُٹھ گئیں
۱۹۰۱ = ۱۸۰۰ + ۱۰۱

شایق

شایق - پیر محمد قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں نہایت قابل مستعد اور خوشگو شاعر تھے۔ شروع میں چند غزلیں ہاشمی کو بھی دکھلائیں تھیں۔ آخر اٹھارویں صدی میں شباب کا عالم تھا معاملہ خوب کہتے تھے اور زبان کیطرف بھی توجہ تھی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا۔

کہ شیخ و برہمن دیر اور کعبے کو کہتے ہیں　　رہِ دل سے ہیں غافل دو آسمیں دو نور ستی ہیں
تماشا دیکھ تو جراح کے مرہم لگانے کا　　ہمارے زخم ٹانکے توڑ کر کھل کھل کے ہنستے ہیں
جو لیکر جان عاشق سے ملیں خوبانِ ہندوستاں　　سمجھنا مت گراں شایق انہیں تو بھی یہ سستے ہیں
ظلم کا شیوہ سکھا اُس ظالم کو ایسا یاد ہے　　ہر گھڑی ہر لحظہ اِک تازہ ستم ایجاد ہے
نچلے ہو کر بیٹھتے اکدم نہیں یہ طفلِ اشک　　چشمِ گریاں کی بھی کتنی ناخلف اولاد ہے

جاپئے کعبے کو یا کیجے صنم خانہ کا طوف	حضرت دل آپ کا اب کیا ہمیں ارشاد ہے

شایق

شایق ۔ منشی نظام الدین ساکن بریلی ۔ فراسو صاحب کے تذکرہ میں ایک اچھا شعر نظر سے گذرا درج کیا گیا ۔ غدر سے ۳۰ برس پیشتر زندہ تھے ؎

گر اسی طرح سے ہمیشہ کو ترے غم سے چشم تر رہی	تو مزارعوں کو یہ مژدہ دو کہ تمہاری کھیتی ہری رہی

شایق

شایق ۔ عزیز الدین شایق خلف الصدق غلام محی الدین سرہندی ۔ زیادہ حال معلوم نہوا کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پرانے زمانے کے شاعر ہیں کیونکہ متروکات انکے کلام میں بیشتر پائے جاتے ہیں ؎

گلشن میں اگر ناز سے ہووے وہ خراماں	غنچہ بھی کریں اپنے گریباں کے ٹکڑے
نہو اس حسن پر غرّہ فرسائے گل	یہ سن لے ہر کمانے راز والے
کبھی تو وصل کا وعدہ وفا ہو	کہاں تک دوگے جاناں ٹالے بالے
لگے ہے طرح دلپر داغِ ہجراں	پڑے ہیں مجھ کو اب جینے کے لالے
اگر شایق تو چاہے لذتِ عشق	بتوں سے بھاگ اور راہِ خدا لے

شایق

شایق ۔ حافظ الٰہی بخش خلف شیخ محمد حاجی باشندہ کانپور ۔ سید وارث علی سیفی کے تلامذہ میں گذرے ہیں ۔ مشاق اور پرگو تھے ۱۲۹۵ھ کا چھپا ہوا دیوان موسوم بہ گلزار منظوم مطبوعہ نظامی میرے کتب خانہ میں موجود ہے اسکا انتخاب درج ذیل ہے ۔ فن تاریخ گوئی میں آئینہ تاریخ انکی تصنیف ہے ۔ انتخاب یہ ہے ؎

سب بارگاہِ عشق میں یکساں ہیں دوستو	یہاں فرق کچھ نہیں ہے امیر و فقیر کا
سوا تیری محبت ماسوا کی دل سے اٹھ جائے	الٰہی درد دے دل میں تو ایسا اپنی الفت کا
جس کو سمجھے تھے باوفا یارو	کیا غضب ہے کہ بےوفا نکلا
کیا پرزے پرزے جو نامہ ہمارا	خطا انکی کیا ہے کہ لکھا ہمارا
ظلم ہی کیجئے کچھ تو کیجے خیر	لطف تم کو اگر نہیں آتا

معشوقوں سے یہ کہدو کہ نہ توڑیں دلِ شایق — سب ملتے ہیں پر چاہنے والا نہیں ملتا

کیا کہوں الفت نے مجھسے کیا کیا — دل کو شعلہ آنکھ کو دریا کیا

قتل کر کے قتل گہ میں تا بدیر — بسملوں کی سیر وہ دیکھا کیا

زلف کا اسکی رہا سودا مجھے — سانپ سا سینہ پہ لہرایا کیا

ہزاروں شخص یاں ہو گئے نیمجاں قاصد — یہی ہے کوچۂ جاناں کا بس نشاں قاصد

شہیدوں کا بہا ہے خوں بیا کوئے جاناں میں — شفق ہے چرخ پر شرمندہ اور لالہ گلستاں میں

خانہ بدوش جو کہیں انکا ہے یہ کلام — غربت میں وہ مزہ ہے کہ یادِ وطن نہیں

پان کی سرخی گلے سے جب نظر آنے لگی — سب شراب سرخ سمجھے شیشۂ بلور میں

خشم جاناں دفع ہو رونے سے میری کسطرح — شعلۂ رخسار کو پانی کا ڈر ہوتا نہیں

جو قسمت سے کبھی ہم کوچۂ دلدار میں آئے — نئے جلوے نظر ہمکو در و دیوار میں آئے

دشتِ وحشت نے کیا ہے چاک پیراہن میرا — پھاڑ ڈالوں دامن کوہ و بیاباں تو سہی

نہ ملنا تھا تجھے گر ہم سے اے بت — قسم کیوں کھائی تھی تو نے خدا کی

محبت میں ہماری تم تو پہلے — نہ سنتے تھے عزیز و اقربا کی

اب ایسے ہو گئے بے مہر صاحب — ذرا باتیں کرو یاد ابتدا کی

دہاں سرمہ کی آنکھوں میں تری تحریر پھرتی ہے — دلِ عشاق پر گویا یہاں شمشیر پھرتی ہے

تجکو ہم اپنا او بتِ پُرفن بنائینگے — سارے جہان کو جان کا دشمن بنائینگے

واعظا بہرِ خدا کر کوئی ایسی تدبیر — تجھکو فردوس ملے مجھکو ملے کوئے صنم

کچھ کسیکو نرہا دیر و حرم سے مطلب — شیفتہ تجھ پہ ہوئی کافر و دیندار تمام

شایق

شایق - ناظم بیمثال شاعر شیریں مقال جناب منشی سید حسن صاحب شایق رئیس قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی۔ شاگرد جناب فصاحت صاحب لکھنوی - آپ منشی سید فضل رسول خان بہادر واسطی تعلقہ دار سندیلہ کے خلف اصغر ہیں اور اپنے والد ماجد مغفور کے علاقہ سے معقول گذارا پاتے ہیں۔ اردو فارسی میں خاصی دستگاہ ہے - سترہ سال کی عمر تک اپنے خالو منشی عبدالعلی صاحب کے پاس لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اسی وجہ سے آپ کی زبان لکھنؤ کی زبان ہے

اہل کمال اور فصحائے لکھنؤ کیساتھ نشست و برخاست رہتی تھی۔ اس پاکیزہ صحبت نے یہاں تک آپ پر اثر کیا کہ آپکی شاعری کا چرچا ہونے لگا کلام کا رنگ نکھر رہا ہے کہ آپ اپنے اُستاد کیلئے باعث فخر ہیں۔ منشی سید التفات رسول خاں بہادر ہاشمی جو آپکے حقیقی برادر زادے تھے۔ ہر سال ایک عظیم الشان مشاعرہ سندیلہ میں کیا کرتے تھے جسمیں ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور شعرا شرکت فرما کر سامعین کو محظوظ کرتے تھے۔ آپ اُن مشاعروں کے سکرٹری ہوتے تھے اور گلدستہ کی ترتیب اور انتخاب بھی آپ ہی کے ذمہ تھا۔ آٹھ دس سال تک یہ سلسلہ قایم رہا پھر ہاشمی صاحب مرحوم کا دماغ بگڑ جانے پر یہ سلسلہ درہم برہم ہوگیا۔ رعایت لفظی کی قید اور تشبیہ و استعارہ کی پابندی سے آپ کا طائر خیال آزاد ہے۔ ہر شعر میں ایک بات پیدا کرتے ہیں لطف زبان کیساتھ متانت اور سنجیدگی بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ عمر تخمیناً ۵۰ سال کی ہوگی مگر طبیعت بہت شوخ اور چلبلی ہے۔ آنکے دوست سید نذیر حسن صاحب فتنہ نے انکا کلام رنگا کر دیا۔ شایق صاحب نہایت نیک طینت اور صاف باطن خلیق اور منکسر مزاج ہیں اپنی وضع کے پابند اور اپنے بزرگوں کی روش کے کاربند ہیں۔ اب آپکے کلام کا انتخاب نذر ناظرین والاتمکین کرتا ہوں ؎

اِس ادا سے کھنچ کے اُس قاتل کا خنجر رہگیا
خونِ مشتاقِ شہادت جوش کھا کر رہگیا

کوند کر بجلی گری جب آشیانہ پر مرے
پتہ پتہ ہر شجر کا ہاتھ مل کر رہگیا

ڈوب کر دریا میں دی مجھ وحشی عریاں نے جان
خوب پردہ میرا اے پانی کی چادر رہگیا

عمر بھر کی شرح غم اور وہ بھی اتنی مختصر
ایک قطرہ خون کا ٹپکا کے خنجر رہگیا

سن چکے تم۔ کہہ چکا میں ماجرائے سوز دل
دیکھلو اک آبلہ پڑ کر زباں پر رہگیا

پھیر کر منہ دیکھلے او جانیوالے ناز سے
راہ میں شایق کا دل پامال ہو کر رہگیا

پردہ اٹھا چمک سی ہوئی غش ہوگئے کلیم
ادنیٰ یہ اک کرشمۂ برقِ جمال تھا

آخر کو آنسوؤں میں لہو ہوکے بہہ گئیں
جن حسرتوں کا دل سے نکلنا محال تھا

قابو نہ رکھ سکے دلِ بے اختیار پر
منہ سے نکل گیا جو نہ کہنے کا حال تھا

مجھے غش میں وہ انکا گیسوئے شبگیں سنگھا دینا
ستمگر کیا یہی اک شان ہے اٹھلا کے چلنے کی
دہانِ زخم شکوہ کچھ نہ کرنے پائیں قاتل کا
یہ سُن رکھ اے صبا شکوہ جو وہ پردہ نشیں آئے
یہ کہکر سونیوالے سو رہے ہیں مرقدیں جا کر
یہ شرمیلی ادا تیری عدوئے جان شایق ہے
کسی کے جھوٹے وعدوں پر کیکی یوں بسر ہونا
تڑپنا آہ کرنا ہجر کی شب نوحہ گر ہونا
کئے دیتا ہے تازہ واقعات طور موسیٰ کو
نہیں معلوم اس میں کونسی حسرت کہاں پہنچو
مریض ہجر کو آنا ادھر اک آخری ہچکی
نکل آیا کوئی پردے کے باہر بے حجابانہ
رہے جو دل میں مخفی راز کہتے ہیں اسے شایق
رات کو چھپ کے نکلنا وہ کسی کا گھر سے
کہاں سرگوشیاں کچھ کر رہی ہے تیر قاتل سے
مریض ہجر تنہائی میں کیا باتیں کرے دل سے
دل خوں گشتہ کا جب فکر آیا اہل منزل سے
ابھی تو دل بھی ہے اور دل میں ہیں ارمان بھی لاکھوں
چمک اٹھے غبار قیس کے ذرے بیابانیں
کہاں تک جذب ہوتا کوئی خونریزی کی حد بھی ہے
وصال میں بھی یہ دھڑکا رہا شب بھر

وہ کچھ پڑھ پڑھ کے دم کرنا وہ قرآں کی ہوا دینا
لحد جو سامنے آئے اُسے ٹھوکر لگا دینا
مناسب ہے تجھے اے بخیہ گر ٹانکے لگا دینا
ترا احسان ہوگا شمع تربت کی بجھا دینا
ذرا اے صور محشر وقت پر ہم کو جگا دینا
ذرا پھر آنکھ نیچی کر کے ظالم مسکرا دینا
سحر سے شام ہونا شام ہوکر پھر سحر ہونا
نہ دل کا درد کم ہونا نہ آغاز سحر ہونا
کسی کا بام پر وہ مسکراتے جلوہ گر ہونا
سمجھکر میرے دل کے پار اے تیر نظر ہونا
ہوا سے جھلملا کر گل اُدھر شمع سحر ہونا
غضب تھا میرے مرنے کی خبر کا مشتہر ہونا
زباں تک بات آنا۔ اور عالم میں خبر ہونا
اور وہ چاہنے والوں کو خبر ہو جانا
جدا ہو لے ہے جرم ناامیدی دامن دل سے
دہن کھلتا ہے وقت سے زباں ملتی ہے مشکل سے
اُڑے کچھ سرخ ذرے سرزمین کوئے قاتل سے
جب اُٹھینگے تو دامن جھاڑ کر اٹھینگے محفل سے
دھبیلی چاندنی ہر سو وہ نکلا چاند محمل سے
اُبل آیا لہو آخر زمین کوئے قاتل سے
جھلک نہ دیکھلے آپس میں گفتگو کرتے

جگا دیا یہ غضب کیا کیا دلِ بیتاب
زخم گہرا چارہ گر کتنا دلِ بسمل کا ہے
کون آیا۔ کون بیٹھا۔ کون رو کر اٹھ گیا
خونِ ناحق کی ملیگی داد شایق روزِ حشر
کہاں تک غم کروگے مرنیوالے روز مرتے ہیں
بُرا میں ہوں بُرا دل ہے۔ بُرا سارا زمانہ ہے
یہی کہنا تو اُنکا چھیڑ پر کرتا ہے آمادہ
جگر کے زخم شاید رس رہے ہیں آج اے شایق
کھنچتے ہیں دل مرا وہ ساتھ اپنے تیر کے
پوچھتے ہو کیا ہوئے پیکاں ہمارے تیر کے
دل کو بھلایا کیا زنداں میں بعض وحشی ترا
جو پسند آئے تمہاری تم اُٹھا لو شوق سے
آمد آمد موسمِ گل کی جو گلشن میں ہوئی
چمن کا شوق نہ حسرت ہے آشیانے کی
بتا رہے ہیں قفس کے یہ آخری جھٹکے
غضب تھا آنکھ پھرانا کسی ستمگر کا
کھلی ہوئی ہیں دمِ نزع شوق میں آنکھیں
بڑھی ہے جوشش سودا میں جتنی آزادی
چمن میں شاخ وہی باغباں نے کاٹی آج
ستم کرینگے جفا کرینگے۔ وفا نہ یہ بیوفا کرینگے
نہ بوئے گل ہے نہ سیر گلشن جفائے صیاد ہر گھڑی ہے

ہم اُنسے خواب میں کچھ اور گفتگو کرتے
اٹھو قائل ہو تو بھی زورِ بازوئے قاتل کا ہے
کچھ خبر بھی ہے تمہیں کچھ ہوش بھی محفل کا ہے
بسملوں کا بھی وہی ہے جو خدا قاتل کا ہے
کہیں ایسا نہ ہو دکھ جائیں نازک ہاتھ تم سے
تمہیں اچھے تمہیں اچھے تمہیں اچھے ہو عالم سے
بگڑ جائیں گے ہم دیکھو اگر بولا کوئی ہم سے
ٹپکتے ہیں گلابی اشک میری چشم پُرنم سے
کھینچ لیں اب کھینچنے والے مری تصویر کے
آؤ تم خود دیکھ لو میرا کلیجہ چیر کے
نقشے دیواروں پہ کھینچے طوق کی زنجیر کے
الطاف ہیں دل کے ٹکڑے الطاف ہیں تیر کے
جڑ گئے ٹوٹے ہوئے حلقے مری زنجیر کے
قفس سے دیکھ رہا ہوں روش زمانے کی
کہ ٹوٹنے کو ہے زنجیر قید خانے کی
نظر میں پھرنے لگیں گردشیں زمانے کی
ہے دل کو آس کسی بیوفا کے آنے کی
ہٹی ہیں اُتنی ہی دیواریں قید خانے کی
کہ جس سے آڑ تھی بلبل کے آشیانے کی
جو دل لیا تھا تو کیا کیا تھا جو جان لینگے تو کیا کرینگے
ہے اس سے بہتر کہ جان دیدیں قفس میں کب تک بکا کرینگے

وہ انکا باتوں میں ٹالدینا وہ میرا گھبرا کے پھر یہ کہنا
کہ رات تھوڑی سی رہ گئی ہے یہ عہد و پیمان ہوا کرینگے

خفیف ہونا پڑے نہ شایق وہ تجھکو سمجھیں نہ بداخلاق
پڑے ہوں ناسمجھ حسین لاکھوں وہ ایسا دل لیکے کیا کرینگے

اشارے ہیں کسی تیر نظر کے
جگر پر جا لگے دل میں اتر کے

یہ جوش گریۂ غم تھا شب ہجر
نکل آئے کئی ٹکڑے جگر کے

روانہ سینکڑوں نامے کئے شایق
زمانہ ہو گیا قاصد کو بھی گئے شایق

نہ پوچھو ہمیں کس واسطے جئے شایق
ترس رہے ہیں ابھی تک اسی لئے شایق

لگا ہے آسرا خط کے جواب آنے کا

شایق — شایق۔ مسٹر جان برنارڈ فانتوم عرف جانی صاحب انکا خاندان عرصے سے دہلی میں سکونت پذیر تھا۔ اور طرز معاشرت بالکل ہندوستانی اسلامی وضع کی کر لی تھی۔ زبان بہت صاف ہے نازک خیالی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ زیادہ تشبیہات اور استعارات سے کام نہیں لیتے جس کے باعث ہر شعر میں آمد معلوم ہوتی ہے۔ تلمذ کا حال معلوم نہ ہوا سنہ ۱۸۷۰ء کے زمانہ کا کلام درج ذیل ہے۔

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا
کوئی تجھسا نہ دلربا دیکھا

کان رکھکر سنا نہ اُس گل نے
حال دل بارہا سنا دیکھا

گر نہ پہنو ماتم عاشق میں پوشاک سیاہ
سرمگیں آنکھوں سے دو آنسو بہانا چاہئے

شمع کی پروانگی پروانہ کو کب ہے ضرور
بن بلائے محفل جاناں نہیں جانا چاہئے

اسقدر رنجش نہ تجھکو مجھسے جانی چاہئے
ہر گھڑی ہر لحظہ تجھپر مہربانی چاہئے

کہنے سے اغیار کے گر تم ہو مجھ پر خفا
سخت بیجا ہے نہ ایسی بدگمانی چاہئے

شایق — شایق۔ منشی محمد بدر الاسلام صاحب شایق فرزند مولوی محمود الحق صاحب سنہ ۱۸۷۰ء میں تحصیل پٹی ضلع پرتاب گڈھ اودھ میں تحصیلدار تھے فن سخن میں اپنے چچا سیف الحق ادیب کے شاگرد تھے پرگو زیادہ معلوم ہوتے ہیں مگر کلام بے نمک ہے زیادہ تر فرسودہ مضامین نظر آتے ہیں۔ انتخاب پیش ناظرین ہے ؎

واعظ نہ پند و وعظ کی تکلیف کیجئے
کیجئے نہ خوف کشتۂ پاسِ نگاہوں میں
ناحق قصور وار نہ ٹھہرائیے ہمیں
واں جو عدو سے مشغلۂ دور گُل ہوا
فلک سے چرخ میں جوں کشتی طوفاں دیدہ آیا
ہے آج شام وعدہ نہ آئے تو دیکھنا
ادہر غم سے نادم ہوں ادہر اُسسے خجل یاز
غذائے رنج و غم وہ سیر ہو کر میں نے کھائی ہیں
کونسا موقعہ حجاب ہے آج

عشقِ بتاں کو جی سے بھلایا نجائیگا
محشر میں حالِ زار دکھایا نجائیگا
پوچھیں گے گر سبب تو بتایا نجائیگا
یاں تابِ ضبط صبر کا ہجراں میں گُل ہوا
مگر طوفاں بپا ہے آج اشکوں کی روانی کا
اپنا چراغِ عمر کوئی دم میں گُل ہوا
بچھے کرکس سے شرمایا بُرا ہو سخت جانی کا
نہ شرمندہ ہوں دلنے کا نہ کچھ ممنون پانی کا
وصل میں مُنہ پہ کیوں نقاب ہے آج

فصلِ گُل میں ہم ہیں اور ظالم قفس کی تیلیاں
جوڑتا صیاد ہے اگلے برس کی تیلیاں
بیطرح جی میں تقاضا ذوقِ نظارہ کا ہے
اُسکے جلووں میں لگیں تا قفس کی تیلیاں

فشانی جو مانگی تو ہنسکر وہ بولے
گر یہی طرزِ دلربائی ہے
آؤ منت بھی غیر کی کر لیں
تن ہے مسجد میں دیر میں ہے روح
دل لیا اور خبر نہیں ہوتے
آج اُنکا وعدۂ دیدار ہے
اس تغافل پر یہ دعوے وفا
ہوا جہاں سے معدوم قصۂ مجنوں
ہزار دل جان گنوائیں گے مثل پروانہ

یہی داغِ دل ہے فشانی ہماری
تو اجل غیر کی بھی آئی ہے
یہی اِک قسمت کی آزمائی ہے
نام کی شیخ پارسائی ہے
واہ کیا خوب دلربائی ہے
صبح سے ہیں منتظر ہم شام کے
کیا ستم ہوتا جو ہوتے کام کے
رہی تو الفت شایق کی گفتگو باقی
رہیگا کون تیرے آگے شمع رو باقی

شایق ۔ احمد حسن خاں المعروف بکالیخاں ولد نواب محمد حسن خاں ۔ نواب احمد سعید خاں صاحب

بہادر طالب مرحوم کے پاس رہ کر بسر اوقات کرتے تھے اور انہیں کے تلامذہ سے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہوگیا۔ ذہین طبیعت دار مگر کم استعداد شخص تھے۔ مشکل زمینوں میں کہنا کثرت مشق کا ثبوت ہے جس سے قدرت کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

جو آیا اسکو ہوئی فکر یاں سے جانیکی
عجیب سیر ہے کچھ پھریاں زمیں کے تلے

یہ جلسے سیٹھنوں کے یہ صحبت احباب
دکھائی دینگے یہ ساماں کہاں زمیں کے تلے

کہاں ہیں قیصر و فغفور انکو گر ڈھونڈو
ملے نہ نام کو نام و نشاں زمیں کے تلے

بتوں کے ظلم سے اک روز ہم بھی اے شایق
بسائینگے کوئی جا کر مکاں زمیں کے تلے

ہر روش پہ یہ گل بنائے ہیں چمن تو باغباں
توڑ دینگے لپنے آنسو اکدم میں یہ پل

دیکھکر اغیار جلتے ہیں شب مہتاب میں
سامنے بیٹھے اگر ہم اُس مہ کامل کے تل

موت بھی دامن کشاں اور زندگی بھی دست کش
ہاتھ میری قتل پہ جس دم گئے قاتل کے تل

راندن بدست رہتی ہیں شراب ناب سے
ہر جگہ پر ہو رہے ہیں اُس کے رشاغل کے غل

شایق۔ مولوی سید یدالدین عباسی بدایونی۔ نہایت ذہین طباع صاحب استعداد پہلے بدایوں کے قابل وکلا میں انکا شمار تھا۔ وکالت کی سند ضبط ہو جانیکے بعد مختلف قانونی کتابیں لکھتے رہے ۱۸۹۲ء میں اخبار انتخاب عالم نامی جاری کیا فن سخن میں حضرت افضل لکھنوی سے تلمذ تھا۔ ۴۶ ۵۶ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

سلام

ماتم شاہ شہیداں میں عزادار ہے آنکھ
تار اشکوں کا جو توڑے تو گنہگار ہے آنکھ

بادۂ حب علی کے ہیں عجب کیف و سرور
بیخود و مست ہے مدہوش ہے ہشیار ہے آنکھ

لخت دل حضرت زہرا کا لہو میں جو ہو تر
خون اشکوں میں نہ آئے تو خطاوار ہے آنکھ

اشک غم خون جگر یاد میں شہ کے ہیں رواں
گہر و لعل کا کھولے ہوئے بازار ہے آنکھ

گہر نظم پہ کہتے ہیں سخنداں شایق
اہل بینش کا یہ سودا ہے خریدار ہے آنکھ

دست سفاک جو دم بھر ٹھیرے
دیدہ بازی نہ خنجر ٹھیرے

جب کبھی وادیٔ وحشت میں گئے	دو قدم قیس سے بڑھکر ٹھیرے
بل بہت کرتی ہے وہ زلفِ رسا	دیکھئے دو شس پہ کیونکر ٹھیرے
رندِ مشرب ہوئے شایق مشہور	واہ کیا آپ کے جوہر ٹھیرے

شایق

شایق ۔ مولوی سید اعظم علی تلمیذ ڈاکٹر احمد حسین خاں مائل حیدر آبادی۔ کلام سے خوش فکری کا اندازہ ہوتا ہے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ؎

قتل گہ میں ہاتھ قاتل کا پڑا جب تک ب	ایک گردش میں نگہ کی سب کا قصہ پاک تھا
لیکے دل واپس نہ آیا دیکھے دھوکا دیا	تھا تو وہ کم سن مگر ہشیار تھا چالاک تھا
منہ سے اُنکے بات نکلی دل پہ کندہ ہو گئی	کیسا عمدہ تھا نگینہ واہ کیا حکاک تھا
نہ مانی تو نے کیوں میری نصیحت	ہوا آخر گرفتارِ بلا دل

شایق

شایق ۔ مولوی شمس الدین سابق ایڈیٹر رفارمر لاہور۔ طبیعت بہت دشوار پسند پائی ہے ایک ہی قافیہ میں زیادہ طبع آزمائی کیا کرتے ہیں۔ کلام میں لطف اور وجد موجود ہے۔ مضمون آفرینی کی شان انکے اشعار سے پیدا ہے۔ آپ ۱۸۹۵ء میں لاہور کے مشاعروں میں شریک رہتے تھے۔ انتخاب درج ذیل ہے ؎

جنوں سے ہو سکا ہم سے نہ کچھ اُس آفتِ جاں کا	بہت سا منہ چڑھایا انگلے چاکِ گریباں کا
اُکھڑتا ہے جو دم دستِ جنوں کے ایک جھٹکے میں	رگِ جاں سے ہی کیا رشتہ مگر چاکِ گریباں کا
الٰہی شکر اُس نے سی دیا منہ اپنے ہاتھوں سے	مبارک آج ہنسنا ہو گیا چاکِ گریباں کا
گلے ملکر وہ رخصت ہوں تو زلفوں سے لپٹ جائے	کبھی الجھاؤ کام آئے کسی تارِ گریباں کا
پڑے ہیں ہاتھ اُس خورشید رو کے میری گردن میں	ستارہ ان دنوں ہے اوج پر بخت گریباں کا
بہار آئی ہے اے ضعف اب تو ملنے کی اجازت دے	کہ ہے دستِ جنوں خواہاں ملاقات گریباں کا
کریں قطع تعلق اہل دنیا خوش لباسی سے	جو تقراضوں میں نقشہ ہو مری چاکِ گریباں کا
نرکھا ہاتھ دل پر یار نے اے وائے ناکامی	مدام آغوش خالی ہی رہا چاکِ گریباں کا

شائق

شائق۔ نواب باقر علیخاں عرف بنن صاحب لکھنوی۔ آپ نواب اقتدار الدولہ بہادر کے پوتے ہیں مشتاق لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ ابتدائے عمر سے شاعری کا شوق ہے اپنے مکان پر بھی مشاعرے کرتے رہتے ہیں۔ اپنی خداداد طبیعت سے ہر مشکل سے مشکل زمین پانی کر دیتے ہیں کلام میں گل و بلبل کے مضامین اعتدال کیساتھ برتتے ہیں۔ سیدھی سادی ترکیبیں شستہ خیالات قابل داد ہیں۔ دیوان مرتب ہوگیا ہے۔ اکثر کلام گلدستوں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ یہ کلام ہے۔

سنتے ہیں دیکھ کے وہ سر اٹھاتا جوبن کا
ادا کو مژدہ کہ گذرا زمانہ بچپن کا

یہ کس نے خاک اڑائی پس فنا آکر
غبار اٹھ کے نہ بیٹھا جو میرے مدفن کا

جلا جاؤ چراغ قبر انجمن سے اندھیری میں
رخ روشن کی ضد واسطہ زلف پریشاں کا

لیجائینگے دل پہلو سے عشاق سے کیونکر
جادو تری آنکھوں کو اگر یاد نہ ہوگا

پگھلے گا کبھی تو دل سخت بت کافر
کب تک اثر گرمی فریاد نہ ہوگا

ایک جب ہو گئے ہم تم نہ رہا شوق وصال
حد سے گذری جو محبت کوئی ارماں نہ رہا

صیاد کے گھر میں اسے اک عمر ہوئی ہے
اب بلبل نالاں کو چمن یاد نہ ہوگا

ابھی آلے ہیں زخم قلب عاشق
ذرا لیں آپ انگڑائی سمجھ کر

وفا میں اپنی رسوائی سمجھ کر
جفا کرتے ہو شیدائی سمجھ کر

کیا کھلے حال غریق یم الفت اس پر
ہر زبان موج کی ساکت لب ساحل خاموش

چاک دامن کا لگا دیگی زلیخا دھبا
پارسائی تری لے یوسف کنعاں کبتک

توڑ ڈالے نہ کہیں چھیڑ کے مضراب فنا
نغمہ ہائے طرب اے تار رگ جاں کبتک

چھوڑ دو زلفوں کو ایجاں ہو اگر برہم مزاج
گر الجھتی ہے طبیعت بال سلجھاتے ہو کیوں

کسی پہلو نہیں آرام لینے دیتی یاد ان کی
مسیحا ہیں مگر وہ درد بنکر دل میں رہتے ہیں

ادھر ابرو ہلا تیرا ادھر مطلب کو ہم سمجھے
اشارے تیری چتون کے ہمارے دل میں رہتے ہیں

اک مقدر انکا جو ہوں باریاب بزم یار
اپنی اک قسمت کہ برسوں خدمت دربان کریں

زیر زمیں بھی دل جو بہل جائے کیا عجب
گستاخیاں یہ سینہ پہ جوشِ نمو کی ہیں
گلے سے کیوں جدا ہوتا ہی وقتِ ذبح بل ملکر
وہ چاہتے ہیں مجھسے نہ شکوا کرے کوئی
الٹ کر نقاب آکے میت پر بولے
بنجائے گا وہ طائرِ جاں کو پر پرواز
انگڑائی جو لی نازسے اٹھلا کے کسی نے
چھپائیگا کہاں تک وہ ہو کے خوں دامن سے اوقاتل
نقط دو داغ ہیں اب پہلوؤں میں
جگر تیر کا دل آہن کا نصل گل میں سمجھتے ہیں
سر بزم آج جنبش دے رہے ہیں تیغ ابرو کو

باشندے سب وہاں بھی ہمارے وطن کے ہیں
ٹوٹے ہوئے جو بند ترے پیرہن کے ہیں
مروت بھی ذرا اوخنجر جلاد کرتے ہیں
منہ سے نکل ہی جائے تو پھر کیا کرے کوئی
سحر ہوگئی چونک اوسونے والے
عاشق کے جگر میں جو ترے تیر کا پر ہے
دل تھام لیا ہاتھوں سے گھبرا کے کسی نے
زبانِ تیغ پر بسمل کے مرنیکی خبر ہوگی
نشانی ایک دل کی اک جگر کی
اسیرانِ قفس کی بیقراری دیکھنے والے
اشارہ پر ہماری جاں نثاری دیکھنے والے

شایق۔ صاحبزادہ یوسف علیخاں شایق شاگرد صاحبزادہ احمد سعید خاں ساکن ٹونک۔ شاعر خوش بیان ہیں قریب پچاس سال کے عمر ہے۔ کچھ دنوں حضرت داغ سے بھی اصلاح لی ہے نہایت خلیق اور منکسر مزاج آدمی ہیں طبیعت میں شوخی کیساتھ متانت بھی ہے حضرت ظہیر نے ایک غزل بھیجی تھی اسکا انتخاب درج تذکرہ ہوا ہے

لذت درد سے ہنس ہنس کے لب زخم اپنے
ہائے مجبوریٔ الفت کہ ہم اپنے آگے
کیوں کوئی جان دے اپنی کوئی مجنوں ہو کیوں

حوصلہ اور بھی قاتل کا بڑھا دیتے ہیں
بات بگڑی ہوئی غیروں کی بنا دیتے ہیں
ڈال کر غیر پہ وہ مجکو سنا دیتے ہیں

شایق۔ خواجہ منیر الدین صاحب ملکہ پوری۔ بیان میں شوخی۔ زبان میں سادگی ہے طبیعت مضمون کیطرف دوڑتی ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے

مریضِ عشق کے صحت کی پھر امیدہی کیا ہے
کسیدن یہ نہ پوچھا تو نے اسکا حال کیا ہے

ہمارا نقدِ دل لیکر دئیے غم سینکڑوں تو نے
ذرا انصاف کر ظالم لیا کیا ہے دیا کیا ہے

کھل رہے ہیں صاف یہ بندِ قبا ٹوٹے ہوئے
غیر کی محفل سے آتے ہو مزے لوٹے ہوئے

شکوۂ بے اعتنائی تھا تقاضہ شوق کا
کس لئے ہوتے ہو برہم خیر ہم جھوٹے ہوئے

کیا کسی بدمست و ساقی میں ہوئی ہے کشمکش
کیوں پڑے ہیں خم کے خم ٹوٹے ہوئے پھوٹے ہوئے

شایاں **شایاں** ۔ منشی طوطا رام شایاں خلف منشی آتما رام لکھنوی ۔ آپنے امیر حمزہ کی داستان و الف لیلیٰ منظوم کی تھی اور مہابھارت کا بھی منظوم ترجمہ منشی نول کشور کی فرمائش سے کیا تھا ۔ پرگو اور مشاق کہنے والے تھے مگر زبان میں سلاست اور طرزِ بیان میں روانی اور دلکشی نہ تھی ۔ تذکرہ گلزارِ سخن مصنفہ ڈپٹی جگن ناتھ پرشاد میں دس بارہ غزلیں بھی نظر سے گذریں بہ مشکل یہ چند شعر انتخاب ہوئے ۔ سُنا ہے کہ قصہ خوانی میں مشہور تھے ۔ عرصہ دراز تک منشی نولکشور کے مطبع میں ملازم رہے ۔ پندرہ برس سے کچھ حال معلوم نہیں ؎

فی الحقیقت درد میں ہمدرد آجاتا ہے یاد
کوہِ فرقت جب اٹھایا کوہکن یاد آگیا

آئی نہ نظر خواب میں بھی یار کی صورت
دیکھی نہ کبھی طالعِ بیدار کی صورت

دھوم ہے جب سے تمہارے حسن کی
مصر میں یوسف کا ہے بازار بند

بام پر بیٹھو نہ کھڑکی کھول کر
راستہ ہو جائیگا اے یار بند

چلّو ہی سے مئے ناب پلا دے مجھے ساقی
رکھتا نہیں میں ساغرِ بلّور کی خواہش

کیا عجب اے باغباں بلبل جو ہو جل کر کباب
آتشِ گل تیز ہے اور آشیاں نزدیک ہے

بزمِ ساقی میں ہمیشہ دورِ ساغر چاہئے
کوئے قاتل میں سبیلِ آبِ خنجر چاہئے

دلسوزیِ پروانہ جلاتی ہے مرا جی
جل جاؤں سرِ بزم یہ لو دل سے لگی ہے

شایاں **شایاں** ۔ سید نور الحسن شایاں صاحب بیلوی برادر زادہ جناب فرمان صاف اور سادہ شعر کہتے ہیں ۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں ۔

نہ سنبھالے سے کسی کے بھی یہ سنبھلا ہرگز
جب مچلنے پہ ہمارا دلِ مضطر آیا

دیکھلے تیری اگر شب رنگ کاکل آفتاب	روز کھائے پیچ و خم مانند سنبل آفتاب
شام کو تھا وصل کا وعدہ وفا فرمائیے	ہوگیا اب تو غروب اے ماہ وش کل آفتاب
زلف و رُخ دیکھ کے اوسان رہیں تو جانیں	شیخ کو شام وظیفہ میں سحر کرتے ہیں
جو وہ چودھویں شب چڑھی بام پر	خجل روشنی مہ ہو گئی

شباب

شباب - نواب احمد حسن خانصاحب شباب بریلوی۔ شاگرد جناب عزیز مولی فکر کے شاعرہ میں تین شعر منتخب ہوئے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہے

گلۂ جور و جفا میرے نہ لب پر آیا	پھر بھی تجھ کو نہ کبھی رحم ستمگر آیا
دیکھ لیں قاتل تجھے اور ایک نگاہ یاس سے	ذبح کرنے میں اگر دو چار دم تاخیر ہو
وفائے عہد ہو یا تن سے سر جدا ہو جائے	ہمارا آپ کا بس آج فیصلہ ہو جائے

شباب

شباب - سید دلدار حیدر۔ شاگرد صفدر۔ باشندۂ قدیم قصبہ بیانڈی ضلع ہردوئی۔ حال فرخ آباد ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ کلام در خیز ہے انتخاب یہ ہے

میں بس میں ہوں اس کے دل ناداں ترے بس میں	اس پر یہ قیامت ہے نہیں تو مرے بس کا
صیاد خدا کے لئے دے حکم رہائی	ہے اب تو برا حال اسیران قفس کا
چاہت وہ روگ ہے جو کسی بت پر آئے دل	تم بھی کہو پکڑ کے کلیجہ کہ ہائے دل
پستے ہیں ہم بھی غیر بھی وقت خرام ناز	پامال کر رہے ہیں وہ اپنے پرائے دل
بزم و چمن میں بلبل و پروانہ ہیں گواہ	اے شمع رو نہ جھوٹ سمجھ ماجرائے دل

شباب

شباب - جناب سیف الدین پنجابی شاعر ہیں۔ غزل گوئی کا شوق نہیں نیچرل نظمیں لکھتے ہیں۔ الفاظ میں قدرت کے عجائبات کی تصویر دکھاتے ہیں۔ اکثر رسائل و اخبارات میں کلام شایع ہوا رہتا ہے۔ رسالہ مخزن ۱۹۰۱ء سے ذیل کی نظم نقل کیجاتی ہے

اے شمع زندگانی آخر لب اجل نے	ستی	اک بار جل بجھی تو اس طرح تجھکو پھونکا
ممکن نہیں کہ روشن پھر ہو شرارہ تیرا		اس تیرہ خاکداں میں کیونکر گذر ہو میرا

اے نخلِ زندگانی پائے قضا نے تجھکو
افسوس بیخ و بن سے پامال کرکے چھوڑا

ممکن نہیں کہ پھر تو سرسبز بارور ہو
جو نخل سوکھ جائے دشوار ہے کہ تر ہو

اے وجہ زندگانی ظالم مرگ نے یوں
ہم کو کیا دوپارہ جوں لفظ ہوں شکستہ

فی الاصل ایک تھے ہم جب ہو چکی جدائی
بے جان ہوکے قالب باقی نہیں رہیگا

شباب

شباب۔ منشی کشن دیال کلرک ٹیلیگراف کلب تلمیذ حضرت رسا شاعر دربار رامپور اوسط درجہ کے شاعر ہیں زبان صاف ہے۔ یہ انکا کلام ہے ؎

مسجد کو گئے بھول تو ساقی کے گھر آئے
یہ حضرت واعظ بھی کدھر سے کدھر آئے

آئے نہ شباب آپ کے گھر وہ کبھی تنہا
یوں غیر کے ہمراہ تو شام و سحر آئے

یہ تو مجھے خوشی ہے کہ دیں تم کو گالیاں
غم یہ ہے دشمنوں کو خوشی انتہا کی ہے

ہے لاکھ لاکھ شکر نہ گھبراؤ اے شباب
کچھ ان مصیبتوں میں بھی رحمت خدا کی ہے

شباب

شباب۔ جناب صاحبزادہ میرزا محمد اختر یار خانصاحب خلف صاحبزادہ مرزا برکت علیخاں صاحب گلشن آبادی برادر خالہ زاد نواب غوث محمد خاں والئی جاورہ جناب میاں شاہ نظام الدین صاحب خلف جناب میاں نصیر الدین صاحب عرف میاں کالے صاحب کے ہاں آپکی ننہیال تھی۔ مرزا عبدالقادر بیگ دہلوی داروغہ تسبیح خانہ و جواہر خانہ اکبر ثانی و بہادر شاہ آپکے حقیقی نانا تھے۔ شجرۂ نسب و سلسلہ حسب مظہر ہے کہ آپ شریف خاندان ہیں اور آپکے بزرگوں نے کار ہائے نمایاں کئے ہیں۔ آپکے دادا مرزا غلام حسین خاں صوبہ دار چھاؤنی مہدپور شاہ نظام الدین کے خلیفہ تھے صاحبزادہ صاحب موصوف جاورہ کی پیدائش ہیں۔ پیدائشی نام نیکو اختر ہے ۱۲۸۷ھ اور یہی سال ولادت ہے آپنے مولانا عبدالرحمن صاحب دہلوی سے فارسی کی تعلیم پائی اور خوشنویسی کی مشق فرمائی ابھی علوم رسمیہ کی تکمیل کا وقت بھی نہ آیا تھا کہ انکو نوعمری میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ لڑکپن سے آپ ذہین اور طبیعت دار تھے اور آخر ۱۸۹۵ء میں اختر تخلص کیا۔ اور صاحبزادہ مرزا محمد شرف یار خانصاحب شرف جو انکے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے انکے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد شوق نے پھر

دل میں گدگدی پیدا کی اور اختر کے بجائے شباب تخلص اختیار کیا اور شاہدان سخن کی اداؤں پر نثار ہونے لگے۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں جناب داغ مرحوم کے سرچشمۂ تلمذ سے فیض یاب ہونے ہنستے کھیلتے شعر کہے شگفتہ زمینوں میں زور طبع دکھایا۔ قصائد میں ہمیشہ شاہزادہ مرزا عبد الغنی ارشد سے اصلاح لیتے رہے آپکا ایک قصیدہ جو تحفۂ احباب در مدح نواب سر امیر الدین خاں کے نام سے طبع ہو چکا ہے اسپر حضرت جلال لکھنوی مرحوم نے نہایت عمدہ ریمارک کیا ہے۔ آپ غزل گوئی کے سوا قصائد اور نیچرل نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ ریاست مالیر کوٹلہ اور جاورہ کے جلسوں میں آپ سخنوران باکمال سے داد پا چکے ہیں اور سب نے آپکی تیغ زبان کے جوہر کو مانا ہے۔ صاحبزادہ صاحب موصوف ریاست جاورہ میں عرصہ تک مختلف شعبوں میں ملازم رہے ہیں۔ ہز ہائنس نواب محمد اسمٰعیل خاں مرحوم سابق والی جاورہ آپکو نہایت عزیز رکھتے تھے اور آپکے خدمات کی قدر کرتے تھے۔ آپ مشہور مقامات ہند کی سیر و سیاحت کر چکے ہیں مہاراوت اودے سنگھ کی ہمراہی میں دیولہ پرتاب گڑھ میں بھی رہ چکے ہیں۔ علم موسیقی سے دلی ذوق۔ مرثیہ خوانی کا بہت شوق ہے۔ آپنے ایک تمثیل ڈراما بھی تصنیف کیا ہے جسمیں نظم و نثر کے دلکش نمونوں کو پیش کرنے میں سحر بیانی کے کرشمے دکھائے ہیں۔ ٹھمری اور فارسی غزل بھی کہہ لیتے ہیں چند قصائد تحفۂ احباب۔ نور سحر۔ ثواب حج کے نام سے شائع ہو چکی ہیں طبیعت کا بانکپن اور شوخی اکثر اشعار میں اپنی جھلک دکھاتا ہے سنہ ۱۳۰۶ھ میں بعمر ۱۹ سال آپکی شادی نواب قاسم جان کے خاندان میں نواب محمد حسین خاں کی دوسری بیٹی سے دہلی میں ہوئی اسکے بعد بارہا نواب نصیر الدین احمد خاں برادر نواب صاحب لوہارو جو انکے ہمزلف بھی ہیں اکے پاس امرتسر۔ لاہور۔ بھوانی رہے۔ لوہارو اور کوٹلہ میں سنہ ۱۸۹۴ء میں نواب سر امیر الدین احمد کے مصاحب رہے اور کئی ریاستوں میں بطور معتمد بھیجے گئے اور نواب صاحب انکی خدمات سے راضی و خوش رہے سنہ ۱۹۰۰ء میں آپکے والد کا انتقال ہو گیا اور اعزا کے اصرار سے جاورہ میں مستقل قیام ہو گیا۔ انکے متعلق ایک عجیب اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپنے بلا کسی قسم کی سابق شناسائی کے اپنا پورا قلمی دیوان جسمیں دو ہزار سے زائد شعر ہیں راقم تذکرہ کو دیدیا۔ اور پھر جب کبھی کسی غزل یا قصیدہ کی ضرورت ہوتی تو اسمیں سے نقل منگا لیتے کبھی

سال خط وکتابت رہی پھر سلسلہ مسدود ہوگیا۔ سالہا سال بعد نواب سر امیر الدین احمد خاں صاحب والئی لوہارو سے انکے ذکر پر معلوم ہوا کہ جوان انتقال کر گئے۔ افسوس۔ کلام فصاحت التیام ملاحظہ ہو ؎

گرویدہ ہو کس طرح نہ عالم ترے دم کا
ہے ڈھنگ ہی کچھ اور ترے طرز کرم کا

بیتی ہوئی کہتا ہوں اثر اس کا پڑے گا
دل تھام کے سنیو یہ قصہ شب غم کا

کس صفائی سے لے گئی دل کو
تیری ترچھی ادا نے کام کیا

گر مفت کی ملے تو ہے قاضی کو بھی حلال
اے شیخ خوب مسئلہ چھانٹا جواز کا

کیوں ہوگئی آج پاؤں میں زنجیر غم بڑی
آیا جو ہاتھ سلسلہ زلف دراز کا

شمع جمال حسن رخ یار سرد ہو
عالم جو دیکھ لے مرے سوز و گداز کا

ہاں اے غبار ضعف ذرا دیکھ بھال کر
دل ہے پلا ہوا کسی آغوش ناز کا

جو سجدے میں کوچۂ جاناں میں لطف پائے
کعبہ میں بھی مزہ وہ نہ آیا نماز کا

میری شب فراق سلامت رہے شباب
قصہ ہزار طول ہو زلف دراز کا

آپ ہیں ایسے پریشاں کیوں شباب
کیا ہوا کہئے تو کیا جاتا رہا

کیا پوچھنا اس کی انتہا کا
بگڑا ہوا ہو جو ابتدا کا

ارمان بھری نگہ سے تیری
دل کو مری جان خوب تاکا

نہ گذری پہر رات بھی ہمنشیں
ابھی سے وہ "تپتے" "تپانے" لگا

درازی شب ہجر کی دیکھ کر
کلیجہ مرا منہ کو آنے لگا

یہی کہدو تو صبر آجائے
حشر کے روز فیصلہ ہوگا

کوئے جاناں میں اے شباب اپنا
کوئی تو صورت آشنا ہوگا

جب مرے نام سے نفرت ہے انہیں
کیوں پڑھا کرتے ہیں دیواں میرا

محفل غیر میں کن انکھیوں سے
اُسنے گردن جھکا کے دیکھ لیا

ہاں دیکھنا شباب کی حالت بگڑ گئی
لینا خبر کہ چاہنے والا اتر گیا

رتبہ

بحرِ الفت میں سہارا ہے تمہارا درکار
کوئی ڈوبا ہوا مدت کا اُبھر جائیگا

سینہ خراشیاں ہیں کبھی سینہ کوبیاں
بیٹھے بٹھائے کیسی مصیبت میں پھنس گیا

تو مبارک ہو تمہیں بھی ناصح
وقت آیا مری رسوائی کا

جیتے ہیں اسی امید پر ہم
یہ چرخ کبھی تو یار ہوگا

جب تک نہ کروگے قتل مجھکو
کس طرح تمہیں قرار ہوگا

ہم دیکھ رہے ہیں راہ انکی
واں غیر کا انتظار ہوگا

آئینہ دیکھتے ہی تھام لیا دل اپنا
شکر ہے دیکھ لیا مدِ مقابل اپنا

جو صحبت میں پیرِ مغاں کی رہا
وہ زاہد بڑا مردِ کامل ہوا

تبسم کیا میرے زخموں نے جب
وہ غنچہ دہن پھول سا کھل گیا

چلا آتا ہے جھگڑا اُن سے دل کا
بُرا اُس سے ہے یہ قصہ آج کا کیا

شباب اک ماہوش سے ہم بغل ہیں
ہمارے حال کا اب پوچھنا کیا

شرم سے نیچی نگاہوں میں وہ کہتے ہیں شباب
لو چلے آؤ دکھا دیں تمہیں جوبن اپنا

اُٹھاتے ہیں ہم روز کی بد مزاجی
یہ دل ہے ہمارا کہ جیتا ہمارا

بزم میں دیکھوگے تم ہنسکر جو غیروں کی طرف
ٹکڑے ٹکڑے رشک سے میرا جگر ہوجائیگا

واعظو تقریر ہی کرنی ہے گر مدِ نظر
پہلے رکھدو سامنے خم بادۂ انگور کا

ہے مثل مشہور صورت ہے فقیروں کی سوال
پوچھتے کیا حال ہو مجھ خستہ دلِ رنجور کا

کچھ اپنے جبر نہیں صبر کر دلِ ناداں
ہے اختیار انہیں آنے کا نہ آنے کا

کیا جو اُنسے سرِ بزم شکوہ بیداد
بجھا کے شمع کہا اب نہیں جلانے کا

ہزاروں آبلے ڈالے ہیں آتشِ غم نے
یہ دل نہیں ہے خدا کی قسم دکھانے کا

وہ دن گئے وہ زمانہ گیا وہ دل نہ رہا
رہے نہ دوست ہیں چاہ وہ دل لگانے کا

خدا ہی دے انہیں پڑی ہے عجیب ضد آکر
اُسے بنانے کا شوق وہ انہیں مٹانے کا

سکھادو اپنے منانے کے کچھ ہمیں بھی گر
تمہیں تو یاد ہے ڈھب غیر کے منانے کا

نشیلی آنکھوں نے انکی بنا دیا مدہوش
دکھایا آنکھوں میں نقشہ شراب خانے کا

تمہارے ذکر پہ وہ اے شباب کہتے ہیں
خدا بچائے وہ اک رند ہے زمانے کا

کہنا کسی کا ہائے وہ ہنسکر دمِ وصال
ارماں نکل چکا دلِ امیدوار کا

آ گئی پھر مرے دل کی شامت
پھر ترا طرزِ ستم یاد آیا

دل کو کس طرح سے دیدیں انکو
او اگر مجھکو کبھی یاد آیا

افسوس یہی ہم کو وہ تنہا نہیں ملتا
دو باتیں کریں وقت بھی اتنا نہیں ملتا

سنکے میرا حال دل کہنے لگے
ذکر چھوڑو اس خدائی خوار کا

کشتہ ہی شباب اک بتِ غارتگرِ دیں کا
افسوس کہ اسنے اسے رکھا نہ کہیں کا

قفس بلبلو آشیاں ہو گیا
کہ صیاد خود باغباں ہو گیا

سنبھالے سے بھی اب سنبھلتا نہیں
تجھے کیا دلِ ناتواں ہو گیا

نہ جانے دیا غیر کے بھیس میں
مرا رشک خود پاسباں ہو گیا

مزا برسات میں ہے مے کشی کا
نکالو حوصلہ تم بھی کسی کا

جو یاد آتا ہے انکا مسکرانا
تو میں منہ چوم لیتا ہوں کلی کا

شبِ وعدہ کہاں تم نے گذاری
نہیں ہے رنگ ہونٹوں پر مسی کا

پلا دے ساقیا ہم کو ذرا سی
مزا ہے آج منہ کا پھیکا پھیکا

جوبن پہ کھل رہا ہے کسی گل عذار کا
اب آ گیا قریب زمانہ بہار کا

دستِ جنوں اگر ہے گریباں کی تاک میں
دامن پہ میرے واسطے ہے نوک خار کا

پوچھتے کیا ہو کہ کیا جاتا رہا
اعتبار اک شخص کا جاتا رہا

تھا دعویٰ ضبط کس بلا کا
دل ہو گیا ایک ہی ادا کا

خوگر نہ بنا مجھے جفا کا
آنے نہ لگے مزہ جفا کا

اُنکے آنے کی خبر سُنلی ہے
آ کے دیکھے کوئی ساماں میرا

پُرانے ہوگئے انداز ظلم کرنے کے
نیا نکال کوئی ڈھنگ اب ستانے کا

ہے مقابل آج اُنکے آئینہ فولاد کا
ہو رہا ہے سامنا جلاد سے جلاد کا

رنج اور رنج بھی جدائی کا
اب تو منہ ناہے بے حیائی کا

حسرت دید کو دل بھر کے نکلنے نہ دیا
جلوہ طور نے موسیٰ کو سنبھلنے نہ دیا

بنا ہے زلف کی تصویر سہرا
کسے پہنائے گا زنجیر سہرا

تھمی بھری ہوئی طبیعت یہ بہانہ مل گیا بس
نہ وہ اس قدر ہنساتے نہ میں اشکبار ہوتا

کیا عجب گر تم کو دے ڈالے مجھے روز جزا
پوچھ لو احوال موسیٰ سے خدائی داد کا

جس کا جی چاہے پئے ہم کیوں پلائیں آپ سے
اُسنے میرے سامنے یہ کہہ کے ساغر رکھدیا

کہا میں نے دکھا کر آئینہ میں اس پہ مرتا ہوں
تو کہہ اُٹھے کہ دعوے تھا اِسی منہ سے محبت کا

اِک اُمید پہ صورت کوئی وعدہ گر وہ کرتا
تری حسرتوں کا اے دل نہ کوئی شمار ہوتا

ایسی باتوں کے نتیجے بھی کہیں نکلے ہیں
دیکھو اچھی نہیں یہ روز کی "کل کل" کرنا

گو اُنکی تو عادت ہے دل لیکے دغا کرنا
ہم اپنی طبیعت سے مجبور ہیں کیا کرنا

ہاتھ اپنے کلیجہ پر دیکھو تو ذرا رکھکر
آسان نہیں پہلو سے کچھ دل کا جدا کرنا

دل تیری جدائی سے رہتا ہے تپاں ہردم
یہ گوش گذار اُسکے اے بادِ صبا کرنا

دم مارنا مشکل ہے اے راہروئے اُلفت
یہ عشق کا کوچہ ہے اُف تک نہ ذرا کرنا

چاہا تمہیں گر دل نے کیا اسمیں قصور اسکا
"منہ دیکھی" نہ تم کہنا انصاف ذرا کرنا

کچھ اپنے پرائے کی تمیز نہ ہو جس کو
بے سود ہے پھر اُس سے اظہار وفا کرنا

بیداد کے ہوتے ہو تم داد طلب مجھسے
اس ظلم کی کچھ حد ہے انصاف ذرا کرنا -

جبتک کہ رہے آپے میں ہم تب تک رہے بھولے اپنے کو
جب آپے کو بھول گئے اپنی تب آپکو آپ ہی میں پایا

لن ترانی کی کھلی تم پہ حقیقت موسےٰ
جلوہ حسن رخِ یار کو دیکھا نہ گیا

نوکِ مژہ کا درد رگِ جاں میں رہ گیا
یا دل الجھ کے تیر کے پیکاں میں رہ گیا

لطف پینے کا ہے جب اے دلِ بیتاب شراب
حور کے سینہ پہ پلا دے کوئی نایاب شراب

دیکھکر چشمِ فسوں ساز کی گردش ساقی
ہوگئی دیکھتے ہی سینہ میں بیتاب شراب

زہر کے گھونٹ ہوا کرتے ہیں ہمراہ عدو
کیوں پلاتے ہیں مجھے وہ شبِ مہتاب شراب

دیر میں آتے ہیں کعبہ کو مسلماں چھوڑکر
سب ہوئے جاتے ہیں کافر دین و ایماں چھوڑکر

ہائے چھپتا ہوں بعدِ مرگ کیونکر جی اٹھوں
یوں نکل جائے کوئی گورِ غریباں چھوڑکر

دردِ دل میرا کہ اُن کی زلف ہو
ہے گھٹا اک چاند سے رخسار پر

اللہ رے خوشی تیری کبوتر تہِ خنجر
غنچے کی طرح کھل گیا ہر زیرِ تہِ خنجر

آئینۂ رخسار میں ابرو کا پڑا عکس
آیا نظر اک اور بھی خنجر تہِ خنجر

مری تصویر بنوائی ہے اُسنے سنگِ مرمر پر
میں ہوں تصویر پتھر کی کہ ہے تصویر پتھر پر

رہا نہ آپے میں اپنے کوئی عیاں ہوا کیا آفتابِ عارض
بنا دیا اُسنے محو سب کو اٹھا دیا جب حجابِ عارض

پڑی نگہ جس کی پھر نہ اٹھی رہی وہ بنکر نقابِ عارض
ہمارے ہی واسطے ہماری بنی ہیں نظریں حجابِ عارض

گلی میں اُسکی ہزاروں عاشق اسی غرض سے پڑے ہوئے ہیں
کہ اک جھلک دیکھ پائیں اُسکی کھلے جو بندِ نقابِ عارض

جہاں میں اک حشر ہوگا برپا کھلے جو بندِ نقابِ عارض
یہ شور ہوگا قیامت آئی عیاں ہوا آفتابِ عارض

نہ دیکھنا دل کے آئینہ میں کبھی اٹھا کر نقابِ عارض
گرے گی بجلی کی طرح دل پر تجلیِ آفتابِ عارض

کہاں وہ جائینگے ہم سے بچکر نہ اتنا اے دل ہو تو مکدر
اُٹھیگا اک دن حیا کا پردہ کھلینگے بندِ نقابِ عارض

کیا مستِ چشمِ ناز ہوں اللہ ری بیخودی
ساغر کو دیکھتا ہوں میں مدت سے خواب میں

کیا کیا مزے اٹھاتے ہیں ہم انکو چھیڑ کر
کھل جاتے ہیں خدا کی قسم وہ عتاب میں

حیران ہوں لکھ دیا انہیں کیا اضطراب میں
پرزے اڑا کے بھیجے ہیں خط کے جواب میں

کرتا ہوں انکا جب میں تصورِ شبِ فراق
وہ چونک چونک اُٹھتے ہیں راتوں کو خواب میں

ہر اک یہ سمجھتا ہے ادھر دیکھ رہے ہیں
اے بندہ نواز آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

رہ گئے سارے ترے تیر کے پیکاں دل میں
ولولے اٹھتے ہیں کیا کیا شب ہجراں دل میں
ہوں شکل درد سر سے قدم تک بنا ہوا
تمہاری بات کا کیونکر یقیں ہو
حیرت سے دیکھتا ہوں اس قوت نظر کو
ہوتی نہیں دعا بھی مقبول اب ہماری
اللہ رے ڈھٹائی دل لینے پر اڑے ہیں
ستم سے پاسباں کے ۔ درد دل کی بیقراری سے
تماشہ دیکھنا منظور ہے گر اپنے بسمل کا
کہیں ٹکتا ہی نہیں عمر رواں کا تلوا
کیوں چھوڑا اسکو دل بھی حاضر جگر کیا تھا
کوستا انکا مرے حق میں دعا ہوتا ہے
زلف جاناں سے الجھنا نہیں اچھا اے دل
کچھ نہ پوچھو مجھے کس درجہ خوشی ہوتی ہے
ہلال بنکے بنا بدر بدر سے خورشید
مجھے دیکھا تو بولے پاسباں سے
خواب میں آتے ہی انکے مری آنکھیں کھل گئیں
کچھ اس انداز سے جلوہ نمائی ہوتی جاتی ہے
اُس نے جب قتل پر اٹھائی تیغ
ساری محفل کو چکا چوند سی آجاتی ہے
عالم فکر میں لیتا ہے بلائیں کوئی

ڈر ہے یہ بھی کہیں بن جائیں نہ ارمان دل میں
بگڑے بیٹھے ہیں ترے وصل کے ارماں دل میں
کیا پوچھتے ہو درد کہاں ہے کہاں نہیں
تمہارا دل کہیں ہے تم کہیں ہو
ہوتے ہی چار آنکھیں ٹکڑے کیا جگر کو
کیا ہو گیا دعا کو کیا ہو گیا اثر کو
دھرنے پر کھڑے ہیں روکا ہے رہ گذر کو
کراہا اُس گلی میں رات بھر آہستہ آہستہ
چلے تھم تھم کے خنجر حلق پر آہستہ آہستہ
پھرتی رہتی ہے سدا گردش ایام کیا تھا
تیغ ادا کا وار تھا تیر نظر کے ساتھ
اس برائی کا نتیجہ تو بھلا ہوتا ہے
کہ برے کام کا انجام برا ہوتا ہے
جب کوئی زخم دل زار ہرا ہوتا ہے
یہ چودھویں ہی برس میں کمال کیسا ہے
یہ صاحب آئے ہیں پوچھو کہاں سے
قسمت خوابیدہ پھر بیدار ہو کر رہ گئی
کہ اُس بت کیطرف ساری خلقت ہوتی جاتی ہے
ہاتھ باندھے ہوئے قضا آئی
کام کر جاتی ہے بجلی کی چمک سہرے کی
صاف کہتی ہے یہ کلیوں کی چٹک سہرے کی

آنکھ بھر بھر کے تجھ پہ پڑتی ہے	چشم بد دور کیا جوانی ہے

شباب

شباب ۔ منشی محمد یوسف صاحب وارثی باشندۂ دہلی حویلی میر افضل شاگرد مولوی نذیر حسن صاحب فتنہ۔ خوش فکر نوجوان ہیں طبیعت میں روانی ہے۔ ابتدائے عمر سے شاعری کا شوق ہے۔ زبان شستہ اور خیالات پاکیزہ ہیں انکے کلام کا انتخاب نذر ناظرین ہے ؎

پوچھا جو اُن سے کیا ہوا بچپن کا التفات	کہنے لگے اجی وہ زمانہ بدل گیا
جب اُس نے آکے بام پہ رُخ سے ہٹائی زلف	ثابت ہوا کہ چاند گہن سے نکل گیا
دلِ مایوس مدفن ہے ہزاروں رنج و ارماں کا	گماں ہوتا ہے سینے میں مجھے گورِ غریباں کا
مثالِ مہر داغِ دل شبِ ہجراں میں روشن ہیں	ہلالِ شامِ فرقت چاک ہے میرے گریباں کا
شبابؔ اپنی جوانی کے بھی دن کیسے گذرتے ہیں	یہاں پہنچے وہاں پہنچے لئے تاکا اُسے جھانکا
لگادی کی زلیخا نقد جاں تک	بڑھیگی قیمت یوسف کہاں تک

شبنم

شبنم ۔ منشی محمد امتیاز احمد خاں صاحب راز کے کسی شاگرد کا تخلص ہے طبیعت کا رنگ مندرجہ اشعار سے ہویدا ہے ؎

وصل میں چین نہ تجھکو دلِ مضطر آیا	ہاتھ کس کام سے سینے کے برابر آیا
کششِ عشق نہیں یہ تو بھر اچھا کیا ہے	ہوکے مضطر وہ مری قبر پر اکثر آیا
میرے قاتل نے کئے آج جگر کے ٹکڑے	شکر صد شکر کہ ارمانِ دلی بر آیا
تو نے کیا کیا نہ ستم مجھ پہ کئے اے ظالم	کبھی شکوہ بھی ترا میری زباں پر آیا
آگئی یاد کے صدقے کہ بہت بار آئی	آپ کے دھیان کے قربان کہ اکثر آیا
دیکھکر یار کو شبنم سے کہا دشمن نے	آپ چلدیجئے وہ مہر منور آیا

شبلی

شبلی ۔ فخر المتقدمین شرف المتاخرین مبصر و محقق و مورخ نثار باکمال ناظم بے مثال شمس العلماء تاج الفضلاء حضرت مولانا شبلی نعمانی اعظم گڈھی ۔ سر سید احمد خاں کی نظر انتخاب انپر پڑی اور انہوں نے انہیں مدرسۃ العلوم علیگڑہ میں فارسی زبان کا پروفیسر مقرر کیا۔ آپ اس زمانے کے بڑے مشہور

معروف عالم تھے۔ تبحر علمی آپکا ضرب المثل ہے۔ فن تاریخ میں آپکو ید طولیٰ حاصل تھا۔ فلسفہ اور الٰہیات پر بھی بڑی وسیع نظر تھی۔ انشا پردازی میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ بہت سی معرکۃ الآرا کتابیں آپکی شائع ہوکر مقبول اہل علم ہوچکی ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیفات آپکی یہ ہیں۔

الفاروق۔ المامون۔ الغزالی۔ سیرۃ النبی۔ سفرنامہ یورپ علاوہ انکے اور بھی بہت سی ضخیم کتابیں تصنیف و تالیف فرمائی ہیں۔ شعرا عجم کا ایک تذکرہ بھی چار جلدوں میں تالیف فرمایا ہے علیگڑھ سے استعفیٰ دیکر آپ ندوۃ العلما کے ناظم مقرر ہوے اور اُسکی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ علمی مشاغل میں آپکو زیادہ انہماک تھا اور اپنی قوم کی بہبودی رات دن مدنظر تھی بقیہ زمانہ سے بیخبری تھی۔ علیگڑھ کالج کا نصاب تعلیم بھی درست کیا۔ ان جملہ خدمتوں اور سیرۃ النبی کی تالیف کے صلہ میں سرکار نظام اور بھوپال سے آپکا تین سو روپیہ وظیفہ مقرر تھا۔ آپکی خطوط نویسی کا خداداد ملکہ، انداز اور اُسکی روانی مکاتیب شبلی کے ملاحظہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اسمیں سے ایک خط نقل کرتا ہوں جس سے حضرت مولانا مرحوم کی انشا پردازی کی مہارت ظاہر ہے۔ مندرجہ ذیل خط آپنے مولوی محمد سمیع صاحب کو اپنے منجھلے بھائی مہدی کی وفات پر تحریر فرمایا تھا جس کے ایک ایک جملہ سے آپکے درد دل اور سچی محبت کا اظہار ہوتا ہے اور بے ساختگی اور بے تکلفی کا لطف ملاخطہ فرمائیے۔

لو بھائی ہم میں کا ایک عنصر کم ہوگیا۔ عزیزی مہدی نے جان دی اور کس حالت کے ساتھ کہ کلیجے کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ میں بدبخت پاس تھا اور اس لئے جتنے تیر چلے سب میری ہی جگر پر لگے۔ ہائے اسکی جوانمرگی! ہائے کیا معلوم تھا کہ وہ اسقدر جلد دنیا سے جائیگا ورنہ مجھ پر لعنت اگر میں اس سے ناراض رہتا۔

ہائے سب بُرائیوں پر وہ سب سے اچھا تھا۔ آج چوتھا دن ہے لیکن خدا کی قسم اسوقت تک دل نہیں ٹھہرتا۔ سو بار رو چکا ہوں اور دل نہیں ٹھہرتا۔ اسکی ایک محبوب یادگار ہے جس کو وہ بٹن کہتا تھا یعنی شافیہ، اس سے بارہا لپٹ کر رو دیا ہوں لیکن کچھ بھی تو تسلی نہیں ہوتی۔ اسکو تسلی دینا چاہتا ہوں لیکن خود بیقرار ہوجاتا ہوں، ایک اور اسکے

مہدی مرحوم (شبلی کے بھائی)

نام سے وابستہ قسمت ہی جو پہلے چھوٹی بجاوج تھی لیکن اب پیاری بہن ہے۔
تم لوگ مزے سے باہر ہو یہاں آفت زدوں کو سنبھالنا میرے سر چھوڑا ہے
ہائے مہدی، وائے مہدی۔ بدبخت ازلی شبلی نعمانی ۲ جولائی ۱۹۰۸ء اعظم گڈہ

آپکی وفات ۱۹۱۴ء میں ہوئی ساٹھ سال سے زاید عمر پائی۔ فن شاعری میں بھی آپکو کمال حاصل تھا مگر غزلیات فارسی اردو کا ذخیرہ زیادہ نہیں۔ قومی۔ تاریخی اور ملکی نظمیں زیادہ پائی جاتی ہیں اور فی الحقیقت یہ رنگ مقبول ہوا۔ واقعات نویسی میں جو کمال اور سحر بیانی آپکو حاصل تھا اسکی مثال پیش کرنی آسان نہیں۔ آپکی مختلف نظموں کا مجموعہ کلام شبلی کے نام سے شایع ہو چکا ہے آخر عمر میں ٹانگ میں گولی لگ جانے سے اپاہج ہو گئے تھے اور اپنے وطن اعظم گڈہ میں دار المصنفین نامی ایک ادبی انجمن قایم کر کے مختلف ریاستوں سے اُسکے اخراجات کیلئے رقوم حاصل کی تھیں۔ چنانچہ آج تک وہ سلسلہ جاری ہے کلام شبلی کا انتخاب نذر ناظرین کرتا ہوں ؎

پوچھتے کیا ہو جو حال شبِ تنہائی تھا
رخصتِ صبر تھی یا ترکِ شکیبائی تھا

شبِ فرقت میں دلِ غمزدہ بھی پاس نہ تھا
وہ بھی کیا رات تھی کیا عالمِ تنہائی تھا

میں تھا یا دیدۂ خونبانہ فشاں تھی شبِ ہجر
اُن کو واں مشغلۂ انجمن آرائی تھا

پارہ ہائے دلِ خونیں کی طلب تھی پیہم
شب جو آنکھوں کو مری ذوقِ جگر آرائی تھا

رحم تو ایک طرف پایہ شناسی دیکھو
قیس کو کہتے ہیں مجنون تھا صحرائی تھا

خون رو رو مٹے دو ہی قدم میں چھالے
یاں وہی حوصلۂ بادیہ پیمائی تھا

کون اس راہ سے گذرا ہے کہ ہر نقشِ قدم
چشمِ عاشق کی طرح اسکا تماشائی تھا

خوب وقت آئے نکیرین جزا دیگا خدا
لحدِ تیرہ میں کیا عالمِ تنہائی تھا

ہم نے بھی حضرتِ شبلی کی زیارت کی تھی
یوں تو ظاہر میں مقدس تھا پہ شیدائی تھا

تیس دن کے لئے ترکِ مے و ساقی کر لوں
واعظِ سادہ کو روزوں میں تو راضی کر لوں

پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال
ورنہ حاسد تری خاطر سے میں یہ بھی کر لوں

لے نکیرین قیامت ہی پہ رکھو پرسش
میں ذرا عمرِ گذشتہ کی تلافی کر لوں

کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو کیسو ہو جائے
تم خفا ہو تو اجل ہی کو میں راضی کر لوں

اور پھر کس کو پسند آئے گا ویرانۂ دل
غم سے مانا بھی کہ اس گھر کو میں خالی کر لوں

دل ہی ملتا نہیں سفلوں سے وگرنہ شبلی
خوب گذرے فلک تو ملے جو یاری کر لوں

یار کو غیبتِ اغیار نہ ہونے پائے
گل تر کو ہوسِ خار نہ ہونے پائے

اسمیں در پردہ سمجھتے ہیں وہ اپنا ہی گلہ
شکوۂ چرخ بھی زنہار نہ ہونے پائے

فتنۂ حشر جو آنا تو دبے پاؤں ذرا
بختِ خفتہ مرا بیدار نہ ہونے پائے

ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نہ سکے شکوہ وراں
آ ملے ہم سخنِ خار نہ ہونے پائے

باغ کی سیر کو جاتے تو ہو پر یاد رہے
سبزہ بیگانہ ہے، دوچار نہ ہونے پائے

جمع کر لیجے غمزوں کو مگر خوبیِ بزم
بس وہیں تک ہے کہ بازار نہ ہونے پائے

آپ جاتے تو ہیں اس بزم میں لیکن شبلی
حالِ دل دیکھئے اظہار نہ ہونے پائے

کافروں نے یہ کیا جنگِ احد میں مشہور
کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ دودم

ہو گئے شہرِ مدینہ میں جو پہونچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم

ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم

وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف
جن میں تھیں سیدۂ پاک بھی با دیدۂ نم

ایک خاتون کہ انصار کی قوم سے تھیں
سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے بہم

موقعِ جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تم سے کہ کتنے ہوئے شہداء میں ہم

تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ ستم

سب سے بڑھکر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا لوٹ پڑا کوہِ ستم

اس عفیفہ نے یہ سب سُنکے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ امم

سب نے دی اسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضور
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم

بڑھ کے اُس نے رخِ روشن کو جو دیکھا تو کہا	تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم
میں بھی ماں اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا	اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

جزائے احسان

مدتوں حضرتِ عباس بھی تھے شاملِ کفر	کم سے کم یہ کہ رسالت پہ نہ تھا اُن کو یقیں
"بدر" میں آکے لڑے اور گرفتار ہوئے	بس کہ تقدیر میں تھی خانۂ زنداں کی زمیں
قیدیوں کے لئے جو گھر کہ ہوا تھا تیار	اتفاقات سے تھا خانۂ مسجد کے قریں
رات کو حضرتِ عباس کراہے اکثر	قید کرتے ہوئے لوگوں نے جو مشکیں تھیں کسیں
دیر تک سرورِ عالم کو رہی بے خوابی	کروٹیں لیتے تھے اور نیند نہ آتی تھی قریں
وجہ پوچھی جو صحابہؓ نے تو یہ فرمایا	آتی ہے کان میں عباس کی آوازِ حزیں
جب سنا یہ تو وہیں کھول دیئے ہاتھ اُنکے	چین سے حضرتِ عباس نے راتیں کاٹیں
تھا انہیں حضرتِ عباس کا پوتا منصور	جو کہ ایوانِ خلافت میں ہوا تخت نشیں
ایک دن حکم دیا اس نے کہ اولادِ رسول	ایک جا جمع کئے جائیں جو مل جائیں کہیں
پھر دیا حکم کہ اُن سب کو پہنا کر زنجیر	کہدو ان سے کہ نہیں خانۂ زنداں سے کہیں
ایک دن سیر کو اس شان سے نکلا منصور	پابہ زنجیر تھے ساداتِ یسار اور یمین
ساتھ ساتھ آتے تھے پیدل جگر و جانِ رسول	اور منصور تھا زیبِ حرمِ خانۂ زیں
ایک نے مجمعِ سادات میں بڑھ کر یہ کہا	گرچہ اس لطف کے مشکور ہیں ہم خاک نشیں
غزوۂ بدر میں لیکن جو کیا ہم نے سلوک	وہ تو کچھ اور تھا ہی یاد بھی تم کو کہ نہیں؟

عدلِ جہانگیری

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گذر	ایکدن نورجہاں بام پہ تھی جلوہ فگن
کوئی شامت زدہ رہ گیر اُدھر آنکلا	گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن
غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا	خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن
ساتھ ہی شاہِ جہانگیر کو پہونچی جو خبر	غیظ سے آگئے ابروئے عدالت پہ شکن
حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی	جاکے پوچھ آئیں کہ سچ یا غلط ہے یہ سخن

نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
اسکی گستاخی بیگاہی نے کیا اسکو ہلاک
مفتیٔ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
مفتیٔ دین نے بے خوف و خطر صاف کہا
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اُٹھے
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جاکر
پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں
یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
اسکی پیشانیٔ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
مفتیٔ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا
وارثوں کو جو دئیے لاکھ درم بیگم نے
ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص
ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں
اُٹھ گئے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا

میری جانب سے کرو عرض بآئینِ حسن
مجھ سے ناموسِ حیائی یہ کہا تھا کہ "ترن"
کشورِ حسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن
پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
اور جلاد کو دیں حکم کہ "ہاں تیغ بزن"
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن
جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
نہ وہ غمزے ہیں، نہ وہ عربدۂ صبر شکن
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن
خون بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن
بولے جائز ہے، رضامند ہیں گر بچہ و زن
سب نے دربار میں کی عرض کہ ای شاہِ زمن
قتل کا حکم جو رکجائے تو ہے مستحسن
کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ و فن
تھی جہاں نور جہاں معتکفِ بیتِ حزن
تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من

شبیر — شبیر۔ نازک خیال، عدیم المثال، تازگی بخش مذاق کہن منشی شبیر حسن صاحب ولد رشید احمد خاں بشیر مرحوم۔ آپکا وطن ملیح آباد ہے۔ رسالدار فقیر محمد خاں گویا مرحوم آپکے اجداد میں تھے۔ پہلے آپ کا

شبیر تخلص تھا اب جوش ہیں دورِ حاضر کے نامور شعرا میں شمار ہے علیگڑھ کالج میں آپ نے بی ملے تک تعلیم پاکر خانہ داری کے بار کو اپنے ذمہ لیا اور خوش اسلوبی سے جائداد کے انتظام کے ساتھ ساتھ آم اور انکی قلموں کی تجارت کا مشغلہ بھی رکھتے ہیں۔ غزل میں واقعہ قدرت اور مناظرِ قدرت کو حسن و خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ لکھنؤ کی شاعری کا جو رنگ پلٹا ہے اسمیں دیگر شعرا کے نام کے سوا آپکا نام بھی لیا جاتا ہے۔ آپ تعلیم یافتہ اور قابل نوجوان ہیں۔ بندشوں کی خوبصورتی۔ ترکیبوں کی صفائی۔ الفاظ کی نشست قابلِ داد ہے۔ بعض اشعار شرقی تخئیل کی نوعیت سے آزاد ہو کر مغربی استعارات کا جامہ پہن لیتے ہیں جنمیں بعض اشعار کے مضامین کی تصویریں کھینچکر ادبی دنیا کے سامنے پیش کیگئی ہیں جس طرح یورپ میں عمر خیام کے خیالات نئی نئی گلکاریوں کیساتھ آئے دن شایع ہوتے رہتے ہیں۔ آپکو نیچرل نظمیں کہنے کا زیادہ شوق ہے غزل میں علم و حکمت و معرفت کے مضامین خوب لکھتے ہیں۔ فلسفہ کے مشکل مسائل کو سادہ طور پر بیان کرتے ہیں۔ انکے کلام کی باریکیوں پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ مغربی خیالات کی آمیزش نے اردو شاعری کو کس درجہ پر پہونچا دیا ہے اور آئندہ شعرا کی تخئیل کونسی راہ اختیار کریگی آپکے قدیم و جدید کلام کا مجموعہ اس دو برس میں مقبول عام ہو چکا ہے۔ خمخانۂ جاوید کی دوسری جلد میں "جوش" تخلص والے تمام شعرا درج ہیں مگر ترتیب حصۂ ثانی کے وقت آپ شبیر تخلص کرتے تھے۔ اسلئے ہم جیم کی ردیف میں آپکے حالات و کلام درج نہ کر سکے۔ آٹھ سات برس ہوئے دہلی آکر مؤلف تذکرہ سے بھی ملے تھے اور واپس جاکر اپنا کلام بھی بھیجا تھا اسمیں سے کچھ اور مطبوعہ دیوان میں سے اکثر منتخب ہو کر نقل ہوا۔ ناظرین تراوشِ طبع گہر سنج کو ملاحظہ کریں ؎

آنسوؤں میں ہنسنے والے آنکھوں کے سامنے آ
یوں مسکرا کہ گم ہو صبحِ ازل کا جلوہ
کیفِ شگفتگی دے افسردہ خاطری کو
گدازِ دل سے باطن کا تجلی زار ہو جانا

اے رازِ دل سراپا افشائے راز ہو جا
اے حسنِ بے نیازی خورشید ناز ہو جا
ہو جا ذرا ادھر بھی او عشوہ ساز ہو جا
محبت اصل میں ہے روح کا بیدار ہو جانا

جب فضائے قدس میں پرچم اُڑا تقدیر کا
دیدۂ گریاں میں غلطاں ہے ترا عکسِ جمال
ہم جن تصورات میں رہتے ہیں رات دن
درد نے دل میں چمک کر طرفہ ساماں کر دیا
ہم نے پھولوں کو چھوا مرجھا کے کانٹے ہو گئے
چاہنے والی کی آنکھوں سے حجاب آ ہی گیا
سینے کو جگمگا دے لذت فروز ہو جا
نتیجہ جن کا ہے خوش ہوتے ہی محروم ہو جانا
اب کیا ہمارے پاس ہے کیا دیں کسی کو ہم

بھلا پہلے وہ کب تھے لیے بد خو
اپنے پہلو پہ کی نظر ہم نے
دیکھتے ہی انہیں وہ حال نہ تھا

جلوہ گاہِ ناز کے پردہ کو جنبش ہو چلی
دنیا کی گردشوں کو حسرت سے دیکھتے ہیں
نظر فریاد کرتی ہے نگاہیں تھرتھراتی ہیں
کہاں دل کی رسائی سرمدی جلووں کے تاروں میں
جس زندگی پہ نازاں یہ صاحبِ نفس ہیں
صبر کی طاقت جو کچھ دل میں ہی کھو دیتا ہوں میں
مجھے بیساختہ تیرا تبسم یاد آتا ہے
مرے سوا اس تری شانِ حسن میں گم ہیں
ٹھنڈی سانسیں ہیں گرم آہیں ہیں

عقل سجدہ میں گری سر جھک گیا تدبیر کا
میرا آنسو ہے کہ شیشہ ہے تری تصویر کا
کتنوں کو اس جنوں نے بیکار کر دیا
پیکرِ تاریک کو فانوسِ عرفاں کر دیا
تم نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کر دیا
جب نگاہیں لڑ گئیں مجھ سے وہ شرما ہی گیا
اے روح مشتعل ہو لبریز سوز ہو جا
کہیں بہتر ہے ان لذات سے محروم ہو جانا
لے دیکے ایک دل تھا وہ تم نے چرا لیا

ہمیں تو یاد ہے بچپن کسی کا
جب کسی کا کسی پہ دل آیا
مجھکو جیسے کبھی ملال نہ تھا

اور تھوڑی سی کشش اے طالبِ دیدار دوست
ہر شئے کو اہلِ باطن عبرت سے دیکھتے ہیں
محبت ہی وہ افسانہ جسے آنکھیں سناتی ہیں
نظر الجھی ہوئی ہے حسنِ فانی کے نظاروں میں
وہ کیا ہیں "فی الحقیقت" گنتی کے کچھ نفس ہیں
جب کوئی ہمدرد ملتا ہے تو رو دیتا ہوں میں
لبِ دریا شبِ مہتاب میں جب پھول کھلتے ہیں
کہ اک نگاہ اٹھانے میں سو تبسم ہیں
جب سے ہم پر تری نگاہیں ہیں

جان لینے لگے فلسفہ ہر چیز کا — پہلے ہم اپنی حقیقت جان لیں
صدر ہے یہ کون بزم حشر میں — اک ذرا صورت تو ہم پہچان لیں

یاد آتی ہیں جب تری باتیں — ہم کلیجہ پکڑ کے روتے ہیں
ایک طوفان ہوں اک تلاطم ہوں — میں یہ کہہ کے خیال میں گم ہوں
دل دھڑکتا ہے اشک بہتے ہیں — ہائے ہم کس بلا میں رہتے ہیں
بات رہ جائے اس پہ مرتے ہیں — ہم جو کہتے ہیں کر گزرتے ہیں
تم نہیں میں ہوں میں نہیں تم ہو — صاف کہہ دوں تو اک تلاطم ہو

زمیں روز بچاتی ہے جسکو ذروں سے — پڑھو درود کہ پیشانی نیاز ہے وہ
میرے رونے کا جس میں قصہ ہے — عمر کا بہترین وہ حصہ ہے
موت سے قبل زندگی کیسی — جی رہا ہوں ابھی خوشی کیسی
سنکے یوں عرض وصل پر بولے — جو نہ پوری ہو یہ وہ حسرت ہے
مجھ وفا دار سے اور ایسی خطا توبہ کر — داور حشر سے پھر کیجئے شکایت تیری
کچھ سوچ کے ہر ایک طلبگار رضا ہے — کیا راز مرے بعد زمانے پہ کھلا ہے
انجام عشق لوح پہ لکھو نہ دوستو — دنیا وفا کے نام سے بیزار ہو نہ جائے
ساز عشرت کی دلفریب صدا — ہمسر گریہ سحر نہ ہوئی
رات دن مسجد کے گنبد میں رہوں — حضرت اعظم یہ کوئی بات ہے

اے خیال وضع پھر اس در پہ جا پڑیں — آ اے سیاہ رات کہ تو پردہ پوش ہے
ہر سبزہ زار کی دوڑی ہے خون میں — پھر رو رہا ہوں دامن صحرا لئے ہوئے
پھر بارگاہ عشق میں پہونچا ہوں سر بکف — زخموں سے پاش پاش کلیجا لئے ہوئے
جلوۂ شام طرب سے ہو کے برہم روئیے — خندۂ صبح ظفر پر مثل شبنم روئیے
برق کی صورت تڑپئے لوٹئے دل کی طرح — شمع کی مانند جلئے مثل شبنم روئیے

روکے ہوئے ہیں گو کہ تحمل کی قوتیں
اے جوش یہ کلام میں ہوتیں نہ گرمیاں
صبر کی دنیا ہمارے ضبط سے آباد ہے
اُف یوں ہی گو زندگیاں سی گذر جائیگی کیا
جفائے زندگی کو مختصر کرنا ہی بہتر ہے
صفائی نفس کی خاطر سکون خواب کے بدلے
ہزاروں تجربوں کے بعد میں یہ بات کہتا ہوں
گن گن کے دل نے میٹے ساماں مری خوشی کے
جا کے گوشہ میں کسی صحرا کے رو لیتا ہوں میں
ذوق کرم نہیں ہے تاب جفا نہیں ہے
خوشی سے اجنبی ہوں جان کا کھونا ہی آتا ہے
میری حالت تری فرقت میں سنبھل جائیگی
بڑی نمود سے دنیا میں وہ اُبھرتا ہے
ترے جمال سے میری حیات مشتق ہے
اس اعتقاد میں پنہاں عجیب حکمت ہے
شامیانہ بن گیا ہے دل کی آہوں کا دھواں
آرہی ہے باغ سے مالن وہ شرماتی ہوئی
فتنۂ دوشیزگی نازک ادا کافر جمال
خوشنما گردن میں اک ہلکا سا خم پیدا کئے
بوئے کاکل سے چھڑکتی ہر قدم پر عطر سا
پانوں رکھتی ناز سے شبنم کے قطروں کی طرح

رگ رگ تڑپ رہی ہے دلِ ناصبور کی
تم نے کبھی کسی سے محبت ضرور کی
دل حریف آہ ہے لب دشمن فریاد ہے
وہ کسی کا روکے کچھ کہنا بھی تم کو یاد ہے
مرے نزدیک اس جینے سے تو مرنا ہی بہتر ہے
سحر کے نور میں آہوں کا سر کرنا ہی بہتر ہے
خوشی کے نام سے انساں کو ڈرنا ہی بہتر ہے
جینے کا اب مزا کیا اب کیا کرو گا جی کے
یاد آتی ہے جو لٹے گھر کی ویرانی مجھے
بزدل کو زندگی کا کوئی مزا نہیں ہے
مجھے لو دیکھئے کچھ آتا ہے تو رونا ہی آتا ہے
کیا یہ دنیا ہے کہ دو دن میں بدل جائیگی
جو کارخانۂ قدرت میں فکر کرتا ہے
مرا وجود مرے واسطے [illegible] سحق ہے
کشادہ روئی سے ملنا بھی اک عبادت ہے
اک اداسی ہے ہماری قبر پر چھائی ہوئی
مسکرانے میں لبوں سے پھول برساتی ہوئی
سینکڑوں رفتار کے ہنگام بل کھاتی ہوئی
دونوں ہاتھوں سے گھنی زلفیں سلجھاتی ہوئی
نقش پا سے روش پہ رنگ [illegible]
سبزہ خوابیدہ [illegible]

ہار گردن میں لپیٹے مانگ پھولوں سے بھری / بال بکھرائے جبیں سے رنگ برساتی ہوئی
بار بار آنکھیں اٹھاتی سانس لیتی تیز تیز / باغ کی ٹھنڈی ہوا سے دل کو گرماتی ہوئی
پیار سے رنگین غنچوں پر نگاہیں ڈالتی / رنگ سا اک مدبھری آنکھوں سے چھلکاتی ہوئی
نصف آنکھیں بند کرکے سونگھتی پھولوں کے ہار / رس جوانی کا سیہ پلکوں سے ٹپکاتی ہوئی
کاکلوں سے دیکھنے والوں کی نظریں باندھتی / تازہ ارمانوں کی کلیاں دل میں چٹکاتی ہوئی
درد پیدا کر رہی ہے نغمۂ رفتار میں / دل فسردہ پتیاں زیر قدم گاتی ہوئی
پھول پروتی ہوئی افشاں کبھی رخسار پر / جھٹ پٹے میں تتلیاں شاخوں پہ تھراتی ہوئی
ہائے کیا گوری کلائی میں ہے کنگن دلفریب / ہائے کیا سینہ کی ہیکل ہے غضب ڈھاتی ہوئی
کاش پوچھے کوئی اس کافر ادا مالن کا نام / آرہی ہے جوش سے دلکو جو تڑپاتی ہوئی
کیا روح فزا جلوۂ رخسار سحر ہے / کشمیر دل زار ہے فردوس نظر ہے
ہر پھول کا چہرہ عرق حسن سے تر ہے / ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے

ہر سمت بھڑکتا ہے رخ حور کا شعلہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طور کا شعلہ

لرزش وہ ستاروں کی وہ ذروں کا تبسم / چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جس پہ ترنم
گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم / طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم

اڑتے ہوئے گیسو وہ نسیم سحری کے
شانوں پہ پریشاں ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا / وہ چاندنی مدھم وہ سمندر کا چھلکنا
وہ چھاتوں میں تاروں کے گل تر کا مہکنا / وہ جھومنا سبزی کا وہ کھیتوں کا لہکنا

شاخوں سے ملی جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیم سحری عید سحر ہے

جہاں زمیں پہ رگِ گل کا نشاں ہویدا ہے
نشاں ہاں نما راہ کا بتاتے ہیں
غبارِ راہ نشاں ہے کسی تگ و پو کا
نپک کے جھاڑیوں سے خوں یہ بتاتا ہے
صنم تراشں نہ ہو تو صنم نہیں بنتا
یوں ہی یہ گردِ سرِ راہ خوش نما تارے

دلیل اسکی ہے سانپ اسطرف سے گذرا ہے
کہ تھوڑی دور یہ آگے سوار جاتے ہیں
یقیں ہوتا ہے نقشِ قدم سے رہرو کا
کہ زخم کھا کے ادھر سے شکار بھاگا ہے
قدم نہ ہو تو نشانِ قدم نہیں بنتا
رواں ہیں کسکی جبینوں سے حسن کے دھارے

زمیں کا نور ہیں اور آسماں کی زینت ہیں
کس کی شوخیٔ رفتار کی علامت ہیں!!!

جھٹ پٹا وقت ہے۔ لب دریا
روشنی روح کو لبھاتی ہے
موجیں تھم تھم کے ہو رہی ہیں رواں
حسن کی روح ہے نمودِ چراغ
چرخ پر ہے شفق کی گل کاری

ایک مندر میں چل رہا ہے دِیا
جس کے لہروں میں مسکراتی ہے
قطرہ قطرہ ہے مشعلِ ایماں
کاکلِ پُرشکن ہے دودِ چراغ
ہر طرف اک سکوت ہے طاری

شبیر

شبیر۔ عالیجناب صاحبزادہ محمد شبیر علیخاں صاحب بہادر عرف ننھے صاحب تلمیذ حضرت داغ دہلوی۔ نواب کلب علیخاں مرحوم والئی رامپور کے چھوٹے صاحبزادہ ہیں ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء تک دہلی میں مقیم رہے اور دوران قیام میں جناب بیخود سے مشورۂ سخن فرماتے رہے۔ اکثر اپنے مکان پر بھی بزم مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ اب کئی برس سے پھر رامپور جا رہے ہیں اور سرکار نواب صاحب سے ڈھائی سو روپیہ وظیفہ کے علاوہ مجسٹریٹی کا عہدہ بھی ملگیا ہے۔ بہت شریف طینت اور منکسر مزاج رئیس زادہ ہیں۔ راقم تذکرہ سے برابر خط کتابت رہتی ہے۔ شاعری کا ذوق ابتدائے عمر سے ہے اب کہتے کہتے طبیعت بہت رسا ہوگئی ہے۔ زبان میں شستگی اور شگفتگی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

تم یہ کہتے ہو کہ ہم جا کے پشیمان ہوئے
ہم یہ کہتے ہیں کہ گھر غیر کے جانا ہی نہ تھا

کیوں ستم مجھ سے ہوئے یاد دلائے اسکو
ایسے سوتے ہوئے فتنہ کو جگانا ہی نہ تھا

تونے خود کی ہی قیامت ہیں قیامت برپا
شورِ محشر تجھے سوتوں کو جگانا ہی نہ تھا

تیغ کے پھل کا نہیں کوئی خریدار مگر
نقدِ جاں دیکے ہیں لینگے یہ سودا قاتل

جب تو نہیں ہے پاس تو کیا خیالِ وصل
ہم سے خفا ہے تو تو تری آرزو سے ہم

وہ آرزو ہی مٹ گئی انکار سے ترے
کوچے میں تیرے آئی تھی جس آرزو سے ہم

پوچھتے ہو کیا کہ جلتے ہو کہاں
جس جگہ لیجائے وحشت کیا کہوں

جفائے تازہ کیا ایجاد ہو گی
نئی ٹیسیں ہیں پھر زخمِ کہن میں

رہے سب منتظر انکے مگر وہ
نہ آنا تھا نہ آئے انجمن میں

نہیں ہیں باغباں گلشن میں کلیاں
قفس میں بلبلیں دل ہیں چمن میں

نہ پوچھو حال سوزِ ہجرِ شبیر
لگی ہے آگ سارے تن بدن میں

ہمیں کیا گر تمہارا ذکر ہو سارے زمانہ میں
کبھی تیری زباں پر نام اپنا ہو تو ہم جانیں

ہماری طرح اک دن بیوفائی غیر سے کر لو
محبت کا اگر پھر اسکو دعویٰ ہو تو ہم جانیں

کہا جب میں نے فرقت میں نکل جائیگا دم میرا
تو وہ بولے کسیکو مرتے دیکھا ہو تو ہم جانیں

کسی سے تم نے اے شبیر پھل الفت کا پایا ہے
کہ تم تو سب کے ہو کوئی تمہارا ہو تو ہم جانیں

ستم کے بعد جو قول و قرار ہوتے ہیں
یہ تیر اور کلیجہ کے پار ہوتے ہیں

نگاہ پڑتی نہیں ہے کبھی بھلائی پر
برائی دیکھنے والے ہزار ہوتے ہیں

سرخ کچھ قطرے سے نکلے اشک افشانی کیساتھ
خون پانی ہو کے کیا بہنے لگا پانی کیساتھ

اب بھی ناخوش ہو کے وہ جائیں تو اسکا کیا علاج
دل تلک آگے رکھدیا سامانِ مہمانی کے ساتھ

فلک کے نیچے بنانے کو گھر زمیں نہ ملی
وہ بدنصیب ہوں راحت مجھے کہیں نہ ملی

مزا ہی کیا ہے تڑپنے کا اے دلِ مضطر
کہ جب زمیں سے فلک چرخ سی زمیں نہ ملی

جگر کے چھالوں کو دیدۂ تر ہرا تو رکھنا برس برس کے
کہیں نہ بن جائیں داغ کالے یہ سوزِ غم سے جھلس جھلس کے

ہمارے دل میں بھی حسرتیں تھیں ہمیں بھی حاصل مسرتیں تھیں
نہ اب ہے ساقی نہ اب ہے ساغر وہ دن گئے عیش تھا میسر
مثال ہیں غمخوار یوں کی آہیں کھائیں کیوں یاس کی نگاہیں
کبھی چمن کے تھے رہنے والے کبھی تھی آزاد رنج و غم سے
نگاہ شبیر سے جو پھیری تو تو نے ساقی پلائی کیوں تھی
غبار قیس اُڑ کر نجد میں لیلے کے وہ کے میں
سیاہ کاروں کو راہ جناں بتا یا رب
تو بس کر ٹھہر جاتا ہے یہ تھمتی ہی نہیں

وہ مست چشمیں اب جو عادتیں تھیں یہ تذکرے ہیں کبھی جو بستے
ہمیں رلایا ہی خون شب بھر گھٹائی نشہ کو برس برس کے
عبث ہیں یہ نفس آہیں کہ اُڑ گئے ہوش ہم نفس کے
نہ پوچھ صیاد وہ فسانے کہ اب تو قیدی ہیں ہم قفس کے
یہ بیرخی ایسی بیوفائی نہ پھر چکھائی لگا کے چسکے
ہر اک ناقہ سے ملتا ہے ہر اک محمل سے ملتا ہے
یہ حکم ہو کہ چراغ آفتاب لیکے چلے
ابر تیری کیا حقیقت چشم تر کے سامنے

توبہ کی تھی شراب سے لیکن
وضعداری نے کردیا مجبور
وصل کی شب نہ بس چلا اُن کا

دی جو اُس شوخ نے پیئے ہی بنی
بیوفا سے وفا کئے ہی بنی
جو کہا میں نے وہ کئے ہی بنی

شبیر — شبیر احمد صاحب تلمیذ حضرت عزیز لکھنوی۔ خوش فکر ذکی الطبع شاعر ہیں نتیجہ فکر یہ ہے۔ شبیر

ہوگیا ہوں اسقدر محو جمال روئے دوست
حوصلہ خنجر کا شوق اپنا۔ مرا ارمان نکال
مشکلوں پر رو دیئے اُس غمزدہ مایوس کے
آکے دشمن نے خطائیں بخشوائیں اُف رے جذب

مجھکو اپنے پیرہن سے آرہی ہے بوئے دوست
اے مرے مشکل کشا لے قوت بازوئے دوست
چھوڑ دے جو ایک آہ سرد بھر کر سوئے دوست
ایسی مایوسی سے میں نے آج دیکھا سوئے دوست

شجاع — شاہ شجاع الملک والئی کابل۔ احمد شاہ دُرّانی کے تیسرے بیٹے تھے۔ اپنے برادر اکبر شاہ زمان کے انتقال کے بعد اُنکے جانشین شاہ محمود کو قید کرکے خود مسند نشین تخت کابل ہوئے مگر انتظام حکومت کا مادہ نہ ہونیکی وجہ سے سرداروں نے شور و شر قایم رکھا اور تمام ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور سرداران افاغنہ کے ہاتھوں ایسے دق اور مجبور ہوئے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں پہلے کشمیر آکر رہے اور پھر لاہور کی سکونت اختیار کی۔ اسی زمانہ میں کوہ نور ہیرا اور دیگر بیش بہا جواہرات مہاراجہ شجاع

موصوف کی نذر کئے انہوں نے مبارک حویلی رہنے کو عنایت کی اور ایک لاکھ سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا تعظیم و تکریم مساوات عمل میں آئی کئی سال بعد انگریزوں سے استمداد کی امید پر انگریزی علاقہ لدھیانہ میں چلے آئے۔ اور چونکہ سرکار کو انکی حمایت منظور تھی اسلئے افواج انگریزی کی ہمراہی میں درہ بولان سے قندہار۔ غزنی۔ کابل فتح کر کے پھر تخت حکومت پر فائز ہوئے مگر سردار اکبر خاں نے چند ہی ماہ بعد ایسی سرکشی اختیار کی کہ بالا حصار میں انہیں قتل کر ڈالا اور انکے خاندان کو دوبارہ جلاوطن ہونا پڑا۔ ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں ہندی شاعری کا بھی چسکا پڑ گیا تھا۔ چنانچہ انکے کلام میں سے چند اشعار منتخب ہو کر درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

اے کہ مست از مے نابی مجھے معلوم نہ تھا — تیری آنکھیں ہیں گلابی مجھے معلوم نہ تھا
انتخنے بر دل من میزنی و میدانم — مائل چنگ و ربابی مجھے معلوم نہ تھا
خواستم بوسہ ز لعل تو گرندی لب خویش — باز در خشم و عتابی مجھے معلوم نہ تھا
شد شجاع از پس اندوہ غم عشق تباں — وا نماد یدہ پر آبی مجھے معلوم نہ تھا

شجاعت

شجاعت ۔ شیخ بہادر علی شجاعت شاگرد ناسخ۔ اپنے استاد کے رنگ میں شعر کہتے تھے تشبیہات اور استعارات کو کام میں زیادہ لاتے تھے ؎

تجلی رخ تاباں پہ میں نے دی ہی جان — لگا دو طور کے پتھر کا قبر پر تعویذ
جس پہ کھودا ہے فرہاد نے شکل شیریں کو — بنے گا سنگ وہی تری قبر پر تعویذ
اک ایک پھول سے ہی ترا رنگ جلوہ گر — ہر گل کو باغ میں ہی تری بو سے ارتباط
جو مری قبر پہ وہ شمع رو جلائے چراغ — تو روح صورت پروانہ ہو فدائے چراغ
یعقوب سے یوسف کو زلیخا نے چھڑایا — جذب دل عاشق سے کھنچے جاتے ہیں معشوق

شرر

شرر ۔ سید علی رضا ساکن بلگرام ضلع ہردوئی ملک اودھ شاگرد خواجہ آتش لکھنوی۔ صاحب دیوان تھے مگر ایام غدر میں غیر مطبوعہ مکمل دیوان تلف ہو گیا۔ ۱۲۹۴ھ میں راہگرائے عالم جاودانی ہوئے متبسکل وہ شعر دستیاب ہو سکے وہ درج ذیل ہیں ؎

فرنح تیغ نگاہ قاتل شکل بسمل پھڑک رہا ہے	لبوں پہ دم ہی کھلی ہیں آنکھیں اجل رسیدہ سسک رہا ہے
فدا تھا آگے میں گل سحر رخ کا اب عشق آنکھوں کو ہی ثمرہ کا	گئی وہ سرسبزی ہوائے گلشن بگریہ کا تار کھٹک رہا ہے

شرر

شرر۔ میر آغا حسن ولد آغا محمد فیض آبادی مقیم لکھنؤ صاحبِ دیوان۔ شاگرد خواجہ حیدر علی آتش۔ شاعر آتش زبان۔ زبان اور بندش میں اپنے اُستاد کی روش پر چلتے ہیں۔ خیالات میں متانت اور سنجیدگی کے جوہر نمایاں ہیں ؎

کچھ بھی مجھے نظر نہیں آتا سوائے دوست	عالم کو دیکھتا ہوں جو وحدت کی آنکھ سے
ظاہر میں جو ذلیل ہے باطن میں ہے عزیز	ادنیٰ کو بھی نہ دیکھ حقارت کی آنکھ سے
جتنی عمارتیں ہیں نظر آئیں مقبرے	اے بے خبر جو دیکھیے عبرت کی آنکھ سے
بھولے سے بھی نظر نہیں کرتے وہ اس لئے	ڈرتے ہیں مبتلائے مصیبت کی آنکھ سے

شرر

شرر۔ میر حافظ مرحوم نبیرۂ حافظ محمد اشرف دہلوی شاعری کا فن ورثہ پایا تھا اور اصلاح کا کمال اپنے اسلاف کی روح سے ہاتھ آیا تھا۔ بسا اوقات شعر گوئی پر مائل اور اصلاح کے متعلق اپنے بزرگوں سے روحانی فیض کے قائل تھے ؎

تم جانتے تو تھے کہ مروت نہیں ذرا	مرتا تمہیں تھا یوں پہ شرر کیا ضرور تھا
یہ بیخودی ہے شرر کو کہ جانتا ہی نہیں	زمیں ہوتی ہے کیسی اور آسماں کیسا
اللہ اللہ ترے ابرو کا اشارہ قاتل	سرِ عشاق گرے بزم میں کٹ کر لاکھوں
اللہ اللہ رے سجدہ کی تمنا مجھکو	اُسکے ہر نقشِ کفِ پا پہ جھکا جاتا ہوں
یہاں تک داغ کھائے میں نے دل پر	کہ سینہ بن گیا رشکِ گلستاں

شرر

شرر۔ مرزا غیاث الدین مرحوم خلف مرزا قمر الدین شیدا نبیرۂ شاہ عالم ثانی ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ غدر سے پہلے کوچہ بلاقی بیگم کے قریب ایک باغیچہ میں رہتے تھے۔ وضعداری میں طاق ملنساری میں شہرۂ آفاق ۵۴ برس کی عمر تھی اور اُستاد ذوق سے تلمذ تھا کہ غدر میں پھانسی مل گئی۔

دعوےٰ ہے محبت میں جنہیں مہر و وفا کا	وہ تجھسے گلہ خاک کریں جور و جفا کا

پہونچائے اگر خاک میری کوچہ میں اُسکے
تجھے دکھا دوں تماشا میں بیوفائی کا
چشم دریائے خوں ہے یا طوفان
دل میں سبھے رکھ لیجے کہ آنکھیں تجھے دیکھیں
ہر جفا کو تری وفا کہئے
شرر ہیں جبہ سا تجانے میں آج
احسان نہ بھولوں میں کبھی بادِ صبا کا
یہ کیا کروں کہ مجھے منہ ہے آشنائی کا
کیا بلا ہے یہ ماجرا نہ کھلا
تو ایک ہی اور شوق ہی کیا کیا نہیں ہمکو
یہ نہ کہئے تو اور کیا کہئے
نظر آتے تھے کل تو با خدا سے

شرر۔ منشی محمد یعقوب علیخاں۔ انکے والد حسن علیخاں نواب احمد علیخاں والئی رامپور کے مصاحبوں میں تھے۔ یہ خود میر احمد علی رسا کے شاگرد اور ۲۹ سنہ میں ۲۴ برس کے تھے اور رامپور میں موجود تھے۔

عاشق کی بعدِ مرگ بھی مٹی خراب ہی
نہ آؤ مگر کہہ تو دو آئیں گے
پروانہ کو نصیب نہ گور و کفن ہوا
اسی دہیان میں کٹ جائیگی رات

شرر۔ صاحبزادہ محمد شیر علیخاں صاحب شرر۔ عزیز والئی ٹونک پہلے سید اصغر علی آبرو سے تلمذ تھا پھر منشی سلیمان خاں اسد سے استفادہ کیا۔ ۶-۵ ۴ سال کی عمر ہے۔ ناظم علاقہ سرونج متعلق ریاست ٹونک بڑے خوشرو۔ وجیہ نوجوان ہیں طبیعت رسا اور فکر صائب ہے۔ ذی علم اور منکسر مزاج ہیں۔ یہ انکا کلام ہے ؎

یہ صہبائے جوانی ہے۔ نرالا ہے سرور اسکا
شرر تم حال دل اپنا عبث ہمسے چھپاتے ہو
مجھ سے چھپا ل سطرح سے گویا کہ زبان مجھ میں نہیں
آج پھانسیگا کسی بلبل شیدا کو ضرور
بدگمانی مری دنیا سے نرالی ہے شرر
کہ ایسے بے پئے مستِ مے ناز و ادا تم ہو
تمہاری طرز کہتی ہے کسی پر مبتلا تم ہو
بت مجھ کو کسکی خموشی نے بنا رکھا ہے
دام صیاد نے پھولوں میں بنا رکھا ہے
حال اپنا دل مضطر سے چھپا رکھا ہے

شرر۔ محمد ارتضیٰ علی صاحب کاکوروی نائب تحصیلدار شاہ آباد ضلع ہردوئی۔ شاگرد فصیح الملک حضرت داغ دہلوی آپ قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی میں

اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۸۸۳ء میں فیض آباد کالجیٹ اسکول سے انٹرینس پاس کیا اور وہیں کتاب ارمغان اودھ تصنیف فرمائی تعلیم حاصل کرنیکے بعد آپ سرکاری ملازمت میں داخل ہوگئے۔ عرصہ تک اضلاع اودھ میں نائب تحصیلداری کرتے رہے پھر ملیح آباد، شاہ آباد، مقامات پر تحصیلداری کے فرائض ادا کئے صیغۂ آبکاری میں بھی کچھ دن رہے۔ سہارنپور، میرٹھ، مرادآباد وغیرہ مقامات میں بھی برسرکار رہ چکے ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں جب آپنے اُستاد کو اصلاح کے واسطے کلام بھیجا تو انہوں نے رنگ طبیعت کو دیکھکر شررؔ تخلص قرار دیا۔ آپکی تصنیفات و تالیفات میں سے مضامین ایڈیشن، مثنوی ارمغان احباب، ارمغان اودھ، شام شملہ، صبح وصل، سیر ہمالیہ، یادگار شررؔ نظمیں شایع ہوچکی ہیں۔ نیچرل نظموں کے کہنے میں خاصے مشاق تھے۔ رفتار زمانہ سے بخوبی واقف تھے شعرائے انگلستان کے خیالات کو اُردو زبان میں ادا کرنیکی قابلیت رکھتے تھے اور یادگار شررؔ سے آپکے حسنِ لیاقت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

ہندوستان میں نیچرل شاعروں کا خاصہ مجمع ہے اور ملک میں ایسے باکمال پیدا ہوتے جاتے ہیں جو شعر کو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں اور اُسکی سادگی کو زندہ جاوید مانتے ہیں مگر شررؔ نے تھوڑی سی عمر میں جو زبان اور ملک کی خدمت فرمائی وہ ایسی نہیں جو ادبی دنیا کے دل سے فراموش ہو جائے۔ اصلی نیچرل شاعر وہی ہوسکتا ہے جو پہلے ایشیائی شاعری میں اچھا ملکہ پیدا کرے اور اُسکے بعد ادھر توجہ کرے جو لوگ قدیم شاعری سے متنفر ہوکر جدید خیالات کی جولانگاہ میں قدم رکھنا چاہتے ہیں اُنکی بندشیں بھونڈی ہوتی ہیں خود ساختہ الفاظ کے ذریعہ سے نظم کو بدمزہ اور پھیکا بنا دیتے ہیں۔ شررؔ نیچرل نظموں میں بھی واقعے کے ادائے بیان کا لحاظ رکھتے تھے۔ وہ قدرت کی خوبصورتی اور انسان کے اندرونی جذبات کے ادا کرنے میں نہ استعارات کی خار زار جھاڑیوں میں اپنے دامن کو پھنساتے تھے اور نہ عامیانہ تشبیہات کی جانب رُخ کرتے تھے اور نہ الجھی ہوئی ترکیبوں کو استعمال کرتے تھے۔ بلکہ اُنکی سادہ بیانی میں اثر کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ غزل قصیدہ نظم جو کچھ کہتے۔ اسمیں دور از کار مبالغہ اور شوکتِ الفاظ کے بجائے نیچر کے حقیقی مرقع کو پیشِ نگاہ رکھتے

اسکی نظم باسی ہار کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور اُنکے اکثر اشعار زبان زد خاص و عام ہیں اسکی غزل کا شعر یہ ہے ؎

وہ ہوجانا دلوں کا نیم بسمل	وہ اٹھ جانا نگاہِ شرمگیں کا

نگاہِ شرمگیں کا اُٹھنا۔ دل کا نیم بسمل اور بیقرار ہوجانا معمولی بات ہے اور اس مضمون پر مختلف شعرا اپنے کرشمۂ خیال کی طاقت دکھا چکے ہیں۔ الفاظ بھی عامیانہ ہیں مگر "وہ" کے اشارے نے شعر میں جان ڈالدی ہے اور ایک سیدھی سی ادائے معشوقانہ کو گرمیٔ ہنگامہ بنا دیا ہے۔ لفظ (وہ) گذشتہ نظر بازیوں کی یاد کو دلوں میں تازہ کر دیتا ہے اور سامع پر عجب کیفیت طاری ہوجاتی ہے اسی طرح شرر کے اکثر اشعار میں بھی میٹھی چھریاں موجود ہیں جو دلوں کے زخموں کو چھیڑتی رہتی ہیں۔ انہوں نے عین عالم شباب میں اپنی موت کی چنگاری سے دوستوں کا دل جلایا مگر منشی مظفر حسین خاں شاہ آبادی نے انکے اوراق پریشاں کو جمع کر کے سوختہ دلوں کے لئے مرہم کا کام کیا۔ انتخاب یہ ہے

عجب تھا حال شب کو اُس حسیں کا	اُڑا تھا رنگ روئے آتشیں کا
غبارِ خاک عاشق ہو نہ برباد	بنے پردہ کسی محمل نشیں کا
جگر میں ہے جلن تو دل میں سوزش	اثر ہے ہمنشیں پر ہمنشیں کا
شرر کو کھو دیا دونوں جہاں سے	نہ رکھا ہائے دل تونے کہیں کا
جو رنج دیتے ہیں اللہ انکو خوش رکھے	ہم اپنے منہ سے کیوں کریں بُرائی کیا
نہیں آتا یقیں وعدوں کا مجھکو	ملا ہے رنگ کچھ ہاں میں نہیں کا
چلے بدنام ہونے حضرتِ دل	ہوا دیکھو ارادہ پھر وہیں کا
بُرا کون کہتا ہے تجھکو محبت	مگر تیرا انجام اچھا نہ دیکھا
ستم کر گئیں تیری نیچی نگاہیں	کہ دیکھا تو اس طرح گویا نہ دیکھا
سنا مر گئے اُن پہ اغیار لاکھوں	نکلتے جنازہ کسی کا نہ دیکھا
یہ کیا موقعہ ہے آنیکا ہم آغوشی ہے خلوت ہے	کہو شرم و حیا سے جائیں پردہ ہو نہیں سکتا

یہ حضرت شرر ہیں زمانے کے چالئے
پس فنا ہوئے یوں لطف وصل کے حامل
یاد پھر اگلی محبت کی ہے جہاں دل میں
یاد بھی اپنی خدا کے لئے لیتے جاؤ
میرے مرنے سے ہوا حسن تمہارا مشہور
ہو بات نئی تیرے ہر انداز و ادا میں
کہتے ہیں وہ آنچل کو اُڑا دیتی ہے کمبخت
کچھ شغل جو باقی ہے شرر شغل یہی ہے

آخر لگا ہی لائے اُسے اپنی راہ پر
مزار ہم سے لپٹتا رہا مزار سے ہم
ہر طرف آج قیامت کے ہیں سامان ولیں
کہ بہت صبر و تحمل ہیں پریشاں دل میں
پھر بھی ہوتی نہیں شرمندۂ احساں دل میں
شوخی بھی مچلتی رہے آغوشِ حیا میں
ہے بات بڑے عیب کی یہ بادِ صبا میں
پی تھوڑی سی اور بیٹھ رہے یادِ خدا میں

شیخ جی میکدے سے نکلے ہیں
فریاد میں اثر دلِ خانہ خراب ہو
چہرہ کا سرخ رنگ عجب دلفریب تھا
نہیں معلوم کسکی یاد ولیں اک نزاکت سی
ابھی تک انتظارِ یار باقی ہے لے شاید
نہ گھبرا دلِ زار! غم کرتے کرتے
نہ آیا ہمیں ہوش اللہ ری غفلت
شرر چلئے دیکھو بتوں کا تماشا
تیرے نقشِ قدم بھی کہتے ہیں
پھرے جاتے ہیں کیوں گھر تک آ کر
الٰہی آج دعائیں قبول ہو جائیں
ہم رندِ خرابات ابھی دامنِ تر کو
کہتے ہیں رو کے نعش پہ تنہا ہو خواب میں

کچھ بغل میں دبائے جاتے ہیں
وہ خود دعا کریں کہ شرر کامیاب ہو
اللہ پھر کسی پہ تمہارا عتاب ہو
کلیجہ ٹل رہی ہے بار بار آہستہ آہستہ
نکلتی ہے لبوں سے جانِ زار آہستہ آہستہ
وہ اب تھک گئے ہیں ستم کرتے کرتے
تھکے وہ دعاؤں کو دم کرتے کرتے
ہوئی دیر سیرِ حرم کرتے کرتے
ہم ہیں چلتے ہوئے زمانے کے
ستم کرتے ہیں وہ کرم کرتے کرتے
مچل رہی ہیں بڑی دیر سے اثر کیلئے
جاتے ہیں سکھلائیں گے جنت کی ہوا ہم
ہم بھی تمہارے دل سے فراموش ہو گئے

اچھا نہیں ہے ذکر مے و جام بوذ کا — واعظ کو دیکھئے کہ وہ مینوش ہو گئے
آج اُن کو منا کے چھوڑیں گے — گدگدا کے ہنسا کے چھوڑیں گے
بزم رنداں میں آئی کیوں تشریف — شیخ تجھکو پلا کے چھوڑیں گے
چار ہونگی نہ وصل میں آنکھیں — آپ پردے حیا کے چھوڑیں گے

نظم

آج جب دم صبح کو مرغ سحر نے دی صدا — آنکھ میری کھل گئی میں اپنے بستر سے اٹھا
تھا سہانا وقت چلتی تھی نسیم مشکبو — اور ہی کچھ اُس گھڑی تھی باغ عالم کی ہوا
از سر نو پڑ گئی تھی عالم فانی میں جان — پھر صدائیں آ رہی تھیں شب کو سناٹا نہ تھا
نیند پوری ہو چکی تھی جمع تھے ہوش و حواس — ہاتھ منہ دھو کر برائے سیر میں گھر سے چلا
تھے ابھی تک میری دنیں خواب شیریں کے خیال — کر رہا تھا غور اُن پر تھا عجب اُنکا مزا
جا رہا تھا میں اسی حالت میں پہونچا اک جگہ — بام کے نیچے جہاں سے آ رہی تھی یہ صدا
تھی عجب آواز دلکش اٹھ گئی میری نظر — اپنے دل کو تھام کر میں غور سے سننے لگا
ہار کچھ باسی پڑے تھے اک طرف دیوار پر — با زبان حال می کردند ایں مطلب ادا
دیدۂ عبرت سے دیکھیں سب ہمارا حال زار — پہلے کیا تھے ہم ہماری قدر کیا تھی اب ہیں کیا
باغباں کی کوششوں سے اور امیدوں کیساتھ — پہلے کلیوں سے ہوئی شاخوں میں اپنی ابتدا
پیارے پیارے خوبصورت خوشنما غنچہ تھے ہم — تھا گماں ہر ایک کو ہم پر دہان یار کا
سادگی کے ساتھ سبزی اور سفیدی ہم میں تھی — سبزہ فامی نور آنکھوں کی صباحت دلربا
تھی قیامت سادگی سو شوخیاں جن پر نثار — تھی کلی یا سیم تن دوشیزہ نا کتخدا
تازگی اسکی چمک گلگونہ روئے شباب — دیکھنے والوں کے دل سے پوچھئے اسکا مزا
موسم گل کے سبب سے تھا نمو ہر چیز میں — اس لئے لحظہ بہ لحظہ اپنا قد بڑھتا گیا
دست گلچیں خود بخود جنبش میں آئے دیکھکر — یہ ہماری جوشش نمائی نے اثر پیدا کیا
مالیوں نے قدردانوں کے لئے توڑا ہمیں — اپنی شاخوں سے جدا ہونا نہایت شاق تھا

خشک ہو جاتے اگر ہوتا نہ کوئی قدر داں
رشتۂ الفت میں ہم سب اک جگہ گوندھے گئے
حسن و خوبی خوشنما ترتیب جب آئی نظر
کھل کھلا کر ہنس پڑیں کلیاں مہک پیدا ہوئی
جن کا غنچہ نام تھا اب انکو گل کہنے لگے
خوشنما پہلے سے تھی پر باس اب پیدا ہوئی
ہو چکے تھے حسن انسانی سے واقف باغ میں
تھا حسینوں تک پہونچنے کا نہایت اشتیاق
مول ہمکو لے لیا اک نوجواں نے دیکھکر
تھا ضرورت سے زیادہ شاد یہ رنگیں مزاج
تھا عیاں اسکی نگاہوں سے بلا کا اشتیاق
خانۂ دل محشر صد حسرت و صد آرزو
تھا وہ نوشہ پہلی شب کا گھر میں آئی تھی دلہن
ہر طرف جوش مسرت ہر جگہ جوش طرب
وہ شب مہتاب وہ تاروں کی کم کم روشنی
بام تھا خلوت کدہ حسرت نکلنے کی جگہ
جتنی چیزیں تھیں وہاں سب باوضع صاف صاف
ایک ہلکی سی مسہری اسپر اک زہرہ جبیں
تھا عرق اسکی جبیں پر شرم سے آنکھیں تھیں بند
اس پسینہ سے کھلا تھا اور بھی رنگ شباب
اُف وہ اسکا حسن اسکی کم سنی اسکا شباب

خیر قصہ مختصر اس نے ہمیں یکجا کیا
لطف یکجائی جو پہلے تھا وہی حاصل رہا
بہت سے لینے کو بڑھی کس شوق سے باد صبا
کھل کے ہر غنچہ دہان یار کی صورت کھلا
ہو گئے وہ تھوڑی ہی مدت میں دیکھو کیا سے کیا
ہو گئے وہ تھوڑی ہی مدت میں دیکھو کیا سے کیا
ہم میں سے نرگس نے دیکھا ہم سے سوسن نے کہا
خوبی تقدیر سے آخر ہمیں موقعہ ملا
عشق اور جوش جنوں جسکے گلے کا ہار تھا
کھو رہا تھا صاف ہنسا بے سبب سرکار کا
سامنے کیا پیاری امیدوں کا تھا نقشہ کھنچا
حسرتوں کے مضطرب ہونے سے وہ بیچین تھا
وہ عروس مہ لقا تھا حسن خود جس پر فدا
اہتمام جشن ہر سو اور چرچا عیش کا
ہو نہیں سکتی زباں سے اسکی کیفیت ادا
تھی دلہن اسپر عروس مہ جبیں خود نام تھا
واہ کیسا صاف فرش پرتو مہتاب تھا
سرو قامت سیمتن گل پیرہن نازک ادا
شوخیوں سے بھی زیادہ دلربا طرز حیا
ایک تو کندن بھر اس کندن پہ یہ تازہ جلا
دل مسلنے کے لئے جوبن وہ گدرایا ہوا

راستی قامت کی اعضا کا تناسب بے بدل
سرگیں آنکھیں لب رنگیں و نازک دست و پا

قہر تھی اس حسن پر وہ شرم اسکی خامشی
سحر تھی نیرنگ تھی افسوں تھی اسکی ہر ادا

اس ہی کو دیکھکر ہر ایک شے بیتاب تھی
لوٹنا بیجا نہ تھا کچھ پرتو مہتاب کا

جی میں آتا تھا کہ خود اڑ کر گلے میں جا پڑیں
لٹتے ہیں وہ نوجواں جو ہم کو لایا تھا اٹھا

پہلے دیکھا روئے گلگوں کیطرف پھر شوق سے
لے لئے دو چار بوسے اور ہمیں پہنا دیا

سب سے پہلے ہم ہوئے اُس گلبدن سے ہمکنار
سب سے پہلے ہم نے لوٹا اسکے جوبن کا مزا

لگ گئی بوئے عروسی سے ہماری بھی مہک
منتشر خوشبو ہوئی فردوس کا در کھل گیا

زینتِ آغوش تھے ہم اور سینہ کی بہار
رنگ تھا اپنا کہ سونے پہ سہاگا ہو گیا

ہمکناری کی کشاکش نے کیا کیا کیا ستم
دلگی پس پس کے ہم پر اور نہ کچھ منہ سے کہا

بھول جائے لاکھ کوئی یاد ہوگا ماہ کو
کیا ہوا برتاؤ ہم سے اور ہم نے کیا کیا

رات بھر ہم سے اٹھایا لطف جب آئی سحر
اور ہمیں سے ہر اک گلا گیا مل دل گیا

توڑ کر پھینکا ذرا پروا نہ کی اس بات کی
یہ گلے کا ہار تھا اسکو جدا ہم نے کیا

وہ تو کہئے خادمہ نے قدر دانی اتنی کی
اپنے جوڑے سے لپیٹا یہ کرم ہم پر کیا

الغرض خوشبو رہی جبتک ہماری قدر تھی
ہم ہیں یا دیوار ہے کوئی نہیں اب پوچھتا

ہائے دیکھے تھوڑی سی مدت میں کیا کیا انقلاب
رنگ ہی تغیر ہے اس عالم ایجاد کا

گر پڑینگے خاک پر مل جائینگے ہم خاک میں
ہونے والا ہے یہی اک دن نتیجہ عشق کا

شرر

شرر۔ نواب حاجی سید سلطان علیخاں خلف نواب سید قاسم علیخانصاحب لکھنوی۔ آپ ذی علم اور عالی خاندان تھے۔ سرکار انگلشیہ کیطرف سے کچھ وثیقہ مقرر تھا۔ ذکی الطبع۔ روشن خیال ہونیکے سوا منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ فن شاعری میں دستگاہ کامل تھی۔ زبان کی لطافت اور بندش کا حسن دونوں مل کر کلام میں سئے دو آتشہ کا لطف دیتے ہیں۔ ٹکسالی محاورات باندھتے

تھے۔ آپ حضرت جلال لکھنوی کے عزیز شاگرد تھے۔ باوجود گوشہ نشینی انکے مشاعروں میں حضرت جلال خود شریک ہوا کرتے تھے۔ کچھ دن ہوئے کہ انتقال ہوگیا پچاس یا ۵۵ برس کی عمر پائی۔ کلام یہ ہے ؎

پھر خیالِ ستم او بانی بیداد آیا
کچھ تو باعث ہے کہ میں آج تجھے یاد آیا

نصیب ہوگا نہ دیدارِ گل بھی بلبل کو
لیا اجارہ جو گلچیں نے اب کے گلشن کا

غصہ بھی عنایت بھی لگاوٹ بھی ادا بھی
دل لینے میں تمسا کوئی اُستاد نہ ہوگا

پسِ فنا بھی نہ کچھ سوزِ عشق کام آیا
چراغ اس سے ہماری لحد کا جل نہ سکا

رنگ لائی ہے مری مہر و وفا میرے بعد
ترک ظالم نے کئے جور و جفا میرے بعد

ذرا پیکاں سے کہدے اپنے قاتل
رہے دل میں ہمارے گھر سمجھکر

مذمت مے کی آگے میکشوں کے
ذرا واعظ سرِ منبر سمجھکر

جھکا پڑتا ہے ساقی دل ہمارا
نشیلی آنکھ کو ساغر سمجھکر

سر پھرا جاتا ہے سن سن کے نصیحت تیری
مجھکو سمجھائیگا اے ناصحِ ناداں کب تک

قفس کے چاک شاید خوابِ صیاد کرتے ہیں
کہ مرغانِ قفس جی کھول کر فریاد کرتے ہیں

نہ آئی کوئی ہچکی بھی کبھی صحرائے غربت میں
ہمارے ہم وطن دیکھیں ہمیں کب یاد کرتے ہیں

دلِ بیتاب سے میرے یہ کہتے ہیں شبِ فرقت
ٹھہر تدبیر تیری ہم بھی اے ناشاد کرتے ہیں

نہ خلوت میں مقام انکا نہ وہ محفل میں رہتے ہیں
خدا جانے کہاں رہتے ہیں کس کے دل میں رہتے ہیں

کبھی چہرہ سے ہو جاتے ہیں ظاہر گاہ آنکھوں سے
نہاں رازِ محبت کب کسی کے دل میں رہتے ہیں

اُلجھائینگے تجھے ابھی دستِ جنوں بہت
باقی جو چند تار مرے پیرہن کے ہیں

آتی نہیں ہے نیند شبِ ہجر یار میں
آنکھوں کو کیا یہ روگ لگا انتظار میں

کرے جو سینہ کے اندر جگر کے سو ٹکڑے
سوائے تیغِ ادا یہ کسی کا کام نہیں

دیتے ہو کس کو تسلی سینہ پر تم رکھ کے ہاتھ
آنسوؤں میں خون ہو کر بہ گیا اب دل کہاں

یہ کھو کے اور مرا دل دکھائے دیتے ہیں
کسی سے دل نہ لگانا جتائے دیتے ہیں

ادھر تیر آپ نے جوڑا کماں میں
ادھر تھا مرغِ جاں صیدِ آشیاں میں

کچھ اس ادا سے گلے پر چلا ہے بسمل کے
دعائیں زخمِ جگر دے رہا ہے خنجر کو

دیکھئے اپنے تماشائی کی حیرت اک نظر
دیکھوں تو پھر دیکھتے ہیں آپ کیونکر آئینہ

شیشہ ساقی کی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے
نازِ معشوقانہ میں ہر اک ادا مستانہ ہے

بعد میرے بزمِ مے نوشاں میں اُڑتی ہوگی خاک
مجھ خراباتی کے دم سے رونقِ میخانہ ہے

کہتی ہے ہمت بٹھا دیتی ہے جب منزل میں پا
دو قدم بس اور باقی یار کا کاشانہ ہے

نہ مٹانے سے مٹا بخت کا لکھا اپنے
آستاں پر ترے کی لاکھ جبیں سائی بھی

آنکھ اٹھاکر ترے بیمار نے دیکھا نہ کبھی
حور بنکر سرِ بالیں جو قضا آئی بھی

تیرے پیکاں نے کیے سینہ میں رہ کر دو کام
کاہشِ جان بھی ہوا دل کی توانائی بھی

کیا گلہ ناز و ادا سے جو کیا قتل اُسنے
لبِ جاں بخش میں ہے اُسکے مسیحائی بھی

اُف ری بیدردی عجب اندازِ معشوقانہ ہے
دردِ دل کہتا ہوں میں تم کہتے ہو فسانہ ہے

لگاؤ تیر اک ایسا نہ جائے جس کی خلش
کوئی تو دل کے بہلنے کا مشغلہ ہو جائے

فرقت میں تیری تڑپے نہ نالہ کرے کوئی
اچھا تو ہی بتا دے کہ پھر کیا کرے کوئی

جب خوں بہا طلب دلِ خوں گشتہ کا کیا
بولا کہ جاکے حشر میں دعوے کرے کوئی

دعوے یہ کیوں کرے کہ مسیحائی وقت ہوں
بیمارِ عشق کو جو نہ اچھا کرے کوئی

نہ لائی کچھ خبر اُس بے خبر کی
بڑی غفلت ہے آہِ بے اثر کی

حضرتِ دل نذرِ دلبر ہو چکے
ہاتھ اپنی جان سے ہم دھو چکے

شرر

شرر۔ صاحبزادہ وجیہ الدین خاں مرحوم۔ از خاندان نواب جاورہ۔ جوان شگفتہ طبع نازک خیال شاعر تھے۔ حسنِ ظاہری کے سوا خلیق بھی تھے۔ فنِ شعر میں حضرتِ داغ دہلوی سے تلمذ تھا۔ افسوس ہے کہ عین عالمِ شباب میں انتقال کیا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

جان ہے بیدلی والوں کی خدا رکھے اسے	داغ کے دم سے ہے اب شہرہ جہاں آباد کا
سخت جاں ہوں یہ تقاضا ہے مری فریاد کا	حلق پر رکتا ہوا خنجر چلے جلاد کا
میرے نالہ پہ ہنس رہے ہو کیا	کہیں یہ کار گر نہ ہو جائے
میں نے ناحق وفا کا نام لیا	اب کوئی میرے سر نہ ہو جائے

شرر

شورِ سخن سنج صاحب ہنر مولوی علی بخش خاں صاحب شرر ولد سلطان بخش مرحوم۔ مولوی اکرام محشر بدایونی مصنف تاریخ روضۃ الصفا آپکے اجداد میں تھے۔ آپنے اپنی ذکاوت۔ قدرتی ذہانت کی وجہ سے سرکاری ملازمت میں عہدۂ صدر اعلیٰ حاصل کیا۔ پھر پنشنر ہو گئے۔ کچھ دنوں علم جفر۔ رمل نجوم۔ وغیرہ سے بھی شوق رہا۔ پھر اس شغل کو شرع اسلامیہ کے مطابق ناجایز سمجھکر چھوڑ دیا۔ سر سید احمد خاں مرحوم سے دینی عقائد میں اختلاف تھا۔ انکی رد میں بھی کئی کتابیں لکھی ہیں جو اہل مناظرہ اور صاحبان مباحثہ میں مشہور ہیں۔ ایک عاشقانہ دیوان مطبع اسعد الاخبار آگرہ میں شایع ہوا تھا۔ مگر اسکے بعد عشقیہ شعر گوئی سے متنفر ہو گئے دنیاوی جاہ و منزلت۔ ثروت کے لحاظ سے آپ اپنے خاندان میں متعدد اور اپنے قصبہ کے اُن اشخاص میں سے تھے جنہوں نے ذاتی ہمت و قابلیت سے عزت اور ناموری حاصل کی ہو۔ ۱۸۸۱ء کے قریب انتقال ہوا۔ متقدمین شعرا کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ مگر کلام لطف سے خالی ہوتا تھا۔ زبان میں صفائی اور سادگی تھی۔ لیکن طبیعت بلند۔ فکر رسا تھی۔ مولوی یعقوب بخش راغب آپکی قابل یادگار ہیں۔ انہوں نے جو کلام روانہ کیا ہے۔ اسکا انتخاب درج ہے

جلوہ ہے لب بام جو اُس رشک پری کا	خورشید یہ عالم ہے چراغ سحری کا
غم کھانے سے دل سیر ہمارا نہیں ہوتا	تھوڑی سی غذا سے تو گذارا نہیں ہوتا
ہم اور قلیوں کی شب و روز خوشامد	کیا کیا تری خاطر سے گوارا نہیں ہوتا
ہے فکر کہ پھر مشقِ جفا کس پہ کرینگے	مرنا بھی مرا اُن کو گوارا نہیں ہوتا
لطافت اُسکے بدن میں ہے آئینہ سی پیوا	کہ دل کا راز بھی ہے وہ ہر سے عیاں ہوتا

پیر مغاں نے مجھکو پلائے ہیں خم کے خم
مرشد نے ظرف دیکھ لیا ہے مرید کا

حقیقت کھل گئی جب تو دی چٹکی میں ہوا خالی
ہمارا زخم دل ہنسنے لگا ظرف نمکداں پر

لینے پائے تھے زباں سے نہ ترا نام تمام
لب تک آنے بھی نہ پایا کہ ہوا کام تمام

نامہ بر جا نہ سکا ختم نہ تقریر ہوئی
عمر گذری نہ ہوا وصل کا پیغام تمام

عجب نہیں ہے جو عزت پہ انکی حرف آئے
نہ پوچھو ہم سے جہاں ہم شرر کو دیکھتے ہیں

تمہاری انکھڑیاں جھپکیں نہ کیونکر پاس عارض کے
قریب صبح اکثر مردم بیمار سوتے ہیں

خفا ہیں آدمی بھی انکے جب جاتا ہوں کہتے ہیں
چلو رخصت ابھی فرصت نہیں سرکار سوتے ہیں

تہ ابرو جو دنبالہ ہے انکی چشم کیفی میں
حرم میں پانوں پھیلائے ہوئے میخوار سوتے ہیں

کیا ہے خواب و بیداری میں وعدہ کس نے آنے کا
کہ سو سو بار ہم اٹھتے ہیں سو سو بار سوتے ہیں

شرر بد مست ہوں منکر نکیر آئے ہیں مرقد میں
وہ اپنا مغز خالی کرتے ہیں اور یار سوتے ہیں

قیامت آئے جو مسجد میں وہ قیام کریں
نماز پڑھ لے جو زاہد تو ہم سلام کریں

اگرچہ وعدہ کیا زلف و رخ دکھانے کا
مگر یہ دیکھئے کب تک وہ صبح و شام کریں

غضب ہے ہم تو جلیں شمع ساں گھڑی چپکی
رقیب آپکی محفل کا انتظام کریں

میکدہ میں بن کے بیٹھا ہے شرر پیر مغاں
جائے مسجد میں ابھی تو پارسا معلوم ہو

مہرباں یار رہے کام کسی سے کیا ہے
اے حضرت شرر ناصح کو خفا ہونے دو

ضعف سے پانوؤں پہ سر آیا ہے آہ
ہو گئے نالوں سے ہم اپنے تباہ

پھر چھپے آنکھوں سے وہ رخ اور زلف
دیکھنا ہے مجھکو یہ روز سیاہ

گرد ان آنکھوں کے جو ہیں وہ مژہ
آئی ہے کعبہ کو بھی گھیرے سیاہ

میکدہ کو جو کوئی جائے شرر
شیخ سے مستی میں وہ پوچھے ہے راہ

لیا تھا بوسہ کبھی اسکی مست آنکھوں کا
تمام عمر اسی کار ہا سرور مجھے

خیال خال سے آنکھوں میں روشنی آئی
ہوا ہے یار کا تل پتلیوں کا نور مجھے

غیر ممکن ہے کہ اُس بت سے جدائی ہوجائے ۔ اسمیں گو ہم سے خفا ساری خدائی ہوجائے

اُلجھ پڑتے ہیں جو زاہد شراب خواروں سے ۔ ہوئی ہے کیا حرکت ان بزرگواروں سے

ہوتے ہیں ناحق وہ خفا دیکھئے ۔ دیکھا ہے کب ہم نے بھلا دیکھئے

ساقی تو بھر دے میرے پیالے کو بنگ سے ۔ گہری چھنے گی آج کسی سبزہ رنگ سے

ہمارے دل میں رہے داغِ آتشیں بھی ضرور ۔ چراغ چاہئے اک خانۂ خدا کے لئے

ہے غضب غیر نہیں میرے دلِ سوزاں پر ۔ گھر کسی کا جلے اور دیکھے تماشا کوئی

شرر۔ منشی محمد ایوب شرر دہلوی تلمیذ راسخ دہلوی زبان میں شیرینی اور کلام میں شوخی و رنگینی ہے۔ چند اشعار انکے درج ذیل ہیں ؎ شرر

لے عدو کوچۂ قاتل میں اگر جائے گا ۔ کانپ اٹھیگا دل جائے گا مر جائے گا

چھپایا میری نظروں نے کسی کے روئے روشن کو ۔ الہی آتشِ حسنِ تباں لگجائے چلمن کو

ہمارے دل میں کیا ممکن خیالِ غیر آجائے ۔ غضب ہے انجمن میں آپکی ہو دخل دشمن کو

جب چرخ نے چھینکا سنبھالا یار نے ۔ صدقے ایسی گردشِ ایام کے

کٹیں گے کسطرح پر زیست کے دن سخت مشکل ہے ۔ نہ تیری تیغ ملتی ہے نہ تو بسمل سے ملتا ہے

یہ ہوس ہے یہ تمنا ہے یہ ارماں ہے مجھے ۔ مری تربت ترے قدموں تری ٹھوکر میں رہے

تم سے تو وضعدار تمہارا خیال ہے ۔ اس بیکسی میں ساتھ نہ چھوڑا کمال ہے

ابھی آئے ہو ذرا ٹھہرو چلے بھی جانا ۔ ہر گھڑی تم کو تو جانے کی پڑی رہتی ہے

شرر۔ جناب منشی عزیز احمد خانصاحب عرف پھول خاں صاحب شرر خلف منشی گلاب خانصاحب متوطن ریاست چرکھاری ملک بندیل کھنڈ۔ پہلے احقر تخلص تھا اب کچھ عرصہ سے شرر ہی۔ ریاست چرکھاری کے شعرا میں پرگو اور مشاق سمجھے جاتے ہیں۔ غزل پڑھنے کا انداز نہایت دلکش ہے۔ مولانا سید نذیر حسن فتنہ سے تلمذ ہے۔ کلام میں سلاست و متانت کیساتھ زبان بھی موجود ہے۔ تعقیدات اور حشو سے اجتناب کرتے ہیں۔ منتخب کلام شرر

صاف اور اچھا ہوتا ہے۔ بارہ پندرہ برس سے شعر کہتے ہیں۔ فی الحال ریکارڈ آفس جبل پور میں کلرک ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

ہوگیا ہے اُس پری پیکر سے یارانہ مرا / دل کا دیوانہ ہوں میں اور دل ہے دیوانہ مرا
مجھ سا محرومِ ازل ہوگا نہ کوئی دردمند / مدتوں روئے فلک سن لے جو افسانہ مرا
شمع ساں جلتا ہے داغِ ہجرِ جاناں کا چراغ / اس سیہ بختی میں بھی روشن ہے کاشانہ مرا
عشق میں خانہ خرابی گر یوں ہی بڑھتی گئی / قیس و لیلیٰ سے بھی بڑھ جائیگا افسانہ مرا
لینا ہے گر تو لے بھی لے باغِ سخن کے پھول / گلچیں کو پھر ملیں گے نہ میرے چمن کے پھول
اِک گلبدن کے عشق میں مرکر بھی ہے بہار / اوپر کفن کے ہار ہیں اندر کفن کے پھول
صحنِ چمن میں پڑھتی جو ہیں بلبلیں درود / ہیں آج کس شہیدِ غریب الوطن کے پھول
زخمِ جگر رہے ہیں ہمیشہ ہرے بھرے / کملائے آج تک نہ ہمارے چمن کے پھول
بتوں کی بیوفائی نے یہاں تک پاؤں پھیلائے / نہیں ثابت قدم رکھا کسی کے عہد و پیماں کو
نکلی دشت میں جب دم مجھے وحشت میری / پاؤں پڑنے لگی زنجیر کے قسمت میری
اُس نے جب پیار سے چھیڑا ہی عدو کو سرِ بزم / پھوٹ کر روئی ہے ناکامیٔ قسمت میری
جب کہیں ساغر لیا ہاتھوں سے گر کر چور تھا / ہر جگہ نادم کیا پھوٹی ہوئی تقدیر نے
زندگی و مرگ اب احقر اسی کے ہاتھ ہے / کوئے قاتل تک تو لو پہنچا دیا تقدیر نے

شرر

شرر۔ جناب منشی عبدالکریم صاحب پھولپوری الہ آبادی شاگرد جناب امیر مینائی صاف اور سیدھا شعر کہتے ہیں۔ بناوٹ اور تصنع کا نام نہیں۔ اچھی طبیعت ہے ؎

تو حسن میں خوبی میں کہیں اُس سے سوا ہے / دیکھا ہے تجھے حضرتِ یوسف کو سنا ہے
اس ابر میں پرہیز تجھے مے سے ہے زاہد / پی لے ارے کمبخت کہ ایسے میں روا ہے
کچھ دوست سے امید نہ اندیشۂ دشمن / ہوگا وہی جو کچھ مری قسمت میں لکھا ہے

شرر

شرر۔ جناب منشی سید عبدالعلیم صاحب ۱۸۷۶ء میں شہر ترچناپلی احاطہ مدراس میں پیدا

ہوئے آجکل چکل گوڑا سکندر آباد میں رہتے ہیں۔ آپکے والد بزرگوار ۲۰ رجمنٹ مدرسہ میں مدرس تھے۔ ۲۰ برس کی عمر میں شعر گوئی کی جانب راغب ہوئے۔ ابتدا میں مولانا تسنیم مدراسی کو اپنا کلام دکھایا پھر ترکی صاحب کی وساطت سے حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے اور اب انکے ارشد تلامذہ سید نادر علی برتر کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ غزلیات کا انتخاب یہ ہے ؎

آئینہ کی طرح صورت آشنا ہی کہیں
ہر دل صافی میں جلوہ ہے جمال یار کا

یہ بدگمانی الفت بھی کیا بری شئے ہے
جو بے حجاب ہوئے تم مجھے حجاب ہوا

کرم سے ہو کسی بدنصیب کو کیا فیض
شرر نہ آب سے پر کاسۂ حباب ہوا

اللہ ری شوخی جوانی
چلتا نہیں زور کچھ حیا کا

شوخی نے کیا جو انکو بے باک
منہ تکنے لگی حیا خفا کا

وہ کوسنے دے گئے مجھے بے ڈھلے
اب ہوگا اثر تری دعا کا

صیاد کیوں خفا ہے ابھی سے ہزار پر
نکلے قفس میں ہیں ابھی دو تین چار پر

وہ مست ناز مست نشۂ حسن و جوانی ہو
نظر آتی نہیں توبہ کی خیر پینے والوں میں

یہ کس بے رحم کی قسمت جگائی رات بھر تو نے
یہ کیسے نیل کے دھبے پڑے ہیں گورے گالوں میں

ندو چھینٹے ندو کوثر کے مجھکو حضرت واعظ
خبر بھی ہے تمہیں ڈوبا ہوا ہوں کن خیالوں میں

تمنا لیکے جاتے ہیں نہ حسرت لیکے جاتے ہیں
فقط سینے میں اپنے داغ فرقت لیکے جاتے ہیں

بنا ہے یہ تحیر گاہ عالم آئینہ کس کا
جو دل دینے کو آئے تھے وہ حیرت لیکے جاتے ہیں

تصدق میں اس تیری دریا دلی کے
یہ تھوڑی سی کیوں ساقیا مل رہی ہے

مری آہ پر جیخ اٹھتا ہے کوئی
کہ یا رب اثر سے دعا مل رہی ہے

کا ہشوں پر بھی ترقی ہر ہجوم و یاس کی
رنج و غم دل میں امیدوں سے سوا ہونے لگے

انہیں اب سوجھی ہے پھر مشق جفا کی
یہ کس نے میرے جینے کی دعا کی

شرر

شرر ۔ مولوی رضی احمد صدیقی خلف مولوی رفیع احمد صاحب عالی وکیل بدایوں ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۰ء سے پولیس کے صیغہ میں ملازم ہو گئے۔ قیام شاہجہانپور میں شاعری کا شوق ہوا مگر اصلاح کسی سے نہیں لی مذاق سلیم خود رہبر ہو گیا۔ اب ضلع اناؤ اودھ میں کورٹ انسپکٹر ہیں۔ خندہ رو، خوش سلیقہ ہیں۔ معاملات میں سوجھ بوجھ اچھی ہے اور فن سراغ رسانی میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت ہے۔ شعر پر لطف اور بامزہ کہتے ہیں۔ کلام میں صفائی زبان کا خیال رکھتے ہیں اور مضامین بھی دلستاں ہیں اور بندشیں شستہ اور دلنشیں ہیں۔ جو غزلیات راقم تذکرہ کو ہنگام نظر ثانی تذکرہ بھیجیں انکا انتخاب ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کش ہے ۔

وہ وعدہ ہائے امید آفریں قیامت ہیں
خوشی تو کیسی غم جاوداں نہیں ملتا

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں عہد عیش ماضی کو
وہ دن وہ وقت وہ عشرت وہ سماں نہیں ملتا

صبر آزما جو حوصلہ ضبط راز تھا
پیغام مرگ ہر نفس جاں گداز تھا

کعبہ کی قید وسعت مشرب نے توڑ دی
ہر ذرہ سجدہ گاہ جبین نیاز تھا

دیوانگی عشق نے ڈھانکے تمام عیب
دامن کا چاک پردۂ اخفائے راز تھا

تھا ذرہ ذرہ مرکز جذب نگاہ شوق
کیا دلفریب نقش طلسم مجاز تھا

یہ پردہ شوخی برق تجلی کا غنیمت ہے
رہے گا ہوش پھر کسکو اگر تو بے نقاب آیا

جلوہ دکھا دو حسن حقیقت طراز کا
کب تک رہے گا پردہ طلسم مجاز کا

رہتا نہیں ہے عشق میں فرق امتیاز کا
محمود بندہ ہے خم زلف ایاز کا

بزم حسن وعشق کا نقشہ بدل کر رہ گیا
شمع بجھکر رہ گئی پروانہ جل کر رہ گیا

نابلد منزل سے خستہ پانوں غلبہ شوق کا
دو قدم میں ساتھ ہر رہرو چل کر رہ گیا

کون ہے زنداں میں اب آزاد کرتی ہو جسے
ایک ڈھانچہ ہڈیوں کا تھا کہ گل کر رہ گیا

عروج شان عاشق ہے ذلیل و خوار ہو جانا
محبت کیا ہے پابند رضائے یار ہو جانا

دمِ عرضِ تمنا نے نگاہِ شوق کام آنا
زبانِ التجا بنا لبِ گفتار ہو جانا

فلک سے انتقام کچھ ادائی آج لینا ہے
ذرا دم بھر کو سیدہی اسنے نگاہِ یار ہو جانا

یہ کیا ہے سامنے سے آئینہ دم بھر نہیں ہٹتا
کہیں خود ہی نہ ہو جلوۂ رخسار ہو جانا

بے کہے شمع صفت سوزِ دروں ظاہر ہے
کام دیتی ہے خموشی مری گویائی کا

یادِ جاناں سے رضئی انجمن افروز خیال
بزمِ فردوس ہے گوشہ مری تنہائی کا

موت سے رشتۂ ہستی کا سوا ہو جانا
زندگی کیا ہے محبت میں فنا ہو جانا

شعلۂ طور کو ہے جلوہ فروشی کی ہوس
چاہتا ہے ترا نقشِ کفِ پا ہو جانا

بزمِ دشمن سے تم اور رات کو اٹھکر آتے
وقت کی بات تھی نالہ کا رسا ہو جانا

وجہ جمعیت خاطر ہے پریشاں ہونا
سر و ساماں ہی مرا بے سر و ساماں ہونا

سخت جاں ہوں میں چھری کند ہے قاتل نازک
سخت مشکل مری مشکل کا ہے آساں ہونا

سیدہی بھی کی نگاہ تو بسمل بنا دیا
آنکھوں نے اور بھی تمہیں قاتل بنا دیا

تیغ کھینچنے بھی نہ پائی تھی کہ بسمل ہو گیا
میں شہیدِ خنجرِ اندازِ قاتل ہو گیا

تمکو تو شوخیوں سے نہیں ایک جا قرار
کس پر پڑے گا صبرِ دلِ بے قرار کا

آ ملے ہے وہم رات کو جاگے نہ ہو کہیں
کچھ چشمِ شرمگیں میں اثر ہے خمار کا

ذرہ ذرہ میں فروغِ جلوۂ جانانہ تھا
دیدۂ حق بیں میں یکساں کعبہ و بتخانہ تھا

شرحِ رازِ دردِ دل تھی حالتِ ہنگامِ نزع
اک نگاہِ حسرت آگیں میں تمام افسانہ تھا

قید کیا دیر و حرم کی مشربِ عشاق میں
جس جگہ تھی شمع گرمِ سوختن پروانہ تھا

مجھے طرزِ ادائے شوخیِ قاتل پسند آیا
کہ اسکو شیوۂ بیتابیِ بسمل پسند آیا

قطعِ تقریبِ عیادت کی بھی امید ہوئی
ہو گیا اور بھی بیمار میں اچھا ہو کر

کچھ دمِ سرد ہے کچھ نالے ہیں کچھ آہیں ہیں
ہیں غرض ایسے ہی ٹکڑے مرے افسانے میں

اختلافِ نظرِ شیخ و برہمن کا ہے فرق
ورنہ کعبہ میں جو ہے ہے وہی بتخانے میں

نہ پھٹکا شمع کے گرد آکے بھولے سے بھی پروانہ
اُسے بھی وہم ہو دیار ورد کے ماتم کے بہانے سے

امید و آرزو شوق و تمنا حسرت و ارماں
تمہیں جو جان کہا مدعی نے کیا سمجھے؟

مری تسلی کو پیغام بر نہ کہتا ہو
لبِ جو ابرو میں ہیں وہ خنجر براں میں نہیں

صبر کی ہوتی ہے عاشق کو شبِ غم تاکید
ٹھہرنا آنکھ مشکل ہے فروغِ حسن کی باعث

تماشا کرتے ہیں آئیگی قیامت آ نہیں سکتی
دل ترے صدقے کہ ایجان مرا دلدار ہے تو

کوئی نیرنگِ محبت کا تماشا دیکھے
کچھ دیر نہیں لگتی نظر پھیرتے تم کو

ہم حشر میں خوش ہیں کہ وفا ہوتا ہے وعدہ
گالیاں لب پہ دمِ ذبح ہوں تکبیر کیساتھ

جی بہلنے کی شبِ ہجر یہی صورت ہے
ذرہ ذرہ کو ترے جلوہ کا مظہر پایا

بدلہ دنیا ہی میں لے لیتا ہے عشرت کا فلک
اے عدو لطف ہو دو دن کو اگر مل جائے

صلائے عام ہے صیاد و برق و صرصر کو
قفس تک آئے جو اڑ کر چمن سے کچھ تنکے

ہوش گم کر دئے ایسے تری زیبائی نے

اُٹھایا پردۂ رخسار جب سے تم نے محفل میں
ہمارے خون کا دھبا تھا جو دامانِ قاتل میں

بسی ہے عشق کی دنیا مری اُجڑے ہوئے دل میں
یہ مدعا ہے تمہارا کچھ اعتبار نہیں

وہ اور آئیں یہاں مجھکو اعتبار نہیں
نوک جو تیرِ مژہ میں ہے وہ پیکاں میں نہیں

آپ اُس بات کو کہتے ہیں جو امکاں میں نہیں
تمہاری بے حجابی کو بھی ہم پردہ سمجھتے ہیں

اُسے بھی ہم تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں
دل کے میں صدقے کہ ہے تیری تمنا دلمیں

دل تری زلف میں ہے زلف کا سودا دلمیں
قسمت ہو پلٹنے میں بدلنے میں ہوا ہو

وہ کہتے ہیں ہم اب بھی مکر جائیں تو کیا ہو
تیز ہاں تیغِ زباں بھی رہے شمشیر کیساتھ

رات بھر رہتی ہیں باتیں تری تصویر کیساتھ
ہر ورق میں نظر آئی تری تصویر مجھے

خواب میں خواب کی ملجاتی ہے تعبیر مجھے
میری تقدیر تجھے اور تری تقدیر مجھے

کہ طرح ڈال رہا ہوں میں آشیانے کی
نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی

کچھ نہ دیکھا ترے جلوہ کے تماشائی نے

دَیر تک لا کے ملادی ہے حرم کی سرحد
پرتوِ مہ جمالِ یار عالم گیر ہے
کچھ تو آتا ہے شبِ غم میرے بستر پر نظر
ہے بقا کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہستی مری
سوزِ دل سے یہ نفس شمعِ جہاں افروز ہے
اک نگاہِ نازکی گردش خمار آموز ہے
اٹھ گیا یہ پردۂ حائل بھی جب میں اٹھ گیا
ولائے ساقیِ کوثر میں دل کو جوشِ مستی ہے
نئی ایک ایک دنیا دل کے ہر ذرہ میں بستی ہے
ملا ہے لامکاں کا صحن بھی اے وسعتِ ہمت
کبھی اے مسکرا کر جانے والے اس طرف ہو جا
سرِ محفل نقاب الٹی ہے کس نے روئے روشن سے
سکونِ ضبط میں پوشیدہ اندازِ فغاں تک ہے
ستم ہے مجھکو تڑپا کر کسی کا ناز سے کہنا
غرض کیا دیر سے مجھکو حرم سے مجھکو کیا مطلب
نہ پوچھو جوشِ خونباری اسیرانِ ستم کش کا
اسی سے اوجِ شانِ مرتضیٰ معلوم ہوتا ہے
بجا ہے کوچۂ دشمن میں شب کو تم نہیں آئے
مصیبت میں ہوں دل دیکر تو میں ہوں حضرتِ ناصح
فلک کو یہ سلیقہ ظلم کرنے کا کہاں توبہ
غصہ اترا تو سنورتے رہے گیسو شبِ وصل

تیری خود رفتگیِ شوقِ جبیں سائی نے
جتنے آئینے ہیں سب میں ایک ہی تصویر ہے
دیکھ تو اے ضعف میں ہوں یا مری تصویر ہے
بیخودِ ذوقِ فنا ہوں اے خوشا مستی مری
قدر لازم ہے تجھے اے محفلِ ہستی مری
بے نیازِ دورِ ساغر ہے سیہ مستی مری
اک حجابِ جلوۂ محبوب تھی ہستی مری
تصدق جس پہ ہو تقویٰ وہ مری مے پرستی ہے
یہ دو حرفوں کا مجموعہ کتابِ رازِ ہستی ہے
پئے ذوقِ تماشا کم فضائے بزمِ ہستی ہے
کہ مری قبر دو پھولوں کو مدت سے ترستی ہے
الٰہی آج کیوں برہم نظامِ بزمِ ہستی ہے
مری حد خموشی وسعتِ حسنِ بیاں تک ہے
ذرا ہم بھی تو دیکھیں ضبط کی طاقت کہاں تک ہے
مری معراج سجدہ تیری سنگِ آستاں تک ہے
رواں اک سیلِ اشکِ خوں قفس سے آشیاں تک ہے
وہ بندہ بے نصیبی کو خدا معلوم ہوتا ہے
ذرا دیکھو یہ کس کا نقشِ پا معلوم ہوتا ہے
تمہارا کیا ہے تم کو کیوں برا معلوم ہوتا ہے
پسِ پردہ کوئی کافر ادا معلوم ہوتا ہے
نکلے ابرو سے جو بل زلفِ معنبر میں رہے

مسل کر کچھ دم گل گشت ابھی پھینکا ہی چٹکی سے
کیا آسودۂ ذوق تن آسانی نقاہت نے
موج زن دل میں ہے اک جذبۂ ناکام ابھی
تم اٹھا دو جو نقاب اپنے رخ روشن سے
دیکھی جائیگی سر حشر جو کل گذرے گی
دم آخر ہے انہیں دیکھ لوں کچھ کہ سن لوں
اک نوائے درد تھی آہنگ ساز زندگی
شمع سے سن قصۂ سوز و گداز زندگی
حسرت جلوۂ عارض نے نہ دی رخصت دید
ہوں محو ذوق غرق فنا بر سبیل سیر
تاب آزما ہے حوصلۂ انتظار شوق
واں شوق پائے بوسی میں پھر سجدہ ریز ہے
یوسف کو عشق لایا ہے بازار مصر میں
بے پردہ سوز چشم تماشا فروغ حسن
ساز آہنگ شکایت ہوں نہ چھیڑ مجھکو
جان ہی تن سے نکل جائے تو شاید نکلے
زندگی موت ہے شرمندۂ احساں ہو کر
موت ہے اپنے لئے مایۂ عمر جاوید
حشر میں تاب کسے جلوۂ رخسار کی ہے
کچھ تو ٹوٹا ہے صدا مست جو جھنکار کی ہے
تم ہی کہو کہ دیکھ کے یہ حسن دلفریب

وہ کہتے ہیں کہ غنچہ ہی نہیں کہتا ہوں "مرا دل ہے"
جہاں ہم گر گئے تھک کر سمجھتے ہیں کہ منزل ہے
لے نہ بہنے کا نہ لے جوش تپش نام ابھی
خلوت خاص بنے جلوہ گہ عام ابھی
زندگی تلخ نہ کر اے غم انجام ابھی
دم لے اے موت کہ ہے مجھکو بہت کام ابھی
بعد مرنے کے ہوا معلوم راز زندگی
یہ زبان راز میں ہے شرح راز زندگی
یوں مرے سامنے آیا کہ آیا کوئی
کشتی کو نذر موجۂ دریا کئے ہوئے
محو فریب وعدۂ فردا کئے ہوئے
داغ جبیں کو نقش سویدا کئے ہوئے
ساماں شرح خواب زلیخا کئے ہوئے
نظارہ کو نقاب تجلی کئے ہوئے
لب تک آجائے نہ بیداد کا شکوا کوئی
یوں تو نکلی ہے نہ نکلے گی تمنا کوئی
ہو نہ منت کش اعجاز مسیحا کوئی
کون طالب ترا اے آب بقا ہوتا ہے
دھوم ہی دھوم فقط وعدۂ دیدار کی ہے
شیشۂ مے تھا کہ توبہ کسی میخوار کی ہے
کوئی اگر کرے نہ تمہیں پیار کیا کرے

صیاد پر شکستہ ہوں جو بلبل اسیر — وہ بد نصیب حسرتِ گلزار کیا کرے

یہ رنگ ابرِ مست کا ساقی کی اس پہ ضد — توبہ اگر نہ توڑے تو مے خوار کیا کرے

بہاتا آکے چار آنسو لحد پر کون تھا ایسا — مرے مرقد سے روتی ہے لپٹ کر بیکسی مری

اے برقِ نظر سوز کسے تابِ نظارہ — یہ جلوہ نمائی تری پردہ سے سوا ہے

ہے قطعِ راہِ شوق میں اس درجہ بیخودی — یہ بھی خبر نہیں کہ ارادہ کدھر کا ہے

وعدہ کے روز شام سے دونوں ہیں بیقرار — دھڑکا ہے انکو رات کا ہمکو سحر کا ہے

کیا دیکھا دیکھنے کی ہوس دل میں رہ گئی — بجلی سی ایک کوند کے محفل میں رہ گئی

جانا ہی تھا تو ساتھ لئے جاتے اپنی یاد — یہ کیا کہ تم تو چل دئیے یہ دل میں رہ گئی

کہتا ہے جان الفت مژگاں میں جا لگی — ناصح کی بات چبھ کے مری دل میں رہ گئی

ہوئیں نہ جھائیاں تو ترے رخ کا تھا جلب — اتنی ہی بس کسر مہ کامل میں رہ گئی

شوخی ہے چشمِ شعبدہ گر میں بھری ہوئی — ہیں بجلیاں ہر ایک نظر میں بھری ہوئی

پیدا کچھ اشکِ شوق نے رنگِ اثر کیا — نوکِ مژہ ہے خونِ جگر میں بھری ہوئی

شکلِ حباب بیخودِ ذوقِ فنا ہوں میں — کس کی ہوائے شوق ہے سر میں بھری ہوئی

کچھ تتلیاں کہ فاتحہ خواں ہیں بہار میں — ہیں دامنِ نسیمِ سحر میں بھری ہوئی

کاہیدہ لاغری نے کیا مثلِ خس مجھے — طوفان ہے تموجِ بادِ نفس مجھے

ہے غم میں خضرِ راہِ عدم ہر نفس مجھے — بانگِ شکستِ شیشۂ دل ہے جرس مجھے

شکر ہے قصۂ غم خوابِ فراموش ہوا — کم جوانی کا خمار ئے سرجوش ہوا

بیخودی دور ہوئی آنکھ کھلی ہوش ہوا — حرفِ اربابِ نصیحت گہرِ گوش ہوا

خضرِ توفیق نے کی راہ نمائی میری
ہوگئی کوچۂ گیسو سے رہائی میری

اب نہ بیہودہ مشاغل ہیں نہ وہ باتیں ہیں — نہ وہ چھپ چھپ کے حسینوں سے ملاقاتیں ہیں

رُوسیاہی کے نہ وہ دن ہیں نہ وہ باتیں ہیں — اپنے اللہ سے ہر وقت مُناجاتیں ہیں

رہ نما جذبۂ توفیق خداداد ہے اب
حلقۂ شرع ہے اور گردنِ آزاد ہے اب

اب وہ وحشت نہ رہی سر میں وہ سودا نہ رہا — جاں ستانِ سوزِ غم حوصلہ فرسا نہ رہا
قاضی و محتسب شہر سے جھگڑا نہ رہا — دامن آلودۂ جامۂ تقوے نہ رہا

آسرا کوئی بجز لطفِ خداوند نہ تھا
خیر گذری کہ درِ توبہ ابھی بند نہ تھا

شرر

شرر۔ ناظمِ باکمال ناثرِ عدیم المثال منشی کندن لال صاحب ناظر عدالت سکرواری ریاست گوالیار۔ سہارنپور کے باشندے اور گوالیار میں ملازم تھے۔ نظم کے علاوہ ہر قسم کی نثر لکھنے پر قادر تھے۔ ہندوستان کے اخبارات و رسائل میں آپکے مضامین نکلتے رہے ہیں منشی نولری لال شعلہ کے عزیز اور اُنہیں کے شاگرد تھے۔ مولانا راسخ دہلوی کے یار صادق اور اُنکے ظریف اخبار کے قلمی معاون تھے۔ صرف موزوں طبع شاعر نہ تھے بلکہ مشاہیر میں انکا شمار تھا۔ مضامین لطیف اخلاق آموز۔ زبان صاف اور برجستہ۔ تراکیب دلنشیں اور اسلوب بیان قابل تعریف تھا شیریں زبانی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ افسوس کہ جوانی میں انتقال کیا۔

شیخ دیوانہ ہے جنت کی سُنی باتوں پر — مری جائیگا اگر کوچۂ جاناں دیکھا
ہائے گھبرا کے کس انداز سے آپ نے پسِ قتل — کبھی خنجر پہ نظر کی کبھی داماں دیکھا
خموشی خوبیٔ غنچہ دہن ہے — سخن آموز چشم سحر فن ہے
نقاب روئے رعنائے سخن ہے — وفورِ شوق اہل انجمن ہے

زبانِ حال کی تقریر ہے تو
کہوں کیا بولتی تصویر ہے تو

نرالی تو نرالے تیرے انداز — ادا ہر اک بجائے خود ہے آواز

ستم ہے داد کیونکر پائیں جانباز
کہ محشر میں بھی چپ ہیں صاحبِ ناز

لبِ پان خوردہ کی دمساز ہے تو
شریکِ قاتلِ طناز ہے تو

متانت بن کے ہے توقیر میں تو
تہاں ہے عالمِ تسطیر میں تو
معینِ رائے ہے تدبیر میں تو
مضامین بن کے ہے تحریر میں تو

جگہ آنکھوں میں تجکو دے رہے ہیں
مزے ہم دل ہی دل میں لے رہے ہیں

دلہن آئی مسرت کے نشاں ہیں
دلہن کچھ بولے اس پر ہم زباں ہیں
ادھر گھیرے ہوئے ہم جولیاں ہیں
ترے جلوے وہاں بھی دلستاں ہیں

عروسِ نو کا جھومر بن گئی تو
حیا کا اور زیور بن گئی تو

کہا اک روز امیدِ وفا پر
لگی چپ شکوۂ بیدادِ ستمگر
کہاں تک یہ جفائیں اے ستم گر
نہ ہوں ہاں ہم بنے بیٹھے ہیں پتھر

یہاں بیتابیِ دل صد زباں ہے
وہاں اک خامشی قفلِ دہاں ہے

یوں ہی جل بجھتی ہے شمعِ منور
بصد غم خاکِ پروانہ یہ شب بھر
کبھی لائی نہ سوزِ دل زباں پر
سرشک افشاں رہی بادیدۂ تر

نہ اُف کی تا دمِ آخر زباں سے
گئی خاموش بیچاری زباں سے

برشکال

آتے ہی جہاں میں فصلِ برسات
دم بھر میں فلک بدل گیا طور
جی اُٹھے زمیں کے سب نباتات
کچھ اور ہے ابھی تھا کچھ اور

چلنے لگیں دل کشا ہوائیں — اُٹھنے لگیں جھوم کر گھٹائیں
دلچسپ ہیں رنگ بدلیوں کے — مستانہ ہیں ڈھنگ بدلیوں کے
امنڈے ہیں عجیب دھج کے بادل — برسے وہ گرج گرج کے بادل
شاداب نہال و نخل و اشجار — پُرآب تمام حوض و انہار
ہر ایک حباب نقشِ تسخیر — موجوں میں نظر ہے پا بزنجیر
باغوں میں گڑے ہوئے ہنڈولے — آموں میں پڑے ہوئے ہیں جھولے
تانیں وہ ملار کی فسوں ساز — دلکش وہ صدائے نغمۂ ساز
رخنہ گرِ دل نوائے نے ہے — غارت گرِ صد شکیب نے ہے
کوئل کی صدا پپیہوں کا شور — پر کھولے ناچتے ہوئے مور
بیخود نہ ہوں کیوں بہار میں دل — رہ سکتا ہے اختیار میں دل
کہسار میں آبشار کے لطف — سرچشمہ و جوئبار کے لطف
دریا کا چڑھاؤ زور کے ساتھ — پانی کا بہاؤ شور کے ساتھ
ہر سین پہ شیفتہ مرا دل — قدرت پہ فریفتہ مرا دل
برسات کے ہیں نرالے ایام — طرفہ ہے سحر عجیب ہے شام

زمینِ ہند بیشک تو کبھی جنت نشاں ہو گی — تری ہستی جہاں میں انتخابِ دو جہاں ہو گی
ترا ہر کوچہ گلشن ہر گلی رشکِ جناں ہو گی — بجا ہے حسن تمکیں میں جوابِ آسماں ہو گی
شرف حاصل تھا تیرے آدمیوں کو فرشتوں پر — گلِ خنداں ترے دامن میں ہنستے تھے بہشتوں پر
یہ مانا عالمِ امکاں کی ہستی اک مشیت تھی — خصوصاً ہند کی خلقت نمودِ حسنِ قدرت تھی
بجز اس سرزمیں کے اور کہیں آدمیت تھی — حقیقت جلوہ گر ہندوستاں میں فی الحقیقت تھی
کھُلے تھے کچھ یہیں پر اولیں عقدے رازِ عرفاں کے — ہوئے ہیں اہلِ باطن کو نظارے رازِ پنہاں کے
تقدس میں تھا اعلیٰ تر یہاں کا عالمِ نسواں — پتی ورتاؤں کے افسانے سن کر عقل تھی حیراں

زن و شوہر میں تعلق ایسا جیسے ربطِ جسم و جاں
خواتینِ حیا پرور پہ عصمت ناز کرتی تھی
اسی طبقہ میں تھی اک نامور خاتون دمینتی
فروغِ روئے روشن میں ضیا تھی شمعِ قدرت کی
زمیں کو فخر تھا نقشِ قدم کے ہاتھ آنے سے
روایت ہے کہ دادِ عاشقی دی ہے زلیخا نے
نظیرِ عشق قایم کی ہے وامق اور عذرا نے
حدیثِ حسن و عشق نل و من افسون الفت ہے
تماشا ساحسن و لچھمی کی نہ تھی چشم تماشائی
یہاں بیتابیِ دل واں طبیعت وقفِ ناشکیبائی
یہاں جو حالتِ دل تھی وہی واں عالمِ دل تھا
بہت سے تاجور دلدادۂ حسنِ دل آرا تھے
بہت یوسف لقا گرویدۂ رشکِ زلیخا تھے
بصد انداز دمینتی نے بزم رشکِ گلشن میں
وہ آوارہ وطن پھرتا رہا وادیِ غربت میں
ترقی روز افزوں تھی بلائے رنج و آفت میں
اٹھائیں سختیاں ان نازنیں نے دشت گردی کی
بہت سمجھایا دمینتی کو نل نے اس مصیبت میں
بسر کر باپ کے گھر رہ کے اطمینان و راحت میں
ستم ہے دشت پیما اس طرح نازک بدن ہوں
لگی اک چوٹ سی آن نازنیں کے قلبِ نازک پر

وفاداری میں تھیں ثابت قدم سب ہم تھا یاں
جلالِ پاک دامانی پہ عصمت ناز کرتی تھی
برار اک قطعۂ زرخیز تھی واں کی شہزادی
کمالِ صنعتِ صانع کا لاثانی نمونہ تھی
فلک کو آرزوئے جبہ سائی آستانے سے
جہاں میں آبروئے عشق رکھ لی قیس لیلیٰ نے
رہینگے تاقیامت خسرو و شیریں کے افسانے
سراسر درد آگیں سرگذشت رنج و راحت ہے
وہ دونوں طالب و مطلوب تھے نادیدہ شیدائی
دو طرفہ ہم نشیں کی درد افزا چارہ فرمائی
بظاہر امتیازِ عاشق و معشوق مشکل تھا
بہت شوریدہ سر سودائے زلفِ چلیپا تھے
سوئمبر میں بصد شانِ تجمل رونق افزا تھے
حیا سے ڈالدی جے مال راجہ نل کی گردن میں
بدا تھا چار دن بے آب و دانہ جنگل قسمت میں
شریکِ درد و غم تھی پاک دمینتی رفاقت میں
خوشی کیسا تھ جھیلیں کلفتیں صحرا نوردی کی
ندے جان اپنی لے آرام جاں راہِ محبت میں
کبھی مل جائینگے ملنا اگر لکھا ہے قسمت میں
قیامت ہے کہ رہ پر خار ہو تلوؤں میں چھالے ہوں
کہا آنکھوں میں آنسو بھر کے نل سے اے وفا پرور

بلائے ہجر جاں فرسا ہے ان آفات سے بڑھکر + مجھے یہ کلفتِ صحرا ہے اُس آرام سے بہتر ۔ زہے قسمت کہ سیوا کیلئے حاضر ہوں خدمت میں یہی راحت ہے وہ جو چاہیے دمینتی کی قسمت میں

شرر

شرر۔ سمنورِ سحر نواز منشی احسن میرزا شرر عرف منے مرزا صاحب خلف میرزا سجاد حسین عرف شہزادے مرزا لکھنوی انکے جدِ اعلیٰ نیشاپور کے رہنے والے تجارت پیشہ فیروزہ فروش تھے دہلی کی بربادی اور تباہی کے بعد یہ خاندان میرانیس کے بزرگوں کی رفاقت میں دہلی سے فیض آباد چلا گیا اور وہاں سے میرانیس لکھنو گئے تو یہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت شرر کے والد گھوڑے پر خوب سوار ہوتے اور مرثیہ خوانی کا بھی ذوق تھا محرم میں مستورات کی مجالس میں ہر روز دو دو تین تین گھنٹے تک مرثیہ پڑھتے وقت اشکوں کی لڑیاں بندھی رہتیں مستورات کو غش پر غش آتے رہتے مگر وہ مرثیہ بغیر ختم کئے ہوئے ہاتھ سے نہ رکھتے۔

میرزا شرر نے ابتدائی تعلیم و تربیت پاکر جب ہوش سنبھالا تو منشی گوبند پرشاد صاحب صبا لکھنوی سابق ملازم ریاست رامپور سے فارسی اور نظم۔ اب شروع کیا منشی صاحب کا سن اس زمانہ میں نوے سال کا تھا اور فارسی دانوں میں درجۂ امتیاز رکھتے تھے اور انکے مکان کے قریب ٹھاکر گنج۔ نواز گنج میں فروکش تھے۔ اسی دوران میں آپنے انگریزی بھی شروع کی تھی لیکن فارسی اور عربی کی طرف میلان خاطر تھا اسلئے اسکو چھوڑ دیا۔ اردو شاعری میں نظیر آغا سے تلمذ اختیار کیا۔ منشی گوبند پرشاد صاحب کے فیض صحبت سے آپنے فارسی زبان میں شعر گوئی کا آغاز کیا تھا۔ جناب موصوف کے انتقال فرمانے پر شہرۂ عصر خواجہ عزیز الدین عزیز مرحوم کو اپنا کلام دکھایا۔ خواجہ صاحب نے مرثیہ گوئی اور اردو غزل گوئی میں کافی استعداد اور قابلیت دیکھکر یہ رائے دی کہ فارسی کہنا ترک کر دو جس کا یہ انجام ہوا کہ دور موجودہ کے عمدہ اردو کہنے والوں میں آپکا شمار ہے۔ انجمن معیار کے معزز ارکین میں گنے جاتے ہیں۔ مجالس محرم میں عرصہ تک جناب نفیس کی پیش خوانی کرتے رہے ہیں۔ رؤسائے عظیم آباد کے ہمراہ بلوچستان۔ افغانستان۔ خراسان۔ طہران وغیرہ کی سیر و سیاحت اور نجف کربلا کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ عظیم آباد۔ ریاست حیدر آباد۔ بیگن پلی۔ بانس بریلی وغیرہ میں ذاکر رہ چکے ہیں۔ نواب بہرام الدولہ بہادر کے یہاں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ نے مجالس محرم میں انکو سنا ہے شاعری کے معاملہ میں لکھنو اور

دہلی کی طرفداری کو بُرا جانتے ہیں۔ ایک کتاب "فلسفہ صرف ونحو" کے نام سے تالیف کی ہے جس میں عربی صرف ونحو کے دقیق مسائل کو آسان اور فصیح زبان میں لکھا ہے۔ نثر ونظم دونوں میں دستگاہ ہے۔ آپنے جو تقریظ حصہ اول تذکرہ پر لکھی تھی وہ قابل دید ہے اور حصہ اول کیساتھ چھپ چکی ہے اور اس سے آپکی قدرت نثر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب ۵۲ برس کی عمر ہے اور کلکتہ میں مقیم ہیں تذکرہ کی نظر ثانی کے وقت مؤلف کو جو حالات و کلام بھیجے اُسکا انتخاب نذر ناظرین ہے۔

ہزاروں طرح زلفیں رُخ پہ بکھرائی جاتی ہیں
تکلف دیدنی تھا شام وعدہ میری مہماں کا

مری آنکھوں نے قدرت سے عجب تعلیم پائی ہے
ہے دو لفظوں میں مضمر فلسفہ کوہ و بیاباں کا

فریب حسن جس کو عالم اسباب کہتا ہے
وہ اک رنگین پردہ ہے ہمارے طاقِ نسیاں کا

سر میں سودا ہے اگر حسن کی رعنائی کا
دل کو آئینہ بنا چشم تماشائی کا

انتہا حسن کی معلوم اگر ہو جاتی
تجکو الزام نہ دیتا کبھی یکتائی کا

اے شررِ حسن جسے کہتے ہیں ناواقف راز
ایک جلسہ ہے حقیقت میں خودآرائی کا

سجا گیا ہے شہیدوں سے حشر کا میداں
سنا ہے آج وہ سرگرم گفتگو ہو گا

یہ ادائیں کہہ رہی ہیں کہ شباب آرہا ہے
رہے کیوں نہ آئینہ میں اُسے انتظار اپنا

وہ ستم کی مست آنکھیں کہیں دل نہ چور کردیں
ترے واسطے ہے کافی سر پر خمار اپنا

میں تو اُنکی بزم سے بہت مضطر اٹھا
کیا خبر کس نے اٹھایا کب اٹھا کیونکر اٹھا

اک مجسم نور آیا شب کو میرے سامنے
جب تصور کی حدیں ٹکرا کے میرا سر اٹھا

سانس اُکھڑی۔ روح نکلی۔ دل نے چھوڑا سب کا ساتھ
بادباں کھولا گیا۔ کشتی چلی لنگر اٹھا

ہمت غرور شکن دل فرزانہ ہو گیا
جب فکر حد سے بڑھ گئی دیوانہ ہو گیا

پردے دماغ و چشم کے سب دل کے کام آئے
آراستہ مکاں پئے جانانہ ہو گیا

آفتاب عشق کے پرتو سے غم پایا ہوا
دل ہے سینہ میں کہ ہے اک پھول مرجھایا ہوا

غم کو سمجھینگے خوشی اور بیقراری کو سکوں
اپنے قابو سے کہیں جاتا ہے دل آیا ہوا

اپنی خلوت کے فدا اپنے تصور کے نثار
اپنے عاشق کی لحد غصہ سے کیوں ٹھکراؤ تم
اٹھ نہیں سکتے ہیں جن سے اس دل مردہ کے پھول
اس اندھیری میں جیسے بینا ہو پی لو جیب کے مو
دل کو دکھلا دی ہے کسکی یاد نے اپنی جھلک
مے پرستوں کی طلب میں بھی ہے کیا حسن قبول
بے ثباتی دہر کی ہر چند جو بتاتی رہی
جب اٹھائی آنکھ پردہ بن گئی حدِ نگاہ
دل لینے کے انکار میں ہیں لاکھوں ادائیں
دل آتے ہی معذور ہوئے ہوش و خرد بھی
دونوں کے دامنوں پہ ہیں بدنامیوں کے داغ
یوں تھم کے دیکھا ناقہ لیلیٰ کو قیس نے
تغافل کی طرح سے ناامیدی بڑھتی جاتی ہے
فریب حسن ہے وہ سمجھتے ہیں سکوں جسکو
یہ کیسی آگ بھڑکی مری آہوں سے دھڑکتا ہیں
اٹھ گئے یہ کہہ کے میرے پاس سے سب چارہ ساز
کیا کہوں کیا ہو گیا الٹی جو چہرہ سے نقاب
قابل نازش ہے وہ دل ہو جو وقف دوستی
حاصل عمر رواں کیفیت بزم وصال
گردشِ جام سے گلگوں نظر کی گردشیں
سورۂ اخلاص کی تفسیر ہے خالِ سیاہ

سامنے بیٹھا ہے جیسے کوئی شرمایا ہوا
سو رہا ہے چین سے برسوں کا دکھ پایا ہوا
ہائے یہ کعبہ انہیں ہاتھوں کا ہے ڈھایا ہوا
میکدہ پر آج ہے ابر سیہ چھایا ہوا
کچھ ضرورت سے سوا ہے آج گھبرایا ہوا
جام اٹھا کر جب دعا مانگی سحاب آ ہی گیا
غافلوں کے سر پہ لیکن آفتاب آ ہی گیا
دیکھنا چاہا تجھے جس نے حجاب آ ہی گیا
شہرہ ہے زمانہ میں ترے حسنِ طلب کا
صد حیف برے وقت کوئی کام نہ آیا
منعم رہا نہ کچھ کف سائل میں رہ گیا
نازِ نگاہ پردہ محمل میں رہ گیا
سنبھلنا اب ہے مشکل آپ کے بیمار ہجراں کا
ابر اٹھتا ہے دل کا مضطرب بنکر ٹھہر جانا
جلا جاتا ہے اتنو سینۂ سوزاں میں دم میرا
ہے دوائے انتہائے دردِ دل پہلوئے دوست
آنکھ ملنا تھی کہ مجھ پر چل گیا جادوئے دوست
دید کے لائق ہیں وہ آنکھیں جو دیکھیں سوئے دوست
لذت سرمایۂ عیش و طرب پہلوئے دوست
ساغر صہبائے عشرت نرگسِ جادوئے دوست
مصحف اسرار اخلاق و محبت روئے دوست

کس طرف جاؤں شرر خاموش ہوں اس سوچ میں
اس طرف کعبہ کا رستہ اُس طرف ہے کوئے دوست

چلو ہیں حالِ غم کہنے کو آنکھیں خونچکاں کرلیں
ذرا رنگین خونِ دل سے عنوانِ بیاں کرلیں

بہت مشکل سے اک شیشہ بنا تھا آبلہ دل کا
ارادہ تھا کہ محفوظ اسمیں اجزائے فغاں کرلیں

فنا ہو کر بنے ہیں آئینے وہ دل کی حالت کو
نہ بند آنکھیں کرو یہ قصۂ حیرت بیاں کرلیں

ہوئی ہے تنگ دنیا ضبطِ کیفیاتِ باطن سے
اجازت دے ترا جلوہ تو آنکھیں کچھ بیاں کرلیں

جو تو اے بربطِ صبحِ گلستاں بول جائے
یہ حسرت ہے ترے نغموں کے پردہ میں فغاں کرلیں

جنہیں ہو دیکھنا آنکو شبستانِ محبت میں
وہ مثلِ شمع سوزِ غم سے روشن استخواں کرلیں

شرر ہیں کم سخنداں آج کل اور مدعی لاکھوں
مناسب ہے یہی بس بند ہم اپنی زباں کرلیں

اے فلک گر تجھکو اس دل کی خوشی ہے ناپسند
تو اجازت جسکی دے اب ہم وہی ارماں کریں

تیغ کی بجھنیوں کو کم سنی کا پاس ہے
وہ جو بالیں سے سرک جائیں بڑا احساں کریں

دنیا بھی ہے عجیب طلسمی قفس کہ یاں
میں قید بھی نہیں ہوں گرفتار بھی نہیں

کیا کہیں دردِ محبت کیسا ظالم درد ہے
اور ظاہر ہو جو اس کمبخت کو پنہاں کریں

مختصر یہ ہے کہ دردِ ہجر ایسا درد تھا
عمرِ رفتہ گر ملے تو پھر غمِ ہجراں کریں

بے مزا زیست ہے گر وصل کا ارماں نہیں
جس کے دل میں نہ محبت ہو وہ انساں نہیں

حال پوچھو نہ اسیری کا اب اے ہم نفسو
قید سے چھوٹ کر آیا ہوں مگر جان نہیں

ہوگیا معلوم مجھسا نیم جاں کوئی نہیں
انکے ترکش میں خدنگِ امتحاں کوئی نہیں

اک متاع بنگئی ہے بے ثباتی شباب
سب جوانی میں جواں ہیں پیر جواں کوئی نہیں

منحصر اسکی خوشی پر زندگانی ہے مری
وہ نہیں راضی تو مجھپر مہرباں کوئی نہیں

خواب کے عالم میں جب ہر چیز آتی ہے نظر
پھر یہ دعویٰ کون کرسکتا ہے بیداری نہیں

دل کے خاکستر کو تم کب تک کریدی جاؤگے
سوزِ غم اس راکھ میں ہے کوئی چنگاری نہیں

حیف ہے گر بیوفائی کا لگے الزام دوں
دیکھتا ہوں میں تو خود مجھ میں وفاداری نہیں

جان کو راحت سکوں دل کو خوشی طاری نہیں
مری افسردگی ہونا سحر کا شمع کا بجھنا
اے ضبط گریہ موت کی تدبیر چاہئے
ہجر میں انکو فراہم جو کیا بھی میں نے
ہو جوانی کے ہی عالم میں یہ ہنگامۂ عشق
ہمیں تو زندگی پر انکی رشک آتا ہے ای واعظ
سوادِ چشم سے دیکھے بہت مناظرِ حسن
انقلابِ عیش کی صورت کبھی ایسی نہ تھی
تیرے شیدائی لحد میں ہیں بہت آرام سے
قدم قدم پہ گرے کیوں نہ کوئے جاناں میں
کھو رہے ہیں اُبھر اُبھر کے حباب
دیکھکر شکل مریضِ غم ہوئے یوں بدحواس
اے شررؔ نادم ہوا بے حد دلِ ہمت پسند
کالی کالی یہ گھٹا باعثِ سودا ہوگی
جس کے باعث ہیں کل ساغرِ کوثر پاؤں
جنھیں الفت کے سبب جذب و کشش تھی باہم
صبر لازم ہے غم و رنج و تعب میں تا زیست
مجمعِ عام میں کرنا جو پڑی بات مجھے
نہ سر و پا کی خبر ہے نہ دل و دیں کا ہوش
ہو کے مجبورِ محبت میں یہ دل کہتا ہے
خلاصہ شرحِ تمنا کا اس نگاہ میں ہے

آپ جبتک پاس ہیں کوئی بھی بیماری نہیں
دمِ رخصت یہ کیفیت بھی دم بھر دیکھتے جاؤ
ان آنسوؤں میں زہر کی تاثیر چاہئے
کبھی ٹکڑے دلِ بیتاب کے باہم نہ رہے
چار دن بعد نہ دل ہوگا نہ ارماں ہونگے
کچھ ایسے بے تکلف ایک جا مئخوار بیٹھے ہیں
عجیب روشنی اس نقطۂ سیاہ میں ہے
اب زمانہ کی ہے جو حالت کبھی ایسی نہ تھی
غم زدوں کے واسطے راحت کبھی ایسی نہ تھی
ہمارے ساتھ دلِ بیقرار راہ میں ہے
نقش بر آب زندگانی ہے
لوگ اُسکو زہر کے بدلے دوا دینے لگے
جب مجھے میری وفا کا وہ صلہ دینے لگے
اور دیوانہ بنا جائیگی برسات مجھے
وہ عمل آج بتا بہرِ خرابات مجھے
کر گئے آج پریشان وہ ذرات مجھے
یہی معلوم ہے سو بات کی اک بات مجھے
کیا پسند آئی قیامت کی ملاقات مجھے
محو رکھتا ہے تصور ترا دن رات مجھے
اے شررؔ چاہئے غیروں کی مدارات مجھے
نتیجہ قلب کی کیفیتوں کا آہ میں ہے

ولیں تیرا گلہ کیا میں نے — ہاں خلافِ وفا کیا میں نے
فکر اُس درد کے علاج کی ہے — جسکو خود لا دوا کیا میں نے
دل میں کی عشق سے کشش پیدا — کاہ کو کہربا کیا میں نے
کھینچکر کوہ طور کا سُرمہ — حشم کو حق نما کیا میں نے

رباعیات پیری کے حال میں

جینے کا مزا عمرِ رواں سے چھوٹا — سب لطفِ حیاتِ ناتواں سے چھوٹا
کیا جلد گیا جوشِ شباب اے پیری — معلوم ہوا تیر کماں سے چھوٹا
پیری میں کسی وقت بھی مسرور نہیں — ہوجائیں حباب گوشہ نشیں دور نہیں
کھینچکر تا دیر روئے مصطفےٰ دیکھا کیا — اپنی قدرت کی حدیں خود کبریا دیکھا کیا

سلام

تھا زبانِ حال سے رن میں یہ اصغر کا بیاں — کوئی آنسوں میں ملادے بوند بھر پانی مجھے
کھینچکے نقشہ بول اٹھا اکبر کا اے ضلِ علی — دیکھنے والے کھینگے احمدِ ثانی مجھے
جب زباں سوکھی دکھائی شہ نے اکبر کو کہا — اسطرح تم مانگو ورممکن نہو پانی مجھے

قطعہ

اخلاق نتیجہ ہے وجودِ بشری کا — آفاق میں باعث ہے یہی ناموری کا
مغرور میں کیوں عیب نہو کج نظری کا — بدلا یہ ملا ہے اُسے شوریدہ سری کا
کج خلق کوئی شہرۂ آفاق نہیں ہے — انسان نہیں جو صاحبِ اخلاق نہیں ہے

سامانِ سفر

وہ سربلند کوئی کہ دشوار ہے بیاں — پالاں سے تا گوش عجب زینتیں عیاں
لگی ہوئی وہ دونوں طرف سبز ڈوریاں — وہ اُنمیں سرخ پھول کہ حیراں ہو کہکشاں
آرائشیں ہوئی تھیں عجب آب و تاب کی — نکلیں تھیں گویا سرو میں شاخیں گلاب کی
ہر سُو وہ زنگلوں کی صدائیں بہت بلند — پہونچے نہ جنکی وجہ سے راہوں میں کچھ گزند
اُونی و سرمئی وہ بہاریں وہ فرق بند — گھٹتے وہ زرد زرد وہ پالان دل پسند
کہتے تھے خود سجے ہوئے نلقے پکار کے — لگتے ہوا یہ آئے ہیں ابرِ بہار کے
سرکردئی لشکر ہے حشم کہتا ہے اُسکا — جھک جائینگے سرکش بھی یہ خم کہتا ہے اُسکا

کھا جائیگی فوجوں کو شکم کہتا ہے اُس کا
چھوڑیگی نہ خون جسم میں دم کہتا ہے اُسکا
اونچی ہو نظر خوف سے یہ تاب نہیں ہے
ہیروں کی ہے دامن میں چمک آب نہیں ہے

اب کھلیں بھی تو کھلیں باغ میں کیونکر کلیاں
دب رہی ہیں جو یہ غنچوں کی برابر کلیاں
گل نہاں لاکھوں ہیں پوشیدہ ہیں اکثر کلیاں
پھول میں پھول ہیں اور پھولوں کے اندر کلیاں
اور کلیوں میں ہے بو۔ بو کا اثر باہر ہے
جس طرح آنکھ کے پردوں سے نظر باہر ہے

کثرتِ گل کا کوئی یوں نہ اگر ہو قائل
پھولوں میں پھول کا اثبات نہیں کچھ مشکل
آنکھ دکھلا کے کہو اُس سے کہ دیکھ او جاہل
ہے سپیدی میں سیاہی تو سیاہی میں ہے تِل
پھر جو پوچھے کہو کس طرح نظر باہر ہے
کہدو جس طرح ترے دل سے اثر باہر ہے

کیوں گلوں کی ہو نہ کثرت کہ ہے زینت اُسکی
پھول میں رنگ تو کلیوں میں ہے نکہت اُسکی
ایک جز سے ہی یہ گل دیکھئے قدرت اُسکی
ایسی کثرت میں نظر آتی ہے وحدت اُسکی
غنچے باغوں میں چٹکتے ہیں تو کیا کہتے ہیں
سُننے والا ہو تو سب صلِ علیٰ کہتے ہیں

ساقی نامہ

ہاں ساقیا علاج دلِ مبتلا کا ہو
شیشوں کی آب و تاب میں جلوہ خدا کا ہو
جام و سبو بنا ہوا خاکِ شفا کا ہو
ساغر ہوں کاظمین کے خُم کربلا کا ہو
شامل نہ کوئی چیز مگر اِس طرف کی ہو
بصرے کا ہو گلاب تو صہبا نجف کی ہو

ساقی جو وا روئے دلِ مضطر ہے وہ شراب
جو وجہ قوتِ تنِ لاغر ہے وہ شراب
صہبائے معرفت کی جو ہمسر ہے وہ شراب
جس کا خمار ظاہر و اظہر ہے وہ شراب
اہلِ ولا میں آبِ بقا جس کا نام ہے
جس کے بغیر عمرِ دو روزہ حرام ہے

ساغر میں جسکے لطفِ حیات و ممات ہے
جس کا خیال شربتِ قند و نبات ہے
ہر قطرہ جس کا ساغرِ آبِ حیات ہے
موقوف جس پہ بادہ کشوں کی نجات ہے
جس کے بغیر حُسنِ عمل بے حصول ہے
اعمال بے اثر ہیں عبادت فضول ہے
ساقی وہ پھول ہو جو عروسِ بہار ہو
جو باعثِ سکونِ دلِ بیقرار ہو

ساغر وہ مئے کہ حسن ازل آشکار ہو / حاصل سرور معرفت کردگار ہو
جنت میں جاؤں جام کے لب چومتا ہوا / تربت سے روز حشر اٹھوں جھومتا ہوا
ہو قابل قبول عبادت وہ مئے پلا / بن جاؤں جسے لایق رحمت وہ مئے پلا
معدوم ہو تصور کثرت وہ مئے پلا / جس میں ہو لذت مئے وحدت وہ مئے پلا
رائج ہوئی جو ساقی کوثر کے ہاتھ سے / شیشہ ملا ہے جس کا پیمبر کے ہاتھ سے

جائیگا انکے دل سے نہ تا زیست اضطراب / تم جنکو اپنے حسن کی جھلکی دکھا چکے
حقیقت میں جو دیکھو حسن ہی ہی عشق کا باعث / بلانے روشنی جاتی ہے جب پروانہ آتا ہے
پتہ پتہ سے ہوا پھر جوش قدرت آشکار / رنگ بدلا آسماں کا آئی پھر فصل بہار
تھے جو ویرانے وہ اب جوش نمو سے سبز ہیں / گل جو تھے سنسان صحرا آج ہیں وہ لالہ زار
ہیں ہرے سب خشک جنگل جھاڑیاں ہیں تازہ تر / ندیاں ہر سمت جاری ہیں ابالے ہیں آبشار
عاشق و معشوق میں ہی وصل ایسی فصل ہے / سرو پر قمری تصدق گل پہ ہے بلبل نثار
سبزہ خوابیدہ لب جو ہے ہوائے سرد سے / بھر گیا ہے نرگس شہلا کی آنکھوں میں خمار

سبز ہے ساری زمیں فصل نمو کا جوش ہے
آسماں رنگ شفق سے آجکل گل پوش ہے

شرر

شرر۔ بابو بھولا ناتھ دہلوی ملازم پوسٹل ڈیپارٹمنٹ راولپنڈی شاگرد راسخ دہلوی عمرہ ۵۰ سال کے قریب ہے۔ زبان میں صفائی اور سلاست ہے۔ یہ کلام کا انتخاب ہے ؎

دل جلایا گئے ہم سوز دروں سی لیکن / نالۂ آہ شرر بار نکلنے نہ دیا
شور ہی کنج قفس میں داد کا فریاد کا / خوب طوطی بولتا ہے اندنوں صیاد کا
بوسہ گر مانگا تو یہ کہنے لگے / منہ کی تم کھاؤ گے ہوس دھیان میں
ہاں تیر ستم دیکھ ہی پھر نہ چلی جائے / ایسا نہ ہو کم بخت مرا زخم جگر بھر آئے

شرر

شرر۔ منشی صدیق حسن صاحب۔ شاگرد استاد داغ و ظہیر۔ صرف دو شعر ملے۔ درج ہیں ؎

خدا کی شان ہے منت سے جو نہ آتے تھے
وہ آج آئے ہیں بن بلائے بیٹھے ہیں
چلا کہاں دل آفت نصیب تو خوش خوش
وہ تجھ سے خاک میں لاکھوں ملائے بیٹھے ہیں

شرر

شرر۔ جناب صاحبزادہ مصطفےٰ علیخاں صاحب مرحوم سابق پرائیویٹ سکرٹری نواب صاحب رامپور خلف صاحبزادہ محمود علیخاں صاحب۔ موجودہ نواب صاحب کے عہد میں انہیں کی توجہ اور کوشش کی وجہ سے مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ذاتی صرف سے بھی ایک عام مشاعرہ کیا تھا جسمیں مشاہیر شعرا کو مدعو کیا گیا تھا۔ شاعری میں حضرت مضطر خیرآبادی کے شاگرد تھے ہمیشہ شعرا کیساتھ مراعات کرتے تھے۔ رامپور سے علیحدہ ہونیکے بعد نینی تال جاتے تھے۔ مگر ہز ہائینس نواب صاحب رامپور نے کمال خوش اخلاقی سے انکو دوبارہ پرائیویٹ سکرٹری کے خدمات سپرد کئے کہ اچانک یہ فالج کے مرض میں مبتلا ہوگئے اور وہیں انتقال ہوگیا۔

طرحداروں نے تیری ساری دنیا لوٹ لی آ ...
یہ کس نے کہدیا تجھ سے کہ تو انسان پیدا کر
قیامت ہوگیا سامان عشرت ہجر ساقی میں
شراب ناب کی موجیں نہیں تلوار شیشے میں
دل شیدا شراب عشق کی موجیں قیامت ہیں
پری کو بند کرنا ہے بہت دشوار شیشے میں
یہ تولے قیامت ہیں آڑا لیتے ہیں نظروں میں
ذرا اے دختِ رز رہنا بہت ہشیار شیشے میں
گلے سے اتر کر حال سارا کھول دیتی ہے
یہ کہئے بند ہیں انسان کے کردار شیشے میں
میں کیا کروں کہ آپ بھر آتا ہے دل مرا
اپنے کسی ارادے سے روتا نہیں ہوں میں
حقیقت کھل گئی داغِ دلِ پرخوں سے گلشن کی
مری آنکھوں نے کھودی آبرو ابر بہاری کی
زانو پہ عدو کا سر قدموں پہ مرا سر ہے
وہ اُس کا مقدر ہے یہ میرا مقدر ہے
ہم نے در جاں پر ٹکرا کے یہ حالت کی
اب کوئی نہیں کہتا یہ سر ہے یہ پتھر ہے
تم بھول گئے وعدے میں بھول گیا شکوے
یہ عشق کا شیوہ ہے وہ حسن کا جوہر ہے
کس ناز سے کہتا ہے ہم اور تجھے چاہیں
کہنے کو یہ فقرہ ہے دل کیلئے نشتر ہے
اپنے فرہاد میں کیا لعل لگے ہیں شیریں
کوہکن نام اُسی کا ہے جو پتھر کا سے نے

الفت زلف و رخ یار میں یکساں گذری		ہم نے اس عمر کے دن رات برابر کاٹے

شرر

شرر۔ مولوی عبدالحلیم صاحب۔ آپ نسبتاً شیخ ہاشمی و عباسی ہیں اور دورِ حاضرہ کے مشہور فسانہ نگار۔ جدید انشا پردازی کے آسمانِ شہرت کی اختر تاباں آپکی ذات ہے۔ اصلی وطن کرسی ضلع لکھنؤ ہے۔ ۱۸۵۶ء میں جب سلطان عالم واجد علیشاہ بعزم انگلستان کلکتہ کو روانہ ہوئے ہیں تو آپکے نانا منشی قمرالدین صاحب بھی انکے ہمراہ تھے۔ مولانا شرر ۱۸۶۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم بھی لکھنؤ میں ہوئی۔ مگر سات آٹھ برس کی عمر میں انکے والد نے کلکتہ بلا لیا۔ شاہزادہ میرزا جہاں قدر بہادر کے اُستاد۔ ملا باقر سے عربی پڑھی۔ آخر زمانہ حیات شاہ بیجاہ بچھکر لکھنؤ آئے تو اساتذۂ فرنگی محل سے معقول کی کتابیں پڑھیں پھر دہلی تشریف لائے۔ مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے مدرسہ میں قیام پذیر ہوکر اُنسے حدیث پڑھنی شروع کی۔ انگریزی کی استعداد خاصی ہے انگریزی کتب ادب و تاریخ کے ترجمے کی انکی اکثر تصانیف ممنون ہیں۔ منشی احمد علی کسمنڈوی مرحوم جو اودھ پنچ کے لایق اور قابل نامہ نگار تھے انہوں نے آپ کو ایک عمدہ مضمون نگار بنانیکی کوشش فرمائی اور انہوں نے اس میدان میں اپنے قلم کی جولانیاں دکھا کر اپنے طرز تحریر کا رنگ جما لیا۔ اور پبلک کے سامنے اپنا پہلا ناول دلچسپ پیش کیا۔ ۱۸۸۷ء میں رسالہ دلگداز شایع کیا۔ ملک میں انکی انشا پردازی کا ڈھنگ مقبول ہوا۔ شہرت اور قسمت کی یاوری نے حیدرآباد تک پہنچا دیا۔ نواب وقارالامرا بہادر کے صاحبزادہ کے ساتھ آپ انگلستان تشریف لیگئے۔ انگلینڈ سے واپسی کے بعد آپ نے جو کتابیں لکھی ہیں انہیں کسی قدر آزادی کی روح سرایت کئے ہوئے ہے۔ عام طور پر انکے ناول مذہبی فضیلت اور تعصب کے اظہار سے بری نہیں کہے جا سکتے۔ بلا ضرورت ایسے مضامین جن سے کثیر التعداد فرقہ کی دل آزاری کا پہلو نکلے جا بجا پائے جاتے ہیں۔ خلقی طور پر شوخ نگاری اور ظرافت کا مادہ انہیں فیضان قدرت سے نہیں ملا۔ اسلئے انتہائی سعی و کوشش سے بھی سرشار کا سا حسن قبول نصیب نہوا تاہم آپ ایک عمدہ ناولسٹ اور نثار ہیں۔ کسی زمانہ میں شعرگوئی کا مذاق تھا اور آپ اس فن میں سید حیدر علی صاحب طباطبائی نظم کے شاگرد تھے لیکن

شرر کی طرح انہیں شاعری کی دنیا میں عظمت حاصل نہوئی۔ اور گلزار نسیم جیسی بے مثل مثنوی پر اعتراضات کرنے سے انکے تعصب اور سخن پروری کی شہرت دوونی ہوگئی مگر ارباب سخن میں کوئی درجہ امتیاز حاصل نہوا بلکہ اوده پنچ نے انکی ناموری کو نقصان پہنچانے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی اور جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ مسلمہ مقبول کاملوں کی تصانیف پر حملے کرتے ہیں تو دنیائے ادب انکے مذاق پسند از لیکن ان سے بددل ہوگئے۔ کتابوں کی فروخت سے معقول معاش کرلی ہے۔ سرکار رامپور کے بھی کئی سال نمک خوار رہے ہیں۔ ۶۵ برس کے قریب عمر پاکر ابھی حال میں انتقال کیا۔ چند اشعار بطور نمونہ کلام پیش کئے جاتے ہیں ؎

ابھی تھے وہم وعظ واعظ سے نشہ میں
سنتے ہیں نکالے گئے مسجد سے شرر آج

کروڑوں آرزوئیں نوحہ خواں تھیں ساتھ میت کے
ہزاروں حسرتیں سوتی ہیں میرے مدفن پر

نرالی چھیڑ ہے وہ پوچھتے ہیں ہم سے رہ رہ کر
مرے سر کی قسم کہہ دو فدا ہو کس کے جوبن پر

شرر کی شکل پر کچھ ان دنوں وحشت برستی ہے
مٹے ہیں آجکل حضرت کسی کافر کی چتون پر

مزا دمہ جو ہو پھر فکر عقبے لے حضرت واعظ
کسی دن وہ گھڑی کو بیٹھ جائے بادہ خوار و نہیں

لیا ول گیسوئے پرپیچ نے کن کن کرشموں سے
کبھی موباف میں پیٹے کبھی پھولوں کے ہار میں

یارب مجھے ہے داغ تمنا بہت عزیز
پہلو سے دل جدا ہوگا یہ جدا نہو

یہ شوخیاں یہ ناز و ادا یہ لگاوٹیں
کیا چیز تم ہو ہائے اگر بے وفا نہو

تم اور وفا کرو یہ نہ مانونگا میں کبھی
اس کو فریب دو جو تمہیں جانتا نہو

کیا کیا شرر ذلیل ہوئے آبرو گئی
ایسا بھی عاشقی میں کسیکو مزا نہو

صدمۂ فرقت ہوش ربا ہے
غم کا سماں آنکھوں میں پھرا ہے

رات اندھیری کالی بلا ہے
ہُو کا عالم رنج فزا ہے

درد کے مارے رو رو دینا
آفت جاں ہے سانس کا لینا

چرخ پہ بسنے والے تارو
پیارے پیارے چمکنے والو

آنکھیں پھاڑ کے دیکھتے کیا ہو — دم بھر کو تو سو لینے دو
حاصل! ایک بجے کو چلا نا — سینے کے اندر آگ لگا نا
لذت وصل اُٹھانے والو — دل پر قابو پانے والو
کوچے یار میں جانے والو — گھر میں کسی کو بلانے والو
دل میں تمہارے اور ٹھنی ہے — کیا جانو جو ہم پہ بنی ہے
آئی لگتی رات خدایا — اب تک کچھ نہیں سننے میں آیا
کتوں نے شور الگ ہی مچایا — ہر جانب سناٹا چھایا
چپ ہیں سارے محلے ٹولے — برخدا! ابھی آج نہ بولے
میکشو وقتِ صبوحی آیا — مہ وشو جاؤ نہانے گنگا
برہمنو لو دیر کا رستا — طائرو نکلو چھوڑو بسیرا
داغلو رات فنا ہوتی ہے — دیکھو نماز قضا ہوتی ہے
پچھلی رات کے سونے والو — صبح وطن کے کھونے والو
کلفتِ غم کے دھونے والو — او بیدار نہ ہونے والو
آنکھیں ملتے اُٹھ اُٹھ بیٹھو — کھوٹی ہوتی ہے منزل جاگو
چرخ پہ کچھ کچھ چھایا اندھیرا — کوئی کوئی ستارہ چمکا
چڑیاں ڈھونڈ رہی ہیں بسیرا — کوؤں نے ایک شور مچایا
دیکھتے ہی دو وقتوں کے ملتے — موت کے حوالی اُٹھ اُٹھ بیٹھے
شور ہوا ہر سمت اذاں کا — برہمنوں نے سنکھ بجایا
بجنے لگا ہر دیر میں گھنٹا — تارا شام کا ہر جا چمکا
دوسری جانب دنیا پلٹی — پیر فلک نے کروٹ بدلی
آئی رات ہوئی اندھیاری — چرخ پہ تاروں کی گلکاری

کیسی رات مبارک ساری
اچھی اچھی پیاری پیاری
اب پازیب بڑھاتے ہونگے
تھوڑی دیر میں آتے ہونگے
سامان وصل کا کرلیں آؤ
شیشے مے سے بھرلیں آؤ
پھر گزک کچھ جلد منگاؤ
اچھی پلنگڑی لا کے بچھاؤ
اُٹھو جاکر شمع جلا دو
سارے کمرے میں پھول بچھادو
جام وصراحی ومیناکاری
سرخی سے کی سہانی پیاری
عطر آگئیں ہے باد بہاری
انکے آنے کی ہے تیاری
غم غلط آج ہمارا ہوگا
پہلو میں کون پیارا ہوگا
پھر وکس کی آہٹ پائی
چپ ہو چلنے کی چاپ سی آئی
دیکھو کس نے جھلک دکھلائی
سنبھلو دور ہوئی تنہائی
اُٹھو دوڑ کے بوسہ لے لو
دوڑو جان کو صدقے کر دو
آئے اور کس ناز سے آئے
ہے ہے گھبرائے شرمائے
سینہ اُبھارے سر کو جھکائے
نیچی نظر آنچل لٹکائے
کمرہ میں ہم کو بیٹھا پا کر
جھینپ گئے دروازہ پہ آکر
رُک رُک کے وہ کسی کا آنا
چپکے چپکے پانوں اٹھانا
بیٹھتے ہی باتوں کا بنانا
باتوں باتوں میں شرمانا
ہائے غضب تڑپانا وہ کسی کا
دور سرک جانا وہ کسی کا
روٹھ گئے لو بیٹھے بیٹھے
کون خطا تھی جس پہ بگڑے
آخر کچھ کہئے تو ہم سے
لیٹ رہے ہے کیوں منہ کو چھپا کے
کہتے ہیں جب کچھ زیادہ چھیڑو
نیند آئی ہے ہم سے منہ بدلو
خود ہی دل میں رحم بھی آیا
دہائی دوپٹہ منہ سے ہٹایا

پیارا پیارا ہاتھ اٹھایا ڈال کے گردن میں فرمایا
کیوں! پھر ایسی بات کہو گے وصل کا پھر ارمان کرو گے

شریر — تخلص کبھی شاہجہاں آبادی آشفتہ خاطر۔ عاشق مزاج کا تھا جو ۱۲۷۵ھ میں زندہ تھا اُردو شاعری کے سوا بھاشا زبان پر بھی عبور رکھتا طبیعت میں سوز و گداز زبان میں تاثیر تھی۔ اس نے نظیر اکبرآبادی کے جوگی نامہ پر جو مصرعے لگائے ہیں وہ عوام الناس میں نظیر ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ بازاری کتب فروش بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور وہ نظیر کو خمسہ کا مصنف قرار دیکر کئی کئی ایڈیشن چھاپتے رہتے ہیں مگر مولوی کریم الدین پانی پتی نے جو ایک تذکرہ گلدستہ نازنیان کے نام سے ۱۲۶۱ھ میں شایع کیا تھا اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خمسہ مذکورہ شریر کا نتیجہ فکر ہے۔ ناظرین اُسکا انتخاب ملاحظہ فرمائیں اور شوخی طبع کی داد دیں ؎

یاد اُس شوخ کی کیا کیا ہی ستم لاتی ہے جان بیچینی سے تن میں مرے گھبراتی ہے
آہ کرتا ہوں تو بجلی سی نکل آتی ہے جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بھرن

وحشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں برق کی طرح سے بیتاب سدا پھرتا ہوں
میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بیقراری سے ترے نام کی جپتا سمرن

عشق میں جوگی ہوئے جب سے ہمیں بھائی بھبوت بیٹھے در پر ترے اور گرد بھی پھیلائی بھبوت
دیکھ ٹک آن کے کس روپ میں رنگ لائی بھبوت پیرہن گیروا اور تن کے اُوپر چھائی بھبوت
سر سے پاؤں تلک خاک ملی سو سو من

گہ در کعبہ پہ پیشانی کو اپنی گھسنا گاہ مسجد میں میاں مانگنا جا جا کے دعا
انکساری سے کبھی دیر میں ہر دم جا جا دم بدم آہ کی پونگی سے بجانا یہ سدا
دیکھئے کون سے دن پھر ہمیں دینگے درشن

دیکھا جو میرے تئیں تن کے اوپر گل کھائے
اور کپڑے بھی رنگے گیروا تن پر پائے
دیکھ یہ حال تعجب سے بشر گھبرائے
کوئی کہتا ہے کہ جوگی جی کدھر سے آئے
سچ کہو کون سی نگری میں تمہارا ہے وطن

ہمکو جوگی جی بتا دیجئے احوال اپنا
تم جو بیراگی بنے اسمیں نفع کیا ہے بھلا
اور مرشد سے تمہارے ہی تمہیں کیا پہونچا
نام کیا جوگ میں ہے تم کو گروُ نے بخشا
دھیان کیا رکھتے ہو کس گیان کا رکھتے ہو چلن

کس لئے جوگ لیا اور رنگا کپڑوں کو
کس پہ عاشق ہو دیا رنج یہ کس نے تم کو
کیونکر اوقات بسر ہوتی ہے ہم سے تو کہو
کیا اٹل کھاتے ہو اور کس کی طلب رکھتے ہو
دھونی جل یاں بھی یا یوں ہی کروگے لنگن

ہم نے دنیا میں اجی سینکڑوں دیکھے جوگی
ہر برن اور ہر اک رنگ کے نرالے جوگی
پر غرض تم سے نہیں دیکھے ہیں ہم نے جوگی
تم تو آتے ہو نظر ہمکو نئے سے جوگی
سچ کہو جوگ لیا تم نے یہ کس کے کارن

کیا غرض تجکو جو پوچھے ہے تو احوال مرا
جوگ کی پوچھے تو بس عشق میں یہ جوگ لیا
اور اسکی ہی جدائی میں پھریں ہیں سرجا
اور وطن پوچھے ہمارا تو یہ سن رکھ بابا
یا گلی دوست کی یا یار کے گھر کا آنگن

دیکھ نیرنگی زمانہ کی ہوئے گل در گل
اور ملا تن کو بھبوت اپنے گئے خاک میں مل
کپڑے رنگنا تو۔ تو آسان نہ جان او غافل
رنگ وہ رنگتے ہیں جس رنگ کا رنگنا مشکل
روپ وہ بھرتے ہیں جس روپ کا بھرنا ہے کٹھن

رنگے کپڑوں سے نکر ہم پہ تو جوگی کا گمان
ہم نے کیا جانے کیا کس لئے ایسا سامان
گر تو عاقل ہے تو بس پردہ سے اپنی پہچان
ہم میں اور جوگی کی صورت میں بڑا فرق ہے جان
کہاں جوگی کی ادا اور کہاں عاشق کی پھبن

آتش عشق میں جب سے ہے جلایا دل جان — تب یہ اکسیر ملی ہمکو تو شک اسمیں نہ جان
تو تو غافل ہے بس اب عقل سے اپنی پہچان — خاک ہے یار کے کوچہ کی بھبوت اسکو نہ جان
ہم نے یہ راکھ بسائی ہے جلا کر تن من

خواہش زر نہ کریں نے کسی سے کچھ مانگیں — تخت اور چتر کی بھی کچھ نہیں پرواہ ہمیں
گوکل او متھرا میں بسنے کی بھی نہ حرص رکھیں — جا پڑیں یاد میں اُس شوخ کی جس بستی میں
وہی گوکل ہے ہمیں اور وہی بندرابن

خاطر آشفتہ میں پھرتا ہوں حزین و دل گیر — عشق میں اُسکے سبھی کھو چکا عزو توقیر
پھرتا ہوں گلیوں میں دیوانہ سا ہر روز شریر — کیا لکھوں اب تو جو کچھ مجھپہ گذرتی ہے نظیر
دل من داند و من دانم و داند دل من

شریر

شریر۔ منشی عبدالغفار خلف منشی حسین بخش ساکن ریاست جے پور۔ قریبًا ۳۰ سال کی عمر ہے۔ کرنال میں رکن الدولہ نواب رستم علیخاں شمشیر جنگ بہادر کے یہاں ملازم تھے۔ سید نذیر حسن صاحب فتنہ سے تلمذ حاصل ہے۔ شاعر خوش فکر اور طبیعت دار ہیں مضمون آفرینی کیساتھ زبان بھی اچھی ہے غزل پڑھنے کا ڈھنگ خاصہ ہے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب پیش ناظرین ہے ؎

ہوا یہ غم کہ خوشی کا خیال بھی نہ رہا — ہمیں تو یاد وہ لطف وصال بھی نہ رہا
یہ کس زباں سے کہا تھا کہ ہم نہ بولیں گے — حضور کو تو ہمارا خیال بھی نہ رہا
ملا میں خواب میں اُنسے اگر وہ یوں نہ ملے — ہوا نہ وصل تو میں بے وصال بھی نہ رہا
شریر قدر کمینوں کی اب ہے عالم میں — شریف کا کوئی پرسان حال بھی نہ رہا
برنگ تیر گیا اور برق وار آیا — جو دل میں صبر بھی آیا تو بے قرار آیا
غضب ہے غش بھی جو آیا تو رو برو انکے — جگہ تڑپنے کی جو تھی وہیں قرار آیا
ہے اپنی آنکھوں پہ احسان گریۂ حسرت — وہ ایک بار نہ آئے یہ لاکھ بار آیا
کسی پہ محو ہوا کوئی میں ہوا بیخود ؎ — ذرا کسی نے کہیں پی مجھے خمار آیا

دیکھنے بھی نہیں دیتیں تری آنکھیں کچھ بھی	کوئی ڈالے کہیں پڑتی ہے نظر آنکھوں پر
تُو نے مارا نہیں مارا ہے نگاہوں نے تری	تجھ پہ دعویٰ نہیں دعویٰ ہے مگر آنکھوں پر
کیا سے کیا ہو گئی حالت تری اب دیکھ شیریں	ہم نہ کہتے تھے کہ کمبخت نہ مر آنکھوں پر

شرابی

شرابی۔ محمد نظیر ملازم تھانہ رائکوٹ متوطن ہاپور شاگرد جناب فدا۔ زیادہ حال معلوم نہوا۔

کیا رخ یار کو سمجھا ہے مقابل اپنا	داغ تو دیکھ لے پہلے مہ کامل اپنا
کر رحم مسیحا تجھے کرنا نہیں آتا	کیا جان سے بھی ہمکو گذرنا نہیں آتا
عاصی تو اسی کے ہیں ہی بخشیگا اے شوخ	ہاں ہم تو شرابی ہیں مکرنا نہیں آتا
شرابی کو نہ چھیڑو عشق ہیں شعلہ بھبوکا ہے	جلا دیگی عدو کا گھر جو آہ آتشیں نکلی

شرف

شرف۔ صاحبزادہ محمد عبدالرحیم خاں بہادر نبیرۂ نواب محمد امیر خاں بہادر شمشیر جنگ بانی ریاست ٹونک سادہ بیانی میں طبیعت کے رنگ کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ کلام ہے۔

پھول ہیں خندہ زناں گریہ کناں ہے شبنم	نالے بلبل کے بھی کیا طرفہ اثر رکھتے ہیں
اور پھولوں سے نہ کیونکر ہو گل سرخ عزیز	قدر دنیا میں انہیں کی ہے جو زر رکھتے ہیں
اسکی رزاقی سے ملتا ہے شرف رزق ہمیں	ورنہ فن یاد ہے کوئی نہ ہنر رکھتے ہیں

شرف

شرف۔ شیخ شرف الدین۔ انکا اصلی وطن لاہور تھا مگر انکے والد احمد شاہ بادشاہ کے وقت میں دہلی آن رہے تھے۔ احمد شاہ ایرانی کے حملوں کے حملوں سے جب دہلی تباہ ہوئی تو انہوں نے غلام حسین خاں کروڑی کی رفاقت اختیار کی اور لکھنؤ چلے گئے۔ شرف نے سودا سے تلمذ اختیار کیا اور انکی وفات کے بعد سید ہاشم علی کو اپنا کلام دکھایا۔ بڑے پرگو اور خوش کلام شاعر تھے۔ آخر اٹھارویں صدی میں لکھنؤ میں حیات تھی متین و مہذب اور نکتہ سنجی میں اوقعے شخص تھے اس زمانہ کا خیال کر کے زبان کی شستگی قابل داد ہے۔ محاورات پر کم نظر رکھتے تھے مضمون آفرینی زیادہ ملحوظ تھی۔ یہ انکا کلام ہے ؎

آج تک دیکھا ہی نہیں کوئی دشمن کا ہو دوست کہیں	ایک شرف ہی کو ہیں دیکھا دوست ہے اسی دشمن کا

دُرِ دنداں ہیں یہ تیرے لبِ خنداں کے بیچ
یا کہ الماس کے معدن ہیں بدخشاں کے بیچ

پہنچے کب اسکی حلاوت کے تئیں سیب بہی
جو حلاوت ہے تری سیبِ زنخداں کے بیچ

شمع سوزاں شیشہ گریاں چشم ساغر ہی پُر آب
حیف یوں ساقی چلا تو انجمن کو چھوڑ کر

ایک تو ہے رگِ گل رشتۂ پائے بلبل
تس پہ صیاد یہ چاہے ہے کہ میں باندھوں پر

مدتوں سے ہے یہ تمنا میری اُس قاتل کے
ہو وے خنجر بکف اور سر ہو میرا پاؤں پہ

جیوں ہی چلا چمن سے وہ دامن کو جھاڑ کر
گل گر پڑے زمیں پہ گریباں کو پھاڑ کر

لوٹے چمن میں گل کو خزاں یوں بہا حیف
اور عندلیب تو رہے جیتی ہزار حیف

میں تو اب ہار گلے کا ترے ہوں گا ظالم
دیکھیں جاتا ہے کہاں اب تو مجھے مار کے پھول

اُس رشکِ چمن کو ہوا آہنگِ گلستاں
پرواز ہو سنتے ہی وہاں رنگ گلستاں

اُس رشکِ چمن کے ہے یہ چہرہ پہ خطِ سبز
یا گرد میں ہے ثبت یہ فرہنگِ گلستاں

وہ اُٹھ گئے گل جن سے شرف یادی تھا گلشن
ایک خار رہا میں بھی سو ہوں ننگِ گلستاں

نہ سیرِ دریا سے فائدہ کچھ نہ دل کو دے آب تابِ گلشن
جو دم ہے اپنا حباب آسا تو پھر ہے نقش بر آبِ گلشن

نہیں یہ شبنم پڑے ہیں نرگس تری تصور میں نقشِ رخ کو
مدام شام و سحر رہے ہے یونہیں مجھ چشم تر آبِ گلشن

مانند مرغِ قبلہ نما گرچہ مضطرب
پھرتا ہوں اپنے گھر میں یہ عزلت گزیدہ ہوں

امرت سے زیادہ تر ہے مری حق میں تو اجل
زہرِ غمِ فراق زبس میں چشیدہ ہوں

غربت میں مجھ غریب کو چھوڑو نہ ہمرہو
رہزن بہت ہیں راہ میں اور میں جریدہ ہوں

شرف منشی شرف الدین حسین ولد شہاب الدین حسین باشندۂ علیگڑھ حضرت رشک لکھنوی کے شاگرد قبل از غدر واجد علیشاہ کے زمانہ میں کانپور میں تھانہ دار تھے استعارہ بندی میں ہوشیار ماہر۔ قدیم تخییل کے دلدادہ۔ سراپا سخن میں سے کلام منتخب ہو کر درج ہوا۔ — شرف

یہ سبز پیرہن نہیں فانوس شمع ہے
ہے شمع جسم شمع کی لو ہے اگر زباں

اُس گل کا نام لینے کے قابل نہ ہو کبھی
بلبل گلاب و عطر سے دھوے اگر زباں

مانگی دعا مگر نہ ملے لب سے لب کبھی	اللہ کرے کہ لال ہو یہ بے اثر زباں
کل عاشقوں کو عالمِ حیرت دکھا دیا	دانتوں میں اُس پری نے شرف وا کی زباں
نیچی نظر جبیں پہ عرق رہتا ہے مدام	کیا باحجاب آنکھیں ہیں کیا شرمگیں جبیں
نظر پڑا نہ کوئی تمہسا دوسرا سفاک	لڑائیں ہم نے بھی جا کر کہاں کہاں آنکھیں
قتل کو اپنے رہا کرتی ہے خنجر کی تلاش	یاد آتے ہیں جو قاتل ترے خمدار ابرو

شرف

شرف۔ نواب میر محمدی خلف نواب سید جعفر خاں صوبہ دار مرشد آباد برادر زادہ نواب خان دوران خاں۔ تاریخ مرشد آباد سے انکا میر جعفر کا بیٹا ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ غالبًا بھتیجے یا بھانجے تھے۔ طرز بیان سادہ اور زبان صاف ہے۔ قدیم خیال بندی کے نمونے کلام میں ہیں۔ آزاد منش صاف گو امیرزادے تھے۔ انتخاب یہ ہے

رباعی

قزاق نہیں کہ لوٹ لاتے ہیں ہم	نوکر بھی نہیں کہ روز پاتے ہیں ہم
کیا پوچھتے ہو اپنی حقیقت یارو	اللہ دیتا ہے "بیٹھے کھاتے ہیں ہم"
اک صفائی قلب بس ہے بہرِ تسکینِ جہاں	خاتمِ دستِ سلیماں ہے نگینِ آئینہ
صاف دل کا مرتبہ ہے عرش و کرسی سے بلند	جلوہ گر ہے آسماں زیرِ زمینِ آئینہ
توتیائے چشمِ مردم خاکساری کیوں نہ ہو	فی الحقیقت خاکساری نسخۂ اکسیر ہے

شرف

شرف۔ ناظم مرصع خیال۔ شاعر جادو مقال جناب میر سادات حسین خاں عرف آغا مجّو صاحب مرحوم۔ میرزا احمد علی کوکب ولیعہد واجد علی شاہ کے خسر تھے اور ولی عہد کے لڑکے بڑے میرزا اور ننھے میرزا انہیں کی بیٹی کے بطن سے تھے۔ ۱۲۸۰ھ میں جبکہ اودھ کا خاندان شاہی اپنے اقبال کی داستان ختم کر چکا تھا اور کلکتہ کے مٹیا برج میں رہتا تھا یہ بھی ولیعہد کے ہمراہ موجود تھے۔ انہیں ولی عہد کے جوان گذر جانے کا دلی صدمہ تھا جو کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ معنی بند خوش فکر شاعر تھے۔ فن سخن میں حضرت آتش کے شاگرد رشید تھے۔ زبان سلیس۔ بیان میں لطف ہے۔ بندشوں میں تشبیہات کی دل آرائی۔ ترکیبوں میں استعارات کی زیبائی۔ انکی

مشاقی پر دال ہے۔ ٹکسالی زبان باندھتے ہیں۔ ذہن صائب کی جدت طرازی قابل تحسین۔ فکر باریک بیں کی رسائی لائق آفریں ہے کلام یہ ہے

جہاں میں حسن پرستوں کی جان لینے کو / نکھر نکھر کے نکلتے ہیں خوبرو کیا کیا
ٹپک ٹپک کے کہیں گل بنا کہیں لالہ / چمن میں رنگ نہ لایا مرا لہو کیا کیا
زباں جو اُلٹی شرف نشہ میں بہکتی ہے / مزے مزے کی وہ کرتے ہیں گفتگو کیا کیا
تڑپ کے جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا / قفس سے اور نکلنے کی راہ کیا کرتا
دم نکل لے تو چھری روکیو تو اے قاتل / سانس ہے مجھ میں ابھی ہاتھ نہ اپنا ٹھہرا
قریب مرگ ہوں للہ آئینہ رکھ دو / گلے سے مرے لپٹ جاؤ پھر نکھر لینا
دعا کو ہاتھ میں اس شرط سے اُٹھاتا ہوں / کروں جو عرض تو اُسکو قبول کر لینا
اندیشۂ اجل سے نہ مہلت کبھی ملی / جو لطفِ زندگی تھا وہ حاصل نہ کر سکا
اُس شمع رو کی بزم کا اللہ رے انتظام / پروانہ تک بھی شاملِ محفل نہ ہو سکا
تری تلاش تھی ہمکو ادھر بھی آ نکلے / ارم کا شوق نہ تھا اشتیاقِ حور نہ تھا
کمال ربطِ دلِ بے قرار میں دیکھا / کہ عمر بھر اُسے پہلوئے یار میں دیکھا
چہار سمت مجھے تو ہی تو نظر آیا / اُٹھا کے آنکھ جدھر انتظار میں دیکھا
ضعیف ہو کے زمانہ کی ٹھوکریں کھاتا / بھلا ہوا کہ میں دنیا سے نوجواں اُٹھا
قیامت آئی ہوا آفتابِ حشر بلند / گناہ گاروں کے لشکر کا وہ نشاں اُٹھا
جا کے جمعیت محشر جو پریشاں دیکھی / عشق بازوں کی میں اُجڑی ہوئی محفل سمجھا
اے شرف حسن پرستی کا مزا تھا مجھکو / دل دیا اُسکو جسے پیار کے قابل سمجھا
شمار کون کریگا تمہارے کشتوں کا / یہ بے حساب ہیں انکا حساب کیا ہوگا
ہر وقت وہ موجود رہا باغ جہاں میں / لیکن نہ کسیکو صفت بو نظر آیا
مجنوں نے میرا داغ جگر سر پہ رکھ لیا / یہ گل وہ ہے جو طرۂ دستار ہی رہا

بولے وہ میری قبر جھروکے سے جھانک کر — یہ شخص مر کے بھی پسِ دیوار ہی رہا

تُو رہ گیا فقط ترے سودائی رہ گئے — یوسف رہے نہ مصر کا بازار ہی رہا

جہاں میں حسن پرستوں کا کارواں نہ رہا — مٹے ہوؤں کا کہیں منزلوں نشاں نہ رہا

قفس میں پائی وہ آسایش اے شرف ہم نے — چمن کو بھول گئے یاد آشیاں نہ رہا

نہ ہم سے پوچھو کہ کرتے ہیں ہم ستم کیسا — تمہیں بتاؤ تمہیں چاہتے ہیں ہم کیسا

شاخِ گل جھوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی — پھر گیا آنکھ میں نقشہ تری انگڑائی کا

بہار آنے سے خوشدل ہوں قفس میں چہچہاتا ہوں — اسیری میں یہ خوشیاں ہیں رہا ہوتا تو کیا ہوتا

جسے دیکھو وہ سیرِ شہرِ خاموشاں پہ مرتا ہے — خدا جانے یہ ویرانہ بسا ہوتا تو کیا ہوتا

واہ ری تقدیر ہم جب پہنچے بزمِ یار میں — شمعیں سب گل ہو چکی تھیں دم نہ پروانوں میں تھا

حسن آئینہ میں دیکھ کے اپنے شباب کا — کھل کھیلینگے وہ نام نہ لینگے حجاب کا

شمع رو خاموش تھے بہتے تھے آنسو شمع کے — رات کو ماتم ہمارے دل کا پروانوں میں تھا

ملے گا خاک میں اک دن طلسم دنیا کا — یہ کارخانہ ہے مشتِ غبار سے پیدا

کہے سُنے سے حسینوں کو دل جو دیتے ہو — ہماری جان پہ بنتی کسی کا کیا جاتا

دو روزہ ہے بہارِ عمرِ انساں باغِ عالم میں — غرض یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے عالم جوانی کا

گلوں کی شکل بھی ہم نے نہ آنکھ سے دیکھی — بہار آتے ہی ہم کو اسیر ہونا تھا

رہا کے دھوکے جو بیٹھا ہوں تاک پر اُنکی — اسی لکیر پہ مجھکو فقیر ہونا تھا

ہمیں جو باغ میں دیکھا تو رو دیا اُس نے — اک اور صدمہ یہ وقتِ اخیر ہونا تھا

صرفِ شیرازہ جو ہوتی رگِ جانِ بلبل — پھر گلستاں کا نہ مجموعہ پریشاں ہوتا

اسقدر موسمِ گل میں ہے مجھے ضعف امسال — دونوں ہاتھوں سے نہیں چاک گریباں ہوتا

تجھکو بربادیٔ عالم جو نہ ہوتی منظور — کیوں ہرا باغ بھرا گھر کوئی ویراں ہوتا

آہ ہم کرتے ہیں اے یار کی محفل والو — دونوں ہاتھوں سے جگر تھام لو اپنا اپنا

پوچھتے ہیں جو کوئی نام مرا لیتا ہے
جانتے ہیں وہ مجھے عاشق شیدا اپنا

رخسار سے کہ پھول کھلاے گلاب کا
غنچہ نہ میں کہوں تو کہوں پھر دہن کو کیا

ہو جاتی شبیہ آپکے کشتہ کی جو بیرنگ
جلاد لہو بھرنے کو تصویر میں آتا

دیدار کی خاطر سے مجھے تڑپانیکو اس نے
جھانکا تو جھروکے سے مگر سر نہ نکالا

وحشت میں سب مجھے دیکھنے آئے جو پری زاد
کس کس نے شرف جیب سے پتھر نہ نکالا

ایسی بے رحمی سے صیاد نے بازو توڑے
عمر بھر قابل پرواز کوئی پر نہ ہوا

امید میں دیدار کی آیا ہوں یہاں تک
ارمان بھرا ہوں مجھے ناشاد نہ کرنا

آخر کو ہوا حیرت و حسرت کا یہ نقشہ
مٹی کے کھلونے کو بھی تصویر میں سمجھا

دل کو بچاؤں یار کی ترچھی نظر سے کیا
پہلو تہی کروں میں قضا و قدر سے کیا

قسمت میں داغ تھے سو ملے باغ عشق سے
پھولوں سے کام کیا ہمیں مطلب ثمر سے کیا

کیا ٹھہری تم سے ان سے ملاقات کی شرف
پیغام ادھر سے کیا گئے آئے ادھر سے کیا

چھپا ہے گل رخوں میں دل مجھ نحیف تن کا
پھولوں میں تل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

جاری ہوا ہے کب سے داغ وفا جہاں میں
موجد ہے کون اسکا سکہ ہے کس چلن کا

پروانہ بھی تو جا کر ابھرتا نہیں وہاں سے
کیونکر کھلے کسی پر حال اسکی انجمن کا

کیا لگاوٹ تھی کہ دل کھینچ لیا پہلو سے
ہاتھ اس ناز سے اس گل نے کمر پر رکھا

زلف الجھی گی تو شانہ سے سلجھ جائیگی
دل جب الجھیگا تو کوئی نہیں سلجھانے کا

اے شرف بلبل ناشاد کا ہوں میں ہمدرد
داغ ہوگا مجھے ہر پھول کے مرجھانے کا

اے پری رو دیکھکر عالم ترا
کیا بتاؤں دل کا کیا عالم ہوا

عمر بھر رہ رہ کے اٹھا دل میں درد
صدمہ پر صدمہ مجھے پیہم ہوا

خیال دل کی تباہی کا آگیا مجھکو
کسی غریب کا اجڑا ہوا جو گھر دیکھا

شوق میں ذوق میں کیا کیا نہ مرادیں پائیں
کوئی ارمان محبت میں نہ نکلا دل کا

پانی ہو جانے کو یہ ہے وہ لہو ہونے کو
نہ بھروسا ہے جگر کا نہ بھروسا دل کا

روزِ ازل سے غنچۂ دل میں بسا ہے تو
پھر مجھ سے بوئے گل کی طرح کیوں نہاں رہا

کچھ بس نہ میری گردشِ قسمت سے چل سکا
چکر میں لاکھ طرح آسماں رہا

تنکے مری تلاش میں صیاد نے چُنے
دیوانہ جستجو میں مرے باغباں رہا

ڈبویا جب مجھے دریائے غم میں یاس و حسرت نے
نہ کوئی آشنا نکلا نہ کوئی ناخدا نکلا

جل جائیو گھُن جائیو پروانو ہیں اے دل
زنہار کبھی اُس شوخ کی محفل سے نہ پھرنا

بارش کبھی ہوتی ہے تو بھر جاتے ہیں جل تھل
لیکن کبھی رونے سے مرا دل نہیں بھرتا

کہا اشاروں سے میں نے کہ تیرا ہے بلب
جو نطق بند مرا اُنکی گفتگو سے ہوا

بڑوں بڑوں کو لگایا نہ منہ کبھی میں نے
وہ ظرف ہوں کہ نہ واقف کبھی سبو سے ہوا

میں وہ دیوانہ ہوں مجنوں گرد پھرتا ہے مرے
کرتی ہے لیلیٰ طواف آکر مری زنجیر کا

جل بھی جاؤنگا تو تیری بزم کا ہونگا چراغ
میں وہ پروانہ ہوں تیرے حُسنِ عالمگیر کا

سراپا نور ہے جلوہ نظر آتا ہے قدرت کا
ہمارا دل بنا ہے آئینہ کس خوبصورت کا

نشوونما جو کرکے مجھے بے نشاں کیا
کیا جانے اُس نے میری طرف کیا گماں کیا

ہم نے دل دیکے انہیں داغ ہزاروں پائے
ایک غنچہ کے عوض میں ہمیں گلزار ملا

ہمیشہ ہم نے شرف وجد و حال کو ڈھونڈا
کہیں پتا نہ سُنا اسکی انجمن کے سوا

باغباں کے ظلم سے تنکے گلستاں میں چُنے
بازوؤں کو توڑ کر صیاد نے بے پر کیا

کوئی پھرتا تو خبر ہم رفتگاں کی پوچھتے
کون سی منزل پہ اُترے ہیں کہاں بستر کیا

جگر کا درد جو معشوق دلربا سے کہا
کوئی بتائے کہ بیجا کہا کہ ''وہ جا'' سے کہا

مری طرح سے کلیجہ پکڑ لیا اُس نے
فسانہ درد جگر کا جس آشنا سے کہا

جب سے ہُوا ہے عشق ترے اسم ذات کا
آنکھوں میں پھر رہا ہے مرقع نجات کا

موجد جو نور کا ہے وہ میرا چراغ ہے
پروانہ ہوں میں انجمن کائنات کا

تیرا دیوانہ بسا تھا جا کے جس ویرانہ میں
چھری مجھ پر اسیری سے جو پہلے تیز کرتا ہے
آتہیں آغوش میں لینے کی حسرت جب میں کرتا ہو
کبھی جو شاخِ گل لا کر قفس کے پاس رکھدی ہے
روح رخصت ہی جگر خون ہو دل ہی پرزے
نہ آئیگا وہاں تک خون تو کیوں سر کا جاتا ہے
بے نیازی پر انہیں ناز مرے دم تک تھا
شیشۂ دل بھی کم اندر کے اکھاڑے سے نہیں
چمن کے سایہ سے بھاگتا ہوں اُس سے بھی صیاد بنتا ہوں
وہ مشتاقوں میں جب آئے تو آئے جان جان ہو کر
تربتِ قیس سے کہتی ہے لپٹ کر لیلے
آنکھوں سے بہ رہی ہیں لہو ہو کے حسرتیں
اک اک سے پوچھتے ہیں وہ آئینہ دیکھکر
رستے ہیں بند بھیڑ سی ہے بھیڑ ہر طرف
"چندرا کے" مجھکو بولے وہ آخر جو شب ہوئی
جہاں تک جسقدر عالم ہوا اُسپر اسقدر کم ہے
حسینوں کو خدا نے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
ہوں بہت بیتاب رونے دو نہ سمجھاؤ مجھے
انقلاب اُس کے تلون کا مرقع ہی شرف
کسی سے عشق میں یا رب نہ آنکھ ہو نیچی
حسرت ہی خوب جور و ستم خوبرو کریں

کون سا عالم وہ تھا جو اُس بیابانیں نہ تھا
خدا معلوم گلچیں نے جڑی صیاد سے کیا کیا
لپٹتی ہے تمنا آ کے مجھ ناشاد سے کیا کیا
تو بلبل نے کئے ہیں چوچلے صیاد سے کیا کیا
آج شیرازۂ ہستی ہے پریشاں اپنا
الگ میں تو تڑپتا ہوں ترے دامن سے کیا مطلب
لن ترانی کی نہ پھر آئی صدا اسیری بعد
اسمیں معشوق اُترتے ہیں پری رو ہو کر
بہار قید دل اُلٹے یا ہی گماں قفس کا ہی آشیاں پر
چھپے آنکھوں کے پردے میں رہی وہیں نہاں ہو کر
ہم تڑپتے ہیں پڑے تمکو خبر کچھ بھی نہیں
شاید ہے کشتِ فنجوں جل خانہ خراب میں
معشوق پاؤں پیار کے قابل تو کیا کروں
محشر میں اُسکو ڈھونڈنے کی راہ کیا کروں
فق ہو گیا ہی رنگ کسی کا سحر نہیں
دیا ہی کم سنی نے ہاتھ اسکا دستِ قدرت میں
حقیقت میں یہ سب آئینہ رو تصویر سے کم ہیں
صبر کی اسوقت گنجایش مرے دل میں نہیں
جس کی الفت میں سوا مٹنے کے کچھ حاصل نہیں
کلیم طور پر جائیں میں عرش پر جاؤں
وہ بے نیازیاں کریں ہم آرزو کریں

چھری اوچھی لگانے سے یہی منشا تھا قاتل کا
کبھی تڑپوں کبھی بسمل رہوں میں نیم جاں سوں

خیانت کی نہیں ہوتی جو نیت خاکساروں کی
زمیں بھی اُنکی رکھتی ہے امانت استخواں سوں

کیا خدا ہیں جو بلائیں تو وہ آ ہی نہ سکیں
ہم یہ کہتے ہیں کہ آجائیں تو جا ہی نہ سکیں

شعلۂ دل کو وہ چاہیں تو ابھی گل کر دیں
کچھ جہنم یہ نہیں ہے جو بجھا ہی نہ سکیں

داغ ہجراں جگر و دل میں نہاں رکھیں گے
آپ کا حسن نہیں ہے جو چھپا ہی نہ سکیں

اُسکو حیرت ہے اُدھر مجھکو ادھر سکتا ہے
یار تصویر ہے آئینہ دیوار ہوں میں

تری گلی میں جو دھونی رمائے بیٹھے ہیں
اجل رسیدہ ہیں مرنے کو آئے بیٹھے ہیں

فریفتہ ترے اس ترچھی ترچھی چتون کے
چھری کلیجوں میں اپنے لگائے بیٹھے ہیں

ہمارے دفن و کفن کی بس اب کرو تدبیر
خبر بھی ہے تمہیں ہم زہر کھائے بیٹھے ہیں

شب وصال سے بہتر وہ دن گذرتا ہے
کبھی کبھی جو ترا [illegible] سحر کو دیکھتے ہیں

اس مرے سودے کا دنیا میں ٹھکانا ہی کہیں
جان کا گاہک جو ہے اُسکے خریدار نہیں ہیں

راحتیں سمجھے حسینوں نے جو ایذائیں دیں
پیار آیا تو پسند ان کی جفائیں آئیں

ہم تو کہتا ہے کہ مانگو جان بچنے کی دعا
ہمت دل کھو رہی ہے التجا اچھی نہیں

نوجوانی میں بھی کیفیت بہار عمر کی
ابتدا ہی میں مزا تھا انتہا اچھی نہیں

پوچھتے ہو جو حقیقت مری بیتابی کی
آؤ یہیں تم کو کلیجے سے لگا لوں تو کہوں

کیا کہوں کیسی ہے اُس شوخ کی ترچھی چتون
اک چھری اپنے کلیجے میں لگا لوں تو کہوں

مار ڈالا ہے جو بے جرم قضا نے ہمکو
داد دینے کو بلایا ہے خدا نے ہمکو

رہ گئے دیکھ کے سکتے میں ہم اُنکا جلوہ
بیخودی نے نہ دیا ہوش میں آنے ہمکو

اک بات اُس میں پائی جو شوخیٔ یار کی
ہم نے بھی اپنی جان لڑا دی قضا کیساتھ

نکل رہا ہے مرا دم ہراس ہے دل کو
اُداس صاحب خانہ ہے میہماں کے لئے

پہونچ کے قتل ہوئے کوئے یار میں عشاق
قیامت آگئی منزل پہ کارواں کے لئے

شکار ہوں گے عنادل نہیں گے غنچہ و گل | بہار آئی ہے صیاد و باغباں کے لئے
جھروکے سے جھلک ظالم دکھا جا شام ہوتی ہے | ترے دیدار کا مارا تڑپتا ہوں میں دن بھر سے
ذرا دم لینے دو منکر نکیر آرام کرنے دو | تھکے ماندے مسافر ہیں چلے آتے ہیں باہر سے
ترس کھا کر کہیں بہلا دو طفلِ اشک کو مردم | نکلتا ہے جنازہ لختِ دل کا دیدۂ تر سے
ہم جو کہتے ہیں نقاب اُلٹو تو مکھڑا دیکھیں | ہنسکے کہتے ہیں تمہیں تابِ نظر کب ہوگی
مرتے ہیں پر بیانِ صدمۂ ہجراں نہیں کرتے | کیا درد مزے کا ہے کہ درماں نہیں کرتے
تمام عمر نہ بیٹھے کہیں ٹھکانے سے | لئے پھری ہمیں دن رات جستجو تیری
صورت جو چشمِ یار نے پکڑی غزال کی | چتوں نے سب پے چھری مری گردن حلال کی
کیا اُس کے رُخ سے چودھویں کا چاند بختتا | نازاں وہ جس پہ تھا وہی شب تھی زوال کی
ہمیں جو ہجر میں پیستے ہو یہ جانتے ہو کہ کیا کرینگے | خدا نے چاہا تو سرمہ ہو کر تمہاری آنکھوں میں جا لگینگے
ملا ہے آرام آشیاں کا نہیں کچھ اندیشہ باغباں کا | رہا بھی ہوں گے تو آکے اکثر ہم اس قفس میں بھی جی لگینگے
حسرت سے اس لئے میں اُترتا ہوں قبر میں | ۱؎ ملتی ہے جان دیکے یہ دو گز زمیں مجھے
لپٹیگی کیا سرشت مری بھی اسی سے ہے | آغوش کھول کے لیگی زمیں مجھے
پیسکر بھی نہ ہمیں آنکھ اُٹھا کر دیکھا | سرمہ بھی ہو کے نہ ظالم کی نظر تک پہونچے
ڈبڈبانیکو ہیں آنسو چشم تر ہونے کو ہے | دل بھرا آتا ہے کیا پانی جگر ہونے کو ہے
زخم ہیں رونے کو ہم دم توڑنیکے واسطے | دل لہو ہونیکو ہے ٹکڑے جگر ہونے کو ہے
کنج لحد میں مجھکو سُلا کے پوچھتے ہیں وہ لوگوں سے | نیند انہیں اب آگئی کیونکر کیا ہوئی بیخوابی کی

شرف ـ وقار الاعظم صاحبزادہ مشرف یار خاں صاحب نکتہ سنج شوخ رقم شاعر پاکیزہ خیال واہل تمیز۔ نواب صاحب بہادر والئی جاورہ کے عزیز۔ میرزا محمد اسد یار خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ کارخانہ جات ریاست کے فرزند سعید اور داغ دہلوی کے تلمیذ رشید ہیں۔ شرف

آپکے آباؤ اجداد میں میر حیدر بیگ خاں بخاری اور میر حبیب برلیچ خاں جاگیردار

۱؎ میر انیس کی رباعی سے مضمون لڑ گیا ہے۔

دہار (واقع افغانستان) دلاوری اور شجاعت میں مشہور تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ میرزا اشرف ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں جاورہ میں پیدا ہوئے۔ جاورہ کے ہائی اسکول۔ رتلام کے سنٹرل کالج میں تعلیم پائی خوش قسمتی سے مسٹر ہربرٹ اور مسٹر رضا حسین خانصاحب ایم۔ اے جیسے شفیق اساتذہ ہاتھ آئے۔ ۱۶ سال کی عمر میں مہاراجہ سر سجّن سنگھ بہادر والیٔ رتلام کے مصاحب ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں ۲۲ برس کی عمر تھی صاحبزادہ عبیداللہ خاں نے ریاست ٹونک میں بلاکر پرائیویٹ سکریٹری کے عہدہ پر مقرر کیا مگر چند ماہ بعد جاورہ آکر پہلے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے۔ پھر مجسٹریٹی کے عہدہ تک ترقی کی جاورہ کے مشہور تجربہ کار اہلکار قحط اور حفظان صحت کے متعلق قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ نظم و نثر میں دستگاہ کامل ہے ڈائمنڈ جوبلی ۱۸۹۷ء اتالیق قیصری ۱۹۰۷ء۔ زراعت مالوہ آپکی تصنیف سے ہیں۔ دل بیقرار موسوم بہ دیوان اشرف حسن و عشق کا نگارخانہ ہے تخمیناً ۲۰ سال سے شعر کہتے ہیں۔ تغزل کی حقیقت اور جامعیت سے بخوبی واقف ہیں۔ مشّاق اور قادر الکلام سخنور ہیں۔ شاگردان داغ میں ممتاز ہیں۔ تغزل کے علاوہ قصیدہ تاریخ ہر صنف سخن میں دخل رکھتے ہیں۔ جذبات محبت جو انکے اشعار میں نظر آتے ہیں وہ استادی شاعری کا پورا جوہر ہوتے ہیں۔ زبان میں خداداد شوخی ہے۔ شباب۔ انتظار حسن۔ شاہد و مینا کے مضامین جس خوبی سے ادا کرتے ہیں وہ اپنے رنگ میں لاجواب ہیں۔ روزمرہ محاورات کی تہ میں بذلہ سنجی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ سوز و گداز دلوں میں چٹکیاں لیتا ہے طرزِ بیان میں انتہا کا لطف ہے اور اسی رنگینی کی وجہ سے ہر شعر دل میں گدگدی پیدا کردیتا ہے۔ شریف الطبع خلیق شخص ہیں۔ افسوس ہے کہ آپکے بڑے صاحبزادے کا حال میں انتقال ہوگیا۔ بہنگام نظر ثانی کلام عنایت کیا جس کا انتخاب ناظرین کی تفریح اور دلچسپی کیلئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

عدو دشمن سہی بھی ہم سے بھی ایسا ہو نہیں سکتا
ہماری بندگی یہ ہم سے جھگڑا ہو نہیں سکتا

یہ وضع عشق مارے ڈالتی ہے ورنہ اے ظالم
وہ جب کیا ہو نہیں سکتا تھا اب کیا ہو نہیں سکتا

صدمہ کب تک سہیں جدائی کا … اب تو جینا ہے بے حیائی کا

صلح کر نام پر بگڑتے ہو کیوں … صلح کیا نام ہے لڑائی کا

شوق اور شوق خود آرائی کا … تو بھی دشمن ہے تماشائی کا

ہے حسن یہ ایک آدمی کا … کیوں نام بتائیں ہم کسی کا

اسے موسیٰ کا دل ہی جانتا ہے … کہ آیا طور پر اُن کو نظر کیا

بہت کھوئے گئے مذکورِ دل پر … یہ کہتے ہی ترے ہے کیا۔ کدھر کیا

اِک نہ اِک غم لگا ہے سب کے ساتھ … ساری دنیا کو مبتلا دیکھا

کچھ سوا اپنی نارسائی سے … رنج ہے غیر کی رسائی کا

ہو رہی ہے ستم سے کیوں توبہ … یہ بھی پہلو ہے دلربائی کا

دل بھی ہے دل میں درد بھی ہے اسکا دیا … "اپنی کہو تو" کہ ہمیں تم نے کیا دیا

اے شمع دل کا درد تو ہم سے بیان کر … کمبخت تیری بے سخنی نے جلا دیا

مدفن یہ میرے خاک بھی ڈالی نہ ننگ سے … دامن جھٹک کے خاک میں تم نے ملا دیا

دل سینچنے گئے تھے حسینوں میں کل شرف … دامن کسی نے ہاتھ کسی نے چھڑا دیا

جلوۂ جاناں بہت کھیلا ہے میرے دل کے ساتھ … روز پردہ توڑ ڈالا روز پردہ کر لیا

دل کے اندر تم ہی تم ہو دل کے باہر تم ہی تم … کیا دکھانیکو سیکھے تم نے پردہ کر لیا

ترک مے کے بعد بھی بھولے نہ راہِ میکدہ … جب چلے گھر سے اُدھر کا ایک پھیرا کر لیا

صبح تک آنسو بہائے انتظارِ یار میں … رات بھر میں موتیوں کا ہار پورا کر لیا

اُنکے آگے اشک بھر لائی آنکھوں میں [illegible] … آپ چپکے چپکے رہ شکوے کا شکوہ کر لیا

نظر ڈالی ہی تم نے غیر پر کیا … بُری ہے تم سے بھی میری نظر کیا

لگا ہے قفل دروازے میں اُنکے … عدو کے گھر گیا ہے "گھر کا گھر کیا"

دل سے کہ ہمیں دل کے ارمان سے کیا مطلب … تم جان سے پیارے ہو تو جان سے کیا مطلب

بتخانہ میں کافر ہوں کعبہ میں مسلماں ہوں
توحید کا دریا بھی سرچشمۂ راحت ہے

خوبرویوں پر پڑی ہیں چھٹیاں

دم اور ذرا سا دلِ مضطر میں ہے قاتل

ہر بات پہ آجاتا ہے مذکور عدو کا

یہ آج رخ پُر نقاب کیوں ہے یہ وصل کی شب حجاب کیوں ہے
کرے بہانہ نہ کیوں غشی کا دھرا ہے زانو پہ سر کسی کا

سماں تھا دمِ وداع ہمیں دیر تک
مزا دے گیا بوسۂ آستاں
شرف روزنِ در سے جھانکا کیا
عجب مدعا تھا دلِ زار کا
نئی عمریں نئی چاہت نیا حسن
چہرہ پہ ادھر ڈالیں ادھر زلفیں اٹھائیں
پھر پوچھنا تم ہاتھ مرے سینہ پہ رکھکر
بیمارِ غمِ عشق ادھر ہو کہ ادھر ہو
کسی کا پوچھنا انجان بنکر

سرور افزائے دل ہیں جسقدر دل کی چھپالی ہیں
کیا انہیں نمک کم ہے نمکداں کو جو دیکھیں
منتیں مانی ہیں وہ دمِ نزع شرف
وہ غیر کی الفت میں پشیماں ہیں کیا کیا
کھینچے ہیں وہ جذبِ محبت سے کسیکے

تم سے مجھے مطلب ہے ایمان سے کیا مطلب
سرچشمۂ راحت کو طوفان سے کیا مطلب
تم نکل آؤ ہمارے نام پر
تیر نگہ نازکی ایک چوٹ وہیں اور
گو مجھ سے مخاطب ہیں مگر دل ہے کہیں اور
کہ پردہ پکڑے کھڑی ہے آگے تجلی آفتابِ عارض
سنگھارتی ہیں وہ مشکِ گیسو چھڑک کے رنگِ گلابِ عارض

رہے غش مرے ہم نشیں دیر تک
نہ سرکی ہماری جبیں دیر تک
تجھے ایک پردہ نشیں دیر تک
کہ کہکر نہ سمجھے ہمیں دیر تک
نئے ہم ہیں نئے تم ہو نیا دل
گویا کہ شبِ وصل نہیں دیر سحر میں
تم تحیت کہاں درد ہی دل میں کہ جگر میں
تم دیکھ تو لو فیصلہ ہے ایک نظر میں
شرف تم مبتلا ہو کس بلا میں

مئے الفت بھری ہے انمیں یہ منہ کے پیالے ہیں
منہ انکا مرے زخمِ جگر دیکھ رہے ہیں
کیوں نہ مر جائے کہ جینے کی دعا دیتے ہیں
ہم اپنی دعاؤں کا اثر دیکھ رہے ہیں
مر مر کے خدا جانے کدھر دیکھ رہے ہیں

دل لائیے بس آنکھ نہ ہم سے چرائیے
کچھ دیر میں دکھا نہ کچھ اللہ کے گھر میں
اس درد محبت کو سو کھیل کھلاتے ہیں
جنت کا بیاں کر کے حوروں کی جتاتے ہیں
منہ موڑ کے جاتے ہو دل توڑ کے جاتے ہو
مُردوں کا جلانا تو دستور ہیں داخل ہے
وہ کون کہ دل آرا ہیں کون کہ دلدادہ
بات کیا ہے وہ ان حسینوں میں
نزع میں ہم سے یہ ہُوا شکوہ
پسِ مردن بھی میرے ضعف اُٹھتی خجلی ہے
تو ہے قاتل تری ہر تیغِ ادا قاتل ہے
ہاں ذرا خونِ جگر اور ٹپکنا کہ کوئی
ربطِ دشمن یہ سمجھے جی سے اُتر نے نہ دیا
سُنکے قصہ وصل کی شب وہ مرے اندوہ کا
کہاں لیجائیگی اے بے قراری
سنبھالے نہ سنبھلی طبیعت کسی کی
سمجھائیں گے رو رو کے دل کی لگی کو
ہائے قاصد سے بصد ناز وہ کہنا کیا ہے؟
جان اُسکی ہے دل اُسکا ہے جگر اُسکا ہے
میں فدا تم پہ مری جان تم اُس پر شیدا
چلو حضرت دل حسینوں سے ملنا

ہم اپنے دل کا چور پکڑ لیں ہزار میں
جو اپنی نظر میں ہے وہ ہے اپنی نظر میں
گھٹتا ہی جو پہلو سے سینہ سے لگاتے ہیں
یہ حضرتِ واعظ بھی کیا دُور کی لاتے ہیں
عاشق کی تمنائیں اس طرح مٹاتے ہیں
اللہ رکھے اُنکو جیتوں کو جلاتے ہیں
دل کون کرے شیدائی۔ پھر دل کو ستاتے ہیں
بے وفا ہو کے یاد آتے ہیں
ہم تو آئے ہیں آپ جاتے ہیں
کہ اُٹھتا ہے مرا مشتِ غبار آہستہ آہستہ
چشم بد دور نظر جس پہ پڑی بسمل ہے
کہہ رہا ہے یہ کسی سے "یہ مرا بسمل ہے"
کس قدر لوٹ کے آیا ہوا گھبیر دل ہے
بولے نیند آنے لگی کیا خوب یہ افسانہ ہے
اُٹھا جاتا نہیں مجھ ناتواں سے
بُری چیز ہے اچھی صورت کسی کی
کلیجا اسی طرح ٹھنڈا کرینگے
اور خط دیکھ کے پھر پوچھنا لکھا کیا ہے
ہم بھی اُسکے ہیں خدا جانے ہمارا کیا ہے
مجھ سے کیا تم سے بھی ہے غیر کی قسمت اچھی
ٹھکانے سے مٹی لگائیں تمہاری

غم کھاؤں کیا کہ غم کو مرے دل نے کھالیا
حیران ہوں کہ کھاتی ہے میری غذا مجھے

دردِ دل سے وہ بنی ہے جان پر
بات کرتا ہوں کلیجہ تھام کے

شر ہے شرف کے نام میں یہ اعتراض ہے
رکھنا پڑے گا نام کوئی دوسرا مجھے

عشق کی راہ ہے مجنوں نہ کوئی منزل ہو
تو جہاں ہے وہیں لیلیٰ ہے وہیں محمل ہے

آپ کے نام پہ آتی ہے ہنسی ہم کو شرف
کون سی بات یہ حضرت کو شرف حاصل ہے

بتوں کی محبت میں دنیا گئی
ارے کیسی دنیا کہ عقبیٰ گئی

مجھے کوستے تھے وہ صبحِ وصال
جو آنکھیں ملیں تو ہنسی آگئی

خدا کی جدائی تو سہہ لی شرف
بتوں کی جدائی مگر کھا گئی

یہ عداوت ہے یا محبت ہے
لپٹی جاتی ہے تیغ بسمل سے

عشق پروانوں کا ہے کچھ الٹا
جلتے ہیں یہ چراغِ محفل سے

"مجھکو بے چین کردیا مجنوں"
یہ صدا آرہی ہے محمل سے

آج بیتاب ہوں بہت قاصد
کچھ نہ کچھ کہدے جوڑ کر دل سے

یاد کرتے ہی آگئے وہ شرف
ہے مثل دل کو راہ ہے دل سے

ہر سانس میں دردِ آرزو ہے
ہر پھر کے اُسی کی جستجو ہے

خنجر ہو ترا کہ بادۂ ناب
جو کھنچ گیا اُسکی آبرو ہے

اُبھرے ہوئے سینہ سے وبادو
دل میں مرے دردِ آرزو ہے

دوپٹہ کسی کا کدھر کا کدھر ہے
جوانی کا عالم بھی کیا بے خبر ہے

مَسَل ڈالا گلشن میں لالے کو کس نے
کسی نے کہا تھا یہ میرا جگر ہے

مزے لوٹتی ہیں ہماری نگاہیں
تمہیں کیا خبر ہے جو ہمکو خبر ہے

زمانہ کی پڑتی ہیں تم پر نگاہیں
تمہاری بھی آخر کسی پر نظر ہے

ضبط کب تک شعارِ عاشق ہو
صبر کب تک کہ آدمی ہی تو ہے

اب بتکدے کی سیر کرو چل کے اے شرف
کعبے میں رہتے رہتے تو مدت گذر گئی

اس عشق میں بتوں کے کچھ بھولے نہ بھولو
بھولے ہیں ہم خدا کو ہم کو خدا نہ بھولے

ظالم بری گھڑی تھی صبح مفارقت کی
بھولے ہیں تیرا آنا جانا ترا نہ بھولے

خدا تم کو توفیق دے اب وفا کی
امیدوں میں پھر جان ڈالی ہے ہم نے

دھرا کیا ہے پیرِ فلک کی گرہ میں
شرف جو پڑی ہے اٹھا لی ہے ہم نے

تم سلامت رہو کس بات کا شکوا ہے مجھے
بیوفائی کا گلہ اور گلہ کیا ہے مجھے

اے منجم کبھی تو دیکھ ستارا میرا
کیا ابھی اور اسی حال میں جینا کیا ہے مجھے

اٹھ کے پہلو میں وہ کروٹ تو لوا دیتا ہے
آخر اس درد سے اتنا تو سہارا ہے مجھے

تمہیں سوچو کہ کس امید پہ انسان جئے
نہ تسلی نہ تشفی نہ دلاسا ہے مجھے

وہ بھی مقامِ دوست ہے یہ بھی مقامِ دوست
دیر و حرم کا تفرقہ اک دل کی بات ہے

سامانِ آخرت میں یہاں ہے خدا کا نام
یہ کائنات ہے تو بڑی کائنات ہے

جلوے کہاں وہ روئے تجلی نقاب کے
یوں سینکڑوں ورق ہیں خدا کی کتاب کے

پھر اے شرف کہاں یہ زمانہ بہار کا
دو گھونٹ اور بیٹھ کے پی لے شراب کے

ہمیں راہِ بتاں میں مل گئے ہیں حضرت ناصح
خدا جانے کہاں تک یہ مصیبت ساتھ جائیگی

شرف اعمال کر اچھے کہ جو عقبیٰ میں کام آئیں
وہاں جنت نہیں دنیا سے جنت ساتھ جائیگی

عیسیٰ جو تم نے مردے جلائے تو کیا مجھے
اس دردِ دل کی کوئی بتا دو دوا مجھے

تصویر اپنی اسنے شرف مجھ سے چھین لی
کہتا ہے اعتبار نہیں آپ کا مجھے

دیر و حرم کا ہم اسے پابند کیوں کریں
مختار ہے جہان کا چاہے جہاں رہے

حسن صورت ہی نیا روز کا آئینہ ہیں
مجھکو پہچانو گے اپنی تمہیں پہچان بھی ہے

شرف ۔ حافظ محمد ابو الشرف نام، شرف تخلص، خلف شاہ محمد معصوم صاحب مجددی آپ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں۔ شعر گوئی میں پہلے آپنے حضرت امیر مینائی لکھنوی

مرحوم سے فیضِ تلمذ حاصل کیا تھا بعد وفات اُنکے جانشین حضرت جلیل سے مشورہ لیتے رہے ہیں زبان صاف ہے۔ پروفیسر حامد حسین قادری نے کلام بھیجا تھا اُسکا خلاصہ درج ذیل ہے ؎

اس نے تو آسمان و زمیں ایک کردئے	اللہ رے اضطراب دلِ بے قرار کا
گل فشانی آج کیوں ہوتی نہیں گلزار میں	کیا کوئی کانٹا لگا بلبل تری منقار میں
لب پہ کچھ ہے اور چتون کہہ رہی ہے اور کچھ	مل رہا ہے کیا مزا اقرار کا انکار میں
وہ حسن دیکھ کے بُت بن گیا دلِ بیتاب	نئی ہے سیر کہ بجلی کو اضطراب نہیں
اُن کو آئینہ دکھایا کیسی نادانی ہوئی	وہ بنے تصویر مجھکو اور حیرانی ہوئی
چوٹ سنے پلٹے نہ ابرو مار بیٹھا وہ چھری	وائے قسمت حج سے پہلے اپنی قربانی ہوئی
قضا بنکر ادا نے جان عاشق کی نکالی ہے	جمالِ یار میں اللہ کیا شانِ جلالی ہے
لگی ہے آگ گلشن میں بنے ہیں پھول انگارے	جلے دل سے یہ کیسی آہ بلبل نے نکالی ہے
ابھی وہ منزلوں ہے دور اور ہل چل ہے عالم میں	قیامت ہی قیامت بھی کہ تیری چال اُنالی ہے
وہ پٹہ آسمانی لے اُڑا ہے اُس ستمگر کو	وداغ اُسکا نہ پوچھو اب تو گردوں سی بھی عالی ہے
مرے ہی دل میں گھر کرنا مری ہی آنکھ سی چھپنا	حیا اُسکی انوکھی ہے ادا اُسکی نرالی ہے
دل کو پکڑ کے بیٹھ گئے وہ سرِ مزار	بولے یہ قبر ہائے مرے باوفا کی ہے
ہاں سچ ہے تم سے پھر کے بتو جائینگے کہاں	بس اک تمہیں تلک تو خدائی خدا کی ہے
زنجیر عرش بن گئی ہے جاکے عرش پر	اللہ کیا پہنچ مری آہِ رسا کی ہے

شرف

شرف۔ جناب سید محمد نذر صاحب رئیس سرسی تلمیذ حضرت راز لکھنوی بہت مشاق شاعر ہیں۔ مصرعہ پر مصرعہ خوب لگاتے ہیں۔ استعارہ اور تشبیہ کلام میں بقدر مناسب استعمال کرتے ہیں۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

چھائی حیرت جو نقاب رخِ زیبا اُٹھا	پڑ گیا اور یہ پردہ جو وہ پردہ اُٹھا
آج پہلو میں مرے درد کچھ ایسا اُٹھا	کبھی تڑپا کبھی لوٹا کبھی بیٹھا اُٹھا

دستِ نازک سے جو شمشیر گلے پر نہ پھری	ہنسکے سینے سے مرے وہ ستم آرا اُٹھا
بےطرح آج وہ بگڑے ہیں خدا خیر کرے	اب کوئی آئی بلا اب کوئی فتنہ اُٹھا
سینکڑوں گر گئے موسیٰ کی طرح غش کھا کر	آج کس کے رخِ پُر نور سے پردہ اُٹھا
تھی یہ امید کہ تربت پہ چڑھائینگے وہ پھول	فاتحہ کو بھی شرف ہاتھ نہ اُن کا اُٹھا

شرق

شرق - میر غلام عباس خلف سید غلام رضا باشندۂ لکھنؤ۔ آپ میر وزیر علی صبا کے شاگرد و صاحبِ دیوان تھے۔ قدیم رنگ کا کلام ہے۔ غدر سے پیشتر زندہ تھے۔ کلام درج ذیل ہے ؎

مجھسے نہ کھنچئے مری جاں اس قدر دماغ	کچھ خبر ہے بشر سے کرے یوں بشر دماغ
اک بوئے زلف نے تو یہ آشفتہ کر دیا	پیدا کرے نہ اور کوئی دردِ سر دماغ
آتا ہے غش پہ غش مجھے اب بات بات میں	فرقت میں یہ ضعیف ہوا ہے جگر دماغ
اس حسنِ عارضی پہ یہ نخوت خدا سے ڈر	اے بُت نہ اپنے چاہنے والوں سے کر دماغ
باتیں غرور کی وہ کسی اور سے کریں	ہم سے تو اُٹھ سکے گا نہ یہ عمر بھر دماغ
اے شرق سب سے جھک کے برابر ملا کرو	رکھتا ہے آدمی کو سُبک عمر بھر دماغ

شرق

شرق - محمد وزیر خاں خلف محمد اکبر خاں پٹھان۔ آپکے بزرگ ولایت ہزارہ سے ہندوستان میں آئے اور قصبہ بلاری ریاست دھول پور میں قیام کیا۔ آپ کے جدِ امجد مرتضیٰ خاں چین پوری علاقہ بھوپال میں تحصیلدار تھے۔ انکے والد علاقۂ بھوپال سے دھول پور میں چلے آئے۔ یہ خود ریاست گوالیار میں عرصہ تک ملازم رہے ۱۸۹۵ء سے ریاست دھول پور کی عدالت میں وکالت کرتے ہیں۔ فنِ سخن میں حضرت داغ دہلوی سے تلمذ ہے۔ متروکات کے پابند نہیں ہیں۔ سادہ زبان میں شعر کہتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

جھوٹے وعدوں پہ وصل کی امید	کیا خبر ہے ہُوا ہوا نہ ہوا
جس کو پالا تھا ناز سے ہم نے	وہی دل اپنا آشنا نہ ہوا
آپ ہی جور کریں آپ ہی شکوا اُلٹا	کیا قیامت ہے زمانہ کا ہے نقشا اُلٹا

سخت جاں ہوں میں غضب ہے مرا قاتل نادان   ابھی خنجر کو سمجھتا نہیں سیدھا اُلٹا
آنکھ کے تل میں نظر آگئی قدرت اُس کی   کیا کہوں طالب دیدار نے کیا کیا دیکھا
منہ شب وصل میں عاشق سے چھپانا ہے غضب   او حیا دار تری شرم و حیا نے مارا
نہ حسینوں کو نہ صبر جی کو بڑی مصیبت میں جان دیکھو   فراقِ جاناں میں جل رہا ہوں لگی ہیں شعلے بدن کے اندر
چلے ہیں ہم تہی دست ہاتھ خالی خدا کے آگے ہے شرم محشر   حجابِ عصیاں سے منہ کو اپنے چھپا لیا ہے کفن کے اندر
زمانہ میں اندھیر برپا کریں گی   ترے رخ پہ زلفیں پریشاں ہو کر
غضب آیا بلا ٹوٹی قیامت ہوگئی برپا   ہمارے قتل کا وہ غیر کو ارشاد کرتے ہیں
کر دیا دل کو جگر کو مرے پارہ پارہ   بڑھ کے اس تیغ نظر سے کوئی شمشیر نہیں
روکا جب غیر کو میں نے تو کہا ظالم نے   میرا یہ گھر ہے تمہاری کوئی جاگیر نہیں
رخسار گل ہے غنچہ دہن چشم نرگسیں   شیدا ہوں جس پہ میں وہ گلستاں تمہیں تو ہو
گردوں سے بڑھ کے موجدِ بیدادِ ظلم و جور   محشر میں بھی کہوں گا کہ ہاں ہاں تمہیں تو ہو
قربان جس کے ناز پہ صدقہ ادا پہ ہوں   ایسے عزیز مجھکو مری جاں تمہیں تو ہو
کیوں شرقی منہ کو پھیر کے بیٹھے ہو بار بار   ہاں شیخ جی سے بڑھ کے مسلماں تمہیں تو ہو
دعائیں مانگیں نہ کیوں بادہ خوار ساون کی   گھٹا وہ چھائی ہے کیا کیا بہار ساون کی
حالِ فرقت کہا تو یوں بولے   دہر ہی کیوں نہ لکھ لیا تم نے

شرقی

شرقی ۔ منشی سید ابوالحسن خلف سید تصدق حسین باشندہ باندہ۔ منشی رشید محمد صاحب رشید سے تلمذ۔ اُردو فارسی کی استعداد معقول تھی سنہ ۱۸۸۰ء کے قریب شملہ پر کسی صیغہ میں ملازم تھے۔ وہاں سے ریاست جودھ پور میں آکر سب انسپکٹر پولیس ہو گئے سنہ ۱۹۲۰ء میں بعمر ۶۵ سال انتقال ہو گیا۔ انکا ایک دیوان غیر مطبوعہ تھا جو چوری ہو گیا۔ منشی جمیل احمد طاہر نے کچھ کلام بھیجا اس کا انتخاب حسب ذیل ہے

جو درد و الم باقی ہیں پیش آئیں گے شرقی   تقدیر کے سے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا

خط لکھوں اُس بُتِ نوخط کو جو مضطر ہو کر ** نامۂ شوق اُڑے میرا کبوتر ہو کر
کیا خفا ہو تجھی ہے مضطر بتوں کی خفا ہو کر ** آگئی پر آئی دعا پر رخ سے اکثر ہو کر
دن کو آہوں کے شرارے جو اُڑی تھی شرقی ** رات کو چرخ پہ چمکے وہی اختر ہو کر
رکھنا امید وفا کی نہ بتوں سے شرقی ** دوست کس کے یہ بھلا دشمنِ ایماں ہونگے

شریف

شریف ۔ تخلص منشی نبانک پرشاد نام ہے ذات کے کایستھ ہیں۔ موضع کھتولی ضلع بنارس وطن ہے آپ کی پیدائش ۱۸۴۹ء میں ہوئی اور اٹھارہ برس کی عمر میں تحصیل علم ضروری سے فارغ ہو کر سرکار بنارس میں اپنے موروثی عہدۂ نظامت پر ملازم ہو گئے۔ تخمیناً ۴۰ برس پیشکاری کا کام انجام دیکر پنشن لے لی شعر و سخن سے طبعی دلچسپی ہے۔ اندراج تذکرہ کیلئے کچھ مختصر کلام بھیجا ہے جس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

چبھیگی نوک مژہ کسی کی جو دلمیں میری خدنگ ہو کر ** تو آہ رسا لے بھی کام اپنا کریگی تیر و تفنگ ہو کر
جب اُنکی آنکھیں لڑیں تو دل پر چلا یا پنجۂ مژہ نے ناخن ** یہ وہ ہیں آہو جو چوٹ کرتے ہیں بایں تعیہ تو پلنگ ہو کر
صباحتِ رُخ کو دیکھکر دل چلا ہے زلفِ سیہ کی جانب ** حبش کو جیسے کوئی روانہ ہوا ہے ملک فرنگ ہو کر
مرے لئے تم جگہ نکیرین اپنے دلمیں بنائے رکھنا ** عجب نہیں کثرتِ گنہ سے تو مری گور تنگ ہو کر
شریف حصہ میں عاشقوں کے پڑی ہے رسوائی و فضیحت ** اگر ہوا بھی تو کیا کریگا خیالِ ناموس و ننگ ہو کر
بانکپن جھک جھک کے کرتا ہے سلام ** اپنے ابرو جب وہ خم ہیں دیکھتے
ہوکے سائل ہاتھ پھیلاتے نہیں ** ہمتِ اہلِ کرم ہیں دیکھتے
خاک میری لاکھ پابوسی کرے ** پر وہ کب زیرِ قدم ہیں دیکھتے

شریف

شریف ۔ شیخ شریف الزمان خانصاحب صدیقی۔ شاگرد حضرت امیر مینائی لکھنوی ۔ ذکی الذہن اور روشن طبع ہیں۔ شعر میں لطف پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ زبان کی صفائی کا خیال بھی ملحوظ ہے۔ استعارات اور دور از قیاس تشبیہوں سے اپنے کلام کو بچاتے ہیں۔ زیادہ حالات باوجود کوشش معلوم نہوئے۔ یہ انتخاب ہے ؎

کرنے لگے بل ابروئے خمدار کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے کھچ گئی تلوار کیا ہوا

کیا پوچھتے ہو حال دل بے قرار کا
بندہ نواز شکر ہے پروردگار کا

ہم زخمیوں کے زخم بھی پورے بھرے نہیں
لو خیر سے پھر آگیا موسم بہار کا

شام قیامت آگئی اگلی ہوئی نہ صبح
اللہ رے طول میرے شب انتظار کا

سات پردوں میں چھپی رکھی نہ ہو تصویر غیر
آنکھ میرے سامنے کیوں آپکی ہوتی نہیں

کچھ اثر رکھتی ہے الفت سبزہ رنگوں کی اگر
شان نخل آرزو پھر کیوں ہری ہوتی نہیں

ہے سنورنے سے بھی بڑھ چڑھ کر بگڑنے کی ادا
بات کوئی بھی ان اچھوں کی بری ہوتی نہیں

باز آیا میں محبت سے مرا دل پھیر دو
نازبرداری نہ مجھسے روز کی ہوتی نہیں

گھونٹ بھر پانی پلایا جسکو تیری تیغ نے
بھول کر اس کو کبھی پھر تشنگی ہوتی نہیں

عشق دلدار و غم ہجر کو دشمن نہ سمجھ
یہی غمخوار ہیں مٹی میں ملانے والے

آنکھ غیروں سے لڑاتے ہو خبر بھی ہے تمہیں
دلمیں گھر کرتے ہیں آنکھوں کے لڑانیوالے

راستہ روک کے وہ بت جو کھڑا ہو جائے
سوئے بتخانہ پھریں کعبہ کے جانے والے

خدا کے خوف سے کب میکشی رندوں کی خالی ہے
دعا کے تو یہ لب پر ہاتھ میں مے کی پیالی ہے

لہو میں تر ہیں آنکھیں سینہ داغوں سے چراغاں ہے
مزا ہے اسکے ساتھ ہی ساتھ ہولی اور دوالی ہے

غضب کا رس بھرا ہے چشم میگوں میں تری ساقی
بلوریں جام میں گویا شراب پرتگالی ہے

وصل میں بڑھتے ہوئے دیکھا جو میرا دست شوق
بڑھکے جوبن کی نگہباں جبین پیشانی ہوئی

الٰہی خیر پھر اس نے شکن ابرو پہ ڈالی ہے
سنبھل او مرنیوالے تیغ قاتل نے سنبھالی ہے

شب فرقت میں بیکس ہوں مسیحا مجھسے ہے غافل
کہاں ہے اے اجل ایسے میں آ میدان خالی ہے

تدبیر نے کچھ وصل کے پہلو جو نکالے
بل اور الجھ کر مری تقدیر نے ڈالے

بیٹھے ہیں مرے دلمیں مری جان کے دشمن
قسمت نے کیا ہے مجھے قاتل کے حوالے

جی بھر کے نظارہ دم آخر تو ذرا کر لوں
تھم تھم کے چھری پھیر گلا کاٹنے والے

شریف

شریف - خواجہ محمد صادق - مدراس کے عمائد میں انکا شمار ہے ذاکر امام بھی ہیں اور مدراس میں جو شعر شاعری کا چرچا ہے ایسے ہی دو چار نفوس کے دم قدم کی برکت ہے ۱۳۱۳ھ میں ۶۰ برس کا سن تھا۔ کلام اچھا ہوتا تھا۔ یہ انتخاب ہے

وہ عدم کے بیچ میں ثابت ہی تکرار وجود	ہر نہاں پیدا ہے ہر پیدا نہاں ہوجائیگا
خوشا یہ گمشدگی اپنی خاکساری کی	کھنچا شریف نہ مانی سے بھی مرا خاکا
اب سلیقے کی جنوں میں کوئی تدبیر نہیں	بیڑیاں پاؤں میں منت کی ہیں زنجیر نہیں

شریف

شریف - مولوی محمد شریف احمد فاروقی انکے والد مولوی نیاز احمد رؤسائے گوپامؤ سے ہیں علمی استعداد بھی ہے مگر طبیعت نہایت شوخ اور چلبلی واقع ہوئی ہے۔ مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ سے اصلاح لیتے ہیں۔ مرثیہ پڑھنے کا بھی شوق ہے۔ ابھی نوجوان ہیں۔ انکے استاد فتنہ صاحب نے جو کلام منگا کر دیا اسکا انتخاب درج ذیل ہے

جلوہ گر ہر شے میں ہے لیکن نظر آتا نہیں	تو ہی پردے کیلئے یا خودنمائی کے لئے
جب تماشا دیکھنا تک بھی تمہیں آتا نہ تھا	اب تماشا ہو تمہیں ساری خدائی کے لئے
ہم سے اچھے ہوں تو ہم جانیں وہ اچھے ہیں شریف	پھر نہیں کیا گروہ اچھے ہیں خدائی کیلئے
گھر میں رہے کہ رات کہیں مہمان رہے	وعدے پہ کیوں نہ آئے کہاں تھے کہاں رہے
جانینگے ہم تو چاہنے والوں کو آپ کے	جو دوست کے ہوں دوست وہ دشمن کہاں رہے
اے سکھ نہیں وہ دکھ سہی آخر دیا تو کچھ	یہ کس طرح کہوں کہ وہ نامہرباں رہے

شریف

شریف - جناب محمد حسین صاحب ساکن بہاری تلمیذ جناب احمد۔ رسالہ تحفۂ خوشتر میں انکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ انتخاب یہ ہے

تقدیر سے جو وصل میسر ہو یار کا	مٹ جائے اضطراب دل بیقرار کا
آہٹ پہ کان۔ در پہ نظر۔ دل میں وسوسے	کیا ہو بیان حال ترے انتظار کا
ساقی پلا دے بادۂ گلفام اب ہمیں	ہے گلستان دہر میں موسم بہار کا

کیا فائدہ ہو چارہ گری سے طبیب کی	ممکن نہیں علاج دل بے قرار کا

شریفی — شریف احسن صاحب وکیل ریاست قرولی ملک اچپوتانہ۔ موزوں طبع معمولی درجہ کے شاعر ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

قصہ گو یوں سے نہ سنئے داستانِ اہل درد	ہے بیانِ درد کو لازم زبانِ اہل درد
واہ کیا تاثیر ہے جذب دل عشاق میں	ڈھونڈتے پھرتے ہیں وہ خود آستانِ اہلِ درد
ترا حسن حیرت نما ہو رہا ہے	مرے سامنے آئینہ ہو رہا ہے
شریفی اٹھا پردۂ خواب غفلت	ذرا دیکھ دنیا میں کیا ہو رہا ہے

ششدر — مرزا روشن الدولہ گورگانی خلف مرزا آغا جان مضطر والد مرزا سلیمان شکوہ۔ برادر اکبر ثانی اور دوسرے رشتہ سے اکبر شاہ کے نواسے۔ داستان گوئی میں فرد تھے۔ مرزا رحیم الدین حیا سے تلمذ تھا۔ عمر کا زیادہ حصہ لکھنؤ میں بسر کیا مگر جبتک قلعہ آباد تھا دہلی بھی آتے رہے۔ کلام کی لطافت زبان کی فصاحت قابل دید ہے۔ جو کچھ کلام فراہم ہو سکا نذر احباب ہے ؎

جنوں یہ دست درازی کی ہی عبث تہمت	کہ اپنے ہاتھ گریبان سے تار تار کیا
کام تو کچھ بھی نہیں ہے حشر میں اپنا مگر	آن نکلیں گے تری خاطر اگر آنا ہوا
الہی کس کے مژگاں کا تصور ہے یہ ششدر کو	کہ جوں نشتر کھٹکتا ہی نفس ہر دم رگ جاں میں
ستم کا یہ مزا ہے دل کو الفت ہی کہ ای ظالم	لئے پھرتے ہیں ہم سر بر سدا گردوں دشمن کو

ششدر — محمد نور اللہ صاحب ساکن مرزاپور۔ حضرت وسیم خیر آبادی کے شاگرد ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

کالی گھٹا ہو اور ہو موسم بہار کا	ساقی ہو اور دور مئے خوشگوار کا
بعد فنا بھی سوز دروں کا یہ ہی اثر	جلتا رہا چراغ ہمارے مزار کا
کچھ آسماں مٹائے تو کچھ وہ اسے مٹائے	باقی رہے نشاں نہ میرے مزار کا
بعد فنا بھی دل کی تڑپ سے یہ خوف ہے	تختہ الٹ نہ جائے ہمارے مزار کا

اقرار وصل کیجیے مو جھوٹ ہی کیوں	دل توڑئے نہ شستہ امیدوار کا

شعاع

شعاع ظل سبحانی ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی حضرت شاہ عالم ثانی کے دوسرے فرزند تھے۔ باپ کی حیات میں مرزا جہاندار شاہ جواں بخت ولی عہد کے انتقال کرجانے سے یہ وارث تخت و تاج شاہی ہوئے۔ ۳ رمضان ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء کو مکند پور ریوان میں بروز چارشنبہ پیدا ہوئے اور ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء کو تخت سلطنت پر بیٹھے ۱۸۳۷ء میں ۸۰ برس کی عمر پاکر عالم جاودانی کو رستہ لیا اور درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے قریب اپنے پدر والاقدر کے پہلو میں آرام کیا۔ مرقد منور پر حضرت ظفر کی تاریخ کندہ ہے ؎

شاہِ اکبر فروغ بخش جہاں	منخسف گشت از قضا چوں بدر
پئے سالِ وفات گفت ظفرؔ	عرش آرام گاہ عالی قدر

موزونی طبع ظل سبحانی کی موروثی ہمدم تھی لیکن فکر سخن کیطرف توجہ کم بلکہ برائے نام تھی لیکن قدر دانی فن بطریق شاہانہ مرکوز خاطر تھی فخر الشعرا امیر نظام الدین ممنون۔ غالب علیخاں سید۔ شاہ نصیر انکے شعرائے دربار میں تھے۔ شہر دہلی میں انگریزوں کی حکومت تھی مگر قلعہ معلیٰ میں بدستور قدیم حکمراں تھے۔ لڑکوں میں مرزا ابوظفر جو بادشاہ ہوکر بہادر شاہ مشہور ہوئے اور مرزا سلیم مرزا جہانگیر مرزا جہاں خسرو مرزا بابر نام آور ہوئے ہے ؎

تجھ زلف کے سودے سے یہ دل کیونکر بر آوے	تا حشر نہ چھوٹے یہ بلا جس کے گھر آوے

شعاع

شعاع منشی سید وقار علی مرحوم کی زندگی کا بڑا حصہ آگرہ میں صرف ہوا اور وہیں تکمیل علم کے بعد مرزا حاتم علی بیگ مہر مرحوم کے فیض صحبت سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ذہانت خدا داد کے باعث بہت جلد اس فن میں استعداد معقول حاصل کی چنانچہ مہر مرحوم انہیں ارشد تلامذہ میں سمجھتے تھے۔ ۲۸ سال کی عمر میں عالم شباب میں ہیضہ کرکے راہی ملک بقا ہوئے۔ منشی کفایت علی رسوا انکے چھوٹے بھائی نے چند غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ ارسال کیں۔ اُس میں سے چند اشعار حوالہ قلم ہوئے ؎

موج زن ہے سیل اشک چشم گریاں تاکمر — دامن دریا ہوا ہے اپنا دامان تاکمر
دست قاتل کی صفائی کے ہیں حسرت تن نثار — سر سے جب اُتری تو پہونچی تیغ براں تاکمر
آبروئے چشم نم تر دامنی سے بڑھ گئی — ابر رحمت سر تک آیا سیل عصیاں تاکمر
بیقراروں سے فروغ حسن روئے یار ہے — ہوتی ہے سیماب سے افزوں ضیائی آئینہ
اسکو نظارہ کی عادت اُسکو خود بینی کا شوق — آئینہ اُس پر فدا اور وہ فدائے آئینہ
صحبت اسفل سے برہم ہوتے ہیں نازک مزاج — جب گرے پتھر پہ بیشک ٹوٹ جائے آئینہ
ہمسری کرکے ہوئی سکتہ کی حالت اے شجاع — خاک اُس آئینہ کو مُنہ دکھائے آئینہ

شعاع

شعاع - مولوی ضیاء الرحمٰن خلف مولوی محمد حسین باشندہ حیدرآباد دکن۔ آپکے آباواجداد دکن کے مشہور و معروف علما میں سے تھے۔ حضرت شعاع ۱۶ رجب ۱۳۱۰ھ کو پیدا ہوئے بچپن میں ہی ذہین اور ہونہار تھے۔ فارسی عربی کے علاوہ کچھ انگریزی بھی جانتے ہیں میر محبوب علیخاں فاخر کی توجہ سے شعر و سخن کا شوق ہوا مگر پھر حضرت داغ کے کمال شاعری نے انہیں اپنی جانب کھینچا چنانچہ اُنسے افادہ کیا۔ نیچرل جذبات کو نئے پیرایہ میں دکھاتے ہیں سحر مقال سخن طراز ہیں۔ اُردو میں غیر مطبوعہ دیوان موجود ہیں ۱۳۴۸ھ میں حال اور کلام بھیجا تھا اسمیں سے حسب ذیل انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

ہمراہ تھا قافلہ ہے درد و غم و الم کا — آباد آج بھی کیا ملک عدم نہو گا
بلبل چمن میں تیرا دیکھا نہ گلوں کو — حسرت نصیب دل پر نشتر سے کم نہو گا
صحرا میں خاک میری اڑتی پھرگی ہر سو — جوش جنوں یہ میرا مرکر بھی کم نہو گا
اب وہ رونق ہے نہ محفل میں ضیا میرے بعد — باغ میں خاک اُڑاتی ہے صبا میرے بعد
بھولی ادا سے ہائے وہ کہتے ہیں وصل میں — تم کیا کرو گے تم سے اگر روٹھ جائیں ہم
پتھر بھی ہو تو سنکے پگھل جائے گا شعاع — درد جگر کا حال جو اسکو سنائیں ہم
چلے آتے ہیں دل میں کارواں سے کارواں غم کے — جگہ تھوڑی ہے لاکھوں روز مہماں ہوتے جاتے ہیں

نہ ہوں گے بھولنے کے بھی یادِ ستم اے فتنہ گر برسوں
رہے گا یادگارِ عاشقی داغِ جگر برسوں

ہوش اُڑتے ہیں دیکھکر اُن کو
بُت بھی کیا لاجواب ہوتے ہیں

حضرتِ دل کہیں سنا بھی ہے
خط کے پُرزے جواب ہوتے ہیں

تو عدو اور آسمان دشمن
مفت میں ہم خراب ہوتے ہیں

بہار آئی گھٹا چھائی ہے ساقی جوشِ مستی ہے
خدا آباد رکھے میکدہ رونق پرستی ہے

خیالِ یار کی سرکار سے رخصت نہیں ملتی
پھر آ ملے اجل مرنے کی اب فرصت نہیں ملتی

شجاعِ زار کا کیا خاک دل بہلے حسینوں میں
کسی سے ہائے اُسکی چاند سی صورت نہیں ملتی

غم فرقت میں اب جانِ حزیں مہمان ہے اکدم کی
کہ لب پر مرے ہے دودِ نفس تصویر ماتم کی

جنازہ تیرے کشتہ کا اٹھا کس شان و شوکت سے
الم کا ہے نشان آگے تو پیچھے فوج ہے غم کی

کرشمہ جو نہ ہوتا اس میں تیری خود نمائی کا
فرشتے کرتے کیوں سجدہ حقیقت کیا تھی آدم کی

مرنے والے ہائے تم پر مر چلے
آئے تھے جس کام کو وہ کر چلے

زندگی تھی اپنی جب تک تھی امید
نامرادی کا بُرا ہو مر چلے

ابرو بھی دونوں ہنستے ہیں آنکھیں چڑھانے سے
چلتی ہے ساتھ تیر کے تلوار دیکھئے

بعدِ مردن بھی رہی بیتابیِ دل اسقدر
میرے مرقد کی زمیں کو زلزلے آنے لگے

مری بربادیِ دل سے تجھے اے یاس کیا حاصل
کسی کی یاد ہے اسکے سوا کیا دل میں رکھا ہے

خدائی میں خدا کی تم سے بڑھکر کوئی کیا نکلے
حسینوں میں حسیں ہوکر عجب شانِ خدا نکلی

ہوا ہوں اسقدر ایذا طلب ذوقِ محبت میں
ستم تو وہ کئے جائیں مری دل سے دعا نکلے

تصور میں بھی آتے ہیں تو کیا انداز ہیں اُنکے
ابھی وہ جا چھپے دل میں ابھی آنکھوں میں آ نکلے

طلب میں حور و جنت کی عبادت کرتی ہے زاہد
اسی منہ پر تمہیں دعوئے ایزد پرستی ہے

شجاع — جناب شجاع لکھنوی۔ نام اور حال معلوم نہو سکا۔ کلام سے خوش فکر اور روشن خیال معلوم ہوتے ہیں ۔

بلا کس کس کے سر آتی ہے دیکھیں — کھلے ہیں بال آئے ہیں نہا کے
کیا بدنام مرکر نام الفت — چلا ہوں قبر میں منہ کو چھپا کے
ادھر غیروں کو بخشے جام پر جام — ادھر پھینکا دی ہم کو دکھا کے
پھنسا جو پھر نہیں ممکن رہائی — بلا کے پیچ ہیں زلف رسا کے
شعاع مضطرب پر رحم کھاؤ — بٹھا لو پاس محفل میں بلا کے

شعاع

شعاع ۔ جناب سید مصطفی علی صاحب سندیلوی خلف منشی باقر علی صاحب تعلقدار مرحوم انگریزی اردو میں اچھی لیاقت ہے طبیعت بھی بہت شوخ اور چلبلی پائی ہے۔ ابھی نوعمر ہیں بچپن سے شاعری کا ذوق ہے۔ سید نذیر حسن صاحب نقشہ کو اپنا غزلیں بتاتے تھے۔ یہ کلام کا انتخاب ہے

کچھ انتہا کا ہے نازک تعلق الفت کا — کہ بات بات میں پیدا ملال ہوتا ہے
ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑنا ظالم — کہ اسکا ٹوٹ کے جڑنا محال ہوتا ہے
خرام ناز سے او پھول روندنے والے — خبر ہے یہ بھی کہ دل پائمال ہوتا ہے
کھنچی ہوئی نظر آتی ہے سامنے تصویر — کبھی شعاع جو محو خیال ہوتا ہے

شعلہ

شعلہ ۔ پنڈت امرناتھ پسر پنڈت دیاتا رام کشمیری لکھنوی۔ نواب سبحان علیخاں کنبوہ کی سرکار میں متعلق تھے موزونی طبع سے شعر کہتے تھے طبیعت کا رنگ ان اشعار سے ظاہر ہے ؎

غم اسیروں کی بھی ہے کچھ اندمال زخم کا — باغباں پھول ایک دو رکھ دے قفس کے چاک میں
تھے نہ سیماب جنھوں نے طلا زر گر کے ہم — کیا سمجھکر چرخ نے ہمکو ملایا خاک میں
غبار راہ ہیں پر ہے ہوائے عالم بالا — فلک پر ایکدن پہنچینگے ہم اس خاکساری پر

شعلہ

شعلہ ۔ منشی نراین داس بدایوں کے متوطن اور ایک نہایت ہوشیار لایق اور آتش زبان بزرگ تھے۔ شعر بھی خوب کہتے تھے۔ افسوس کلام نہ ملا یہ کلام ہے ؎

وہ قاتل ایک جان کہتے ہیں جسکو ہمیں تو ہیں — ہمارا حال اُنسے انکا ہم سے پھر نہاں کیوں ہو
رہوں گا جب تلک زندہ نہ مانگوں گا کبھی بوسہ — دہن اُسکے نہیں ہے اُسکی عاشق کی زباں کیوں ہو

ہماری آہ و گریہ سے یہ ہے قایم جہاں ورنہ	زمیں پانی پہ کیوں ہوا ور زمیں پر آسماں کیوں ہو

شعلہ

شعلہ - مولوی محمد یحییٰ علوی سب انسپکٹر پولیس خلف مولوی محمد ابراہیم کاکوروی کوتوال شہر [illegible] ریاست چرکھاری ملک بندیل کھنڈ۔ مضمون آفرینی کے ساتھ متانت اور سنجیدگی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں - مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ رئیس سندیلہ کے عزیز اور شاگرد ہیں - جو کلام انکی وساطت سے دستیاب ہوا وہ نذر ناظرین ہے ؎

جانکر کاکل پیچاں کے گنہگاروں میں	پا بزنجیر پھرایا مجھے بازاروں میں
سنے کسی عاشق ناشاد کی تربت کی تلاش	بلبلیں پھول لئے پھرتی ہیں گلزاروں میں
غم کونین سے آزاد ہیں پینے والے	فکر آتی نہیں بھولے سے بھی میخواروں میں
آتشیں رُخ پر ترے مرتے ہیں اغیار اگر	جھونک دے سب کو دہکتی ہوئی انگاروں میں

شعلہ

شعلہ - ٹھاکر شیولال صاحب رئیس و تعلقدار ڈبائی ضلع بلند شہر سیدہا سادہا شعر کہتے ہیں - کسی قسم کی بنوٹ نہیں ہوتی - زبان صاف ہے - یہ کلام ہے ؎

ہماری سخت جانی کھولدیگی دم میں سب جوہر	زرا ہم بھی دیکھیں آپ کی تلوار کیسی ہے
تبسم برق ہے - آفت ادا ہے - قہر غمزہ ہے	قیامت ناز ہے لیکن نگاہِ یار کیسی ہے
جدہر دیکھو ادہر عالم میں اک شور قیامت ہے	تری چال آج کل اے چرخ کج رفتار کیسی ہے
ہمیشہ راست گوئی آپکا شیوا تھا اے شعلہ	خلاف شان مگر یہ آج کی گفتار کیسی ہے
نیند آنکو نہ آئیگی اگر میری بلا سے	مجھکو بھی کوئی تازہ کہانی نہیں آتی

شعلہ

شعلہ - لالہ امراؤ سنگھ صاحب خلف لالہ دیو کی نندن وکیل مرحوم دہلوی تلمیذ راسخ دہلوی - علم موسیقی سے خاصہ ذوق تھا اور مختاری کی سند بھی حاصل کرلی تھی - میوزک کانفرنس دہلی کے سکرٹری بھی ہوئے تھے پچپن برس کی عمر میں دو برس ہوئے انتقال کیا ؎

مرتے مرتے بھی رہی دل میں مرے یاد بتاں	ہائے میں دنیا سے چھاتی پر یہ پتھر لیچلا
ہاتہ اے مشاطہ مت باندہ اس سراپا ناز کے	کیا ہوا دزدِ حنا گر دل چُرا کر لیچلا

ترے کوچے کی ہوا بھی نہ میسر تھی جنہیں
رہی وہ بھی تو رہا کرتے ہیں اندر باہر

خاک ہی اپنی اڑیگی تو اڑیگی وہاں سے
ہم ترے کوچے سے بس نکلینگے مرکر باہر

ابھی ہے دور شعلہ منزل عشق
دیا دل چھوڑ کیوں تم نے یہیں سے

شعلہ

شعلہ - شمع بزم سخن دانی ۔ صدر نشین محفل معانی ۔ منشی بنواری لال صاحب خلف منشی موتی لال ناظر - آپ قوم کے کایستھ اور حصار کے رہنے والے تھے ۔ مگر علیگڑھ میں قیام تھا ۔ پیشۂ وکالت سے معقول آمدنی تھی ۔ نازک خیال سخنور اور ریختہ سنج شاعر تھے ۔ شعرائے علیگڑھ ہی میں نہیں بلکہ دور دور شاعری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی ۔ فن شعر میں مرزا آشفتہ تلمیذ مرزا غالب سے تلمذ تھا ۔ مرزا حاتم علی مہر اور مرزا عنایت علی ماہ کے ہمعصر اور اُنسے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے ۔ طبیعت میں جدت کلام میں تہذیب اور متانت تھی ۔ مکروہ الفاظ اور عامیانہ خیالات سے پرہیز کرتے تھے ۔ غزل میں تصوف اور اخلاق کے مضامین زیادہ باندھتے تھے ۔ عالم باطن کے مناظر کو عجیب اور نئے اسلوب سے بیان کرنے میں خداداد ملکہ تھا ۔ باریک بینی اور نزاکت خیال انکا حصہ تھی ۔ شعر کو تشبیہات کے زیور سے بھی سجاتے تھے کلام میں استعارات کی مرصع کاری بھی ہے ۔ مگر کہیں مضمون کی اصلیت اور حقیقت کو اس نمائش کے پردہ میں نہیں چھپایا ہے ۔ کلام میں پختگی بھی ہے اور سوز و گداز بھی اور درد بھی ۔ خوشگوئی اور پاکیزہ خیالی نے علیگڑھ ہی میں نہیں بلکہ صاحبان مذاق سلیم کے دلوں میں آنکی استادی کے ڈنکے بجادئے تھے ۔ یوں تو آپکے تلامذہ کی کافی تعداد تھی مگر منشی کندن لال شرر سہارنپوری سب میں بہترین تھے ۔ نازک طبعی کا نمونہ اسطرح دکھایا ہے ؎

خط کو پیدا کیا اللہ نے رخساروں پر
کانٹے رکھدیتے ہیں سب باغ کی دیواروں پر

باغبان پھولوں کی حفاظت کیلئے باغ کی دیواروں پر کانٹے بچھا دیتا ہے ۔ محبوب کے گل رخسار کا محافظ سبزۂ خط ہے ۔ کانٹے اور پھولوں کی مناسبت ۔ پھر خیال کی جدت شعر میں سحر آفرینی دکھا دیتی ہے ۔ دیوان اور مثنوی بزم بندرابن میں اچھے اچھے دلکش سین نہایت خوبی اور دلچسپی سے نظم کئے ہیں ۔ جو لائق دید ہیں کئی بار چھپ چکے ہیں ۔ اسطرح آپکے دیوان مطبوعہ میں جدت خیال

کے اکثر دلکش نمونے نظر آتے ہیں۔ کیا بیمثل مطلع فرمایا ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہوے

میں جب سا ہوں اُس در عالی مقام کا / کعبہ جہاں جواب نہ پائے سلام کا

یاں اور آرزو ہے وہاں اور آرزو / دل میرے کام کا ہے نہیں دل کے کام کا

خنجر سنبھالئے پئے تسلیم خم ہیں ہم / گردن جواب لیکے اُٹھیگی سلام کا

نکلے گی روح توڑ کے ایک ایک بند کو / ثابت کہیں اُترتا ہے جامہ حیات کا

فرصت شگفتگی کی نہ پائی کہ مٹ گیا / غنچہ تھا میں بھی کس چمن بے ثبات کا

ناتوانی میں سخت جانی ہائے / ضعف بھی طاقت آزما نکلا

کیا کروں اسکا کچھ علاج نہیں / غیر بھی درد آشنا نکلا

میں وہ گناہگار ہوں پہنچا جو دیر میں / رحمت لپٹ کے کہنے لگی تو کہاں رہا

دل بھی گیا جگر بھی گیا جان بھی گئی / میں پھر بھی دیکھتا ہی تری شوخیاں رہا

محشر بھی کوئی درد ہے جو اٹھ کے رہ گیا / شکوہ بھی کوئی غم ہے جو دل میں نہاں رہا

غیر ہا اور دید طلب مثل کلیم / کہیں باتوں میں نہ آجائیگا

شعلہ کچھ بات بھی ہے طعنۂ غیر / یوں ہی مرنا ہے تو مرجائیگا

بیوفا! نقش ہیں جی پر ترے سارے انداز / بے مروت! مری نظروں میں ہے شیوا تیرا

دیکھ ہم صحبتی غنچہ سے اک دم میں ہوا / روز بلبل کی ملاقات کا چرچا تیرا

دل میں کچھ عشق صنم کی برابر ہی سہی / کفر اتنا بھی نہ ہو جسمیں مسلمان کیسا

ہر برگ خزاں دیدہ بنا ہے کف حسرت / گلشن میں نئے رنگ سے شیون ہے ہمارا

وہ پچھتے پھرتے ہیں گھبرائے کیا قیامت ہے / یہ کون عرصۂ محشر میں بیقرار آیا

تکلیف ذرا جنبش ابر کی اُٹھاؤ / باتوں سے علاج دل بسمل نہیں ہوتا

ہجر میں اور بھی مشکل ہے نکلنا دم کا / میں اسی بات پہ مرتا تھا کہ آساں ہوگا

کیا شب ہجر میں بھی درد کا درماں ہوگا / دل کا آرام سے رہنا تعلق جاں ہوگا

اک قدم چل کے دو عالم کو کروگے پامال — پانوں رکھوگے جہاں گنجِ شہیداں ہوگا

جگر آنکھوں سے ٹپکا اور دلِ شیدا نکل آیا — میں ایک آنسو ہی سمجھا تھا یہاں کیا کیا نکل آیا

اے جنوں ہے گلشنِ ایجاد ویرانہ مرا — کس کا دیوانہ ہوں اک عالم ہے دیوانہ مرا

ہیں وہ کشتِ نامرادی ہوں زمانہ بھر میں — برقِ خرمن سوز کا مشتاق ہر دیوانہ مرا

باغ میں بندِ قبا آپ سمجھ کر کھولیں — دمِ بلبل نہ نکل جائے کہیں بو ہو کر

مہوشوں کو ہے مرے گھر سے کچھ ایسی نفرت — چاندنی تک نہیں پڑتی مری دیواروں پر

بتِ بیباک محشر میں بھی تو نادم نہیں ہوتا — وہی دم خم ہے ابرو میں وہی شوخی ہے چتون میں

خود رفتگی نہ پوچھئے گم کردہ عشق کی — میری تلاش میں ہے مرا راہبر ہنوز

یاں ایک ہجو رہی میں جہاں سے گزر گئے — اور واں کسی ستم سے نہیں درگذر ہنوز

پڑتی رہی عدو پہ نگاہِ غضب غلط — ناوک فگن کے تیر گئے سب کے سب غلط

اے دل کچھ انکا پاسِ نزاکت بھی چاہئے — ہیں بیقراریاں تری او بے ادب غلط

واعظ کا ربطِ ضبط چھپاؤں کہاں تلک — توبہ کی بات پہنچی ہے پیرِ مغاں تلک

ڈھونڈوگے پھر بھی مشقِ ستم کے لئے مجھے — دشمن جفا سہیگا تمہاری کہاں تلک

کیا لئے جاتے ہو چپکے سے چھپا کر ہاتھ میں — دل نہیں ہے گر تو کیا ہے بندہ پرور ہاتھ میں

ہزاروں کروٹیں بدلیں نہ آیا دل ہی قابو میں — خدا نے کوٹ کر بھر دی ہے بجلی دل کے پہلو میں

ابھی سے بیٹھ گئے تھک کے قافلے — ابھی تو دور ہے منزل چلو بڑھو بھی کہیں

وابستگی کاکلِ خمدار ہے ہمیں — پھانسی بھی دیجئے تو سزاوار ہی ہیں

اے ضعف اب تو جان بھی گرانبار ہے ہمیں — اک لاکھ من کا بوجھ دلِ زار ہے ہمیں

پسندِ طبع آرائش نہیں وحشت پسندوں کو — کبھی دیکھا بھی ہے سرمہ کسی نے چشمِ آہو میں

دمِ ذبح ہے کیا صیاد کا اندازِ بے رحمی — دبائے بال و پر مٹھی میں اور منقار چنگل میں

نہ نکلے دم اگر تم پہ لگے آگ اپنے مرنے کو — مٹے ایسا کفن یارب پڑی خاک ایسے دفن میں

ادا میں ناز میں غمزہ میں یکتا ہیں تری آنکھیں
غضب کے دل چلے ہیں دو سپاہی سلری فکریں

بیخودی میں نہ کھلا کچھ کہ خدائی کیا ہے
دیکھ کر بت کو یہ بھولے کہ خدا یاد نہیں

اپنے پر اپنی ہی منقاروں نوچے ہیں سنے
کیا کروں تابِ فراموشی صیاد نہیں

دل خراشی سے ہے کیا کوہ کنی کو نسبت
ناخنِ غم سے فزوں تیشۂ فرہاد نہیں

نہ نکلے سینہ سے باہر کچھ آرزو تو نہیں
لگا ہوا ترے پیکاں کے منہ لہو تو نہیں

رہنے دو۔ برائی ہے اگر میری وفا میں
جانے دو شکایت ہی سہی شکرِ جفا میں

یارانِ رفتگاں سے وہ کیا روشناس ہو
جو آنکھ نقش پائے سرِ رہ گذر نہیں

تم بھی دکھاؤ جلوۂ عالم فروز کو
موقوف حشر میری ہی فریاد پر نہیں

دل سکھائے گا اگر جور و جفا یاد نہیں
ہم بنا لینگے اگر تم ستم ایجاد نہیں

خدا کرے کہیں آجائے دامن ہاتھ میں
وہ کھیل سمجھے ہیں بے اختیار ہونے کو

ابھی سے ہو جو ہے روزِ شمار ہونیکو
وہ ہو چکے بھی جو ہے ایک بار ہونے کو

ہزاروں میں مجھے تم ایک ہو خدا کی قسم
میں ایک ہوں تمہیں تمہیں مجھے ہزار ہونیکو

برا ہو آرزوئے وصل کا حد نے سے مجھے
بغل میں کھینچ لیا ہم کنار ہونیکو

رہے نہ عشق میں اے شعلہ دین دنیا کے
ملے بتوں سے خدائی میں خوار ہونیکو

آفریں وقتِ تصور آہ کی تاثیر کو
کرو میں لاکھوں بدلوائیں تری تصویر کو

دیکھو او ناوک فگن شوقِ دمِ نخچیر کو
حسرتِ زخمِ جگر کھا گئی ہے تیر کو

تمہیں دل ہو تمہیں جاں ہو تمہیں جینے کی امید
تمہیں جب غیر کے ٹھہرے تو ہمارا کیا ہو

بات سچی ہو تو محشر ہی کی امید کریں
جھوٹے وعدے ہوں تو مرنے کی تمنا کیا ہو

قابو میں دل رہے تو ہے عشقِ بتاں کا لطف
گویا طوافِ کعبہ ہو بیت الصنم کے ساتھ

کب تک دکھائے جائیے زخمِ جگر انہیں
کب تک نباہے جائیے اہلِ ستم کے ساتھ

کشمکش بعدِ فنا بھی نہ گئی دنیا کی
ایک کے ہاتھ سے چھوٹے تو پڑے چار کے ہاتھ

شراب پینے میں لے شعلہ حجتیں کیا ہیں
تمام شہر میں تو دیندار باقی ہے

کچھ آپ کو ہے اپنی نزاکت کی خبر بھی
زلفوں کو سنبھالو نہیں جاتی ہے کمر بھی

نگاہِ ناز پہ بیڈھب دل و جگر میں چلی
الٰہی خیر کہ تلوار گھر ہی گھر میں چلی

دل جائے بیٹھ رہنے کو تھوڑی جگہ کہیں
کعبہ اگر نہیں ہے تو بیت الصنم سہی

دل اور ایک بوسہ کو انصاف کیجئے
اس پر بھی یہ گراں ہے تو کچھ اور کم سہی

ہو کے پابندِ قفس طاقتِ پرواز بڑھی
پر جو توڑے مرے صیاد نے شہپر نکلے

اب کیا ہی جوشِ گریہ میں دل کو بھی کھو چلے
ہم تو مرے کی جان کو پہلے ہی رو چکے

میں آپ پر فدا ہوں فدا آپ غیر پر
میرا اور آپ کا تو کچھ افسانہ ایک ہے

دل ایک اور خون کے پیاسے ہزار ہا
سوزِ بادہ نوش ہیں پیمانہ ایک ہے

نگاہ چہرہ پہ دل زلفِ پرشکن میں ہے
قفس کا رستہ بھی نکلا ہوا چمن میں ہے

وہ ذکر وحدتِ حق ہے کہ ہر سخن میں ہے
مثالِ رشتۂ تسبیح سو دہن میں ہے

کھینچ خنجر سے رگِ گردن کہ بیڑا پار ہو
فرق اک دو ہاتھ ہی کا کشتی و ساحل میں ہے

خمارِ ہستیِ ناپائدار دیکھ چکا
چلا ہوں جوش میں پھر ساغر و سبو کیلئے

اس دہانِ تنگ میں دانتوں کے ہونے سے کھلا
سر بہ مہر منشیِ تقدیر دانہ دانہ ہے

کیوں نہ ہوں ہنگامۂ محشر مری بیداریاں
دفترِ روزِ قیامت مرا اک افسانہ ہے

ہجر میں بیقراری وصل میں یہ اضطراب
دل کی ہر اک بات میں اک طرزِ سیمابانہ ہے

دل پھینک دوں نکال کے سینہ سے جب کہو
حسرت مگر نہیں ہے مرے اختیار کی

اپنا ہی ایک غم ہے سو کیا کم ہے ہمنشیں
دل میں جگہ کہاں ہے غمِ روزگار کی

چھپا ہوا سا ہے طرزِ حجاب شوخی میں
کھلی کھلی ہوئی شوخی ترے حجاب میں ہے

آئینہ خانہ ہوئی عشق میں حیرت میری
تیری صورت میں نظر آئی ہے صورت میری

چھوڑ دو تھوڑی جگہ او سونے والو گور کے
اٹھ کے بیٹھو اور اک خانہ خراب آنیکو ہے

گوشۂ دل میں خیالِ بے نقاب آنیکو ہے ذرہ کی خلوت سرا میں آفتاب آنیکو ہے
جنوں کا سلسلہ و پردہ نکلا حسنِ پنہاں سے حجاب یار رسوا ہے مرے چاکِ گریباں سے
غلط یہ ہے کہ خوفِ خوں بہا سے گھر میں چھپ بیٹھے مگر ہاں پاک دامن بچ گئے خونِ شہیداں سے
خدا سے مانگ رہا تھا نہیں جفا کے لئے قدم اثر نے اتر کر مری دعا کے لئے
مژدہ اے جانِ حزیں سے ستم ایجاد آیا ہاں مبارک سرِ شوریدہ وہ جلاد آیا

شبِ مہتاب

کہ پھر ہے ساقیِ بزمِ شبِ ماہ کھلا بندِ نقابِ حسنِ دلخواہ
صدائے نغمہ کی افسوں گری ہے عجب در پردہ نازِ دلبری ہے
فلک جلوہ فروشِ ماہِ تاباں زمینِ برج بن گسترہ داماں
شبِ ماہتاب فرشِ چادرِ نور بیاباں در بیاباں جلوۂ طور
مجلا نور تھا ہر اک طبق میں زمیں لپٹی تھی چاندی کے ورق میں
شکن موجِ ہوا سے آسماں میں جھلک سیماب کی ریگِ رواں میں
زمیں پر فرش تھا گل چاندنی کا مہِ تاباں تھا اک گل چاندنی کا
ملمع تھا ہر اک گل پر سنہرا نظر آتا تھا ہر پتہ روپہرا
معطر دشت تھا عطرِ حنا میں لپٹ کافور کی موجِ ہوا میں
عجب شفاف دریا کی روانی بھرا نکھرا ہوا چاندی کا پانی
یہ آب و تاب تھی انوارِ مہ میں جھلکتی تھی زمیں جمنا کی تہ میں
رگِ تارِ نظر پائی نظر تھی نظر کو بھی نظر آئی نظر تھی
بنا افشاں تھا ہر تابندہ کوکب مہِ انور تھا اک خالِ رخِ شب
وہی تھی روشنی جو طور میں تھی عروسِ شب مغرقِ نور میں تھی
مہِ گردوں عجب جلوہ فشاں تھا زمیں پر جو گرا سایہ کتاں تھا
بھرا تھا نور مہ سے تا بماہی بنی تھی چاندنی ظلِ الٰہی

نمونہ وحشت تھا حسن جہاں کا　　نقاب الٹا تھا روئے مہ وشاں کا
بہار حسن کا تھا جوش بن میں　　شجر باہم تھے ہم آغوش بن میں
لب جو کنج کی ٹھنڈی ہوائیں　　خمیدہ برج بن کی تھیں لتائیں
چمک تھی ہر رگ برگ شجر میں　　چکا چوند آرہی تھی دشت و بر میں
پئے سیر بہار حسن صحرا　　شب مہتاب و موج آب دریا
دل و جاں۔ دلربا۔ دلبر۔ دل آرام　　چھبیلے چھیل۔ بانکے چھب سری شیام
سراپا عشوہ گر سرتا قدم ناز　　ہر رنگ حسن خود طاؤس طناز
ہوا یوں جلوہ فرما برج بن میں　　بہار ناز جوں صحن چمن میں
دہری مرلی ادہر گردہر نے چھب سے　　بھرے سُر شیام نے اعجاز لب سے
صدائے نغمہ نے غارت ہوش　　دو عالم بیخودی سے خود فراموش
قیامت زا عجب انداز نے تھا　　لب جاں آفریں دم ساز نے تھا
ہوا تھا سوز سے بیتاب پانی　　بنا تھا آگ پر سیماب پانی
تھمی رک رک کے لہروں کی روانی　　جما چلتا ہوا جمنا کا پانی
سمٹ کر رات سانچے میں ڈھلی تھی　　شب مہتاب چاندی کی ڈلی تھی
کہیں سوز اور کہیں جلوہ کا تھا ساز　　ادہر چھائی ادہر مرلی کی آواز
تلاش دل میں ہر نغمہ رواں تھا　　بندھا مرلی کی دھن کا اک سماں تھا
غرض جو عالم ایجاد میں تھا　　ہر اک سینے عجب فریاد میں تھا
ہر اک آواز پیغام بشارت　　ہر اک انگی میں تھی مژدہ بشارت
پئے بوسے دئے پیغام لب کے　　پکارے جنتری میں نام سب کے
کیا بے چین ساری گوپیوں کو　　پکارا پریم پیاری گوپیوں کو
یہ کہکر سب نے تن من دھن بسارا　　چلو سکھیو کے تیرے کا منہ پیارا

وفورِ شوق سے رعشہ بدن میں نہ جان تن میں نہ تن تھا پیرہن میں
روانہ سوئے بن از خود فراموش پری رُو یان متھرا دوش بر دوش
بھرا جادو تھا بنسی کی صدا میں ہزاروں گر گئیں رنجِ حیا میں
نہ شُدھ گھر کی نہ سدھ تن کی نہ من کی ہوا سر میں بھری تھی برج بن کی

شعلہ ۔ مولوی محمد امیر صاحب خلف مولوی عبد الحمید صاحب شوق نگراسوی ۔ آپ علومِ عربیہ کی تکمیل کے بعد سہارنپور میں تجارت کرتے ہیں ۳۰ سال کی عمر ہے ۔ کاتب تذکرہ کے عزیز ہیں ؎

عشق شامل ثواب میں دیکھا ہجر داخل عذاب میں دیکھا
اپنے جانی کا خوں روا رکھنا یہ تو شیوہ جناب میں دیکھا
دل کو فوراً ہی اپنا کر لینا چشمِ فتنہ مآب میں دیکھا
جائے پانی کی خونِ دل پینا عشق خانہ خراب میں دیکھا
سونگھی تھی اسکے گیسوئے مشکیں کی بو کبھی نافہ اسی خطا میں ختن سے نکل گیا
پھر کیا رہیگا لطف چمن میں بہار کا جھونکا خزاں کا جب کوئی سن سے نکل گیا

قطعات و تقاریظ

حصہ چہارم

تقریظ تراوید قلم گہر بار ہز اکسیلنسی راجہ راجان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد مدارالمہام و پیشکار و رئیس اعظم حیدرآباد دکن

شاد نواز۔

تذکرۂ خمخانۂ جاوید جلد اول و دوم یک یک جلد و ضمیمۂ یادگار داغ کی دو جلدیں آپکی مرسلہ وصول ہوئیں جنکا شکریہ نہ صرف زبان و زبان قلم ہی سے بلکہ دل سے ادا کیا جاتا ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ خمخانۂ جاوید یا تذکرۂ ہزار داستان اُردو پبلک کیلئے ایک غیر معمولی بلکہ غیر مترقبہ نعمت ہے۔ اسکے جس پہلو پر نظر ڈالی جائے حیرت سے خالی نہیں۔ اگر تعداد شعرا پر نظر ڈالی جائے تو یقیناً آجتک کوئی تذکرہ اسکی مثال میں پیش نہیں کر سکتے جس میں سیکڑوں سے نمبر متجاوز ہو۔ اور لطف یہ کہ صرف نام اور تخلص ہی نہیں بلکہ ہر شاعر کا تھوڑا بہت حال بھی درج ہے جو بہ مناسبت کتاب دلچسپی سے خالی نہیں۔ اگر انتخاب کلام کیطرف دیکھا جائے تو آپ کو فنا فی الشعر کہنا بیجا نہوگا۔ کیونکہ صدہا شعرا کے گرم و سرد اشعار میں سے ایسا لاجواب انتخاب کرنا کہ جس سے شاعر کی قدر و وقعت عام دلوں میں زیادہ ہو۔ نکتہ چینوں کو عیب بینی اور عیب بینوں کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ یہ بات معمولی شوق یا سرسری نظر سے کبھی پیدا ہونی ممکن ہی نہیں تاوقتیکہ انسان محویت تامہ نہ حاصل کرے۔ اور جس کام کو شروع کیا ہے اسی کا نہو رہے۔ اگر اظہار حالات و واقعات اور منصفانہ انتخاب کو بچشم غور دیکھا جائے

سے یہ تقریظ ۱۹۱۵ء میں موصول ہوئی تھی جبکہ حصہ چہارم چھپنے کی تیاری ہو رہی تھی مگر کچھ ایسے حادثات پیش آتے رہے کہ آٹھ برس بعد اسکی اشاعت کی نوبت آئی ہے

تو آپکی بے تعصبانہ طبیعت کی جیتی جاگتی تصویر نہ اہل دہلی کی خواہ مخواہ جنبہ داری نہ اہل لکھنؤ سے بیجا تعرض اگر لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ کو دیکھیں تو وہ بھی آپکی اولوالعزمی اور فراخ حوصلگی کا قابل قدر نمونہ جو آتنی آتنی بڑی ضخیم متعدد جلدوں کے پیرائے میں اپنی شان آپ ہی دکھا رہا ہے۔ اگر طرز بیان کیطرف خیال کریں تو سلاست فصاحت متانت سے مالا مال اور اسدرجہ دلکش و دلچسپ کہ پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو اپنی برقی قوت سے متاثر کرکے آئینۂ حیرت بنائے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتی۔ غرض یہ کہ تذکرہ حسن سیرت و حسن صورت دونوں میں لاجواب ہے۔ جلد خوشنما اُس پر طلائی نام ٹائٹیل پیج رنگینی و گلکاری سے صحن چمن۔

آپکے ابتدائی شوق یعنی ۱۸۹۲ء اور زمانۂ اشاعت یعنی ۱۹۰۶ء کی دل آویز تصویریں زبان حال سے پکار رہی ہیں کہ بیمثل ذخیرہ آپکی اُس چاردہ سالہ کوشش کا نتیجہ ہے کہ جسکو آپنے باوجود انہماک مشاغل خانگی و خدمات سرکاری اپنے انتہائی ذوق و شوق کے ہاتھوں معراج تکمیل تک پہنچایا۔ الحمد للہ کہ آپکی اس محنت شاقہ اور سعی مالا یطاق کا سب سے پہلا اور مبارک نتیجہ یہ نکلا کہ اسکی سرپرستی محبوب دکن سلطان قلم و سخن حضرت آصف سادس عفرانمکان طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ نے قبول فرماکر اور بھی چار چاند لگا دئے۔

المختصر جس طرح آپنے اپنے اور اس فقیر کے جد اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل بہادر کی روح کو تازہ کیا ہے اسیطرح آپ بھی اپنے نہال شفقت سے کامیابی کا ثمرہ حاصل کریں۔ ۸ فروری ۱۹۱۸ء سے سفر میں ہوں ایکماہ پانچ روز بمبئی میں اعلیحضرت کے ہمرکاب قیام کرنیکے بعد ۱۲ مارچ کو وہاں سے روانہ ہوکر ۱۵ مارچ کو گلبرگہ پہنچا۔ اب یہاں سے امروز فردا میں روانگی حیدرآباد کا عزم ہے۔ باقی خیریت ہے۔ فقیر کشن پرشاد

تقریظ از نتائج طبع گہربار مستغنی الالقاب مسیح الملک محبی و محترمی حکیم اجمل خانصاحب رئیس اعظم دہلی

خمخانۂ جاوید۔ یہ تذکرۃ الشعرا جسکی چوتھی جلد زیور طبع سے آراستہ ہوکر آپ تک پہنچ رہی ہے میرے دوست قدیم لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی تالیف سے ہے۔ لالہ صاحب موصوف

نے اس بیش بہا تالیف کے لیے بہت کچھ صرف زر کر کے ایک ایسا اچھا قیمتی کتب خانہ فراہم کیا جس میں سینکڑوں اُردو کے نایاب دیوان موجود ہیں۔ اسکے علاوہ انہوں نے جسقدر شوق محنت اور سلیقہ کیساتھ اُردو علم ادب کی خدمت انجام دی ہے اسکا اندازہ انکے وہ دوست اچھی طرح کرسکتے ہیں جنہوں نے انکی گذشتہ برسوں کی مسلسل اور اَن تھک کوششوں کو دیکھا ہے۔

سینکڑوں گمنام شعرا کا اُردو علم ادب کے شائقین سے ساتھ تعارف کرانا اور انکے بہتر کلام کو منتخب کر کے اُن کے ضروری حالات کیساتھ "خمخانہ جاوید" کی صورت میں منظر عام پر لانا ایک ایسی جلیل القدر خدمت ہے جسے اہل دہلی اور دوسرے ملک کے سخن فہم حضرات کبھی بھول نہیں سکتے۔ میں اپنے دوست کو صدق دل سے اس جلد کی تکمیل پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ باقی جلدیں بھی ان کے ہاتھوں سے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ تاکہ ہندوستان کی اردو داں دنیا اس میدان کے ہزاروں شہسواروں سے واقفیت حاصل کرسکے مجھے امید ہے کہ ملک کے قدردان حضرات جلد سے جلد اس مفید سلسلہ کیطرف خاص توجہ فرمائینگے۔ تاکہ لالہ صاحب ممدوح "خمخانہ جاوید" کی بقیہ خدمت کو آسانی کے ساتھ انجام تک پہنچا سکیں۔

محمد اجمل خاں

تقریظ چکیدۂ قلم مسیحا دم شفیقی و مکرمی ارسطو فطرت جالینوس حکمت حکیم محمد احمد خاں صاحب خلف اکبر حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم دہلوی

مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم کی "آب حیات" کے بعد لالہ سری رام صاحب ایم اے کی کتاب "خمخانہ جاوید" ایک ایسی کتاب ہے جو اُردو شاعری کی تاریخ کو دورِ حاضرہ تک مکمل کرتی ہے۔ اور اگر "آبحیات" نے آزاد مرحوم کو حیاتِ جاوید کا درجہ دیا ہے تو "خمخانہ" نے لالہ سریرام صاحب کے نام کو اس قابل بنا دیا ہے کہ جبتک دنیا میں اُردو کا نام زندہ ہے۔ یہ نام بھی زندہ رہیگا "خمخانہ جاوید" کا یہ چوتھا اور وسطی حصہ ہے جو اسوقت پبلک کے سامنے ہے۔ اور اس نے لالہ سریرام کے قلمی جد و جہد کا سفر ایک حد تک ختم کر دیا ہے جسمیں وہ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ مشغول

ہیں۔ اور آئن کامیابی پر وہ نہ صرف اردو کی دنیائے ادب بلکہ تمام علمی دنیا کیطرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جب میں اُنکی لگاتار محنتوں اور جانکاہیوں کا خیال کرتا ہوں جنمیں گویا انہوں نے اپنا عہدِ شباب ختم کردیا تو بے اختیار اُنکی عزت کا ایک ایسا احساس قلب میں پیدا ہوتا ہے کہ الفاظ میں جنکا اظہار دشوار ہے "خمخانۂ جاوید" کی تدوین اور تالیف کے بعد لالہ سری رام اب دنیا کے تاریخی لوگوں میں ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اردو زبان اپنے اس محسن کے نام کو کبھی نہ بھولیگی جس نے اس کتاب کی تیاری میں جوانی اور جوانی کی مسرتیں قربان کردیں اور جس کام کو اردو کے کروروں قدردان نہ کرسکے لیلیٰ اردو کے اس مجنوں نے اپنی تنہا ذات سے پورا کردیا

اجرش دہد خدا کہ کردہ است یاوری
بہ آں کسے کہ یاور ناصر نداشتند

آج کے ہندوستان میں ایسی ہستیاں کہاں ہیں، جو لالہ سری رام صاحب کیطرح اپنی زندگی کے بہترین ایام و سال ایک زبان کی خدمت پر نثار کردیں محض اس لئے کہ وہ زندہ رہے

انہوں نے نہ صرف اردو شاعری اور اردو شعرا کو پیشِ نظر رکھا ہے اور کوئی امتیاز مذہب او نسل گوارا نہیں کیا ہے، ہزاروں مسلمان اور بہت سے ہندو شاعر ہیں جنکا اس کتاب میں تذکرہ ہے اور اُنکے کلام کا انتخاب اس حسن انتخاب اور سلیقہ سے کیا ہے کہ اس سے بہتر وہ خود بھی کیا لکھ سکتے تھے۔ یہ معمولی کام نہیں ہے اسکی دشواریوں کو صرف وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کی تالیفات کے میدان میں بادیہ پیمائی کی ہو۔ یا لالہ سری رام صاحب کے قریب رہ کر اُن کی جانکاہ اور مسلسل مشغولیتوں کو دیکھا ہو۔ انہوں نے اپنا وقت اور اپنا روپیہ اس کام پر اسطرح بے دریغ صرف کردیا ہے گویا خدا نے اُنہیں اسی کام کیلئے پیدا کیا تھا اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ میرا مقصد زندگی یہی ہے۔ اس پر میں سمجھتا ہوں کہ تمام ہندوستان اور دنیا کے تمام علمی طبقات کی طرف سے وہ شکرگذاری کے مستحق ہیں۔ کاش اردو کے قدردان جنکی تعداد لاکھوں نہیں کروروں ہے سمجھیں کہ لالہ سری رام صاحب نے تو اپنا کام کردیا۔ اب ہمارا فرض اُن کی شکرگذاری کے سلسلہ میں کیا ہے ؟

محمد احمد فروری ۱۹۲۶ء

قطعہ عطیہ مکرمی و محبی خان بہادر قاضی شوکت حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ مرادآباد

اہلِ فن اسکو بنائینگے گلے کا تعویذ — تذکرہ ہے شعرا کا یہ دلآویز کتاب
بے پیئے مست ہوں جس سے یہ وہ خمخانہ ہے — نہ یہاں حاجتِ ساغر نہ ہے پروائے شراب
ساقیِ بزم سری رام ہے دریا دل ہیں — تشنۂ لطفِ سخن آکے یہاں ہوں سیراب
طبع کی اُسکے ہے پرکیف یہ شوکت تاریخ — حصۂ چارم خمخانہ ہے دُرِ نایاب

تقریظ و قطعات تاریخ از نتیجۂ فکر شاعر نازک خیال سخنور عدیم المثال حاجی مرزا سید محمد خاں متخلص بہ حاجی میر منشی پشتو تحریر و میر مشاعرۂ بزم سخن صدر اولپنڈی

قطعہ اول بقاعدہ توشیح

ہاں اُتر آئی جناں خمخانۂ جاوید میں — بھر گئیں سب جنتیاں خمخانۂ جاوید میں
اللہ اللہ کسقدر زاہد کو بھی ہے اس سے شوق — جسم مسجد میں ہے جاں خمخانۂ جاوید میں
میں گرا سجدہ میں ساغر نے کیا جھک کر رکوع — دی صراحی نے اذاں خمخانۂ جاوید میں
درج ہیں اسمیں سخن سب شاعرانِ ہند کے — دیکھ لو ہندوستاں خمخانۂ جاوید میں
اسمیں ہیں سب شاعرانِ حال و ماضی کے سخن — جمع ہیں پیر و جواں خمخانۂ جاوید میں
ساری دنیا کی ہے اسمیں سیر آؤ دیکھ لو — ساری دنیا ہے نہاں خمخانۂ جاوید میں
چل ہمارے ساتھ تو بھی اے دلِ حسرت زدہ — جمع ہے سارا جہاں خمخانۂ جاوید میں
دل نشیں ہے دلنشیں ایک حصۂ دلنشیں — جاں نشیں ہے داستاں خمخانۂ جاوید میں
ذرہ ذرہ کی تمنا ہے بنوں میں خاکپا — ٹھہرنا ممکن کہاں خمخانۂ جاوید میں
صفحہ نقطے حرف بولے مجھ سے کیا دیکھو نہیں — چاند تارے آسماں خمخانۂ جاوید میں
جائیں وہ جائیں جنہیں رہنا نہیں ہے غم الگ — گھر بنالیں میکشاں خمخانۂ جاوید میں
کیوں نہ ہو قربان تجھ پر اے سری رام اپنی جاں — تجھ سے ہے وہ گلستاں خمخانۂ جاوید میں

بیت تیری سب جہاں میں بہاں ہیں بن		بیت تو نہ ہی میزبان خمخانۂ جاوید میں
دیکھو آئینۂ ہی حاجی الٰہی تاریخ طبع ۵۸۲ ۱۳۳۵ھ		لو جو جیواں کی زبان خمخانۂ جاوید میں

صدر عروض ۱۹۱۷ء — ابتدا منقوطہ و ضرب منقوطہ ۱۹۱۷ء

نوٹ:- مندرجہ بالا نظم سے پانچ تاریخیں تین ہجری اور دو عیسوی بدیں تفصیل پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) حروف اول صدر سے ۱۳۳۵ھ

(۲) حروف اول صدر و حروف آخر عروض سے ۱۹۱۷ء

(۳) حروف اول ابتدا سے ۱۳۳۵ھ

(۴) حروف اول ابتدا منقوطہ و حروف آخر ضرب منقوطہ سے ۱۹۱۷ء

(۵) چودھویں شعر کے مصرعۂ ثانی سے بہ صنعت تعمیۂ خارجی و داخلی ۱۳۳۵ھ

قاعدہ۔ د × ی = د۔ د۔ ی	تخرج ز عدد بسط قاعدہ بسط حروف	د = ٦
ا × ا = ا ۰ ۰		ی = ۱۰
ل × ل = ۰ ۰ ظ		ظ = ۹۰۰
ی × ی = ۰ ۰ ق		ق = ۱۰۰
ل × ل = ۰ ۰ ظ		ظ = ۹۰۰
		۱۹۱۷ء

جناب سری رام یکتائے عالم	دیگر	ہر اک فن میں کامل ہر اک فن میں کامل
کتاب انکی یہ بے بدل ہے یہ بے بدل ہے		لکھو حاجی تاریخ اس کی دلائل
آئین توالی سے سن طبع ہے نایاب ۱۳۳۵ھ	دیگر	تاباں سر اختر سے ہے تاریخ کا خورشید ۱۹۱۷ء
منقوطہ سے کرتا ہے مہ سال کو روشن		نایاب سریرام کا خمخانہ جاوید ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۷ء ۱۳۳۵ھ
ہم کہے دیتے ہیں کہنا صاف اچھا تذکرہ ۱۳۳۵	دیگر	جب سن ہجری کا ای حاجی کہیں مذکور ہو
ویں پیدا ہوا اگر تاریخ مفصل کا خیال		یک قلم اعدا کا اس تذکرہ سے دور ہو ۱۳۳۴
کم ہے جتنی داد دیں اس تذکرہ کی اہل فن	دیگر	اسکی جا لکھا ہے میں اک عمر مصنف کھپ گئی

نوٹ:- ۱۹۱۶ء میں اس حصہ کی قریب قریب نظر ثانی ہو چکی تھی مگر اتفاقات ایسے پیش آتے رہے کہ ابتک اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔

میں نے ای حاجی جو پوچھا دل سے اسکا سال طبع	یہ کہا اس تذکرہ کی جلد چوتھی چھپ گئی ۱۹۱۷ء

اقتباس از تحریر و قطعہ تاریخ از ماہر کامل فن محقق رموز سخن سید محمد نذیر حسن نسیم ابوالعلائی ہلسوی عظیم آباد

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ خمخانۂ جاوید کے متعدد اوراق جناب کی زبان فصاحت ترجمان سے سن چکا ہوں اور میں اس سامعہ نوازی کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا حقیقت یہ ہے کہ جناب کی یہ نادر تالیف محتاجِ تعریف و توصیف نہیں۔ ع حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام۔ رہا ادب اردو میں ایسا گراں قدر اور بیش بہا اضافہ ہر طرح ایک خاص قدر دانی کا مستحق ہے۔

کیونکہ نہ ہوں دہر میں لالہ سری رام کیوں نہ ہوں	یہ صاحبِ کمال ہیں یہ واقفِ ہنر
علامۂ زماں ہیں تو یہ ماہرِ زباں	فاضل ہیں علم و فن سے ہیں آگاہ و باخبر
لکھا سخنوروں کا وہ بے مثل تذکرہ	ہے آج جس کا ذکر جہاں میں ادھر ادھر
یہ ملک و قوم دونوں کے حق میں مفید ہے	یہ اہلِ شوق کے لئے گویا ہے راہبر
دلچسپ و دلفریب دل آرام و دلربا	ہیں اسمیں خوبرویوں کے اوصاف سر بسر
تحقیق کی تلاش کی کیا داد دیجئے	پڑھیے اسے تو کہیے بہر حال معتبر
جو مر چکے تو از سرِ نو زندہ ہوگئے	معجز نما ہے طرزِ نگارش بھی کس قدر
جو زندہ ہیں وہ از سرِ نو زندہ ہوگئے	اب ہیں فنا سے دور فنا ان سے دور تر
کیوں پڑھ کے یوں نہ داد مؤلف کو دیجئے	یہ شوق یہ تلاش یہ تحقیق یہ نظر
یہ لطف۔ یہ زباں یہ اسلوب یہ روش	یہ سحر یہ بیان یہ تاثیر یہ اثر
تعریف اس کتاب کی لکھنی محال ہے	دل کی یہی صلاح ہے کہ اکتفا نہ فکر کر

برجستہ ہے یہ مصرعہ تاریخ لکھ نسیم
احسان خاص یہ بھی ہے اردو زبان پر
۲۱ ۱۳

از جناب سید رحمت علی صاحب ماہر بدری منشی فاضل ہیڈ مولوی بی آئی ٹونڈلہ ضلع آگرہ

ایسا جامع تذکرہ اُردو زبان میں کیا بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس بسط کیساتھ نہ لکھا گیا ہوگا۔ خدائے تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائے میں آپکو اس بے مثل کام کی مبارکباد دیتا ہوں یہ تذکرہ شعرا کے لئے ایک اُستاد کامل ہے اور اہل کلام کیلئے قاموس رہبر۔ اگر شائقان بادۂ معرفت کے لئے خمخانۂ جاوید ہے تو سرگشتگان ظلمت جہل و سفاہت کے لئے بمنزلہ خورشید۔ آپکی محنت و جانفشانی کی داد دینے میں زبان قاصر ہے اور ملکۂ انتخاب کی مدح سرائی میں دل و دماغ کی کوتاہی ظاہر ہے

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست	آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

اقتباس از تحریر فاضل اجل ادیب اکمل مولوی مولانا نجم الغنی صاحب رامپوری مصنف تاریخ ریاست رامپور

آپنے ہزارہا اہل کمال کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ اس لئے ہر شخص کا جو اس فن کے خدمت گذاروں میں سے ہی یہ فرض ہے کہ اس کام میں وہ آپکا ہاتھ بٹائے۔ آپکی عرق ریزی اور طبع وقاد کا ہر شخص معترف ہے۔ آپنے ایسا بڑا کام کیا ہی کہ اسمیں بڑے سے بڑے ماہر سے ہزاروں فروگذاشتیں ہوئیں حق یہ ہے کہ آپکا تذکرہ بہت صاف ہی آپکا طرز انتخاب نہایت لاجواب ہی۔ واللہ آپنے بڑے بڑے سخن فہموں کو راستہ انتخاب بتا دیا ہے۔

اقتباس از تحریر منشی محمد حنیف صاحب عجب

میرے نزدیک جو شخص بھی آپکی اس اپنی نوعیت میں لاجواب تصنیف کو دیکھے گا بیساختہ آپکی جد و جہد اور کامیاب سعی و تلاش پر آفریں پکار اُٹھیگا۔ اُردو زبان اور اُسکے حامی آپکے اس

گرانقدر التفات کو ہمیشہ نظر استحسان دیکھینگے بلکہ منت پذیری کا اعتراف نکرنا کفران نعمت خیال [redacted]
کے نام اور کلام فراہم کرنے میں واقعی آپنے بیحد محنت سے کام لیا۔

ریختہ کلک ادیب نامور پنڈت سکھدیو پرشاد مہر سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس ریاست بھرت پور

واقعی آپکا تذکرہ لاجواب ہے اور آپکا احسان اُردو داں پبلک پر ایسا ہو رہا ہے کہ جس کا شکریہ ادا کرنا آسان کام نہیں ایسے صاحب ہمت کا کام ہے کہ ایسے بڑے کام کو شروع کرنا اور اس کی تکمیل میں ہر طرح کی کوشش فرمانا اسقدر بڑے تذکرہ کا ترتیب دینا کوئی آسان کھیل نہیں یہ آپکا احسان اُردو داں پبلک کیلئے ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے نجم ملک۔ مجھے آپکے تذکرے سے سچی ہمدردی ہے چند قطعات تاریخ مختلف سنوں کے برائے جلد چہارم ارسال خدمت ہیں

اہل سخن نے اور بھی لکھے ہیں تذکرے
کیسا مبالغہ یہ خدا لگتی بات ہے
اس منصفی کے آپکے قربان جائیے
واللہ انتخاب کا بھی انتخاب ہے
گمنام شاعروں کا بھی چمکا دیا ہے نام
اُردو زباں کے آپ بھی خواہ ہیں دل
اُردو زباں کی دہلی ہے ٹکسال واقعی
ہے مستحق داد عرق ریزی آپ کی
آب گہر سے آپنے شاید لکھا ہے یہ
پبلک کو چاہیئے کہ کرے قدر آپ کی

لیکن یہ تذکرہ ہے زمانہ میں لاجواب
بے لاگ منصفی سے کیا خوب انتخاب
جان غزل کیا ہے ہر اک شعر انتخاب
بیجا نہیں ہے کہنا اسے عطر انتخاب
روشن ہو نام آپ کا مانند آفتاب
اللہ آپکو کرے اس دھن میں کامیاب
کھائیں نہ میری بات ہیں حسا دپیچ وتاب
پیدا ہوا نہ ہوگا نہ ہے آپکا جواب
ہے تذکرہ میں گوہر نایاب کیسی آب
اسکے صلہ میں بخشے گورنمنٹ بھی خطاب

للہ جلد چھپنے اب ختم تذکرہ ۔۔۔ ہے انتظار جلد چہارم میں اضطراب
اسکے زراہ مصرعۂ تاریخ پھر سے ۔۔۔ یہ تذکرہ ہے لالہ سری رام لاجواب
۱۹۸۵ بکرمی
مولف کی لگی محنت ٹھکانے ۔۔۔ دیگر ۔۔۔ ہر اک آغاز کا ہے پھر انجام
چہارم جلد ہے لو نذر پبلک ۔۔۔ چھپا اب باغ تالیف سری رام ۱۹۸۵ بکرمی
دن رات غرق رہ کے مولف نے فکر میں ۔۔۔ دیگر ۔۔۔ بحر سخن سے اور نکالی ہے پھر یہ
رکھی ہے آج منبر یہ پبلک کے روبرو ۔۔۔ اس تذکرہ کی جلد چہارم سبحی پھر یہ ۱۹۸۵ بکرمی
دیکھکر اسکو تشفی ہو گئی ۔۔۔ کھل گئی خود پھر کے شک کی گرہ
پھر سن یہ غیب سے آئی ندا ۔۔۔ ہے چہارم جلد قلب تذکرہ ۱۹۸۵

مصرعۂ تاریخ ع اس تذکرہ کی جلد چہارم ہو مبارک
۱۹۸۵ بکرمی

از نتائج افکار گہربار جناب منشی محمد احسان حسن خانصاحب احسان رئیس چھوارہ ضلع مظفرپور بہار

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست ۔۔۔ آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید

مجھے عرصہ سے ایک جامع تذکرہ شعرائے اردو زباں کی تلاش تھی جسمیں ہر طبقہ کے مشاہیر اور غیر مشاہیر شعرا ہوں للہ الحمد کہ اب وہ تمنائے دلی تذکرہ ہزار لقب بہ خمخانۂ جاوید کی صورت میں جلوہ آرا ہوئی۔ ہفتہ عشرہ گذرا کہ میں نے اسکی جلد اول اور جلد دوم دلی سے منگوائی ہیں اور نہایت ذوق شوق سے مطالعہ کر رہا ہوں میں نے اس کے اعلیٰ محاسن اور پاکیزہ اوصاف اکثر احباب سے سُنے تھے۔ فی الحقیقت جس قدر اسکی تعریف کیجائے بجا اور درست ہے۔ تقریظیں بھی بہت سے ذی قلم باکمال اصحاب نے لکھیں ہیں۔ اسکی مدح سرائی میں خامہ فرسائی کرنی ہے وہ اسکے لئے شایاں ہے اسکے مولف جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے سابق منصف و رئیس دہلی ہیں۔ آپ خود باکمال اور لایق فایق شخص ہیں اُس پر اس تذکرہ کی تالیف نے آپکے نام نامی اور صفات گرامی میں

چار چاند لگا دئے ہیں۔ طرحداران زبانِ اُردو اسپر جسقدر ناز کریں زیبا ہے۔ میں مولف کو اس گرانقدر تالیف پر تہِ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ واقعی یہ تالیف لطیف آپ ہی کے حصہ کی تھی جناب ممدوح سے اگرچہ مجھے نیاز حاصل نہیں مگر مجھے ممنون کرم ضرور تیار رکھنا ہے خمخانہ جاوید کی بقیہ جلدوں کے مطالعہ کا بیحد مشتاق ہو گیا ہوں۔

جناب محترم لالہ سری رام
نہایت قابلیت سے اُنھوں نے
پسندیدہ نہ کیوں ہو ایسی تالیف
نہ کیوں ہو مرحبا کا شور ہر سُو
چھپا بھی ہے خوش اسلوبی سے ایسا
جو ڈھونڈا میں نے سال طبع احسا
ہر کہ ایں ذکر شاعراں دیدم
بہر تاریخ طبع سنجیدہ

صداقت میں ہیں یکتا جنکے مکتوب
لکھا ہے شاعروں کا تذکرہ خوب
مضامیں جس کے ہوں دلچسپ و مرغوب
کچھ ایسا ہی نگارش کا ہی اسلوب
نگاہِ اہل بینش میں ہے محبوب
کہا ہاتف نے لکھ مطلوب مرغوب

دیگر

آفریں از دل و زباں گفتم
یادگار سخنوراں گفتم

یعنی سنجیدہ یادگارِ سخنوراں

از قلم صائب نقاد سخن جناب شید احمد صاحب شور قریشی

خمخانہ جاوید آجکل زیر مطالعہ ہی کیا کہوں ایسی متبرک اور دلچسپ کتاب کی میں تعریف نہیں کر سکتا وہ خوبیاں اور باتیں اسمیں پیدا کی ہیں کہ احاطۂ تحریر میں لائی نہیں جا سکتیں چھوٹا منہ بڑی بات اول تو میں کیا اور میری زبان کیا۔ اگر اسکی زبان کی زبان سے تعریف کروں تو ارباب مذاق اور اہل خرد کیلیے مضحکہ کا سامان ہو سکتا ہی لیکن میں تو پھر یہی کہونگا کہ آپنے جو عرق ریزی خمخانہ جاوید میں کی ہے ملک و اہل ملک میں سے اگر کوئی شخص اسکی تعریف میں لب کشائی کرے تو میرے خیال میں تعریف کا ایک شمہ بھی ادا نہ کر سکیگا۔ آپکی محنت قابل داد اور آپکی قابلیت ملک کیلیے

لایق فخر ہے۔ یا خدا یہ گلشن تقاجس کا دوسرا نام خمخانۂ جاوید ہے اسکا ہر ایک پودا یعنی ہر ایک شعر جس کے لکھنے کیلئے آب حیات نذر دوات کیا ہوگا ہمیشہ پھلے پھولے اور اسمیں بہار رہے۔

تقریظ مولوی سید محمد احمد رضی رئیس سونی پت و پریسیڈنٹ کمیٹی شیعہ سُرس لیگ

اتفاقاً جناب کی کتاب مستطاب خمخانۂ جاوید حقیر نے دیکھی جس کی عبارت پڑھکر بیساختہ دل سے داد نکلتی ہے عبارت کی سلاست اور فصاحت کی تعریف تو اس قابل ہی نہیں کہ احاطۂ تحریر میں آسکے۔ دلچسپی میں وہ رتبہ رکھتی ہے کہ شروع کرنے پر چھوڑ دینے کو دل ہی نہیں چاہتا اور ختم کرنیکے بعد بھی یہی دل چاہتا ہے کہ دوبارہ اور سہ بارہ پڑھی جائے جناب لالہ صاحب آپنے اس تاریکی کے زمانہ میں زبان اُردو کو وہ جلا دی ہے جس کا شکریہ اہل ہندو ماہران زبان اُردو سے ناممکن ہے۔

اقتباس از تحریر منشی چنی لال صاحب صوفی وکیل عدالت تحصیل بلاسپور ریاست رام پور

واقعی جناب والا نے نہایت تفصیل و فصاحت و بسط سے حالات شعرا تحریر فرمائے ہیں گویا ہر شاعر کا حال بجائے خود ایک سوانح عمری ہے۔ کلام مردہ کو زندگانی جاویدی دی ہے اور قرینہ سے اپنی اپنی جگہ ہر ایک صاحب سخن جاگزیں ہیں۔ ہندوستان میں کسی نے ایسا ضخیم تذکرہ نہیں فرمایا۔

نتیجہ طبع وقاد منشی محمد تقی صاحب قمر رئیس و زیر گنج ضلع گیا مولف لغات

میں نے انگریزی اخبار میں دیکھا تھا کہ آپ اُردو کانفرنس دہلی کے صدر نشین ہوئے تھے اس اعزاز کی مبارکباد دیتا ہوں۔ آپکا دم بہت ہی غنیمت ہے۔ آج تک اُردو علم ادب کی ایسی خدمت کسی نے بھی نہیں کی ہے۔ زبان ایک طرف آپنے تحقیق بہت کی ہے شعرا کی زندگیوں کا آپ کو جتنا علم ہے میرے خیال میں اتنا کسی کو بھی نہیں اور اسکا باعث یہ ہے کہ اُنکے پاس آپ جیسے جوہر نہیں ہیں۔ جنکو سرمایہ کہتے ہیں۔

از رشحات قلم جادو رقم محقق دقیق النظر ماہر ستودہ سیر نواب شمشیر بہادر اخگر رئیس ریاست اجی گڑھ بندیل کھنڈ

پیارے سری رام۔

ندرت طراز شاعر شیوا زبان ہے تو
یکتائے روزگار وحید الزماں ہے تو

نکتہ شناس و نکتہ رس و نکتہ داں ہے تو
ہے سچ تو یہ کہ نازشِ اُردو زباں ہے تو

اعجاز ہے قلم میں تو جادو زباں میں ہے
نیرنگِ سامری تری طرزِ بیاں میں ہے

آپنے تذکرہ لکھکر ہندوستان کے ہندو مسلمان دونوں قوموں پر بڑا احسان کیا ہے جو آپکے احسان کو نہ مانے اُسے انتہا درجہ کا ہٹ دھرم اور بے ایمان خیال کرنا چاہیئے کیونکہ اُردو زبان ہندو مسلمان دونوں کی مشترکہ زبان ہے۔

اگر آپ میں ذرا بھی تعصب کی بو ہوتی تو آپکا یہ کار عظیم کبھی اپنے ذمہ نہ لیتے بلکہ اُردو کو اُوڑانیکی فکر کرتے ان باتوں کو نادان نہیں سمجھتے مگر اسپر جلے جاتے ہیں کہ لالہ اُنکی تعریف کیوں کر رہے اب ان نافہموں سے کون کہے کہ تم بھی وہ کام کرو جسمیں تمہاری بھی تعریف ہو لیکن۔ ع

کھیل لے ہر کوئی جس کو یہ وہ شطرنج نہیں

البتہ قدرت نے آپ کو ضرور ایسا باہمت۔ نیک دل۔ صاحب علم۔ فرشتہ سیرت انسان بنایا ہے جب تو یہ بارِ عظیم اپنے سر لیا خدا کرے یہ کار اہم بخیر انجام کو پہونچے۔

عیب نکالنے والوں سے ہنر کے دیکھنے والے زیادہ ہوتے ہیں مصنف کے سامنے گو چند حریف عیب نکالیں تو نکالیں مگر پیچھے قیامت تک واہ واہ سننے میں آتی ہے۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ دوسرے کی خوبیاں دیکھ نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ بہت کم اہل کمال کو اپنے وقت میں داد ملی کیسی ہی عمدہ کتاب لکھیے معمولی داد کیساتھ ہی یہ ضرور کہا جائیگا کہ متقدمین کا کیا کہنا۔

حالانکہ جب تک نہ زندہ رہے وہ بھی ابنائے زماں کے شاکی رہے اور یہ حضرات جو آپکے مقابلہ میں انکلوں کی یا غیروں کی تعریف کر رہے ہیں اس خیال سے نہیں کرتے کہ انکا حق سمجھتے ہیں بلکہ آپکی داد میں عیب پیدا کرنا منظور ہے سبب یہ کہ وہ تو اسوقت موجود نہیں اُن سے رشک کا موقع نہیں رہا آپکے ساتھ رشک ہی۔

وہ کامل اور نامور شعرا جنہوں نے اُردو میں چار چاند لگائے اور خود یا دِ حوادث کے تیز تند جھونکوں سے قعر گمنامی میں جا پڑے اور سسک سسک کر دم توڑ کے رہ نوردِ آخرت ہوئے آپنے آب حیات پلا کر اُن سب کو زندہ کر دیا۔ انکی روحیں آپکے ترقی عمر و اقبال کیلئے دعائیں دے رہی ہونگی۔

اللہ جلشانہٗ اس سے زیادہ آپکی ہمت بڑھائے اور خضر کی عمر بخشے تاکہ یہ کار عظیم جلد بخیر انجام کو پہونچے اور آپ کو اس محنت اور جانکاہی کی داد ملے۔

از عالیجناب ملک الکلام اُستاد عدیم النظیر لسان العصر سید ریاض احمد صاحب ریاض سرہ نازش منشی امیر مینائی

حضور اقدس۔ نوازش نامہ باعث اعزاز ہوا انکلاہ گوشۂ دہقان بفتخار سیدت کی تمنا آج بر آئی خدا آپکو تا زمانہ دراز با صحت و عافیت رکھے تذکرہ کیطرف توجہ کا موقعہ ملجانا ملک کی خوش نصیبی ہے آپنے واقعی یادگار مجموعہ تیار کر کے شعرا کیساتھ مذاق صحیح کو زندۂ جاوید و پائدار بنا دیا۔ آپ دنیائے شاعری کے محسن ہیں اسلئے بھی کہ شعرائے دہلی و لکھنؤ ایسے برتاؤ سے اور زیادہ قریب ہوتے جاتے ہیں

قطعۂ تاریخ ریختہ کلک مکرمی نواب کاظم علیخاں صاحب ذہین رئیس اعظم لکھنؤ

ساقیا موسم بہار آیا	کچھ عجب حال اب ہے رندوں کا
دخترِ رز کی یاد ہر دم ہے	بس اُسی کا وہ پڑھتے ہیں کلما
باغ و صحرا یہ ہے عجب جوبن	سبز پہنے ہے ہر شجر جاما

کیا زمیں پر بہار دیتا ہے　　ہر جگہ فرش سبز مخمل کا
کیا غضب ڈھا رہی ہیں ندوں پہ　　ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کالی گھٹا
شاہدانِ چمن کا دھیمہ نکھار　　جانفزا ہے خزانۂ بستاں کیا
ہے چنبیلی پہ کس غضب کی بہار　　چھوٹا پڑتا لباس سے ہے سادا
موتیا عطر کا قرابہ ہے　　سارا گلشن مہک رہا ہے پڑا
ختم ہے آج نسترن پہ بہار　　قابل دید آج گل ہے نرگس کا
ہے نزاکت سے کامنی کو یہ خوف　　خندۂ گل لے نہ دے ایذا
غیرتِ مہ ہے چاندنی کا پھول　　سُن گلشن ہے دونے سے دُونا
ہمسری نیلوفرلی کر نہ سکا　　چہرے کا رنگ پڑ گیا پھیکا
ہو اگر آفتاب تجھ میں تاب　　آکے سورج مکھی سے آنکھ ملا
چشمِ ساقی وہ نشہ میں ڈوبی　　غسلِ صحت ہوا ہے نرگس کا
لالہ ساغر میں ہے لئے مے سرخ　　بلبلوں کے لئے یہ گل پھولا
گل و بلبل کے وصل کا دن ہے　　خوف گلچیں نہ کیل کا کھٹکا
بھر کے غنچوں میں آج عکسِ شفق　　بلبلیں کھیلتی ہیں رنگ اس جا
بولتا ہے پپیہے کا طوطی　　پی کہاں پی کہاں کا غل ہے مچا
چار سو منتظم عنادل ہیں　　عدل و انصاف کی بندھی ہے ہوا
آج گلچیں نے پھول گر توڑا　　دارِ شمشاد پر یہ دیں گے چڑھا
حکم غنچوں کو ہوگا مونہہ کھولو　　کہ شہادت ہو خونِ دل کی ادا
قمریاں گر کرینگی سرتابی　　طوقِ گردن میں اُنکی ہوگا پڑا
کیا مجال آج گل ہو نافرمان　　حکم مانے نہ عندلیبوں کا
آج شمشاد پہ بھی ہوتا ہے　　قدِ موزونِ یار کا دھوکا

[illegible]

قطرے شبنم کے یوں ہیں پتوں پر — موتی قدرت نے جڑ دیئے گویا
زردی پھولوں کی یہ بتاتی ہے — ہے عروسِ بہار کا مانجھا
قوتِ نامیہ کا ہے یہ زور — خشک لکڑی میں بھی ہے بور آیا
سرو خاموش محوِ حسنِ بہار — دیکھتا ہے تماشا قدرت کا
باغ پر کیا برس رہی ہے بہار — تو بھی ساقی عرقِ بہار کا لا
سیرِ گلشن سے ہو گیا دل سیر — دخترِ رز کا دکھا مجھے جلوا
مینہ برس کر کھلا ہوا بدلی — قوس کا رنگ آسماں پر چھا
دیکھ رندوں کی طرح میکدہ سو — لڑکھڑاتی نکل رہی ہے صبا
ساقی بھر بھر کے دے مئے سرجوش — زندگی بھر جو دوں میں تجھکو دعا
خوش ہوں ہر کیفِ مے سے ہوں — ہو مبادا خمارِ بادہ کا
دے وہ مے جسکو پی کے ہوں بیہوش — ڈر نہ واعظ کا ہو نہ خوفِ خدا
ہو نہ جو کچھ ہو واں وہ یاں ہو جائے — نشہ میں فکرِ نشاتین کجا
تند ایسی ہو جیسے ہی کھولوں — کاگ اڑ جائے دن سے بوتل کا
گنگرج تند جس سے بڑھ کے نہو — پہلے نمبر کی مجھکو دے اک شا
اب نہ پھر مجھسے ہو گی یہ تقصیر — توبہ کر لے سے میں نے کی توبہ
ہونٹوں پر آئی ہے خمار سے جان — جلد ساقی صراحیِ مے لا
پی کے مے بحرِ نشہ میں ڈوبوں — بطِ مے کو بھی آج دوں غوطا
مے رخشاں ہو مہر کی مانند — کرے مہتاب جس سے کسبِ ضیا
یہ جو واعظ ہیں مے کے دشمنِ جان — تو نہ باتوں میں ان کی آ جانا
انکی صحبت سے مے ہی خود بدنام — مے کو بدنام یہ کرینگے کیا
بندگی کر کے ! بتو مسجد کو — درِ میخانہ ہم نے ہے تا کا

کیا دکھاتا ہے مجھکو اے واعظ　　سبز باغ آج تو یہ جنت کا
جائیں حوریں تری جہنم میں　　میں تو ہوں دختِ رز کا دیوانا
دے نہ لالچ خیالی باتوں کا　　خواب میں بھی ہے حور کو دیکھا
خلد میں بھی مجھے ملے جو شراب　　غش سے پی جاؤں بیدھڑک آیا
شیخ جی کی ہو کرکری شیخی　　نہ ملے انکو بھاگتے رستا
پی کے ایسا سماں بندھے ساقی　　جس سے دل کی کھلے گو یا
تخت پریوں کے سامنے اتریں　　صاف نقشہ کھنچے اکھاڑہ کا
پیکے مے بند کرلوں جس دم آنکھ　　نظر آجائے قاف کا نقشا
سامنے پریاں ناچتی اتریں　　راجہ اندر کی ہو سبھا کا مزا
گو سبو کے سبو رہیں خالی　　ہو صبوحی کا ذکر صبح و مسا
مست ہو کر شراب سے ساقی　　قطعہ ایسا ہے مجھکو اک لکھنا
جسمیں ہو عیسوی و فصلی سن　　بکرمی اور سال ہجری کا
دلدہی دوست کی ہے مدِ نظر　　ہیں سری رام جانِ مہر و وفا
عاقل و ہوشیار رنگیں طبع　　کاملِ فن ذکی و بحرِ سخا
بامروت۔ خلیق و نیک سیر　　دلی والوں کو اُن پہ ناز بجا
کس قدر محنت اور مشقت سے　　نام کو شاعروں کے زندہ کیا
کہوں۔ دریا کیا ہے کوزہ میں بند　　موتیوں کا ہے یا بنا سہرا
کیا فصاحت ہے کیا بلاغت ہے　　جسکو سحباں بھی دیکھ شرمایا
درحقیقت کیا انہوں نے کمال　　خوب گوندھا ہے پھولوں کا گجرا
جلد چوتھی بھی تذکرہ کی اب　　چھپ کے تقسیم ہو گئی ہر جا
بعد خوض تمام و فکرِ کثیر　　قطعہ تاریخ کا یہ کہہ ڈالا

ڈالدی جان بکرمی سن میں
ہے سیری رام کا نوشتہ یہ
سمت انیس سو تہتر رکھ (بکرمی)

عیسیٰ دم طبع تیرا کیا کہنا
جام جم رشک زہے خمخانا
ہو بہو ہے ذہین یہ گلدستا

قطعات تاریخ شاعر یکتا منشی سید جمیل احمد صاحب طاہری الحسینی از جودھپور (مارواڑ)

آئیں آئیں ہیں کہ ہر جوہر شناسانِ سخن
دیکھ لیں آکر بہاریں تو عروسِ شعر کی
فرشِ رہ آنکھیں بنائیں ہیں کہ ہر جلوہ طلب
ہو چکے ہیں پھر بہم اسبابِ ترتیبِ مشام
پھر گلِ تازہ کھلا نیکو ہے تحریکِ نسیم
اللہ اللہ مد و جزرِ قلزمِ امید سے
مائل نغمہ سرائی ہیں عنادل چار سو
بادہ نوشِ ساغرِ خمخانۂ جاوید ہوں
فکرِ تاریخ اشاعتِ حضرتِ طاہری کیوں
ہیں سخنورانِ دنوں پھر مست و سرشارِ سخن
منتجانِ نظم پھر ہیں رہزنِ تمکین و ہوش
کم نہیں یہ تذکرہ بھی ساقیٔ مخمور سے
مصرعۂ تاریخ طبع بے تکلف فی البدیہ

کہاں اسکی سی خوبی تذکروں میں
یہ نظم نظمِ پروین چشمِ بد دور
چمک اٹھے نہ کیونکر بختِ اردو

زیب عالم پھر ہے خمخانہ بصد حسنِ حسن
شاہدِ زیبائے حسنِ نظم کی دیکھیں پھبن
مائل بے پردگی ہے ایک شوخِ پُرفتن
مشکباری پر ہے مائل نافۂ دشتِ ختن
پھر مہک اٹھنے کو آمادہ ہے شاخِ یاسمن
نازشِ گوہر نکلنے کو ہے پھر دُرِّ عدن
عازمِ گلشن ہے پھر بادِ بہاری خندہ زن
اس طرف آئیں کہ ہیں شائقینِ علم و فن
مہرباں کہدیجئے خمخانہ ہے رشکِ چمن

دیگر

بزم میں پھر دورِ دورِ ساغر و پیمانہ ہے
محو انداز و ادا ہر عاقل و فرزانہ ہے
مستِ چشمِ مے چکاں ہر بادہ کش دیوانہ ہے
لکھو طاہر جوشِ دریائے عطا خمخانہ ہے

دیگر

کہاں اسکا سا آئینِ حسنِ دکن! واہ
یہ نثرِ نثرِ انجم بارک اللہ
درخشاں ہو نہ کیونکر صورتِ ماہ

اس سال میں بھی تاریخ طبع ... [illegible]

مولف اسکے ہیں لالہ سری رام
وہ بیشک نظم اُردو کے ہیں محسن
لکھو سالِ اشاعت تم بھی ظاہر
گل خوبی شگفت ور گلشن
سن ہجری ہمیں بود ظاہر

وصف خمخانۂ جاوید بھلا کیا کہئے
جامِ جمشید سے یا دیجئے تجھکو تشبیہ
کہئے یا بلبل گلزار کلام رنگیں
لکھئے یا روح رواں کالبدِ معنیٰ کی
حسن نقاشی جبیں تو ہے مثال ارژنگ
نظم پروین سے تجھے نظم میں لکھئے ہم شکل
تجھکو بے شبہ و شک کانِ بلاغت لکھئے
اہلِ فرہنگ کی دانش کا کرشمہ تو ہے
مشرقی علم ادب کا تجھے گلشن لکھئے
یا تجھے رشکِ حسنِ مہِ کنعاں لکھئے
خوب و خوش منظر بے مثل ہی یکتا ہے تو
جس قدر مدح و ثنا کیجئے تیری ہی بجا
جانِ خوبی ہی سراپا ہے متاعِ خوبی
شانۂ طرۂ اصحاب تمنا لکھئے
لمعۂ برق تجلیٔ سرِ طور ہے تو
تیری دیوانے دل و جان ہیں شیدا کلام

دیگر
زبان دان و ادیب و نکتہ آگاہ
نکالی ہے نئی احسان کی راہ
مرلود ل سے طرفہ تذکرہ واہ

قطعہ
مرحبا مرحبا تعال تعال
گوئیا حسنِ انتخاب مقال

قطعہ
میکدہ اسکو مئے ہوش ربا کا کہئے
یا سکندر کا یہ آئینہ زیبا کہئے
یا سخن کا تجھے طوطی شکر خا کہئے
یا تجھے پیکرِ معنیٰ کا ہیولا کہئے
صنعتِ مانی و بہزادِ سراپا کہئے
نسرِ طائر سے تجھے نثر میں مانا کہئے
بیگماں تجھکو فصاحت کا خزینا کہئے
اور منشی فلک کی تجھے انشا کہئے
مشرقی حسنِ تخئیل کا حدیقا کہئے
یا تجھے طالع بیدار زلیخا کہئے
دلبر و دلکش و دلچسپ و دل آرا کہئے
ہے سزاوار تجھے جس قدر اچھا کہئے
خوبی و حسن کے سر کا تجھے سہرا کہئے
سرمۂ دیدۂ اربابِ تماشا کہئے
شعشعۂ مہرِ ضیا بار و مجلا کہئے
نکتۂ مغزِ سخن کا تجھے سودا کہئے

زیب و زینت میں تجھے غیرتِ جنت لکھئے
حسن و خوبی میں تجھے رشکِ حور اکہئے

مدح مصنوع میں ہے مدحتِ صانع مضمر
چشمِ وحدت کا نہیں کیا یہ تقاضا کہئے

حضرت لالہ سری رام ہیں اسکے جامع
کوشش انکا یہ سب انکی ہی نتیجا کہئے

انکی تالیف ہی یہ وہ ہیں مؤلف اسکے
گر چمن اسکو تو انکو چمن آرا کہئے

فلکِ نظم کا لکھئے انہیں مہرِ رخشاں
چمنِ فکر کا انکو گلِ رعنا کہئے

انکے باعث ہوا احیائے زبانِ اردو
جانفزائی میں انہیں رشکِ مسیحا کہئے

نام اسلاف کا زندہ ہوا انکے باعث
انکے الطاف کا ممکن ہی کب احصا کہئے

انکے احسان سے گراں بار ہیں کیا نسلیں
امرِ حق کا نہیں معیوب چھپانا کہئے

فکرِ تاریخِ اشاعت ہی اگر اے طاہر
صبحِ نور وزِ ادیبِ سخن آرا کہئے

لکھئے تاریخ چمکتی ہوئی اسکی طاہر
نور افزائے جہاں عقدِ ثریا کہئے

بے دل و شم پئے سالِ اشاعت طاہر
تذکرہ لکھئے اسے سب سے نرالا کہئے

پھر شوق کی تمہید ہے تمہیدِ سری رام
پھر چھپتا ہے خمخانہ تبائید سری رام

پھر کھلنے لگے نخلِ تمنا میں شگوفے
پھر پھولا پھلا غنچۂ امیدِ سری رام

مشتاقیٔ حسرت کی پھر امید بر آئی
پھر پردۂ معنی میں ہوئی دید سری رام

پھر پیشِ نظر ہے مہِ شوالِ مسرت
پھر عید سے ملتی ہے گلے عید سری رام

نقادوں کو پھر نقدِ سخن کی ہے بشارت
پھر گرم ہے ہنگامۂ تنقید سری رام

یوں تذکرہ لکھئے کوئی مقدور نہیں ہے
آسان نہیں دشوار ہے تقلید سری رام

خمخانہ کی تاریخِ اشاعت لکھو طاہر
جامِ مئے خمخانۂ جاوید سری رام

اس سے پہلے کون ایسا لکھ سکا
نادر و نایاب و زیبا تذکرہ

کیوں نہ ہو مقبول اربابِ سخن
مرثیوں کے نام زندہ کر دیئے
ہے جہانِ نظم جب تک برقرار
سال اسکی طبع کا طاہر لکھو

دیگر

مرحبا لالہ سری رام ایم اے
پھول اس باغ میں ہر رنگ کے ہیں
جب ہوئی فکر کہ لکھوں تاریخ

جانِ اردو ہے سراپا تذکرہ
آبِ حیواں ہے تمہارا تذکرہ
یادگارِ فن رہے گا تذکرہ
ہے انیسِ دل یہ جو تھا تذکرہ

تذکرہ آپ نے بے مثل لکھا
رشکِ فردوس ہے یہ سرتاپا
ہاتفِ غیب نے ایما یہ کیا

مصرعہ سال یہ لکھدے طاہر
واہ خمخانۂ جاوید چھپا

تقریظ از نتائج افکار گوہر بار فاضل جلیل شفیقی و مکرمی قاضی محمد خلیل صاحب رئیس و زمیندار بریلی

انسانی تاریخ کے پارینہ اوراق شہادت دے رہے ہیں کہ صرف علم ادب کی ہنگامہ افروزی نے ملکوں اور قوموں کو پستی سے اٹھا کر معراج کمال پر پہنچایا ہے خیالات کے تغیر طرز معاشرت کی اختلاف تمدن کے انقلاب میں ادبیات کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے اسکا مقابلہ نہ فلسفہ کی طاقت کر سکتی ہے نہ سائنس کی قوت فلسفہ اگر اشیا کی صرف ماہیت بتاتا ہے تو سائنس محض کیفیت۔ یہ جن اشیا کو دلائل اور براہین سے ثابت کرتے ہیں شاعری اظہار جذبات سے انکا یقین دلاتی ہے۔ نظم فلسفیانہ ہو یا اخلاقی عشقیہ ہو یا تخیلی سب سے مفید کام لئے جا سکتے ہیں جو چیز شعر میں معرض بحث میں آجاتی ہے اور جن چیزوں کے نتائج بحیثیت شاعرانہ اخذ ہوتے ہیں وہی نہایت گہرے اور کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ ہر دور کے رسم و رواج۔ ہر زمانہ کے خصائل و عادات کا پتہ جب اس دور کی شاعری سے ملتا ہے۔ شاید دوسری طرح نہ ملے اور جس قدر قوی اثر اشعار کا انسانی سرشت پر ہوتا ہے یہ قوت اُن چیزوں میں عنقا۔ جو خوشبو پھول میں ہوتی ہے وہ اُسکے درخت میں نہیں اسی طرح

جو بات نظم میں ہے وہ نثر میں نہ دار نفس بھی بالطبع شعر کو نثر سے زیادہ پسند کرتا ہے اور حافظہ بھی اسی کو جلد قبول کر لیتا ہے۔ میمون بن قیس کے کلام میں یہ تاثیر تھی کہ جسکی تعریف کر دیتا قیامت تک نیکنام ہو جاتا اور جس کی بُرائی لکھ دیتا ہمیشہ کو بدنام۔ رمز شناسان بلاغت اور نکات فہمان ادب صدیوں سے فیصلہ مختتم کر چکے ہیں کہ شاعری اور انشا پردازی ہی وہ آئینہ ہے جس میں اقوام و ملل کی اصلی صورت نظر آتی ہے۔ ہر جماعت کا بننا بگڑنا اُسکی شاعری اور اُس کے علم ادب کے حسن و قبح پر منحصر ہے۔

عرب و یورپ وغیرہ میں شعرا ہی قوم کو جس طرف چاہتے جھونک دیتے اور جس بات سے چاہتے روک لیتے تھے شعر سے جس طرح نفسانی جذبات کو اشتعال ہوتا ہے اُسی قدر روحانی خوشی بھی زندہ ہوتی ہے یہانتک کہ اسلام میں صوفیۂ کرام کے ایک سلسلہ نے سماع کو جس کا جزو اعظم شعر ہے باعث تزکیہ نفس اور وسیلۂ قرب الٰہی مانا ہے اور بعض مذاہب نے تو جزو عبادت ہی قرار دیا ہے نور بائی نے نواب روشن الدولہ کے یہاں حضرت میران سید بھیکا صاحب کو ایک رباعی گا کر سنائی۔ میران صاحب مرغ بسمل کیطرح تڑپنے لگے اور بمشکل ہوش میں آسکے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خیال میں رہے کہ موسیقی جو اقسام حکمت سے ہے بغیر شعر کے نہیں ہو سکتی اور شاعری کو موسیقی کی ضرورت نہیں پر شاعری جزویست از پیغمبری تو صدیوں کا مسلمہ مسئلہ ہے۔

فقط انسانی قانون ہی ترقی کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ خلوتِ اندیشہ کی شمع کو شعلۂ بار بنانے۔ گوہر علوم کو آبدار رکھنے۔ جوہر فنون کو عمدہ طور سے برتنے کا نام بھی ترقی ہے۔

یورپ کا ایک محقق کہتا ہے کہ مشاغل دنیوی کے انہماک سے جو قوتیں سو جاتی ہیں شعر ہی اُنکو پھر جگاتا ہے اور بچپن کے خالص اور پاک جذبات کو جو لوث غرض سے منزہ ہیں پھر تر و تازہ کر دیتا ہے۔

جبتک دماغی قوتوں میں تلاطم نہ برپا ہو محشرستانِ خیال میں رنگین طرازی کا جوش نہ ہویدا ہو۔ پردۂ ذہنیہ پر قابلیت و استعداد کے نقش و نگار نہ ظاہر ہوں اُسوقت تک نہ کوئی قومی جادہ قائم ہو سکتا ہے اور نہ انسان کسی نئی شاہراہ میں قدم اُٹھا سکتا ہے۔ یورپ میں پولیٹکل مشکلات کے وقت ہمیشہ پوشیدہ

ہی سے کام لیا گیا۔

ایتھنز والے جب جزیرہ سلیمس کیلئے ہزاروں مرتبہ لڑکر تھک گئے اور یہ عہد کرنے پر مجبور ہوئے کہ اب جو شخص لڑائی کا ارادہ کرے یا ذکر بھی زبان پر لائے وہ قتل کر دیا جائے۔

تو مقنن سولیس نے ایک نظم لکھکر عام مجمع میں سنائی جس نے اس قدر زیادہ جوش پیدا کر دیا کہ سب قوم لڑنے کو پھر کھڑی ہوگئی اور جزیرہ کو فتح کر کے چھین لیا۔ شاہ اڈورڈ جب ویلز کی فتح سے بالکل مایوس ہوگیا تو شعرائے ویلز اور قوم اشعار سنکر اسقدر زیادہ جوش میں آگئی کہ ویلز فتح کر لیا تو چین آیا۔ امیر نصر بن احمد کورودکی نے صرف ایک قصیدہ سُنا کر ہرات سے بخارا جانیکو اتنا بے چین کر دیا کہ اُسی وقت چلدیا۔ معاویہ بن سفیان فرماتے ہیں کہ شعر ہی وہ چیز ہے کہ جس کو سنکر بخیل فیاض نامرد بہادر اور نااہل بیٹا فرماں بردار ہو جاتا ہے۔ فردوسی نے شاہ نامہ لکھکر جو فارس پر احسان کیا وہ جلیل القدر علما کی تصنیفوں نقیبوں کی صداؤں یا داعیوں کی دلفریب تقریروں سے نہ ہو سکا۔ عرب کو دیکھئے گوشۂ گمنامی سے نکلکر ریگستانوں سے اٹھکر بڑی بڑی سلطنتوں کو الٹ دیا عالم میں تہلکا ڈالدیا اس انقلاب عظیم کا سبب بھی وہ شاعرانہ رجز ہی تھے جو لڑنے والوں کو مبہوت بناکر حریف کی طاقت و قوت اور جبروت و ہیبت سے بیخبر بنا دیتے تھے۔

اندرونی جذبات و احساسات نے شاعرانہ لباس سے آراستہ ہوکر دنیا کے خط و خال میں جو نمایاں اور روشن تبدیلیاں کیں اُن سے نہ صرف دنیاوی جلیل القدر بارگاہیں متاثر ہوئی ہیں بلکہ نبوت کے مقدس دربار میں بھی شاعروں کو عزت باریابی حاصل ہوئی اور کارآمد مانے گئے زمانۂ جاہلیت میں جو قصیدہ نادر ہوتا وہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا مسلمانوں کے مقدس پیغمبر نے ابن رواحہ سے ارشاد فرمایا کہ شمشیر اور زبان دونوں وقت پر دیکھتے ہیں مگر شعر دشمن کو تیغ و تیر سے زیادہ سخت ہے حضور اقدس کا اشعار سنکر تبسم فرمانا شعر کی دوبارہ فرمائش کرنا حسان بن ثابت کیلئے ممبر نصب کرانا کعب بن زہیر کو چادر عطا کرنا اور پھر شعر میں اصلاح فرمانا نابغہ جعدی کیلئے دعا کرنا سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حدیث پاک میں اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً اور اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا ارشاد ہونا شعر کی مذہبی

عظمت کی واضح دلیل ہے علامہ صیدلانی اور قفال رحمہما اللہ جو اجلۂ علما میں تھے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شعر کا کذب کذب نہیں ہے کذب اسکو کہتے ہیں کہ جھوٹا اپنے جھوٹے قول کی تصدیق سے سچ کرنا چاہے اور شعر میں خلاف واقعہ امور سے محض حسن کلام کی خواہش ہوتی ہے نہ اسکی تحقیق جب قرآن شریف نازل ہوا ہے تو اہل عرب اسکی فصاحت و بلاغت سے حیران و ششدر ہو کر بہت سے اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ کہکر ایمان لے آئے اور جنہوں نے کلام الٰہی نہ مانا وہ حضور سرور عالم کو شاعر سمجھنے پر مجبور ہوئے مولانا نظیری فرماتے ہیں ؎

بلبل وحی اندکے اوج فراتر گرفت ورنہ یک پردہ اند آن من و آنِ او

نونو گارستان قدرت کی زنگارنگی نے عالم کو منور کر دیا ہے مرغزاروں کی شادابی ہو یا فلک نما پہاڑوں کی زرین چوٹیاں دیدۂ عبرت نگاہ کو دونوں سبق آموز ہیں مگر ایسی سرزمین پر اگر کوئی شاعر نہ پیدا ہو ہو منصۂ وجود میں نہ آئے تو حسن و خوبی کے تمام کمالات اور قدرت کی سب نیرنگیاں گوشۂ گمنامی میں پڑی رہجاتی ہیں اور فطرت کی نکتہ پردازی شعرا کی ترجمانی کے بغیر ارباب گیتی کو اپنے فوائد سے محروم رکھتی ہے ۔عالم ضرور ناپائدار ہے اور انسان یقیناً فانی پھر اسکے آثار کو قیام اور اسکے نقوش کو کس طرح ثبات ہو سکتا ہے لیکن اس دار فنا میں حوادث روزگار سے مصئون اور دستبرد فنا سے کچھ محفوظ کوئی چیز نظر آتی ہے تو صرف مفید تالیف یا کار آمد تصنیف ۔ مذاہب مختلفہ تناسخ کے قائل ہوں یا خلاف مگر عقل سلیم یہ سوجھا رہی ہے اور چشم باریک بیں مشاہدہ کرا رہی ہے کہ اس عالم کون و فساد میں ہر چیز کا صرف ایک ہی قالب ہوتا ہے لیکن روح معنی اور شاہد سخن کے دو ہیں ایک لفظی اور ایک مدادی و کاغذی جب اسکا ایک قالب فنا ہوتا ہے تو دوسرا مثل سابق کے او رموجود ہوجاتا ہے بلکہ یہ خصوصیت اور یہ کرامت کلام ہی کو عطا ہوئی ہے کہ ایک ہی وقت میں سینکڑوں ہزاروں قالب میں حلول کر جائے اور زوال و فنا سے محفوظ رہے ۔ تصانیف کے سیکڑوں اقسام ہیں اور تالیف کے ہزاروں اصناف مگر طغرائے امتیاز جو سوانح نگاری کو حاصل ہے وہ دوسروں کو نہ ملا یہی وہ شعبہ ہے جسکے گذشتہ کارناموں کی ورق گردانی نے مستقبل کو روشن بنا دیا جب پلوٹارک

سے نے، روما اور یونان کے مشہور آدمیوں کی سوانح عمریاں لکھیں تو یورپ کے قالب میں بیداری کی روح گونج اٹھی انگلستان کے مشہور جادو بیان شیکسپیر نے جب کبھی انسانی سرشت کی تصویر کھینچی تو قدیم ہی زمانے کے نمونوں کو پیش نظر رکھکر نوک و پلک خط و خال درست کئے مل ٹن نے جب کبھی فلسفیانہ مسئلہ پر بحث شروع کی تو متقدمین ہی کے خرمن کا خوشہ چیں بنا مغرب کی موجودہ ترقی کا دیباچہ بھی وہی گذشتہ قوموں کے حالات زندگی ہیں جن سے تہذیب اور اخلاق میں اصلاحیں ہوئیں جاپان جسکو قرن اولیٰ میں کوئی وقعت نہ تھی لک زمانے کے سات سو آدمیوں کی سوانحعمریاں لکھکر ترقی کا گہوارہ بن گیا اور شائستگی کا مرکز۔

غرض یہ امر فیصل شدہ ہے کہ ملکی ترقی کا راز سوانحعمریاں ہیں اور سوانح عمری کی سب سے مفید اور کارآمد شاخ شعرا کے تذکرے۔ مگر سب سے زیادہ مشکل بھی انہیں کی تالیف ہے ؎

نبگری از گداز دل و جگر آتشے چو سیل غالب اگر دم سخن رہ بہ ضمیر من بری

عام سوانح نگار کا اہم فرض اسی قدر ہے کہ وہ زندگیوں کے گوناگوں اثرات کو دکھائے مفید واقعات کو پیش کرے مگر تذکرہ نویس کو وقائع نگاری کے ساتھ ساتھ عمدہ اور کارآمد کلام کا انتخاب بھی پیش کرنا ہوتا ہے اور اس کے لئے ایک عظیم الشان سمندر سے گذرنا پڑتا ہے۔

اگرچہ موجودہ زمانے کی صورت حاضرہ نے نظم سے نثر کی تصنیفوں کا دائرہ وسیع کر دیا ہے ملک میں ہر قسم کے شمار موجود ہیں جدید طرز کے ناولوں سے کتب فروشوں کی دوکانیں پٹی پڑی ہیں۔ ہر قسم کے افسانے اسٹیشنوں پر مارے مارے پھرتے ہیں کتب فروش انبار اٹھائے ہر گلی کوچے پھیری لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مطبوعہ فہرستیں شائع ہوتی ہیں۔ ہر اخبار ہر رسالہ میں اشتہارات کتب نظر آتے ہیں مگر افسوس کہ انکا زیادہ حصہ غیر مفید بلکہ مضر ہوتا ہے جدید لٹریچر ہندوستانی تقاریب اور رسومات کا اول تو ہو بہو نقشہ کھینچنے سے عاجز ہے۔ پھر اس طرز میں اکثر موقعوں پر ادائے مطالب کے لئے اردو میں الفاظ ہی نہیں ملتے۔

آج کل کے مصنفان امصار و دیار اور دبیران روزگار گنتی کے چند شخص ایسے نکلینگے

جنہوں نے وقائع نگاری کے حق کو کسقدر ادا کیا ہے یا الفاظ کی شوکت عبارت کی دہوم دہام دکھانیکے بجائے اصلی خیالات حقیقی تاثیرات کو قلمبند کر سکے ہیں اور ترتیب واقعات میں عوارض کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ورنہ اکثر تو وہی ہیں جنکی تصنیفوں اور تالیفوں کے معانی و مطالب یہ شور مچا رہے ہیں ع نقش فریادی ہے اسکی شوخی تحریر کا۔ اوراق و سیاہی زبان حال سے چلا رہی ہیں کہ ع کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا۔ ضرورت کا اقتضا تو یہ تھا کہ مختصر تحریروں میں مصوری کی شان ہویدا ہو تو چھوٹے چھوٹے جملوں میں دلنشیں وعظ کی آن پیدا ہو ؎

برائے پاکی لفظے شبے بروز آرم
کہ مرغ و ماہی ہمہ باشند خفتہ من بیدار

قدیم انشاپردازی کے مختصر رسالوں میں جو شاندار مجالس کے کیفیات ہر طبقہ کے مفصل حالات ہر ملک کے خیالات، ہر فرقہ کے رسمیات غرض ادنی ادنی جزویات بھی جس تفصیل سے نظر آتے ہیں وہ آج کل کی مطول تصنیفات میں بھی نہیں ملتے تذکرہ اگر قابل تذکرہ نویس کے قلم سے نکلے تو ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست کا مصداق نیکر اکثر مختلف ضروریات کو واضح طور پر ظاہر کر دیتا ہے لیکن اہم مشکل سخت وقت اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ اشعار کا انتخاب وہی کر سکتا ہے جو خود قابل ہو مبصر ہو اور وسیع المعلومات ہو ہر بات پر نگاہ رکھتا ہو انسانی فطرت کا گہری نظر سے مطالعہ کر چکا ہو ملک کے عام خیالات و جذبات پر عبور رہو۔ اگر ایک روحانی شاعر کے ذخیرہ سے محض مادی جذبات کو چنا جائے۔ خالق و مخلوق کے گہری تعلقات کو چھوڑ کر صرف وہ اشعار لئے جائیں جو محض نفس پرستی اور حرص و آز کی خواہشات کو زیادہ کریں طبعی پاکیزگی اور اخلاقی امور کو بالائے طاق رکھدیں تو انتخاب کنندہ کے دامن قابلیت پر بدنما داغ نظر آتا ہے مشرقی شاعری ہر قسم کے سرمایہ کی مالک ہے خدا مذہب اور روح کے صفات میں بہت کچھ وضاحت موجود ہے۔ اردو نظم میں مواعظ و نصائح ستائش و ہجا سب کچھ ملتا ہے۔ البتہ پرکھنے والا چاہئے اور پھولوں کو کانٹوں سے چننے والا ابن سیرین کا قول ہے کہ شعر فی نفسہ مذموم نہیں تعلی اور مبالغہ اگر تحسین کلام کے لئے کیا گیا ہو تو ضرر کا موجب نہیں۔ البتہ دشنام دہی اور سخت گوئی فعل قبیح ہے۔ الفاظ پرستی کے علاوہ نتیجوں پر غور کرنا چاہئے

جو شعر شرعاً محمود ہو اسکو اسلامی علما مفہوم حکمت مانتے ہیں اور کذب کا اطلاق اس پر نہیں کرتے نعت کا قصیدہ بانت سعاد جسکی تشبیب مستانہ اور رندانہ رنگ میں ہے دربار رسالت میں مستحسن ٹھرا علامہ ابن خلدون کی رائے ہی کہ جن اشعار میں زبان کی لطافت۔خیال کی نزاکت۔ محاورات کی خوبی بمضامین کی خوش اسلوبی ہو انکو پڑھ کر ایک بیگانۂ سخن کے دل میں بھی عمدہ شعر کہنے کا سانچہ تیار ہو جاتا ہے۔ اسوقت یورپ کس قدر جستجو۔کوشش اور تلاش وصرف سے عربی فارسی کی کتابیں شایع کر رہا ہے اور انکی اشاعت سے ان غیر زبانوں کے لٹریچر میں زور اور پختگی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ زردشت کے وقت سے لیکر زمانہ حال تک کا فارسی لٹریچر یورپ کی الماریوں میں ادبی خزانوں کا سرمایۂ ناز ہے اور وہ اس سے کس قدر مفید کام لے رہا ہے۔

جاپان نئی ترقی کے دور میں جہاں صنعت وحرفت سیاست و پالٹیکس میں تگ و دو کر رہا ہے اسی کے ساتھ یہ ضرورت بھی محسوس کرتا ہے کہ متقدمین و متاخرین کی چیدہ نظمیں ایک جگہ فراہم کر کے شایع کرے۔ اور تمدن وتہذیب میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ جاپانی شاعری میں بھی مناظر قدرت جس طرح دکھائے گئے ہیں وہ کسی طرح یوریپن مقالوں سے کم نہیں۔

عرب میں شعرا کا وہ اقتدار تھا کہ حکومت بھی اُسکے آگے سر خم کرتی تھی جب کسی قبیلہ میں شاعر پیدا ہوتا جشن منائے جاتے ہر طرف سے مبارکبادیں آتیں۔ شماخ بن ضرار نے عرابۂ اوسی کی تعریف میں ایک شعر لکھکر قیامت تک اُسکا نام زندہ کر دیا۔ قبیلہ نمیر جو عرب میں بہت معزز تھا۔ جریر کے ایک ہجویہ شعر سے ہمیشہ کو ذلیل ہو گیا۔

شعرا کی یہ عظمت تھی کہ شاہان باجبروت انکے یہاں گئے تخت پر اپنے برابر بٹھایا راہ میں دیکھکر سواری سے اُتر پڑے کوئی فیلڈ مارشل کسی بڑی حکومت کا مالک نبجائے یا کوئی وزیر اپنے توسیل چالوں سے عالم کو زیر کرلے فرزند دلپذیر خطاب دیا جائے۔ یا آفتاب سلطنت بنایا جائے مگر اپنا ہم مرتبہ سمجھکر ملک الشعراء کے لقب سے شعرا ہی کو موسوم کیا گیا ہے بادشاہ اگر دنیا کا حکمراں ہے تو شاعر قلمرو سخن کا مگر یہ خیال رہے کہ شاعر بھی اُسوقت تک جھوٹی مداحی سے گریز کرتے تھے جبتک نیم

نے سلامہ بن جندل سے درخواست کی کہ مجھ نا شعرائے اپنے شعر سے ہماری عزت بڑہاؤ اُس نے بلا خوف کہدیا افعلوا حتیٰ اقوال ایسے کام کر کر دکھاؤ تو کہوں۔

مروان بن ابی حفصہ نے معن بن زائدہ کی تعریف میں لکھدیا کہ سخاوت معن پر ختم ہو گئی اس میں کسی قدر مبالغہ تھا۔ اس لئے پھر کسی رئیس نے اُسکو صلہ ندیا اور خود خلیفہ مہدی نے معن کو اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ فردوسی باوجود طمع کے بادشاہ کو خیال میں نہ لایا اور ہجو لکھکر صلہ سے ہاتھ دہو بیٹھا حسن میمندی اس دربار کا صدر اعظم تھا اور سب اعیان سلطنت خوشامد کیا کرتے تھے فردوسی نے اُسکی نسبت کچھ لکھا تو یہ ؎

سوئے در وزیر چرا ملتفت شوم چوں فارغم ز بارگہ بادشاہ نیز

ہندوستانی شعرا کا تخیل سب سے نرالا ہے اور مشرقی دماغوں نے بھی آیندہ نسلوں کیلئے ایسا قابل وقعت۔ لائق ستائش۔ اور موافق حالت سامان مہیا کر دیا ہے جو ہر طرح کی ضرورت اور حاجت کیلئے کار آمد ہے یہاں کے متقدمین نے بھی نظم کو زیادہ موثر اور دل پر نقش ہو جانیوالا سمجھکر مولناک امراض کے نسخے محض اسلئے نظم میں لکھے ہیں کہ ہمیشہ نقش کالحجر رہیں اور کبھی فنا نہوں یورپ کے ایک نکتہ شناس انشا پرداز نے کالیداس کی تصنیف پر یہ رائے دی ہے کہ اسکی شاعری روحانی اور مادی دونوں قسموں کی خوبیوں کا مجموعہ ہے اور وہ بشری نگاہوں میں آسمانی نظاروں کا فوٹو اتار دیتا ہے غرض شاعری اور پھر اُسکے بعد تذکرہ نویسی ایسی ضروری چیز ہے جسکو ملکوں اور قوموں کی بیداری کا قوی محرک مانا گیا ہے۔ شاعری کو ملکی عروج و زوال میں بھی بہت کچھ دخل ہے اور ملکی زوال سے قومی تنزل بھی ہو جاتا ہے۔ ایرانی شاعری جس کا عالم میں ڈنکا بج رہا تھا۔ ذرہ ذرہ امام سخن ہونے کا مدعی تھا اس آخر وقت میں بھی جب حبیب قاآنی یورپ گیا تو اہل فرانس کو تسلیم کرا دیا کہ فارسی بھی ہر قسم کے خیالات ادا کرنے پر قادر ہے۔ مگر افسوس کہ پھر اُس کے بعد اور اہل کمال ایسے پیدا نہوے اور اس فن لطیف کو چھوڑ دینے سے سلطنت کی شان و شوکت بھی مٹ گئی۔

اُردو زبان جس کا نہ کوئی حامی ہے نہ مربی۔ معاون ہے نہ مددگار اسکے واسطے بہت سخت اصرار

اشد ضروری یہ حاجت ہے کہ مستند اور قابل اہل زبان اُردو کا جامع لغت بنائیں۔ اسکی مستند صرف و نحو مدون کریں مختلف ضروریات کو مد نظر رکھکر کثرت سے نظم و نثر میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور سب سے زیادہ یہ کہ متعدد حیثیتوں سے متعدد تذکرے تالیف ہوں لیکن وہ اصحاب اسطرف متوجہ ہوں جو اُردو زبان کے ماہر ہیں اور پھر اُنکی اُردو زبان معتبر بھی ہے۔ اسوقت ہندوستان میں جسقدر زندہ زبانیں ہیں اُنمیں سب سے زیادہ اُردو ہی اس قابل ہے کہ ملکی زبان بنائی جائے۔ اول تو سب سے زیادہ یہی بولی جاتی ہے۔ دوسرے جہاں یہ رائج نہیں ہے وہاں بھی سمجھی جاتی ہے اور وہ بھی ٹوٹی پھوٹی اُردو میں اپنا مطلب ادا کر لیتے ہیں۔ پھر خیالات ادا کرنیکے لئے بھی زیادہ موزوں یہی ہے اسلئے کہ اول تو نسبتاً وسیع ہے پھر اسمیں مہارت پیدا کرلینا بہ نسبت دوسری زبانوں کے آسان ہے۔ سب سے زیادہ یہ بڑی بات ہے کہ اشعار کا ذخیرہ اور زبانوں سے بہت زیادہ اسمیں موجود ہے اور جو شخص ملکی زبان میں تحریری فوقیت حاصل کرنا چاہے یا تقریری بالضرور اسکو شعرا کی زبان کا اتباع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور زبان کا وہی قلیل حصہ جو اشعار میں ادا ہوجاتا ہے فصیح سمجھا جاتا ہے باقی الفاظ و محاورات غریب وحشی اور غیر فصیح سمجھکر کچھ مدت کے بعد متروک الاستعمال ہوجاتے ہیں لارڈ مکالی کا قول ہے کہ ایسا کلام جو عمدہ خیالات کا مجموعہ ہو اُسی زبان میں انسان ادا کرسکتا ہے جسکی نسبت اُسکو یہ بھی یاد نہو کہ کب سیکھی ہے اور گریمر جاننے سے پیشتر اُس زبان میں گفتگو کرتا رہا ہو۔ رُوما کے بڑے بڑے لائق اشخاص نے فرانسیسی زبان میں اشعار لکھے انگلستان کے بہت سے طباعوں نے لاطینی میں دیوان مرتب کئے مگر کوئی مقبول نہوا ملٹن کا دیوان بھی شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ درجے میں شمار نہوسکا۔

اہل زبان اور زباندان یعنی اہل دہلی اور اہل لکھنؤ جو اُردو زبان کے مالک ہیں اور انکو بیجا فخر و ناز ہے کہ ہمارے روزمرہ کی سب ہندوستان پیروی کرتا ہے۔ اگر انہوں نے اپنی زبان کی کچھ روز خبر نلی اور اسکے الفاظ و محاورات کو احتیاط سے فراہم نہ کیا۔ عمدہ نظموں کا انتخاب نہ فرمایا تو یہ مایہ الامتیاز منکر محو ہوجائیگا اور پھر وہی بُری بھلی اُردو رہجائیگی جو جدید تصنیفات

اور عام اُردو اخبارات ملک میں پھیلا رہے ہیں۔ عربی زبان کو دیکھئے جس کی بقول علامہ ابن خلدون
اسپین کے کتب خانہ میں جسکو مستنصر نے قایم کیا تھا آٹھ سو اسی صفحہ پر صرف اشعار کی مجموعوں کی فہرست
تھی۔ ادیب بھی وہی مانا جاتا تھا جسکو متقدمین کے سب سے زیادہ اشعار یاد ہوں پھر عربی کی صرف و نحو کی قواعد
اور کلئے منضبط تھے۔ ایک ایک لفظ کی فصاحت اور بلاغت پر معرکۃ الآرا مباحث ہو چکے تھے۔ اصول و
قواعد بہت تفصیل کیساتھ موجود تھے مگر جیسے عرب میں ادب سے بے التفاتی اور شعر و انشا کی سرد بازاری
ہوئی تو ایسی مٹی اور ایسی خراب ہوئی کہ آج اسکو عربی کہتے ہوئے شرم آتی ہے جو عرب عربا تھے
انکی زبان اس قدر خراب ہے اور اغلاط سے مملو۔ کہ ہندوستانیوں کی عربی انسے زیادہ صحیح اور فصیح ہے
اگر زبان کے برباد ہو جانیکا اندیشہ یقینی اور یہ خطرہ واقعی ہے تو اہل زبان کا فرض ہے کہ اُردو کا جامع لغت
بنائیں اور اُسکے شعرا کا ایک مبسوط تذکرہ لکھیں جسکو پڑھ کر ملک میں عام جوش اور دلچسپی پیدا ہو شاعرا ور
شعر کا عام اثر انکی طاقت انکے کارآمد نتیجے معلوم کر کے عام طبائع جوش میں آئیں۔

اگرچہ اُردو کے متعدد تذکرے اسوقت بھی موجود ہیں مگر بعض ایسے کہ جنمیں محض میری اور سودا کی
جماعت کے مباحثات پر زور قلم صرف ہوا ہے بعض وہ ہیں جنمیں انیسی اور دبیری اختلافات کو
میدانِ کارزار بنایا ہے۔ کچھ وہ ہیں جنمیں دہلی اور لکھنو کی زبان کی ڈھیرہ بندی کو فوقیت دی گئی ہے
اور اسقدر غلو کیا ہے کہ مشرق اور مغرب میں یگانگت ہو جائے تو ہو جائے مگر ان دونو شہروں کے
الفاظ و محاورات کو ایسا ٹکرایا جائے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ زبان نہ ہونے پائے۔ تھوڑی
وہ بھی ہیں جنمیں شاگردوں نے محض اپنے استادوں کے فوقیت دینے کو قلم فرسائی کی ہے اور اپنے
سلسلہ کی مدح سرائی میں دوسروں کی عظمت کو کم کرنا چاہا ہے۔

البتہ تذکرہ آبحیات ضرور ایک مفید تصنیف ہے۔ اور بہت سی کارآمد باتوں پر روشنی
ڈالتا ہے۔ مگر اوّل تو محض چند شعرا کا تذکرہ ہے دوسرے بعض کی مدح اور بعض کی تنقیص سے وہ
بھی خالی نہیں۔ پھر اپنے استاد کی مدح میں تو وہ مبالغہ کیا ہے کہ آسمان پر پہنچا دیا ہے اصلی ذات کو
بدل کر غالب کے مصرعہ سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری کے جواب میں سپاہی زادہ ہی بنا دیا ہے کلام

کے انتخاب کرنیکا تو مشکل اور اہم جھگڑا ہی نہ رکھا۔

البتہ سکر صد شکر کہ اس اہم فرض اور سخت ضرورت کو پورا کیا ہے تو صرف خمخانۂ جاوید نے اور مرحبا صد مرحبا کہ اس کمی کی تلافی کی اور تذکرہ نگاری کا حق ادا کیا تو میرے مخدوم شعر کے محسن اُردو کے مددگار لالہ سری رام صاحب ایم اے منصف نے۔ انگریزی کے اعلیٰ ڈگری یافتہ ہزاروں پاؤ گے ایم۔ اے سینکڑوں ملینگے مگر ایسا ایم اے نہ ملیگا جس نے مغرب کی ترقیوں کے رازوں سے واقف ہو کر غیر قوموں کے کارنامے پڑھکر اپنے ملک کی کمی کو پورا کیا۔ سرکاری عدالتوں میں منصف ہزاروں ملینگے مگر ایسا منصف دہلی کا تنہا ہی پاؤ گے جس نے اشعار کے انتخاب کرنے اور حالات کے تذکرہ میں وہ منصفی کی کہ جسمیں ہم وطن اور غیر سب کو برابر رکھا۔ دہلی اور لکھنؤ کا کوئی امتیاز نہ سمجھا جس کا دفتر اس علمی کچہری کا کمرہ ہے جہاں نفس شعر یا یہ امتیاز ہے نہ محبت وارتباط یا عداوت و بیر۔ اس تذکرے کے دیکھنے سے ناظر کے دلمیں یہ چند خیالات پیدا ہوتے ہیں اوّل یہ کہ صرف ایسے ہی تذکرہ سے اُردو کی جامعیت کا بیّن ثبوت ملتا ہے اور یہی تالیف ہے جو ہندو مسلمانوں کے اتحاد میں چار چاند لگا کر اُردو کو مشترکہ زبان بنا دیگی اور اسکی اشاعت اُن خطبوں تقریروں سے زیادہ موثر ہوگی جو مختلف جلسوں کی رونق۔ کانفرنسوں کی زینت اور انجمنوں کے روح رواں ہوتے ہیں۔ حامی اُردو کوئی انجمن بنے کانفرنس منعقد ہو۔ اُنکی کوشش اُنکے جوش۔ اُنکی تقریریں۔ اُنکے ریزولیوشن بھی ضرور طبیعتوں کو اُبھارنیوالے ہوتے ہیں مگر آن واحد کیلئے عقل کو زبانکی اہمیت منوانا، سامع کو متوجہ بنانا ناظر کو ضرورتیں دکھانا بیشک اُنہیں بھی ہوتا ہے مگر جبتک جلسہ رہے صرف اسوقت تک اُسکے بعد پھر ہانڈی کے اُبال سے آئندہ اُنکو قیام و قرار نہیں رہتا۔ اگر دیرپا اثر اور نہ مٹنے والا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے تو دلچسپ بے لاگ اور افراط و تفریط سے مبرّا تذکروں سے اور شکر ہے کہ یہ بات خمخانہ میں بہت بڑی حد تک موجود ہے۔ دوم اگر اصمعی نے اگر ایک ایک لفظ کی خاطر تمام عرب کے ریگستانوں کو چھان ڈالا ہے تو اسکے مولف نے بھی راس کماری سے ہمالہ تک اور گذشتہ چھ سو برس سے لیکر اسوقت تک ایک ایک شعر کیلئے کوئی جگہ تفحص سے باقی نہیں چھوڑی تذکروں گلدستوں اور دواوین اور کلیات کے جمع

کرنے میں ہزاروں روپیہ صرف کردیا تنقید و تحقیق و انتخاب و اجتہاد میں اپنی عمر کا بہترین حصہ لگا دیا بلکہ انتہائی محنت سے اپنی صحت کو بھی کھو دیا۔ مگر اس عظیم کارنامہ سے عالم پر ثابت کر دیا کہ اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو عربی فارسی اور سنسکرت بلکہ اب انگریزی کے سرچشمہ سے بھی سیراب ہو کر متحدہ قومیت کا نظام درست کریگی اس تذکرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونیکا وقت آگیا جو کسی زمانے میں موسیو لی بان مصنف تمدن عرب و تمدن ہند کی تھی کہ ۱۹۔ دو زبان ہی ہندوستان کی تین سو بولیوں پر حاوی ہو کر اتحاد کا سنگ بنیاد رکھے گی۔ اس تذکرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ ہنود آج بھی اسی طرح اُردو کے حامی ہیں جسقدر عہد ماضیہ میں تھی سوم یہ کہ زبانیں بلا تفریق مذاہب و اقوام تمام ملک کے مطالب پر قابض ہو جاتی ہیں اور اُردو کا وہی درجہ ہے جو یورپ میں اسپرانتو و فرانسیسی کا ہے۔ چہارم واقعہ نگاری اور راست بازانہ تذکرہ نویسی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یورپ ہی میں ایسے خود آموز شخص نہیں پیدا ہوئے جنکو محض ذاتی کمال نے پستی سے نکالکر مشاہیر کی قربت میں داخل کیا ہو بلکہ ہندوستان میں بھی یہ صلاحیت ہے کہ معمولی اصحاب کو انکے کمال نے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیئے ہیں اس تذکرہ میں سب سے زیادہ اس بات کی ستائش کرونگا کہ قابل اور ہمہ داں مؤلف نے اس نازک ضروری اور پھر متضاد فرض کو خوب ادا کیا ہے شان مورخی جسقدر اصلی اور صحیح حالات کے بیان کرنے پر مجبور کر رہی تھی اسی قدر مروت اور دور اندیشی مانع تھی کہ انکا پردہ نہ کھولا جائے اور انکے اعزہ احباب اور تلامذہ کی دل آزاری نہونے پائے۔ اس سے زیادہ یہ مشکل آپڑی تھی کہ بعض مؤلفین نے غلط نظریے قایم کر دی تھیں۔ جو تذکرہ موجود تھے اُن کے مؤلفوں نے یا اُن حالات ہی کو بالکل چھوڑ دیا تھا یا یہ سخت دیدہ دلیری کی تھی کہ اصلی حالات کی جگہ جھوٹے اور غلط واقعات اپنی طرف سے گھڑھ کر لکھدئے تھے۔ صاحب خمخانہ جاوید لکھا اور سب کچھ لکھا مگر اسطرح کہ نغز سخن کو پرکھنے والے اور نقاد نظریں سب کچھ معلوم کر لیں۔ اور عوام یا سطحی نظر رکھنے والے کچھ نہ سمجھیں۔ اسمیں شک نہیں کہ انسانی کارنامہ اور زور آوری کی کوشش و جستجو کے سبب سے چند کمزوریاں بھی ضرور نظر آتی ہیں یہ مقصود آگے موجود ہے۔ اور

کہیں حالات زیادہ ہیں تو کلام کم کہیں صرف کلام درج ہے تو واقعات اور حالات ندارد کہیں پر حالات ہیں بھی تو کسقدر۔ مگر اس الزام کے مورد معزز مولف ہرگز نہیں ہو سکتے انہوں نے حالات کے صحیح صحیح بہم پہنچانے میں اپنی طرف کوئی بات اٹھا نہ رکھی سفر بھی کئے روپیہ بھی زیادہ صرف ہوا ایک ایک شاعر سے متعدد خطوط لکھکر کلام و حال منگایا اپنے احباب کو بھی تفحص و تلاش کے لئے مجبور کیا لیکن اس حماقت و جہالت کا کیا علاج اور اس کاہلی اور بے پروائی کا کیا ٹھکانا کہ بعض نافہم اپنے بزرگوں یا استادوں کے افکار کو ردی میں پڑا رکھنا پسند کرتے ہیں اور بعض چالاک اُس کلام کو اپنے نام سے شایع کرنا چاہتے ہیں اور بعض تعلی پسند شوخ چشم تو اصلی حالات پوشیدہ رکھکر جھوٹے اور بے اصل واقعات کو اپنے بزرگوں کے نام سے منسوب کرنے میں نہیں شرماتے۔

ترقی یافتہ ممالک میں ضرور ایسی بلکہ اس سے زیادہ معتبر کتابیں نکلینگی لیکن وہاں ایسی صحیح اور جامع تالیفوں کیواسطے۔ فرد واحد پر تالیف کا بار نہیں ڈالا جاتا بلکہ اس قسم کے مہتم بالشان کام علمی انجمنیں اپنے اہتمام اور نگرانی سے شروع کراتی ہیں۔ لائق سخن شناس اور رمز فہم اصحاب انتخاب کر کے ایسے کام پر مقرر کئے جاتے ہیں پھر ملک اُنکی مدد کرتا ہے اور ہمت بڑھاتا ہے۔ اور یہاں تذکرہ صرف میری مخدوم سر یرام صاحب کی اکیلی دماغ سوزی تنہا کوشش اور منفرد جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ اہل حوصلہ افزائی کا اقتضا یہ ہے کہ انپر اعتراض کرنا درست نہیں۔ مجھکو ذاتی طور پر علم ہے کہ انہوں نے بعض لائق سخن شناس کو تنخواہیں دیکر بھی رکھا لیکن اُن حضرات نے بالکل کام نہیں کیا اور جو کچھ کیا وہ غلط اور فرضی۔

مجھے امید ہے کہ دنیائے ادب اس تالیف کی قدر کرے گی اور اُردو کی حامی انجمنیں اور کانفرنسیں بجائے تھوڑی دیر کی لکچر بازی اور اخباری بے بنیاد و ثبات نمود و شہرت کے اس اصلی اور واقعی ترقی دینے والی کتاب کو اپنے اہتمام سے اپنا روپیہ صرف کر کے شائع کرینگی اور اپنا وقت نکالکر مولف ممدوح کو مدد دینگی۔ یہ خیال ہے کہ ادبی انجمنیں چند تذکیر و تانیث کے رسالے قواعد کے دو ایک پرچے۔ عروض و قوافی کے مختصر قواعد شائع کر کے اپنے اہم فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتیں بلکہ ایسی مفید اور کارآمد کتابوں کو اپنے اہتمام اپنی نگرانی سے چھپوا کر حامیان اُردو

کو شکر کا موقع دیں۔ آخر میں اسقدر اور گذارش کروں کہ مصنف ممدوح یا تذکرہ کے تنقید میں اگر مجھ سے بلا قصد کہیں کوئی مبالغہ ہوگیا ہو وہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ میرے مخدوم نے بھی بصورت اپنی خالص کوشش کو میری طرف مبالغتہً کہیں کہیں منسوب کر دیا ہے

از نشحات قلم جادو رقم افسر الشعراء حضرت آغا شاعر دہلوی از ارشد تلامذہ فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ۔ شاعر دربار ہز ہائنس مہاراجہ صاحب جھالاوار۔ راجپوتانہ

حدیث دل بکہ گویم کہ اہل درد نماند گسستہ دام شنیدن و گفتنی بسیار

اس قحط الرجال میں جبکہ ادب اردو گوناگوں مشکلات میں گرفتار رہے۔ اساتذہ ماسبق دوگوں کا کلام انکے ردی پر چھپے ہوئے کتب فروشوں کی دوکانوں میں بند پڑے ہیں۔ ترقی اردو کا یہ عالم ہے کہ بڑی سے بڑی علمی درسگاہ میں۔ بھوتان کی وہ چوٹیاں۔ سرطان کی وہ بوٹیاں غلمان کی وہ نوپیاں کیلان کی وہ کوٹھیاں جن میں سے نکلے تاجدار۔ بالکل اس قسم کی تک بندیاں بہترین نظم سمجھی جاتی ہے۔ اور صدہا جسٹر پوش۔ بوٹنڈ اور سوٹنڈ جنٹلمین چیرز کی گونج سے تمام ہال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ ایسے ہی تضیع اوقات کو بڑے فخر سے ڈائس پر کھڑے ہو کر فن کیساتھ پڑھا جاتا ہے۔ ہر بیکار آوارہ گرد ماہ صفحے سیاہ کرکے ایک خاص نام اور تخلص سے رسالے پر رسالہ شائع کرتا ہے اور ہر قریہ اور دیہ میں دارالادب قائم کرکے اصلاح کلام کا دعویدار بن جاتا ہے۔ ایسے ہنگامے میں۔ اس طوفان بے تمیزی میں حقیقی مذاق سلیم اور بہترین سخن سنج کا پتہ لگانا کارے دارد۔ چہ جائیکہ گمنام ہستیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر منظر عام پر لانا۔ انکے چیدہ کلام کو یادگار کے طور پر ایک ضخیم تذکرے میں جگہ دینا۔ ہر مصنف کلام پر محققانہ تبصرہ کرنا۔ اور سالہا سال کی مسلسل عرق ریزی کے بعد ایک ایک پرچہ ایک ایک سلک جواہر ریزوں کیطرح ملک کے ہر گوشے میں سے چن چن کر مجلد بر مجلد کیصورت میں بار بار اہل نظر تک بغیر کسی مفاد ذاتی کے پہنچا دینا اک واحد علمی ایثار نہیں تو کیا ہے؟

واللہ یہ مہتم بالشان کام صرف ایک ہی جلیل القدر ہستی کا ہے۔ جنکا نام نامی۔ لالہ سری رام ایم اے

دہلوی سے۔ سچ یہ ہے کہ ایسا ذوق شعر، یہ جامعیت تنقید۔ یہ قدرت انتخاب صرف آپ ہی کی ذات پر ختم ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سنہ ۱۹۰۹ء سے لیکر اسوقت تک کہ سنہ ۱۹۲۶ء حکمرانی کر رہا ہے آپنے اپنا تمام وقت صرف اسی دھن میں بسر کر دیا۔ عہد طفلی شباب تک پہنچا اور شباب نے شیب کی صورت اختیار کی جب جاکر تذکرہ ہزار داستان المعروف بہ خمخانۂ جاوید کی ۳ جلدیں ہزارہا صفحوں کی ضخامت کے ساتھ شائع کر سکے۔ اب حصہ چہارم زیر طبع ہے جو ۵۷۰ صفحوں پر ختم ہوا ہے جسمیں "س" سے "ش" تک شعرا کا کلام بقید حروف ہجی منتخب ہوا ہے۔ انکی مختصر سوانح اور زادبوم سے بحث کی گئی ہے۔ حصہ پنجم بھی "ع" تک مرتب ہو چکا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس انہماک پیہم نے آپکی جسمانی صحت کیساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ آپ پہلے ہی خلقی کمزور تھے اب بار بار امراض کے دورے پڑتے ہیں تاہم اس استقلال کی بھی تعریف نہیں ہو سکتی کہ آپ کھکیڑ پر کھکیڑ اٹھاتے ہیں اور پھر جہاں ذرا سکون ملا اور پھر اسی شغل میں مصروف کار ہیں۔ راقم الحروف تقریباً ۲۰ برس سے آپکی اس شاندار جد و جہد کو نظر استعجاب دیکھ رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس کام کیلئے قدرت نے آپ ہی کو خلق کیا ہے۔ اسی عشق نے آپسے سرکاری خدمات کا سلسلہ چھڑایا پبلک لائف سے علیحدگی اختیار کی۔ خانگی معاملات کو تج دیا۔ آئے گئے۔ دوست احباب سوسائٹی کی نقل و حرکت۔ ساری دنیا سے قطع تعلق کیا۔ مگر نہ چھوٹا تو دم بھر کو یہی شغل نہ چھوٹا اب بھی سفر یا حضر میں سواری میں شکاری میں۔ ریل میں موٹر میں جہاں کہیں بھی کسی خاص مدت کیلئے جائینگے خمخانۂ جاوید کے سوادات آپکے ساتھ ہونگے کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک آپ ٹو ڈیٹ جنٹلمین اعلی التعلیم یافتہ اردو شعر کا اسقدر عاشق ہو کہ بلا مبالغہ ہزارہا شعر اسکے ذہن میں محفوظ ہوں اور کم و بیش ملک کا ہر قدیم و جدید سخن نگار اسکا بے ضرر ندیم۔ یہاں پہنچکر میں بلا خوف تردید یہ کہنے کو تیار ہوں کہ ادب اردو پر جس قدر احسان لالہ سری رام نے کیا ہے وہ شاید ہی کسی بڑے سے بڑے مقبول عام قلمکار نے کیا ہو۔ میری عین تمنا ہے کہ قدرت اسقدر فیاض ہو جائے کہ آپ اپنی مجوزہ اسکیم کو خاطر خواہ مکمل کر سکیں اور خمخانۂ جاوید تمام و کمال کو پہنچکر آپکے سامنے

ہی باصرہ افسروز عالم ہو۔

یارب ایں آرزوے من چہ خوش است	تو بدیں آرزو مرا برساں

نبیرۂ آغا شاعر قزلباش دہلوی شاعر دربار جھالاواڑ ۱۴ جنوری ۱۹۲۶ء

از تصنیف لطیف پنڈت دینا ناتھ صاحب از سرینگر کاشمیری تلمیذ جناب پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی

ہو سکے تعریف کیا خمخانۂ جاوید کی	آنکھ کس کی دیکھ سکتی ہے ضیا خورشید کی
روح جس سے وجد میں آئے یہ وہ تصنیف ہے	دل میں ہر اک کے جو گھر کرلے یہ وہ تالیف ہے
ہمسر اوجِ فلک ہے اس کے شعروں کی زمیں	نورِ معنی سے درخشاں صورتِ مہر مبیں
نثر سے اسکی خجل عقدِ ثریا کے نجوم	خوبیوں کی اسکی ہے افلاک پر بھی آج دھوم
حسن و الفت کی کھنچی ہر لفظ میں تصویر ہے	طبع روشن کی ضیا پاشی کی یہ تنویر ہے
سطریں گیسوئے صنم ہیں نقطہ اک اک خال ہے	مرغ قلب اہل بینش کے لئے اک جال ہے
چیز کیا چشم خمار آلودہ جانانہ ہے !	اسکی ہر ہائے دو چشمی "رشک صد خمخانہ ہے"
دی ہے کیا جی کھول کر لالے رام جی[۱] دادِ سخن	نکتہ رس ہے کون تجھسا تجھ سا نقادِ سخن
شاعر اب تک تھے جو گمنامی کے پردہ میں نہاں	انکو بخشی شہرتِ ابدی حیاتِ جاوداں
بارِ احساں سے سبکدوشی اسے حاصل کہاں	یعنی جزو "خمخانہ" تھی اردو زباں کامل کہاں

شامِ غم سے اب تعلق ہے نہ صبح عید سے
مست ہوں کیفیتِ "خمخانہ جاوید" سے

مرقومہ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء۔ سرینگر کشمیر

تقریظ از تصنیف لطیف بلبل چمنستان سخن پنڈت نند لال کول ایم-اے-ایل ایل بی فاضل طالب کاشمیری

طبیعت ایک دن تھی شاد میری	کسی کے قلب میں تھی یاد میری

[۱] مراد لالہ سری رام جی سے ہے۔

کسی کا دھیان تھا دل میں سمایا　　کسی کی یاد نے تھا گدگدایا
نظر میں تھا رخ انور کسی کا　　قد رعنا وہ سیمیں بر کسی کا
وہ مستانہ روش شوخی شرارت　　وہ دل کو چھین لینے کی مہارت
جوانی کی طرح اٹھنا کسی کا　　بڑھاپے کی طرح جھکنا کسی کا
وہ دزدیدہ نظر وہ عشوہ بازی　　وہ آشوب جفا جادو طرازی
وہ شوخی میں ادا بانکی کسی کی　　حیا سے وہ نظر نیچی کسی کی
وہ دین زاہدی و پارسائی　　وہ ایمان جنون و بینوائی
وہ عشوے دلربا۔ دلکش کسی کے　　وہ جلوے خوشنما مہوش کسی کے
کتاب صنعت صانع کی تفسیر　　غرض شان خدائی کی وہ تصویر
تصور میں مرے پیش نظر تھی　　نگاہوں میں بصر تن میں جگر تھی
کیا فتنہ بپا اس درجہ من میں　　لگا دی آگ میرے تن بدن میں
تڑپ اٹھا میں مارے درد کے پھر　　لگا دم بھرنے آہ سرد کے پھر
بڑھی بے طرح میری بیقراری　　فزوں تھی آہ و زاری اشکباری
برنگ چرخ بدلی میری حالت　　پریشانی بڑھی کاکل کی صورت
مرے دل پر جنوں کا رنگ چھایا　　کسی کو ہو پری کا جیسے سایا
کبھی مرہون تھا فرزانگی کا　　کبھی ممنون تھا دیوانگی کا
نہ اس عالم میں کچھ دیتا دکھائی　　وہی صورت تھی آنکھوں میں سمائی
مجسم بن گئی فوراً وہ صورت　　سراپا موہنی کی تھی وہ مورت
نہ عکس وہم تھا محبوب اپنا　　ڈھلا تھا نور کے سانچے میں پتلا
رہے قائم نہ اس کو دیکھکر ہوش　　رہا میں مثل بت بے حس و خاموش
ہوئی رخصت بدن سے طاقت و تاب　　وہ بیہوشی تھی یا تھا عالم خواب

ہوائے بیخودی جب مجھ پہ چھائی　　تو وردِ انگیز یہ آواز آئی
سنبھل اے طالبِ دیدارِ جاناں　　نہ ہو مایوس ہرگز اور ہراساں
سنبھل جا ضبط سے ہاں کام لے اب　　نہ کچھ رنج و تعب کا نام لے اب
نہ رہ پابندِ غم آزاد ہو جا　　نویدِ وصل سے دلشاد ہو جا
پھر آخر کر کے یوں میری مدارا　　کیا اک باغ کی جانب اشارا
دنایا شوقِ گلزارِ معانی　　کہا یہ ہے ریاضِ نکتہ دانی
ادھر آ رنج سب تیرا مٹائیں　　تجھے راہ اس گلستاں کی دکھائیں
وہاں پائیگا تو سامانِ راحت　　کہ ہے وہ باغ رشکِ باغِ جنت
پھڑک اٹھا یہ سن کر تازہ مژدہ　　کیا ہمراہی کا اُس کی ارادہ
چلا میں ساتھ اُسکے سایہ آسا　　چلے دریا کی جانب جیسے پیاسا
دکھایا پھر مجھے وہ باغِ موعود　　کرم فرما تھی جس پر ذاتِ معبود
نہ چشمے تھے نہ نہریں اسمیں جاری　　کہ آبِ شعر سے تھی آبیاری
چمن تھا پر نہ طائر نغمہ زن تھے　　نوا زن شاعرِ شیریں سخن تھے
غرض دیکھا نرالا باغ میں نے　　شگفتہ پائے دل کے داغ میں نے
بہت سے تھے لوگ اسمیں جلوہ افگن　　ادیب و نکتہ سنج و صاحبِ فن
نہایت شان سے تھے محفل آرا　　کمال ان کا سراپا آشکارا
کہیں کرسی نشیں تھے میر و سودا　　کہیں سوز اور جرأت درد و اثر
کہیں تھے حاتم و تاباں و ناسخ　　کہیں مومن اسیر و برق و راسخ
نصیر و آرزو رنگیں کہیں تھے　　حیا و ذوق و غالب ہمنشیں تھے
انیس و آتش و احسان و انور　　دبیر و صابر و مشتاق و جوہر
نظیر و شیفتہ و رند و ساقی　　زکی مجروح تھے باہم ملاقی

ظہیرؔ و یاسؔ و ارشدؔ تھے کسی جا
نسیمؔ لکھنوی بھی جلوہ گر تھے
ادیبؔ و احسنؔ و شوکتؔ تمنّاؔ
کہیں آزادؔ و حالیؔ زیبِ دربار
کہیں تسلیمؔ و اکبرؔ تھے خراماں
افقؔ۔ نوحؔ اور نظرؔ ہم داستاں تھے
کہیں اقبالؔ و کیفیؔ حشرؔ و شیداؔ
ریاضؔ و عارفؔ و سائلؔ کہیں تھے
کہیں محرومؔ و طالبؔ اور شاعرؔ
کہیں بیٹھے تھے وکیلؔ اور حسرتؔ
حفیظؔ جونپوری تھے کسی جا
غرض اس طرح لاکھوں اور شاعر
بساکر محفل ارباب دانا
کہاں تک ذکر میں اُن کا کروں گا
تغزل میں کوئی اُستاد دیکھا
کوئی پروانہ تھا شمع سخن کا
تصوف کا کسی میں رنگ گہرا
کوئی الفاظ کا متروک داں تھا
کہیں شوکت بیانی نازبر تھی
کوئی علامہ و استادِ فن تھا
کوئی استادِ اسلوب قدیمی

وزیرؔ و رشکؔ و تسکیںؔ رونق افزا
حسنؔ۔ سالکؔ۔ صباؔ آتے نظر تھے
نسیمؔ دہلوی۔ معروفؔ یکجا
امیرؔ و داغؔ و ابرؔ اور شوقؔ و شررؔ
جلالؔ و ثاقبؔ و شاکرؔ سخنداں
سرورؔ و رونقؔ و ناظمؔ وہاں تھے
کہیں حکمتؔ و بیخودؔ محفل آرا
جلیلؔ و ناظرؔ و مائلؔ کہیں تھے
کہیں ارمانؔ صفیؔ و نظمؔ و ساحرؔ
کہیں مجلس نشیں تھے شادؔ و وحشتؔ
عزیزؔ لکھنوی بھی کسی جا
زباندانی میں فرد۔ اُستاد و ماہر
تھے اس گلزار میں [illegible] ا
ثناخوانی کا اُنکی دم بھروں گا
قصائد میں کسی کو شاد دیکھا
لطائف۔ دل لگی میں کوئی یکتا
ظرافت کا کسی کے سر پہ سہرا
کوئی ترکیب کی چستی کی جاں تھا
کہیں نازک خیالی جلوہ گر تھی
کسی کے ہر سخن میں بانکپن تھا
کوئی تھا محرم سنگیں نویسی

کسی کے لطف سے سیراب گلشن ‌ ‌ ‌ کسی سے ریختی کا نام روشن
کوئی تھا سادگی کا ایک شائق ‌ ‌ ‌ قصیدہ سے ہیں غزل میں کوئی فائق
کوئی استاد ادب اور شاعری میں ‌ ‌ ‌ رموزِ باطنی ظاہری میں
کمالِ مرثیہ گوئی کہیں تھا ‌ ‌ ‌ کہیں اسلوبِ بندش دلنشیں تھا
کہیں برجستگی افسون دلکش ‌ ‌ ‌ کہیں فکر رسا مضمونِ دلکش
کہیں جوش و خروشِ نوحہ خواں تھا ‌ ‌ ‌ کہیں نازِ صنم کا نکتہ داں تھا
کوئی تھا شائقِ شستہ بیانی ‌ ‌ ‌ کوئی تھا مالکِ ملکِ بیانی
کوئی تھا شاہِ شیریں اور خوش گو ‌ ‌ ‌ کیا زندہ کسی نے پھر سخن کو
کسی کا طرزِ رندانہ ستم تھا ‌ ‌ ‌ کسی کا جام رشکِ جامِ جم تھا
کوئی استادِ مضموں آفرینی ‌ ‌ ‌ کوئی تھا صاحبِ باریک بینی
کسی کی خوش مقالی قابلِ داد ‌ ‌ ‌ کسی کا سوز و حسرت لائقِ صاد
کوئی زیب جمالی سے مجلّا ‌ ‌ ‌ کوئی دافعِ نقائص سے مبرّا
کوئی تھا زود گوئی میں سرفراز ‌ ‌ ‌ کوئی رنگینیٔ مضمون میں ممتاز
کوئی استاد گلزارِ معانی ‌ ‌ ‌ کوئی دلدادۂ سحر البیانی
کوئی مغلوبِ جذبِ درد انگیز ‌ ‌ ‌ کوئی مفتونِ لطفِ حسنِ خونریز
کوئی حاضر جوابی میں تھا طرار ‌ ‌ ‌ کوئی نازک نگاری میں تھا ہشیار
کوئی فیضیٔ فیاضی کا ثانی ‌ ‌ ‌ کسی کے ہاں سلاست اور روانی
کوئی طبّاعِ محوِ فکرِ عالی ‌ ‌ ‌ کوئی عرفان و وحدت کا سوالی
کوئی پیچیدہ اسلوبی سے مرغوب ‌ ‌ ‌ کسی کو نیچرل اشعار مرغوب
تصوف میں کوئی فردِ زمانہ ‌ ‌ ‌ تغزل میں کوئی مردِ یگانہ
کوئی نازک خیالی کی تھی تعبیر ‌ ‌ ‌ کسی کی نظم میں ناٹک کی تاثیر

طبیعت تھی کسی کی بحرِ ذخار
کوئی تھا مذاقِ مغربی کا
کسی کی طبع میں حاضر روانی
کسی کا مذہبی تھا رنگِ تحریر
قدیمی رنگ تھا غالب کسی پر
کسی میں مشق طرزِ اہلِ فن تھی
تخیل میں کوئی نامی گرامی
کسی کا مدعا نازک نگاری
نئی طرزوں میں کوئی مردِ میداں
کوئی شیوا بیاں نازک ادا سے
کسی کو اشتیاقِ طرزِ حالی
کسی میں منظرِ قدرت کا ساماں
کوئی تھا ہم نوائے بلبلِ ہند
کسی میں حسنِ معنی قابلِ دید
کسی میں عارفانہ وجد و حکمت
کہیں سنجیدہ غزلوں کی متانت
کوئی تھا تشنۂ وحشت کا مائل
کوئی رنگِ تغزل کا تھا مشتاق
بہت اس بزم کے جب رنگ دیکھے
تعجب بڑھ گیا حیراں ہوا میں
کوئی گلزار دنیا میں نہ ایسا

بلاغت کا کسی کے سر پہ سنگار
کوئی موجد سخن کی تازگی کا
تھی نیچر کی کسی میں ترجمانی
کوئی شستہ مذاقی کی تھا تصویر
کوئی جدت پسندی کا تھا خوگر
کسی سے رونقِ بزمِ سخن تھی
کوئی طرزِ قدیم و نو کا بانی
صفائی میں کسی کی شہسواری
کوئی برجستہ شوخی کا نگہباں
کوئی ممتاز تھا فکرِ رسا سے
کسی میں عشق کے جذباتِ عالی
نئی رنگت کسی میں تھی نمایاں
کوئی تھا آشنائے بلبلِ ہند
کوئی شیدائے چمنستانِ تنقید
کسی میں روز مرہ کی لطافت
کہیں اسبابِ آرائش ذہانت
کوئی سوز و گدازِ دل کا قائل
غرض ہر ایک اپنے فن میں تھا طاق
نئے طرز اور نرالے ڈھنگ دیکھے
زبس ممنونِ جانِ جاں ہوا میں
کبھی دیکھا تھا میں نے یا سنا تھا

میں اس کے حال کا جویا ہوا پھر — اور اپنے یار سے گویا ہوا پھر
ہے مالی کون اس رنگیں چمن کا؟ — وہ محسن سرپرست اہلِ سخن کا؟
کہا اک دہلوی ہیں فخرِ دوراں — سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
رئیس نامور لالہ سری رام — کیا ہے جس نے زندہ شعر کا نام
وہی ہے نخلبند اس گلستاں کا — وہی ہے قدرداں رنگیں بیاں کا
عرق ریزی کا اسکی یہ ثمر ہے — اسی سے تازہ اس کا برگ و بر ہے
بہت کچھ خرچ کر کے مال و دولت — اُٹھا کر رنج و غم اور بارِ محنت
بلائے اہلِ موجودہ و پیشیں — سجائی محفلِ اربابِ رنگیں
بنے خود میزبان مجلس آرا — ہر اک اہلِ سخن کو ہے اُبھارا
تعجب میرا اس سے بڑھ گیا پھر — یہ سیرِ باغ پائی عمر بھر پھر
جو دیکھا اس چمن کو ابتدا سے — دعا اب مانگ لے طالب خدا سے
الٰہی اُن کو تو آباد رکھنا — ہمیشہ خرم و دلشاد رکھنا
رہیں وہ تا ابد مشہورِ عالم — قبولِ اہلِ دل منظورِ عالم
معطر سازیہ باغِ سخن ہو — مسرت بخش انکی انجمن ہو

فہرست اسمائے شعرائے متذکرہ تقریظ خمخانۂ جاوید

(۱) ملک الشعرا مرزا محمد تقی میر
(۲) ملک الشعرا مرزا محمد رفیع سودا
(۳) سید محمد میر سوز
(۴) شیخ قلندر بخش جرأت
(۵) خواجہ میر درد
(۶) سید انشاء اللہ خاں انشا
(۷) شیخ ظہور الدین حاتم
(۸) میر عبدالحی تاباں
(۹) شیخ امام بخش ناسخ
(۱۰) حکیم مومن خاں مومن
(۱۱) تدبیر الدولہ سید مظفر علیخاں اسیر
(۱۲) فتح الدولہ مرزا محمد رضا خاں برق لکھنوی

اور منشی مہاراج بہادر برق دہلوی۔
(دونوں سے مطلب ہے)
(۱۳) شیخ غلام علی راسخ عظیم آبادی اور مولانا
عبدالرحمٰن راسخ دہلوی (دونوں کی طرف اشارہ ہے)
(۱۴) شاہ نصیر دہلوی اُستاد ذوق
(۱۵) سراج الدین علیخاں آرزو
(۱۶) مرزا سعادت یار خاں رنگین
(۱۷) مرزا رحیم الدین حیا گورگانی
(۱۸) خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق
(۱۹) نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں غالب
(۲۰) میر ببر علی انیس
(۲۱) خواجہ حیدر علی آتش
(۲۲) حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان
(۲۳) سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور
(۲۴) مرزا سلامت علی دبیر
(۲۵) مرزا قادر بخش صابر گورگانی
(۲۶) منشی بہاری لال مشتاق
(۲۷) لالہ مادھو رام جوہر
(۲۸) شیخ ولی محمد نظیر
(۲۹) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ
(۳۰) نواب سید محمد خاں رند
(۳۱) پنڈت جواہر ناتھ کول ساقی
(۳۲) سید محمد زکریا خاں زکی
(۳۳) میر مہدی حسین مجروح
(۳۴) مولانا سید ظہیر الدین ظہیر
(۳۵) مولوی ذاکر حسین یاس
(۳۶) مرزا عبدالغنی ارشد
(۳۷) خواجہ وزیر علی وزیر
(۳۸) میر علی اوسط رشک
(۳۹) آنریبل نواب محمد علیخاں تکی
(۴۰) پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی
(۴۱) میر غلام حسن حسن
(۴۲) مرزا قربان علی بیگ سالک
(۴۳) میر وزیر علی صبا
(۴۴) مولوی سیف الحق ادیب
(۴۵) سید مہدی حسن احسن
(۴۶) مولانا سید احمد حسن شوکت
(۴۷) منشی رام سہائے تمنا
(۴۸) نواب اصغر علیخاں نسیم۔ دہلوی
(۴۹) نواب الٰہی بخش خاں معروف
(۵۰) مولانا محمد حسین آزاد
(۵۱) خواجہ الطاف حسین حالی

(۵۲) منشی امیر احمد امیرؔ مینائی

(۵۳) فصیح الملک نواب مرزا خاں داغؔ

(۵۴) پنڈت بشن نراین در آبرؔ

(۵۵) منشی احمد علی شوقؔ قدوائی

(۵۶) پنڈت رتن ناتھ در سرشارؔ

(۵۷) منشی امیر اللہ تسلیمؔ

(۵۸) سید اکبر حسین اکبرؔ الہ آبادی

(۵۹) حکیم سید ضامن علی جلالؔ

(۶۰) مولانا نجم الدین احمد ثاقبؔ

(۶۱) منشی پیارے لال شاکرؔ

(۶۲) منشی دوارکا پرشاد افقؔ

(۶۳) منشی سید محمد نوح۔ نوحؔ

(۶۴) منشی نوبت رائے نظرؔ

(۶۵) منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی

(۶۶) بابو پیارے لال رونقؔ

(۶۷) ناظم دہلوی ثم لاہوری

(۶۸) سر ڈاکٹر محمد اقبال۔ اقبالؔ

(۶۹) پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفیؔ

(۷۰) آغا محمد شاہ حشرؔ

(۷۱) بابو رام رچھپال سنگھ شیداؔ اور منشی چندی پرشاد شیداؔ (دونوں کی طرف اشارہ ہے)

(۷۲) پنڈت برج نراین چکبستؔ

(۷۳) منشی سید وحید الدین بیخودؔ

(۷۴) منشی سید ریاض احمد ریاضؔ

(۷۵) مرزا زین العابدین خاں عارفؔ

(۷۶) نواب سراج الدین احمد خاں سائلؔ

(۷۷) حافظ جلیل حسن جلیلؔ

(۷۸) چودہری خوشی محمد ناظرؔ

(۷۹) مرزا محمد تقی بیگ مائلؔ

(۸۰) منشی تلوک چند محرومؔ

(۸۱) منشی ونائک پرشاد طالب بنارسی اور راقم تقریظ خمخانۂ جاوید (دونوں کی طرف اشارہ ہے)

(۸۲) افسر الشعرا آغا شاعر قزلباش شاعرؔ

(۸۳) پنڈت راج نراین ارمانؔ

(۸۴) مولانا صفی لکھنوی

(۸۵) حیدر یار جنگ سید علی حیدر طباطبائی نظمؔ

(۸۶) پنڈت امرناتھ مدن ساحرؔ

(۸۷) شاہ سید نظام الدین دلگیرؔ

(۸۸) مولانا فضل الحسن حسرتؔ موہانی

(۸۹) ہز ہائینس مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ اور شادؔ عظیم آبادی (دونوں سے مطلب ہے)

(۹۰) مولانا رضا علی وحشتؔ

نوٹ :- جہاں دو شاعروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے صنف شعر میں دونوں کی خصوصیات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
(۲) حتی الوسع ہمعصر شعرا کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ (طالب کاشمیری)

(۹۱) حافظ محمد علی حفیظؔ	(۹۲) مرزا محمد ہادی عزیزؔ

تقریظ نگاشتہ فاضل اکمل ادیب نامور منشی محمد عمر و نور الہیٰ صاحبان مصنف ناٹک ساگر

جی چاہا کہ خمخانہ جاوید پر ریویو لکھا جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ لکھیں تو آخر کیا لکھیں کہ ریویو کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر خامہ فرسائی نہ ہو چکی ہو ظاہر ہے کہ اس ضخیم کتاب کے ضخیم تبصروں میں جو تنوع ہے۔ وہ کسی مزید بحث کا روادار نہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ فاضل تقریظ نگاروں نے مزید تحریر کی گنجائش نہیں رہنے دی ہے

حریفاں بادہا خوردند و رفتند	تہی پیانہا کردند و رفتند

مشاہیر ادب نے اس کے محاسن بیان کرنے میں نکتہ سنجی کی دل کھولکر داد دی۔ ناقدان فن نے سطر سطر کا جائزہ لیا۔ اور سنینہ واقعات کو محک تحقیق پر کس کر مہر توثیق ثبت کی۔ ہندوستان کی ناقدر شناس پبلک نے یہ قدر افزائی کی۔ کہ اب چوتھی جلد شائع ہو رہی ہے۔ لائبریریوں کی تزئین خمخانہ کے بغیر ادھوری مانی گئی ہے۔ پڑھے لکھے اصحاب کی الماریوں کی زینت اسکے سوا ہو نہیں سکتی۔ اور یونیورسٹیاں معترف ہیں کہ جبتک خمخانہ داخل نصاب نہ ہو۔ اُردو کی تعلیم کا مکمل ہونا معلوم۔ بتایئے اس سے بڑھکر قبول عام کیا ہوگا۔ ہردلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ ہندو اس تصنیف پر ناز کر رہے ہیں مسلمان فخر و مباہات کے جذبات سے سرشار ہیں۔ دونوں فریق مصنف کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اپنا اپنا شغف قائم کرنیکی خوش آیند کوشش میں بسا اوقات مضحکہ خیز بن جانے کی بھی پرواہ نہیں رکھتے۔ یہ سعادت اللہ کی دین ہے جسمیں زور بازو کو چنداں دخل اور خیال نہیں۔ مادر وطن نے ایسے کتنے خوش نصیبوں کو جنم دیا جنہیں ہندو اور مسلمان دونوں نے یکساں طور پر اپنانا چاہا۔ شاید مصنف اپنی صبر آزما محنت کا اتنا ہی صلہ کافی خیال کریں کہ وہ عرفی کی اس خواب کی تعبیر بن رہے ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں عمر خضر عطا کرے) سے

چناں با نیک و بد عرفی بسر کن کز پس مُردن	مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزاند

اہل دہلی پھولے نہیں سماتے کہ اس عیر فانی تصنیف کا سہرا ایک دہلی نژاد کے سر ہے اہل پنجاب مزے لے لیکر کہتے ہیں کہ یہ کتاب جس ملک کی مرہون منت ہے اُسکی بالیدگی میں جو حصہ راوی کا ہے۔ وہ جمنا سے کم نہیں۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ گذشتہ چند سالوں میں دو مطول کتابوں کا اردو میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک فرہنگ آصفیہ اور دوسری خمخانۂ جاوید۔ ان دونوں کتابوں کے مصنف دہلوی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی سرپرستی شہریار دکن فرماتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا بیشتر حصہ لاہور میں لکھا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں اہل پنجاب کی مساعی جمیلہ سے طبع ہوتی ہیں۔ گویا یہ فقید المثال کتابیں زبان حال سے پکار پکار کر اہل دہلی کو متنبہ کرتی ہیں کہ اگر زبان کو زندہ رکھنا عزیز ہے تو پنجاب اور دکن سے اشتراک عمل کیجئے۔ الگ رہکر یہ بیل منڈھے چڑھنے کی نہیں۔ اور اہل ہند سے ہانکے پکارے کہتی ہے کہ اگر وطن کی عزت منظور ہے تو زبان کی خدمت پر کمربستہ ہو جائیے۔ اسمیں اردو اور ہندی کی کوئی تخصیص نہیں کہ دراصل یہ ایک زبان کے دو نام ہیں۔ اس التباس سے گمراہ نہ ہو جائے اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ اردو کا دشمن ہندی کا دوست اور ہندی کا شترو اردو کا پریمی نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ خمخانۂ جاوید نے ایک ایسا سنگم کیا ہے جہاں فرقہ سازی اور دو بڑا ندی کے اُمنڈے ہوئے دریا گلے ملجاتے ہیں۔ اور قدح نوشان خمخانۂ یگانگت اور رواداری کے نشہ میں سرشار ہو کر ہزار داستان کیطرح چہکتے ہیں جس سے اس کتاب کے دوسرے نام یعنی تذکرہ ہزار داستان کی موزونیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اُردو زبان میں یہ کتاب بلیس لیکرس کا بہترین نمونہ ہے جسمیں قومی مذہبی اور وطنی عصبیت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی اور پارسی بلا تکلف آتے ہیں۔ اور اپنے اپنے ظرف سخن کے مطابق اس خمخانہ سے حیات ابدی خریدے جاتے ہیں۔

قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

آبحیات سے یہ شکایت پیدا ہوئی تھی کہ اسمیں ہندو اساتذہ کو نظر انداز کیا ہے۔ اور باکمالان لکھنؤ کے تذکرہ میں بخل سے کام لیا ہے لیکن یہ کتاب ایسے جملہ معائب سے پاک ہے خمخانہ کی

ایک اور خصوصیت قابل ذکر ہے۔ کہ اسکی تدوین میں مشرقی اور مغربی انداز تذکرہ نویسی کو سمو کر ایک نیا رنگ پیدا کیا گیا ہے۔ عبارت کی رنگینی سے شرقیت مترشح ہے اور انتقاد کی باریک بینی مغربی اسلوب نقد و نظر پر دال ہے۔ پس سو تقریظ کی ایک تقریظ یہ ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

محمد عمر و نور الٰہی سرینگر کشمیر ۱۵ر اگست ۱۹۲۵ء

قصیدہ در تہنیت سالگرہ جناب معلی القاب امیر ابن امیر رئیس ابن رئیس عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے رئیس دہلی و مولف تذکرہ خمخانۂ جاوید دام اقبالہ

پیش کردہ لسان الدولہ قاضی مولوی سید محمد نذیر حسن فتنہ عباسی نیندا از قصبہ سندیلہ

۵ر دسمبر ۱۹۲۰ء بمقام کوٹھی ممدوح الصدر نوشتہ شد

بیاں کچھ کر نہیں سکتا جو لطف بیکراں دیکھا ۔ کہوں کیا خواب میں کل رات کو کیا کیا سماں دیکھا
گزشتہ دن کو جن یاروں کی ٹولی تھی رہ وان اِبر ۔ وہی پھر مجمع اہل کمال و نکتہ داں دیکھا
کہیں علامہ آزاد تھے رونق دہ مجلس ۔ کسی جا مصطفیٰ خاں شیفتہ سا خوش بیاں دیکھا
کہیں پر میر قطب الدین خاں باطن نظر آئے ۔ کہیں پر قدرت اللہ شوق کو جلوہ کناں دیکھا
کہیں نواب صدیق حسن خاں جلوہ آرا تھے ۔ کہیں منشی امیر احمد سا مشہور جہاں دیکھا
کہیں تھے حضرت تسنیم کسی جا پہ محسن تھے ۔ کہیں پر صاحب بزم سخن کو تر زباں دیکھا
کہیں پر حضرت نساخ دتا و بخش وفا بر تھے ۔ کسی جا پہ پریشاں سا فصیح خوش بیاں دیکھا
کہیں فضل الحسن حسرت کہیں تھے مولوی شبلی ۔ غرض دیکھا جسے مجلس میں ممتاز جہاں دیکھا
بہت سے اور بھی تھے نامیوں میں جنکی شہرت ہے ۔ کہاں تک نام لوں ان سب کے جن کو تھا وہاں دیکھا
یہ سب آپس میں سرگرم سخن تھے خندہ رو فی ز ۔ ہوئے پھر اور بھی خوش بزم میں مجکو جہاں دیکھا
کہا یوں سب نے ہم آواز ہو کر خوب ہی آئے ۔ کہاں تھے جو بہت عرصہ کے بعد اے مہرباں دیکھا

یہاں اک بحث یاروں میں چھڑی ہے تم بھی کچھ بولو
کہ تم نے بھی تو ہندوستاں کیا سارا جہاں دیکھا

کہا میں نے کہ کہئے بات کیا ہے کیسی حجت ہے
یہ کیوں ہنستے ہیں سب کیا کوئی کشتِ زعفراں دیکھا

تو بولے ایک صاحب ہے یہ مجمع ذی کمالوں کا
انھوں نے ہے زمینِ شاعری کا آسماں دیکھا

ہر اک ان میں کا ہے اپنی جگہ استادِ لاثانی
انہیں کو ہر جگہ دیکھا جدھر دیکھا جہاں دیکھا

لکھے ہیں شاعروں کے تذکرے انہیں سے ہر اک نے
نچھوڑا حال اس کا جس کسی کو خوش بیاں دیکھا

مگر اب اس پہ حجت آ پڑی ہے یار لوگوں میں
کہ ان سب تذکروں میں کس نے کسکو دلستاں دیکھا

ہر اک کا قول ہے میں نے بہت کچھ جستجو کی ہے
وہیں پہنچا جہاں طیرِ سخن کا آشیاں دیکھا

کوئی کہتا ہے تحقیقِ حقیقت میرا حصہ ہے
کوئی کہتا ہے۔ تم نے میرا اندازِ بیاں دیکھا

کوئی دکھلا رہا ہے منتخب شعروں کے گلدستے
کوئی کہتا ہے تم نے میرا رنگِ بوستاں دیکھا

غرض۔ ہے ہر مؤلف اپنی ہی تالیف پر نازاں
جسے دیکھا خود اپنا آپ ہی کو مدح خواں دیکھا

ابھی تو گفتگو یہ ختم بھی ہونے نہ پائی تھی
کہ اک مردِ متین کو اسی جا ناگہاں دیکھا

ہوئی پہلے تو حیرت دیکھکر پھر سب نے یہ پوچھا
کہ حضرت! آپ ہیں کون اور کیا آکے یہاں دیکھا

وہ بولا میر کہکر جس کو تم سب یاد کرتے ہو
اسی استادِ عالم کی ہوں میں روحِ رواں دیکھا

مجھے ہر وقت شاگردوں کی خبریں ملتی رہتی ہیں
کہا تھا جو ملا یک سے وہی آکر یہاں دیکھا

یہ کیا جھگڑا مچا رکھا ہے چند اوراقِ ناقص پر
مکمل تذکرہ دراصل ابھی تم نے کہاں دیکھا

نہیں تم میں سے کوئی مستحقِ تحسین کا ہرگز
کہ میں نے خوب سب کا زورِ طبعِ نکتہ داں دیکھا

سنو انصاف کی تو بات یہ ہے میں جو کہتا ہوں
کہ میں نے تم سے کچھ بڑھکر ہے نیرنگِ جہاں دیکھا

بہت سے تذکرے انکے سوا بھی دیکھے ہوں لیکن
ابھی خمخانۂ جاوید کو تم نے کہاں دیکھا

ولی کی روحِ اقدس کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں
کہ اس میں اور ہی کچھ لطف و اندازِ بیاں دیکھا

مرے باغِ سخن کے طائرانِ خوش نوا سے ہیں
گلوں سے میں نے ہر بلبل کا مملو آشیاں دیکھا

مرے امت کے ہر اک نامی کا کارنامہ ہے
کوئی جادو بیاں دیکھا کوئی شیریں زباں دیکھا

تمہاری طرح اپنوں کی نہیں اُنہیں طرفداری
نہ سکے ہو رہے بس سبکو اپنا مہرباں دیکھا

تمہیں خمخانۂ جاوید کی لازم زیارت ہے
کہ اُس میں جسکو دیکھا نظم کا پیرِ مغاں دیکھا

یہ سنکر اُٹھ گئے آنکھوں سے سب کی پردے غفلت کے
عجب کچھ اُنکی اس تقریب سے لطفِ سماں دیکھا

مجھے بھی ایک حیرت ہوگئی اس نام کو سنکر
کہ گویا آئینہ اُس انجمن کے درمیاں دیکھا

پھر اُس سے میں نے پوچھا نام کیا ہے اُس مؤلف کا
کہاں رہتے ہیں وہ اور آپنے اُنکو کہاں دیکھا

یہ سنکر ہنسکے فرمایا سری رام اُن کو کہتے ہیں
ہیں جتنے دلی والے سبنے ہے اُنکا مکاں دیکھا

علی پور روڈ پر جو سترہ ۱۷ نمبر کی کوٹھی ہے
وہیں پر بارہا میں نے انہیں کو مہرباں دیکھا

تمہیں ملنا جو ہو اُن سے تو یہ موقع بھی اچھا ہے
کہ آج اُنکے مکاں پر اور ہی ہے اک سماں دیکھا

گرہ ہر سال اُنکی عمر کے رشتے میں پڑتی ہے
اسی تقریب میں آج اُنکا گھر رشکِ جناں دیکھا

کہیں جو دل کی محفل ہے کہیں پر یوں ہی مجمع ہے
غرض معشوق جو اُس بزم میں دیکھا جواں دیکھا

رؤسا جتنے ہیں دلی کے سب تشریف لائے ہیں
وہ سب کے میزباں ہیں سب کو اُنکا میہماں دیکھا

یہ سنکر کھل گئیں آنکھیں تو کیا تھا کچھ نہ تھا اُس جا
وہی اپنی مسہری اور وہی اپنا مکاں دیکھا

مگر دل کو یقیں تھا خواب یہ لاریب سچا ہے
کہ روحِ میرؔ کو اس انجمن کے درمیاں دیکھا

وہ بیشک جنتی ہے اُسکا کہنا کیوں نہ تم مانیں
زمانے کی نگاہوں نے کوئی اُس سا کہاں دیکھا

چلو خمخانۂ جاوید والے سے ملیں چل کر
کہ اُنکی مدح میں آتش کو رطب اللساں دیکھا

مگر جلسے میں کب یوں خالی خولی لطف آئے گا
وہاں پھر کیا کروگے جو گروہِ شاعراں دیکھا

مناسب ہے کہ کچھ اشعار مدحیہ کرو موزوں
اگر تمکو ہم نے دیکھا نظم ہی پڑھتے جہاں دیکھا

یہ کہکر اُٹھ کے بستر سے لکھا وہ مطلعِ روشن
کہ جس کے سامنے شرمندہ مہرِ آسماں دیکھا

کبھی گر فکرِ عالی سے ترا اوجِ مکاں دیکھا
تو میں نے آسماں اک اور زیرِ آسماں دیکھا

پریشاں حال دیکھا تیرے اعدا کو جہاں دیکھا
زمیں دشمن نظر آئی مخالف آسماں دیکھا

فلک کو دیکھکر جسنے ترا اونچا مکاں دیکھا
تو اُس نے آسماں کے نیچے اک اور آسماں دیکھا

نگاہِ قدر تیری پست فطرت پر پڑی جس دم — تو ہر اک ذرہ کو ہم اوجِ مہرِ آسماں دیکھا

تو وہ خورشید رو ہے چاند سایہ تجھپہ کرتا ہی — مثالِ چتر تیرے سر پہ مہرِ آسماں دیکھا

مسخر کر لئے ارض و سما اخلاق والا نے — زمیں کو یار پایا اور موافق آسماں دیکھا

گرے چلنے میں جس جا پر ستارے تیری جوتی سے — زمیں کا اتنا ٹکڑا میں نے رشکِ آسماں دیکھا

زمینِ قبر پر بھی تیرے دشمن کو نہیں راحت — پئے ایذا وہی مٹی کا سر پر آسماں دیکھا

ترقی کے سنے اشعار تیری بزمِ عالی میں — زمینِ شاعری کو ہم عروجِ آسماں دیکھا

زمیں تیری گلی کی آئنہ بنکر یہ کہتی ہے — یہ حیرت ہے کہ میں نے اپنے نیچے آسماں دیکھا

نظر آیا جو سایہ دوپہر کو قصرِ عالی کا — یہ بولے دیکھنے والے زمیں پر آسماں دیکھا

ترے اوجِ مقدر سے زمیں پر کسکو نسبت ہے — ترا ہمسر اگر دیکھا تو میں نے آسماں دیکھا

جڑے ہیں چاند تارے سقف میں قصرِ معلیٰ کی — زمیں پر بیٹھے بیٹھے ہم نے لطفِ آسماں دیکھا

ترا ایوان عالی بے طرح نازاں ہے رفعت پر — عجب ہے عرش پر میں نے دماغِ آسماں دیکھا

بہی خواہوں کے سر پر چتر پایا مہرِ انور کو — عدو کے سر پر اک داغِ جفائے آسماں دیکھا

نظر آتا ہے زیرِ خیمۂ زریں ترا جلوہ — سرِ پُر نور پر سونے کا میں نے آسماں دیکھا

یہ تیری وسعتِ ہمت نے بخشا اوج عالم کو — حبابِ آبجو کو بھی بشکلِ آسماں دیکھا

ترے کوچے میں ہر ناچیز کو معراج ہوتی ہے — کہ جس ذرہ کو دیکھا ہم علوِ آسماں دیکھا

یہ سمجھا کام آئے ہیں تری مسند کی زینت میں — ستاروں سے جو خالی میں نے فرشِ آسماں دیکھا

غرض روئے زمیں پر آج تیری ذات یکتا ہے — ترا ثانی کہیں پر بھی نہ زیرِ آسماں دیکھا

مسیح و خضر کی تجھکو عطا ہو عمر عالم میں — یہی کہتا ہوا ہر ایک کو زیرِ آسماں دیکھا

جشن کے دن کا جلسہ دیکھکر بولے ملائک بھی — کہ آج اس جشنِ عالی کے موافق آسماں دیکھا

بس اب اے فتنہ بندیا وہی خاموش ہو جاؤ — زمینِ نظم کا خوب آج ہم نے آسماں دیکھا

رباعی

محفل میں جو اربابِ سخن بیٹھے ہیں — غنچہ میں حسینانِ چمن بیٹھے ہیں

اے فتنہ نثار گلِ مضموں کا ہے وقت
دے نذر کہ سب ماہر فن بیٹھے ہیں

راقم سید نذیر حسن فتنہ عباسی سندیلوی تخلص ۵ دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء

ہدیۂ تہنیت سالگرہ مخلص قدیم مشفق صمیم لالہ سری رام صاحب ایم اے مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید دہلی

از تصنیف ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خان جاگیردار ریاست لوہارو سائل تخلص تاریخ پنجم دسمبر ۱۹۲۲ء

روز مسعود ولادت یہ مرے یار کا ہے
وقت ساقی سے قدح خواروں کی تکرار کا ہے

روز گو ہو چکا شب ہے تو ہے اس دن کی
تیرگی بدلی ہے ہنگام یہ امطار کا ہے

گوشہ گوشہ سے ہے اس گھر کے سعادت کی نمود
عالم اس جلسہ کی رنگینی پہ گلزار کا ہے

وہ ولادت کہ نہ تھی جس کی کوئی اور نظیر
آج تک جس پہ کرم ایزد غفار کا ہے

نام مولود کا آخر میں کیا جائیگا عرض
یہ محل حسن کمالات کے اظہار کا ہے

قطرتی وصف بھی اس ضمن میں ہو جائینگے درج
مدعا یہ بھی مری نظم کا اشعار کا ہے

یار وہ یار جو چالیس برس کا ہمدم
قدرداں جو مرے اوضاع کا گفتار کا ہے

کھتری نسل کا ممتاز عمائد کا خلف
بہترین پور و نمونہ سلف اخیار کا ہے

شکل و صورت و دل آویز کہ اللہ اللہ
مرد ہونے پہ صور دلبر و دلدار کا ہے

جس طرف بیٹھا ہو محفل میں نظر کہتی ہے
کہ شبیہ بھی ایک مطلع انوار کا ہے

قابل مدح جو اس کی ہے سخن گوئی بھی
قول میرا نہیں ہر صاحب ابصار کا ہے

نطق میں ایسی سلاست و مزا و انداز
کہ مرادف لب گل ریز و شکر بار کا ہے

غیظ شامل ہے اگر اس میں تو صد قہر بلا
نقشہ یا تیر کا یا خاصہ تلوار کا ہے

لطف داخل ہے تو کر دیتا ہے دلکو بیتاب
طرز تقریر میں انداز طرح دار کا ہے

وعدے میں ہوئی ہے دونوں صنفوں کی تکمیل
مختصر آمیں یہ مرے دوست کی سرکار کا ہے

دل نے چاہا تو وفا کر دیا وعدہ ورنہ
دہر آگاہ ہے دستور جو ہر یار کا ہے

اب رہا رفق و مدارات و تواضع کا ڈھنگ
وہ وہ ہوتا ہے جو ایک صاحب ایثار کا ہے

علم کا ذوق تو ایسا کہیں دیکھا نہ سنا
اس کے گھر بھر پہ کرم داور دادار کا ہے

ام سلے کا ڈپلوما خود لیکے ہوا تھا منصف
والہ شاعر کا ہے دل باختہ اشعار کا ہے

کارنامہ ہے سخن سنجی کا ایک خمخانہ
جو مشابہ بہ یقیں دفتر طومار کا ہے

جس کی ہستی پہ ہے موقوف حیاتِ شعرا
یہ کرشمہ اسی پُر فہم و خوش اطوار کا ہے

آج لگتی ہے کلاوہ میں گرہ ایسے کے
جس پہ دعوئ مجھے بھائی کی طرح پیار کا ہے

تہنیت اسکی اسے اسکی بہو کو دے کر
عزم احباب سے پھر خیر سے اصرار کا ہے

میں دعا دیتا ہوں آمین! کہیں سب ملکے
مذہبا حکم یہی حضرت غفار کا ہے

سو گرہ اس کے کلاوہ میں لگیں اور خدا
اسی دستور سے جو گنبد دوار کا ہے

ہر برس یوں ہی سر بزم ہو بہجت اندوز
رنگ محفل یہی سائل ہو جو خضار کا ہے

قطعہ تاریخ طبع جلد چہارم تذکرہ خمخانہ جاوید ازنتیجۂ فکر آقائے سخن جناب سید عسکری رضا صاحب وسیم خیرآبادی مہتمم تحفۂ خوشتر گورکھپور

جامعیت اس میں بھی ہے سراپا انتخاب
تذکرے دیکھے بہت کوئی نہیں اسکا جواب

از سر انصاف ہے یہ طبع کا سال اے وسیم
مخزن اشعار اہل فن ہے گویا یہ کتاب

(۱) ۱۹ ۲۶

قطعہ تاریخ طبع از حضرت آغا شاعر دہلوی

ہر تذکرے کو اسکے مقابل میں لائیے
ہر طرح اس سے کیجئے یعنی موازنہ

شاعر نے سن عیسوی میں سال یوں لکھا
خمخانہ کی یہ جلد ہے چوتھی۔ موازنہ

۱۹ ۲۶

(نوٹ) کاتب کی غلطی سے تقریظ کے ساتھ لکھنا رہ گیا تھا لہذا یہاں درج ہوا۔

فہرست اسمائے شعرا مندرجہ تذکرہ خمخانہ جاوید

جلد چہارم

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۱	سابق	قاضی غلام احمد	۲۰	سانح	منشی صمدیار خاں
〃	ساجد	حافظ ساجد علی	۲۴	〃	ڈاکٹر بجے نراین
۳	ساحر	قاضی مقصود علی خاں	۲۵	〃	مولوی مبارک حسین
۷	〃	پنڈت امرناتھ دہلوی مدن	〃	۔	مولوی اصغر علی خیرآبادی
۹	〃	مہاراجہ سر علی محمد خاں محمودآباد	〃	〃	مرزا محمد ذکی (۳۰)
۱۲	〃	مفتی افہام اللہ	۲۶	ساقی	منشی محسن علی
۱۳	〃	خواجہ عبدالوحید	〃	〃	منشی شنکر لال
۱۵	〃	قاضی شمس الضحیٰ	۲۷	〃	پنڈت جواہر ناتھ دہلوی کول
۱۶	〃	منشی اقتدار احمد	۳۲	〃	حامد علی خیرآبادی
۱۷	ساحل	مرزا اکبر علی (۱۰)	۳۳	〃	منشی ولی محمد خاں
۱۸	〃	عبدالرحمٰن	〃	〃	سید رضا نظام الدین
〃	ساطع	مرزا مظفر بیگ	۳۴	〃	منشی احد علی
۱۹	〃	سید ولایت علی	〃	〃	ناسعلوم باشندہ آرہ
۲۰	ساغر	منشی کشن سروپ	〃	〃	منشی محمد جعفر
〃	〃	محمد سعید خاں	۳۴	ساکت	مولوی ابوالحسن (۳۰)

صفحہ	تخلص	نام
۴۷	سالک	نواب سید احمد حسین خاں
"	"	مرزا قربان علی بیگ دہلوی
۴۹	"	منشی عبد الحمید خاں
۵۰	"	منشی سالگ رام
۵۲	"	منشی ارشاد علی
"	سالم	نواب جعفر علیخاں دہلوی
۵۴	"	مرزا مبارک حسین خاں
"	سامان	میر ناصر
۵۵	سائل	جلیل شاہ
۵۷	"	منشی کنہیالال (۴۰)
"	"	حکیم عبد الحق
"	"	منشی بندہ علی
"	"	نواب سراج الدین احمد خاں دہلوی
۶۸	"	شیخ نبی بخش
۶۹	سائف	ابو محمد اسمٰعیل خاں
"	سبحان	سبحان شاہ خاں
"	سبقت	مرزا مغل
۷۰	سپہر	میر مہدی لکھنوی
۷۱	"	منشی شہاب الدین دہلوی
۷۲	"	سید شرف الدین (۵۰)
۷۳	سپہری	مولوی محمد احمد
۷۴	ستم	منشی درگا پرشاد
"	"	مرزا عسکری لکھنوی
۷۵	سجاد	جھنجھانہ کے ساکن
"	"	علی سجاد عظیم آبادی
۷۹	"	شیخ سرفراز علی
۸۰	"	میر سجاد علی
۸۰	"	صاحبزادہ سجاد علیخاں
۸۱	"	نواب مرزا سجاد علیخاں لکھنوی
۸۲	"	منشی سجاد علی (۶۰)
"	"	نواب سید سجاد مرزا دہلوی
۸۴	"	حکیم میر سجاد
۸۵	"	نواب ذوالفقار الدولہ لکھنوی
"	"	میر سجاد حسین
۸۶	"	منشی سجاد حسین
"	سحاب	کنور گوپال سنگھ دہلوی
۸۷	"	محمد اللہ یار خاں
۸۸	"	منشی نصیر احمد خاں
"	"	سید منور علی
۸۹	"	مرزا کاظم حسین لکھنوی (۷۰)

صفحہ	تخلص	نام
۸۹	سحر	شیخ امان علی سحر لکھنوی
۹۶	"	راجہ نواب علیخاں رئیس محمود آباد
۱۰۵	"	منشی اجودھیا پرشاد لکھنوی
"	"	مولوی عبدالحمید
۱۰۶	"	سید علی نواب لکھنوی
"	"	مولوی ظہور علی لکھنوی
۱۰۷	"	منشی محمد حسین
۱۰۸	"	منشی شام لال دہلوی
۱۱۰	"	حاجی ولی محمد
"	"	راجہ امیر حسن خاں محمود آباد ۸۰
۱۱۷	"	مولوی عبدالرحمن
۱۱۸	"	منشی دیبی پرشاد
۱۲۸	"	منشی اقبال ورما
۱۳۲	"	سراج میر خاں
۱۳۳	"	شفیق الرحمن
۱۳۴	سخا	نواب خیرات علیخاں
"	"	مولوی نظیر حسن دہلوی
۱۳۶	"	منشی سخاوت حسین
۱۳۷	"	منشی لچھمی نراین
"	"	محمد سخاوت حسین (۹۰)
"	سخاوت	آغا عابد لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۱۳۸	سخاوت	حافظ سخاوت اللہ خاں
"	سخن	حکیم مرزا محمد حسین دہلوی
"	"	منشی رام دیال لکھنوی
"	"	سید فخرالدین حسن دہلوی
۱۴۴	"	عابد حسین خاں
"	سخنور	منشی دیوانی سنگھ دہلوی
۱۴۵	"	مولوی محمد علی عباس
"	"	سید ابوالحسن
"	سخی	پرورش علی
۱۴۸	"	سید محسن حسین
۱۴۹	"	منشی سخاوت حسین (۱۰۰)
"	"	سید جعفر حسین خاں
۱۵۰	"	میر سخاوت علی
"	سراج	سراج الدین علیخاں
۱۵۱	"	گمنام شاگرد سید حمزہ
"	"	منشی افضل خاں
"	"	سراج الحسن دہلوی
۱۵۲	"	سراج الدین
"	"	میاں سراج الدین (۱۱۰)
۱۵۳	سرافراز	سید سرفراز علیخاں

صفحہ	تخلص	نام
۱۵۳	سرخوش	منشی حلیم الزمان
۱۵۴	سروار	نواب حسین علیخاں لکھنوی
″	″	سردار اودھم سنگھ
۱۵۶	″	نواب سروار علیخاں
۱۵۷	سریر	مرزا زین العابدین خاں
۱۵۸	سرشار	حکیم عبدالصمد
۱۶۰	″	مسٹر سداشیو راؤ
″	″	شیخ رمضان علی
۱۶۱	″	پنڈت رتن ناتھ در لکھنوی (۱۲۰)
۱۷۰	″	منشی مدن موہن لال
″	سرور	نواب اعظم الدولہ دہلوی
۱۷۱	″	حکیم سید سرور علی
۱۷۳	″	خواجہ ولایت علی لکھنوی
″	″	مرزا رجب علی بیگ لکھنوی
۱۷۸	″	سید ابوالقاسم
″	″	میر ملھو دہلوی
″	″	منشی عبدالصمد
۱۷۹	″	مرزا عزیز الدین گورگانی
″	″	حکیم محمد اسمعیل دہلوی (۱۳۰)
۱۸۰	″	سید سرور حسین
″	″	منشی درگا سہائے جہاں آبادی

صفحہ	تخلص	نام
۱۸۸	سرور	سید کاظم حسین
۱۸۹	″	نواب محبوب علیخاں
″	سروش	شیخ مراد علی
″	″	صاحبزادہ عبدالوہاب خاں
۱۹۰	سریر	سید عباس
۱۹۱	″	سریر اکابری
″	″	منشی رحمت اللہ
۱۹۲	سطوت	نواب محمد تقی علیخاں لکھنوی (۱۴۰)
۱۹۴	سعد	منشی جوالا ناتھ
″	سعدی	احمد آبادی
۱۹۵	سعادت	سعادتمند خاں
″	″	منشی سعادت علی
۱۹۶	″	شیخ سعادت علی
″	″	راجہ سعادت علیخاں پنھیر پور
۲۰۰	سعید	چودہری محمد سعید الدین
″	″	خواجہ محمد سعید
۲۰۱	″	مرزا جعفر حسین لکھنوی
۲۰۷	″	سید ابوالقاسم لکھنوی (۱۵۰)
۲۰۸	سعید طالع	خان محمد سعید خاں
″	سعید	نوروز علی لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۲۰۸	سعید	منشی محمد سعید بلگرامی (۱۵۳)
۲۰۹	〃	سید سعادت علی
۲۱۰	〃	شیخ فدا حسین لکھنوی
〃	〃	کلن صاحب لکھنوی
۲۱۱	〃	محمد کرامت علی
〃	〃	مولوی محمد سعید
〃	〃	سید سعید احمد خیرآبادی
۲۱۲	〃	منشی محمد سعید خیرآبادی (۱۶۰)
۲۱۳	〃	شمس العلماء محمد سعید
۲۱۴	〃	سید الدین عثمانی
۲۱۵	سفلی	عنایت خاں عرف کالیخاں
۲۱۶	سفیر	شاہ سفیر الحق
۲۱۷	〃	خواجہ بادشاہ لکھنوی
۲۱۹	〃	میر شایق حسین خاں
〃	〃	منشی فخر الدین
۲۲۲	〃	مولوی صدیق حسن
〃	سکندر	خلیفہ محمد علی دہلوی
〃	〃	منشی سکندر خاں دہلوی (۱۰۰)
۲۲۳	〃	نواب سکندر مرزا لکھنوی
〃	سکوت	منشی ناظر الحق

صفحہ	تخلص	نام
۲۲۴	سلام	منشی نجم الدین
〃	〃	سید خواجہ معین الدین
۲۲۶	سلامت	منشی سلامت علی
〃	〃	منشی سلامت اللہ خاں
〃	سلطان	مرزا بابر بخت گورگانی
〃	〃	مرزا سلطان شاہ گورگانی
۲۲۷	〃	خواجہ طالب علیخاں
〃	〃	نامعلوم الاسم (۱۸۰)
۲۲۸	〃	نواب محمد سجاد علیخاں لکھنوی
۲۲۹	〃	نواب نصر اللہ خاں
〃	〃	سید محمد سلطان
۲۳۰	〃	منشی سید سلطان
〃	〃	محمد سلطان قاضی فرزند احمد
〃	〃	حکیم سلطان مرزا لکھنوی
۲۳۲	〃	میر سلطان علی
〃	〃	نواب مرزا محمد سعید علیخاں لکھنوی
۲۳۳	〃	محمود خاں
〃	〃	میاں سلطان محمد خاں (۹۰)
۲۳۴	سلیس	سید محب علی
〃	سلیم	میر سلیم اللہ شاہجہاں آبادی

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۲۳۴	سلیم	مرزا سلیم بہادر گورگانی (۱۹۳)	۲۶۱	سما	مرزا محمد حسن لکھنوی
"	"	نامعلوم	"	"	محمد زکریا
۲۳۵	"	میر عباس لکھنوی	۲۶۲	سمجھو	منشی غلام محمد
"	"	منشی گوری شنکر لکھنوی	"	سندر	لالہ سندر لال
۲۴۱	"	شیخ سلیم الزمان	۲۶۳	سودا	ملک الشعرا مرزا محمد رفیع سودا
"	"	نواب سید علی حسین خاں	۲۷۶	سوز	سید محمد میر دہلوی
۲۴۲	"	میاں ارجمند محمد خاں	۲۸۲	"	مولوی عبدالکریم سوز دہلوی
۲۴۳	"	سید حسین لکھنوی (۲۰۰)	۲۸۶	"	منشی محمد عمر (۲۲۰)
۲۴۴	"	سید منے صاحب	"	"	منشی حسین علیخاں
۲۴۵	"	منشی محمد سلیم	"	"	شیخ نذیر الدین حسن
"	"	مولوی سلیم اللہ	"	سوزاں	مرزا احمد علیخاں لکھنوی
۲۴۸	"	منشی وحید الدین	۲۸۷	"	حکیم محمد تقی خاں دہلوی
۲۴۹	"	منشی سلیم اللہ خاں	"	"	منشی حبیب الدین سوزاں
۲۵۰	"	سید فیض الحسن	۲۹۱	سوزش	محمد احسان الحسن
"	"	منشی سلیم الدین	۲۹۲	سوگ	منشی مہیش پرشاد
"	"	سید قادر الدین	۲۹۳	سہا	حکیم میر رضا حسین لکھنوی
۲۵۱	سلیمان	سلیمان خاں دہلوی	۲۹۴	"	سید ممتاز حسن
"	"	مرزا سلیمان شکوہ گورگانی (۲۱۰)	"	"	میرزا سہراب بیگ دہلوی (۲۴۰)
۲۵۸	"	صاحب عالم مرزا سلیمان قدر لکھنوی	۲۹۵	سہیل	منشی درگا پرشاد
۲۵۹	"	نواب والا قدر سید حسین علی مرزا	"	"	سید حیدر علی دہلوی

صفحہ	تخلص	نام
۲۹۹	سہیل	منشی محمد رشید (۲۳۳)
"	"	مولوی سید عبد الحبیب
"	سہیم	شیخ محب اللہ
۳۰۰	سہیتی	پنڈت بابو رام
"	سیاح	منشی سیاندار خاں
۳۰۳	"	حافظ نور احمد
"	"	سید فضل الرحمن
۳۰۴	سیارہ	مرزا فخر الدین گورگانی (۲۴۰)
"	سید	میر غالب علیخاں دہلوی
۳۰۵	"	میر کرم علی
۳۰۶	"	میر علی تقی دہلوی
۳۰۷	"	مولوی محمد بخش
"	"	منشی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ
۳۱۰	"	منشی سید اکبر مرزا دہلوی
۳۱۳	"	منشی سید حسن
۳۱۵	"	حسین میاں
۳۱۶	"	میر سید احمد دہلوی
۳۱۷	"	منشی سید علی (۲۵۰۱)
"	سیر	میر عباس
۳۱۸		منشی محمد حنیف

صفحہ	تخلص	نام
۳۱۸	سیف	مرزا محمد حسن دہلوی
۳۱۹	"	نواب اکبر حسین خاں
۳۲۰	"	مولوی عبد الحکیم
۳۲۳	"	مولانا محمد احکم
"	"	میر لیاقت علی
۳۲۴	"	شیخ صادق حسین
"	سیفی	سید نادر علیشاہ
"	"	مسٹر ایم اے سیفی (۲۶۰)
۳۲۵	"	غلام احمد زماں خاں
"	"	ابو محمد سید حسن
"	سحاب	حکیم مولوی سید اسد علی
۳۲۶	"	شیخ عبد الواحد
۳۲۷	"	خلیفہ معصوم علی
۳۲۸	"	شیخ عاشق حسین اکبر آبادی
۳۳۳	"	منشی عبد العزیز خاں (۲۶۷)
		ش
۳۳۵	شاد	منشی للتا پرشاد
"	"	منشی کالکا پرشاد
۳۳۶	"	لالہ کالی پرشاد
۳۳۷	"	مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد یمین السلطنت

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۳۴۴	شاد	پنڈت پریم سکھ (۲۷۲)	۳۷۶	شاداں	منشی ٹھاکر پرشاد
۳۴۴	״	لالہ بال مکند	۳۷۸	״	خان بہادر سید زین العابدین
۳۴۷	״	چوبے رگھناتھ پرشاد	۳۷۹	״	مرزا حسین علیخاں دہلوی
״	״	محمد عمر خاں	۳۸۸	״	مولوی سید اولاد حسین
״	״	مستری قادر بخش	۳۹۰	״	لالہ درگا پرشاد
۳۴۸	״	حکیم منشی منولال دہلوی	״	شاذ	ملک صادق خاں
״	״	منشی رام پرشاد دہلوی	۳۹۱	شارق	منشی جعفر حسین
۳۴۹	״	منشی عبد اللطیف	״	شاعر	مولوی رضا احمد
״	״	شیخ عبد الرزاق دہلوی (۲۸۰)	۳۹۲	״	منشی بیلی رام (۳۰۰)
״	״	شیخ محمد جان لکھنوی	۳۹۴	״	منشی بلدیو پرشاد
۳۵۵	״	منشی گنگا پرشاد	״	״	مولوی عبد الرحمٰن
״	״	بابو جانکی پرشاد	۳۹۵	״	مولوی ناصر پرست دہلوی
۳۵۷	״	شیخ عثمان	״	״	خواجہ کمال الدین
״	״	خان بہادر سید علی محمد صاحب	۳۹۶	״	مرزا ابوالقاسم
۳۶۸	״	منشی اکرام احمد	۳۹۸	״	میر بسم اللہ
۳۶۹	شاداب	سید مہدی حسن خاں	״	״	مولوی علی حسین
۳۷۰	״	شیخ احمد بخش	۴۰۰	״	مولوی فضل حسین
۳۷۱	شاداں	منشی شرف الدین	۴۰۱	״	منشی اولاد حسین
״	״	مہاراجہ چندولال بہادر (۲۹۰)	۴۰۲	״	محمد حبیب اللہ (۳۱۰)
۳۷۵	״	منشی بسادن لال	״	״	آغا ظفر علی شاعر دہلوی

صفحہ	تخلص	نام شاعر
۴۱۸	شاعر	منشی شرف الدین احمد
۴۱۹	شاغل	منشی آغا مرزا دہلوی
۴۲۶	"	حکیم علی محمد
۴۲۹	شاکر	منشی محمد شاکر
"	"	گمنام
"	"	منشی عبدالسبحان
"	"	منشی محمد حسن خاں
۴۳۰	"	مرزا محمد شاہ گورگانی (۱۳۲۰)
۴۳۱	"	پنڈت شیو ناتھ
۴۳۲	"	منشی عبدالقادر
۴۳۴	"	مسٹر پیارے لال
۴۳۵	"	مولوی شاکر حسین
۴۳۶	"	محمد محمود حسن
"	"	منشی عبدالغفور
"	"	مرزا بختاورشاہ گورگانی
۴۳۷	شائق	منشی سید احمد حسن
۴۴۲	"	آغا سید محسن
"	"	سید عبدالرسول رضوی (۱۳۲۰)
۴۴۴	"	شیخ بنے میاں
۴۴۵	شان	نواب مرزا صادق علیخاں لکھنوی
۴۴۶	شاہ	منشی شاہ علیخاں دہلوی
"	"	مرزا داؤد شاہ گورگانی
"	"	شاہ عالم
۴۴۷	شاہی	مرزا انور الدین گورگانی
"	"	مرزا مجاہد الدین گورگانی
۴۵۱	شایق	منشی پیر محمد
۴۵۲	"	منشی نظر الدین
"	"	منشی عزیز الدین (۱۳۴۰)
"	"	حافظ الٰہی بخش
۴۵۳	"	منشی سید حسن
۴۵۷	"	مسٹر جان بر[illegible] فانٹوم
"	"	منشی بدر الاسلام
۴۵۸	"	منشی احمد حسن خاں
۴۵۹	"	مولوی سدید الدین
۴۶۰	"	سید اعظم علی
"	"	مولوی شمس الدین
۴۶۱	"	نواب باقر علیخاں لکھنوی
۴۶۲	"	صاحبزادہ یوسف علیخاں (۱۳۰۰)
۴۶۳	"	خواجہ منیر الدین
۴۶۳	شایاں	منشی طوطا رام لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام شاعر
۴۶۳	شایاں	سید نور الحسن
۴۶۴	شباب	نواب احمد خاں
"	"	سید ولدار حیدر
"	"	منشی سیف الدین
۴۶۵	"	منشی بشن دیال
"	"	صاحبزادہ اختر یار خاں
۴۷۳	"	منشی محمد یوسف
"	شبنم	شاگرد منشی امتیاز احمد خاں (۲۹۰)
"	شبلی	شمس العلما مولانا شبلی
۴۷۸	شبیر	منشی شبیر حسن
۴۸۴	"	صاحبزادہ شبیر علیخاں
۴۸۶	"	منشی شبیر احمد
"	شجاع	شاہ شجاع
۴۸۷	شجاعت	شیخ بہادر علی
"	شرار	سید علی رضا
۴۸۸	شرر	میر آغا حسن
"		میر حافظ دہلوی
"	"	میرزا غیاث الدین گورگانی ۳۰۰
"	"	منشی یعقوب علیخاں
"	"	صاحبزادہ شبیر علیخاں

صفحہ	تخلص	نام شاعر
۴۸۹	شرر	منشی ارتضیٰ علی
۴۹۵	"	سید سلطان علیخاں لکھنوی
۴۹۷	"	صاحبزادہ وحید الدین خاں
۴۹۸	"	مولوی علی بخش
۵۰۰	"	محمد ایوب دہلوی
"	"	منشی عزیز احمد خاں۔
۵۰۱	"	منشی عبدالکریم
"	"	منشی سید عبدالعلیم (۳۸۰۱)
۵۰۳	"	مولوی رضی احمد
۵۰۹	"	منشی کندن لال
۵۱۲	"	منشی احسن مرزا لکھنوی
۵۲۰	"	بابو بھولا ناتھ
"	"	منشی صدیق حسن
۵۲۱	"	صاحبزادہ مصطفیٰ علیخاں
۵۲۲	"	مولوی عبدالحلیم لکھنوی
۵۲۶	شریر	گمنام دہلوی
۵۲۸	"	منشی عبدالغفار
۵۲۹	شرابی	محمد نظیر (۲۹۰)
"	شرف	صاحبزادہ عبدالرحیم خاں
"	"	شیخ شرف الدین

صفحہ	تخلص	نام شاعر	صفحہ	تخلص	نام شاعر
۵۳۰	شرف	نواب شرف الدین حسین	۵۵۱	شستہ	مرزا روشن الدولہ گورگانی
"	"	میر سادات حسین خاں لکھنوی	"	"	محمد نور اللہ
۵۳۸	"	صاحبزادہ مشرف یار خاں	۵۵۲	شعاع	ابو النصر اکبر شاہ ثانی (۴۱۰)
۵۴۳	"	حافظ ابو شرف	"	"	منشی وفا علی
۵۴۵	"	سید محمد نذر	۵۵۳	"	مولوی ضیاء الرحمٰن
۵۴۶	شرقی	میر غلام عباس	۵۵۴	"	شعاع لکھنوی
"	"	محمد وزیر خاں (۴۰۰)	۵۵۵	"	سید مصطفیٰ علی
۵۴۷	شرقی	منشی ابو الحسن	"	شعلہ	پنڈت امرناتھ لکھنوی
۵۴۸	شریف	منشی بینانک پرشاد	"	"	منشی نراین داس
"	"	شیخ شریف الزمان	۵۵۶	"	مولوی محمد یحییٰ
۵۵۰	"	خواجہ محمد صادق	"	"	ٹھاکر شیو لال
"	"	مولوی شریف احمد	"	"	لالہ امراؤ سنگھ دہلوی
"	"	منشی محمد حسین	۵۵۷	"	منشی بنواری لال
۵۵۱	شریفی	منشی شریف الحسن	۵۶۴	"	مولوی محمد امیر (۴۲۱)

صحت نامہ حصہ چہارم

صفحہ	سطر	غلط چھپا	صحیح جو پڑھنا چاہئے	صفحہ	سطر	غلط چھپا	صحیح جو پڑھنا چاہئے
۱۲	۶	سیمن	سیمین	۲۶۵	۱	اماں	آیاں
۱۵	۱۰	ہہے	بہے	۲۸۸	۲۱	کرینگے	کرینگے
۲۱	۱	تھری	چھری	۳۰۷	۲۰	المفاعت	المضاعف
۴۲	۲۱	ساعر	ساغر	۳۷۹	۷	شاعر	شاعری
۴۴	۳	مو	ہو	〃	〃	سخنور	سخنوری
۵۵	۱۲	خوشی	خودی	۳۹۵	۵	ایمن	انہیں
۹۴	۸	میں	ہیں	۴۱۲	۲۱	واوکیاخوب	واوخوب
۹۶	۱۹	پاکیزکی	پاکیزگی	۴۱۴	۱۳	میں بھی	میں
۱۲۱	۱۹	جائے	جانئے	۴۱۶	۵	عجب	عجیب
۱۲۹	۱۷	روپ	طلاب	۴۲۵	۱۰	برہم تھی	پھر برہم
〃	۱۸	ئے	ہے	۴۲۶	۱۹	قرا	فرامو
۱۴۵	۲۱	پسند	مزاج	۴۷۸	۳	گستاخی	گستاخ
۱۶۴	۷	کے	سے	۴۸۴	۱۱	مو	ہو
۱۶۸	۹	کہ	کیا	۴ تقریظ	۴	انکا	اسکا
۱۷۱	۲۱	۶۰	۵۰	〃	۸	کے	کسان
۲۰۳	۱	ٹکرے	ٹکڑے	〃	〃	یہ	یا
〃	۱۱	کئے	سئے	〃	〃	غدا	خدائے
۲۱۸	۱۸	سہ	تہ	۱۷	۴	آیا	آہا
۲۲۹	۱	ہمبر	پیمبر	۱۹	۱۰	جبیں	جبین
۲۴۰	۱۴	جائے	جانئیے	۴۴	۱۵	عی	ہی